اللہ اکبر

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

فتاویٰ ثنائیہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا ابو الوفا ثناء اللہ امرتسری

مرتبہ: مولانا محمد داؤد صاحب راز

مکتبہ ثنائیہ ○ النور اکیڈمی

چوک بلاک ۱۹ - سرگودھا

فتاویٰ ثنائیہ

جس میں،

شیخ الاسلام حضرت مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسریؒ کے
۴۴ سالہ فتاویٰ کو فقہی ترتیب کے ساتھ اس طرح مرتب کر دیا گیا ہے
کہ عبادات و معاملات کا کوئی مسئلہ باقی نہیں رہا

محشی الحواشی شیخ الحدیث حضرت مولانا ابوسعید شرف الدین دہلویؒ

جلد ثانی

مکتبہ ثنائیہ

النور اکیڈمی

چوک بلاک ۱۹، سرگودھا

نام: فتاویٰ ثنائیہ

مصنف: حضرت ابوالعرفا مولانا ثناء اللہ امرتسری مرحوم

ناشر: مکتبہ ثنائیہ / النور اکیڈمی

چوک، بلاک ۱۹۔ سرگودھا۔

فہرست مضامین فتاوی ثنائیہ جلد دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

پچھلے برس یکم جون کو تفسیر ثنائی چھپواتے ہوئے میں نے اس بات کا وعدہ کیا تھا کہ جماعت اہلحدیث کی بے حسی اور اپنے اکابر و اسلاف سے بے پرواہی کے باوصف ہم اس کا تہیہ کئے ہوئے ہیں کہ اپنے ان علمی ذخائر کو منظر عام پر لائیں جو مختلف اسباب و وجوہ کی بنا پر گوشۂ گمنامی میں پڑے ہوئے ہیں، اور جو اگر اب بھی بازار میں آجائیں تو اس خلا کو بڑی حد تک پُر کیا جاسکتا ہے جو اس وقت ہم میں پیدا ہو چکا ہے۔

للہ الحمد کہ ہم اپنی بساط کی حد تک اور اپنے محدود وسائل کے ساتھ اب تک اس سلسلہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر ثنائی اور امام العصر حضرت مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ کی سورۂ فاتحہ پر بے نظیر اور مفصّل کتاب "واضح البیان" شائع کر چکے ہیں اور اب شائقین کے لیے "فتاویٰ ثنائیہ" ایسی ضخیم اور جامع و مکمل کتاب پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

فتاویٰ ثنائیہ کے بارہ میں یہ بات بلا خوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ اردو فتاویٰ میں یہ جامع اور صحیح ترین انداز صاف ستھرا اور اسلوب سادہ اور عام فہم ہے، اور اس بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ فتاویٰ ثنائیہ عام و خاص دونوں کے لیے یکساں مفید ہے اور اس کے ہوتے ہوئے آدمی بہت سی کتب سے مستغنی ہو

جاتا ہے۔ ہم اللہ سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ اسے تمام لوگوں کے لیے روشنی و ہدایت کا ذریعہ بنائے اور اس کی حالت میں ہاتھ بٹانے والوں کو اپنی نعمتوں سے مالا مال کرے۔ آمین۔

ہمیں امید ہے کہ اس مبارک کتاب کے بعد ہم اپنے بزرگوں کی ایمان و نور سے معمور دیگر کتابوں کو بھی جلد سے جلد لوگوں کے سامنے پیش کر سکیں گے۔

وباللہ التوفیق!

احسان الٰہی ظہیر مدیر "ماہنامہ ترجمان الحدیث" لاہور
۱۹ر جنوری ۱۹۷۲ء

باب ششم

کتاب الجنائز

تشریحات

از قلم حضرت مولانا مولوی عبدالرحمن صاحب محدث مبارکپوری المتوفی ۱۹ شوال ۱۳۵۳ھ
قدس اللہ سرہ العزیز صاحب تحفۃ الاحوذی وابکار المنن وتحقیق الکلام وکتاب الجنائز وغیرہ

جنائز کے احکام و مسائل احتضار کے وقت سے لے کر دفن تک اس کثرت سے ہیں، اور اس قابل ہیں کہ مستقل تصنیف میں جمع کئے جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین رحمہم اللہ نے اس باب میں کتاب الجنائز کے نام سے مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ ہمارے علم میں (واللہ تعالیٰ اعلم) محدثین میں سے اول اول جس نے اس باب میں مستقل کتاب لکھی وہ محدث عبدالوہاب ابن عطاء الخفاف بصری نزیل بغداد ہیں۔ آپ بصرہ کے مشاہیر محدثین سے ہیں فن حدیث میں خالد حذاء اور سلیمان تیمی اور سعید بن ابی عروبہ وغیرہم کے شاگرد اور امام احمد بن حنبل وغیرہ کے استاذ ہیں اور ابو عمرو بن علاء سے جو قراء سبعہ سے ایک مشہور قاری ہیں فن قرارت حاصل کیا ہے۔ امام مسلم نے اپنے صحیح میں اور ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے اپنے سنن میں آپ کی سند سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ محدث سعید بن ابی عروبہ کی صحبت میں ایک مدت تک تھے۔ ۲۰۴ھ میں وفات پائی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے آپ کی کتاب الجنائز سے فتح الباری میں بعض حدیثیں نقل کی ہیں۔

محدث عبدالوہاب بن عطاء کے بعد علامہ مزنی نے کتاب الجنائز کے نام سے ایک مستقل کتاب تالیف کی۔ عون المعبود حاشیہ سنن ابی داؤد میں اس کتاب کی بعض روایتیں منقول

ہیں لیکن اصل کتاب سے نہیں۔ علامہ ممدوح امام طحاوی کے ماموں اور امام شافعیؒ کے مشہور شاگرد ہیں۔ نام اسمٰعیل بن یحییٰ، کنیت ابو ابراہیم، وطن اور مسکن مصر تھا۔ امام شافعیؒ کی تائید و نصرت میں بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ امام شافعیؒ فرماتے تھے اَلْمُزَنِیُّ نَاصِرُ مَذْهَبِیْ جب آپ مختصر تصنیف کر رہے تھے تو جس مسئلہ کی تحقیق سے فارغ ہوتے اور اس کو کتاب میں درج کرتے تو دو رکعت شکرانہ نماز پڑھتے نماز باجماعت ادا کرنے کا اتنا التزام و اہتمام رہتا تھا کہ جب کوئی نماز جماعت کے ساتھ نہیں ملتی تو اس کو پچیس مرتبہ پڑھتے تاکہ جماعت کا ثواب حاصل ہو۔ امام شافعیؒ کی تجہیز و تکفین میں شریک تھے۔ اور آپ ہی نے ان کو غسل دیا تھا۔ ۲۶۴ھ میں وفات پائی۔ اور قرافہ صغریٰ میں امام شافعیؒ کی قبر کے قریب دفن ہوئے۔

علامہ مزنی کے بعد محدث ابوبکر مروزی نے کتاب الجنائز کے نام سے ایک مستقل کتاب لکھی حافظ ابن حجر نے آپ کی اس کتاب سے تلخیص الحبیر میں بعض حدیثیں نقل کی ہیں۔ نام احمد بن علی ہے اور وطن اور مسکن "مرو" ہے۔ جو ملک خراسان کا ایک مشہور شہر ہے۔ فن حدیث میں امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین وغیرہما کے شاگرد اور امام نسائی اور ابو عوانہ اور طبرانی وغیرہم کے استاذ ہیں۔ حافظ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں کان من اوعیۃ العلم و ثقات المحدثین لہ تصانیف مفیدۃ و مسانید۔ یعنی ابوبکر مروزی بہت بڑے عالم اور ثقات محدثین سے تھے اور مفید کتابیں تصنیف کی ہیں۔ امام نسائی نے اپنے سنن میں آپ کی سند سے کثرت سے حدیثیں روایت کی ہیں شہر حمص کے عہدہ قضا پر مامور تھے پھر دمشق کے قاضی مقرر ہوئے اور دمشق ہی میں ۲۹۲ھ میں وفات کی۔

محدث ابوبکر کے بعد محدث ابن شاہین نے کتاب الجنائز کے نام سے ایک مستقل کتاب لکھی آپ کی اس کتاب کی نسبت حافظ زیلعی نصب الرایہ میں لکھتے ہیں **مجلد وسط** یعنی اوسط درجہ کے حجم کی کتاب ہے نہ بہت بڑی نہ بہت چھوٹی۔ ابن شاہین عراق کے ایک مشہور محدث ہیں۔ نام عمر بن احمد، کنیت ابو حفص ہے، دمشق، شام، فارس اور بصرہ میں بڑے بڑے ائمہ حدیث سے حدیث پڑھی ہے ابن الفوارس کا بیان ہے کہ جس قدر کتابیں ابن شاہین نے تصنیف کی ہیں کسی محدث نے تصنیف نہیں کیں محمد بن عمر داؤدی نے ابن شاہین سے سنا وہ کہتے تھے کہ اس وقت تک جس قدر روشنائی میں نے خریدی ہے اس کا حساب کیا تو وہ سات سو درہم کی ہوئی ہے۔ آپ کے سامنے جب

مذہب کا تذکرہ ہوتا تو آپ فرماتے اَنَا مُحَمَّدِیُّ الْمَذْهَب یعنی میرا مذہب محمدیؐ ہے آپ کا سن ولادت ۲۹۷ھ ہے اور سن وفات ۳۸۵ھ۔ حافظ زیلعی نے نصب الرایہ میں ابن شاہین کی کتاب الجنائز سے متعدد حدیثیں نقل کی ہیں۔ (کتاب الجنائز ص ۲ تا ۴)

دیگر: جب کوئی شخص مرنے کے قریب ہو تو سنت ہے کہ اس کو قبلہ کی طرف متوجہ کردیں یعنی داہنی کروٹ پر اس طرح لٹائیں کہ اس کا منہ قبلہ کی طرف ہو۔ اور اگر کسی وجہ سے اس طرح نہ لٹا سکیں تو چت لٹائیں کہ اس کے پیر قبلہ کی طرف ہوں اور سر نیچے تکیہ یا کوئی اور چیز رکھ کر اونچا کردیں کہ منہ قبلہ کی طرف متوجہ ہو جائے اس طرح لٹانے میں سنت بھی ادا ہو جائے گی۔ اگر قبلہ کی طرف متوجہ کرنے میں مریض کو تکلیف ہو تو جس حالت پر ہو اسی حالت پر اس کو چھوڑ دیں۔

اس کو کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی تلقین کریں۔ یعنی اس کے پاس بیٹھ کر یہ کلمہ باآواز بلند کہیں کہ وہ سنے اور یہ کلمہ اس کو یاد آجائے اور اس کو کہے مگر ٹھہر ٹھہر کر اطمینان کے ساتھ کہیں لگاتار دیر تک نہ کہتے رہیں اور نہ چلا کر شور و غل کے ساتھ کہیں کیونکہ مریض پر جانکنی کا وقت بہت نازک ہوتا ہے ایسا نہ ہو کہ آزردہ خاطر ہو کر کہیں زبان سے کوئی نا ملائم بات نکالے یا اس کے دل کو اس سے نفرت ہو۔

مریض جب ایک بار لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہے تو پھر تلقین کی ضرورت نہیں۔ ہاں اس کلمہ کے بعد کوئی دوسری بات بولے تو پھر تلقین کرنا چاہیے کہ وہ اس کلمہ کو پھر کہے اور اس کا آخری کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہو۔

ابوداؤد میں حضرت معاذؓ سے روایت ہے قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من کان اخر کلامہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کا آخری کلام لا الٰہ الا اللہ ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اور مسلم میں ابوذرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس بندہ نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا پھر اسی پر مر گیا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ جامع ترمذی میں ہے کہ عبداللہ بن مبارک جب قریب المرگ ہوئے تو ایک شخص ان کو کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی تلقین کرنے لگا اور اس کلمہ کو بار بار کہنے لگا عبداللہ بن مبارک نے فرمایا کہ جب میں اس کلمہ کو ایک بار کہہ لوں تو میں اسی پر ہوں جب تک کہ میں کوئی اور بات نہ بولوں

امام ترمذیؒ لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن مبارک کی مراد وہ حدیث ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جس شخص کا آخری کلام لا الٰہ الا اللہ ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔
یہاں مجھے ابوزرعہ محدث کا قصہ یاد آگیا۔ حافظ ابن حاتم نے لکھا ہے کہ جب ابوزرعہ قریب المرگ ہوئے تو لوگوں نے ان کو کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کرنی چاہی اور باہم حضرت معاذؓ کی حدیث کا تذکرہ کرنے لگے جو ابھی اوپر مذکور ہو چکی ہے۔ پس ابوزرعہ نے حضرت معاذ کی حدیث کو مع الاسناد پڑھنا اور سنانا شروع کیا جب لا الٰہ الا اللہ پر پہنچے اور اس کلمہ کو زبان سے کہہ چکے۔ بس اسی وقت ان کی روح قبض ہو گئی سبحان اللہ کیسی اچھی موت ہوئی اور کیا اچھا خاتمہ ہوا اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا حُسْنَ الْخَاتِمَۃِ وَاجْعَلْ اٰخِرَ کَلَامِنَا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اٰمِیْن۔ جانکنی کے وقت مریض کے پاس سورۂ یٰسین پڑھنے کا بھی حکم ہے۔

جب روح قبض ہو جائے تو آنکھیں بند کر دی جائیں اور ہاتھ پیر سیدھے کر دیئے جائیں اور تمام بدن کپڑے سے ڈھانک دیا جائے اور میت کے لئے اور اپنے لئے دعا و استغفار کریں اور کوئی برا کلمہ زبان سے نہ نکالیں کیونکہ اس وقت جو کچھ کہا جاتا ہے فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوسلمہ پر داخل ہوئے۔ اور ان کی آنکھیں کھلی تھیں تو آپ نے ان کو بند کر دیا پس ان کے گھر کے بعض لوگ رونے چلانے لگے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اپنی جانوں کے واسطے بجز نیک دعا کے بد دعا نہ کرو۔ اس واسطے کہ تم لوگ کہتے ہو اس پر فرشتے آمین کہتے ہیں پھر آپ نے ابوسلمہ کے لئے یوں دعا کی اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاَبِیْ سَلَمَۃَ وَارْفَعْ دَرَجَتَہٗ فِی الْمَھْدِیِّیْنَ وَاخْلُفْہُ فِیْ عَقِبِہٖ فِی الْغَابِرِیْنَ وَاغْفِرْ لَنَا وَلَہٗ یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ وَافْسَحْ لَہٗ فِیْ قَبْرِہٖ وَنَوِّرْ لَہٗ فِیْہِ یعنی اے اللہ تو ابوسلمہ کو بخش دے اور ہدایت والوں میں اس کا درجہ بلند کر اور اس کے پس ماندوں میں اس کا خلیفہ بن یعنی ان کا محافظ و نگہبان رہ اور ہم لوگوں کی اور اس کی مغفرت کر یا رب العالمین اور اس کے واسطے اس کی قبر میں کشادگی کر اور اس کے واسطے اس کی قبر میں روشنی کر، روایت کیا اس کو بخاری اور مسلم نے۔ پس روح قبض ہو جانے کے بعد اہل میت کو یہ دعا پڑھنی چاہیے اور بجائے ابی سلمہ کے اپنے میت کا نام لینا چاہیے مثلاً میت کا نام عبداللہ ہے

تو یوں کہنا چاہئے۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِ اللّٰہِ وَارْفَعْ دَرَجَتَہٗ موت کے صدمہ کے وقت صبر کرنا چاہئے اور یہ دعا پڑھنی چاہیئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰھُمَّ اْجُرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاَخْلِفْ لِیْ خَیْرًا مِّنْھَا۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کسی مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہ یہ دعا پڑھے تو اللہ تعالےٰ اس کو اس سے بہتر بدلہ دیتا ہے، روایت کیا اس کو مسلم نے۔ حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ جب (میرے شوہر اول) ابوسلمہ نے وفات پائی تو میں نے اپنے جی میں کہا کہ ابوسلمہؓ سے بہتر کون مسلمان ہوگا یہ اس خاندان کے پہلے شخص تھے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پہلے ہجرت کی تھی۔ پھر میں نے اس دعا کو پڑھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے میں ان سے بہتر شخص (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو عطا فرمایا۔ روایت کیا اس کو مسلم نے، جو لوگ مصیبت کے وقت صبر کرتے اور اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھتے ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَا اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَۃٌ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ یعنی خوشخبری دے دے ان صبر کرنے والوں کو کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے بخششیں اور رحمت ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو راہ پائے ہوئے ہیں۔

میت پر نوحہ کرنا اور زور سے رونا بڑا گناہ ہے۔ آہستہ آہستہ رونا اور آنسو بہانا منع نہیں بخاری اور مسلم میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میت والوں کے نوحہ کرنے اور زور زور سے رونے کی وجہ سے میت پر عذاب کیا جاتا ہے اور بخاری اور مسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میں اس شخص سے بیزار ہوں جو مصیبت کے وقت سر منڈائے اور چلا کر روئے اور کپڑے کو پھاڑے" اور بخاری اور مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم میں سے وہ نہیں جو اپنے گالوں کو پیٹے اور گریبانوں کو

پھاڑے اور جاہلیت کی پکار پکارے" یعنی رونے کے وقت زبان سے ایسی باتیں نکالے جو جاہلیت کے زمانہ میں کافر لوگ کہا کرتے تھے اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو صدمۂ موت کے وقت صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ اور بے صبری کے تمام کاموں سے بچائے۔

فائدہ: تلقین کی حدیث سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ تلقین کے وقت فقط لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنا چاہیئے مگر حافظ ابن حجرؒ وغیرہ نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سے مراد شہادت کے دونوں کلمے ہیں یعنی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ دونوں کلموں کی تلقین کرنا چاہیئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فائدہ:- مرنے کے وقت ہر مسلمان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن یعنی نیک گمان رکھنا چاہیئے یعنی اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت اور اس کے کرم عام پر نظر کر کے یہ امید اور گمان رکھنا چاہیئے کہ وہ میرے گناہوں کو بخشے گا اور مجھ کو جنت میں داخل کرے گا اور اپنے گناہوں پر نظر کر کے اللہ تعالیٰ پر ہرگز بدگمان نہیں رکھنا چاہیئے۔ یعنی ہرگز یہ گمان نہیں رکھنا چاہیئے کہ وہ میری مغفرت نہیں کرے گا۔ بخاری اور مسلم کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ۔ یعنی میں اپنے بندے کے گمان کے نزدیک ہوں یعنی میرے ساتھ جیسا گمان نیک و بد رکھے گا میں اس کے ویسے گمان کے نزدیک ہوں گا اور اس کے اسی گمان نیک یا بد کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ کروں گا۔ اور مسلم میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم لوگوں میں سے ہر ایک شخص کو بس اسی حالت میں مرنا چاہیئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن رکھے" ہاں اپنے گناہوں سے نڈر بھی نہیں ہونا چاہیئے جامع ترمذی میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جوان شخص کے پاس تشریف لے گئے اور وہ جان کنی کی حالت میں تھا پس آپ نے فرمایا تو اپنے کو کیسا پاتا ہے؟ اس نے کہا میں اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں اور اپنے گناہوں سے ڈرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ ایسے وقت میں جس بندہ کے دل میں یہ دونوں باتیں جمع ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ اس کو وہ چیز دیتا ہے جس کی وہ امید رکھتا ہے اور بے خوف کرتا ہے اس چیز سے جس سے وہ ڈرتا ہے۔

فائدہ:- موت کی سختی اور سکرات کی شدت کو مکروہ سمجھنا اور ناپسند کرنا نہیں

چاہیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی موت کی سختی ہوئی تھی۔ حضرت عائشہ رضی فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر ٹیک دیئے ہوئے انتقال فرمایا۔ پس میں آپ کے بعد کسی شخص کے واسطے موت کی سختی کو ناپسند نہیں کرتی (بخاری) اور ایک روایت میں ہے کہ آپ کی موت کی سختی دیکھنے کے بعد کسی شخص کی موت کی آسانی پر میں رشک نہیں کرتی (جامع ترمذی)

فائدہ:۔ ناگہانی موت کے بارے میں مختلف روایتیں آئی ہیں۔ بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ اچھی نہیں۔ ابوداؤد میں عبید بن خالد رضی سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناگہانی موت غضب کی پکڑ ہے۔ اور بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ناگہانی موت اچھی ہے۔ ابن ابی شیبہ رضی نے اپنے مصنف میں حضرت ابن مسعود رضی اور حضرت عائشہ رضی سے روایت کی ہے کہ ناگہانی موت مومن کے واسطے راحت ہے اور فاجر کے واسطے غضب ہے۔ علمائے حدیث نے ان حدیثوں میں اس طرح جمع و توفیق بیان کی ہے کہ جو شخص موت سے غافل نہ ہو اور مرنے کے لئے ہر وقت تیار و مستعد و آمادہ رہتا ہو اس کے لیے ناگہانی موت اچھی ہے اور جو شخص ایسا نہ ہو اس کے لئے اچھی نہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

فائدہ:۔ جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات کی موت بہت اچھی ہے۔ جامع ترمذی صفحہ ۱۸۰ میں عبد اللہ بن عمرو رضی سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات کو مرے گا اللہ تعالیٰ اس کو قبر کے فتنہ سے بچائے گا" یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن اس کی تائید متعدد حدیثوں سے ہوتی ہے۔ الحمد للہ کہ میرے والد مرحوم نے جمعہ ہی کے دن بعد نماز جمعہ اس دار ناپائدار سے دار البقار کو رحلت فرمائی ہے اور وہ جمعہ بھی رمضان المبارک کے اخیر عشرہ کا جمعہ تھا غفر اللہ لہ و رضی عنہ۔ دوشنبہ کے دن کی بھی موت اچھی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوشنبہ ہی کے دن انتقال فرمایا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت ابوبکر رضی نے اپنے مرض الموت میں دوشنبہ کے دن اپنے مرنے کی تمنا ظاہر کی تھی۔ مگر ان کا انتقال منگل کی رات کو ہوا۔

فائدہ:۔ قبر میں ہر ایک شخص سے سوال ہوگا مگر چند لوگ ایسے ہیں

جس سے سوال نہیں ہوگا از انجملہ ایک شہید فی سبیل اللہ ہے اور ایک مُرابط یعنی وہ شخص جو سرحد اسلام کی حفاظت کرے اور ایک وہ شخص جس کی موت جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات کو ہوئی جیسا کہ اوپر ترمذی کی حدیث سے معلوم ہوا۔ حافظ ابن حجرؒ نے بذل الماعون میں لکھا ہے کہ جو شخص طاعون میں مبتلا ہو کر مرے اس سے بھی قبر میں سوال نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ نظیر شہید فی المعرکہ ہے اور اسی طرح جو شخص طاعون میں صابرًا محتسبا ٹھیرا رہے اور طاعونی مقام سے نہ بھاگے اس سے بھی قبر میں سوال نہیں ہوگا۔ اگرچہ وہ طاعون میں مبتلا ہو کر نہ مرا ہو کیونکہ وہ نظیر مرابط ہے

فائدہ:- بعض موتیں شہادت کی موتیں ہوتی ہیں ان موتوں سے مرنے والوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہید فرمایا ہے۔ موطا امام مالکؒ اور ابوداؤد اور نسائی میں جابر بن عتیکؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ کی راہ میں قتل ہونے کے علاوہ یعنی جہاد میں شہید ہونے کے علاوہ شہادت کی سات قسمیں ہیں جو طاعون سے مرا وہ شہید ہے اور جو ڈوب کر مرا وہ شہید ہے اور جو ذات الجنب سے مرا وہ شہید ہے اور جو پیٹ کی بیماری سے مرا وہ شہید ہے اور جو آگ میں جل کر مرا وہ شہید ہے اور جو دیوار یا کسی اور چیز کے نیچے دب کر مرا وہ شہید ہے۔ اور جو عورت ولادت کے وقت مری وہ شہید ہے" اور ابن ماجہ اور دار قطنی کی روایت میں ہے کہ مسافر کی موت شہادت ہے اسی طرح پر اور بھی چند موتوں کا شہادت ہونا احادیث سے ثابت ہے لیکن ان موتوں سے مرنیوالے حکمی شہید ہیں، اصلی شہید اور ان حکمی شہیدوں کے درمیان احکام جنائز کے متعلق کئی باتوں کا فرق ہے از انجملہ ایک یہ کہ اصلی شہید بغیر غسل کے دفن کئے جاتے ہیں اور ان حکمی شہیدوں کو غسل دینا چاہیئے اور از انجملہ ایک یہ کہ اصلی شہید پر جنازہ کی نماز پڑھنے کے بارے میں حدیثیں مختلف آئی ہیں اسی وجہ سے اس بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ پڑھنی چاہیئے اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں پڑھنی چاہیئے اور ان حکمی شہیدوں پر جنازہ کی نماز بالاتفاق پڑھنی ضروری ہے۔

فائدہ: اگر کوئی شخص کسی قریب المرگ سے کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یا فلاں شخص سے میرا سلام کہہ دینا تو اس میں کچھ حرج نہیں۔ بعض صحابہؓ نے

ایسا کیا ہے۔

فائدہ:- کسی مصیبت اور تکلیف پہنچنے کی وجہ سے موت کی آرزو نہیں کرنی چاہیئے۔ حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم لوگوں میں کوئی شخص کسی مصیبت پہنچنے کی وجہ سے ہرگز موت کی آرزو نہ کرے اگر اس کو آرزو کرنا ہی ہے یوں کہے:- "اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مَا کَانَتِ الْحَیٰوۃُ خَیْرًا لِّیْ وَتَوَفَّنِیْ اِذَا کَانَتِ الْوَفَاۃُ خَیْرًا لِّیْ" (متفق علیہ) یعنی اے اللہ مجھ کو زندہ رکھ جب تک میرے لئے زندگی بہتر ہو اور مجھ کو وفات دے جب میرے لیئے وفات بہتر ہو۔

جب روح قبض ہو جائے تو فوراً تجہیز و تکفین کا سامان کرنا چاہیئے۔ حصین رضؓ ابن وحوح سے روایت ہے کہ طلحہؓ بن براء مریض ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کو تشریف لے گئے پس آپ نے فرمایا کہ میرا تو بس یہی گمان ہے کہ طلحہ کی موت آپہنچی تو ان کے مرنے کی مجھے خبر دینا اور تجہیز و تکفین میں جلدی کرنا اس واسطے کہ مسلمان کی لاش کو اس کے لوگوں میں روکنا مناسب سزاوار نہیں۔ روایت کیا اس کو ابو داؤد نے۔

اگر کوئی رات کو مرے اور رات ہی کو تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ ہو سکے تو رات ہی کو دفن کر دیں دن کا انتظار نہ کریں۔ رات کو مردے کا دفن کرنا حدیث صحیح سے ثابت ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ رات ہی کو دفن کیئے گئے ہیں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رات ہی کو دفن کی گئیں اور اگر رات کے وقت تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ نہ ہو سکے تو البتہ دن کا انتظار کرنا چاہیئے اور جمعہ کے دن اگر نماز جمعہ کے قبل تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ سے فراغت ہو سکے تو قبل ہی فارغ ہو جانا چاہیئے اور نماز جنازہ میں زیادہ لوگوں کے شریک ہونے کے خیال سے نماز جمعہ کا انتظار نہیں کرنا چاہیئے۔ قرابت مند اور دوست احباب کو تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ میں شریک ہونے کے لئے موت کی خبر دینا جائز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو اور صحابہؓ نے باہم ایک دوسرے کو موت کی خبر دی ہے اور حدیث میں جو نعی کی ممانعت آئی ہے سو

نعی سے مطلق موت کی خبر دینا مراد نہیں ہے بلکہ اس طرح پر موت کی خبر دینا مراد ہے جس طرح پر زمانہ جاہلیت میں دستور تھا۔ حافظ ابن حجرؒ نے بخاری کی شرح میں لکھا ہے کہ جاہلیت کا دستور تھا کہ جب کوئی مرتا تو کسی کو محلوں کے دروازوں پر اور بازاروں میں بھیجتے، وہ گشت کر کے باواز بلند اس کے مرنے کی خبر کرتا۔" اور نہایہ جزری وغیرہ میں لکھا ہے کہ جب کوئی شریف آدمی مرتا یا قتل کیا جاتا تو قبیلوں میں ایک سوار کو بھیجتے جو چلا کر اس کی موت کی خبر کرتا کہ فلاں شخص مر گیا یا فلاں شخص کے مرنے سے عرب ہلاک ہوگیا۔ پس موت کی خبر جاہلیت کے اس طریقے پر دینا ممنوع اور ناجائز ہے۔ اور مجرد موت کی خبر دینا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اور صحابہ نے باہم ایک دوسرے کو دی ہے منع نہیں۔

کوئی شخص مر گیا اور اس نے اپنی بیوی کا دین مہر ادا نہیں کیا اور کچھ مال بھی نہیں چھوڑا تو اس صورت میں اس کی بیوی اگر اپنا دین مہر خوشی سے معاف کر دے تو بڑے ثواب کی بات ہے اور اپنے شوہر متوفی پر بہت بڑا احسان کرنا ہے اور اگر مال چھوڑ گیا ہے تو اس صورت میں اس کی بیوی سے خواہ مخواہ دین معاف کرانا جائز نہیں بلکہ اس صورت میں ورثاء کو لازم ہے کہ اس کی بیوی کا دین مہر اور دوسرے قرضخواہوں کا قرض فوراً ادا کر دیں۔

جامع ترمذی میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نَفْسُ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَيْنِهٖ حَتّٰى يُقْضٰى عَنْهُ یعنی مومن کی روح اس کے قرض کے ساتھ معلق رہتی ہے یہاں تک کہ اس کا قرض اس کی طرف سے ادا کیا جائے۔" یعنی مومن قرضدار کی روح جنت میں نہیں داخل ہوتی جب تک کہ اس کی طرف سے اس کا قرض ادا نہ کیا جائے۔ مسند احمد میں محمد بن عبداللہ بن جحش رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے اگر کوئی شخص اللہ کی راہ میں شہید کیا جائے۔ پھر زندہ ہو۔ پھر اللہ کی راہ میں شہید کیا جائے پھر زندہ ہو۔ پھر اللہ کی راہ میں شہید کیا جائے۔ اور اس پر قرض ہو تو وہ جنت میں نہیں داخل ہوگا۔ یہاں تک کہ اس کا قرض ادا کیا جائے۔ نیز مسند احمد

میں سعد بن اطول سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میرا بھائی مر گیا اور تین سو اشرفیاں چھوڑ گیا اور چھوٹے بچوں کو چھوڑا تو میں نے ارادہ کیا کہ ان اشرفیوں کو ان بچوں پر خرچ کروں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیرا بھائی اپنے قرض کے ساتھ مقیّد ہے سو تو اس کا قرض ادا کر۔ سعد بن اطول کہتے ہیں کہ میں نے اپنے بھائی کا کل قرض ادا کر دیا۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص قرضدار مرے اور مال چھوڑ جائے تو اس کے وارثوں کو لازم ہے کہ اس کا قرض فوراً ادا کر دیں۔ اور اگر اس نے مال نہیں چھوڑا ہے تو اگر قرض خواہ لوگ قرض کو معاف کر دیں یا وارث لوگ یا کوئی اور صاحب اس کا قرض اپنی طرف سے ادا کر دیں تو خود بھی بہت بڑے ثواب کے مستحق ہوں گے اور میت قرضدار کو بھی قرض کی قید سے رہائی ہو جائے۔

مسلم میں ابوالیسر سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِرًا أَوْ وَضَعَ عَنْهُ أَظَلَّهُ اللّٰهُ فِي ظِلِّهِ یعنی جس شخص نے کسی محتاج قرضدار کو مہلت دی یا اس کا قرضہ معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے سایہ میں جگہ دے گا۔ اور ابو قتادہ کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی مصیبتوں سے اس کو نجات دے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ایسے شخص کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھتے تھے جو قرضدار مرتا اور مال نہ چھوڑ جاتا۔ جس سے اس کا قرض ادا کیا جاتا۔ بلکہ صحابہؓ کو فرماتے کہ تم لوگ اس کے جنازہ کی نماز پڑھ لو پھر جب فتوحات ہوئیں اور غنیمت کے مال آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی قرضدار میت کا قرض خود اپنی طرف سے ادا فرماتے۔ اور اس کے جنازہ کی نماز پڑھتے۔

(کتاب الجنائز از صـ۸ تا ۳۱)

سوال: قبر میں میت کو دفن کرتے وقت تھوڑی سی مٹی پر ہر ایک شخص قل ھو اللہ پڑھے وہ مٹی قبر میں رکھی جائے اور ایک اینٹ پر کلمہ لکھ کر اندر رکھی جائے دفن کے بعد قبر پر اذان دی جائے کیا جائز ہے۔

جواب: ایسے افعال حدیثوں سے ثابت نہیں ہیں۔ اگر کچھ ہے تو بدعت ہے

(اہلحدیث ج ۴۲ عـ۱۵)

تشریح: واضح ہو کہ ڈھیلے مٹی پر سورہ اخلاص وغیرہ پڑھ کر قبر میں رکھنا قول وفعل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں نہ صحابہ کرام سے و نیز قول و فعل تابعین و تبع تابعین و طبقات ہفت گانہ فقہائے حنفیہ وغیرہ سے بھی کتب معتبرہ و معتمدہ میں ثابت نہیں۔ غرض اس کی کوئی سند نہیں ہے اور اسی طرح جمع ہو کر تیسرے دن قرآن پڑھنا یا چنوں پر کلمہ پڑھنا۔ اسی طرح سیوم اور دسواں بیسواں چہلم، چھ ماہی اور برسی وغیرہ رسمیں بھی کہیں سے ثابت نہیں بلکہ یہ رسمیں ہنود اور کفار کی ہیں اجتناب اور حذر ان امور مذکورہ سے واجب ہے۔ ایصال ثواب مالی یا بدنی بلا التقرر اور تعیین وقت اور دن کے جب چاہے پہنچانا درست اور طریقہ مسلوکہ فی الدین ہے اور امور مذکورہ بالا محدث فی الدین ہیں۔ جیسا کہ علمائے ربانی محققین پر مخفی نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب (ملخص)

حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ۔ (فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۴۲۱)

سوال: زید کہتا ہے کہ جنازہ کی نماز کے آگے سیدھے کان پر سیدھے ہاتھ کی شہادت کی انگلی رکھ کر "صلوٰۃ الجنازۃ فرض الکفایۃ" تین مرتبہ پکارنے سے فرشتے اس آواز کو سن کر جنازے کی نماز میں جماعت کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں اس لئے ایسا بولنا چاہیئے بکر کہتا ہے اس طور سے صلوٰۃ پکارنا منع ہے کون حق پر ہے۔

جواب: جو واقعہ نظر اور عقل سے غائب ہو اس کا بتانا نبی کا کام ہے یہ واقعہ بھی عقل اور نظر سے غائب ہے اس لئے اس کا ثبوت بھی قرآن و حدیث سے ہونا چاہیئے جو نہیں ہے پس جو اس کا قائل ہے اس سے ثبوت مانگنا چاہیئے محض زبان سے دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔ (اہلحدیث ۴ ستمبر ۱۹۳۱ء)

سوال: قبر پہ میت کا نام اور وفات تاریخ سنگ مرمر کے پتھر پر کندہ کرنا کر قبر پر بطور یادداشت کے گاڑنا از روئے قرآن و حدیث جائز ہے یا نہیں؟ (عبداللہ سوداگر)

جواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پتھر ایک صحابی کی قبر پہ رکھ کر فرمایا تھا اس لئے رکھتا ہوں یہ قبر پہچان لیا کروں۔ پتھر پر نام میت لکھوا کر سرہانے کی طرف کھڑا کر دیا جائے تو میرے خیال میں منع نہیں۔ مدینہ شریف کے قبرستان میں آج تک بھی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر اسی طرح کا ایک پتھر یا لکڑی کی تختی کھڑی ہے۔

(۱۳ مئی ۳۶ء)

تعاقب: مفتی صاحب (اہلحدیث نے ۱۵ محرم کے پرچہ میں لکھا ہے کہ قبر کے سرہانے

پتھر رکھ دیا جائے اور اس پر میت کا نام وغیرہ لکھ دیا جائے تو حرج نہیں حالانکہ ترمذی کی حدیث میں ہے نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان تجصص القبور وان يكتب عليها پس مطلق قبر پر لکھنا نام ہو یا سنہ سب منع ہے۔

(عبداللطیف از دہلی)

جواب: آپ نے قبر کے لفظ پر غور نہیں کیا جو حدیث کا لفظ ہے۔ قبر کو ہانی شکل کا نام ہے پتھر اس سے الگ متصل چیز ہے حدیث کے صریح الفاظ حجت ہیں قیاس کسی کا حجت نہیں باوجود اس کے میں اپنی رائے پر اصرار نہیں کرتا۔ (۱۴ صفر ۱۳۴۹ھ)

سوال: کیا قرآن مجید کی تلاوت بلا تخصیص وقت و مکان کے میت کو ثواب پہنچتا ہے؟

جواب: کسی آیت یا حدیث سے تلاوت قرآن کی ثواب رسانی کا ثبوت نہیں نہ زمانہ رسالت میں اس کا ثبوت ملتا ہے۔ حنفی علماء اس کو مالی عبادات پر قیاس کر کے جائز کہتے ہیں۔ (۱۹ جون ۱۹۳۱ء)

شرفیہ: اس باب میں کچھ روایات یا آثار رکتاب ثمار التنکیت فی ابیات التثبیت میں ہیں مگر اس وقت وہ کتاب موجود نہیں جو نقل کی جائیں ہاں نیل الاوطار سے بحیثیت مجموعی ملتا ہے کہ جمہور اہل سنت کے نزدیک تلاوت قرآن کا ثواب بھی میت کو ملتا ہے۔ (نیل الاوطار ص ۸۰ ج ۴) (ابوسعید شرف الدین دہلوی)

سوال: موتیٰ کے دفن کرنے میں جلدی کی جائے یا دیر زید کہتا ہے کہ جلدی کرنا چاہیے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم تین کاموں میں جلدی کیا کرو۔ جس میں سے ایک جنازہ بھی ہے مگر بکر کہتا ہے کہ دیر کی جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعش مبارک دو دن کے بعد دفن کی گئی اگر یونہی ہوتا تو صحابہؓ جو حدیث کے یاد رکھنے اور ان پر عمل کرنے والے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعش مبارک کو بغیر دفن کئے ہوئے دو دن تک کیوں رکھتے اب دریافت طلب یہ ہے کہ زید کا کہنا ٹھیک ہے یا بکر کا۔

(مرزا فیاض علی بیگ سکندر آباد دکن)

جواب: حدیث میں حکم یہی ہے کہ میت کو جلدی دفن کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن کرنے میں اس لئے دیر ہوئی تھی کہ نعش مبارک حجرے میں تھی جہاں دفن ہونی تھی لوگ جوق جوق آتے اور باری باری نماز جنازہ پڑھتے تھے اس سے اصل حکم میں تبدیلی نہیں آسکتی۔ (۱۰ جولائی ۱۹۳۱ء)

تشریح: صرف جنازہ پڑھنے کی وجہ نہ تھی اصل بات یہ ہے کہ شاہی دستور رہے کہ جب تک جانشین نہ مقرر ہو جائے جب تک نعش شاہی دفن نہیں کی جاتی۔ اور اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق شاہانہ طریق پر نہ تھا مگر رسالت اور خصوصاً آپ کی رسالت جو اَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ كَافَّةً الآیۃ عام تھی کہ آپ کے بعد خلافت راشدہ شاہان دنیا سے اعلیٰ تھی۔ اسی وجہ سے حضور صلعم کے انتقال کے بعد صحابہ خلیفہ کے تعین و تقرر میں مشغول تھے ملاحظہ ہو بخاری ج ۱ ص ۵۱۸۔　(ابو سعید شرف الدین دہلوی)

سوال: شوہر اپنی بیوی مرحومہ یا بیوی شوہر مرحوم کو بعد انتقال غسل بلا عذر دے سکتی ہے یا نہیں بعض علماء فرماتے ہیں کہ بعد موت عورت مرد پر یا مرد عورت پر حرام ہو جاتی ہے۔ اس وجہ سے غسل دینا کیا معنی چھونا تک حرام ہے۔

جواب: جائز ہے۔ حضرت علی نے فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو غسل دیا تھا۔ اللہ اعلم۔
(۸۔۱۰ اگست ۱۹۳۰ء)

تعاقب: جواب طلب یہ امر ہے کہ حضرت علیؓ کے فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو غسل دینے کا ثبوت جس حدیث میں مرقوم ہو کتب حدیث کا حوالہ مکمل و مفصل تحریر فرمائیں۔ میرے ایک قدیمی دوست حنفی بھائی نے اعتراض کیا ہے کہ کس حدیث میں حضرت علیؓ کے فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو غسل دینے کا مرقوم ہے جواب مدلل ہونا چاہیے۔ (عبد اللہ چیر کنڈہ ضلع مانبھوم)

جواب: حضرت علیؓ والی روایت مسند امام شافعی اور دار قطنی میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کو فرمایا تھا اگر تو میرے سامنے فوت ہو گی تو میں تجھے غسل دوں گا۔ (ابن ماجہ) اکثر علماء اس کے جواز کے قائل ہیں۔　(۱۲۔ اگست ۱۹۳۲ء)

تعاقب[1]: کسی سائل نے مردہ مرد و عورت کے کفن کے متعلق دریافت کیا ہے جس کا جواب اس طرح دیا گیا ہے۔ "مردہ مرد کو تین چادریں فقط نیچے اوپر اور عورت کو تین چادریں ایک سینہ بند ایک سر بند کفنی وغیرہ کچھ نہیں بس یہی سنت ہے۔ یہی افضل ہے۔ انتہیٰ"۔ اس جواب میں آپ نے مردہ عورت کو کفنی کرتہ دینے سے انکار کیا ہے حالانکہ کرتہ مردہ عورت کو کفن میں دینا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ چنانچہ مسند احمد و سنن ابوداؤد

---

[1] مسئلہ متعلقہ مضمون تعاقب میں آگیا ہے۔ ع۔ ر۔ آ۔

میں ہے عن لیلیٰ بنت قانف الثقفیۃ قالت کنت فیمن غسل ام کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عند وفاتہا وکان اول ما اعطانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحقاء ثم الدرع ثم الخمار ثم الملحفۃ ثم ادرجت بعد ذلک فی الثوب الاخر قالت ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جالس عند الباب معہ کفنہا یناولنا ثوبا ثوبا" اس روایت سے معلوم ہوا کہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو علاوہ سربند سینہ بند دو چادروں کے کرتہ بھی دیا گیا چنانچہ قاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نیل الاوطار میں اس روایت کے نیچے لکھتے ہیں والحدیث یدل علی المشروع فی کفن المرأۃ ان یکون ازارا ودرعا وخمارا وملحفۃ ودرجا۔ نیز اسی طرح فقہائے احناف بھی کرتہ دینے کے قائل ہیں ملاحظہ ہو ہدایہ اولین ص۱۵۹ و دیگر کتب فقہ۔ خلاصہ یہ کہ عورت کو دو چادر اور ایک کرتہ کفنی اور ایک تہ بند یعنی سینہ بند اور ایک سربند کفن میں دینا مسنون ہے۔ (محمد یونس مدرسہ میاں صاحب قدس سرہ دہلی)

مفتی: حدیث پیش کردہ باوجود مجروح ہونے کے مجھے مسلم ہے۔ (۱۲ ستمبر ۱۹۳۰ء)

سوال: گھر یا قبرستان میں قرآن خوانی سے میت کو ایصال ثواب ہو سکتا ہے یا نہیں۔

(عبد الواحد لاہور)

جواب: صورت مرقومہ میں بعض علماء کے نزدیک جائز ہے۔ (۲۱ ربیع الاول ۱۳۶۳ھ)

سوال: کیا مردوں کی روحیں جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب کو اپنے عزیز و اقارب کے گھروں کی زیارت کو آتی ہیں اور اگر اس شب کو طعام وغیرہ دیا جائے تو وہ راضی ہوتی ہیں۔

جواب: یہ سب باتیں بے ثبوت ہیں۔ (۲۱ ربیع الاول ۱۳۶۳ھ)

سوال: میت کی طرف سے روزہ دار کو افطار کرانے سے ایصال ثواب ہوگا یا نہیں؟

جواب: ہر نیک کام کا ثواب میت کو پہنچ سکتا ہے۔ کنواں لگوا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ھذا لام سعد (یہ کنواں سعد کی ماں کو ثواب پہنچانے کے لئے بنایا گیا)۔ (۱۴ جمادی الآخر ۱۳۶۵ھ)

سوال: زید کہتا ہے مردہ کی کھوت کھانا حرام ہے۔

جواب: کوئی شخص ایصال ثواب کے لئے۔ غرباء و مساکین کو کھانا کھلائے تو جائز ہے بحکم حدیث مذکور حوالہ۔

تشریح: میت کی طرف سے خیرات کرے تو میت کو ثواب پہنچتا ہے یا نہیں؟ میت کے لئے قرآن خوانی جائز ہے یا نہیں اور ختم پڑھنا سنت ہے یا بدعت بینوا توجروا۔

الجواب: میت کی طرف سے خیرات کی جائے تو اس کا ثواب میت کو بلاشبہ پہنچتا ہے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے۔ عن عائشة ان رجلا قال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ان امی افتلتت نفسها واراها لو تكلمت تصدقت فهل لها اجران تصدقت عنها قال نعم اور قرآن خوانی اور ختم خوانی جس طریقہ پر فی زماننا رائج ہے سو یہ طریقہ بالکل بے اصل اور محدث ہے اور اس کے علاوہ قرارت قرآن کے ثواب پہنچنے اور نہ پہنچنے میں اختلاف ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ اور ایک جماعت علماء کے نزدیک قرارت قرآن کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور امام شافعی کا مشہور مذہب یہ ہے کہ نہیں پہنچتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ عبدالوہاب عفی عنہ۔ (سید محمد نذیر حسین۔ فتاویٰ نذیریہ ص۴۴)

سوال: کسی شخص کے مرجانے کے بعد چوتھے یا چالیسویں دن یا اس کے علاوہ متعین یا غیر متعین دنوں میں کسی مردے کے نام پر قرآن خوانی کرکے اور غرباء کو کھانا کھلا کے ایصال ثواب کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ (حکیم عبدالمنان از ڈمراؤں ضلع آرہ)

جواب: قرآن مجید پڑھ کر یا صدقہ خیرات کرکے میت کے لئے استغفار کرنا جائز بلکہ احسن طریقہ ہے رسمی طور پر دن مقرر نہ کرنا چاہئے۔ (۱۸ ذی الحجہ ۱۳۶۲ھ)

تشریح: مردہ کے واسطے ختم قرآن پڑھ کر بخشنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ قرارت قرآن کا ثواب مردہ کو پہنچتا ہے یا نہیں۔ علماء حنفیہ کے نزدیک اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اور بعض اصحاب شافعیؒ کے نزدیک پہنچتا ہے اور اکثر علماء شافعیہ کے نزدیک نہیں پہنچتا ہے اور امام شافعی کا مشہور مذہب یہی ہے کہ نہیں پہنچتا ہے پس جن لوگوں کے نزدیک پہنچتا ہے ان کے نزدیک مردے کے واسطے ختم قرآن پڑھ کر بخشنا جائز ہے۔ اور جن کے نزدیک نہیں پہنچتا ہے ان کے نزدیک نہیں جائز ہے۔ شرح کنز میں ہے۔ ان للانسان ان يجعل ثواب عمله لغيره صلوة كان او صوما او حجا او صدقة او قراءة قران او غير ذالك من جميع انواع البر ويصل ذالك الى الميت وينفعه عند اهل السنة امام نووی شرح مقدمہ مسلم میں لکھتے ہیں واما قراءة القرآن فالمشهور من

مذهب الشافعی انه لا یصل ثوابها الی المیت وقال بعض اصحاب یصل الی المیت وثواب جمیع العبادات من الصلوات والصوم والقراءة وغیر ذلک انتہ اذکار میں لکھتے ہیں۔ وذهب احمد بن حنبل وجماعة من العلماء و جماعة من اصحاب الشافعی الی انه یصل واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ علی محمد عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

ہوالموفق: متاخرین علمائے اہل حدیث سے علامہ محمد بن اسمٰعیل امیر رحمۃ اللہ علیہ نے سبل السلام میں مسلک حنفیہ کو دلیلاً بتایا ہے یعنی یہ کہا ہے کہ قراءت قرآن اور تمام عبادات بدنیہ کا ثواب میت کو پہنچنا از روئے دلیل کے زیادہ قوی ہے اور علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نیل الاوطار میں اسی کو حق کہا ہے مگر اولاد کے ساتھ خاص کیا ہے۔ یعنی یہ کہا ہے کہ اولاد اپنے والدین کے لئے قراءت قرآن یا جس عبادت بدنی کا ثواب پہنچانا چاہے تو جائز ہے کیونکہ اولاد کا تمام عمل خیر مالی ہو یا بدنی اور بدنی میں قراءت قرآن ہو یا نماز یا روزہ یا کچھ اور سب والدین کو پہنچتا ہے ان دونوں علامہ کی عبارتوں کو مع ترجمہ یہاں نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے سبل السلام شرح بلوغ المرام جلد اول صفحہ ۲۰۶ میں ہے

ان هذه الادعیة ونحوها نافعة للمیّت بلا خلاف واما غیرها من قراءة القرآن له فالشافعی یقول لا یصل ذلک الیه وذهب احمد وجماعة من العلماء الی وصول ذلک الیه وذهب جماعة من اهل السنة والحنفیة الی ان للانسان ان یجعل ثواب عمله لغیره صلوٰة کان اوصوما اوحجا اوصدقة اوقراءة قرآن او ذکرا ای نوع من انواع القرب وهذا هو القول الارجح دلیلا وقد اخرج دارقطنی ان رجلا سأل النبی صلی اللہ علیه وسلم انه کیف یبر ابویه بعد موتهما فاجابه بانه یصلی لهما مع صلوته ویصوم لهما مع صیامه واخرج ابوداؤد من حدیث معقل بن یسار عنه صلی اللہ علیه وسلم اقرؤا علی موتاکم سورة یٰسٓ وهو شامل للمیت بل هو الحقیقة فیه واخرج الشیخان انه صلی اللہ علیه وسلم کان یضحی عن نفسه بکبش وعن اُمّته بکبش و فیه اشارة الی ان الانسان ینفعه عمل غیره وقد بسطنا الکلام فی

حواشی ضوء النہار بما یتضح منہ قوۃ ھذا المذھب انتہی یعنی یہ زیارت قبر کی دعائیں اور مثل ان کے اور دعائیں میت کو نافع ہیں بلا اختلاف اور میت کے لئے قرآن پڑھنا سو امام شافعی رح کہتے ہیں کہ اس کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا ہے اور امام احمدؒ اور علماء کی ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ قرآن پڑھنے کا یہ ثواب میت کو پہنچتا ہے اور علمائے اہل سنت سے ایک جماعت کا اور حنفیہ کا یہ مذہب ہے کہ انسان کو جائز ہے کہ اپنے عمل کا ثواب غیر کو بخشے نماز ہو یا روزہ یا صدقہ یا قراءت قرآن یا کوئی اور ذکر یا کسی قسم کی کوئی اور عبادت اور یہی قول دلیل کی رو سے زیادہ راجح ہے۔ اور دارقطنی نے روایت کیا ہے کہ ایک مرد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ ان کے مرنے کے بعد کیونکر نیکی و احسان کرے۔ آپؐ نے فرمایا اپنی نماز کے ساتھ ان دونوں کے لئے نماز پڑھے اور اپنے روزے کے ساتھ ان دونوں کے لئے روزہ رکھے اور ابوداؤد میں معقل ابن یسار سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مردوں پر سورۂ یٰس پڑھو اور یہ حکم میت کو بھی شامل ہے۔ فی الحقیقت میت ہی کے لئے ہے۔ اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بھیڑ اپنی طرف سے قربانی کرتے تھے اور ایک اپنی اُمت کی طرف سے اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آدمی کو غیر کا عمل نفع دیتا ہے۔ اور ہم نے حواشی ضوء النہار میں اس مسئلہ پر مبسوط کلام کیا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہی مذہب قوی ہے۔ نیل الاوطار میں ہے صفحہ ۳۲۵ جلد ۳۔ والحق انہ یخصص عموم الآیۃ بالصدقۃ من الولد کما فی احادیث الباب و بالحج من الولد کما فی خبر الخثعمیۃ ومن غیر الولد ایضا کما فی حدیث المحرم عن اخیہ شبرمۃ ولم یستفصلہ صلی اللہ علیہ وسلم ھل اوصی شبرمۃ امرلا وبالعتق من الولد کما وقع فی البخاری فی حدیث سعد خلافا للمالکیۃ علی المشھور عندھم وبالصلوۃ من الولد ایضا لما روی الدارقطنی ان رجلا قال یارسول اللہ انہ کان لی ابوان ابرھما فی حال حیاتھما فکیف لی ببرھما بعد موتھما

فقال صلی اللہ علیہ وسلم ان من البر بعد البران تصلی لھما مع صلاتک وان تصوم لھما مع صیامک و بالصیام من الولد لھذا الحدیث ولحدیث ابن عباس عند البخاری و مسلم ان امرأۃ قالت یا رسول اللہ ان امی ماتت و علیھا صوم نذر فقال ارأیت لوکان دین علی امک فقضیتہ أکان یؤدی ذلک عنھا قالت نعم قال فصومی عن امک واخرج مسلم وابوداؤد والترمذی من حدیث بریدۃ ان امرأۃ قالت انہ کان علی امی صوم شھر فاصوم عنھا قال صومی عنھا ومن غیر الولد ایضا لحدیث من مات و علیہ صیام صام عنہ ولیہ متفق علیہ وبقراءۃ یٰس من الولد وغیرہ لحدیث اقرؤا علی موتاکم یٰس و بالدعاء من الولد لحدیث او ولد صالح یدعو لہ ومن غیرہ لحدیث استغفروا لاخیکم وسلوا لہ التثبیت ولقولہ تعالیٰ وَالَّذِیْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ و لما ثبت من الدعاء للمیّت عند الزیارۃ الخ وبجمیع ما یفعلہ الولد لوالدیہ من اعمال البر لحدیث ولد الانسان من سعیہ[1] انتھٰی۔ حاصل و خلاصہ ترجمہ اس عبارت کا بقدر ضرورت یہ ہے کہ حق یہ ہے کہ آیۃ وان لیس للانسان الا ما سعیٰ اپنے عموم پر نہیں ہے اور اس کے عموم سے اولاد کا صدقہ خارج ہے یعنی اولاد اپنے مرے ہوئے والدین کے لئے جو صدقہ کرے اس کا ثواب والدین کو پہنچتا ہے اور اولاد و غیر اولاد کا حج بھی خارج ہے اس واسطے کہ خثعمیہ کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اولاد جو اپنے والدین کے لئے حج کرے اس کا ثواب والدین کو پہنچتا ہے۔ اور شبرمہ کے بھائی کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حج کا ثواب میت کو غیر اولاد کی طرف سے بھی پہنچتا ہے اور اولاد جو اپنے والدین کے لئے غلام آزاد کرے تو اس کا بھی ثواب والدین کو پہنچتا ہے جیسا کہ بخاری میں سعدؓ کی حدیث سے ثابت ہے اور اولاد جو اپنے والدین کے لئے نماز پڑھے یا روزہ رکھے سو اس کا بھی ثواب والدین کو

---

[1] نیل الاوطار طبع جدید مصری الجزء الرابع ص۸۰۔ راز

پہنچتا ہے۔ اس واسطے کہ دار قطنی میں ہے کہ ایک مرد نے کہا کہ یا رسول اللہ میرے ماں باپ تھے ان کی زندگی میں ان کے ساتھ نیکی اور احسان کرتا تھا پس ان کے مرنے کے بعد ان کے ساتھ کیونکر نیکی کروں۔ آپؐ نے فرمایا کہ مرنے کے بعد نیکی یہ ہے کہ اپنی نماز کے ساتھ اپنے والدین کے لئے بھی نماز پڑھ اور اپنے روزہ کے ساتھ اپنے والدین کے لئے بھی روزہ رکھ اور صحیحین میں ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے کہا یا رسول اللہ میری ماں مر گئی اور اس کے ذمہ نذر کے روزے تھے آپؐ نے فرمایا بتا اگر تیری ماں کے ذمہ قرض ہوتا اور اس کی طرف سے تو ادا کرتی تو ادا ہو جاتا یا نہیں؟" اس نے کہا ہاں ادا ہو جاتا آپؐ نے فرمایا روزہ رکھ اپنی ماں کی طرف سے اور صحیح مسلم وغیرہ میں ہے کہ ایک عورت نے کہا کہ میری ماں کے ذمہ ایک مہینے کے روزے ہیں تو کیا میں اس کی طرف سے روزہ رکھوں آپ نے فرمایا کہ اپنی ماں کی طرف سے روزہ رکھ اور غیر اولاد کے روزہ کا بھی ثواب میت کو ملتا ہے۔ اس واسطے کہ حدیث متفق علیہ میں آیا ہے کہ جو شخص مر جائے اور اس کے ذمہ روزے ہوں تو اس کی طرف سے اس کا ولی روزہ رکھے اور سورۂ یٰس کا ثواب بھی میت کو ملتا ہے اولاد کی طرف سے بھی اور غیر اولاد کی طرف سے بھی اس واسطے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اپنے مردوں پر سورۂ یٰس پڑھو اور دعا کا نفع بھی میت کو پہنچتا ہے اولاد دعا کرے یا کوئی اور۔ اور جو جو کار خیر اولاد اپنے والدین کے لئے کرے سب کا ثواب والدین کو پہنچتا ہے۔ اس واسطے کہ حدیث میں آیا ہے کہ انسان کی اولاد اس کی سعی سے ہے۔ جب علامہ شوکانی اور محمد بن اسمٰعیل امیر کی تحقیق ایصال ثواب قرارت قرآن و عبادات بدنیہ کے متعلق سن چکے تو اب آخر میں علامہ ابن النحوی کی تحقیق بھی سن لینا خالی از فائدہ نہیں، آپ شرح المنہاج میں فرماتے ہیں۔ لا یصل عندنا ثواب القراءۃ علی المشہور والمختار الوصول اذا سأل اللہ ایصال ثواب قراءت وینبغی الجزم به لانه دعاء فاذا جاز الدعاء للمیت بما لیس للداعی فلان یجوز بما هو له اولیٰ ویبقی الامر فیه موقوفا علی استجابة الدعاء وهذا

نسلہ ان احادیث پر قیاس کر کے اگر کوئی میت کی طرف سے قضا نماز ادا کرے تو ثواب پہنچنے کی امید قوی ہے۔ والعلم عند اللہ (از مولانا ثناء اللہ۔ ۹ جولائی ۱۳۲۶ھ)

المعنی لا یختص بالقراءة بل یجری فی سائر الاعمال والظاہر ان الدعاء متفق علیہ انہ ینفع المیت والحی والقریب والبعید بوصیة وغیرھا وعلی ذلک احادیث کثیرة بل کان افضل ان یدعو لاخیہ بظھر الغیب انتھی ذکرہ فی نیل الاوطار یعنی ہمارے نزدیک مشہور قول پر قرارت قرآن کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا اور مختار یہ ہے کہ پہنچتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ سے قرارت قرآن کے ثواب پہنچنے کا سوال کرے (یعنی قرآن پڑھ کر دعا کرے اور یہ سوال کرے کہ یا اللہ اس قرارت کا ثواب فلاں میت کو تو پہنچا دے) اور دعا کے قبول ہونے پر امر موقوف رہے گا (یعنی اگر دعا اس کی قبول ہوئی تو قرارت کا ثواب میت کو پہنچے گا اور اگر دعا قبول نہ ہوئی تو نہیں پہنچے گا) اور اس طرح پر قرارت کے ثواب پہنچنے کا جزم کرنا لایق ہے اس واسطے کہ یہ دعا ہے پس جبکہ میت کے لئے ایسی چیز کی دعا کرنا جائز ہے جو داعی کے اختیار میں نہیں ہے تو اس کے لئے ایسی چیز کی دعا کرنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا جو آدمی کے اختیار میں ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ دعا کا نفع میت کو بالاتفاق پہنچتا ہے اور زندہ کو بھی پہنچتا ہے نزدیک ہو خواہ دور ہو۔ اور اس بارے میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں بلکہ افضل یہ ہے کہ آدمی اپنے بھائی کے لئے غائبانہ دعا کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔ فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۴۴۲۔

دیگر: اہدائے ثواب قرارۃ قرآن للمیت میرے نزدیک صراحۃً کسی مرفوع صحیح حدیث سے ثابت نہیں نیز صحابہؓ و تابعینؒ سے بھی ثابت نہیں اس لئے مجھے اس کی مشروعیت میں تامل ہے۔ لوگ اہدا، ثواب و نیابت و بدل میں فرق نہیں کرتے اقرءوا علیٰ موتاکم یٰس میں موتیٰ کو ابن القیمؒ نے محتضر پر محمول کیا ہے۔ و نیز یہاں اہدا ثواب کی صورت بھی نہیں ہے واللہ اعلم۔ (حضرت مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری ۹ مئی ۵۳ء)

سوال: میت کے واسطے تین یا چار روز کے بعد کھانا آگے رکھ کر ختم قرآن مجید بخشا جاوے

ؔ قرارت قرآن سے ایصال ثواب کے متعلق بعد تحقیق یہی فتویٰ ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن مجید کی تلاوت کرکے ثواب میت کو بخشے تو اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے بشرطیکہ پڑھنے والا خود بلغرض ثواب بغیر کسی رسم و رواج کی پابندی کے پڑھے۔
(از مولانا ثناء اللہ) - (۹ جولائی ۳۷ء)

یا نہیں؟

جواب: یہ طریقہ سنت نبی علیہ السلام سے ثابت نہیں لہٰذا بدعت ہے۔ جو دعوی کرے وہ ثبوت پیش کرے۔ (۲۳ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ)

سوال: قبروں پر عرس کرنا جھنڈا کھڑا کرنا گلی کوچوں میں باجے بجاتے پھرنا اور اسی قسم کی سب خرابیاں کرتے ہیں کیا یہ جائز ہے؟

جواب: یہ کام سخت گناہ کے ہیں بغیر کسی اور خرابی کے صرف عرس کرنا بھی بدعت اور سخت گناہ ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ کے زمانہ میں اس کا ثبوت نہیں ملتا نہ صحابہ کرامؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عرس کیا نہ تابعین نے کیا نہ ائمہ دین نے حکم دیا یہ سب رسومات پیچھے کی بنی ہوئی ہیں۔ (۱۴ ر جمادی الثانی ۳۵ھ)

تشریح: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پختہ بنانا قبر کا چونہ اینٹ اور پتھر وغیرہ سے درست ہے یا نہیں اور بلند قبر کا پست کر دینا درست ہے یا نہیں اور جو قبریں کہ پتھر سے سنگین اور پختہ بنائی گئی ہوں ان سے پتھروں کا علیحدہ کرنا اور ان کا بیع کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب: پختہ بنانا قبر کا چونہ اور اینٹ اور پتھر وغیرہ سے درست نہیں ہے اور بلند قبروں کا جو ایک بالشت سے زیادہ بلند ہوں پست کرنا درست ہے یہاں تک کہ بقدر ایک بالشت کے بلندی باقی رہ جائے۔ اور جو قبریں کہ پتھر سے سنگین اور پختہ بنائی گئی ہوں ان کو منہدم کر کے پتھر علیحدہ کر لینا درست ہے۔ اور چونکہ وہ پتھر متعلق قبر سے نہیں ہیں اس لئے اس کا بیع کرنا شرعاً درست ہے۔ عن جابر قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يجصص القبر نہی کرد آنحضرتؐ از گچ کردن گور و گفتہ اند کہ اگر گل کنند تا ویران نشود درست است وان يبنى عليه ونہی کرد از آنکہ بنا کردہ شود بر گور بعض گفتہ اند کہ مراد بنا کردن است از سنگ و مانند آن و بعض گفتہ اند کہ مراد بہ بنا خیمہ زدن و مانند آنست کہ آن نیز مکروہ و منہی عنہ است الخ رواہ مسلم کذا فی المشکوٰۃ واشعۃ اللمعات شرح المشکوٰۃ وایضاً فیہما عن جابر قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يجصص القبور نہی کرد آنحضرتؐ از آنکہ گچ کردہ شود قبرہا از جہت آنکہ درو است از تکلف و تزئین و روا داشتہ است حسن بصریؒ گل کردن و شافعیؒ گفتہ مستحب است

گل کردن ودر خانیہ گفتہ تطیین قبور را باس بہ کذا فی مطالب المومنین۔ ونیز گفتہ اند کہ مکروہ است۔ بر پا کردن الواح مکتوبہ کہ بیفائدہ است انتہیٰ۔ ویکرہ الآجر والخشب لانہما لاحکام البناء والقبر موضع البلی کذا فی الہدایۃ ویکرہ الآجر والخشب کذا فی شرح الوقایۃ والکنز ای یکرہ ان یوضع علی القبر اجر وخشب لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی ان یشبہ القبور بالعمران والآجر والخشب للعمران ولانہما یستعملان للزینۃ ولا حاجۃ الیہا للمیت کذا فی البدائع ہکذا فی المستخلص شرح الکنز وغیرہ و اصل النہی للتحریم کما ہو مذکور فی اصول الفقہ کذا فی مأۃ المسائل فی تحصیل الفضائل فی البحر الرائق ویسنم قدر شبر وقیل قدر اربع اصابع انتہی وفی در المختار یسنم ندبا وفی الظہیریۃ وجوبا قدر شبر انتہی وکذا فی العالمگیریۃ وغیرہا عن ابی الہیاج الاسدی قال قال لی علی الا ابعثک علی ما بعثنی علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لا تدع تمثالا الا طمستہ ولا قبرا مشرفا الا سویتہ ونگزاری گور بلند را مگر آنکہ برزمین برابر ہموار کنی یعنی لپست کنی چنانکہ نزدیک بزمین باشد آنقدر کہ پیدا و نمایاں بود بمقدار یک شبر چنانکہ سنت است رواہ مسلم کذا فی المشکوٰۃ واشعۃ اللمعات واللہ اعلم بالصواب۔ (حررہ سید شریف حسین عفی عنہ)

سید محمد نذیر حسین	فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۴۳۳

سوال:- جنازہ غائبانہ کا ثبوت اور کتنے دن تک (عبد اللطیف)

جواب: جنازہ غائب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی بادشاہ کا پڑھا اور اس کے بعد کسی روایت میں منع نہیں آیا لہٰذا یہ فعل سنت ہے۔ (۲۴ رمضان ۱۳۵۳ھ)

تشریح: نماز جنازہ غائب پر پڑھنا درست ہے اور یہی مذہب ہے امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اور جمہور سلف رحمہم اللہ کا حتیٰ کہ ابن حزمؒ نے کہا ہے کہ کسی صحابی سے غائب پر نماز جنازہ پڑھنے کی ممانعت نہیں آئی ہے عن جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی علی اصحمۃ النجاشی فکبر علیہ اربعا وفی لفظ قال توفی الیوم رجل صالح من الحبش فہلموا فصلوا علیہ فصففنا خلفہ فصلی رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم علیہ ونحن صفوف متفق علیہ کذا فی المنتقی قال القاضی الشوکانی فی شرح قد استدل بهذه القصة القائلون بمشروعية الصلوٰة علی الغائب عن البلد قال فی الفتح وبذلك قال الشافعی واحمد وجمهور السلف حتی قال ابن حزم لم يأت عن احد من الصحابة منعه انتهی۔

حررہ محمد عبد الرحمٰن المبارکفوری

ابو العلی محمد عبد الرحمٰن

سید محمد نذیر حسین　　　فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۳۹۸

شرفیہ:۔ قولہ بعض علماء کے نزدیک جائز ہے الخ اس کی تحقیق پیشتر ہو چکی ہے۔ وہاں ملاحظہ ہو۔ کتنے دن کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں مسجد میں مدت مدید شہداء احد پر نماز جنازہ پڑھی صلی علی اهل احد صلاته علی الميت ثم انصرف الی المنبر الحدیث صحیح بخاری جلد اول ص ۱۷۹ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آٹھ برس کے بعد پڑھا تھا۔ جنازہ غائبانہ جائز ہے۔

(عبید اللہ رحمانی ۱۹ مئی ۱۹۵۳ء)

تشریح: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ (۱) نماز جنازہ ایک بار ہو چکی پھر اور آدمی آئے انہوں نے بھی نماز پڑھی تو یہ نماز جائز ہے یا نہیں اور (۲) غائب کی بھی نماز پڑھنی چاہیئے یا نہیں؟

الجواب: جنازہ پر دوبارہ نماز پڑھنی جائز ہے مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر بقبر دفن ليلا فقال متی دفن هذا قالوا البارحة قال افلا اذنتمونی قالوا دفناه فی ظلمة الليل فكرهنا ان نوقظك فقام فصففنا خلفه فصلی متفق علیہ ۔ یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ابن عباس رضی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر پر گذرے جس میں مردہ رات کو دفن ہوا تھا آپ نے فرمایا تو مجھے تم لوگوں نے کیوں خبر نہیں دی لوگوں نے کہا اندھیری رات میں ہم نے دفن کیا اس وجہ سے آپ کو جگانا مناسب نہ سمجھا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (نماز جنازہ کے لئے) کھڑے ہوئے اور ہم لوگ آپ کے پیچھے صف باندھ کر کھڑے ہوئے۔ پس آپ نے نماز جنازہ پڑھی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ ہونے کے بعد قبر پر

دوبارہ نماز جنازہ درست ہے تو قبل دفن کے تو بدرجہ اولیٰ درست ہوگی ۔ اور اس کی تائید حضرت علیؓ کے اثر سے ہوتی ہے جس کو کنز العمال نے بایں لفظ نقل کیا ہے ۔ صلی علیؓ علی جنازۃ بعد ما صلی علیھا ۔ یعنی حضرت علیؓ نے ایک جنازہ پر نماز پڑھی بعد اس کے کہ اس پر نماز پڑھی جا چکی تھی ۔ جواب سوال دوم ۔ نماز جنازہ غائب پر پڑھنا درست ہے اور یہی مذہب ہے امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اور جمہور سلف رحمہم اللہ کا حتیٰ کہ ابن حزم نے کہا ہے کسی صحابی سے غائب پر نماز جنازہ پڑھنے کی ممانعت نہیں آئی ہے ۔ عن جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی علی اصحمۃ النجاشی فکبر علیہ اربعا وفی لفظ قال توفی الیوم رجل صالح من الحبش فھلموا فصلوا علیہ فصففنا خلفہ فصلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسلم علیہ ونحن صفوف متفق علیہ کذا فی المنتقی قال القاضی الشوکانی فی شرحہ قد استدل بھذہ القصۃ القائلون بمشروعیۃ الصلوۃ علی الغائب عن البلد قال فی الفتح وبذلک قال الشافعی واحمد وجمھور السلف حتی قال ابن حزم لم یات عن احد من الصحابۃ منعہ انتھی واللہ تعالیٰ اعلم ۔ حررہ محمد عبدالرحمٰن المبارکفوری ۔

(سید محمد نذیر حسین ۔ فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ۔ ص ۳۹۸)

سوال : ختم میت کا ثبوت ہے ؟

جواب : ختم میت جو آجکل دیا جاتا ہے کہ بعد مرنے کے کھانا رکھ کر کچھ پڑھتے ہیں اور کھانا تقسیم کرتے ہیں ۔ یہ تو آنحضرتؐ کے زمانہ میں نہ تھا لہٰذا بدعت ہے (" ")

سوال : زید کہتا ہے کہ جنازہ کی نماز پڑھنے کے بعد وضو باطل ہو جاتا ہے ؟

جواب : جنازہ کا وضو جنازہ پڑھنے سے ٹوٹ نہیں جاتا اس سے نماز پڑھنی جائز ہے ۔ جو کہتا ہے کہ جنازہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اس کا قول غلط ہے (۲۵ رمضان ۱۳۳۶ھ)

سوال : مرد یا عورت کے جنازہ پر پھولوں کی چادر ڈالنا جائز ہے ۔ کیا ایسے جنازے کی نماز میں داخل ہوکر جماعت کے ساتھ نماز ادا کر سکتے ہیں یا نہیں ؟ (عبدالکریم مدراس)

جواب : جنازہ میت کا حق ہے زندوں کی کسی غلطی سے اس حق کو تلف کرنا جائز نہیں گا تِلْکَ اِذًا قِسْمَۃٌ ضِیْزٰی؟ اخروی پس جنازہ پڑھنا چاہیئے ۔ (۱۰ شوال ۱۳۳۶ھ)

سوال: کیا حضورؐ قبروں پر پھولوں کی کلی ڈالا کرتے تھے؟
جواب: ثابت نہیں۔ ۱۰ شوال ۳۶ھ
سوال: جنازہ پر پھول ڈالنا ہار بنا کر وغیرہ وغیرہ یہ کیا ہے؟
جواب: شرع شریف میں اس کا ثبوت نہیں ہندوؤں کی صحبت کا اثر ہے۔ (۱۰ شوال ۳۶ھ)
سوال: قرأت قرآن کا ثواب میت کی ارواح کو پہنچتا ہے کیا یہ درست ہے؟
جواب: قرأت قرآن کا ثواب پہنچانے کا دستور زمانہ رسالت اور عہد خلافت میں نہ تھا۔ ائمہ اربعہ میں بھی اسی وجہ سے اختلاف ہے امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے اور امام شافعیؒ اور امام حنبلؒ کے نزدیک نہیں۔ اللہ اعلم۔
(۲۴ جمادی الاول ۳۷ھ)
سوال: بعض علماء کا یوں ارشاد ہے کہ اگر کلمہ ایک لاکھ کا ختم اجرت دے کر ہو یا وارثانِ میت خود پڑھ کر اس کا ثواب میت کو بخش دیں تو وہ مغفور ہو جاتا ہے۔
(ایک سائل از سرائے صالح ہزارہ)
جواب: کلمہ شریف پڑھنا ثواب ہے مگر جس طرح لکھا ہے اس طرح شرع میں ثابت نہیں صاف طور سے پڑھے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میت کا مغفور ہو جانا میرے ناقص علم میں کہیں نہیں۔ انعلم عند اللہ۔ (۶۔ جمادی الثانی ۳۶ھ)
سوال: جنازے کو بے وضو غسل دے سکتے ہیں یا نہیں؟
جواب: دے سکتے ہیں کوئی حرج نہیں کسی آیت یا حدیث میں منع نہیں۔
(۲ ذی الحجہ ۳۷ھ)
سوال: میت کو قبر میں رکھ کر منکر نکیر کے سوال بتا کر جواب بتانا جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو کیا مردہ سنتا ہے؟
جواب: ایک حدیث میں ہے لقنوا موتاکم لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ مُردوں کو لا الہ الا اللہ سکھلایا کرو۔ اس حدیث کی تشریح میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اصلی مُردوں کو قبروں میں سکھاؤ دوسرا قول یہ ہے کہ اصلی مراد نہیں بلکہ جو لوگ قریب المرگ ہیں ان کو سکھاؤ۔ پہلے قول والے قبر میں رکھ کر مردہ کو لا الہ الا اللہ وغیرہ تلقین کرتے ہیں دوسرے قول والے قریب المرگ کو کرتے ہیں پچھلا قول صحیح ہے کیونکہ اس کا فائدہ خود

حضرت نے فرمایا کہ جو شخص دنیا کے کوچ کے آخری وقت لا الہ الا اللہ پڑھ لے گا وہ نجات پا جائے گا۔ (۲ ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ)

تشریح: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آیا مردے کلام زندوں کا سنتے ہیں یا نہیں۔ اگر سنتے ہیں تو کیا دلیل ہے اور اگر نہیں سنتے تو کیا دلیل ہے اس کو قرآن و حدیث سے بیان فرمادیں اور عند اللہ اجر جزیل پا دیں۔

الجواب: ہو الموفق للصواب جواب صورت مذکورہ کا یہ ہے کہ مردہ کلام نہیں سنتا اور نہ اس میں لیاقت سننے کی ہے جیسا کہ اس پر قرآن شریف شاہد عدل ہے۔ اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ وَّهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا قَالَ اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْ وَانْظُرْ اِلٰی حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَی الْعِظَامِ كَیْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۔ اس آیت شریف میں واردات عزیر علیہ السلام کی بیان فرمائی ہے وہ سو برس مرے رہے۔ سو برس کے اندر دھوپ، سردی پڑی، بادل گرجے بجلیاں چمکیں۔ آدمی چلتے پھرتے تھے مگر ان کو کسی بات کی خبر نہ ہوئی۔ اگر مردے میں طاقت کلام زندوں کے سننے کی ہوتی تو بادل کا گرجنا ضرور سنتے اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل مردوں کے عدم سماع پر ہوگی۔ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗۤ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ اس آیت میں زندوں کے کلام سے مردوں کو غافل فرمایا۔ اگرچہ قیامت تک کیوں نہ پکاریں اس سے صاف انکار مردوں کے سننے کا ہے کہ ان میں لیاقت سننے کی نہیں۔ تفسیر جامع البیان میں لکھا ہے کہ شان نزول اس کا عام ہے۔ بتوں کے بارے میں اس کا شان نزول لگانا دھوکہ و فریب لوگوں کا ہے۔ بلکہ عام ہے جس میں بزرگ بھی داخل ہیں اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا یَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا یُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِیْرٍ۔ اس آیت شریف میں ارشاد فرمایا کہ جس کو تم پکارتے ہو وہ تمہاری پکار کو نہیں سنتے۔ اگر بالفرض سن بھی لیں

تو جواب نہیں دے سکتے اس میں صاف انکار ہے اموات کے سننے کا وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَاءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ إِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَشَاءُ وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ۔ اس آیت شریف میں بھی مردوں کے سننے کا انکار کیا ہے اور تفسیر جامع التفاسیر میں اس کی شان نزول میں بتایا ہے کہ جنگ بدر کے مقتولوں کو جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پکارا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ سنتے ہیں اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ تو مردوں کو نہیں سنا سکتا کیونکہ مردہ اور زندہ برابر نہیں ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ مذہب امام اعظم اور اکثر مشائخ ہمارے کا عدم سماع ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ غرائب اور عینی شرح ہدایہ میں اس مسئلہ کو خوب ثابت کیا ہے اور مخالفین پر خوب رد کیا ہے۔

إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ۔

اس آیت شریف میں بھی انکار مردوں کے سننے کا پایا جاتا ہے۔ ان آیات مذکورہ کے سوا اور بھی آیات ہیں جن سے مُردوں کا عدم سماع ثابت ہوتا ہے اور بجز حدیث قرع نعال کے کوئی اور حدیث صحیح سماع موتےٰ میں نہیں پائی گئی۔ اور حدیث قرع نعال سے مردوں کا ایک خاص وقت میں سننا ثابت ہوتا ہے۔ جس وقت کہ مردہ قبر میں نکیرین کے سوال کے جواب دینے کے لئے زندہ کر دیا جاتا ہے اور اس وقت مردہ مردہ نہیں رہتا اور حدیث قلیب بدر اسی واقعہ بدر کے ساتھ خاص ہے کیونکہ حدیث بخاری و نسائی میں لفظ الآن آچکا ہے پس یہ حدیث عموم سماع موتیٰ پر دلالت نہیں کرتی۔ الغرض کوئی حدیث صحیح قابل اطمینان سماع موتےٰ میں نہیں آئی ہے اور جو ہیں وہ ضعاف و منکرات ہیں اور آیات قرآنیہ کے خلاف اور مسائل اربعین میں مولانا اسحاق صاحب محدث نے بھی سماع موتےٰ سے انکار کیا ہے۔ (احررہ فقیر حقیر عبدالحکیم مدرس مدرسہ حقانی چھاؤنی نصیر آباد اجمیر)

سید محمد نذیر حسین

(فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۳۹۹)

سوال: عورت کے لئے تہ بند، چادر، لفافہ، کرتا وغیرہ پانچ کپڑوں میں کفن دیا جاتا ہے اس صورت میں کس طرح تہ بند دیا جاوے لفافہ کے اوپر یا نیچے۔ (مظفر حسین بردوان)

جواب: عورت کے لئے پانچ کپڑے یہ ہیں۔ تین چادریں۔ ایک سینہ بند۔ ایک سر کے بالوں کے باندھنے کا ان میں تہ بند کوئی نہیں اللہ اعلم۔ (۹ ذی الحجہ ۳۷ھ) اس پر مزید معلومات صفحہ ۱۴۱ ۵ پر دیکھیے)

سوال: نماز جنازہ مسجد کے صحن میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔

جواب: نماز جنازہ مسجد میں جائز ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پڑھا۔ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کا جنازہ مسجد میں پڑھا گیا۔ اللہ اعلم (۶ صفر ۳۸ھ)

تشریح: از روئے حدیث صحیح کے مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا جائز و درست ہے۔ منتقی الاخبار میں ہے عن عائشة انها قالت لما توفی سعد بن ابی وقاص ادخلوا به المسجد حتی اصلی علیه فانکروا ذلك علیها فقالت لقد صلی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم علی ابنی بیضاء فی المسجد سهیل واخیه رواه مسلم وفی روایة ما صلی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم علی سهیل بن البیضاء الا فی جوف المسجد رواه الجماعة الا البخاری۔ اس حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا ثابت ہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جنازہ کی نماز مسجد ہی میں پڑھی گئی تھی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ کے درست اور جائز ہونے پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع و اتفاق تھا۔ فتح الباری میں ہے۔ وقد روی ابن ابی شیبة وغیره ان عمر صلی علی ابی بکر فی المسجد وان صهیبا صلی علی عمر فی المسجد وفی روایة ووضعت الجنازة فی المسجد تجاه المنبر وهذا یقتضی الاجماع علی جواز ذلك الخ　　حررہ محمد یوسف عفی عنہ۔

سید نذیر حسین　　(فتاویٰ نذیریہ ج۱ ص۲۰۳)

سوال: نماز عصر کی جماعت تیار ہے اس عرصہ میں ایک جنازہ آیا۔ پہلے عصر کی نماز یا جنازہ۔

جواب: نماز عصر پہلے پڑھیں تو اچھا ہے۔ جنازہ پہلے پڑھنا منع نہیں فرق صرف اتنا ہے کہ نماز عصر فرض عین ہے اور جنازہ فرض کفایہ فرض عین کو مقدم رکھنا چاہئے۔

(" ")

سوال: جب میت کا جنازہ واسطے دفن کے قبرستان کو لے جاتے ہیں تو اکثر لوگ کہا کرتے ہیں کہ بھائی آہستہ آہستہ لے چلو میت کو تکلیف ہوگی اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جب مکھی میت کے جسم پر بیٹھتی ہے وہ بھی اس کو معلوم ہوتی ہے لہٰذا گذارش ہے کہ قرآن و

حدیث سے اس کا ثبوت ہے یا نہیں الیٰ اخرہ۔ (عبدالرب از جالس)

جواب: حدیث میں صاف اسرعوا بالجنازة، جنازہ کو جلدی جلدی لے جایا کرو آیا ہے اس کی وجہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی بیان فرمادی کہ اگر میت بد ہے تو جلدی اپنے کندھوں سے اس کو اٹھا دو، اگر نیک ہے تو راحت میں اس کو جلدی پہنچا دو۔ قرآن مجید صاف ناطق ہے کہ مردہ نہیں سنتا۔ حنفیہ کا مذہب بھی یہی ہے کہ مردہ نہیں سنتا۔ حضرت شاہ اسحٰق صاحب دہلوی نے مائۃ مسائل میں اس کی تفصیل لکھی ہے۔ شہید زندہ ہیں لیکن ان کی زندگی کی بابت لا تشعرون تم لوگ نہیں جانتے۔ آیا ہے۔ اس زندگی کے یہ معنے ہیں کہ وہ عیش وآرام میں زائرین کی استدعا کو نہیں سنتے۔ قرآن مجید میں صاف ذکر ہے لا یسمعوا دعاءکم تمہاری پکار نہیں سنتے جو شخص صحیح بات کو نہ تسلیم کرے وہ گنہگار بلکہ منکر ہے ان کو توبہ کرنی چاہئے۔ (۲۱ ربیع الاول ۳۴ھ)

سوال: مردے کے گھڑے کو دفن کرنا مع کپڑوں کے جائز ہے یا نہیں۔ (محمد مقصود علی)

جواب: یہ کوئی حکم نہیں بلکہ منع ہے جس چیز کو آگ نے پکایا ہو اس کو قبر کے اندر رکھنا منع ہے۔ دوم مال کا ضائع کرنا ہے۔ (۲۵۔ فروری ۱۹۱۶ء)

سوال: دو تین مردوں کو ایک قبر میں بغیر جہاد کے دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جہاد کے سوا کسی اور موقع پر ایسا ہونا مجھے یاد نہیں۔ (۲۵۔ فروری ۱۹۱۶ء)

سوال: بعد موت مقررہ دنوں میں مردے کے نام سے کھانا بنا کر مساکین، مالدار اور مولویوں کو کھلانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: مردے کو ثواب پہنچانے کا کھانا وہی ہے جو بغیر فخر وریا کے محض مساکین کو کھلایا جائے۔ آجکل جو اس قسم کی دعوتیں ہوتی ہیں وہ محض رسمی ہیں خاص کر علماء کو ایسی دعوتوں میں شریک نہ ہونا چاہیے۔ تاکہ ان رسوم کو لوگ جان کر چھوڑ دیں۔ (۲۵۔ فروری ۱۹۱۶ء)

سوال: قبر پر ہاتھ اٹھا کر مردے کے لئے دعا مانگنی جائز ہے یا نہیں۔ اگر جائز ہے تو کس دلیل سے اور اگر ناجائز ہے تو کس دلیل سے۔ زید کہتا ہے کہ جب قبرستان جاکر السلام علیکم یا اہل القبور کہنا جائز ہے تو قبر پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا لیکن بکر کہتا ہے کہ ہرگز جائز نہیں دونوں میں سے کس کا قول درست ہے۔

(عبداللہ گوجرانوالہ)

جواب: دفن کے وقت قبر پر کھڑے ہو کر دعا کرنا ثابت ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عام طور پر جب مل کر دعا کرتے تھے تو ہاتھ بھی اٹھاتے تھے اس لئے السلام علیکم پر قیاس کرنے کی حاجت نہیں صاف فعل نبوی سے ثابت ہے۔ (۲۴ ربیع الاول ۳۵ھ)

سوال: اس جگہ دستور ہے کہ میت کے آگے آگے خاص مقررہ اشخاص زور زور سے کلمہ اور مولود پڑھتے ہوئے میت کو قبرستان تک لیجاتے ہیں اور بعد دفن میت پر زور زور سے اذان کہتے ہیں ان کی بابت واضح حکم کیا ہے؟

جواب: اس میں شک نہیں کہ یہ اطوار اور افعال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کبار کے زمانہ میں نہ تھے نہ ائمہ اربعہ نے ان کا حکم دیا ہے۔ نہ فقہ کی کسی معتبر کتاب میں کسی امام مجتہد کا کوئی قول ان اقوال کے متعلق ملتا ہے کسی چھوٹے موٹے ملا نے کہدیا ہو تو دین میں اس کی کوئی وقعت نہیں۔ لہذا یہ افعال قطعاً بدعت واجب الترک ہیں۔

(۱۸ جمادی الثانی ۳۷ھ)

سوال: اگر کسی قبر میں مردہ کی ہڈی پائی جائے تو کیا کرے؟ (فرزند علی سوٹھ گاؤں ضلع بھگ)

جواب: ایسی جگہ دفن کرنا منع نہیں ہڈی نکال کر مردہ دفن کردیں۔ (یکم شعبان ۳۷ھ)

تشریح: مسلم مردہ کی ہڈی کا احترام لازم ہے حدیث نبوی ہے کسر عظم المیت ککسرہ حیا۔ رواہ ابوداؤد باسناد علی شرط مسلم وزاد ابن ماجۃ من حدیث ام سلمۃ فی الاثم انتھٰی بلوغ المرام لہٰذا مسلم کی ہڈیوں کو یونہی رہنے دیا جائے اور دوسری قبر بناکر دوسرے مردے کو دفن کریں۔

(ابوسعید شرف الدین دہلوی)

سوال: قبرستان میں جوتہ یا کھڑاؤں پہن کر چلنا کیسا ہے اور اس میں کھلیان دھان وغیرہ تیار کرنے کے لئے بنانا اور لاریات کا اڈہ لگانا اور اس میں درخت لگانا اور پاخانہ پیشاب وغیرہ کرنا اور قبرستان سے مٹی کھود کر گھر بنانے کے لئے لانا کیسا ہے؟

جواب: جوتہ کھڑاؤں پہنکر چلنا جائز ہے یسمع قرع نعالھم آیا ہے۔ زمین خالی ہو تو کھلیان کرنا بھی جائز ہے ورنہ قبروں میں کھلیان نہیں ہو سکتا نہ جائز ہے کیونکہ قبروں کی توہین ہے۔ زمین وقف نہیں تو مٹی لینا منع نہیں۔ (یکم شعبان ۳۷ھ)

تشریح: قبرستان میں جوتی پہن کر چلنا نہیں درست ہے منتقی میں ہے۔

عن بشیر بن الخصاصیۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأی رجلا یمشی فی نعلین بین القبور فقال یا صاحب السبتیتین القہما رواہ الخمسۃ الا الترمذی۔ یعنی بشیر ابن خصاصیہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا ایک شخص کو کہ وہ جوتی پہنے ہوئے قبرستان میں جارہا تھا تو آپ نے فرمایا کہ اے جوتی والے جوتیوں کو ڈال دے۔ (فتاوی نذیریہ جلد ا۔ صفحہ ۴۰۷)

سوال: جنازہ میں مقتدی خواہ امام کو ہاتھ کانوں تک ہر تکبیر کے ساتھ اٹھانا چاہئے یا نہیں؟

جواب: جنازہ میں ہر تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھانا مستحب ہے بلکہ بقول مولانا عبدالحی لکھنوی مرحوم امام ابوحنیفہ صاحب سے بھی روایت آئی ہے شرح وقایہ (یکم شعبان ۳۷ھ)

شرفیہ: اس میں عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ سے آثار جزء رفع یدین بخاری میں ہیں[1]

سوال: امامت نماز جنازہ کے واسطے وارث سے اجازت لینی شرط ہے یا نہیں؟

جواب: یہ رواج ہے کہ وارث میت سے اجازت لی جاتی ہے ورنہ جو امام محلہ ہو یا جو عالم ہو وہ نماز جنازہ پڑھائے (")

سوال: میت کے غسل دینے والے پر کیا خود بھی غسل کرنا واجب ہے۔

(ولایت حسین مظفرپور)

جواب: ایک حدیث میں ہے جو میت کو غسل دے وہ غسل کرے۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہ حکم استحبابی ہے واجب نہیں۔ (۱۶ محرم ۳۸ھ)

شرفیہ - الحدیث الذی فیہ امر الغسل رواہ الخمسۃ لکن فی رفعہ ووقفہ وصحتہ اختلاف وایضا فیہ الآثار التی تدل علی عدم الوجوب فلہذا حملہ العلماء علی الاستحباب کما فی نیل الاوطار لابوسعید شرف الدین دہلوی

---

[1] تکبیرات جنازہ کے ساتھ رفع یدین کے بارے میں کوئی صحیح مرفوع قولی یا فعلی یا تقریری حدیث موجود نہیں ہے۔ البتہ بعض صحابہؓ سے ضرور ثابت ہے اس موقوف روایت و نیز بعض ضعیف احادیث کی رو سے تکبیرات جنازہ کے ساتھ رفع یدین کرنا جائز ہے۔ بدعت یا ممنوع نہیں ہے۔

(حضرت مولانا) عبیداللہ رحمانی۔ (۱۹ رمئی ۵۳ء)

سوال : ایک مومن اور کافر ایک مکان میں رہتے ہیں۔ اس مکان میں آگ لگ گئی اور دونوں ایسے جلے کہ شناخت نہیں ملتی اب ان کی تجہیز و تکفین جنازہ کیسے کیا جاوے ؟

جواب : حدیث شریف میں ہے کہ جس مجلس میں کافر اور مومن دونوں ہوتے تھے آنحضرت صلعم ان کو سلام علیکم کہدیا کرتے تھے۔ اس قاعدے کے مطابق دونوں کو غسل دے کر سامنے رکھ کر جنازہ پڑھ دیں اور یہ نیت کریں کہ جو ان میں سے جنازے کے لائق ہے اس کا پڑھتے ہیں۔ (۲۰ محرم ۱۳۳۶ھ)

سوال : کوئی شخص منگل بدھ وغیرہ دنوں میں مرجائے تو اس کی قبر پر کسی آدمی کو قرآن پڑھنے کے لئے جمعرات کی مغرب تک بٹھانا اس نیت سے کہ یہ شخص جمعہ میں مل جاوے گا جائز ہے یا نہیں ؟ اور یہ کہ جب تک قرآن قبر پر باآواز بلند پڑھا جاوے تب تک اس کو پوچھ نہیں ہوتی ہے ؟

جواب : یہ بات کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں۔ پیٹ پرستوں کے حیلے ہیں۔ (۶ ربیع الاول ۱۳۲۸ھ)

سوال : مردے کو قبر میں رکھ کر قل کے ڈھیلے اس کے سرہانے رکھتے ہیں الخ

جواب : قبر پر پتھر وغیرہ کوئی نشان رکھ کر بعد دفن کے مٹی کو جمانے کے لئے پانی ڈالنا حاضرین کا ہاتھوں سے بطور ہمدردی قبر میں مٹی ڈالنا اور دعائے مغفرت کرنا یہ سب مضامین تو احادیث میں آئے ہیں اس کے سوا جو کچھ ہے وہ بدعت قابل ترک ہے۔ (۶ ربیع الاول ۱۳۲۸ھ)

تشریح : کفن پر لکھنا جواب نامہ کا اور قل کے ڈھیلے قبر میں رکھنا درست نہیں بلکہ یہ دونوں کام بدعت ہیں واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ سید شریف حسین عفی عنہ۔ (فتاوی نذیریہ ص ۴۲۳ ج ۱)

سوال : میت کو ثواب رسانی کی غرض سے بہیئت اجتماعی قرآن خوانی کرنا درست ہے یا نہیں ؟

جواب : بہ نیت نیک جائز ہے اگرچہ ہیئت کذائی سنت سے ثابت نہیں میت کے حق میں سب سے مفید تر اور قطعی ثبوت کا طریق استغفار (بخشش مانگنا) ہے۔ (۱۸ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ)

سوال : اپنی مرنے والی بیوی کو مرد قبر میں اتار سکتا ہے یا نہیں ؟

جواب : اتار سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیوی کو فرمایا اگر تو میرے سامنے مرے تو میں تجھے غسل دوں گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ کو غسل دیا تھا۔ اتارنا تو بہت آسان ہے۔ (۱۴ محرم ۱۳۳۰ھ)

سوال: شب جمعہ یا شب برات کو مردوں کی روحیں دنیاوی گھروں کو آتی ہیں؟

جواب: روحوں کا دنیاوی گھروں میں آنا شرع شریف میں ثابت نہیں ہے (۱۴ محرم ۳۰ھ)

سوال: برائے طعام للہ روز معین جہلم اور طعام مردہ دل مردہ کی حدیث کیسی ہے۔

جواب: طعام میت کے لئے دن مقرر کرنا ٹھیک نہیں۔ طعام میت غرباء کا حق ہے، دوسروں کو نہیں چاہئے۔ (۱۴ محرم ۳۰ھ)

سوال: میت کو قبر میں دفن کرنے کے وقت ایک صاحب نے پیر کی جانب سے مٹی دی دوسرے صاحبوں نے اس کو جماعت سے الگ کر دیا۔ کیا پیر کی جانب سے مٹی دینا گناہ ہے؟

جواب: پیر کی جانب سے مٹی ڈالنا منع نہیں ایسا کرنا (جماعت سے الگ کرنا) بالکل بے جا ہے (۱۸ رمضان ۳۱ھ)

سوال: ایام چھ سات ماہ میں اگر بچہ پیدا ہوا اور وقت تولد وہ مردہ ہو تو اس حالت میں اس کو غسل کفن نماز وغیرہ کا کیا حکم ہے الخ عبدالشکور کوہ نیلگری)

جواب: حدیث شریف میں ہے جو بچہ ماں کے پیٹ سے نکل کر آواز دے کر مرے اس کا جنازہ پڑھا جائے جو اتنا بھی نہ ہو اس کو یونہی دفن کر دینا چاہئے۔

سوال: بعد دفن میت کونسی دعا پڑھی جائے بعض لوگ قل اللھم مالک الملک الخ اور بعض سورہ بقر کا اول و آخر سرہانے و پائیں پڑھتے ہیں۔ ان کا ذکر شرع شریف میں ہے یا نہیں۔

جواب: حدیث میں آیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھتے تھے اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْہُ بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ قبر پر کھڑے ہو کر دیر تک یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

(۱۳ جمادی الثانی ۴۳ھ)

سوال: مردے کو تابوت میں بند کر کے ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجا کر دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ترمذی میں حدیث ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھائی عبدالرحمٰن موضع حبشی میں فوت ہوا۔ وہاں سے مکہ معظمہ میں لایا گیا۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی ضرورت یا مصلحت سے میت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجانا جائز ہے اللہ اعلم۔ (۲۰ شعبان ۲۹ھ)

ثم فیہ: مگر اس حدیث کے آخر میں قالت لو حضرتك ما دفنت الا حيث مت ولو شهدتك ما زرتك رواه الترمذی مشکوٰۃ صفحہ ۱۴۹ لہٰذا یہ دلیل نہ رہی۔

سوال: قرآن خوانی مردہ کی طرف سے بخشوانا جائز ہے یا نہیں اس میں علماء کا اختلاف کیوں ہے؟ (عبداللہ مدنپور گیا)

جواب: بعض افعال کا ثبوت آنحضرت صلعم کے زمانہ میں ملتا ہے جیسے میت کی طرف سے کنواں کھدوانا یا روزہ رکھنا ائمہ سلف میں سے بعض تو ان ہی افعال تک محدود رکھتے ہیں جن کا ثبوت ہے اور بعض دیگر افعال کو بھی ان پر قیاس کر کے جائز بتلاتے ہیں قرارت قرآن انہی قیاسی مسائل میں سے ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے یہی وجہ اختلاف ہے خاکسار کے نزدیک بھی جائز ہے۔ (۱۷ ربیع الاول ۱۳۴۴ھ)

سوال: میت کو بوقت غسل تین بار اٹھا کر بٹھلانا اور کلوخ کرانا کیا ہے غسل میت کس طرح ہے؟

جواب: میت کو بٹھانا اور کلوخ دینا کوئی سنت امر نہیں غسل مسنونہ یہی ہے کہ پہلے میت کے اعضائے وضو دھوئیں۔ پھر سارے بدن پر پانی بہا دیا جائے اور بس۔ (۱۷-اپریل ۱۹۲۵ء)

سوال: گھر میں کوئی مر جائے اس کے گھر کے لوگ تین روز تک آتے رہتے اور دعا کرتے ہیں الخ یہ جائز ہے یا نہیں۔

جواب: تعزیت میں سنت تو یہ ہے کہ مردے کے پسماندگان کو تسلی دی جائے اسی ضمن میں مردے کے لئے دعا بھی کر دی جائے تو گناہ نہیں تعزیت کا اصلی کام پچھلوں کو تسلی دینا ہے۔ جو صورت سوال میں ممکن ہے سنت نہیں۔ میرے نزدیک حرام اور گناہ بھی نہیں ہے۔ (۲۲ جمادی الاول ۱۳۴۶ھ)

سوال: کوئی وصیت کر جائے کہ میری لاش کو لکڑی کے تابوت میں بند کر کے قبر میں رکھنا یہ وصیت کیسی ہے۔

جواب: یہ وصیت خلاف سنت ہے لہٰذا واجب العمل نہیں میت کو زمین میں دفن کرنا اسلامی طریقہ ہے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مٹی کے نیچے دفن کیا گیا تھا۔ (۷ اگست ۱۹۳۶ء)

زیارت قبور پر تعاقب: مولانا حاجی یونس خان صاحب فرماتے ہیں عورتوں کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارت قبور سے منع کیا ہے اور اباحت کی حدیث میں صیغہ مذکر کا ہے جناب عبدالسبحان صاحب مظفر پوری لکھتے ہیں کہ حدیث میں زیارت قبور کرنے والی عورتوں پر لعنت آئی ہے اور مزاروں پر جو لوگ ناجائز حرکات کرتے ہیں ان کے لئے کیا فتویٰ ہے؟

الجواب: اس مسئلہ کی تحقیق نیل الاوطار میں کافی ملتی ہے۔ فتاویٰ نذیریہ میں اس کا خلاصہ یوں ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک عورتوں کے لئے بھی زیارت قبور جائز ہے۔ مگر بعض علماء کے نزدیک مکروہ ہے جو اہل علم عورتوں کے لئے زیارت قبور جائز بتاتے ہیں ان کی دلیلیں بہت سی حدیثیں ہیں ملاحظہ ہو فتاویٰ نذیریہ جلد اول صفحہ ۴۰۵۔ ناجائز کام کرنے والے مسجدوں میں ہوں یا مقبروں میں وہ مَنْ یَعْمَلْ سُوْءً یُجْزَ بِہٖ کے ماتحت ہیں اس کی بابت پوچھنا ہی کیا اللہ اعلم۔ (۲۲ رجب ۱۳۶۳ھ)

سوال: زید کہتا ہے کہ جنازہ جہر پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلی تکبیر میں الحمد شریف و سورۃ بالجہر پڑھی جاوے اور بعد ختم آمین بالجہر مقتدی بھی کہیں اور پھر دوسری تکبیر میں درود آہستہ اور تیسری تکبیر میں امام باواز بلند دعا پڑھے اور مقتدی صرف آمین ہی کہیں۔ بکر کہتا ہے تیسری تکبیر میں امام اور مقتدی دونوں کو دعا ہی پڑھنی ہے۔ اگر کسی کو عربی میں دعا نہ آتی ہو تو وہ اپنی پنجابی میں دعا کا ترجمہ پڑھے بہرحال جنازہ جہر پڑھنے کا کیا طریقہ ہے؟

(عبدالرحمن از رائی وال)

جواب: صحیح بخاری میں ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے جنازہ میں فاتحہ بالجہر پڑھی اور فرمایا لتعلموا انہا سنۃ اس لفظ کی شرح دوطرح کی گئی ہے تاکہ تم جانو کہ یہ سنت ہے یعنی بالجہر پڑھنا۔ دوسرے تم جانو کہ فاتحہ پڑھنی سنت ہے ایسے امور میں نرمی اور سہل انگاری چاہیے تیسری تکبیر میں بلند آواز سے دعا پڑھنے کی حدیث مجھے یاد نہیں کسی صاحب کو یاد ہو تو اطلاع دیں دعا عربی یاد نہ ہو تو اپنی زبان میں پڑھ سکتا ہے۔ کیونکہ جنازے کا مقصود دعا ہے بالجہر پڑھنے کا طریقہ بس یہی ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے　(۱۱ اگست ۱۹۳۳ء)

ادعیہ جنازہ: میرے محترم مولانا ثناء اللہ امرتسری سلمہ ربہ نے پرچہ اہلحدیث ۱۱-۱ اگست

میں تحریر فرمایا "تیسری تکبیر میں بلند آواز سے دعا پڑھنے کی حدیث مجھے یاد نہیں کسی صاحب کو یاد ہو تو اطلاع دیں۔ ناظرین پرچہ اہلحدیث مطلع رہیں کہ نماز جنازہ میں ادعیہ کا زور سے پڑھنا نبی صلعم سے آپ کے بعد صحابہؓ سے بھی ثابت ہے صحیح مسلم ج۱۔ ص۳۱۱ بروایت عوف بن مالک اشجعی قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلّی علی جنازۃ یقول اللھم اغفرلہ وارحمہ۔ الحدیث۔ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک جنازہ پر پڑھتے ہوئے سنا اس دعا کو اللھم اغفرلہ وارحمہ آخر تک۔

سنن ابی داؤد جلد۳ ص۱۸۹ ملاحظہ ہو عن واثلۃ بن اسقع قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی رجل من المسلمین فسمعتہ یقول اللھم ان فلان بن فلان فی ذمتک الحدیث نیز جلد۳ ص۱۸۸ عن ابی ہریرۃ قال صلّی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی جنازۃ فقال اللھم اغفر لحینا الحدیث: واثلۃ بن اسقع رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک مسلمان مرد کی نماز پڑھائی جس میں آپ کو پڑھتے ہوئے میں نے سنا کہ اَللّٰھُمَّ اِنَّ فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازہ پر نماز پڑھی آپ نے پڑھا اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا اخیر تک۔ مشکوٰۃ فصل ۳ میں ہے عن سعید بن المسیب قال صلیت وراء ابی ہریرۃ علی صبی لم یعمل خطیئۃ قط فسمعتہ یقول اللھم اعذہ من عذاب القبر رواہ مالک۔ فاضل شوکانی نیل جلد۲ ص۳۰۲ میں فرماتے ہیں قولہ سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکذلک قولہ فسمعتہ وفی روایۃ لمسلم من حدیث عوف فحفظت من دعائہ جمیع ذلک یدل علی ان النبی صلعم جہر بالدعاء امام نووی ج۱ ص۳۱۱ میں فرماتے ہیں فیہ اشارۃ الی الجہر بالدعاء فی صلوٰۃ الجنازۃ حاصل کلام یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہؓ سے جنازہ میں دعاؤں کا زور سے پڑھنا ثابت ہے کوئی محل تردد نہیں ھذا ما اظہر بیانی الفاتر وانا الراجی رحمۃ ربہ ابو عبد الکبیر محمد عبد الجلیل السامرودی کان اللہ لہ۔ (۲۵۔ اگست ۱۹۳۳ء)

تشریح: از قلم مولانا حافظ احمد صاحب بٹڑی۔

سوال: نماز جنازہ میں بلند آواز سے قرأت اور دعا پڑھنی درست ہے یا نہیں؟

جواب: جنازہ کی نماز میں سورہ فاتحہ اور اس کے بعد کی سورہ بآواز بلند پڑھنا جائز بلکہ سنت ہے منتقی الاخبار میں ہے عن ابن عباسؓ انہ صلی علی جنازۃ فقرأ بفاتحۃ الکتاب وقال لتعلموا انہ من السنۃ رواہ البخاری و ابوداؤد والترمذی وصححہ والنسائی وقال فیہ فقرأ بفاتحۃ الکتاب و سورۃ وجھر فلما فرغ قال سنۃ وحق یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک جنازہ پر نماز پڑھائی اور سورۂ فاتحہ بآواز بلند پڑھی اور فرمایا کہ میں نے سورہ فاتحہ کو بآواز بلند اس لئے پڑھا ہے کہ تم جان لو کہ یہ سنت ہے روایت کیا اس کو ابوداؤد، بخاری اور ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور اس کو نسائی نے بھی روایت کیا ہے اور نسائی کی روایت میں ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فاتحۃ الکتاب اور ایک اور سورۃ پڑھی اور بآواز بلند پڑھی اور جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ یہ سنت اور حق ہے۔ واضح رہے کہ اس روایت میں سنت سے مراد سنت نبوی ہے۔ یعنی نماز جنازہ میں فاتحہ اور کوئی دوسری سورت بآواز بلند پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے فتح الباری میں ہے وقد اجمعوا علی ان قول الصحابی سنۃ حدیث مرفوع الخ یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ صحابی کا قول سنت ہے اس لفظ سنت سے مراد حدیث مرفوع (قول رسول اللہ صلعم) ہے۔ علامہ شوکانیؒ نیل الاوطار صفحہ ۵۲ جلد ۳ میں فرماتے ہیں (قولہ وجھر) فیہ دلیل علی الجھر فی قراءۃ صلوٰۃ الجنازۃ یعنی لفظ جہر میں دلیل ہے بلند قرارت پڑھنے کی نماز جنازہ پر۔

سراج الوہاج صفحہ ۳۰۰ جلد ۱ میں ہے بل الحدیث فیہ دلالۃ واضحۃ علی الجھر بالدعاء فی صلوٰۃ الجنازۃ ولا مانع منہ شرعا وعقلا ولا داعی الیہ فیکون الجھر والاسرار فیھا سواء کباقی الصلوات الخ بلکہ اس حدیث میں واضح دلیل ہے اوپر اونچی دعا پڑھنے کے نماز جنازہ میں اور اس سے کوئی منع کرنے والا نہیں نہ شرعاً اور نہ عقلاً اور نہ کوئی اس کا دعوی کرنے والا ہے۔

پس جنازہ میں قراءۃ بلند پڑھنی یا آہستہ پڑھنی جنازہ میں دیگر نمازوں کی طرح برابر ہے جنازہ میں دعا بلند آواز سے پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

مسلم شریف اور نسائی شریف میں ہے عن عوف بن مالک رضی اللہ عنہ

قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی جنازۃ یقول اللھم اغفر لہ وارحمہ الحدیث یہ دُعا لمبی ذکر کر کے حضرت عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں فتمنیت ان لو کنت انا المیت لدعاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لذلک المیت پس آرزو کی میں نے کاش کہ یہ میت میں ہوتی۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی وجہ سے شوق پیدا ہوا۔

ایک روایت مسلم میں یہ لفظ بھی ہیں فحفظت من دُعائہ پس میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دُعا اسی وقت یاد کرلی۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب جنازہ پڑھا بلند آواز سے دُعا پڑھی تو میں نے یاد کرلی۔ اب تمام احادیث مذکورہ سے ثابت ہوا کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ اور دیگر سورہ اور دُعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بلند آواز سے پڑھی۔ اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی بلند آواز سے پڑھی۔ جب ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ نے بلند آواز سے جنازہ کیوں پڑھا تو جواب دیا کہ تم جان لو کہ یہ فعل سنت ہے۔ جس طرح جنازہ میں سورہ فاتحہ و دیگر سورہ اور دُعا بلند آواز سے سنت ہے اسی طرح قرآن شریف بھی بلند آواز سے پڑھنا سنت ہے۔

تنقیح الرواۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے رجال اسناد مالک رجال الصحیح الخ اس حدیث کے تمام راوی صحیح بخاری کے ہیں۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عبد اللہ بن عباس مسور بن مخرمہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کی روایات سے قرأۃ بالجہر ثابت ہوتی ہے اور یہ تمام حدیثیں صحیح ہیں عون المعبود شرح ابی داؤد صفحہ ۱۸۹ جلد ۳ میں تمام روایات ذکر کر کے لکھتے ہیں قلت والظاھر ان الجھر والاسرار بالدعاء فی صلوۃ الجنازۃ جائزان وکل من الامرین مروی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھذا ھو الحق واللہ اعلم۔ میں کہتا ہوں جملہ دلائل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جنازہ میں قرأۃ بلند آواز یا آہستہ آواز سے پڑھنا دونوں جائز ہیں اور ہر فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ یہی بات حق اور درست ہے۔ ان تصریحات محققین سے جہری جنازہ کا جواز ثابت ہوگیا لیکن مجھے تعجب ہوا کہ اہلحدیث ہی کے بعض حلقے اس پر ناگواری ظاہر کرتے ہیں۔ حالانکہ ایک جائز بلکہ بعض کے نزدیک افضل امر پر کم از کم ناگواری ایک غلط رجحان ہے۔ (ملخص)

(الاعتصام گوجرانوالہ ۲۴-اپریل ۵۳ء)

سوال: ایک اونچا چبوترہ ہے۔ جس کے جنوبی طرف بے شمار قبریں ہیں اور مغرب کی طرف دو قبے اور ایک مسجد ہے اثنار نماز وغیرہ نماز میں قبروں کے تعویذ کٹھروں کی جالی سے صاف نظر آتے ہیں زید مسجد اور صحن مسجد کو چھوڑ کر اکیلا اور بحالت امامت شمالی قبہ متصل مسجد کے کھلے دروازے کے بالکل سامنے نماز پڑھتا ہے الخ

جواب: قبر جو نظر میں آتی ہو اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنی ممنوع ہے تاکہ شرک کا شبہ نہ ہو۔ اللہ اعلم۔ (اہلحدیث ۴ اصفر ۱۳۴۹ھ)

سوال: جنازہ پڑھ کر دفن کرنے سے پہلے دعا مانگنی جائز ہے یا نہیں؟

جواب: نماز جنازہ تمام دعا ہے۔ الگ دعا کرنا قبل دفن میت کے ثابت نہیں بعد دفن کے لمبی دعا قبر پر کرنا ثابت ہے۔ (۱۲ نومبر ۱۹۳۷ء)

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے اہلحدیث اس امر میں کہ مردے کی طرف سے کھانا کھلانے کے ثبوت میں احناف جب اوزجندی کی روایت پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت علیہ السلام نے اپنے فرزند ابراہیم کی وفات پر لوگوں کو کھانا کھلایا تھا تو آپ لوگ اسے بے سند بے اصل موضوع کہہ دیتے ہیں لیکن آپ نے خود جو مردے کے گھر کھانا کھایا جیسا کہ مشکوٰۃ باب المعجزات میں ہے خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی جنازۃ فلما رجع استقبلہ داعی امرأتہ فاجاب ونحن معہ فجیئ بالطعام فوضع یدہ ثم وضع القوم فاکلوا۔ اس حدیث سے مرنے والے صحابی کی بیوی کی دعوت کو قبول کر کے آپ کا وہاں کھانا کھانا صاف ثابت ہوتا ہے۔ اس کا کیا جواب ہے؟

جواب: حدیث مذکور صاحب مشکوٰۃ نے بحوالہ ابی داؤد و بیہقی نقل کی ہے اور ابو داؤد کے کسی نسخہ میں داعی امرأتہ کا لفظ نہیں ہے بلکہ داعی امرأۃ ہے۔ دیکھو ابوداؤد کتاب البیوع باب اجتناب الشبہات، جس سے صاف ظاہر ہے کہ مرنے والے صحابی کی بیوی نے کھانے پر نہیں بلایا تھا بلکہ کسی اور عورت نے دعوت دی تھی چنانچہ بیہقی میں ہے صنعت امرأۃ من قریش لرسول اللہ طعامہ فدعتہ واصحابہ الخ ج ۶ ص ۹۷ معلوم ہوا کہ دعوت دینے والی عورت قرشیہ تھی اور جس کے جنازے میں آپ تشریف لے گئے تھے وہ انصاری تھا جیسا کہ مسند احمد میں ہے۔ خرجنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی جنازۃ رجل من الانصار الخ ص ۲۹۳ ج ۵ نیز اسی کتاب میں ہے فلما رجعنا لقینا

داعی امرأۃ من قریش الخ کہ دعوت دینے والی عورت قریش میں سے تھی ان دونوں روایتوں کے ملانے سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ مرنے والے کی بی بی نے دعوت نہیں دی تھی پس صاحب مشکوٰۃ نے لفظ امرأتہ غلط نقل کیا ہے جو انہیں کے بتلائے ہوئے حوالوں کے خلاف ہے۔ دارقطنی نے بھی روایت مذکورہ کئی سندوں سے نقل کی ہے ان کو بھی دیکھئے (۱) خرجنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی جنازۃ فلما انصرف تلقاہ داعی امرأۃ من قریش الخ (۲) صنعت امرأۃ من المسلمین من قریش لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طعاما فدعاہ واصحابہ الخ ج۔ ۲ ص ۵۲۵ حاصل یہ کہ ایک عورت نے جو مسلمان قریشیہ تھی آپ کے لئے کھانا پکایا جبکہ آپ ایک شخص کے جنازے سے واپس آرہے تھے تو اس کا داعی ملا جو آپ کو مع صحابہؓ کے اس کے گھر لے گیا۔ مرنے والے کی بی بی کے یہاں دعوت نہیں تھی (اور یہ عقل میں بھی نہیں آتا کہ جس کے گھر میت ہوئی وہ اتنے جلدی کہ دفن کرنے والے صرف واپس ہی ہوئے ہوں کسی دعوت کا انتظام کرسکے۔ بلکہ بحکم شریع ان کے گھر تو کسی دوسرے پڑوسی کے ہاں سے کھانا آیا ہوگا۔ (آ) سائل چونکہ حنفی ہے اس لئے اس کے اطمینان خصوصی کے لئے احناف کی کتب حدیث کے بھی چند حوالے لکھے دیتا ہوں۔ طحاوی حنفی نے شرح معانی الآثار باب اکل لحوم الحمر میں روایت مذکورہ یوں نقل کی ہے رجلا من الانصار کان مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی جنازۃ فلقیہ رسول امرأۃ من قریش یدعوہ الی الطعام الخ ص ۳۲۰ ج ۲) ایک مرد انصاری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک جنازہ میں تھا کہ قریشیہ عورت کا قاصد ملا جو کھانے کے لئے دعوت دے رہا تھا۔ اسی طرح طحاوی موصوف نے اپنی کتاب مشکل الآثار ص ۱۳۲ ج ۲ میں بھی نقل کیا ہے۔ امام محمدؒ کی کتاب الآثار میں ہے صنع رجلٌ من اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم طعاما الحدیث ص ۱۲۵ طبع لاہور یہی عبارت جامع المسانید ص ۶۵ ج ۲ میں بھی ہے جو امام ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب ہے۔ نیز مسند امام ابوحنیفہؒ مع شرح علی القاری طبع مجتبائی دہلی ص ۲۴۳ میں ہے ان رجلا من اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم صنع طعاماً الخ ان دونوں روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ کھانا تیار کرنے والا

مرد تھا۔ بہرحال داعی مرد ہو یا عورت وہ مرنے والے شخص سے کوئی تعلق نسب یا جوار کا نہیں رکھتا۔ پس صاحب مشکوٰۃ کا داعی امرأتہ نقل کرنا صریح غلط (بنا بر سہو ونسیان تراث) ہے اور اس سے طعام میت پر دلیل پکڑنی بنائے فاسد علی الفاسد۔ اللہ اعلم۔

کتبہ محمد ابوالقاسم البنارسی بقلمہ باہ رجب المرجب ۱۳۴۵ھ۔ (اہلحدیث ۱۳ شوال ۱۳۴۵ھ)

سوال: جنازہ غائب اس صورت میں ہوسکتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی قصبہ کا ہو تو وہاں پر باقاعدہ اس کا جنازہ بھی ادا کیا ہو۔ کیا دوسرے قصبے کے لوگ بھی اس کا جنازہ غائب پڑھ سکتے ہیں بغیر ان دو دلیلوں کے جو بادشاہ حبشہ اور اس عورت کے جس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر جنازہ پڑھا۔ اور کیا دلیل ہے۔ یا اس صورت میں جنازہ غائب ہوسکتا ہے؟

جواب: مذکورہ فی السوال ہر دو واقع کے علاوہ ترمذی میں مروی ہے ان ام سعد ماتت والنبی صلی اللہ علیہ وسلم غائب فلما قدم صلی علیہا وقد مضی لذالک شھر یعنی ام سعد کی قبر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ کے بعد نماز پڑھی۔ مزید تحقیق کے لئے دیکھو نیل الاوطار۔ اللہ اعلم[1]۔ (۷ جنوری ۳۸ء)

سوال: میت کو عمامہ پہنانا کیسا ہے بعض آدمی میت کو عمامہ دیتے ہیں؟

جواب: میت کو عمامہ پہنانا قرون خیر سے ثابت نہیں لہٰذا بدعت ہے۔ میت کو صرف چادروں میں لپیٹنا چاہیے۔ تین چادریں ہوں یا دو۔ (۶ مئی ۳۹ء)

سوال: قبر کی زیارت کو کس طرح جانا چاہیے اور پھول چادر وغیرہ باجہ بجا کر لے جانا جائز ہے یا نہیں؟۔ (عبدالحفیظ بنگلور)

---

[1] یہ دعویٰ کہ اصحمہ نجاشی کا جنازہ حبشہ میں نہ پڑھا گیا تھا بلا دلیل ہے بالکل جھوٹ ہے من ادعی فعلیہ البیان بالبرہان پھر یہ قول کہ جب دو دفعہ فلاں کام ہوا تیسرے چوتھے مرتبہ کے لئے دلیل چاہیے یہ قاعدہ ہی باطل ہے اس سے تو ہزارہا سنن متروک ہو جائیں گی ورنہ مدعی بتلائے کہ مشہور سنن مروجہ ہیں ان پر نص صریح دوام بلا ترک کی پیش کرے سنو۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی الاٰیۃ میں کوئی تخصیص دوام کی نہیں عام ہے۔ ایک مرتبہ بھی جو کام رسول اللہ سے ثابت ہو وہ حجت ہے تاوقتیکہ نسخ یا خصوصیت یا اور کوئی دلیل نہ ثابت ہو ۱۲۔

(ابوسعید شرف الدین دہلوی)

جواب: قبر کی زیارت کو اس طرح جانا چاہیئے کہ نیت یہ کہ وہاں جا کر موت یاد کر کے عبرت حاصل کریں چادریں چڑھانا باجہ بجانا یہ سب خرافات ہیں اصل غرض کے بالکل مخالف عورتوں کا قبروں میں جانا حدیث شریف میں منع آیا ہے۔ اللہ اعلم۔

(۷ شعبان ۱۳۵۸ھ ۱۹۳۹ء)

تشریح: مردوں کے واسطے زیارت قبور بالاتفاق سنت ہے اور عورتوں کی نسبت اختلاف ہے اکثر علماء کے نزدیک عورتوں کے لئے بھی زیارت قبور جائز و رخصت ہے اور بعض علماء کے نزدیک مکروہ ہے اور اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ عورتوں کی زیارت قبور کی نسبت حدیثیں مختلف آئی ہیں جو اہل علم عورتوں کے لئے بھی زیارت قبور کو جائز بتلاتے ہیں ان کی پہلی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو ایک قبر کے پاس روتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ اللہ سے ڈر اور صبر کر (رواہ البخاری) اور آپ نے اس کو قبر کے پاس بیٹھنے سے منع نہیں فرمایا۔ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تم لوگوں کو زیارت قبور سے منع کیا تھا سو تم لوگ قبروں کی زیارت کرو (رواہ مسلم) وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ اجازت مردوں اور عورتوں دونوں کو شامل ہے (۳) تیسری دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی قبر کی زیارت کی تو ان سے کسی نے کہا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو زیارت قبور سے منع نہیں کیا ہے انہوں نے کہا ہاں منع کیا تھا (مگر) پھر ان کو زیارت قبور کا حکم کیا (رواہ الحاکم) اور (۴) چوتھی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یا رسول اللہ جب میں قبروں کی زیارت کروں تو کیا کہوں۔ آپ نے فرمایا کہ جب تو قبروں کی زیارت کرے تو کہہ السلام علی الدیار الحدیث (رواہ مسلم) اور (۵) پانچویں دلیل یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہر جمعہ کو اپنے چچا حمزہ کی قبر کی زیارت کرتی تھیں (رواہ الحاکم وہو مرسل) اور (۶) چھٹی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اپنے باپ ماں دونوں یا ایک کی قبر کی زیارت ہر جمعہ کو کیا کرے تو اس کی مغفرت کی جاوے گی اور وہ بار لکھا جاوے گا (رواہ البیہقی فی شعب الایمان مرسلا) اور جو لوگ عورتوں کے لئے زیارت قبور کو مکروہ بتاتے ہیں ان میں بعض مکروہ

بکراہت تحریمی کہتے ہیں۔ اور بعض مکروہ بکراہت تنزیہی۔ ان لوگوں کی (۱) پہلی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے (اخرجہ الترمذی وصححہ) اور (۲) دوسری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہؓ کو سامنے آتے ہوئے دیکھا تو پوچھا کہ کہاں سے آتی ہو۔ انہوں نے کہا کہ اس میت کی تعزیت کو گئی تھی۔ آپ نے فرمایا شاید تو جنازہ کے ہمراہ کُدٰی یعنی قبرستان میں گئی تھی۔ انہوں نے کہا نہیں (اخرجہ احمد والحاکم وغیرہما) ان لوگوں کی یہی دو دلیلیں ہیں علامہ قرطبی نے ان متعارض و مختلف احادیث کی جمع و توفیق میں جو مضمون لکھا ہے اس کا خلاصہ[1] مجیب نے جواب میں لکھ دیا ہے اور علامہ شوکانی نے اس کو اعتماد کے قابل و لائق بتایا ہے اور بلاشبہ جمع و توفیق کی یہ صورت بہت اچھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔ کتبہ عبدالرحمن مبارکپوری (فتاویٰ نذیریہ ج۱ صفحہ ۶۹۱)

سوال: قبروں کے سالانہ میلے یعنی عرس قوالی روشنی۔ تیجا۔ دسواں۔ بیسواں۔ چالیسواں۔ سہ ماہی نہ ماہی اور برسی وغیرہ مذہب حنفیہ کی رو سے جائز ہیں یا نہیں۔

(عبدالرؤف از مرتضیٰ پور)

جواب: اصل حنفی مذہب اور اہلحدیث مذہب بلکہ جملہ مذاہب اہل سنت ایسے مسائل میں متفق ہیں کہ یہ رسوم ناجائز ہیں۔ حضرت شاہ اسحاق صاحب مرحوم کا رسالہ مائۃ مسائل ملاحظہ ہو مگر رسمی مذہب جو آجکل حنفی مذہب بنایا اور بتایا جاتا ہے اس کے ذمہ دار یہ لوگ خود ہیں حضرات ائمہ کرام کو اس مذہب کی کوئی خبر نہیں اس لئے کتب فقہ میں ان رسوم کی بابت کوئی حکم نہیں ملتا۔ (۱۷ صفر ۱۳۲۷ھ)

سوال: میت عورت کی ہو تو جنازہ لے جاتے وقت اگر پردہ کے لئے تابوت دیا جائے تو یہ فعل مطابق قرآن و حدیث جائز ہوگا یا نہیں جواب مدلل ہونا شرط ہے۔

جواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں جنازہ چارپائی پر اٹھایا جاتا تھا (ابن ماجہ) مردہ عورت محل پردہ نہیں ہے علاوہ ازیں میت کے لئے کفن کا

---

[1] وھو ھذا: اگر عورت صابر ہے اور اس سے کسی قسم کے فتنے کا خوف نہیں ہے تو اس کے لئے زیارۃ قبور مطابق سنت کے جائز و رخصت ہے اور اگر بے صبر ہے تو اس کیلئے جائز نہیں (ملخص) (فتاویٰ نذیریہ ج۱ ص ۵۰۷)

پردہ کافی ہے۔ (۱۲ اگست ۱۹۳۶ء)

تعاقب: اس سوال کا جواب چونکہ حضرت مولانا دامت برکاتہم نے بہت مجمل اور ناکافی دیا ہے۔ یعنی صریح الفاظ میں تابوت بنانے کے جواز یا عدم جواز کا فیصلہ نہیں فرمایا ہے لہٰذا سائل کی تشفی کے لیے عرض ہے کہ عورت کے جنازہ پر پردہ کے لئے تابوت بنانا جائز و ثابت ہے۔ فتاوٰی نذیریہ جلد اول ص۴۲۵ میں بعد نقل عبارات کتب کے تحریر ہے۔ ان سب عبارات سے صاف ظاہر ہوا کہ اجلہ اصحاب کرام جیسے حضرت انس و حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت علی و حضرت عباس و جم غفیر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے سامنے ایسا جنازہ کہ جس پر تابوت تھا اس پر سبھوں نے بخوشی نماز جنازہ ادا کی اور حضرت فاطمہؓ کی وصیت واسطے بنانے تابوت کے اور قبیح سمجھنا بغیر تابوت کے ہونے کو۔ چنانچہ بعد وفات آپ کے حسب وصیت کے عمل سامنے صحابہ کے کیا گیا اور نیز حضرت زینب ام المومنین زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ پر تابوت تھا اور حضرت عمر جیسے صحابی ماحی المنکرات نے نماز پڑھائی تھی اور قسطلانی اور فتح الباری کی عبارت سے ظاہر ہوا کہ اسلام میں دستور تابوت کا تھا اور تلخیص کی عبارت سے ظاہر ہوا کہ عورت کے دفن کرنے کے وقت چادر کا پردہ کرنا چاہیے۔ اور بہت کتب میں اس کا ثبوت موجود ہے۔ اہل سنت کے لئے اس قدر کافی ہے پس باوجود ایسے ثبوت کے کون انکار کرسکتا ہے کیونکہ یہ مسئلہ سنت صحابہ کرام کا ہوا۔ موافق فرمودہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین تمسکوا بہا۔ (متعاقب صاحب کا نام نہیں ہے)

جواب: مسنون طریق وہی ہے جو ہم نے لکھا ہے۔ متعاقب نے جو روایات اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کی ہیں ان سے ان کا دعویٰ ثابت نہیں۔ نعش کے معنے مجمع البحار میں سریر میت کے لکھے ہیں بلاوجود اس کے ہم اس کو ممنوع یا حرام نہیں کہتے مگر مسنون نہیں ہے۔ (۶ دسمبر ۱۹۳۸ء)

سوال: ایک حاجی پنج وقت کا نمازی مع جماعت ادا کرنے والا۔ صورت دیکھو تو پورا مذہبی انسان عمر قریباً ۵۰ سال۔ یکایک صبح کے ۵ بجے خودکشی کرنے کو رستے پر لٹک گیا اور جان دیدی کیا اس کی نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے؟ الخ

جواب: حدیث میں آیا ہے۔ ان رجلا قتل نفسہ بمشاقص فلم یصل علیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ابوداؤد۔ ترمذی) آنحضرتؐ کے زمانے میں ایک آدمی نے چھری سے خودکشی کرلی تو حضور علیہ السلام نے اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی۔ (۲۰ رجب ۱۳۵۷ھ)

سوال: عرض ہے کہ جیسے اجمیر... میں یا سرہند... میں یا اور جگہ اولیاء اللہ علماء وصلحاء کی خانقاہیں پختہ ہیں کیا وہ ان احکامات کو نہیں سمجھتے ہیں۔ الخ

جواب: مسائل شرعیہ وہ ہیں جو قرآن وحدیث سے بتعلیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم ثابت ہوں چاہے کوئی عالم یا صوفی اُن پر عمل کرے یا نہ کرے ان میں کسی طرح کا تغیر تبدل نہیں آسکتا۔ قبروں کا پختہ بنانا تمام کتب حدیث اور کتب فقہ میں منع ہے جن بزرگوں کی قبریں پختہ بنائی گئی ہیں ان کی تعلیم سے نہیں بنائی گئیں۔ بلکہ پیچھے جاہل لوگوں نے بنائی ہیں اس لئے جاہلوں کے فعل سے شرعی حکم بدل نہیں سکتا۔ الخ

(اہلحدیث ۲۴ شوال ۱۳۶۰ھ)

تمت کتاب الجنائز بعونہ تعالیٰ

باب ہفتم

مسائل متفرقہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال: زید کہتا ہے۔ تصویر ذی روح کی بنوانا اور گھر میں آویزاں کرنا جائز ہے جو منع کرتا ہے وہ سخت غلطی پر ہے۔ بکر کہتا ہے کہ ذی روح کا فوٹو کھنچوانا اور آویزاں کرنا حرام ہے۔ نیز بکر نے اصلاح کی غرض سے نہایت عاجزانہ کلام میں سمجھایا کہ آپ اس سے فوراً توبہ کیجیے۔ زید مجلس عام میں بول اٹھا کہ بخاری شریف کی حدیث جو مصور کی وعید میں آئی ہے منسوخ ہے لہٰذا جواب عنایت فرماویں۔ (سائل محمد زبیر خریدار اہلحدیث)

جواب: ذی روح کی تصویر بنانا یا استعمال کرنا منع ہے اور غیر ذی روح جیسے درخت وغیرہ کی تصویر جائز ہے حدیث شریف میں آیا ہے عن عبد اللہ بن مسعود قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اشد الناس عذابا عند اللہ المصورون۔ متفق علیہ۔ بخاری شریف کی اس روایت کو کسی نے منسوخ نہیں کیا اور نہ کہا ہے جو کہے وہ اپنے دعوے کا ثبوت دے۔ باقی رہا قائل جواز کا حکم جب تک اس کا بنا بیان نہ پہنچے ہم اس کے حق میں فتویٰ نہیں دے سکتے۔

(اہلحدیث ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ)

سوال: دلہن کو دولہا والے لوگ یا دولہا کو دلہن والے لوگ دیکھنا ضروری سمجھتے ہیں تو اس قسم کی مجبوری پر فوٹو (تصویر) اترنا جائز ہے یا نہیں۔

(محمد عنایت اللہ جیلانی از مدراس)

جواب: دلہن کو خود دیکھنا جائز ہے تصویر کی ضرورت نہیں اور تصویر سے مقصد بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ (۸ محرم ۱۳۶۲ھ)

سوال: سونے سے بنا ہوا فریم (عینک کا)، دانت، گھڑی، اور اس کی زنجیر اور بٹوہ استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (سائل مذکور)

جواب: آجکل کے چشموں کے فریم اور گھڑیوں کے کیس خالص سونے کے ہوں تو ان کا استعمال مردوں کے لئے منع ہے۔ عورتوں کے لئے جائز ہے۔ ہاں مردوں کو سونے کے دانت لگانا جائز ہے جیسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو سونے کی ناک لگانے کی اجازت فرمائی تھی اللہ اعلم (اہلحدیث ۸ محرم ۱۳۶۲ھ)

سوال: ہمارے یہاں ریاست کی طرف سے دسہرے کے موقع پر پندرہ روز مسلسل بازار لگتا ہے۔ جس میں زیادہ تر جانوروں کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ صرف دو روز دسہرے کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ باقی دنوں میں وہی خرید و فروخت۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ صرف دو روز کے علاوہ اور دنوں میں شریک ہو سکتا ہے۔ بعض نوجوان رضا کاروں میں نام لکھوا کر انتظام کرتے ہیں۔ بعض مولوی صاحب بھی اس میلے میں شریک ہوتے ہیں جس روز رسم ادا کی جاتی ہے۔ اس روز بھی رہتے ہیں۔ لوگ ان کو خطیب و امام بناتے ہیں حالانکہ دوسرے مولوی بھی موجود رہتے ہیں جو تمام ان باتوں سے متنفر اور بیزار ہیں خالد کہتا ہے کہ اس میلے میں شریک ہونا حرام ہے۔ رضا کار بننا شرک کی اعانت ہے ایسے مولوی کو قطعاً امام یا خطیب نہ بنانا چاہیے۔ شرعی حیثیت سے اس کا جواب دیں۔

(شاہد بنارسی)

جواب: اس قسم کی منڈیاں اسواق جاہلیت کی طرح ہیں جن کی بابت امام بخاریؒ نے ایک باب کا عنوان یوں لکھا ہے۔ باب الاسواق التی کانت فی الجاھلیۃ فلما کان الاسلام تاثموا من التجارۃ فیھا فانزل اللہ لیس علیکم جناح۔ جب اسلام آیا تو صحابہ کرام نے ان بازاروں میں تجارت کرنے کو گناہ سمجھا تو یہ آیت شریفہ نازل ہوئی کہ ان میں تجارت کرنا گناہ نہیں ہے۔ میرے ناقص علم میں یہی حکم ان منڈیوں کا ہے جن کی بابت سائل نے سوال کیا ہے۔ ہمارے امرتسر میں اس کی مثال بیساکھی اور دیوالی کی منڈیاں ہیں جو کئی دن تک رہتی ہیں جن میں لوگ ہر قسم کے مویشی کی خرید و فروخت

کرتے ہیں۔ ہاں ایسے بازاروں میں ناجائز اشیاء فروخت نہ کرے اور نہ فروخت کرنے پر مدد کرے ایسا ہی مسلم رضا کار دوسرے کے کام میں بھی مدد نہ کرے بحکم قولہ لا تعاونوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ (اہل حدیث ۸ محرم ۱۳۶۲ھ)

سوال: ہمارے یہاں کے مسلمانوں میں دستور ہے کہ جب دروازے پر ہندو برہمن ٹھاکر وغیرہ آتے ہیں تو اپنے برابر چارپائی پر بٹھلاتے ہیں اور نائی حلوائی وغیرہ اگرچہ پکے اہلحدیث ہیں لیکن ان کو برابر نہیں بٹھاتے اور ساتھ کھانا بُرا سمجھتے ہیں کیا یہ شرعاً جائز ہے؟

(شاہد بنارسی)

جواب: حدیث شریف میں آیا ہے انزلوا الناس منازلهم ہر آدمی کو اس کی عزت کے مطابق درجے میں بٹھایا کرو۔ اس کے علاوہ ارشاد ہے اذا جاءکم کریم قوم فاکرموہ جب کسی قوم کا معزز آدمی آئے تو اس کی عزت کرو۔ اس لحاظ سے کسی ہندو معزز کو اچھی جگہ بٹھانا اور خادموں کو نیچے بٹھانا ناجائز نہیں ہے۔ البتہ مسلمان کسی درجہ کا ہو اس کے ساتھ کھانا کھانے سے پرہیز کرنا نہیں چاہیئے۔ حدیث میں ہے بحسب امرء من الشر ان یحقر اخاه المسلم یعنی مسلمان بھائی کو حقیر سمجھنا بہت بڑا گناہ ہے۔ اللہ اعلم۔ (اہلحدیث ۱۵ محرم ۱۳۶۲ھ)

سوال: قرآن شریف اور تفسیروں میں آج تک تمام علماء ابیہ ابراہیم کا ترجمہ ابراہیم علیہ السلام کے سگے باپ کرتے آئے ہیں۔ اور اب بعض مولوی صاحب اب کا ترجمہ چچا کرتے ہیں کونسا ترجمہ صحیح ہے (خریدار)

جواب: اب کا معنی باپ ہے چچا نہیں۔ چچا کے لئے عربی میں لفظ عم ہے۔

(اہلحدیث ۲۲ محرم ۱۳۶۲ھ)

سوال: اونٹ کا پیشاب پینا مریض کے لئے حدیث میں ہے۔ مگر بڑی مکروہ چیز ہے کیسے جائز ہوا؟ ہندو لوگ عورت کو نفاس کی حالت میں گائے کا پیشاب پلاتے ہیں کیا باعث اعتراض ہے۔ (سائل مذکور)

جواب: حدیث شریف میں بطور دوائی استعمال کرنا جائز آیا ہے۔ جس کو نفرت ہو وہ نہ پیئے۔ لیکن حلت کا اعتقاد رکھے ایسا ہی گائے بکری کے بول کے متعلق بھی آیا ہے لاباس ببول ما یوکل لحمه (ایضاً)

سوال: پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بعض علماء کا یہ بیان صحیح ہے یا غلط کہ ان کے والدین موحد مومن تھے۔ تفسیر ترجمان القرآن میں جا بجا اس کے برخلاف لکھا ہوا ہے لہٰذا آپ کا کیا ارشاد ہے۔

جواب: میرے نزدیک صاحب ترجمان القرآن کا قول صحیح ہے۔ اخبار اہلحدیث میں بھی کئی جگہ لکھا جا چکا ہے۔ (اہلحدیث ۲۲ محرم ۱۳۶۲ھ)

سوال: چینی کی رکابیوں پر جو لوگ عربی وغیرہ لکھ کر بیماروں کو پلاتے ہیں یہ درست ہے یا نہیں؟ (اہلحدیث ۲۲ محرم ۱۳۶۲ھ)

جواب: آیات قرآنی کو لکھ کر پلانا بعض صلحاء نے جائز لکھا ہے۔ (اہلحدیث ۲۲ محرم ۱۳۶۲ھ)

سوال: اگر کوئی مولوی صاحب منبر پر شاہ ولی اللہ، شاہ رفیع الدین رح نواب صدیق حسن خان رح صاحبان کو سخت سُست کہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے؟

جواب: ایسا شخص بحکم حدیث سباب المسلم فسوق فاسق ہے اور فاسق کے پیچھے نماز جائز ہے بحکم حدیث صَلُّوا خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَّ فَاجِرٍ اور بحکم قرآن وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ۔ (۱۰ صفر ۱۳۶۲ھ)

سوال: جو لوگ تعویذ وغیرہ لکھ کر باندھتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟
(امیر عظمت اللہ مدراس)

جواب: تعویذ کا مضمون اگر قرآن و حدیث کے مطابق ہو یعنی شرکیہ نہ ہو تو بعض صلحاء بچوں کے گلے میں ڈالنا جائز کہتے ہیں۔ اللہ اعلم۔ (اہلحدیث ۲۹ محرم ۱۳۶۲ھ)

سوال: اگر کوئی مدرسہ سود کے روپئے پر خریدا جائے تو اس میں قرآن و حدیث کی تعلیم جائز ہے یا ناجائز۔ (خریدار اہل حدیث نمبر ۱۲۰۵)

جواب: یہ سوال دو پہلو رکھتا ہے۔ ایک یہ کہ سود سے حاصل کیا ہوا روپیہ مراد ہے یا سودی قرضہ پر لیا ہوا روپیہ۔ یہ دونوں صورتیں موجب گناہ ہیں لیکن تعلیم وہاں جائز ہے۔ جیسے بُت خانوں میں تعلیم قرآن جائز ہے۔ چنانچہ حرم شریف میں قبل از غلبہ اسلام تعلیم دی جاتی تھی۔ حالانکہ وہ بت خانہ بنا ہوا تھا۔ (۱۳ صفر ۱۳۶۲ھ)

سوال: مچھلی کیوں بغیر تکبیر کے حلال ہوئی اور کب سے کس نبی کے زمانہ میں اور اسی طرح گھگٹی[۵]

۵ گھگٹی حشرات الارض میں داخل ہے اس کے حلال ہونیکا ہمارے علم میں کوئی ثبوت نہیں ۱۲ محمد داؤد راز

بھی کس دلیل سے حلال ہے۔ (عبدالعزیز فیض پوری)

جواب: حدیث شریف میں ایسا ہی آیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں بھی مچھلی کا ذکر ملتا ہے۔ غالبا ہر نبی کے زمانہ میں حلال رہی ہے (اہل حدیث ۱۴ ربیع الاول ۱۳۷۲ھ)

تعاقب: مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۵۲ء سوال نمبر ۳ کا جو جواب دیا گیا ہے۔ اس کی بابت عرض ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور نواب صدیق حسن صاحب کو گالی دینے والا امامت کا ہرگز مستحق نہیں ہو سکتا۔ ایسے دشنام دہندہ امام کو امامت سے برطرف کر دے صلوا خلف کل بر وفاجر اور وارکعوا مع الراکعین کا مطلب یہ ہے۔ اگر کہیں اس قسم کا امام ہو اور تم وہاں پہنچ جاؤ تو تمہارے لیے مناسب نہیں کہ الگ جماعت قائم کرو بلکہ انہی کی معیت میں تم بھی نماز پڑھ لو۔ یہاں جماعتی انشقاق کا سدِ باب کیا گیا ہے نہ کہ فاسق کے پیچھے نماز پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

(نسیم الحق از مؤائمہ الہ آباد)

جواب: فتویٰ کا بھی مطلب یہی ہے۔ اختلاف لفظی ہے۔ جہاں کسی غیرتمند نمازی کو ایسے سباب امام کو ہٹانے کی قدرت نہ ہو تو اس کی امامت میں نماز ادا کر سکتا ہے۔

(اہلحدیث ۱۹ ربیع الاول ۱۳۷۲ھ)

سوال: ایک مسلمان روزانہ دو تین مرتبہ افیون سے مدک بنا کر کھاتا ہے لہٰذا اس مدکی مسلمان سے سلام کلام نشست برخاست از روئے شرع شریف جائز ہے یا ناجائز

(عبدالرحمٰن ضلع سنتھال پرگنہ)

جواب: ایسے شخص سے سلام کلام جائز ہے۔ مگر نصیحت کرنے کے ساتھ۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:۔ مَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ط گنہگار آدمی کو نصیحت کئے بغیر نہ چھوڑا کرو۔"

(اہل حدیث ۱۲ رجب ۱۳۷۲ھ)

سوال: بے نمازی کا جنازہ پڑھا جائے یا نہ؟ (حاجی محمد سعید ضلع سنگھ بھوم)

جواب: بے نمازی کے جنازے کا سوال اس کے کفر کی فرع ہے جن علماء کے نزدیک بے نماز کافر ہے اس کی نماز جنازہ بھی وہ جائز نہیں سمجھتے حضرت پیر صاحب بغدادی رح اور حافظ ابن قیم رح بھی اسی گروہ میں ہیں۔ جو اس کو کافر نہیں بلکہ فاسق

سمجھتے ہیں وہ نماز جنازہ جائز کہتے ہیں۔ حنفیہ کا یہی مسلک ہے پہلے مذہب کی دلیل قوی ہے اور اس میں تنبیہ بھی ہے۔ (اہل حدیث ۲۹ رجب ۱۳۶۲ھ)

سوال: نوکری نصاریٰ وجمیع کفرہ کی اہل اسلام کو اختیار کرنی شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ (عبدالرؤف مرتضیٰ پور)

جواب: کفار کی نوکری کا حکم کام کی نوعیت پر منحصر ہے کام اگر جائز ہے تو نوکری جائز ہے کام ناجائز ہے تو نوکری ناجائز ہے۔ واللہ اعلم۔ (اہلحدیث ۱۷ صفر ۱۳۲۷ھ)

سوال: کچھوا کوکرا اور گھونگا حرام ہیں یا حلال؟ ازروئے قرآن وحدیث جواب ہو۔ (امیر میاں مظفر پور)

جواب: قرآن وحدیث میں جو چیزیں حرام ہیں ان میں یہ تینوں نہیں اور حدیث شریف میں آیا ہے ذرونی ما ترکتم جب تک شرع تم کو بندش نہ کرے تم سوال نہ کیا کرو ان تینوں سے شرع شریف نے بند نہیں کیا لہٰذا حلال ہیں۔ (ایضاً)

سوال: (۱) حدیث شریف فر من المجذوم کفرارک من الاسد یعنی مجذوم سے ایسا بھاگنا چاہیئے جیسا کہ شیر سے (۲) حدیث لا عدویٰ ولا ھامۃ ولا صفر۔ نیز مشکوٰۃ کے باب الفال والطیرہ میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخذ بید مجذوم فوضعھا معہ فی القصعۃ فقال کل ثقۃ باللہ وتوکلا علیہ۔ حدیث نمبر ۱ سے احادیث ۲ و ۳ بظاہر مغائرت رکھتی ہیں مناسب استمداد درکار ہے۔ (خریدار اہلحدیث ۴۲۲۴ نارائن کھیڑا ضلع بیدر دکن)

جواب: ان احادیث میں بظاہر تعارض ہے لیکن درحقیقت نہیں۔ حدیث ۲ و ۳ تو اصلیت پر ہیں یعنی کسی کی بیماری کسی کو نہیں لگتی مگر ایسا ہوتا ہے کہ ایسے بیمار سے ملنے والا محض اپنے اسباب مرض سے مریض ہو جاتا ہے جس سے اس کا گمان یہ ہوتا ہے کہ یہی مرض متعدی ہو کر مجھے لگا ہے اس لئے حدیث نمبر اول میں فرمایا تم اگر ایسے کمزور قلب ہو تو ایسے بیماروں سے مت ملو بلکہ ان سے الگ رہو۔ (اہل حدیث۔ ۲۹۔ نومبر ۱۹۱۸ء)

سوال: شریعت طریقت اور حقیقت اور معرفت کی جامع مانع تعریف اور ان کی تفریق مجمل طور پر۔ (خاکسار محمد قاسم الینو خریدار اہلحدیث ۵۰۹)

جواب: شریعت ان احکام کا نام ہے جو قرآن و حدیث میں مذکور ہیں۔ ان احکام کو بحضور قلب دل لگا کر ادا کرنا طریقت و حقیقت ہے۔ حقیقت شریعت کے مخالف نہیں ہو سکتی بلکہ حقیقت شریعت کے لئے طریق کار کا نام ہے۔ اسی لئے حضرت مجدد صاحب سرہندی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کل حقیقة ردته الشریعة فھی زندقة[1] یعنی حقیقت کے جس مسئلہ کو شریعت رد کر دے وہ واقعی الحاد اور بیدینی ہے یہ تینوں (طریقت حقیقت اور معرفت) دراصل شرعی احکام کے طریق کار کے نام ہیں اور یہ تینوں دراصل ایک ہیں۔ (۹ ذی الحجہ ۳۷ھ)

سوال: کل یہاں ایک جلسہ بنگلور کے مسلم لائبریری کا ہوا جس میں مولوی حاجی غلام محمد شملوی نے لکچر دیا دوران تقریر میں گیارہویں اور بارہویں میں برائے ایصال ثواب غرباء کو کھانا وغیرہ کھلانا جائز کہا ہے آپ اس کے عدم ثبوت کے دلائل پیش کریں۔

(نیاز مند سر محمد ہاشم خریدار)

جواب: گیارہویں بارہویں کی بابت فریقین میں اختلاف صرف اتنی بات میں ہے کہ مانعین اس کو لغیر اللہ سمجھ کر مَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ میں داخل کرتے ہیں۔ اور قائلین اس کو لغیر اللہ میں نہیں جانتے۔ مولوی غلام محمد صاحب نے دونوں کا اختلاف مٹانے کی کوشش کی ہوگی کہ گیارہویں بارہویں کا کھانا بغرض ایصال ثواب کیا جائے یعنی یہ نیت ہو کہ ان بزرگوں کی روح کو ثواب پہنچے نہ کہ یہ بزرگ خود اس کھانے کو قبول کریں اس صورت میں واقعی اختلاف اٹھ جاتا ہے۔ ہاں نام کا جھگڑا باقی رہ جاتا ہے کہ اس قسم کی دعوت کو گیارہویں بارہویں کہیں یا نذر للہ کہیں۔ اس میں شک نہیں کہ شریع شریف میں گیارہویں بارہویں کے ناموں کا ثبوت نہیں۔ اس لئے یہ نام نہیں چاہیئے۔ فقط دعوت للہ فی اللہ کی نیت چاہیئے۔ ذکرہ ایبیح۔

(اہل حدیث۔ ۲۶ جمادی الاول ۱۳۳۷ھ)

سوال: ختنہ جس کو مسلمانی بھی کہتے ہیں یعنی مسلمانیت کی ایک خاص علامت ہے اس کا وجود کس طرح ہوا اور کب سے شروع ہوا؟ اگر براہیمی سنت ہے

---

[1] مکتوبات۔

تو کیا قربانی کی طرح جو ذبیحہ اسمٰعیل کا قصہ یاد دلاتی ہے اس کے متعلق بھی کوئی نمونہ ہے اور کیونکر؟ (خلیل احمد از مرزا پور)

جواب : ختنہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے اور مسلمانوں کو ختنہ کرنے کا حکم ہے۔ بخاری مسلم کی حدیث میں آیا ہے اختتن ابراهیم بعد ما اتی علیه ثمانون سنة (منتقی) یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی سال کی عمر میں ختنہ کرایا تھا۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے ایک شخص مسلمان ہوا اس کو فرمایا ختنہ کر۔

(۲۳ جمادی الاول ۱۳۴۱ھ)

سوال : حلال جانور کا خصی کرنا کیسا ہے؟

جواب : جانور کا خصی کرنا جائز ہے کفارہ وغیرہ کچھ نہیں۔ (۲۸ جمادی ۱۳۶۵ھ)

سوال : عورت کا ذبیحہ جائز ہے؟

جواب : عورت کا ذبیحہ جائز ہے۔ حدیث شریف سے ثابت ہے۔ اللہ اعلم۔

(۱۴ جون ۱۹۴۶ء)

سوال : داڑھی منڈانے کے متعلق قرآن و حدیث میں کیا حکم ہے؟ (انجمن نصرۃ الاسلام بنگلور کنٹونمنٹ)

جواب : داڑھی رکھنی انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔ قرآن مجید میں حضرت ہارون علیہ السلام کی داڑھی کا ثبوت ملتا ہے۔ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي اور حدیثوں میں داڑھی رکھنے کا حکم بکثرت ملتا ہے اور قانون قدرت اس کے رکھنے کی تائید کرتا ہے۔

(۲۶ جمادی الاول ۱۳۳۷ھ)

سوال : میں نے تصوف کی ایک کتاب میں لکھا ہوا دیکھا کہ ایک عورت متقی پرہیزگار چاندنی رات میں چرخہ کات رہی تھی اور وہ ہمیشہ اپنی روزی اپنی محنت سے مہیا کرتی تھی۔ اس اثناء میں مشرکین کی ایک برات پاس سے گزری تو ان کی مشعل وغیرہ کی روشنی میں اس سے کچھ سوت کاتا گیا۔ صبح اس کی صفائی قلب میں فرق آگیا نور جاتا رہا ایسا کچھ مضمون تھا کیا یہ درست ہے؟ اسی طرح سے غنیۃ الطالبین میں کہتے ہیں کہ حضرت پیران پیر سے منقول ہے کہ پیر کو لازم نہیں کہ مرید کے گھر کا کھانا کھائے کیونکہ ان کی کمائی مشتبہ ہوتی ہے یہ قول بھی مؤید سابقہ مضمون کا ہے اب سوال یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں کی دعوت قبول فرمائی جن کی کمائی بھی مشتبہ تھی بوجہ سود وغیرہ کے

تو جبکہ اس کے کھانے سے جناب نبی کریم پر کچھ مخالفانہ اثر نہ ہوا تو غیر نبی پر کیوں ہوگا۔ اگر مشرکین کی کمائی سے کھانا درست ہے تو تقویٰ میں کیوں فرق نہیں آتا؟ (قاسم علی اور سیر تیبوز چھپکی بھنڈارا)

جواب: چرخہ کا قصہ تو میں نے نہیں دیکھا اگر ہے تو غلو میں داخل ہے جس کی بابت قرآن مجید میں ارشاد ہے لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ۔ حدیث شریف میں ایسے امور کی بابت ایک عام ہدایت آئی ہے لن یشاد الدین احد الا غلبہ (دین کو کوئی شخص زور سے قابو کرنا چاہے تو خود یہ شخص کمزور ہو جائے گا) ایسے امور میں تشدد کرنا جو از قسم مباح ہو غلو ہے ہاں حضرت پیر صاحب کا فرمان ایک حد تک صحیح ہے کہ مرید چونکہ باکمال نہیں ہوتا اس کی کمائی مشتبہ ہوگی یا ہوسکتی ہے۔ کفار گو کفار ہیں مگر ہر کافر کی کمائی حرام نہیں غنیہ کی مثال اگر ہے تو وہ واقعہ ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے راستہ میں ایک کھجور پڑی ہوئی دیکھی فرمایا اگر یہ خیال نہ ہو کہ صدقہ کی ہوگی تو میں اس کو کھا لیتا۔ اس قسم کے واقعات کی نسبت کہا جاتا ہے التقویٰ فوق الفتویٰ شرع شریف میں اس قسم کے واقعات ملتے ہیں گروہ تقویٰ کے درجہ پر ہوتے ہیں۔ احکام کے درجہ پر نہیں ہوتے مطلب یہ کہ کوئی شخص اس طرح کھجور پائے اور کھالے تو اس پر گناہ نہیں۔ اسی طرح مرید کے گھر کا کھانا جس کی حرمت معلوم نہ ہو کھالے تو ہرج نہیں حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَا يَتَّقُوْنَ۔ (۲۴ جمادی الاول ۱۳۳۷ھ)

سوال: کیا جادو صحیح ہے اور کہاں سے نکلا ہے۔ بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ جادو یعنی سحر سچ ہے کلام الٰہی سے نکلا ہے۔ بغیر موت کے مرسکتا ہے۔ مگر چلانے والا کافر ہے؟ ایسا خیال رکھنے والا کیسا ہے۔ (محمد فرزند علی۔ سوہٹہ گاؤں۔ دربھنگہ)

جواب: قرآن شریف سے اتنا ثابت ہے کہ ہاروت و ماروت وغیرہ جادوگر اپنے جادو سے خاوند بیوی میں فساد ڈلوا دیتے۔ دیگر اسی قسم کے بیہودہ کام کیا کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں جو جادوگر آئے ان کے ذکر تب بھی آئے ہیں سَحَرُوْا أَعْيُنَ النَّاسِ (لوگوں کی آنکھوں کو جادو کرتے تھے) بغیر موت آئے کوئی نہیں مرتا۔ نہ بغیر آئے کوئی بیمار ہوتا ہے۔ سب کچھ بتقدیر الٰہی ہوتا ہے کلام الٰہی میں جادوگری کی تعلیم نہیں آئی۔ نہ اس کے الفاظ بتائے ہیں۔ مگر لوگوں کے کرنے کا ذکر ہے اس لئے جادوگری کی تعلیم نہیں آئی۔ نہ اس کے الفاظ بتائے ہیں۔ مگر لوگوں کے کرنے کا ذکر ہے اس لئے جادوگری کا کام جائز نہیں بلکہ سخت گناہ ہے۔ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا

یَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ۔ اگر اس کے الفاظ کفریہ ہوں تو کرنے والا کافر ہو جاتا ہے۔

(۸۔ شعبان ۱۳۳۷ھ)

سوال: مسلمان ہو کر مسلمان پہ جادو کرنا کیسا گناہ ہے۔ (فقیر ابوالحسن جونپوری از دیناجپور بنگال)

جواب: جادو کسی پر بھی کرنا جائز نہیں سخت گناہ ہے۔ قرآن شریف میں اس کو حرام اور مضر فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ

(اہلحدیث ۱۲ ار شوال ۱۳۳۳ھ)

سوال: ایک عورت کا خاوند گذر گیا اور ایک کا زندہ ہے لیکن اس نے طلاق نہیں دی۔ گذرے ہوئے خاوند کی عدت پوری نہیں کی۔ قاضی نے ہر دو عورتوں کا نکاح کر دیا۔ دونوں کا نکاح صحیح ہوا یا نہیں۔ (قاضی مدبر الدین از پیلادر ضلع اندور)

جواب: یہ ایک کھلی بات ہے کہ ایسا نکاح جائز نہیں وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ ایسا نکاح خواں سخت گناہ گار ہے۔ اس کو عہدہ قضا سے معزول کر دینا چاہیئے اور اس کو جلدی توبہ کرنا چاہیئے۔ (۱۸۔ ذی قعدہ ۱۳۳۷ھ)

سوال: آج کل لوگ سوائے مکہ شریف و مدینہ شریف کے دوسرے شہروں کو لفظ شریف لگا کر استعمال کرتے ہیں۔ جیسے بغداد۔ شریف۔ اجمیر شریف۔

(عبید اللہ از بنگلور خریدار اہلحدیث)

جواب: مکہ یا مدینہ کے ساتھ شریف کا لفظ لکھنا کوئی مذہبی حکم نہیں قرآن مجید میں ان دونوں شہروں کا نام خالی آیا ہے۔ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ۔ لَئِن رَّجَعْنَا اِلَى الْمَدِينَةِ شریف کا لفظ لکھنا کوئی مذہبی حکم نہیں بلکہ اپنا اعتقادی شوق ہے۔ اس لئے کسی اور شہر کو کسی واقعی عزت کی وجہ سے شریف کہنا نہ کہنا دونوں برابر ہے نہ ثواب ہے نہ عذاب ہے ہاں اگر کہنا بجود ثواب سمجھے تو بدعت ہوگا کیونکہ اس کا ثبوت شریعت میں نہیں۔ (اہلحدیث ۱۱ ذی قعدہ ۱۳۴۲ھ)

سوال: کرکٹ۔ فٹ بال۔ ٹینس۔ ہاکی۔ کبڈی وغیرہ کھیل کھیلنا شرع میں جائز ہیں یا نہیں۔ اگر منع ہیں تو کیوں؟ فقط والسلام۔ (محمد عبد القیوم انصاری ڈبرئی)

جواب: یہ سب کرتب جسمانی صحت کے لئے ہیں۔ حدیث شریف میں

آیا ہے - ولجسدک علیک حق جسم کا بھی تجھ پر حق ہے - اس حدیث کے ماتحت سب جسمانی ورزشیں جائز ہیں - اللہ اعلم - (اہلحدیث ۱۶؍ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ)

سوال : ہمارے قصبہ اور گرد و نواح میں بہ رواج ہے کہ جس روز ختنہ لڑکے کا کر دیا جاتا ہے - اس روز لڑکے کی ننھیال والے یعنی نانی و ماموں وغیرہ لڑکے اور لڑکے کے والدین کے واسطے جوڑے اور نقدی اور مٹھائی وغیرہ لاتے ہیں اور اسی روز قصبہ کی تمام برادری کو کھانا دیا جاتا ہے اور شام کو بعد مغرب تمام برادری میں بلاوا دیا جاتا ہے کہ فلاں شخص کے لڑکے کا ختنہ ہے - جب سب برادری جمع ہو جاتی ہے تو عام جلسہ میں ختنہ کیا جاتا ہے ۔

جواب : لڑکے کے نانی وغیرہ جو لاتے ہیں بطور ایک احسان کے لاتے ہیں - کیونکہ وہ بھی اس دلہا کو اپنی اولاد جانتے ہیں اس لیے جائز ہے - (اہلحدیث ۱۲؍ رجب ۱۳۴۶ھ)

سوال : ادریس علیہ السلام کے بارے میں قرآن شریف پارہ ۱۶ سورہ مریم میں اللہ تعالیٰ نے جو کہا ہے کہ ہم نے ان کو اٹھا لیا اور مکان اعلیٰ میں رکھا - جس کے بارہ میں مختلف لوگوں کا عقیدہ ہے کہ وہ مجسم جنت میں چلے گئے - کیونکہ ان سے ملک الموت کو دوستی تھی

لہٰذا ملتمس آنکہ بمع تشریح اور بحوالہ معتبر حدیث شریف مطلع کریں کہ صحیح ترجمہ کیا ہے۔ اور اس کے بارہ میں کہ وہ کس طرح جنت میں گئے - آیا دنیا میں انتقال کیا یا نہیں ۔؟ (خریدار نمبر ۹۶۵۴)

جواب : حضرت ادریس علیہ السلام کے حق میں یہ لفظ آیا ہے وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا اس کا ترجمہ یہ ہے کہ خدا نے حضرت ادریسؑ کو بلند رتبہ پر اونچا کیا۔ سوال میں جو واقعہ مذکور ہے کسی آیت یا حدیث سے اس کا ثبوت نہیں لوگوں کے خیالات ہیں - (اہلحدیث ۱۷؍ شعبان ۱۳۴۶ھ)

سوال : ایک ملا صاحب یہاں ایسے ہیں جو نماز کے بعد وظیفہ کے طور پر پڑھتے ہیں - "ولی سلطان باہو" یہ کیسا فعل ہے - اور ملا صاحب کا عقیدہ ہے کہ ولی یا اولیاء سب زندہ ہیں سنتے ہیں اور مدد بھی کرتے ہیں یہاں تک کہ آنکھوں کا جھپکنا بھی ان کو معلوم ہو جاتا ہے - ان کے پیچھے نماز جائز ہے یا ناجائز ؟ (حسن الدین خریدار اہلحدیث از نیب چک)

جواب: بروئے قرآن و حدیث ایسا کرنا منع ہے اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا مسجدیں سب اللہ کی عبادت کے لئے ہیں۔ ان میں خدا کے ساتھ اور کسی کو مت پکارا کرو۔ ایسا شخص بدعتی بلکہ مشرک ہے۔ ایسے شخص کو امام بنانا ہرگز جائز نہیں۔ اگر اتفاقیہ نماز پڑھا رہا ہو جہاں سے اس کو ہٹا نہ سکیں تو بحکم وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ اس کے ساتھ پڑھ لینا چاہیئے۔ (اہلحدیث ۷ رجب ۳۹ھ)

سوال: "غنیۃ الطالبین" حضرت پیر صاحب کی ہے یا کسی اور کی؟ ہمارے حنفی بھائی کہتے ہیں کہ یہ کتاب غیر مقلدوں نے بنا کر مشہور کر دی ہے۔

(سید حسن از مقام مسکنور ضلع بلاری)

جواب: "غنیۃ الطالبین" حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ کی ہے۔ اس کی تصدیق ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں کی ہے۔ جو لوگ اس میں شک کرتے ہیں مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ہمارے پاس جو غنیہ ہے وہ مکہ معظمہ کی چھپی ہوئی ہے۔ اس میں اور ہندی میں کوئی فرق نہیں۔ (۱۷ محرم ۳۰ھ)

سوال: ضعیف حدیث کا معنے کیا ہے ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں۔

(عبدالسلام)

جواب: ضعیف کے معنے ہیں جس میں صحیح کی شرائط نہ پائی جائیں۔ وہ کئی قسم کی ہوتی ہے۔ اگر اس کے مقابل میں صحیح حدیث نہیں تو اس پر عمل کرنا جائز ہے۔ جیسے نماز کے شروع میں سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ پڑھنے والی حدیث ضعیف ہے مگر عمل ساری امت کرتی ہے۔ (اہلحدیث ۱۷ فروری ۳۳ء)

سوال: حدیث پر عمل کرنا فرض ہے۔ یا واجب یا سنت؟ اگر فرض یا واجب یا سنت ہے تو قرآن شریف کی طرح خلفائے راشدین کے زمانے میں کیوں نہیں جمع کیا گیا۔

(سائل مذکور)

جواب: حدیث میں جیسا حکم ہو ویسا اس پر عمل کرنا ہوگا۔ فرض ہے تو فرض۔ سنت ہے تو سنت زمانہ خلافت میں ہر ایک صحابی کے پاس اس کی ضروریات کے مطابق احادیث ہوتی تھیں۔ جن پر وہ عمل کرتے تھے۔ کتابی صورت میں پیچھے جمع ہوئیں اس میں کوئی حرج نہیں۔ (اہلحدیث ۱۷ فروری ۳۳ء)

سوال: مکہ مکرمہ میں بدو لوگ حج کو بیچتے ہیں اور حج کو جانے والے ان کے پاس سے حج خرید کر اپنے سگوں کو بخشواتے ہیں کیا ایسے حج مردوں کو پہنچ سکتے ہیں؟ اور مردوں کا حق ادا ہو سکتا ہے۔ (خریدار اہلحدیث نمبر ۹۲۵۳)

جواب: حج یا کوئی اور شرعی فعل بکری کی چیز نہیں جو بک سکے۔ یہ محض دکانداری ہے۔ حج بدل میں نیابت تو ثابت ہے مگر خرید و فروخت نہیں نیابت یہ ہے کہ اس کی طرف سے نیت کرے لبیک من فلان کہے۔ (۲۳ رمضان ۱۳۴۶ھ)

سوال: سر سید احمد خان مرحوم حنفی تھے یا اہلحدیث؟ (سید اسمٰعیل عارف از بلہ)

جواب: سر سید احمد خان نہ حنفی تھے نہ اہل حدیث بلکہ وہ محض اہل قرآن تھے حدیث کے منکر تھے۔ ہاں ایک دفعہ انہوں نے جماعت اہلحدیث سے مدافعت کی تھی جس کے لیے اہلحدیث کانفرنس منعقدہ علیگڈھ میں ان کا شکریہ ادا کیا گیا تھا۔ (۱۰ محرم ۴۷ھ)

سوال: صلی اللہ علی النبی الامی و آلہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ وسلاماً علیک یا رسول اللہ کا وظیفہ شمال رخ دست بستہ کھڑے ہو کر پڑھنا کیسا ہے حدیث شریف میں اس کی بھی کچھ اصلیت ہے یا نہیں؟ (محمد شریف دکاندار ضلع کٹک)

جواب: حدیث شریف میں جس درود کی تعلیم آئی ہے وہ یہ ہے۔
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ اس کے سوا مذکورہ درود سب بناوٹی ہیں اصل کے ہوتے بناوٹی کو لینا ناجائز ہے۔ (اہلحدیث ۲ صفر ۴۷ھ)

سوال: سویا ہوا آدمی اس وقت جاگے جس وقت آفتاب طلوع یا غروب ہو رہا ہو تو ایسے شخص کو اسی وقت نماز پڑھنی ہوگی یا تھوڑی دیر کرے تاکہ آفتاب پوری طرح طلوع یا غروب ہو جائے (عبدالسبحان کلکتہ)

جواب: حدیث شریف میں آیا ہے کہ نیند میں قصور نہیں مسلمان اگر بے اختیار نیند میں پڑا رہے تو جس وقت جاگے وہی اس کا وقت ہے۔ اس کے بعد علماء دو گروہ ہو گئے ہیں ایک گروہ تو یہی کہتا ہے کہ جب جاگے پڑھ لے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے اوقات مکروہات میں نماز نہ پڑھے بلکہ ذرا دیر کے بعد جائز اوقات میں پڑھے ان دونوں خیالوں میں سے جو خیال کسی کو پسند ہو اختیار کرے۔ (۸ ربیع الاول ۴۷ھ)

سوال: عورتوں کی ناک چھید کر زیور پہننا عند الشرع حرام ہے یا جائز۔ ایک شخص کہتا ہے کہ ناک چھیدنا تبدیل خلق اللہ لازم آتا ہے اور لا یبدین زینتھن کے خلاف لازم ہے اور قرون ثلاثہ میں یہ نہیں پایا گیا اور مسلم ہو یا غیر مسلم شریف قوم ناک میں زیور نہیں ڈالتی تھیں لہٰذا حرام ہے۔ یہ صحیح ہے یا غلط ہے۔ اور یہ مشہور ہے کہ حضرت سارہ نے حضرت ہاجرہ کی ناک چھید کر زیور ڈالا تھا تاکہ بدصورت معلوم ہوں وہ بھی خوبصورت معلوم ہونے لگیں۔ یہ صحیح ہے یا نہیں؟ (خریدار نمبر ۱۵۷۶)

جواب: حدیثوں میں تو یہ ملتا ہے کہ عید کے روز آنحضرت نے عورتوں کو وعظ فرمایا وعظ میں صدقہ خیرات دینے کی تاکید فرمائی تو عورتوں نے کانوں کی بالیاں چندے میں دے دیں۔ جو حضرت بلال کی جھولی میں تھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ کانوں کا چھیدنا تبدیل خلق اللہ نہیں۔ کانوں کا نہیں تو ناک کا کیوں کر ہوا؟ میرے نزدیک تو جیسے کان میں زیور ڈالنا جائز ہے ناک میں بھی جائز ہے تغیر خلق اللہ سے مراد ہے نسبت الی غیر اللہ فلما آتاھما صالحا جعلا لہ شرکاء فیما آتاھما (فافہم)

(۵-اکتوبر ۱۹۲۸ء)

سوال: سر پر کروپ انگریزی بال رکھنا جائز ہے یا نہیں (منی اسد از پال گھاٹ)

جواب: انگریزی بال رکھنے خلاف سنت ہیں اس لئے جائز نہیں۔ اللہ اعلم۔

(اہلحدیث ج ۴۲ ص ۱۲)

سوال: ایک دفعہ اہلحدیث میں پڑھا تھا کہ شرب الدخان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ اس کا حوالہ درج اخبار فرمائیں۔ (عبدالرحیم از پتوکی)

جواب: حدیث کے الفاظ ہیں نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن کل مسکر ومفتر ہر نشے والی اور فتور لانے والی چیز سے منع فرمایا (جامع الصغیر سیوطی) شرب الدخان (تمباکو) سے دماغ میں نشہ پینے والے کو فتور پیدا ہوتا ہے اللہ اعلم۔

(اہلحدیث ج ص ۱۲)

دیگر: میرے نزدیک تمباکو کسی صورت میں بھی جائز نہیں کیونکہ یہ مضر صحت ہونے کی وجہ سے داخل و یحرم علیھم الخبائث میں ہے جو اصحاب اس کو جائز کہتے ہیں مجھے ان سے اختلاف ہے مگر میں ان کی نسبت بدگمان یا برا قول استعمال

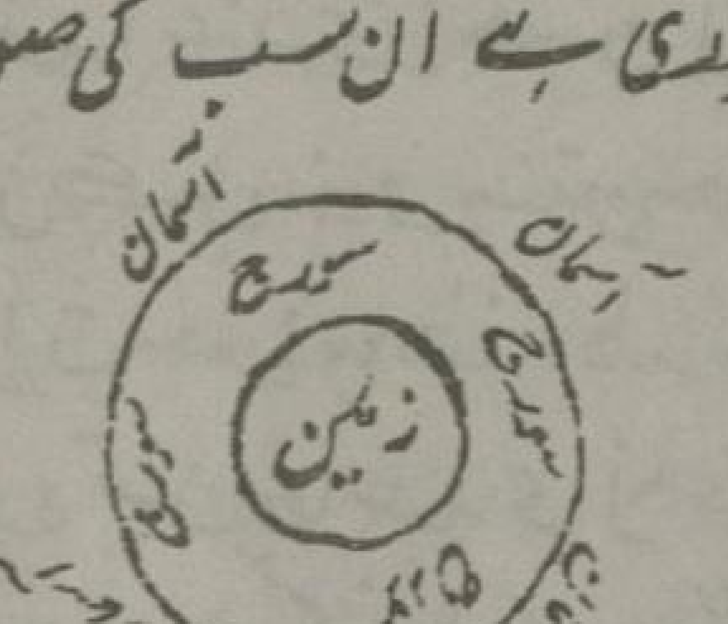
نہیں کرتا کیونکہ یہ مسئلہ قیاسی ہے منصوصی نہیں (۱۳ ۳۳۳)

تشریح: واضح ہو کہ حقہ کشی میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض حرمت کے قائل ہیں اور بعض اباحت مع الکراہت کے اور بعض کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔ اضطربت آراء العلماء فیہ فبعضہم قال بکراہتہ و بعضہم قال بحرمتہ وبعضہم باباحتہ وافردوہ بالتالیف وفی شرح الوھبانیۃ ویمنع من بیع الدخان وشربہ۔ وشاربہ فی الصوم لاشک یفطر وللعلامۃ الشیخ علی الاجہوری رسالۃ نقل فیہا انہ افتی بحلہ من یعتمد علیہ من ائمۃ المذاہب الاربعۃ قلت والف فی حلہ سیدنا العارف عبدالغنی النابلسی الحنفی رسالۃ سماھا الصلح بین الاخوان فی اباحۃ شرب الدخان واقام الطامۃ الکبری علی القائل بالحرمۃ او الکراھۃ فانہما حکمان شرعیان لابد لہما من دلیل ولا دلیل علی ذلک فانہ لم یثبت اسکارہ ولا تفتیرہ ولا اضرارہ وان فرض اضرارہ للبعض لا یلزم منہ تحریمہ علی کل احد انتہی اور شیخ عبدالخالق زبیدی تحریر فرماتے ہیں قد تکلم العلماء المتاخرون فی ذلک لانہ لم یکن فی القرون السالفۃ فمنہم من فرط فی ذمہ ومنہم من شط مدحہ ومنہم من توسط وقال انہ مکروہ تحریما وھذا عندی احسن الاقوال واعدلہا اذلا قاطع بتحریمہ ولیس کل ذی منتن حراما والا لکان اکل الثوم والبصل والفجل والکراث حراما ھذا کلہ فی شرب دخانہ واما اکلہ وشمہ فہو مکروہ تنزیہا عندی لا نہما دون شرب دخانہ انتہی۔ جو لوگ حقہ نوشی کی حرمت کے قائل ہیں ان کا قول ناقابل اعتماد ہے۔ اس واسطے کہ حرمت موقوف ہے اوپر دلیل قطعی کے اور قائلین حرمت نے حرمت پر کوئی دلیل قطعی قائم نہیں کی ہے بلکہ جتنی دلیلیں وہ پیش کرتے ہیں کل کی کل ظنی ہیں۔ اور وہ بھی مخدوش اور جو لوگ اباحت مطلق کے قائل ہیں ان کا قول بھی قابل اعتماد نہیں۔ اس واسطے کہ ان کے دلائل بھی مخدوش ہیں۔ اور جو لوگ اباحۃ مع الکراہت کے

قائل ہیں ان کا قول البتہ قابل اعتماد ہے۔ یہ گفتگو حقہ نوشی میں ہے۔ رہا تمباکو کا کھانا اور استعمال کرنا اس کا ناک میں سو کوئی دلیل معتبر اس کی کراہت پر قائم نہیں اور تمباکو ایک پاک چیز ہے اور اس کا دھواں بھی پاک ہے پس اس کے پانی کے ناپاک ہونے کی کوئی وجہ نہیں اور نہ معترضین کی وجہ سے پانی جو متغیر ہو جاتا ہے سو اس سے وہ پانی ناپاک نہیں ہوتا کیونکہ نجاست کی وجہ سے پانی میں جب تغیر ہوتا ہے تب پانی ناپاک ہوتا ہے اور کسی چیز کی وجہ سے تغیر ہو تو ناپاک نہیں ہوتا ہمارے اس بیان سے معلوم ہوا کہ زید کا قول غلط ہے۔ زید کو لازم ہے کہ بلا دلیل کسی چیز کو حرام اور ناپاک کہنے سے احتراز کرے۔ (فتاویٰ نذیریہ ج ۲ ص ۵۰۲)۔ (حررہ خلیل الرحمٰن عفی عنہ)

سوال: حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب آفتاب غروب ہوتا ہے تو عرش معلےٰ کے نیچے سجدہ میں گرتا ہے اور اللہ جل شانہ سے طلوع ہونے کی اجازت طلب کرتا ہے جب تک حکم ایزدی نہیں ہوتا ہے تب تک ساجد رہتا ہے۔ اور کہتا ہے یا رب میں کہاں سے طلوع کروں تب حکم باری طلوع من المشرق ہوتا ہے تو طلوع ہوتا ہے۔ اب عقل چاہتی ہے کہ اگر آسمان دنیا سے پورب کی طرف جاتا ہے تو پھر دن ہونا چاہئے اور اگر زمین کے نیچے سے جاتا ہے تو زمین کے نیچے مثل دنیا اور بھی دنیا ہو جاتی ہے۔ اس کی کیا وجہ؟ — (سائل ابو عبد الماجد محمد عبد الواحد المحمدی از باٹوٹیل ضلع اجتیاہی)

جواب: اس حدیث کو سمجھنے کے لئے پہلے آسمان اور زمین کی صورت اور ان میں سورج کی رفتار کا سمجھنا ضروری ہے ان سب کی صورت اس طرح ہے۔



اس کے اوپر عرش ہے۔ اور یہ بات صاف روشن ہے کہ سورج ہر وقت چلتا ہے۔ اور چلتے وقت عرش کے نیچے ہی رہتا ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ سورج اپنی رفتار میں ایک طرف ڈوبتا ہے تو دوسری طرف چڑھتا ہے۔ اسی لئے اس کے طلوع غروب میں فرق ہے کلکتہ اور امرتسر کا نصف گھنٹہ سے زیادہ فرق ہے۔ پس سورج اپنی رفتار میں ہر وقت

عرش کے نیچے ہر قدم پر خدا سے اجازت طلب کرتا ہے۔ اور اجازت ہی سے اگلے مشرق پر طلوع کرتا ہے۔ در حقیقت یہ ایک قدرتی منظر کا اظہار ہے جیسے ارشاد ہوتا ہے مَا اَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللهِ (جو مصیبت تم کو پہنچتی ہے وہ اللہ کے اذن سے ہے)۔ قول مشہور ہے لَا تَتَحَرَّكُ ذَرَّةٌ اِلَّا بِاِذْنِ اللهِ (دنیا میں جو حرکت یا جو سکون ہے سب اذن الٰہی سے ہے) مَا هُمْ بِضَارِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللهِ۔

پس سورج بھی اسی قدرتی قانون کے ماتحت کام کر رہا ہے۔ یاد رہے کہ سورج ہماری نظر میں ہمارے حصہ زمین سے نیچے جاتا ہے۔ مگر در حقیقت وہ دوسرے حصہ پر پہنچتا ہے پھر بدستور باذن الٰہی چلتا چلتا ہمارے مشرق سے طلوع کرتا ہے۔ سبحانہ ما اعظم شانہ۔ (۲- رمضان ۱۳۵۱ھ)

سوال: کیا روئے زمین کے عامۃ المسلمین سے خدا و رسولِ خدا کا مطالبہ صرف ایک ہی دین و مذہب پر قائم رہنے کا ہے۔ یا متفرق فرقوں پر۔ نیز جماعت المسلمین میں تفرقہ ڈالنے والے کا حشر کیا ہوگا؟

(محمد غلام قادر خلف حاجی مولا بخش دار الاشاعت محبوبیہ چھاؤنی نصیر آباد۔ راجپوتانہ)

جواب: بیشک خدا کو ایک ہی دین پر قائم رہنا منظور ہے ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا۔ مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے والے کی سزا وہی ہے۔ جو قرآن مجید میں مذکور ہے ان الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعا لست منھم فی شیء (۲۶ ذیقعدہ ۱۳۴۶ھ)

سوال: آیا آنحضور سرور کائنات سید المرسلین کی خدمت۔ طاعت و عظمت کا کافۃ المسلمین سے خدائے بزرگ کس حد تک مطالبہ فرماتا ہے۔ اور بعد آنحضور حضرات متقین کا سلسلہ مدارج کیا قرار دیا ہے۔ (سائل مذکور)

جواب: ہر ایک مذہبی کام میں پیغمبر علیہ السلام کی سنت کا لحاظ رکھا جائے۔ متقین کا سلسلۂ مدارج ماتحت نبوت رکھا ہے۔ یعنی کسی متقی کے تقویٰ یا ولی کی ولایت سے انکار کرنا اس درجہ کا نہیں جس درجہ نبی کا انکار ہے۔

(اہلحدیث ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۴۲ھ)

سوال: کس قدر مسلمان ہندوستان بھر میں اس قابل نکل سکتے ہیں۔ جو خدا اور رسولِ خدا

کے نزدیک محتاج تقلید نہ ہوں۔ (سائل مذکور)

جواب: ان کے شمار کا علم تو خدا ہی کو ہے جو عالم الغیب ہے۔ جیسے ان لوگوں کے شمار کا علم خدا ہی کو ہے جو اس کے نزدیک اصل معنے سے مسلمان ہیں۔ فرمایا ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی۔ (اہلحدیث ۶ ذیقعدہ ۱۳۴۶ھ)

سوال: بعد حضور مسلمانوں پر حضور اقدس کے ابتدائی احکام و اعمال کا اتباع لازمی ہے۔ یا حضور کے آخری حصہ عمر کے احکام و اعمال کا اور ناسخ و منسوخ کا ان میں کیا تعلق ہے۔ (سائل مذکور)

جواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر فعل قابل اتباع ہے۔ جہاں دو عملوں میں ایسا اتفاق ہو کہ موافقت نہ ہو سکے۔ وہاں آخری فعل پر عمل ہوتا ہے۔ پہلے کو متروک یا منسوخ کہتے ہیں۔ لیکن یہ شرط ضروری ہے کہ ان دونوں فعلوں میں نفی و اثبات ایسی ہوں کہ ان میں موافقت نہ ہو سکے۔ (اہلحدیث ۶ ذیقعدہ ۱۳۴۶ھ)

سوال: ایک ہندو نے اپنے لڑکے کی شادی اپنے مذہبی رسومات باجہ ناچ آتشبازی کے ساتھ کی اور اپنی قوم والوں کی ضیافت بھی بڑی عمدگی سے کی۔ من بعد مسلمانوں کو کچھ رقم اور بکرے دے کر پلاؤ پکوا کر عام مسلمانوں کو کھلوانے کے لئے کہا گیا۔ اکثر لوگ دعوت کو منظور کر کے پیسے اور بکرے لے کر پلاؤ پکوا کر عام مسلمانوں کو کھلوانے کی پیروی کر رہے ہیں۔ چند لوگ اس دعوت سے ناراض ہیں۔ کیونکہ ہم قوم میں اگر کوئی باجہ ناچ وغیرہ کے ساتھ شادی کرتا ہے۔ تو اس کی دعوت میں شریک ہونے کو برا جانتے ہیں۔ تو غیر قوم کی دعوت کو کب قبول کریں گے۔ ہمارے لئے یہ کھانا جائز ہے یا ناجائز؟

(حاجی محمد اکبر خریدار نمبر ۹۱۵۱)

جواب: اسلام میں دو مرتبے ملحوظ رکھے گئے ہیں۔ ایک اسلامی اخوت کا۔ دوسرا مرتبہ انسانیت کا۔ مسلم کی دعوت اسلامی اخوت پر ہے۔ غیر مسلم کی دعوت انسانیت کی حیثیت سے ہے اسی قسم کی دعوتوں اور مروتوں کی بابت قرآن مجید میں ہے کہ خدا تم کو غیر مسلموں کے ساتھ احسان اور سلوک کرنے سے منع نہیں کرتا۔ لَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْھُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَیْھِمْ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ" یعنی

جو لوگ تم سے (مسلمانوں) سے دین کی وجہ سے لڑتے نہیں اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا نہیں۔ ایسے لوگوں کے ساتھ نیکی سلوک اور انصاف کرنے سے خدا تم کو منع نہیں کرتا۔

اس عام قانون کے ماتحت غیر مسلم کی دعوت بحیثیت مرتبہ انسانی قبول کرنی جائز ہے۔ باجا گاجا وغیرہ جو وہ کرتے ہیں۔ انسانیت کے مرتبہ میں مانع نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے غیر مسلموں کی دعوت قبول فرمائی تھی۔ (اہلحدیث ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۴۶ھ)

سوال: کیا یاجوج ماجوج فرشتے ہیں یا انسان؟ قائل اسلام ہیں یا منکر؟ (فضل الدین ہرپال)

جواب: یاجوج ماجوج بنی آدم سے ہیں اور شدید ترین مفسد ہوں گے۔ اِنَّ یَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ۔ اللہ اعلم۔ (۲۳ صفر ۱۳۴۷ھ)

سوال: ایک شخص جو کہ خاندانی مسلمان ہے۔ اور ایک دوسرا شخص جو کہ ابھی ہندو سے مسلمان ہوا ہے۔ اگر یہ دونوں اسلام پر مریں تو زیادہ ثواب کا مستحق کون ہوگا؟ (محمد ہارون)

جواب: جس کے عمل اچھے ہوں گے وہ ثواب زیادہ پائے گا۔ نو مسلم اگر کفر کی حالت میں بھی اچھے کام کرتا تھا تو ان اچھے کاموں کا بدلہ بھی اس کو ملے گا (الحدیث) (اہلحدیث ۲۳ صفر ۱۳۴۷ھ)

سوال: لڑکے یا لڑکی کا عقیقہ کس طرح کیا جائے۔ کتنے دن کے بعد کرنا سنت ہے ہم نے سوانح میں دیکھا ہے کہ بعد ہفتہ کے کرنا سنت ہے۔ اگر ہفتہ کو نہ کر سکا تو کب تک کر سکتے ہیں؟ کتنے بکرے لڑکی کے واسطے اور کتنے لڑکے کے واسطے؟ بعد ذبح کس کس کو حق ہے کہ گوشت عقیقہ کا تقسیم کیا جائے۔ اور کون کون لوگ عقیقہ کا ذبیحہ کھانے کے مستحق ہیں۔ اور کھانا بھی کھلانا سنت ہے یا نہیں؟ کیا عقیقہ کے ذبیحہ کی ہڈی توڑی نہیں جا سکتی تفصیل و تشریح سے جواب دیں۔ (احمد ظہیر الحسن خریدار نمبر ۹۰۶۵)

جواب: عقیقہ کا حکم مثل قربانی کے ہے۔ جتنی عمر کا جانور قربانی میں ہو سکتا ہے اتنی ہی عمر کا عقیقہ میں جس طرح قربانی کی تقسیم ہے۔ اسی طرح عقیقہ کی عقیقہ کا اصل وقت پیدائش سے ساتواں دن ہے۔ اگر نہ ہو تو بطور قضا کے چودہواں، اکیسواں اقوال ہیں۔ عقیقہ کا گوشت جو اپنے اور برادری کے حصہ کا ہو اس کو پکا کر کھلا دے تو منع نہیں جائز ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّات (اہلحدیث ۳۰ صفر ۱۳۴۷ھ)

سوال: سفر کرتے وقت سب لوگوں سے مصافحہ (الوداعی مصافحہ) کرنا مسنونہ ہے یا بدعت؟ (سائل مذکور)

جواب: مصافحہ سلام کا تتمہ ہے۔ مسافر سلام کر کے جائے تو مصافحہ بھی کر سکتا ہے۔ عام قانون سے یہ بات ماخوذ ہے۔ خاص بوقت سفر آنحضرت نے مصافحہ کیا ہو مجھے کوئی روایت یاد نہیں کسی صاحب کو یاد ہو تو مطلع فرمائیں۔[1] (اہلحدیث ۳۰ صفر ۱۳۴۷ھ)

سوال: مولوی محمد علی ہندی نے جو انگریزی تفسیر لکھ کر شائع کی ہے۔ اس پر اعتماد عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس تفسیر کا ترجمہ انگریزی سے ملاوی زبان میں حاجی عثمان جوکر (انڈونیشیا) نے کیا ہے جس کی وجہ سے علماء جاوہ میں سخت نزاع پیدا ہو گیا ہے۔ اور اکثر علماء نے اس تفسیر پر مدلل اور معقول اعتراض کئے ہیں لیکن جاوی قرآن کے مترجم حاجی عثمان کہتے ہیں کہ مجھے اس تفسیر میں کوئی غلطی نہیں معلوم ہوتی پس آپ کا فرض ہے کہ اس کے متعلق اپنی رائے کا اظہار فرمائیں۔

جواب: یہ بات مشہور ہے کہ مولوی محمد علی جو اس تفسیر کے مصنف ہیں قادیانی عقائد کے مبلغ ہیں اور اس میں بھی شک نہیں کہ تفسیر مذکور میں بعض آیات میں مضحکہ خیز معنوی تحریف کی گئی ہے۔ وہ آیات جن کا تعلق حضرت مسیح علیہ السلام سے ہے یا وہ آیات جن کو زبردستی مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود پر چسپاں کیا گیا ہے ہمارے دعویٰ کا کھلا ہوا ثبوت ہیں۔ انہی وجوہات کی بنا پر جامع ازہر کے شیوخ اور بیروت کے مفتی نے اس کا انگریزی ترجمہ کی مصر اور شام میں داخلہ کی ممانعت کر دی ہے۔ تاکہ لوگ تحریف و تسویل سے گمراہ نہ ہوں اور ان کے سلفی عقائد پر زد نہ پڑے۔ قادیانی بیشک دائرہ اسلام سے خارج ہیں کیونکہ وہ مسیح دجال کے حق میں وحی اور رسالت کے مجوز ہیں۔ ان کو قرآن حکیم کی معنوی تحریف میں وہ ملکہ حاصل ہے جن کے مقابلہ میں باطنی عقائد کے پیرو اور فارس کے زندیق کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ ان کے نزدیک سورۂ فاتحہ میں استمرار وحی الی آخر الزمان منجملہ نکات و معارف قرآن سے ہے۔ قادیانی مدعی کے فاسد عقائد اور جاہلانہ غلط نویسی کی تردید ہم نے اس کی زندگی میں بھی کی ہے اور اس کی موت کے بعد ہم اس امر سے غافل نہیں ہیں اور انشاء اللہ ہم باطل کا مقابلہ حق و انصاف کے ساتھ تا مقدور کرتے رہیں گے۔

میری تحقیق میں اس ترجمہ پر ہرگز اعتبار نہ کرنا چاہئے اور نہ فہم کا کوئی حاکم اور عمل

---

[1] اگلے صفحات پر حضرت مولانا ابو القاسم صاحب کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیے۔ ۱۲ محمد داؤد راز

سعی کا کوئی نقشہ اس کج اور ناہموار سطح پر تیار ہو سکتا ہے رہا یہ امر کہ یہ تفسیر غیر اقوام میں اشاعت اسلام کے سلسلہ میں بہت مفید ہے سو حقیقت میں یہ وہی کہہ سکتا ہے جس کو مطالب قرآن پر عبور نہ ہو اور نہ وہ لغت عربی اور اسالیب قرآن پر کوئی ادنیٰ سی بھی واقفیت رکھتا ہو سلف کی تفسیر سے واقف انسان کبھی اس لغو گوئی کا مرتکب نہیں ہو سکتا (المنار! صفر ۱۳۴۶ھ ص ۲۸ مطبوعہ مصر) - (احقر محمد عثمان فارقلیط دہلوی ۔ دفتر جمعیۃ علماء ہند دہلی)

اہلحدیث ۔ مرزا صاحب قادیانی ان کے نزدیک مسیح موعود اور مجدد تھے جو طریق ترجمہ یا تفسیر انہوں نے اختیار کیا ہے اس کے اتباع کا اُسی روش پر چلنا لابد و ضروری ہے ۔

(۷ ستمبر ۱۹۲۸ء)

سوال : زید کا اعتقاد، و قول و عمل ہے کہ جھوٹ سب برابر نہیں ہیں۔ کوئی جھوٹ مناسب مقام پر جائز اور کوئی گناہ صغیرہ اور کوئی کبیرہ، کوئی لغو اور کوئی شرک۔ اور عمر کا اعتقاد ہے کہ کیا چھوٹے کیا بڑے کیا ثقیل کیا خفیف تمام آیت لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ میں داخل ہیں۔ مثلاً ایک مسلمان دو مسلمانوں کے درمیان یا میاں بیوی کے درمیان جھوٹی بُری باتوں سے بغض و عداوت ڈالتا ہے ۔ دوسرا سراسر جھوٹی نیک باتوں سے مسلمانوں میں اتفاق اور اصلاح کر دیتا ہے ۔ کیا از روئے قرآن و حدیث جھوٹ گوئی کے الزام میں ان دونوں پر لعنت اللہ علی الکاذبین کا فتویٰ پہنچ سکتا ہے ۔ دلیل قرآن و حدیث سے معہ حوالہ درج فرمائیں۔ (سائل سید حسن خریدار ۹۷۷۵ از ہرا باغ)

جواب : جھوٹ اپنی اصلیت اور حقیقت کے لحاظ سے سب بُرا ہے مگر نتائج کے لحاظ سے اس میں شدت یا ضعف آجاتا ہے مثلاً دو مسلمانوں یا میاں بیوی میں مصالحت کرانے کو جھوٹ بولنا نتیجہ کے لحاظ سے قابل معافی ہے ۔ دو میں لڑائی ڈلوانے کو جھوٹ بولنا معمولی جھوٹ سے بہت شدید ہے اسی طرح شرک بھی جھوٹ ہے مگر چونکہ اس کا تعلق خدا کی ذات سے ہے اس لئے نتیجہ کے لحاظ سے یہ سب سے بڑا گناہ ہے

(اہلحدیث ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۴۷ھ)

سوال : ہم کو کتابوں کے دیکھنے اور علماء کے بیان سے معلوم تھا کہ سورج غروب ہوتا ہے اور بحضور رب العالمین سجدہ کر کے نکلنے کی اجازت چاہتا ہے ۔ ہم لوگ ترجمہ میں بیٹھتے تھے آیت حَتّٰى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ تلاوت ہو کر تفسیر ہوئی

کہ سورج غروب نہیں ہوتا بلکہ ہماری نظروں سے پوشیدہ ہوجاتا ہے۔ اس سلسلہ میں زمین کا ذکر ہوا۔ مولانا نے فرمایا کہ مسلمان کس قدر پستی کی طرف جارہے ہیں کہ زمین کو گول نہیں مانتے حالانکہ امریکہ ہمارے نیچے آباد ہے اور آیت فَرَالی الْاَرْضِ کیف سُطِحَتْ بھی پڑھی مگر گول ہی بتائی۔ (محمد حیات از کلکتہ)

جواب: زمین گول کہنا قرآن وحدیث کے خلاف نہیں مشاہدہ ہے کہ کلکتہ میں جس وقت صبح صادق ہوتی ہے۔ امرتسر میں اس وقت تقریباً پون گھنٹہ رات ہوتی ہے۔ جس وقت کلکتہ میں روزہ افطار کرتے ہیں امرتسر لاہور میں اس وقت بہت سے لوگ نماز عصر پڑھتے ہیں۔ اسی طرح ہندوستان میں جس وقت نماز مغرب ہوتی ہے مکہ معظمہ میں اس وقت تین گھنٹے دن باقی ہوتا ہے۔ سب اس لئے ہے کہ زمین گول ہے۔

(۲۹ ربیع الاول ۴۷ھ)

سوال: عطر جس کو انگریزی میں سینٹ کہتے ہیں۔ اس کو استعمال کرسکتے ہیں یا نہیں۔ آج کل زمانہ گرانی میں عطر خریدنا بہت مشکل ہے۔ انگریزی عطر بھی دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جس میں شراب ملی ہوئی ہوتی ہے۔ اور دوسرا بغیر شراب کے ان میں کونسا استعمال کرنا چاہیے۔؟

جواب: وہ عطر جس میں شراب ملی ہوئی ہو اس سے بچنا چاہیے۔ بے شراب کو استعمال کرلینا چاہیے۔ اللہ اعلم۔ (اہلحدیث ج ۲۵ ش ۱۵)

سوال: ایک لڑکے کی مسلمانی پیدائشی کٹی ہے۔ اگر دوبارہ اس کو دوبارہ حجام سے کٹیا جائے۔ تو جان کا خطرہ ہے۔ کیا حکم ہے۔ نیز ختنہ کے موقع پر برادری کو کھانا وغیرہ کھلانا کیسا ہے۔

جواب: جو لڑکا مختون پیدا ہوا اس کے ختنہ کی ضرورت نہیں کتاب نیل الاوطار میں اس دعوت کو جائز دعوتوں میں شمار کیا ہے۔ (اہلحدیث ج ۳۴ ش ۲۵)

سوال: بے نمازی وشرابی قصاب کا ذبح کیا ہوا کھانا جائز ہے یا نہیں۔

جواب: بے نمازی شرابی مسلمان نے اگر اسلامی طریق پر ذبح کیا ہے تو اس کا کھانا جائز ہے ارشاد خداوندی ملاحظہ ہو۔ طعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم۔ (پ ۶) اللہ اعلم۔ (اہلحدیث ج ۴۰ ش ۲)

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بازار کا گوشت یا بازاری قصابوں سے گوشت خرید کرنا اور کھانا کیسا ہے۔

جواب: بازار میں گوشت بیچنے والے اور بازاری قصاب اگر مسلمان ہیں تو ان سے گوشت خرید کرنا اور کھانا جائز ہے اور اگر اس بات کا شبہ ہو کہ ان لوگوں نے ذبح کے وقت اللہ کا نام نہ لیا ہو تو بھی ان سے خرید کرنا اور کھانے کے وقت اللہ کا نام لے کر کھانا جائز ہے۔ بلوغ المرام اور اس کی شرح سبل السلام میں ہے۔

عن عائشۃ ان قوما قالوا للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ان قوما یاتوننا باللحم لاندری اذکر اسم اللہ علیہ ای عند ذکاتہ ام لا فقال سموا اللہ علیہ وکلوا رواہ البخاری تقدم ان فی روایۃ ان قوما حدیثی عہد بالاسلام وھی ھنا من تمام الحدیث بلفظ قالت وکانوا حدیثی عہد بالکفر وتقدم ان الحدیث من ادلۃ من قال بعدم وجوب التسمیۃ ولا یتم ذلک وانما ھو دلیل علی انہ لا یلزم ان یعلموا التسمیۃ فیما یجلب الی اسواق المسلمین وکذا ما ذبحہ الاعراب من المسلمین لانہم قد عرفوا التسمیۃ قال ابن عبد البر ان المسلم لا یظن بہ فی کل شئ الا الخیر الا ان تبین خلاف ذلک انتہی۔ قال فی روضۃ الندیۃ تحت ھذا الحدیث ان فیہ الترخیص لغیر الذابح اذا شک فی اللحم ھل ذکر علیہ اسم اللہ ام لا فانہ یجوز لہ ان یسمی ویاکل واللہ اعلم (حررہ سید عبد الوہاب عفی عنہ سید نذیر حسین۔ فتاویٰ نذیریہ ص ۴۹۷)

سوال: زید کہتا ہے کہ مرغی کو فوراً ذبح کر کے کھانا مکروہ ہے۔ بلکہ تین روز باندھ کر ذبح کرنا چاہیے۔ اور بکر کہتا ہے کہ خواہ کتنے ہی روز باندھ کر ذبح کرے جب بھی اس کا گوشت مکروہ ہے۔ اور تقویٰ کے خلاف ہے۔ بینوا کیا ارشاد ہے۔

(محمد شہادت)

جواب: شریعت میں اس کے متعلق کوئی حکم نہیں ہے۔ باندھے یا نہ باندھے اس کو شرعی مسئلہ کہنا غلط ہے اصل میں ایسا کہنے والا یہ سمجھتا ہے کہ مرغی چونکہ غلیظ چیزیں کھاتی ہیں اس لیے تین روز باندھ کر اس کو پاک کر لینا چاہیے۔ یہ خیال بھی ذاتی وہم کا نتیجہ ہے۔ مرغی کا غلاظت کھانا ایسا ہی ہے جیسے کھیتوں میں کھاد کا پڑنا۔ دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔ نہ کھاد والے کھیت کی پیداوار حرام ہے۔ نہ یہ حرام

واللہ اعلم۔ (اہلحدیث ج ۴)

شرفیہ: بکر سراسر غلط کہتا ہے مرغی شرعاً مکروہ نہیں ہے اس کو کھانا از روئے حدیث صحیح خود نبی کریم صلعم سے ثابت ہے۔ ایک حدیث میں ہے عن ابی موسی رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاکل لحم الدجاج متفق علیہ مشکوٰۃ ص ۳۶۰ ج ۲

ہاں دوسری حدیث میں ہے نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الجلالۃ والبانہا رواہ الترمذی وفی روایۃ ابی داؤد نہی عن رکوب الجلالۃ انتہی مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۶۱ سو واضح ہو کہ جلالہ میں مبالغہ ہے مطلب یہ کہ جس کی اکثر غذا نجاست ہو وہ جلالہ ہے کہ اس کے گوشت دودھ میں اثر آجاتا ہے۔ اس کو کھانا ممنوع ہے اور جس کی اکثر غذا نجاست نہ ہو وہ جلالہ نہیں اور ناجائز بھی نہیں اور باندھنے سے کچھ نہیں ہوتا ہاں مدت مدید کے بعد ممکن ہے کہ اثر جاتا رہے۔ یہ باندھنا بعض علماء کا قول ہے حدیث نہیں۔

سوال: زید کہتا ہے خوشی و مسرت کے موقع پر مخصوص شخص جس کے لئے مجلس منعقد کی جاتی ہے یا خوشی منائی جاتی ہے یا دعوت طعام یا شیرینی کا انتظام کیا گیا ہو ساری مجلس میں نمایاں طور پر معلوم ہونے کے لئے یعنی شادی میں نوشہ وعظ میں مولوی صاحب حج کو جاتے ہوئے یا واپس آئے ہوئے حاجی صاحب کو ایک پھولوں کا ہار گلے میں ڈال رکھنے میں گناہ نہیں اس کے علاوہ اس مجلس میں یا دعوت میں نہ کچھ شرک و کفر کے کام ہوتے ہیں نہ کچھ خلاف شرع نذر و نیاز رسم طعام وغیرہ ہے اس لئے ایسی ضیافتوں میں یا دعوتوں میں جس میں نوشہ یا مولوی صاحب یا حج کو جاتے یا آتے ہوئے حاجی صاحب کے گلے میں پھولوں کا ہار پہنایا گیا ہو شامل ہونے سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ گناہ ہے لہٰذا عرض خدمت ہے کہ دونوں میں کون حق پر ہے

(ایک سائل از مدراس)

جواب: مجلس دعوت میں اصل مدعو کو ممتاز دکھانا کوئی حرج نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ شریف پہنچے تو لوگ آنحضرت کو پہچانتے نہ تھے۔ حضرت ابوبکر آپ کے سر پر چادر تان کر کھڑے ہو گئے۔　　(اہلحدیث ۱۰ مارچ ۱۹۳۳ء)

شرفیہ: صرف امتیازی حیثیت میں بیشک حرج نہیں مگر پھولوں کے ہار و نمود

خلافِ اخلاص ہے۔　　(ابو سعید شرف الدین دہلوی)

سوال: عورت کے لئے ساڑی ٹھیک ہے یا تہ بند یا پائجامہ۔

جواب: شریعت نے لباس کوئی خاص مقرر نہیں کیا جس ملک میں جو لباس مسلمانوں کا ہے وہ پہن سکتے ہیں اور جس لباس سے مشابہت کفار ہوتی ہو وہ ترک کر دیں یہی اصول ہے من تشبہ بقوم فھو منھم۔　　(اہلحدیث ۱۲ اپریل ۱۹۳۲ء)

سوال: گراموفون کا قرآن سننا خصوصاً گراموفون کا گانا سننا کیسا ہے اور اس کی خرید و فروخت کا کیا حکم ہے۔

جواب: گراموفون فی نفسہ ایک قدرتی چیز ہے جس کو صنعت سے بنایا گیا ہے جیسے گھڑی وغیرہ جو الارم کرتی ہے اسی الارم کو نماز کے لئے استعمال کرے تو جائز ہے کسی برے کام میں شریک ہونے کے لئے کرے تو ناجائز اسی طرح گراموفون ہے جو اپنے داخل کے مناسب حکم رکھتا ہے اس کا فروخت کرنا گھڑیوں کی طرح ہے واللہ اعلم　(اہلحدیث ۲۴ جون ۳۲ء)

سوال: اگر ایک مسلم سہواً ذبح کے وقت تکبیر بھول گیا تو کیا وہ جانور حلال ہے یا حرام اور تکبیر کے ساتھ انی وجھت الخ پڑھنا ضروری ہے۔

جواب: مسلم بسم اللہ بھول جائے تو معاف ہے حدیث میں آیا ہے مسلم کے دل میں بسم اللہ ہے عند الذبح انی وجھت پڑھنا مسنون ہے۔　(اہلحدیث ۱۴ جون ۱۹۳۲ء)

شرفیہ - قولہ مسلم بسم اللہ بھول جائے الخ۔ حرام ہے اس لئے کہ یہ نص صریح کتاب اللہ کے خلاف ہے ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ وانہ لفسق الآیۃ پ ۸ ع ۱۔ یہ ایسا ہے جیسے لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الآیۃ پ ۲ ع ۷ اور جس حدیث کا مولانا نے ذکر کیا ہے وہ صحیح نہیں وہ ابن عباس سے مروی ہے بلفظ المسلم یکفیہ اسمہ فان نسی ان یسمی حین یذبح فلیسم ثم لیاکل اخرجہ الدار قطنی وفیہ راو فی حفظہ ضعف وفی اسنادہ محمد بن یزید بن سنان وھو صدوق ضعیف الحفظ واخرجہ عبد الرزاق باسنادہ صحیح الی ابن عباس موقوفا علیہ ولہ شاھد عند ابی داؤد فی

لے جواب دیگر بر صفحہ ۳ و ۵ ۔ ۱۲ سعادت

فی مراسیلہ بلفظہ ذبیحۃ المسلم حلال ذکر اسم اللہ علیہ ام لم یذکر ورجالہ موثقون انتھی مافی بلوغ المرام وقال فی تقریب التہذیب محمد بن یزید بن سنان لیس بالقوی والمرسل رواہ البیہقی موصولا وفی اسنادہ ضعف وقال البیہقی الاصح وقفہ علی ابن عباس وقد روی عن ابی ہریرۃ وھو منکر اخرجہ الدار قطنی وفیہ مروان بن سالم وھو ضعیف انتھیٰ فی تلخیص الحبیر ص۲۸۳ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما انہر الدم وذکر اسم اللہ علیہ فکل الحدیث متفق علیہ کذا فی بلوغ المرام۔ پس کتاب اللہ اور حدیث سے بسم اللہ واللہ اکبر ذبیحہ کے لیے شرط ہے فاذا فات الشرط فات المشروط نص کتاب وسنت کے مقابلہ قول صحابی حجت نہیں اور مرفوع روایت جو خلاف ہے اول تو صحیح نہیں دوم نص صریح کتاب اللہ کے خلاف ہے لہٰذا قابل عمل نہیں۔ اور کتاب وسنت صحیحہ کے ہوتے ہوئے کسی کا قول حجت نہیں۔

(ابوسعید شرف الدین دہلوی)

سوال: جو شخص دیدہ دانستہ مسلمان کہلا کر قرآن مجید کی بے ادبی کرے تو بموجب شرع شریف اس کی کیا سزا ہے اس نے قرآن پاک کے اوراق پر پائخانہ کر دیا اور غلاظت کو اوراق قرآن شریف پر مل کر زمین میں دفن کر دیا۔

جواب: شخص مذکور پاگل ہے یا ملحد زندیق ہے اس کی سزا آجکل یہی ہے کہ مسلمان اس سے مسلمانوں کا سا برتاؤ نہ کریں قرآن شریف میں ارشاد ہے وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰہِ فَاِنَّھَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ یہ آیت شاہد ہے کہ جس کے دل میں قرآن مجید کی عزت نہیں اس کے دل میں ایمان نہیں۔ (۱۵ مئی ۱۹۳۱ء)

سوال: اگر کسی شخص کے ہاتھ سے قرآن مجید زمین پر گر جائے تو اس کے لئے کفارہ لازم آتا ہے یا نہیں؟

جواب: بے قصد گر پڑے تو کوئی گناہ نہیں۔ (۲۴ جون ۱۹۳۲ء)

سوال: انگریزی بسکٹ کھا سکتے ہیں یا نہیں کیونکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس میں خنزیر کی چربی ملی ہوئی ہے کیا یہ صحیح ہے یا نہ۔

جواب: اگر خنزیر کی چربی کا یقین ہو جائے تو نہ کھائے۔ محض شک سے ترک

نہ کرے۔ (۲۴؍ جون ۳۲ء)

سوال: بکر کہتا ہے کہ جب دور سے آئے تو یعنی سفر سے آئے ہوئے کو مصافحہ کرنا چاہیے لیکن ہر وقت ملنے پر مصافحہ کرنا منع ہے کیا یہی صحیح ہے؟

جواب: جب اور جس وقت سلام علیکم کہے اس وقت مصافحہ کرنا بھی جائز ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے سلام کو مصافحہ سے پورا کیا کرو مصافحہ چونکہ بغرض اظہار محبت ہوتا ہے اس لئے موقعہ شناسی بھی ضروری ہے جس میں کسی فریق کا ہرج یا تکلیف نہ ہو۔

(۴ ستمبر ۱۹۳۱ء)

تشریح: مہمان کو رخصت کرتے وقت مصافحہ کرنا کیسا ہے بعض لوگ اس سے روکتے ہیں۔ (سائل عبدالمبین منظر)

الجواب: جامع ترمذی ابواب الدعوات باب مایقول اذا ودع انسانا میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے حدیث ذیل وارد ہے کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا ودع رجلا اخذ بیدہ فلا یدعھا حتی یکون الرجل ھو یدع ید النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس حدیث سے رخصت ہوتے وقت ہاتھ پکڑنا یعنی مصافحہ کرنا کھلا ثابت ہے حکم (قول) نہ سہی سنت (فعل) تو موجود ہے اور ممانعت کسی روایت میں بھی نہیں آئی۔ پس جواز میں کیا کلام ہے جو لوگ منع کرتے ہیں محض بے دلیل اور غلو سے کام لیتے ہیں واللہ اعلم۔

(علامہ) ابوالقاسم محمد خان سعید منزل بنارس سٹی ۲۵ شوال ۱۳۶۵ھ

(ارسال کردہ مولانا عبدالمبین منظر صاحب ناظم مدرسہ شمس العلوم سمرا ضلع بستی)

تشریح: بعد حمد وصلوات کے واضح ہو کہ مصافحہ کے بارے میں اگرچہ رواج تو ایسا ہی ہو رہا ہے کہ اکثر آدمی دونوں ہاتھ سے کرتے ہیں اور اسی کو اچھا بھی سمجھتے ہیں۔ لیکن حدیثوں کی رو سے ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ کرنا ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے کہ جو حدیثیں مصافحہ کے بارے میں آئی ہیں ان میں ید کا لفظ ہے جس کے معنے ہیں ایک ہاتھ۔ چنانچہ ترمذی صفحہ ۱۰۶ باب المصافحہ میں حضرت انسؓ سے روایت ہے قال رجل یارسول اللہ الرجل منا یلقی اخاہ او صدیقہ اینحنی لہ قال لا قال فیلتزمہ ویقبلہ قال لا قال فیاخذ بیدہ

وبیصا فحہ قال نعم۔ یعنی ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ہم میں سے کوئی آدمی اپنے اپنے بھائی سے یا دوست سے ملے تو کیا اس کے واسطے جھک جایا کرے آپ نے فرمایا نہیں اس نے کہا کیا معانقہ کرے فرمایا کہ نہیں۔ اس نے کہا کہ کیا اس کا ہاتھ پکڑ کر مصافحہ کیا کرے فرمایا کہ ہاں اور اس حدیث کو ترمذی نے حسن کہا ہے۔ اور مشکوٰۃ صفحہ ۵۱۰ باب فی اخلاقہ وشمائلہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا صافح الرجل لا ینزع یدہ من یدہ حتی یکون ھو الذی ینزع یدہ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وسیع الحلم اور عظیم الخلق تھے کہ جب کسی شخص سے مصافحہ کرتے تو جب تک وہی شخص اپنا ہاتھ آپ کے ہاتھ مبارک سے جدا نہ کرتا تب تک آپ اپنا ہاتھ جدا نہیں فرماتے اور مشکوٰۃ کتاب الدعوٰۃ صفحہ ۲۰۶ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت سے آیا ہے کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا ودع رجلا اخذ بیدہ فلا یدعھا حتی یکون الرجل ھو یدع ید النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویقول اَسْتَوْدِعُ اللّٰہَ دِیْنَکَ وَاَمَانَتَکَ وَاٰخِرَ عَمَلِکَ۔ من ابی داؤد وغیرہ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کو رخصت کرتے تو اس کا ہاتھ پکڑتے۔ پھر نہ چھوڑتے اس کو جب تک کہ وہ شخص خود ہی آپ کے مبارک ہاتھ کو نہ چھوڑتا اور آپ اس وقت یعنی رخصت کرتے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے جس کا ترجمہ یوں ہے۔ کہ تیرے دین اور امانت کو اور کاموں کے انجام کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں اور مشکوٰۃ باب المصافحہ میں ابوداؤد کے حوالہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لیجاتے تو وہ آپ کا ہاتھ پکڑتیں اور اپنی جگہ بٹھلاتیں اور جب حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کے پاس آتیں تو آپ ان کا ہاتھ پکڑتے اور اپنی جگہ بٹھلاتے۔ ان حدیثوں سے کئی مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ ملنے والے کی تعظیم کے واسطے جھک جانا درست نہیں ہے اور معانقہ کی بابت حدیث اول میں ممانعت ہے اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے جواز

معلوم ہوتا ہے جو کہ ترمذی جلد دوم صفحہ ۱۰۹ میں ہے۔ مگر ترمذی والی روایت میں چونکہ یہی مذکور ہے کہ زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت سفر سے آئے تھے لہٰذا دونوں روایتوں کے جمع کرنے سے یہ مسئلہ نکلا کہ جب سفر سے آوے تب معانقہ بھی درست ہے اور ہر وقت کی ملاقات میں معانقہ منع ہے صرف مصافحہ کرنا سنت ہے اور ایک مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ جس طرح آتے وقت مصافحہ سنت ہے۔ اسی طرح رخصت ہوتے وقت بھی سنت ہے حالانکہ اکثر لوگ یوں کہتے ہیں کہ رخصت ہوتے وقت کا مصافحہ درست نہیں ہے۔ پس یاد رکھیں کہ درست اور سنت ہے۔ اور ایک مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ ملنے والے اگر محرم ہو تو عورت مرد کو بھی باہم مصافحہ کرنا درست ہے جیسے باپ بیٹی یا بھائی بہن یا خاوند زوجہ وغیرہم۔ مگر مولوی یا پیرزادے چونکہ نامحرم عورتوں سے بھی مصافحہ کیا کرتے ہیں اس لئے اس موقع پہ یہ لکھنا ضروری ہے کہ کسی مرد کو نامحرم عورت سے مصافحہ کرنا درست نہیں ہے کیونکہ ابن ماجہ صفحہ ۲۱۲ باب بیعۃ النساء میں امیمہ بنت رقیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انی لا اصافح النساء یعنی میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا ہوں اور ابن ماجہ کے اسی باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ قسم ہے اللہ کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک نے کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔ اگر کوئی صاحب یوں کہیں کہ یہ بیعت کے باب میں ہے تو میں یہ جواب دوں گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لفظ انی لا اصافح النساء عام ہے اس عموم میں سے محرم عورتیں خاص ہو گئیں بوجہ حدیث مذکورہ بالا کے جس میں حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مصافحہ کرنے کا بیان ہے باقی سب عورتیں ہر صورت سے اس عموم نہی میں داخل رہیں۔ اور ایک مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ ہر ایک ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا سنت ہے۔ کچھ یہ نہیں ہے کہ چند روز کے بعد ملاقات ہو تب ہی سنت ہو۔ اور ایک مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ مصافحہ میں سنت طریقہ یہی ہے کہ ایک ہاتھ سے کیا جاوے۔ دو ہاتھ سے مصافحہ کرنا سنت نہیں ہے۔ دونوں ہاتھ کا بیان تو اس طرح ہے کہ جس طرح تیمم والی حدیثوں میں ہوا ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ صفحہ ۴۶ باب التیمم میں بخاری کی روایت سے آیا

ہے فضرب النبی صلی اللہ علیہ وسلم بکفیہ الارض ونفخ فیہما ثم مسح بہما وجہہ وکفیہ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دونوں ہتھیلیاں زمین پر ماریں اور ان دونوں میں پھونک ماری پھر ان دونوں کو اپنے چہرہ مبارک اور دونوں ہاتھوں پر ملا اور مسلم کا لفظ اسی روایت میں یوں ہے انما یکفیک ان تضرب بیدیک الارض یعنی فرمایا کہ تجھ کو کفایت کرتا تھا کہ مارتا تو دونوں ہاتھ اپنے زمین پر۔ پس مصافحہ کی حدیثوں میں ید کا لفظ اور تیمم کی حدیث میں یدین اور کفین کا لفظ آنا اس امر کی روشن دلیل ہے کہ مصافحہ ایک ہی ہاتھ سے کرنا سنت ہے اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو روایت آئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو التحیات کا پڑھنا سکھایا اس وقت میرا ہاتھ آپ کے دونوں ہاتھوں کے بیچ میں تھا۔ اس سے بعض علماء دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی سنت نکالتے ہیں لیکن انصاف کی رو سے یہ حدیث مصافحہ کے بارے میں نہیں اور ہو سکتی بھی نہیں ہے تو نہیں اس لئے کہ اس میں مصافحہ کا ذکر نہیں بلکہ تعلیم اور تذکیر کا بیان ہے اور یہ عام دستور ہے اور سب جانتے ہیں کہ جب کوئی ضروری بات یا کام کسی کو سکھانا یا سمجھانا ہوتا ہے اور اس کے حال پر مہربانی و شفقت کی نظر ہوتی ہے تو اس کے سر پر یا کاندھے پر ہاتھ رکھ کر یا اس کا ہاتھ پکڑ کر سکھایا یا سمجھایا کرتے ہیں اور ہو سکتی نہیں۔ اس لئے کہ مصافحہ کے صرف تین موقعہ ہیں یا آتے وقت یا رخصت ہوتے وقت یا بیعت کے وقت اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں تینوں موقعے نہیں پھر اس کو مصافحہ کے مسئلہ سے کیا علاقہ۔ باقی رہا بعض علماء کا قول یا فعل سو وہ دلیل شرعی نہیں ہے خصوصاً جبکہ احادیث مرفوعہ صحیحہ کے مخالف واقع ہو تو پھر اس سے کیا کام نکل سکتا ہے۔ اس کی اتنی رعایت کافی ہے کہ اگر کوئی شخص دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرے تو اس پر چنداں گرفت نہ کی جائے مگر اس کو سنت کہنا بالکل غلط ہے کیونکہ سنت ہونے کا شرف تو ایک ہی ہاتھ کے مصافحہ کے واسطے حاصل ہے۔ ایک ہاتھ کے مصافحہ کو نصاریٰ طریقہ اگر ناواقفیت کی وجہ سے ہے تو عمر کو سمجھ لینا چاہئے کہ یہود و نصاریٰ کی یا دوسرے کافروں کی مشابہت ایسے کام میں ہوا کرتی ہے جس کو شریعت اسلام نے ثابت یا مقرر نہیں رکھا۔ مسلمان لوگ صرف کفار کی ریس سے

اس کو کرنے لگیں اور جو کام شریعت میں ثابت ہو چکا ہے وہ اگر یہود و نصاریٰ یا دوسرے کافروں میں بھی پایا جاوے تو اس کام پر ان کی مشابہت کا اطلاق صحیح نہیں ہے اور وہ واجب الترک بھی نہیں ہے مثلاً سپہ گری کا فن سیکھنا اور گھوڑے کی سواری میں مشاقی پیدا کرنا آج کل نصاریٰ میں بہت کثرت سے رائج ہے۔ مگر شریعت اسلام میں بھی چونکہ یہ امر مقرر اور مامور بہ ہے لہٰذا اس کو نصاریٰ کی مشابہت کے تحت میں لاکر واجب الترک ہرگز نہیں کہہ سکتے۔ اس قاعدہ کو یاد رکھیں اور ہر موقع پر اس کے موافق جائے کمر کے حکم لگایا کریں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ غلطی نہ ہوگی اور اگر عمرو مذکور نے جان بوجھ کر ایسا لفظ کہا ہے تو سنت کی صریح توہین ہے اور سنت کی توہین کفر ہے ایسی باتوں سے مسلمانوں کو بہت ڈرنا اور بچنا چاہئے فقط

(حررہ العاجز حمید اللہ عفی عنہ ساکن سراوہ ضلع میرٹھ) سید محمد نذیر حسین

ہوالموفق: جواب صحیح ہے۔ بیشک مصافحہ کا طریقہ مسنون یہی ہے کہ ایک ہاتھ سے۔ یعنی داہنے ہاتھ سے کیا جائے اور دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا کسی حدیث مرفوع صحیح سے ثابت نہیں۔ اس مسئلہ کی تحقیق میں رسالہ المقالۃ الحسنیٰ فی سنیۃ المصافحۃ بالید الیمنیٰ ایک جامع اور مفید رسالہ چھپ کر شائع ہوا ہے جس شخص کو اس مسئلہ کی تحقیق کامل طور پر مع مالہا وما علیہا کے منظور ہو اسے چاہئے کہ اس رسالہ کو ضرور مطالعہ کرے۔ ہاں اس جواب میں جو یہ لکھا گیا ہے کہ "اور ایک مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ جس طرح آتے وقت مصافحہ سنت ہے اسی طرح رخصت ہوتے وقت بھی سنت ہے حالانکہ اکثر لوگ یوں کہتے ہیں کہ رخصت ہوتے وقت کا مصافحہ درست نہیں۔ پس یاد رکھیں کہ درست اور سنت ہے" سو مجیب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمانا ٹھیک نہیں ہے اس واسطے کہ رخصت ہونے وقت کے مصافحہ کے درست اور سنت ہونے کو مجیب نے حدیث کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا ودع رجلا اخذ بیدہ فلا یدعہا الخ سے ثابت کیا ہے حالانکہ اس حدیث سے صرف مسافر کے رخصت کرتے وقت مصافحہ کا مسنون ہونا ثابت ہوتا ہے اور غیر مسافر کے لئے رخصت ہوتے وقت کا مصافحہ اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس حدیث میں تودیع سے مراد مسافر کو رخصت کرنا ہے۔ اور مطلب

یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص سفر میں جانے والے کو رخصت فرماتے
تو اس کا ہاتھ پکڑتے اور یہ دعا پڑھتے۔ اَسْتَوْدِعُ اللہَ دِیْنَکَ وَاَمَانَتَکَ وَ
اٰخِرَ عَمَلِکَ دیکھو شروح حدیث وکتب لغت۔ ہاں جامع ترمذی میں ابو امامہ رضی اللہ عنہ
کی حدیث میں جو یہ جملہ مروی ہے و تمام تحیاتکم بینکم المصافحۃ یعنی
تم لوگوں کے سلام کی تمامی مصافحہ کرنا ہے یعنی سلام جب ہی پورا اور کامل ہوگا کہ
سلام کے ساتھ مصافحہ بھی کرو۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس جملہ کے ترجمہ میں لکھتے
ہیں "تمام وکمال ہائے سلام شما کہ میان یکدیگر می کنید مصافحہ است یعنی چون سلام کنید
مصافحہ نیز بکنید تا سلام تمام شود وکامل گردد" سو حدیث کے اس جملہ سے رخصت
ہوتے وقت کا مصافحہ مسافر اور غیر مسافر ہر ایک کے لئے البتہ ثابت ہوتا ہے کیونکہ
رخصت ہوتے وقت مسافر اور غیر مسافر ہر ایک کے لیے سلام کرنا بلاشبہ مسنون
ہے اور سلام کی تمامی مصافحہ کرنا ہے تو نتیجہ یہ نکلا کہ رخصت ہوتے وقت مسافر اور
غیر مسافر ہر ایک کے لئے مصافحہ کرنا مسنون ہے۔ لیکن جامع ترمذی کی یہ حدیث ضعیف
و ناقابل احتجاج ہے۔ ترمذی نے اس حدیث کے روایت کرنے کے بعد لکھا ہے
ہذا اسناد لیس بالقوی یعنی اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس
حدیث کی سند میں ایک راوی علی بن یزید ہے۔ اس کی نسبت ترمذی نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ
سے نقل کیا ہے کہ یہ ضعیف ہے اور خلاصہ میں اس کی نسبت لکھا ہے قال البخاری
منکر الحدیث یعنی امام بخاری نے کہا کہ علی بن یزید منکر الحدیث ہے اور امام
بخاری رحمۃ اللہ علیہ جس راوی کی نسبت منکر الحدیث کہتے ہیں اس راوی سے حدیث
کا روایت کرنا حلال نہیں میزان الاعتدال میں ابان بن جبلہ کے ترجمہ میں مرقوم ہے
نقل ابن القطان ان البخاری قال کل من قلت فیہ منکر الحدیث
فلا تحل الروایۃ عنہ الحاصل جامع ترمذی کی یہ حدیث ضعیف ہے لہٰذا اس
حدیث کے جملہ مذکورہ سے رخصت ہوتے وقت کا مصافحہ ثابت نہیں ہو سکتا اور
کتاب شرعۃ الاسلام میں جو یہ اثر مرقوم ہے کہ کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم اذا تلاقوا تعانقوا واذا تفرقوا انصافحوا ای عہدوا اللہ
واستغفروا عند ذلک وان التقوا وافترقوا فی الیوم مرارا انتہی

سو یہ اثر بے سند ہے صاحب شرعۃ الاسلام نے اس اثر کی نہ سند لکھی ہے اور نہ کسی کتاب حدیث کا حوالہ دیا ہے کہ فلاں کتاب میں یہ اثر مروی ہے۔ پس جب تک اس اثر کی سند صحیح معلوم نہ ہو کیونکر قابل اعتبار ہو سکتا ہے اور امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں اس اثر کو شعبی سے روایت کیا ہے۔ مگر اس میں لفظ واذا تفرقوا تصافحوا نہیں ہے بلکہ اس کا لفظ صرف اس قدر ہے ان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانوا اذا التقوا تصافحوا واذا قدموا من سفر تعانقوا

خلاصہ یہ کہ رخصت ہوتے وقت غیر مسافر کے لئے مصافحہ کا مسنون ہونا نہ کسی حدیث مرفوع صحیح سے ثابت ہے اور نہ کسی اثر صحیح سے۔ ہاں مسافر کے لئے رخصت ہوتے وقت ثابت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ
(فتاویٰ نذیریہ ج ۲ صفحہ ۵۸۰)

سوال: بذریعہ فوٹو گراف کسی قاری کی قرارت قرآن پاک کو سننا جائز ہے یا نہیں۔ مثلاً سلطان ابن سعود کے خطبے یا عرب و عجم کے کسی قاری کی قرارت قرآن پاک وغیرہ؟

جواب: جائز ہے منع کی کوئی دلیل نہیں۔ (۸۔ اگست ۱۹۳۳ء)

قرارت کی تشریح: از قاری احمد سعید بنارسی۔

جاننا چاہیے کہ تجوید کہتے ہیں خوبی و لطافت سے ہر حرف کو اپنے مخرج اور صفت کے ساتھ ادا کرنے کو اور ترتیل کہتے ہیں آہستگی کے ساتھ مد اور تشدید وغیرہ صاف صاف اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کو۔ اس کا موضوع نہ حروف تہجی ہے اور غایت تصحیح حروف ہے۔ علم قرارت وہ علم ہے کہ جس سے اختلاف الفاظ وحی کے معلوم ہوتے ہیں اور قرارت تین قسم ہے ایک قرارت متواترہ دوم قرارت مشہورہ سوم قرارت شاذہ۔ قرارت متواترہ جن کے تواتر پر اجماع و اتفاق ہے اور منقول ہے سات ائمہ سے ہر ایک امام کے دو دو راوی مشہور ہے۔

حرف کے ادا کرنے میں جس جگہ آواز ٹھیرتی ہے اس کو مخرج کہتے ہیں جس حرف کا جو مخرج ہے اگر وہ وہیں سے ادا ہو تو حرف صحیح ہوگا ورنہ غلط۔ مخرج کے پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ جس کا مخرج معلوم کرنا ہو اس کو ساکن کر کے اس کے پہلے ہمزہ مفتوحہ لاکر ادا کریں جیسے اَبْ کی باء۔ اَعْ کی ع۔ اَخْ کی خ۔ پس

جس جگہ آواز ٹھہرے وہی اس کا مخرج ہے کل حرف اُنتیس اور مخرج ۱۷ ہیں۔ کیونکہ بعض بعض مخرج سے کئی کئی حرف ادا ہوتے ہیں حلق میں تین مخرج ہیں (۱) شروع حلق سینہ کی طرف مخرج ہمزہ و ہار کا ہے (۲) بیچ حلق مخرج عین و حاء مہلہ کا ہے (۳) آخر حلق مخرج غین و خار کا ہے ؎

حرف حلقی شش بود اے نور عین ہمزہ ہار و حاء و خاء و عین و غین

منہ میں دس مخرج ہیں (۱) جڑ زبان حلق کی طرف مع اوپر کے تالو کے مخرج قاف کا ہے (۲) مخرج قاف سے ذرا منہ کی طرف ہٹ کر مخرج کاف کا ہے (۳) بیچ زبان مع اوپر کے تالو کے مخرج جیم شین یای غیر مدہ کا ہے (۴) کنارہ زبان مع داڑھ کے مخرج ضاد کا دونوں جانب سے ہے۔ مگر بائیں سے آسان ہے (۵) کنارہ زبان اور ضاحک ناب رباعی ثنیہ کے مسوڑے ہے مخرج نون کا ہے (۷) نون کے مخرج سے ذرا اندر مخرج رار کا ہے (۸) سر ازبان مع جڑ ثنایا علیا مخرج تار دال طار کا (۹) سر ازبان مع سر ثنایا علیا مخرج ثار ذال ظار کا (۱۰) نوک زبان مع درمیان سر اثنایا علیا وسفلی مخرج زار وسین وصاد کا ہے۔

صفات غیر متضادہ سات ہیں (۱) صفیر اس کے حروف کو صفیرہ کہتے ہیں جو ص ز س ہیں۔ ان کے ادا میں ایک آواز تیز مثل سیٹی کے ہونا چاہیئے جیسے مس کی س (۲) قلقلہ اس کے حروف ساکن ہوں تو ایک آواز لوٹتی ہوئی نکلنی چاہیئے نہ مثل تشدید کے ہو نہ کوئی حرکت جیسے خلق کا قاف (۳) لین اس کے دونوں حرف کو ان کے مخرج سے بلاتکلف نرم ادا کرنا چاہیئے۔ اس طرح پر کہ اگر ان میں مد کرنا چاہیں تو ہو سکے جیسے یاء صیف اور واؤ خوف کے (۴) انحراف اس کے حرف کو منحرف کہتے ہیں جو لام اور رار ہیں۔ لام کے ادا میں آواز سر زبان کی اور رار کی ادا میں آواز پیٹھ زبان کی طرف پھرے۔ اس طرح کہ بجائے لام کے رار اور بجائے رار کے لام نہ ہونے پائے (۵) تفشی یہ صفت شین کی ہے۔ اس کے ادا میں آواز پھیلی ہوئی ہونا چاہیئے لیکن آواز پر نہ چڑھنا چاہیئے نہیں تو شین پُر ہو جائے گی جیسے شئی کی شین۔ استطالت یہ صفت ض کی ہے اس کے ادا میں اس کے شروع مخرج سے آخر مخرج تک بتدریج آواز نکلنی چاہیئے یعنی آواز یکایک فوراً ایک دفعہ نہ نکلے

تاکہ کیفیت درازی مدہ کی سی ظاہر ہو جیسے ولا الضالین کا ض (۷) تکریر یہ صفت را کی ہے اس کے ادا کرنے کے وقت اس کے مخرج میں زبان کو پورے طور پر قرار اور جماؤ نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ اگر بالکل ہی جڑ سے نہ ادا کی جائے تو بجائے ایک را کے کئی را ہو جاویں۔ اسی وجہ سے را میں ایک قسم کی قوت ہوتی ہے جیسے رب کی را۔ اگر یہ صفت را کی نہ ادا کی جاوے تو را مثل واؤ ہو جاوے لیکن تکریر حد سے زیادہ نہ کرنا چاہیئے کہ بجائے ایک را کے کئی را ادا ہو جاویں۔

(۱۹ اکتوبر ۱۹۲۳ء)

سوال: حنفی ولا الدالین اور اہل حدیث ولا الضالین پڑھتے ہیں۔ کس کا پڑھنا صحیح ہے؟

جواب: ضاد کو مشابہ ظا پڑھنے کا حکم کتابوں میں لکھا ہے مشابہ دال پڑھنے کا نہیں مشابہ دال پڑھنے سے معنے الٹ جاتے ہیں یعنی راہ دکھانے والے اور اصل میں اس کے معنے ہیں گمراہ۔

(۲۱ اپریل ۱۹۱۶ء)

استفتار بابت تحقیق حرف ضاد: حضرات علمار کرام کیا فرماتے ہیں اس بارے میں کہ عام طور سے بعض جگہ ضاد کو مشابہ بمخرج دال پڑھتے ہیں۔ جیسا کہ رضی اللہ کو ردی اللہ ولا الضالین کو ولا الدالین اور عبد الضحیٰ کو عبد الدحیٰ وغیرہ۔ مگر اکثر مقامات پر ضاد کو ضاد ہی پڑھتے ہیں۔ مثلاً ماہ رمضان کو رمدان حضرت کو حادرت اور مرض کو مرد نہیں کہتے۔ اور رضی اللہ کی جگہ ردی اللہ عنہ کہتے ہیں تو معنی بھی بدل جاتے ہیں۔ رد کے معنی پھیرنا، انکار کرنا، منسوخی وغیرہ کے ہیں۔ اگرچہ اس سے یہ معنی نہیں لیتے مگر ظاہر میں ردی اللہ عنہ کہنا کیسا ہے:-

الجواب: یہ صحیح ہے کہ حرف ضاد کو دال کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اور یہ کہ وہ ظا کے ساتھ اپنی اکثر صفات میں مشابہ ہے۔ مگر ظا سے بھی وہ جداگانہ حقیقت رکھتا ہے۔ پس جو شخص اس کو خالی ظا پڑھے وہ اور جو شخص خالص دال پڑھے وہ دونوں تبدیل حرف کے مرتکب ہیں۔ اور جو شخص ضاد کے ادا کرنے کے قصد سے پڑھے۔ اور اس کی آواز دال پر کی نکلے یا ظا کے مشابہت نکلے ان دونوں کی نماز صحیح ہوگی۔ اور ظا کے مشابہ پڑھنے والا اقرب الی الصحت ہوگا۔ اور خالص دال کی آواز سے ادا کرنا غلط ہے۔ دال پُر جس آواز کو ہم نے کہا ہے وہ ضاد کی بگڑی ہوئی آواز ہے

کیونکہ دال میں فی حد ذاتہٖ تفخیم نہیں ہوتی۔ (محمد کفایت اللہ عفی عنہ دہلی)

الجواب: یہ مسئلہ فن تجوید کے اعتبار سے تو بہت اہم ہے۔ لیکن فساد صلوٰۃ یا عدم فساد صلوٰۃ کے لحاظ سے اس قدر اہم نہیں ہے جس قدر کہ آج کل لوگوں نے سمجھ رکھا ہے۔ پس نماز کے ہونے نہ ہونے کو اس مسئلہ پر موقوف کرنا تجوید کے مسئلہ کو فقہی بحث میں لادینے کے مترادف ہے۔ اس لئے اتنا ہی سمجھ لینا کافی ہے۔ کہ ضاد اصل حقیقت کے اعتبار سے تو آواز ظا کے مشابہ ہے۔ دال کے مشابہ نہیں۔ لیکن جو شخص سعی اور کوشش کے باوجود اس حرف کو صحیح ادا کرنے پر قادر نہ ہو سکے نماز اس کی بہر حال ہو جائے گی فقط واللہ اعلم۔ (بندہ محمد یوسف عفی عنہ مدرسہ امینیہ دہلی)

(الجمعیۃ دہلی ۱۶؍ مارچ سنہ رواں - اہلحدیث ۲۲ محرم ۱۳۵۷ھ)

مزید تشریح۔ از قلم حضرت مولانا عبد الجلیل صاحب رحمانی۔ ششہنیاں ضلع بستی)

قرار تجوید اور ماہرین تعریف نے حرف "ض" کو مشتبہ الصوت بالظاء یا مشتبہ الصوت بالدال ہونے کے متعلق جو تحقیق انیق ارقام فرمائی ہے۔ اس کا ایک ملخص ہم ناظرین کی دلچسپی کے لئے ذیل میں درج کرتے ہیں ضرورت ہے کہ بتعمق وامعان سے دیکھ کر مذہب منصور کے حق میں تعصب سے الگ ہو کر صحیح فیصلہ کیا جائے۔

مخارج حروف ثلاثہ: سب سے پہلے ہم ض۔ظ۔د۔ ان حروف ثلاثہ کے مخارج کو بطریق لف ونشر الگ الگ بیان کرتے ہیں۔ اس کے بعد ان کی باہمی مناسبت ومشابہت اور اتحاد تلفظ وتقارب فی السمع پر روشنی ڈالیں گے۔ انشاء اللہ۔

حرف ض کے متعلق علامہ قاضی ناصر الدین البیضاوی اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں۔ والضاد من اصل حافۃ للسان وما یلیہا من الاضراس۔ یعنی ضاد کا مخرج زبان کا پورا کنارہ دائیں یا بائیں طرف کی داڑھ ہے۔ نیز رضی دشافیہ اور کتب تجوید میں بھی مرقوم ہے۔ الضاد المعجمۃ من اول حافۃ اللسان وما یلیہ من الاضراس من الجانب الایسر وقیل من الایمن کذا فی الاتقان۔ رئیس المتکلمین علامہ فخر الدین رازیؒ نے بھی اپنی تفسیر میں یہی لکھا ہے مخرج الضاد من حافۃ اللسان وما یلیہا من الاضراس۔

علامہ جار اللہ زمخشریؒ بھی تفسیر کشاف میں یہی لکھتے ہیں۔ مخرج الضاد

من اصل حافۃ اللسان ومایلیھا من الاضراس۔ اور حرف ظ کے مخرج کے متعلق اتقان میں ہے۔ یعنی حرف ظ کا مخرج اوپر کے دونوں دانتوں (ثنایا علیا) اور زبان کی نوک ہے۔ اور حرف د کے متعلق اسی اتقان میں یوں ہے: وللطاء والدال والتاء من طرفہ واصول الثناء العلیا مصعدا الی الحنک الخ یعنی د کا مخرج زبان کی نوک اور اوپر کے دونوں دانتوں ثنایا علیا کی جڑ ہے۔

صفات حروف ثلاثہ: ان حروف ثلاثہ کے مخارج کو جان لینے کے بعد ان کے اوصاف وصفات کی تشریح کی جاتی ہے تاکہ ان کی باہمی مناسبت ومشابہت کا مسئلہ آئندہ واضح ہو جائے۔ حرف "ض" کی صفات کے متعلق کتب تجوید میں لکھا ہے الرخاوۃ والجہر والاستعلاء والاطباق والتفخیم والاستطالۃ والاصمات من صفات الضاد المعجمۃ والتفشی عند البعض ایضا کذا فی جہد المقل یعنی رخاوت۔ جہر۔ استعلاء۔ اطباق، تفخیم، استطالت، اصمات اور عند البعض تفشی بھی ہے۔ نیز بعض کتب تجوید میں ض کی صفات میں سے سکون کو بھی شمار کیا گیا ہے۔ اور حرف ظا کی صفات کے متعلق علامہ محمد مرعشی لکھتے ہیں۔ الاصمات والجہر والرخاوۃ والاستعلاء والاطباق والتفخیم من صفات الظاء المعجمۃ کذا فی جہد المقل وشرحہ وفی منہاج النشر السکون ایضا یعنی اصمات جہر۔ رخاوت۔ استعلاء۔ اطباق۔ تفخیم سکون حرف ظاء کی صفتیں ہیں نیز اسی کتاب میں صفات دال کے متعلق یوں مرقوم ہے۔ القلقلۃ والشدۃ والاصمات والانفتاح والتوفیق والاستفال من صفات الدال المہملۃ۔ یعنی قلقلہ۔ شدت۔ اصمات۔ انفتاح۔ ترقیق۔ استفال۔ دال کی صفات ہیں۔

مشابہت حروف ثلاثہ: اوصاف وصفات حروف ثلاثہ بیان کرنے کے بعد حرف ض وظ کے تشابہ واشتراک فی الصفات کے متعلق ہم ذیل میں علماء تجوید کی تحقیق نقل کرتے ہیں۔ الضاد والظاء اشترکا صفۃ جہرا ورخاوۃ واستعلاء وانفردت الضاد بالاستطالۃ کذا فی الاتقان۔ یعنی ض و ظ بجز استطالۃ کے باقی تمام صفات میں متحد ہیں۔ علامہ موصلی حنبلی نے شرح شاطبیہ

میں لکھا ہے۔ ان الضاد والظاء والذال متشابهة فی السمع والضاد لا تفترق عن الظاء الا باختلاف المخرج وزيادة الاستطالة فی الضاد ولولا هما لكانت احداهما عين الاخرى۔ یعنی ضاد وظاء وذال مشابہۃ الصوت ہیں اور ضاد و ظاء کے اندر اگر مخرج حقیقی اور استطالۃ کا فرق نہ ہوتا تو دونوں عین ہوتے اسی مشابہت کو علامہ فخر الدین رازیؒ تفسیر کبیر میں یوں فرماتے ہیں: وبيان المشابهة من وجوه الاول انهما من حروف المجهورة والثانی انهما من الحروف الرخوة والثالث انهما من الحروف المطبقة الخ

نیز علامہ محمد بن محمد جزری لکھتے ہیں۔ والناس يتفاوتون فی النطق بالضاد فمنهم من يجعله ظاء لان الضاد يشارك الظاء فی صفاتها كلها ويزيد على الظاء بالاستطالة ولولا الاستطالة واختلاف المخرجين لكانت ظاء وهم اكثر الشاميين وبعض اهل الشرق۔ یعنی لوگ حرف ضاد کی ادائیگی میں مختلف ہیں۔ بعض لوگ ضاد کو ظاء کے پڑھتے ہیں۔ کیونکہ اکثر صفات میں شریک ہے۔ اگر استطالت اور اختلاف مخرجین کا فرق نہ ہوتا تو ضاد عین ظاء ہو جاتا۔ اکثر شامیوں اور اہل شرق کا یہی مذہب ہے۔ قصیدہ جزریہ میں بھی اسی مشابہت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ؎

والضاد باستطالة ومخرج ميز عين الظاء وكلها يجى

عبارات منقولہ بالا اور حروف ثلاثہ کی صفات سے کالشمس فی نصف النہار واضح ہوگیا کہ حرف ضاد وظوے دونوں آٹھ نو صفات میں متحد ہیں لیکن حرف ضاد و دال میں کوئی مناسبت و مشابہت نہیں۔ بلکہ ان میں تباین ہے۔ ان دونوں کے اوصاف پر غور کیجیے۔ ضاد میں رخاوت ہے تو دال میں شدت۔ ضاد ساکنہ ہے دال قلقلہ ہے ضاد مطبقہ ہے۔ دال منفتحہ۔ ضاد مستعلیہ ہے۔ دال مستفلہ۔ ضاد میں تفخیم ہے دال میں ترقیق۔ ضاد مستطیلہ ہے دال آنی۔ ضاد میں تفشی ہے دال میں عدم تفشی۔

اہل لسان اور فقہاء اس مشابہت و تضاد کے بیان کرنے کے بعد اب ہم اہل لسان اور فقہاء کے اقوال نقل کرتے ہیں۔ تاکہ واضح ہو جائے کہ ضاد کو مشتبہ الصوت بالظاء پڑھنا چاہیے۔ یا بالدال۔ مشہور و معروف مورخ ابن خلکان

اپنی تاریخ میں زیر ترجمہ ابن الاعرابی اللغوی لکھتے ہیں۔ وکان (ای ابن الاعرابی) یقول جائز فی کلام العرب ان یعاقبوا بین الضاد والظاء فلا یخطی من یجعل هذہ فی موضع هذه وینشد ؎

الی الله اشکو من خلیل اودہ ثلاث خلال کلها لی غائض

بالضاد ویقول هکذا سمعته من فصحاء العرب۔ یعنی ابن الاعرابی کہتے تھے کہ کلام عرب میں ضاد کو ظوئے کی جگہ میں اور ظوئے کو ضاد کی جگہ میں پڑھنا چاہئے جو شخص ایسا کرے خاطی نہ ہوگا۔ پھر اس شعر کو پڑھتے جس میں ظوئے کی جگہ ضاد پڑھنا فصحاء عرب سے ثابت ہوتا ہے۔ نیز علامہ محمد بن محمد جزری لکھتے ہیں۔

وحکی ابن جنی فی کتاب التنبیه وغیرہ ان من العرب من یجعل الضاد ظاء مطلقا فی جمیع کلامهم وهذا غریب وفیه توسع للعامة کذا فی التمهید للجزری۔ یعنی بعض اہل عرب ضاد کو مطلقاً ظوئے ہی پڑھتے ہیں۔ نیز علامہ جمال الدینؒ فرماتے ہیں:۔ ابدال الضاد ظاء وهی لغة اکثر اهل العرب الخ یعنی ضاد کو ظوئے سے بدلنا اکثر اہل عرب کی لغت سے ثابت ہے۔ اسی مفہوم کی تائید فقہاء کرام بھی فرماتے ہیں۔ فتاوٰی قاضی خاں میں ہے۔ لو قرأ الضالین بالظاء او الذال لا تفسد صلوته ولو قرء بالدالین تفسد صلوته۔ اگر الضالین کو الظالین یا الذالین ظوئے اور ذال کے ساتھ پڑھے تو نماز ہو جائے گی اور اگر الدالین دال کے ساتھ پڑھے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ تفصیل کے لئے بزازیہ۔ درمختار۔ عالمگیریہ۔ خلاصۃ الفتاوٰی۔ غنیۃ المستملی۔ جزریہ۔ رسائل الارکان وغیرہ کتب فقہ حنفیہ نیز فتاوٰی مولانا عبد الحی صاحب لکھنوی ملاحظہ فرمایئے۔

نتیجہ: ماسبق میں جو تقریر بطرز مقدمات تحریر کی گئی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حرف ضاد و ظوئے۔ اکثر اوصاف و صفات میں متحد ہوئے اور اہل عرب کے کلام سے ضاد کو ظوئے پڑھے۔ اور علماء تجوید کے کلام اور فقہائے عظام کے فتاوے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ضاد کو مشتبہ الصوت بالظوئے پڑھ سکتے ہیں۔ اور ضاد و ظوئے کے درمیان تفریق کرنے کے ہم مکلف نہیں (کما قال الرازی) اس لئے الضالین کو الظالین پڑھنا جائز ہے۔

ع۲ چونکہ حرف ضاد اور دال میں من حیث الصفات اور باعتبار مخرج تضاد اور تباین ہے۔ اس لیے ضاد کو مشتبہ الصوت بالدال نہیں پڑھ سکتے۔ اور اگر کسی نے ضالین کو دالین پڑھا تو خود فقہاء حنفیہ رحمہ کے اقوال کی رو سے اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ نیز اہل عرب کے کلام سے بھی ضاد کو دال سے بدلنے کا ثبوت نہیں۔

(اہلحدیث ۲۹ محرم ۱۳۵۷ھ)

سوال: عورتوں کو خط و کتابت سکھانے کا کیا حکم ہے جائز ہے یا منع؟ (عبد الرحمن ایکلکتیم)

جواب: جو کام مردوں کو جائز ہے وہ عورتوں کو بھی جائز ہے۔ یہ تو ہے عام دلیل خاص یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو فرمایا۔ تو نے حفصہ رضہ کو جس طرح لکھنا سکھایا ہے۔ گرم دانوں (پت) کا علاج بھی سکھا دے۔ ثابت ہوا کہ کتابت سکھانی جائز ہے۔

نوٹ:- اس مضمون پر ایک مختصر رسالہ مصنفہ مولانا شمس الحق ڈیانوی کتاب سبل السلام مطبوعہ دہلی کے ساتھ ملحق ہے۔ (۱۱ مارچ ۱۹۳۲ء)

سوال: گراموفون اور ہارمونیم سننا اور بجانا۔ نیز ٹاکیز بائیسکوپ میں جانا جائز ہے یا نہیں۔

جواب: یہ تمام لغویات خلاف شرع ہیں۔ جن سے مرد مومن کو پرہیز کرنا چاہیے۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ۔ مومن مرد لغو باتوں سے پرہیز کیا کرتے ہیں۔

(۲ محرم ۱۳۵۹ھ)

رقص و سرود شریعت کی روشنی میں

(از قلم سیف الرحمن صاحب مولوی فاضل اوکاڑہ)

شریعت کی رو سے رقص و سرود (گانا بجانا، ناچنا) کبائر میں شامل ہے۔ زناکاری، شراب خوری اور دیگر جرائم کبیرہ کی طرح اس کے لازمی نتائج ہیں۔ بسا اوقات راگ و سرود کی مجلسیں اور قوالی کی محفلیں اخلاق کے لیے تباہ کن اور ایمان و حیا کے لئے مہلک ثابت ہوتی ہیں۔ ان کے اثرات بڑے بڑوں کی طبائع میں بھی ایک ہیجان اور اضطراب پیدا کر دیتے ہیں۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے آپ قرآن مجید کی وہ آیات ملاحظہ فرمایئے جن میں ان لغویات سے روکنے کے لیے احکام مذکور ہیں۔ (۱) وَمِنَ النَّاسِ

مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ يَتَّخِذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ بعض وہ لوگ ہیں جو لہو الحدیث اختیار کرکے اپنی جہالت سے خدا کی راہ سے روک دیتے ہیں۔ اور طریقہ خداوندی کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اُن کے لئے رسوا کن عذاب ہے۔

لغت عرب کی مشہور کتاب قاموس کو اٹھا کر دیکھو۔ اس میں لکھا ہے کہ اَلْهٰی بمعنی اشتغل بالغناء گانے میں یا گانا سننے میں مشغول ہوا۔ اَلْهٰی باب افعال ہے لہو مصدر سے۔ لہو الحدیث ہے نام ہے گانوں کا اور باجوں کا۔ یہ نام شرعی ہے اس کے لفظی معنی غفلت میں ڈال دینے والی بات کے ہیں پس باجا اور گانا دونوں ہی غفلت میں ڈال دینے والی چیزیں ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ اور ابن مسعود رضؓ وغیرہم صحابہ کرام رضؓ نے اس کی یہی تفسیر کی ہے۔ حضرت ابو الصہبار رضؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ سے پوچھا کہ اس آیت کے کیا معنی ہیں۔ آپ نے تین دفعہ قسم اٹھا کر فرمایا۔ واللہ الذی لا الٰہ غیرہ ھو الغناء۔ خدا کی قسم اس سے مراد گانا ہے۔

(۲) وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا مسلمانوں کی صفت یہ ہے کہ وہ گانے کی مجلسوں میں شرکت نہیں کرتے، اور جب کبھی نادانستہ ایسی لغویات پر گذر ہو تو دامن بچا کر گذر جاتے ہیں۔

امام محمد بن حنیفہ رحؒ فرماتے ہیں کہ۔ الزور ھو الغناء یہاں "زور" سے مراد گانا ہے۔ امام کلبی رحؒ فرماتے ہیں۔ لا یحضرون مجالس الباطل: یعنی وہ باطل کی مجلسوں میں شرکت نہیں کرتے۔ لغت میں لغو کے معنے ہر اس شے کے ہیں۔ جو پھینک دینے کے قابل ہو۔ ہر بے سود کلام بھی لغتًا لغو میں شامل ہے۔ چنانچہ لغت عرب کی مستند کتاب قاموس میں ہے۔ اللغو ھو السقط وما لا یعتد بہ من کلام وغیرہ۔ اسی طرح لکھا ہے۔ کہ کلمۃ لاغیۃ فاحشۃ ہر بیہودہ اور فحش کلمہ لغو ہے۔ "غادی" کے معنی صاحب قاموس نے لکھے ہیں کہ ھو مجلس الغناء۔ پس اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ مسلمان وہ ہیں کہ جو قوالی اور راگ وسرود کی مجلسوں میں نہیں جاتے۔

(۳) وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ - مسلمانوں کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ گانا سننے سے منہ پھیر لیتے ہیں۔

(۴) وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ - یعنی تو اپنی طاقت کے مطابق اپنی آواز سے گمراہ کرتا یا بہکاتا پھر۔ اس آواز سے مراد بھی گانا ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں۔ صوتہ الغناء یعنی شیطان کی آواز گانا ہے اور آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ صوتہ المزامیر کہ شیطان کی آواز باجے گاجے ہیں

(۵) أَفَمِنْ هَذَا الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ ۝ وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ وَأَنْتُمْ سَامِدُونَ ۝ کیا تم اس سے تعجب کر رہے ہو۔ اور ہنس رہے ہو اور روتے نہیں ہو اور گانا گا رہے ہو۔ سامدون کا لفظ سمود سے ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ السمود الذی هو الغناء فی لغة حمیر. یعنی سمود کے معنی گانا کے ہیں لغت حمیر میں۔ امام لغت عرب ابو عبیدہؒ کہتے ہیں۔ السمود الذی غنی له۔ یعنی جس کے لئے گایا جائے اُسے مسمود کہتے ہیں۔ حضرت عکرمہ کہتے ہیں۔ کہ کفار کی یہی عادت ہے۔ کہ وہ قرآن کریم کو سننے کی بجائے گانا سنا کرتے ہیں۔ اذا سمعوا القرآن تغنوا۔ قرآن پاک کی ان آیات کے بعد آپ اس باب میں فرامین رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) میری اُمت میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو ریشم، شراب اور باجوں کو حلال سمجھیں گے (بخاری شریف) معازف کے معنی تمام اہل لغت کے نزدیک آلاتِ لہو ولعب ہیں (جن کی بدترین شکل آجکل سینما۔ تھیٹر۔ بائیسکوپ ہیں۔)

(۲) ان اللہ حرم الخمر والمیسر والمزر والکوبة والقنین۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے شراب اور جوے اور باجے تاشے اور طبلے کو حرام فرمایا ہے (مسند احمد)

(۳) لا تبیعوا المغنیات ولا تشتروهن ولا تعلموهن ولا خیر فی تجارة فیهن وثمنهن حرام و مثل هذا نزلت هذه الآیة ومن الناس من یشتری لهو الحدیث لیضل عن سبیل الله - الآیة (ترمذی) یعنی گانا گانے والیوں کی خرید وفروخت نہ کرو اور نہ انہیں گانا سکھاؤ

اوران کی تجارت میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔ اوران کی قیمت حرام ہے۔ یہی بیہودہ باتیں ہیں جو فرمانِ قرآن راہ خدا کی روک ہیں۔

(۴) ابن ابی الدنیا میں ہے۔ رسول کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نے اپنی امت میں زمین میں دھنس جانا، صورتوں کا بدل جانا اور آسمان سے سنگ کا بیان فرمایا۔ تو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے دریافت فرمایا کہ کیا یہ عذاب لا الٰہ الا اللہ پڑھنے والوں پر نازل ہوں گے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ اذا ظهرت القينات وظهر الربوا۔ جب قوال اور گانے والیاں اور سود ظاہر ہوگا۔ اس پر گویئے اوران کے مشتاق صدق خوب غور فرمالیں۔

(۵) میری امت کی ایک جماعت کھاتی پیتی، لہو ولعب کرتی اچانک سور بندر بن جائے گی۔ تیز آندھی چل کر میری امت کے بعض لوگوں کو اڑا کر دریا برد کر دے گی۔ اس گناہ پر کہ یہ شراب حلال کرلیں گے۔ باجا بجائیں گے۔ اور گانے والیوں کو مقرر کرلیں گے (مسند احمد۔ ترمذی)

(۶) رسول اکرمؐ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم قریب المرگ ہیں۔ حضورؐ تشریف لاتے ہیں اور بچے کو گود میں اٹھا لیتے ہیں چند لمحات کے بعد آپ کا فرزند ارجمند داعیٔ اجل کو لبیک کہہ دیتا ہے۔ اور طائرِ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر جاتا ہے آپ کی آنکھیں اشکبار ی میں مصروف ہو جاتی ہیں۔ اور آپ کا شب تاریک میں ضیا افشانی کرنے والا منور چہرہ ..... اشکباری سے لبریز ہو جاتا ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ عرض کرتے ہیں، یا رسول اللہ آپ لوگوں کو تو اس سے منع فرمایا کرتے تھے۔ پھر یہ کیا بات ہے۔ آپ نے فرمایا۔ آنسو بہانا تو میں نے حرام نہیں کیا۔ میں نے دو احمق آوازوں سے منع کیا ہے صوت عند نغمۃ لھو ولعب ومزامیر شیطان۔ ایک تو وہ آواز جو گانے کی نغمہ اور سکے والی آواز ہو۔ دوسری نہ جو مصیبت کے وقت منہ نوچنے، کپڑا پھاڑنے اور نوحہ کرنے کے ساتھ ہو۔ امام ترمذی رحؒ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

(۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، شیطان نے کہا۔ الٰہی میرا مؤذن کون ہے؟ فرمایا باجے۔ اس نے کہا۔ الٰہی میرا قرآن کیا ہے، فرمایا گیا شعر واشعار۔ اس نے

کہا، میرا کھانا کیا ہے۔ فرمایا گیا، مُردہ اور ہر وہ جانور جو خدا کے نام پر ذبح نہ کیا جائے
اس نے کہا الٰہی میرا پیشہ کیا ہے، حکم ہُوا، ہر نشہ آور چیز۔ اس نے کہا، میرا مکان کونسا
ہے۔ حکم ہُوا کہ بازار تیرا مکان ہے۔ اس نے کہا میری شکاری رسیاں اور پھندے
کیا ہیں، حکم ہُوا عورتیں۔ اس نے کہا، میری آواز کیا ہے۔ فرمایا کہ باجے گاجے تیری
آواز ہیں۔ او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم (طبرانی)

الغرض سماع وغنا یہ شیطانی قرآن ہے اور وجد ورقص یہ شیطانی نماز ہے۔ باجے
گاجے شیطانی نماز کے مؤذن ہیں۔ اس کے امام مغنی، قوال اور گویے ہیں اور
مجلسِ قوالی کے تمام حاضرین اس ابلیسی نماز کے مقتدی ہیں۔ نعوذ باللہ من ذلک

(۸) فقہ کی معتبر کتاب جامع الرموز میں ہے۔ قال صلی اللہ علیہ وسلم
کان ابلیس اول من تغنی سب سے پہلے جس نے گانا گایا وہ ابلیس ہے۔

(۹) حنفی مذہب کی مستند اور مایہ ناز کتاب فتاوی قاضی خان میں لکھا ہے اما استماع
صوت الملاهی کالضرب بالقصب وغیر ذلك حرام ومعصية لقوله
استماع الملاهی معصية والجلوس عليها فسق والتلذذ بها کفر۔
یعنی باجے گاجے سننے حرام اور گناہ۔ کیونکہ رسول پاک کا فرمان ہے کہ باجوں کا سننا
گناہ اور اس کے لئے محفل رچانا فعل بد ہے اور اس سے لطف اندوز ہونا کفر ہے۔

صحابہ کرامؓ اور دیگر اکابر اُمت کے اقوال

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں الغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت
الماء الزرع۔ یعنی گانا اس طرح دل میں نفاق اُگاتا ہے۔ جس طرح کہ بارش کھیتی کو اُگاتی
ہے۔ امام ابن ابی الدنیا کی کتاب ذم الملاہی میں مذکور ہے۔ کہ امام ضحاکؒ فرماتے ہیں
الغناء مفسدة للقلب، مسخطة للرب۔ یعنی غنا دل کو بگاڑنے والا ہے اور
خدا کو ناراض کرنے والا۔

سردارانِ صوفیہ حضرت فضیل بن عیاض نے فرمایا ہے کہ الغناء رقیة الزنا
غنا زنا کا منتر ہے۔

امام یزید بن ولیدؒ کا فرمان ہے۔ ان الغناء راعية الزنا۔ گانا سننے
سے بدکاری کا چسکا پڑ جاتا ہے۔

خلیفۂ وقت سلیمان بن عبدالملک قوالوں اور گویوں کو سخت سزائیں دیا کرتے تھے۔
امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے۔ حرمہ (الغناء) ابو حنیفۃ واہل العراق ومذہب الشافعی کراہۃ وہو المشہور من مذہب مالک۔ یعنی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور اہل عراق نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مکروہ ہے اور امام مالک رحمہ اللہ کا بھی مشہور مذہب یہی ہے۔
ایک اور جگہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ من استکثر عنہ فہو سفیہ وترد شہادتہ۔ جو گانا بہت سنتا ہے وہ بے وقوف ہے اور اس کی شہادت مردود ہے۔
ایک اور مقام پر امام شافعی فرماتے ہیں، احدثتہ الزنادقۃ کہ اس راگ کو زندیقیوں نے جاری کیا ہے۔
حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ نے اپنے فتاوی میں تحریر فرمایا ہے۔ اما غناء پس کلام خدا واحادیث سردار انبیاء علیہ التحیۃ والسلام بحرمت آں ناطق است۔ یعنی قرآن وحدیث کے الفاظ تو صاف صاف گانے کی حرمت میں وارد ہوئے ہیں۔
پھر شاہ صاحب رحمہ اللہ اپنے اسی فتوے میں حنفی مذہب کی معتبر کتاب محیط سے نقل فرماتے ہیں۔ کہ التغنی والتصفیق واستماعہا کل ذالک حرام ومستحلہا کافر۔ یعنی گانا گانا اور تالیاں بجانا اور گانے اور تالیوں کو شوق سے سننا یہ تمام باتیں حرام ہیں اور انہیں حلال کہنے والا کافر ہے۔ ان کے علاوہ بیسیوں اور مقتدر ہستیوں اور اکابرانِ دین کے اقوال اس سلسلے میں ہماری راہنمائی کرتے ہیں۔ مضمون کے طویل ہونے کے باعث انہیں چھوڑ دیا جاتا ہے۔ (الاعتصام گوجرانوالہ ۲۷ فروری ۱۹۵۳ء)

سوال: ہمارے ملک میں سرطان یعنی کیکڑے کثرت سے پیدا ہوتے ہیں اور زید اس کو مچھلی میں شمار کر کے کھاتا ہے اور لوگوں کو حلت کا فتویٰ دیتا ہے۔ بکر کہتا ہے کہ یہ عقرب کے مشابہ ہے۔ فرمائیے یہ حلال ہے یا حرام؟

جواب: سرطان کی حرمت مجھے کسی آیت یا حدیث میں نہیں ملی۔ اس لئے بحکم ذرونی ما ترکتکم حلال ہے۔ (اہلحدیث ۱۲ مئی ۱۹۳۳ء)

تعاقب: تمباکو کے سوال کے جواب میں شاید یہ حدیث ذہن میں نہ رہی ہو بلکہ وہاں تو آیت وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ سے استدلال تھا۔ محدثین نے اسی آیت

کی بنا پر سرطان کو بھی حرام فرمایا ہے۔ علامہ دمیری حیاۃ الحیوان میں بذیل حکم سرطان لکھتے ہیں۔ یُحَرَّمُ اکله لاستخباثه ولما فیه من الضرر ص ۱۷ ج ۲۔ یعنی بوجہ خبیث اور مضر ہونے کے سرطان کا کھانا حرام ہے۔ حافظ عسقلانی فتح الباری میں تحریر فرماتے ہیں۔ ومن المستثنیٰ ایضا التمساح والقرش والثعبان والعقرب والسرطان والسلحفاة للاستخباث والضرر اللاحق من السم ودینلس قیل ان اصله السرطان فان ثبت۔ (پ ۲۳ ص ۲۱۵)

یعنی حلت صید بحر سے مستثنیٰ کئے گئے ہیں گھڑیال اور قرش عظیم الجثہ بحری شکاری جانور اور آبی اژدہے اور بچھو اور کیکڑے اور کچھوے بوجہ خبیث ہونے کے اور ان نقصان کے جو ان کے زہر سے آکل کو لاحق ہوتا ہے۔ اور گھونگے کہ اصل ان کی سرطان ہی ہے۔ کیونکہ دونوں صدف سے پیدا ہوتے ہیں۔ پس اگر ایسا ہی ہے تو گھونگے بھی مثل کیکڑوں کے حرام ہوں گے۔ انتہیٰ۔ (سیف بنارس ۱۰ رجون ۱۹۳۲ء)

سوال: شرکی منتر پڑھنا اور فائدہ پہنچانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: شرکیہ منتر سے دم کرنا حرام ہے قال اللہ تعالیٰ ان الشرك لظلم عظیم۔ حدیث شریف میں آیا ہے لا تشرك باللّٰہ ان قتلت او حرقت الخ

(۱۱ رجمادی الاول ۵۸ھ)

تشریح: (بقلم مولوی المکارم ظفر عالم صاحب مدرس مدرسہ اشاعت القرآن کھنڈیلہ)

گذارش ہے کہ شرکیہ الفاظ کے ساتھ دم کرنا یا کرانا شرعاً ممنوع اور حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان اللہ لم یجعل شفاءکم فی حرام (ابو حاتم فی صحیحہ)

چونکہ شرک خبیث ہے اور خبیث کے ساتھ تداوی منع ہے۔ اس لئے ضرورت ہو یا غیر ضرورت۔ ہر طرح حرام اور ناروا ہے۔ ابوداؤد میں ہے۔ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم نھیٰ عن الدواء الخبیث۔ اور دوسری جگہ مذکور ہے کہ عمرو بن حزم حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا۔

یا رسول اللہ انه کانت عندنا رقیة نرقی بها من العقرب وانك نھیت عن الرقی قال اعرضوها علی فقال ما اری باسا من استطاع

منکم ان ینفع اخاہ فلینفعہ۔

جناب صلعم نے اس واسطے حکم دیا کہ اُس رقیہ کو اُس دم کو میرے سامنے پیش کرو تاکہ اس کے درمیان شائبہ شرک ہو تو آپ منع فرماویں۔ جب آپ نے سن لیا تب فرمایا۔ ما اری باساً اور اجازت دے دی کہ یہ دم کر لیا کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو شرک سے بچانے کو نامعلوم دم سے بھی اجازت نہیں دیتے تھے فکیف یبیح الرقی بالکلمات الشرکیۃ۔ نیز اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلینفعہ عموم پر ہرگز نہیں۔ اگر ہوتی تو آپ کیوں فرماتے کہ اس کو سلسنے لاؤ اور سن کر کیوں فرماتے " ما اری باساً " اس کے علاوہ عوف اشجعی " فرماتے ہیں۔ کنا نرقی فی الجاھلیۃ یا رسول اللہ کیف تری فقال اعرضوا علی رقاکم لا باس بالرقی مالم یکن فیہ شرک۔ عوف کی حدیث سے معلوم ہوا۔ لا باس بالرقی مالم یکن فیہ شرک عام ہے اور من استطاع منکم ان ینفع اخاہ خاص ہے۔ اگر وقت ضرورت شرکیہ دم جائز ہوتا تو مالم یکن فیہ شرک آپ کا کلام بے سود ہو جائے گا۔ حالانکہ ایسا ہو نہیں سکتا اور یہی تو موقع تعاویذ کا تھا۔ آپ فرما دیتے کہ بوقت ضرورت شرکیہ کلمات کے ساتھ دم کر لیا کرو۔

شیخ محمد بن عبد الوہاب کتاب التوحید میں باب النشرۃ ذکر کر کے ایک حدیث حضرت جابرؓ سے ذکر فرماتے ہیں۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سئل عن النشرۃ فقال ھی من عمل الشیطان (رواہ احمد بسند جید وابو داؤد) اس مختصر کے بعد معلوم کرنا چاہیئے کہ شرکیہ کلمات کے ساتھ شفا ہرگز نہیں اس لئے کہ اس فعل سے اللہ رب العالمین کی عزت میں دست اندازی ہوتی ہے۔ جس کے ہاتھ میں نفع اور نقصان ہے۔ جب دست اندازی ہوئی تو شفا کہاں ہے۔ خواہ ضرورت ہو یا غیر ضرورت۔ ضرورت کے وقت اگر حرام حلال ہو جائے تو ضرورت کے وقت مزارات پر جانا۔ اور ان سے شفاء مریضاں و حل مشکلات طلب کرنا جائز ہو گا۔ اور ضرورت کے وقت جائز ہو گا کہ زنا اور لواطت کر لیا کریں۔ ضرورت کے وقت چوری راہزنی و دیگر محرمات جائز ہوں گے۔ ضرورت کے وقت جائز ہو گا کہ کسی عورت کے

کے ساتھ تعلق کرکے دعویٰ کرلیں کہ اس کے ساتھ تو میرا نکاح ہوا ہے اور گواہ جعلی پیش کردیں۔ خاوند والی عورت کو جبیت کرلے جائیں۔ جب شرک کرنا کرانا جائز اور مباح ٹھیرا تو منہیات و محرمات بطریق اولیٰ جائز ہوں گے۔ جو شخص قوت رجولیت میں کمزور ہو۔ اس پر رحم کرکے اس کی عورت کے ساتھ حرام کاری شروع کردیں تاکہ رب العالمین اس کو اولاد دیدے۔ اور دلیل یہ پیش کریں۔ "من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلیفعل"۔ بس پھر تو دنیا میں لطف آجائے۔ نعوذ باللہ من ہذا۔

معلوم ہوا کہ حدیث من استطاع منکم اپنے عموم پر ہرگز نہیں۔ اور جب عموم پر نہیں تو شرکیہ کلمات سے جھاڑ پھونک کس طرح جائز ہوگا۔ جبکہ صراحۃً ادلہ حرمت موجود ہوں۔ (اہلحدیث ۶ محرم ۱۳۵۱ھ)

دیگر: (از قلم جناب حافظ مولانا مولوی ابو عمران عنایت اللہ صاحب وزیرآبادی)

حضرت زینب (رضی اللہ عنہا) سے مروی ہے کہ میرے گلے میں ایک یہودی کا تعویذ بندھا ہوا تھا۔ جسے میرے شوہر عبداللہ بن مسعودؓ نے دیکھ کر توڑ پھینکا اور فرمایا کہ اس قسم کے بیہودہ اور شرکیہ تعویذات عبداللہ کے اہل و عیال کو ہرگز مناسب نہیں۔ میں نے عرض کیا "مجھے اس سے فائدہ معلوم ہوتا ہے"۔ فرمایا کہ یہ شیطانی عمل ہے کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تجویز کردہ تعویذ۔ اَذْھِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُکَ شِفَاءً لَّا یُغَادِرُ سَقَمًا۔ تیرے لئے مفید اور کافی نہیں (احمد ابو داؤد ابن ماجہ ابن حبان مستدرک)۔ جابرؓ اور عوف بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے جھاڑ پھونک سے بالکل ہی روک دیا تھا۔ پھر منتریوں سے اس کے الفاظ سن کر اس شرط پر اجازت دی۔ کہ اس میں شرکیہ الفاظ ہرگز نہ ہوں۔ لَا بَاْسَ بِالرُّقٰی مَا لَمْ یَکُنْ فِیْہِ شِرْکٌ۔ (ملخص اخبار توحید امرتسر ۱۴ رمضان المبارک ۱۳۴۶ھ)

سوال: کیا حقہ نوشی کرنا درست ہے۔ اگر منع ہو تو کس دلیل سے۔ تشفی بخش جواب دیں۔

جواب: ایک حدیث میں آیا ہے۔ نہیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

عن کل مسکر و مفتر ۔ یعنی نشہ آور دماغ میں فتور لانے والی چیزوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے ۔ تمباکو میں سکر نہیں مگر فتور دماغ ضرور ہے جو شخص اس کو نہ پیتا ہو وہ پہلی دفعہ کھائے پئے تو اس کے دماغ میں ضرور چکر آجاتا ہے ۔ پس اگر یہ حدیث صحیح ہے تو کچھ شک نہیں کہ تمباکو اس میں داخل ہے ۔

(۲۹؍ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ)

تشریح: (از مولانا عبد الحکیم صاحب ناظم جامع مظہر العلوم پٹنہ)

واضح باد کہ عربی میں تتن یا تنبغ اور ترکی میں جس کو آجکل عرف میں دخان یا تمباکو کہتے ہیں اس کے مسکر ہونے کی تحقیق کرنا نہایت ضروری ہے ۔ کتاب کشاف اصطلاحات الفنون کے صفحہ ۶۵۶ میں ہے ۔ اَلسُّکْرُ بالضم و سکون کاف بمعنی مستی و مست شدن و نبیذ خرما و ہر چہ مست کنندہ باشد ۔ کما فی المنتخب وقال السکر بمعنی مستی حالت تعرض الانسان من امتلاء دماغ من الابخرت المتصاعدۃ من الخمر وما یقوم مقامہا الیہ فیتعطل معہ عقلہ الممیز بین الامور الحسنۃ والقبیحۃ وقیل السُکر غفلۃ تعرض الانسان مع الطرب والنشاط وفتور الاعضاء من غیر مرض ولا علۃ مباشرۃ ما یوجبہا من الماکول والمشروب والمشموم وقیل ہو فتور تغلب علی العقل من غیر ان یزیلہ وقیل ہو معنی یزیل بہ العقل وفی کشف الکبیر قیل ہو سرور یغلب علی العقل بمباشرۃ بعض الاسباب الموجبۃ فیمنع الانسان عن العمل بموجب عقلہ من غیر ان یزیلہ ولہذا بقی السکران اھلا للخطاب ۔ انتہی ۔

وقال ابو حنیفۃ رح السکران ہو الذی لا یعقل مطلقا لا قلیلا ولا کثیرا ولا الرجل من المرأۃ وعندہما ہو الذی یہذی ویختلط جدہ بہزلہ ولا یستقر علی شیئی فی جواب وخطاب والیہ مال اکثر المشائخ کما فی الہدایۃ وفی فتاوی قاضی خان ۔ قال ابو حنیفۃ السکران من لا یعرف من السماء ۔ ولا الرجل من المرأۃ وقال صاحباہ اذا اختلف کلامہ بالہذیان فہو سکران وعلیہ الفتوی

وعند الشافعی ان یظهر اثره فی مشیه و حرکاته و اطرافه وهذه خلاصة ما فی الشرح وقابہ۔ شرع کے مسائل اکثر کلیہ ہیں۔ جزئیہ بہت ہی کم ہیں۔ ازاں جملہ یہ بھی ہے کہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی مِنْ اَکْلِ کُلِّ ذِیْنَابٍ مِّنَ السِّبَاعِ (الحدیث) سواء کان برّیا او بحریا لیس فی الشرع لتسمیۃ لکل ذیناب چنانچہ گیدڑ، چیتا، بھیڑیا، گھڑیال، تمساح، اس میں داخل ہیں۔ ایضاً۔

نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ اَکْلِ ذِیْ مِخْلَبٍ مِّنَ الطَّیْرِ (الحدیث) باز، اوسکا، کوڑیال، پوکھا اس میں داخل ہیں۔ ایضاً۔ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ حَشَرَاتِ الْاَرْضِ۔ (الحدیث) چنانچہ چھچھوندر، چھپکلی، گرگٹ، تنفذ، یربوع اس میں داخل ہیں۔

ھٰکذا من کلیات الشریعۃ المطھرۃ۔ کُلُّ مُسْکِرٍ حَرَامٌ وَّمَا اَسْکَرَ کثیرہٗ فقلیلہ حَرَامٌ۔ بخاری شریف میں ہے کہ۔ خَطَبَ عُمَرُ رضی علی منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال نزل تحریم الخمر وھی من خمسۃ اشیاء العنب والتمر والحنطۃ والشعیر والعسل۔ الخمر ما خامر العقل قال الخطابی انما عد عمر الخمسۃ المذکورۃ لاشتھار اسمائھا فی زمانہ ایضاً۔ بعض احادیث میں رز اور ذرہ کا بھی ذکر آیا ہے فیہ دلالۃ علی انہ کل ما خامر العقل فھو خمر سواء کان من المشروبات او الماکولات او المشمومات فی ای زمن ومن ای شیئ۔ سبل السلام ص۱۷ ج۲ میں ہے ویحرم ما اسکر من ای شیئ وان لم یکن مشروبا کالحشیشۃ وفی عون المعبود ص۳۷ ج۳ قال فی السبل قال المصنف ای الحافظ ابن حجر من قال انھا ای الحشیشۃ لا تسکر وانما تخدر فھی مکابرۃ فانھا تحدث ما یحدث الخمر من الطرب والنشاط قال اذا سلم عدم الاسکار فھی مفتر وقد اخرج ابوداؤد انہ، قال نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ کُلِّ مُسْکِرٍ وَّمُفَتِّرٍ۔ وقال علی العراقی

وابن تیمیۃ الاجماع علی تحریم الحشیشۃ اول ما ظھرت فی آخر المائۃ السادسۃ من الھجرۃ حین دولۃ التتار وھی من اعظم المنکرات وھی شر من الخمر من بعض الوجوہ لانھا تورث نشاط و لذۃ وطرباً کالخمر وتصعب الطعام علیھا اعظم من الخمر وانما لم یتکلم فیھا الائمۃ الاربعۃ لانھا لم تکن فی زمانھم۔

ایضاً فی صـ۲۷ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کُلُّ مُسْکِرٍ حَرَامٌ۔ وقال صلی اللہ علیہ وسلم مَا اَسْکَرَ کَثِیْرُہٗ فَقَلِیْلُہٗ حَرَامٌ۔ ولم یفرق صلی اللہ علیہ وسلم بین نوع ونوع لکونہ ماکولا او مشروباً علی ان الخمر قد تؤکل بالخبز والحشیشۃ تذاب وتشرب۔ انتھی

تاڑی، بھنگ، افیون وتمباک مسکر ومفتر کے اندر داخل ہیں۔ کیونکہ اصول کا مسئلہ ہے" ان الحکم یدور مع العلۃ والعلۃ فی تحریم الخمر الاسکار فمھما وجد الاسکار وجد التحریم"

وفی البخاری " لَیَکُوْنَنَّ مِنْ اُمَّتِیْ اَقْوَامٌ یَسْتَحِلُّوْنَ الْخَزَّ وَالْخَمْرَ وَالْمَعَازِفَ (الحدیث) وفی فتح الباری پ۲۳ فی ھذا الحدیث وعید شدید علی من یتحیل فی تحلیل ما یحرم بتغیر اسمہ وان الحکم یدور مع العلۃ والعلۃ فی تحریم الخمر الاسکار فمھما وجد الاسکار وجد التحریم و لو لم یستمر الاسم۔

ایضاً باب الخمر من العسل" کے تحت فتح الباری میں ہے" وکان البخاری اراد بذکر ھذا الاثر فی الترجمۃ ان المراد بتحریم ما اسکر کثیرہ ان یکون الکثیر فی تلک الحالۃ مسکراً فلو کان الکثیر فی تلک الحالۃ لا یسکر لم یحرم قلیلہ وکثیرہ کما لو عصر العنب وشربہ فی الحال۔

ایضاً ایک حدیث یہ بھی ہے کُلُّ مُسْکِرٍ حَرَامٌ وَمَا اَسْکَرَ الْفَرَقُ مِنْہُ فَمِلْءُ الْکَفِّ مِنْہُ حَرَامٌ۔

تجربہ: عوام وخواص اطباء سے یہ مسئلہ حل ہو ا ہے کہ فرق یعنی قریباً اڑھائی سیر چھوڑ کر بجائے اس کے چھٹانگ بھر زردہ یا کچی پتی کھائی جائے تو عقل وحواس بجا رہتے ہیں

عیاں راچہ بیاں۔ اگر کسی کو اس میں کچھ شک ہو تو تجربہ کر کے دیکھ لے۔ لاحکیم الا ذو تجربة۔

شارع علیہ السلام کا کلام " ما اسکر کثیرہ ہے ما اضر کثیرہ نہیں ہے ورنہ دنیا بھر کی حلال غذا بھی حرام ہو جاتی۔ جملہ " وما اسکر کثیرہ " عام ہے اس میں مشروبات، ماکولات ومشمومات کی تخصیص وقید نہیں۔ حدیثوں میں شراب کا لفظ بتقیید اتفاقی ہے۔ قید احترازی نہیں۔ فتح الباری میں ہے کذا قیدہ بالشرب وھو متفق علیہ ولا یرد علیہ ان غیر الشراب ما یسکر۔ جیسے وھی من خمسة اشیاء الخ اس زمانہ کے لحاظ سے قید اتفاقی ہے۔ آجکل چاول اور بھات کو بھی سڑ کر نستہ آور چیز تیار کی جاتی ہے۔

یہ بھی واضح ہو کہ بعض کتب اور شروحات کے اندر حشیشہ کو کسی نام کے ساتھ متعین کیا ہے۔ ہمارے ناقص خیال میں یہ حکم ہے۔ اصل میں اسکار وافتار علت ہے۔ جس زمانہ میں جس قسم کی اشیاء میں وہ علت پائی جائے۔ تو وہ شے محرمات میں سے شمار ہوگی۔ الحاصل انصاف کی عینک لگا کر ادلہ مذکورہ کو ملاحظہ کرنے سے کما حقہ معلوم ہو جائے گا کہ حقہ یا تمباک خواہ زردہ ہو کچی پتی ہو۔ یا خمیرہ ہو یا بیڑی، سگرٹ سب مسکرات ومفترات میں داخل ہیں کسی نے خوب کہا ہے

تماکو نوش را سینہ سیاہ است اگر باور نداری سنے گواہ است

قال ابن ارسلان فی شرح السنن اجمع المسلمون علی وجوب الحد علی شاربھا سواء کان شرب قلیلا اوکثیرۃ ولو قطرۃ واحدۃ (نیل الاوطار) مسکر اور مفتر میں ویسا ہی فرق ہے جیسا کہ " نوم ونعاس " میں (عون المعبود)

ہر چند کہ مسئلہ ہذا میں علماء کرام مختلف الآراء ہیں۔ مگر

ہوتے ہوئے مصطفےٰ کی گفتار مت دیکھ کسی کا قول نہ کردار

انشاء اللہ تعالیٰ ہذہ کفایة لمن لہ ہدایة ولیس لہ غوایة۔ واللہ ولی التوفیق۔
(اہلحدیث دہلی۔ ۱۵ اگست ۱۹۵۰ء)

نوٹ: شراب کے بعد بنی نوع انسان کو جس چیز نے تباہ وبرباد کیا ہے وہ تمباکو ہے۔ ڈاکٹروں کا متفقہ فیصلہ ہے۔ کہ یہ گھریلو زہر ہے" امید ہے کہ تمباکو نوشی

حضرات اس مضمون سے کچھ سبق حاصل کریں گے۔ محمد عمر خوشنویس"

نوٹ: تمباکو کو مباح کہنے والے حضرات کو جواب دیتے ہوئے حضرت مولانا عبید الرحمن صاحب بارکپوری نے اس کا استعمال غیر مباح قرار دیا ہے۔ (دیکھو تحفۃ الاحوذی جلد ۳ صفحہ ...)

سوال: سرگین جو اپلے تھاپ کر سکھاتے ہیں اور اس سے کھانا پکاتے ہیں تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: سرگین پر پکائی ہوئی چیز کی حرمت کی کوئی دلیل نہیں لہٰذا دروئی ما ترکتکم (۲۳ رجنوری ۱۹۳۱ء)

سوال: ہم نے ایک گیابھن بکری کاٹی جس کے بطن میں بچہ زندہ تھا۔ مگر ذبح کرنے کے بعد جب دیکھا تو بچہ مرا ہوا نکلا۔ اب یہ بچہ حلال ہو گا یا حرام۔

جواب: ماں کا ذبح بچے کا بھی ذبح ہوتا ہے۔ (۲۳ رجنوری ۱۹۳۱ء)

سوال: کیا عورتوں کو خوشبو لگانی چاہیے؟

جواب: حدیث شریف میں آیا ہے۔ عورتوں کی مشک میں رنگ ہو اور مردوں کی مشک میں خوشبو (ایضاً)

سوال: عبد العلی یا علی بخش نام رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: علی اسماء الٰہیہ میں سے ہے۔ اس لحاظ سے عبد العلی وغیرہ جائز ہے۔ مگر ایک بزرگ کا نام بھی ہے۔ اس لئے اشتباہ کی وجہ سے قابل ترک ہے جیسا فرمایا۔ لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا - (۴ دسمبر ۱۹۳۱ء)

سوال: ڈاکخانہ میں روپیہ جمع کرنے اور بنک کے سود کو لے کر اپنے مصرف میں لانا درست ہے یا نہیں۔ اور اس سے انکم ٹیکس دے سکتا ہے یا نہیں۔

جواب: ڈاکخانہ اور سرکاری بنک کا انٹرسٹ انکم ٹیکس دے سکتا ہے۔ (۴ دسمبر ۱۹۳۱ء)

سوال: ڈاکخانہ کے کیش سرٹیفکیٹ کا سود دیا گیا۔ اسے کس طرح خرچ کریں۔

جواب: جن کے نزدیک ڈاکخانہ کا منافع جائز ہو وہ اسے کھانا جائز جانتے ہیں۔ مفتی دیوبند اور جمعیۃ العلماء جائز کہتے ہیں۔ جن کے نزدیک حرام ہے۔ وہ اس کا کھانا بھی جائز نہیں جانتے۔ اللہ اعلم (۹ رجون ۱۹۳۶ء)

تشریح: ڈاکخانہ اور سرکاری بنک میں روپیہ جمع کرنا اور اس کا سود لینا جائز نہیں

اس لئے کہ وہ لوگ اس روپیہ کو سود پر چلاتے ہیں جو قطعی حرام ہے۔ اور فرمان باری تعالیٰ ہے لا تعاونوا علی الاثم والعدوان ۵ الآیۃ اور اعانت علی الاثم ہے لہذا جائز نہیں۔ دوم۔ بالفرض اگر وہ سود کا معاملہ و کاروبار نہ بھی کریں۔ تو بھی ان کا سود دینا اور جمع کرنے والے کا لینا دونوں حرام ہیں۔ (ابو سعید شرف الدین دہلوی)

تطبیق: بعض نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ مگر سود بہر حال سود ہی ہے۔ جس کا کھانا ہر حال میں حرام ہے۔ جو جواز کا فتویٰ دیتے ہیں وہ بھی یہ کہتے ہیں کہ خود استعمال نہ کرے۔ بلکہ نو مسلمین کے تالیف قلوب پر یا کسی سودی قرضخواہ کے سود پر صرف کرے

(اہلحدیث سوہدرہ۔ ۲۴ ستمبر ۱۹۵۲ء)

سوال: شیر کی چربی کسی عضو پر لگانے سے بغیر دھوئے نماز جائز ہے یا نہیں۔

جواب: شیر کی چربی کی ناپاکی کا ثبوت شرع میں مجھے نہیں ملا (۴ دسمبر ۱۹۳۱ء)

سوال: کسی نے ناجائز کام کیا۔ یعنی چوری کی پھر خدا کی قسم کھائی۔ کہ دوبارہ نہیں کروں گا۔ مگر پھر چوری کی اس کی کیا سزا ہے۔

جواب: چوری کی سزا تو ہمارے بس میں نہیں (شرعاً بارہ آنہ سے زیادہ چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹنا چاہئے مگر یہ کام اسلامی اسٹیٹ کا ہے جو کہ مفقود ہے) قسم کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔ اگر اتنا غریب ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا نہیں کھلا سکتا تو تین روزے رکھ لے۔ اللہ اعلم (۲۸ اگست ۱۹۳۱ء)

سوال: عورتوں کو پردہ کہاں تک کرنا چاہیئے۔

جواب: عورتوں کو پردہ اتنا ہی کرنا چاہیئے جو قرآن مجید میں حکم ہے وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ۔ خمار سر کی اوڑھنی کو کہتے ہیں اس کی بابت ارشاد ہے کہ عورتیں اپنی اوڑھنی غیر مردوں کے سامنے منہ پر ڈال لیا کریں۔

(اہلحدیث ۲۳ جنوری ۱۹۲۱ء)

تشریح: (از حضرت العلام مولانا عبد السلام صاحب بستوی)

زینت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک فطری یعنی پیدائشی۔ جیسے چہرہ وغیرہ۔ کیونکہ یہی اصل زینت و مجمع النور و الحسن ہے۔ اس میں مقناطیسی جاذبیت مضمر ہے۔ دوسرے تصنعی یعنی بناوٹی زینت جیسے اچھے کپڑے پہننا۔ سرمہ مسی، مہندی لگانا اور

زلفوں کو سنوارنا۔ ان دونوں میں سے اس جگہ پہلی زینت مراد ہے۔ تو لا یبدین زینتھن کے یہ معنی ہوں گے۔ وہ عورتیں اپنی زینتوں (چہروں) کو ظاہر نہ کریں۔ یعنی ان مخصوص لوگوں کے علاوہ جن کا استثناء اسی آیت میں بیان کر دیا گیا ہے۔ دیگر اجنبی مردوں کے سامنے اپنے چہرے ظاہر نہ کریں۔ یعنی نہ کھولیں۔

یہی مطلب سورہ احزاب والی آیت سے سمجھا جاتا ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ۔ (احزاب)

اے ہمارے نبیؐ آپ اپنی بیویوں اور صاحبزادیوں اور تمام مسلمانوں کی عورتوں سے یہ فرما دیجئے کہ وہ اپنے چہروں پر اپنی چادروں کے گھونگٹ کر لیا کریں۔ جس سے پہچان لی جائیں اور انہیں ستایا نہ جائے۔

یہ آیت کریمہ چہرہ چھپانے کو نہایت واضح طریق سے ثابت کر رہی ہے۔ جلابیب۔ چادروں اور ادناء لٹکانے کو کہتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ عورتیں اپنی چادروں کو اپنے اوپر لٹکا لیا کریں۔ جس سے چہرہ چھپ جائے گا خواہ گھونگٹ سے چھپے یا نقاب و برقع سے ڈھکے یا کسی اور طریق سے۔ چہرے کو چھپانا مقصود ہے۔ وہ اس طرح سے حاصل ہو جائے گا۔ مشہور مفسر علامہ ابن جریر اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

يا أيها النبي قل لأزواجك وبناتك ونساء المؤمنين لا تشتبهن بالإماء في لباسهن إذا خرجن من بيوتهن لحاجتهن فكشفن شعورهن ووجوههن ولكن ليدنين عليهن من جلابيبهن لئلا يعرضن فاسق إذا علم أنهن حرائر بأذى من قول (تفسیر ابن جریر صفحہ ۲۹۔ جلد ۲۲)

ترجمہ:۔ اے ہمارے نبیؐ آپ اپنی بیویوں اور صاحبزادیوں اور تمام مسلمانوں کی عورتوں سے فرما دیجئے کہ جب وہ کسی ضرورت کے لئے اپنے گھروں سے باہر نکلیں۔ تو لونڈیوں کے لباس کی طرح لباس نہ پہنیں کہ جس سے سر اور چہرے کھلے ہوئے ہوں بلکہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں۔ تاکہ کوئی اوباش ان کو

چھیڑتے نہیں۔ سب کو معلوم ہو جائے کہ یہ شریف خاتون ہیں۔

امام رازی رح اس آیت کی تفسیر میں یوں فرماتے ہیں۔

وَمَا كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ تَخْرُجُ الْحُرَّةُ وَالْأَمَةُ مَكْشُوفَاتٍ يَتَّبِعُهُنَّ الزُّنَاةُ وَتَقَعُ التُّهَمُ فَأَمَرَ اللّٰهُ الْحَرَائِرَ بِالتَّجَلْبُبِ وَقَوْلُهُ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ قِيلَ يُعْرَفْنَ أَنَّهُنَّ حَرَائِرُ فَلَا يُتَّبَعْنَ وَيُمْكِنُ أَنْ يُقَالَ الْمُرَادُ يُعْرَفْنَ أَنَّهُنَّ لَا يَزْنِينَ لِأَنَّ مَنْ تَسْتُرُ وَجْهَهَا مَعَ أَنَّهُ لَيْسَ بِعَوْرَةٍ لَا يُطْمَعُ فِيهَا أَنَّهَا تَكْشِفُ عَوْرَتَهَا فَيُعْرَفْنَ أَنَّهُنَّ مَسْتُورَاتٌ لَا يُمْكِنُ طَلَبُ الزِّنَاءِ مِنْهُنَّ۔

ترجمہ:۔ جاہلیت کے زمانہ میں شریف عورتیں اور باندیاں سب منہ کھول کر پھرتی تھیں بدکار لوگ ان کا تعاقب کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے شریف عورتوں کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنے اوپر چادریں ڈالیں اور یہ جو فرمایا کہ ذٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ۔ اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس لباس سے پہچان لیا جائے گا کہ وہ شریف عورتیں ہیں۔ اس لئے ان کا پیچھا نہ کیا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ اس سے معلوم ہو جائے گا کہ وہ بدکار نہیں ہیں۔ کیونکہ جو عورت اپنا چہرہ چھپائے گی۔ حالانکہ چہرہ ایسا عضو نہیں ہے جس کا چھپانا (ہر وقت) فرض ہو تو کوئی اس سے یہ امید نہ رکھے گا کہ وہ شرمگاہ کھولنے پر آمادہ ہو گی۔ (تفسیر کبیر جلد ۶ ص ۷۹۹)

حضرت محمد بن سیرین رح عبیدہ بن سفیان سے دریافت کیا گیا کہ اس حکم پر عمل کرنے کا کیا طریقہ ہے۔ تو انہوں نے خود چادر اوڑھ کر بتایا اور اپنی پیشانی اور ناک اور ایک آنکھ چھپالی۔ صرف ایک آنکھ کھلی رکھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

أَمَرَ اللّٰهُ نِسَاءَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا خَرَجْنَ مِنْ بُيُوتِهِنَّ فِي حَاجَةٍ أَنْ يُغَطِّينَ وُجُوهَهُنَّ مِنْ فَوْقِ رُؤُوسِهِنَّ بِالْجَلَابِيبِ وَيُبْدِينَ عَيْنًا وَاحِدًا۔ (تفسیر ابن جریر ۲۲ ص ۳۲)

اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورتوں کو حکم دیا ہے کہ جب وہ کسی ضرورت سے باہر نکلیں تو سر کے اوپر سے اپنی چادروں کے دامن لٹکا کر اپنے چہروں کو ڈھانک لیا کریں۔ اور

ایک آنکھ کھلی رکھیں۔

ان تمام تفسیروں سے یہ بات بخوبی معلوم ہو گئی کہ عورتیں اپنے چہروں کو اجنبی لوگوں سے ضرور چھپائیں۔ جیسا کہ اس آیت سے سمجھا جاتا ہے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے مبارک زمانہ سے اب تک اس آیت کا یہی مطلب سمجھا گیا۔ جو ہم نے اوپر لکھا ہے۔ آپ اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو دیکھئے ان سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آیت کے اترنے کے بعد صحابہ کرامؓ کی مستورات نقاب اوڑھ کر چہرہ چھپایا کرتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کی حالت میں عورتوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنے چہروں کو کھلا رکھیں۔ اَلْمُحْرِمَۃُ لَا تَنْتَقِبُ وَلَا تَلْبَسُ الْقُفَازَیْنِ۔ (ابوداؤد موطا)

محرمہ عورت احرام کی حالت میں نہ چہرہ پر نقاب ڈالے اور نہ ہاتھوں میں دستانے پہنے۔ دارقطنی میں ہے۔ کہ عورت کا احرام اس کے چہرہ میں ہے اور مرد کا احرام اس کے سر میں ہے۔ یعنی احرام کی حالت میں عورت کا چہرہ کھلا رہنا چاہیے۔ اور مرد کو سر کھلا رکھنا چاہیئے۔ عورت کی بے نقابی مخصوص با احرام ہونے سے صاف ظاہر ہے کہ وہ غیر احرام کی حالت میں محل نقاب ضرور ہے۔ ورنہ تخصیص شرعی کا ابطال لازم آئے گا جو کسی حالت میں درست نہیں ہے۔

چہرہ کا پردہ تمام امتوں میں تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جن دو عورتوں کی بکریوں کو پانی پلایا تھا۔ ان میں سے ایک نے واپس آکر آپ کی خدمت اقدس میں عرض کیا۔ کہ میرے والد صاحب آپ کو بلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس واقعہ کو یوں بیان فرماتا ہے:۔

فَجَاءَتْهُ إِحْدَاهُمَا تَمْشِي عَلَى اسْتِحْيَاءٍ قَالَتْ إِنَّ أَبِي يَدْعُوكَ ۔

ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک شرماتی ہوئی آکر کہنے لگی کہ میرے والد صاحب آپ کو بلاتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عَلَى اسْتِحْيَاءٍ کی تفسیر فرماتے ہیں کہ وَضَعَتْ ثَوْبَهَا عَلَى وَجْهِهَا قَالَتْ إِنَّ أَبِي يَدْعُوكَ (ابن ابی شیبہ ابن کثیر وقال اسناد صحیح) وہ لڑکی اپنے چہرہ پر کپڑا رکھ کر گھونگھٹ کی شکل میں چہرہ کو چھپا کر

عرض کرنے لگی۔ کہ میرے والد صاحب آپ کو بلاتے ہیں۔
صاحب اکلیل اور کمالین اسی آیت کے تحت میں فرماتے ہیں۔ فیہ مشروعیۃ ستر الوجہ للحرۃ۔ اس آیت کی رو سے شریف عورت چہرہ چھپانے کی شرعاً مامور ہے۔ اگر چہرہ کھلا رہے تو پردہ کس چیز کا۔ علاوہ چہرہ کے پردہ دنیا کی ہر ایک قوم کرتی ہے۔ پھر اسلام نے پردہ میں کیا جدت کی۔ فَلَا یُؤْذَیْنَ سے وہی اعضا مراد ہے جو ایک غیرت مند انسان کی بیوی، بہن، ماں، بیٹی کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھے جانے سے اس ایذا تکلیف پہنچتی ہے (ملخص از اسلامی پردہ صہ۲۹ تا صہ۳۴ مزید تفصیلات کے لئے جناب عزیز زبیدی صاحب کا مقالہ (چہرہ ہی تو سب کچھ ہے۔) الاعتصام گوجرانوالہ۔ مجریہ ۳۰ رجولائی ۱۹۵۳ء صہ ۳ ملاحظہ فرمایئے۔

سوال: اپنے مسلمان بھائی کی غیبت کرنی منع ہے یا غیر مسلم کی بھی۔ الخ
جواب: غیبت ایک اخلاقی جرم ہے۔ کیونکہ یہ ایک کمینہ حرکت ہے۔ اس کا فاعل بزدل ہے۔ کہ سامنے اظہار نہیں کرتا اور پیچھے عیب جوئی کرتا ہے۔ اس شرح میں اس کی حرمت عام مومن و کافر کو شامل ہے۔ اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَکَرِهْتُمُوْهُ۔ اسی عام اصول کی طرف رہنما ہے۔ مگر بعض افعال پر عامۃ الناس کو متنبہ کرنا ہوتا ہے۔ یا بعض دفعہ کسی شرعی غرض سے کسی شخص کی نسبت صحیح رائے قائم کرنی مقصود ہوتی ہے۔ جیسے محدثین کو راویوں کی عیب جوئی اور اظہار میں حدیثوں کی تنقید مطلوب تھی پہلی صورت کو قرآن کی آیت نے مستثنیٰ کر دیا۔ لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ مظلوم کو ظالم کے حق میں اظہار ظلم کی اجازت دینی بھی اسی غرض سے ہے۔ کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے۔ کہ فلاں فلاں شخص ظالم ہیں۔ تاکہ اس کے دھوکہ سے بچیں۔ قانون مروجہ کی دفعہ ۵۰۰ تعزیرات ہند جو کسی شخص کی ہتک عزت کے واسطے ہے۔ اس میں چند مستثنیات ہیں۔ جن پر فاعل پر جرم ثابت نہیں ہوتا۔ بعینہ وہی صورت منیب ہے۔ امام نوویؒ کا قول (کہ اس کا کچھ مواخذہ نہ ہوگا) حدیث کے مخالف نہیں۔ انما الاعمال بالنیات
(۲۳ ربیع الثانی ۱۳۳۸ھ)

سوال: لوگ ہمیشہ قرآن اٹھاکر قسم کھاتے ہیں۔ توکیا قرآن شریف اٹھاکر قسم کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: قسم کا جو طریقہ حدیثوں میں آیا ہے۔ اس میں یہ ذکر نہیں ملتا۔ بلکہ صرف اللہ کے نام سے قسم ہوتی تھی۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ من کان حالفا فلیحلف باللہ اولیصمت۔ جس کو قسم کی ضرورت ہو وہ اللہ کے نام کی قسم کھائے یا چپ رہے۔ (اہلحدیث ۲۰ ربیع الثانی ۳۹ھ)

سوال: آج کل حجامت میں کوئی پیشانی کے بال بنواتا ہے۔ کوئی صرف پیشانی کے رکھواتا ہے۔ کوئی پان بنواتا ہے۔ کوئی صرف قلمیں بنواتا ہے۔ کوئی انگریزی فیشن کو پسند کرتا ہے؟

جواب: حدیث شریف میں آیا ہے۔ سر کے بال سارے منڈواؤ یا سارے رکھو۔ اس لیے صورت مرقومہ میں سر کے بالوں کو کم و بیش کرنا منع ہے۔ البتہ داڑھی کے خط کے برابر کرکے چہرہ اور پیشانی کی صفائی کرنے سے منع کی کوئی روایت مجھے یاد نہیں۔ بہرحال شرعی احکام کی پابندی ضروری ہے۔ اسی طرح حجامت وغیرہ میں بھی۔ (۱۸/۲۵ رمضان ۳۱ھ)

سوال: غلہ کو مہنگائی کے لیے روک کر رکھ دینا کیسا ہے؟

جواب: غلہ کو اس طرح روکنا کہ لوگوں کو قحط کی تکلیف محسوس ہونے لگے۔ حدیثوں میں منع ہے۔ ہاں موسمی کمی سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ اللہ اعلم۔ (۲۸ ربیع الثانی ۳۱ھ)

سوال: داڑھی مسلمان کو کس قدر لمبی رکھنے کا حکم ہے؟

جواب: حدیث میں آیا ہے۔ داڑھی کو بڑھاؤ جس قدر خود بڑھے۔ ہاتھ کے ایک قبضے کے برابر رکھ کر زائد کٹوا دینا جائز ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک قدرتی گول تھی تاہم اطراف و جوانب طول و عرض سے کسی قدر کانٹ چھانٹ کر دیتے تھے۔ (۲/ ذی قعدہ ۳۱ھ)

تشریح: (از حضرت العلام مولانا عبدالوہاب صاحب آروی)
واضح ہو کہ اس میں تو شک نہیں ہے کہ داڑھی کا بڑھانا اور مونچھوں کا کٹوانا حضرات انبیاء علیہم السلام کی سنت قدیمہ سے ہے اور اس کی بڑی فضیلت

آئی ہے۔ صحیحین میں روایت ہے۔ عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خالفوا المشرکین اوفروا اللحی واحفوا الشوارب۔
ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مشرکوں کا خلاف کرو۔ داڑھی کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو خوب کٹواؤ۔
اور بخاری شریف کی دوسری روایت میں ہے۔ عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھکوا الشوارب واعفوا اللحی اور ترمذی شریف کی روایت میں ہے۔ عن عائشۃ قال عشر من الفطرۃ قص الشارب و اعفاء اللحیۃ والسواک والاستنشاق وقص الاظفار وغسل البراجم ونتف الابط وحلق العانۃ وانتقاص الماء قال زکریا قال مصعب ونسیت العاشرۃ الا ان تکون المضمضۃ (ترمذی جلد ثانی ص۱۰۱) ترجمہ: عائشہؓ سے روایت ہے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فطرۃ (انبیاء علیہم السلام کی سنت) سے دس چیزیں ہیں۔ مونچھ کٹوانا۔ داڑھی کا بڑھانا۔ مسواک کرنا۔ ناک میں پانی لینا۔ ناخنوں کو تراشنا۔ انگلیوں کی گرہوں کو دھونا۔ بغل سے بال اکھاڑنا۔ زیر ناف کے بال مونڈھنا۔ پانی سے استنجا کرنا۔ راوی حدیث مصعبؒ کہتے ہیں کہ دسویں چیز کو میں بھول گیا۔ غالباً وہ کلی کرنا ہے۔ ان چند سطروں کی تحریر سے اس بات کی بخوبی وضاحت استدلالی صورت میں ہوگئی کہ داڑھی کا بڑھانا۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے۔ جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو مخاطب فرما کر وجوبی صورت[1] میں ترغیب دی۔ اور اس کے لئے آپ نے کوئی حد اور وقت بھی معین نہیں فرمایا۔ لیکن جابرؓ سے روایت ہے۔ ملاحظہ ہو۔ واخرج ابوداؤد من حدیث جابرؓ حسن قال کنا نعفی السبال الا فی حجۃ او عمرۃ (ترجمہ) حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ (صحابہ کرام) داڑھی کے بالوں کو چھوڑ دیا کرتے تھے مگر حج یا عمرہ میں کٹوایا کرتے تھے) اور شرح نخبہ میں شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانیؒ تحریر فرماتے ہیں۔ ومثال المرفوع من الفعل حکما ان یفعل الصحابی مالا مجال فیہ

---

[1] کیونکہ صیغہ امر سے مخاطب فرمایا اور امر وجوب کے لئے آتا ہے۔ جیسا کہ اصول سے ثابت ہے۔

للاجتہاد فینزل علی ان ذالک عندہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کما قال الشافعی فی صلوۃ علیؓ کرم اللہ وجہہ فی الکسوف فی کل رکعۃ اکثر من رکوعین انتہی وقال السیوطی من المرفوع ایضا ما جاء عن الصحابی ومثلہ لایقال من قبل الرای ولامجال للاجتہاد فیہ فیحمل علی السماع جزم بہ الرازی فی المحصول وغیر واحد من ائمۃ الحدیث وترجم علی ذلک الحاکم فی کتابہ معرفۃ الاسانید التی لایذکر مسندھا (تدریب الراوی ص۶۳) دونوں عبارتوں کا خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ جب کسی صحابی سے کوئی ایسا امر ثابت ہو جس کی بنا عموماً صرف عقل ہی پر نہ ہوا کرتی ہو اور نہ اس میں اجتہاد کو دخل ہے اور اس صحابی کی عادت اسرائیلیات روایت کرنے کی بھی نہیں ہے تو وہ امر حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے اور مؤطا امام مالکؒ میں ہے مالک عن نافع ان عبد اللہ ابن عمر کان اذا افطر من رمضان وھو یرید الحج لم یاخذ من راسہ ولا من لحیتہ شیئا حتی یحج (ترجمہ عبداللہ ابن عمرؓ جب رمضان سے فارغ ہوتے اور ان کا حج کا ارادہ ہو تو اپنا سر اور داڑھی نہ کٹواتے یہاں تک کہ حج کرتے اور دوسری روایت میں ہے ان عبداللہ بن عمرؓ کان اذا حلق فی حجۃ او عمرۃ اخذ من لحیتہ وشاربہ (ترجمہ) عبداللہ ابن عمرؓ جب حج یا عمرہ میں سر منڈاتے تو اپنی داڑھی اور مونچھوں سے بھی کم کراتے اور یہ اثر تعلیقاً بخاری شریف میں ان لفظوں میں مروی ہے وکان ابن عمر اذا حج او اعتمر قبض علی لحیتہ فما فضل اخذہ (ترجمہ) عبداللہ بن عمرؓ جب حج یا عمرہ کرتے تو اپنی داڑھی کو مٹھی سے پکڑتے اور جو مٹھی سے زیادہ ہوتی اُسے کٹوا دیتے اور اسی طرح ابوہریرہؓ سے بھی ثابت ہے (حوالہ عنقریب آئے گا)

یہ دونوں جلیل القدر صحابی داڑھی کو کٹوایا کرتے تھے اور داڑھی بڑھانے کی حدیث بھی ان دونوں حضرات سے منقول ہے۔ عبداللہ ابن عمرؓ سے جو حدیث بخاری شریف میں مروی ہے وہ تو اوپر تحریر ہو چکی ہے۔ اور ابوہریرہؓ سے مسلم شریف میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مونچھوں کو

خوب کتروایا کرو اور داڑھی کو بڑھاؤ۔ بہر حال ان حضرات کے فعل اور روایت میں تعارض واقع ہو رہا ہے۔ اور یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ ان حضرات نے دیدہ دانستہ حدیث کے خلاف کیا نعوذ باللہ اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کو حدیث رسول اللہ نہیں پہنچی تھی۔ (کیونکہ وہ تو خود ہی روایت کرتے ہیں) اس صورت میں سوائے اس کے کہ ان کے فعل اور روایت میں تطبیق دی جائے۔ اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ نے جو تطبیق دی ہے اس کو اس جگہ نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔" ابوداؤد والنسائی من طریق مروان بن سالم رأیت ابن عمر یقبض علی لحیتہ لیقطع ما زاد علی الکف وفی البخاری کان ابن عمر اذا حج او اعتمر قبض علی لحیتہ فما فضل اخذہ واخرجہ ابن ابی شیبۃ وابن سعد ومحمد بن الحسن وروی ابن ابی شیبۃ عن ابی ہریرۃ نحوہ وھذا من فعل ھذین الصحابیین یعارضہ حدیث ابی ہریرۃ مرفوعاً احفوا الشوارب واعفوا اللحی خرجہ مسلم وفی الصحیحین عن ابن عمر مرفوعاً احفوا الشوارب واعفوا اللحی ویمکن الجمع بحمل النھی علی الاستیصال او ما قاربہ بخلاف المذکور ولاسیما ان الذی فعل ذلک ھو الذی رواہ تخریج ص۱۲۶۔ خلاصہ مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ ان دونوں جلیل القدر صحابیوں کے فعل اور روایت میں یوں تطبیق ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں جو داڑھی کٹوانے کی ممانعت ہے تو وہ جڑ سے کٹوانے کی ممانعت ہے (جیسا کہ آجکل عام رواج ہو رہا ہے) اور مطلقاً کٹوانے کی ممانعت نہیں ہے جیسا کہ راویان حدیث سے ثابت ہے اور فتح الباری شرح بخاری میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ایک شخص کی داڑھی کم کرائی تھی۔ (پارہ ۲۴)

تنبیہ:۔ اس مسئلہ میں حضرات محدثین کرام میں اختلاف ہے۔ فریق اول کے نزدیک کسی حالت میں کٹوانا جائز نہیں ہے اور اس کے بہت تھوڑے لوگ قائل ہیں۔ انہیں میں سے امام غزالیؒ ہیں اور امام نوویؒ کا رجحان بھی یہی ہے۔

فریق ثانی کے نزدیک حج یا عمرہ کے زمانہ میں کٹوانا مستحب ہے۔ اس کے قائل امام شافعیؒ وغیرہ ہیں۔
فریق ثالث۔ جب کبھی داڑھی کے بال بکھر جاویں اور داڑھی ایک مٹھی سے بڑی ہو اس وقت داڑھی کو مٹھی سے پکڑ کر زیادہ کو کٹوانا جائز ہے۔ اسی کے قائل حسن بصریؒ عطاءؒ قاضی عیاضؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانی کا رجحان بھی اسی طرف ہے اور یہی مذہب اکثر علماء کا ہے۔ بموجب تحریر استاد الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کے چنانچہ شاہ صاحب ممدوح شرح مؤطا کے حاشیہ میں عبداللہ بن عمرؓ کے اثر مذکور کے تحت فرماتے ہیں۔ وعلیہ اھل العلم الخ (اہلحدیث امرتسر ۷ جنوری ۱۹۲۱ء)

داڑھی کے بڑھانے اور کٹانے کی بحث: حضرت الامام مولانا عبدالجبار صاحب غزنویؒ کا فتویٰ مولانا محمد علی صاحب لکھنوی مدنی کا ایک علمی مضمون جو داڑھی کے بڑھانے اور کٹانے کے مسئلہ کے متعلق "الاعتصام" کی کسی گزشتہ اشاعت میں شائع ہوا تھا۔ اس پر مولوی عبدالقادر صاحب حصاروی نے تعاقب کیا جس کے بعض الفاظ فی الحقیقۃ نامناسب تھے۔ اس تعاقب کے جواب میں الاعتصام کی گزشتہ اشاعت میں مولانا محمد علی صاحب لکھنوی کا ایک مختصر سا نوٹ شائع ہو چکا ہے آج ہم اس مسئلہ پر حضرت الامام مولانا عبدالجبار صاحب غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فتویٰ ان کے مطبوعہ مجموعۃ الفتاویٰ ص ۲۴۱ مولانا محمد داؤد صاحب غزنوی کے توجہ دلانے سے شائع کر رہے ہیں اُمید ہے کہ حضرتِ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فتویٰ اس مسئلہ میں قول فیصل کی حیثیت سے دیکھا جائے گا۔

مٹھی سے زائد داڑھی کٹانے کا جواز۔ استفتاء کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ داڑھی کو ایک مشت سے کم کرنے والا تارکِ سنت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب وھو الموفق للصواب۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ داڑھی اگر قبضہ سے زائد ہو اس کا کتروانا جائز ہے۔ صحیح بخاری میں ہے۔ وکان ابن عمر اذا حج او اعتمر قبض علی لحیتہ فما فضل

اَخَذَھا۔ اور فتح الباری شرح بخاری میں ہے ثم ساق الطبری بسندہ الی ابن عمر انہ فعل ذلک برجل ومن طریق ابی ھریرۃ انہ فعل اور مؤطا امام مالک میں ہے ان سالم بن عبداللہ کان اذا اراد ان یحرم دعا بالجلمین فقص شاربہ واخذ من لحیتہ ایضاً مؤطا میں ہے۔ ان عبداللہ بن عمر کان اذا افطر من رمضان وھو یرید الحج لم یاخذ من رأسہ ولا من لحیتہ شیئاً حتی یحج (ترجمہ) اور عبداللہ بن عمرؓ جب حج یا عمرہ کا ارادہ کرتے تو اپنی داڑھی مبارک مٹھی میں لیتے۔ جو مٹھی سے زیادہ ہوتی تو اس کو کاٹ ڈالتے۔ اور فتح الباری شرح بخاری میں ہے کہ پھر طبری نے اس حدیث کی سند کو عبداللہ بن عمر کو پہنچایا کہ انہوں نے خود یہ فعل کیا۔ اور حضرت عمرؓ تک کہ انہوں نے کسی اور شخص سے یہ فعل کیا۔ اور ابوہریرۃؓ کے طریق سے مروی ہے کہ انہوں نے بھی یہ فعل کیا۔ اور موطا امام مالک میں ہے کہ سالم بن عبداللہ جب احرام باندھنے کا ارادہ کرتے تو قینچی منگوا کر اپنی مونچھیں کاٹ ڈالتے۔ اور اپنی داڑھی سے بھی کچھ بال لیتے ایضاً موطا میں ہے کہ عبداللہ بن عمر جب رمضان مبارک سے فارغ ہوتے اور حج کا ارادہ بھی ہوتا تو اپنی داڑھی اور سر کے بال نہ کاٹتے یہاں تک کہ حج مبارک سے فارغ ہوتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ شوال اور ذی قعدہ اور عشرہ ذی الحج تک نہیں کتراتے تھے باقی مہینوں میں قبضہ سے اگر زائد ہو جاتی تھی تو کتراتے اور سبب کترانے کا طول داڑھی کا ہے نہ نسک (اعمال حج) کیونکہ اخذ من اللحیۃ (داڑھی کا کترانا) کسی اہل علم کے نزدیک نسک سے نہیں ہے۔ سر کے بالوں کا حلق اور قصر بلاشک نسک سے ہے۔ زیادہ طول لحیہ بعض علماء مکروہ لکھتے ہیں۔ کالقاضی عیاض وغیرہ مگر حدیث صحیح اعفوا اللحی سے ثابت ہے کہ مکروہ نہیں اور قبضہ سے زائد کترانا منافی اعفاء کا نہیں ہے اگرچہ کامل اعفاء طول میں ہے۔ حافظ ابن عبدالبرؒ استذکار میں لکھتے ہیں۔ فی اخذ ابن عمر فی الحج من مقدم لحیتہ دلیل علی جواز اخذ من اللحیۃ فی غیر الحج لانہ لوکان ذلک غیر جائز فی سائر الزمان ما جاز فی الحج لانھم انما امروا ان یحلقوا او یقصروا اذا حلوا من حجھم ما نھوا عنہ فی

احرا مهم وا بن عمر روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اعفوا
اللحی وهو اعلم بمعنی ما روی وکان المعنی عندہ وعند جمهور العلماء الاخذ
من اللحیة ما تطائر و تفاحش وسمج واللہ اعلم وروی عن علی رض انه
کان یاخذ من لحیته مما یلی وجهه وقال ابراهیم کانوا یاخذون من
عوارض لحاهم وکان ابراهیم یاخذ من عوارض لحیته وعن ابی هریرة
انه کان یاخذ من اللحیة ما فضل من القبضة وعن ابن عمر مثل ذلك
ومن الحسن مثله وقال قتادة ما کانوا یاخذون من طولها الا فی حج
او عمرة وکانوا یاخذون من العارضین کل هذا من کتاب ابی بکر
بن ابی شیبة بالاسانید اخبرنا عبد الوارث ثنا قاسم ثنا الحسینی ثنا
محمد بن ابی نجیح عن مجاهد قال رأیت ابن عمر قبض علی لحیته
بیدہ ثم قال للحجام خذ ما تحت القبضة - انتهی -

(ترجمہ) اور عبداللہ بن عمر کا ایام حج میں اپنی داڑھی کے آگے سے بال لینا اس بات پر دلیل ہے کہ غیر ایام حج میں بھی یہ فعل جائز ہے کیونکہ اگر یہ فعل تمام ازمنہ میں ناجائز ہوتا تو حج میں بھی جائز نہ ہوتا کیونکہ صحابہ کرام کو تو یہ حکم تھا کہ جب وہ حج سے فارغ ہوں تو وہ اپنے بال منڈوا دیں یا کتروا دیں جس سے ان کو احرام کی حالت میں روکا گیا تھا اور عبداللہ بن عمر رض نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے اعفوا اللحی (داڑھیوں کو بڑھاؤ) اور خود مٹھی سے زیادہ بال لیتے تھے۔ اس حدیث کا مطلب عبداللہ بن عمر خوب جانتے ہیں۔ عبداللہ بن عمر رض اور جمہور علماء کے نزدیک یہ جائز ہے کہ داڑھی سے وہ بال لیے جائیں جو زائد اور پراگندہ ہوں اور برے معلوم ہوں واللہ اعلم اور علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ اپنی داڑھی کے دائیں یا بائیں سے بال لیتے تھے اور ابراہیم نے کہا کہ صحابہ کرام دائیں بائیں داڑھی کے بال لیتے تھے اور ابراہیم خود بھی دائیں بائیں اپنی داڑھی کے بال لیتے تھے۔

اور ابوہریرہ رض سے روایت ہے کہ وہ اپنی داڑھی کے طول کی طرف سے وہ بال لیتے تھے جو مٹھی سے زیادہ ہوتے اور عبداللہ بن عمر رض سے بھی اسی طرح ثابت ہے اور حسن سے بھی اور قتادہ نے کہا کہ صحابہ کرام ایام حج اور عمرہ کے سوا اور دنوں

میں داڑھی کے لنبان کی طرف سے بال کبھی نہ کاٹتے تھے۔ اور داڑھی کے دائیں بائیں طرف سے بال لیتے تھے یہ سب مضمون مذکورہ بالا ابوبکر بن ابی شیبہ کی کتاب میں باسناد ثابت ہے کہا خبر دی ہم کو عبدالوارث نے کہا حدیث سنائی ہم کو قاسم نے کہا حدیث سنائی ہم کو حسن نے کہا حدیث سنائی ہم کو محمد بن ابی عمر رضہ نے کہا حدیث سنائی ہم کو سفیان نے کہا حدیث سنائی ہم کو ابن ابی نجیح نے مجاہد سے کہا میں نے عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھا کہ اس نے اپنی داڑھی کی مٹھی بھری۔ پھر حجام کو کہا جو مٹھی سے نیچے ہے کاٹ ڈال اور قبضہ سے کم رکھنا داڑھی کا ناجائز ہے کیونکہ اعفار کا خلاف ہے اور اعفار کے ساتھ شارع کی طرف سے امر وارد ہے اور امر جب تک قرینہ صارفہ نہ ہو وجوب پر محمول ہوتا ہے اور یہاں قرینہ صارفہ کوئی نہیں تو امر وجوب کے واسطے ہے اور وجوب کے خلاف کرنا گناہ ہے اور حدیث کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم یاخذ من لحیتہ من طولہا وعرضہا رواہ الترمذی اہل حدیث کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ حررہ الراجی رحمۃ ربہ القوی ابوداؤد عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ (۲۷۔ مارچ ۱۹۵۳ء۔ الاعتصام گوجرانوالہ)

سوال: ٹسر خالص اور ریشم آمیختہ مردوں کے لئے استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ٹسر ریشم نہیں بلکہ اس کے کیڑے الگ ہیں اس لئے جائز ہے ریشم آمیختہ بھی مردوں کو جائز ہے۔ (۲ ذی قعدہ ۳۹ھ)

سوال: چائناسلک کے دوپٹہ سے یا کوٹ پہن کر نماز جائز ہے یا نہیں اور یہ کیا ہے؟

جواب: میرے ناقص علم اور تحقیق میں چائناسلک ریشم ہے اس لیئے مردوں کو اس کا پہننا جائز نہیں۔ ٹسر ریشم نہیں بلکہ اس کے کیڑے الگ ہیں اور ان کا توالد تناسل بھی الگ الگ ہے۔ ریشمی کیڑے کا رنگ ٹسر پر نہیں آتا اس لئے ٹسر جائز ہے اور چائناسلک مردوں کو ہرگز جائز نہیں۔ (۲۹ ذی قعدہ ۳۹ھ)

سوال: گائے کا عقیقہ جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو سات حصے شمار کئے جائیں گے یا نہیں؟

جواب: گائے کا عقیقہ کسی حدیث میں مجھے یاد نہیں پھر شرکت تو اور بھی قابل ثبوت ہے۔ قربانی میں گائے لگتی ہے مگر عقیقے کا حکم خاص ہے جس کی بابت فرمایا عن

الغرض مرشا تان لڑکے سے دو بکریاں ذبح کی جائیں۔ (۲ ذی قعدہ ۱۳۳۹ھ)

تعاقب: بقرو ماجزاء بقر عقیقہ میں آپ کو تردد ہے لہٰذا ثبوت پیش خدمت ہے۔ باب العقیقۃ عون المعبود ص۶۵ حدیث عند الطبرانی و ابی الشیخ عن انس رفعہ یعق عنہ من الابل والبقر والغنم ونقلہ ابن المنذر ص۲۵ عن حفصۃ بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر والجمہور علی اجزاء الابل والبقر فتاوی نذیریہ ص۴۲۸۔ باب العقیقۃ میں ابن حجر سے ہے وسبع البقر والبدنۃ کشاۃ۔

(از حکیم عبدالرزاق آسنوال و مولانا ابوالقاسم بنارسی مرحوم)

مفتی: اس اطلاع کے لئے آپ اور مولوی ابوالقاسم بنارسی شکریہ کے مستحق ہیں گائے کا عقیقہ جائز ہے۔ (اہلحدیث سوہدرہ ۱۶ مئی ۱۹۵۲ء)

تعاقب: بر تعاقب اور پھر اس کا جواب۔

(نوٹ) تعاقب کا ملخص بھی چونکہ جواب تعاقب میں آگیا ہے اس لئے اس کی نقل ضروری نہیں سمجھی گئی۔ (راز) - (از قلم جناب مولانا محمد ابوالقاسم صاحب بنارسی ؒ)

اخبار اہلحدیث ۱۰ اکتوبر ص۱۳ پر ایک طویل تعاقبی مضمون شائع ہوا ہے جس میں طبرانی صغیر کی حدیث (لگائے۔ اونٹ عقیقہ میں ذبح کرنے کے جواز والی) کے ہر راویوں پر جرح نقل کی گئی ہے یہ ساری بحث ایک اردو رسالہ سے نقل کی گئی ہے جو اس باب میں کچھ عرصہ ہوا ایک مولوی صاحب نے بنگال میں شائع کیا تھا۔ یہی جرحیں مولوی عبدالحنان صاحب دالاپوری نے بھی ۱۹۲۱ء میں اخبار اہلحدیث میں شائع کرائی تھیں میں نے انہی دنوں اس مسئلہ پر ایک لبیط مضمون اخبار اہلحدیث میں شائع کرایا تھا جس میں نہایت تفصیل سے ان تمام اعتراضوں کا جواب دیا تھا جن کو اب مولوی عین الحق صاحب دالاپوری نے دوبارہ اخبار اہلحدیث میں شائع کرایا ہے اور اس کے مالہ وما علیہ پر معقول بحث کی جا چکی ہے۔ میں نے لکھا تھا کہ حافظ ابن حجر رحمہ جو اصول حدیث کے بھی مصنف ہیں اور اسماء الرجال کے بھی جن کی شرح نخبہ سے اب بھی متعاقب نے استدلال کیا ہے۔ جنہوں نے ذہبی کی میزان الاعتدال پر لسان المیزان لکھی ہے اور اس میں راویوں پر وہ تمام جرحیں مرقوم ہیں جو متعاقب نے لکھی ہیں باوجود اس

بات کے علم کے وہ حدیث مذکور کو فتح الباری میں نقل کرتے ہیں اور کسی راوی پر کوئی جرح نہیں کرتے اور مقدمے میں لکھ چکے ہیں کہ شرح بخاری میں جن احادیث کو میں بغیر جرح کے نقل کروں گا وہ صحیح ہوگی یا حسن۔ علاوہ ازیں اسی حدیث کے راوی انس اپنے بچوں کے عقیقہ میں اونٹ ذبح کرتے ہیں۔ ابوبکرہ بھی عقیقہ میں اونٹ ذبح کرتے ہیں۔ دیگر صحابہؓ کا بھی یہی تعامل رہا ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن قیمؒ نے تحفۃ الودود باحکام المولود میں بالتفصیل نقل کیا ہے۔ پھر جمہور محدثین کا بھی یہی تعامل رہا ہے۔ اور دلیل وہی حدیث آخر میں حضرت میاں صاحب کا بھی فتویٰ (فتاویٰ نذیریہ جلد دوم ص۲۴۸ راز) بھی یہی ہے اور جرح جیسی سب کی سب مبہم اور غیر مفسر ہیں تو کیونکر حدیث مذکورہ مردود ہوگی یہ ساری بحثیں اخبار اہلحدیث جلد ۱۹ ع ۸ ۲۲ دسمبر سنہ ۱۹۲۱ء ع ۵ و ع ۲۳ و ع ۳۴ و ع ۳۵ و ع ۳۶ و ع ۳۷ و ع ۳۹ از ۹ جون سنہ ۱۹۲۳ء تا ۲۸ جون سنہ ۲۳ء میں شائع ہو چکی ہیں۔ جن صاحبوں کے پاس مذکورہ پرچے موجود ہوں وہ ان میں دانا پوری صاحب کے اعتراض کا شافی جواب ملاحظہ کرلیں۔ اور حضرت فاضل مدیر اہلحدیث) اگر مناسب سمجھیں تو اس مضمون کو کسی پرچہ میں شائع کردیں۔ غرض متعاقب کے تعاقب سے کوئی صاحب دھوکہ نہ اٹھائیں ان کی ساری جرحیں مرفوع ہیں۔

(نوٹ): کوئی صاحب متعاقب کا اصل مضمون ملاحظہ کرنا چاہیں تو وہ اہلحدیث ۱۰ اکتوبر سنہ ۱۹۳۰ء پھر ۱۷ اکتوبر سنہ ۳۰ء ملاحظہ کریں۔ (راز)

سوال: کوئی شکاری تکبیر پڑھ کر بندوق چلائے یا تکبیر پڑھ کر کتے کی ڈوری چھوڑے اور شکاری کے پہنچنے سے پہلے وہ جانور مر جائے آیا وہ جانور حلال ہے یا حرام۔

جواب: جو علماء بندوق کو تیر کے حکم میں سمجھتے ہیں ان کے نزدیک شکار بندوق حلال ہے۔ خاکسار کا بھی یہی خیال ہے۔ (۲۸۔ جمادی الاول سنہ ۴۶ھ) - اگر تکبیر پڑھ کر گولی ... چلائی جائے اور جانور قبل از ذبح مر جائے تو حلال ہے۔ احادیث صحیحہ سے یہی ثابت ہے۔ (اہلحدیث سوہدرہ ۸ مئی سنہ ۵۲ء)

تشریح: بندوق کی گولی سے جو جانور مرے وہ موقوذہ ہے لہٰذا حرام ہے اس لئے کہ تیر کا پھل اپنی دھار سے چیرتا ہے اور گولی اپنی زور آتش سے اگر پار بھی نکلے تو وہ دھار سے نہیں زور سے مثل حجر صغیر کے ہے جو بعض اصغر جانور کے بعض اوقات

پار ہو جاتی ہے۔ (ابوسعید شرف الدین دہلوی)

سوال: کچھوے کا کھانا جائز ہے یا نہیں۔ یہ حلال ہے یا حرام مفصل جواب دیں۔

جواب: کچھوا حلال ہے بحکم قرآن مجید قُلْ لَّا اَجِدُ فِیْ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا الخ (۱۸ جولائی ۱۹۴۷ء)

شرفیہ: قولہ کچھوا حلال ہے الخ لم یری الحسن بالسلحفاۃ باسا۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۲۸

سوال: مور کا کھانا کیسا ہے؟

جواب: مور کا کھانا حلال ہے کیونکہ یہ ذی مخلب نہیں ہے بحکم حدیث شریف نھی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم عن کل ذی ناب من السباع وعن کل ذی مخلب من الطیر (الحدیث) (۱۸ جولائی ۱۹۴۷ء)

سوال: ہندہ نے نذر مانی کہ میرا بیمار لڑکا سفر سے صحیح سالم واپس آجائے گا تو ایک گائے قربانی دوں گی بفضل خدا لڑکا تندرست گھر آگیا ہندہ نے منت کی گائے ذبح کر کے تمام مصلیان مسجد امیر غریب کو گوشت تقسیم کر دیا۔ اب سوال یہ کہ اس کا کھانا کن کو حلال ہے اور کن کو حرام؟

جواب: نذر کرنے والے کی نیت پر موقوف ہے اس کی نیت اگر محض فقراء اور مساکین کو کھلانا تھا تو غیر فقیر نہ کھائیں۔ اگر یہ شرط اس نیت میں نہیں تو سب کھا سکتے ہیں انما الاعمال بالنیات۔ (۱۱۔ اگست ۱۹۳۳ء)

سوال: لڑکے یا لڑکی کو کتنا عرصہ شیر ماں پلانا چاہیئے اور دونوں کو یکساں یا کم و بیش۔

جواب: قرآن مجید کی نص صریح میں اس کا حکم ہے وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ۔ پورے دو سال مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلائیں۔ (۴۔ اگست ۱۹۳۳ء)

سوال: زید کے ہاں حلال طیب پیشہ تھا۔ تیسرے سال سے اس نے شراب کا پیشہ اختیار کیا اور شراب کی دکان ایک سال کے بعد گھاٹے کی وجہ سے اٹھ گئی۔ اور ابھی تک بند ہے اب زید کے ہاں کا کھانا کیسا ہے۔ کھا سکتے ہیں یا نہیں۔

جواب: زید کو دکان شراب میں گھاٹا ہوا اس سے معلوم ہوا کہ زید کا کھانا شراب کے نفع سے نہیں ہے بلکہ اپنے مال سے ہے پس جائز ہے۔ (۱۹ مئی ۱۹۳۳ء)

شرفیہ: شراب کے نفع سے نہیں ہے الخ یہ صحیح نہیں اس لئے کہ اتنی مدت جو دکان سے پیسہ وصول ہوتا رہا ہے وہ اب تک موجود ہے وہ شراب ہی کے نفع سے ہے گھاٹا تو خرچ وغیرہ کے باعث ہے مگر پیسہ کم از کم مخلوط ہے لہذا ناجائز۔ (ابو سعید شرف الدین دہلوی)

سوال: اکثر یہ پایا جاتا ہے کہ اگر کوئی چیز پان وغیرہ دیں تو سلام علیک کہتے ہیں یہ کیسا ہے؟

جواب: ایسے موقعہ پر جزاک اللہ کہنا چاہیئے۔ سلام کا موقعہ وقت ملاقات یا وقت رخصت ہے۔ (۱۹ مئی ۱۹۳۳ء)

سوال: ایک شخص کی عمر ۶۰ سال ہے ناڑی کا کارخانہ ہے کام کرنے کو مکان میں غریب محلہ کی عورتیں آتی ہیں یہ شخص نماز کا پابند ہے۔ صبح تلاوت بھی کرتا ہے لیکن سخت بدکلام ہے۔ ہر وقت فحش گالیاں ماں بہن کی بکتا رہتا ہے تمام کاریگر اور مزدور عورتیں ناراض رہتی ہیں۔ گھر میں اپنی بہوؤں سے بھی گالی گلوچ سے پیش آتا ہے۔ اس کے لئے کیا حکم ہے؟ (عبد الحمید انصاری)

جواب: حدیث شریف میں ہے۔ چار عادتیں جس میں ہوں گی وہ پکا منافق ہوگا ان چاروں چیزوں میں سے ایک عادت ہوگی تو ربع حصہ منافق ہوگا۔ ان چاروں میں گالی گلوچ کرنا بھی ہے پس اس حدیث کے موافق فحش گالیاں دینے والے میں چوتھائی نفاق ہے اس کو جلدی توبہ کرنی چاہیئے اس کے علاوہ قرآن شریف میں ارشاد ہے مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ۔ انسان جو لفظ بولتا ہے لکھنے والے اس کو لکھ لیتے ہیں شخص مذکور خود غور کرے کہ اس کے اعمالنامے میں کتنا گند غلاظت بھرا ہوگا پھر ایک وقت اس کو کہا جائے گا۔ اِقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا تو اپنا اعمالنامہ خود ہی پڑھ لے اور خود ہی حساب کرلے۔

(۲۵ اگست ۱۹۳۳ء)

سوال: میں نے منت مانی تھی کہ اگر میری ملازمت ہو جائے تو فلاں مسجد کی امداد کے لئے اپنی تنخواہ کی تہائی دیتا رہوں گا۔ خدا کی قدرت دو تین روز بعد میری ملازمت مستقل ہو گئی مگر چند ضروریات کی وجہ سے تہائی تنخواہ نہ نکال سکا اور بعد میں شادی بھی ہو گئی۔ اخراجات بڑھ گئے نتیجہ یہ کہ ڈیڑھ سال ہو گیا مگر ابھی تک مسجد کی امداد کے لئے ایک پیسہ بھی نہیں دیا الخ

جواب: جائز منت جو مانے اسے پورا کرنا چاہیئے۔ حدیث شریف میں ہے اوف بنذرك۔ نذر پوری کیا کرو مسجد مخصوص کی نیت ہے تو وہی ملحوظ رہے گی۔ عام کی ہے تو عام ہو گی۔ بہر حال نذر واجب الادا ہے۔

(۲۸- جولائی ۱۹۳۳ء)

سوال: زید کا قول ہے معجم طبرانی میں ایک حدیث ہے رخص النبی صلی اللہ علیہ وسلم اللهو فی العروس دوسرے یہ کہ آنحضرتؐ نے ایک صحابی سے فرمایا شادی کے موقعہ پر وہاں گانے والی کو لے گئے ہو؟۔ انصار گانا پسند کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ شادی بیاہ وغیرہ میں ناچ گانا ہارمونیم کے ساتھ جائز ہے۔ عمر کہتا ہے کہ ناجائز ہے اور حدیث بالا غلط ہے امید کہ دونوں کے قول میں جو مسلک راجح ہے اس سے مطلع فرمائیں۔

(حمید اللہ بخاری دربھنگہ)

جواب: حدیث شریف میں یوں آیا ہے۔ ایک تابعی کہتا ہے میں قرظہ بن کعب اور ابو مسعود انصاری کے پاس ایک شادی میں گیا۔ وہاں لڑکیاں گا رہی تھیں سننے والے نے کہا اے اصحاب رسول اللہ ایسا کام تمہارے سامنے ہو رہا ہے انہوں نے بالاتفاق جواب دیا اجلس ان شئت فاسمع معنا وان شئت فاذھب فانه قد رخص لنا فی اللهو عند العروس رواہ النسائی (مشکوٰۃ باب اعلان النکاح) تو اگر چاہے تو بیٹھ اور ہمارے ساتھ یہ گانا سنتا رہ اور اگر چاہے تو چلا جا ہم کو شادی میں ایسے لہو ولعب کی اجازت دی گئی ہے۔ پس جو کچھ اس حدیث میں ملتا ہے اس سے آگے بڑھنا تجاوز ہے اور ثابت شدہ پر بحث کرنا خلاف سنت

ہے ایسا ہی اس میں ناچ ہارمونیم وغیرہ کا اضافہ کرنا متدین لوگوں کا کام نہیں۔ اللہ اعلم۔ (۱۴ جولائی ۱۹۳۳ء)

شرفیہ: اس کے آگے اضافہ بددینی ہے اس لئے کہ دوسری حدیثوں میں اس کی تصریح ہے کہ وہ کیا ہے وہ دف بجانا اور غنا کی تصریح ایک روایت میں آئی ہے اتیناکم اتیناکم فحیانا وحیاکم راوی ابن ماجہ اور دف کا ذکر مسند احمد اور ترمذی ودوسری روایت نسائی وابن ماجہ میں ہے مشکوۃ ص ۲۷۲ دوسری حدیث میں ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرنی ربی بمحق المعازف والمزامیر الحدیث رواہ احمد مشکوۃ ص ۳۱۸ نیز ایک حدیث کے اشارہ میں ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا آپ کے بعد لوگ ہوں گے جو ریشم اور شراب اور باجوں کو حلال بنا کر عمل کریں گے پھر وہ سور بندر بن جائیں گے رواہ البخاری مشکوۃ ص ۴۵۶ پھر ایسے امور کی آپ اجازت دیں گے ہرگز نہیں پس ناچ گانا راگ مروجہ وغیرہ بددینی ہے۔ (ابوسعید شرف الدین دہلوی)

سوال: حضرت رسول اللہؐ سے داڑھی کا رکھنا کہاں تک ثابت ہے بعض علماء کہتے ہیں کہ داڑھی بالکل کٹانی یعنی قینچی لگانی بھی منع ہے بعض فرماتے ہیں کہ کہ چھوٹے بڑے سب ایک برابر کرانے کی کوئی مخالفت نہیں۔ براہ مہربانی صحیح حدیث درج فرمائیں۔

جواب: اس مسئلہ کے متعلق بارہا مذاکرات علمیہ لکھے گئے ہیں۔ اس بارے میں دو حدیثیں مختلف آئی ہیں ایک میں تو فرمایا داڑھی بڑھاؤ دوسری میں حضرت کا اپنا فعل ہے کہ داڑھی کے ارد گرد سے بڑھے ہوئے بال کٹا لیا کرتے تھے اس لئے تطبیق یہ ہے کہ ساری رکھنی مستحب ہے اور ایک مشت کے برابر رکھ کر باقی کٹا لینا جائز ہے۔ (۲۲ جمادی الاول ۱۳۴۵ھ)

تشریح: صحیح بخاری میں ہے۔ عن ابن عمرؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال خالفوا المشرکین ووفروا اللحی واحفوا الشوارب وکان ابن عمرؓ اذا حج او اعتمر قبض علی لحیتہ

فما فضل اخذہ انتہی قال فی فتح الباری الذی یظہر ان ابن عمر کان لا یخص ھذا التخصیص بالنسک بل کان یحمل الامر بالاعفاء علی غیر الحالۃ التی تشوہ الصورۃ بافراط طول شعر اللحیۃ او عرضھا وقال قوم اذا زاد علی القبضۃ یوخذ الزائد ثم ساق بسندہ الی ابن عمرؓ انہ فعل ذالک والی عمرؓ انہ فعل ذلک برجل ومن طریق ابی ھریرۃؓ انہ فعلہ واخرج ابوداؤد بسند حسن قال کنا نعفی السبال الا فی حج او عمرۃ قولہ بضم اولہ وتشدید المھملۃ وتخفیف الموحدۃ جمع سبلۃ بفتحتین وھی ماطال من شعر اللحیۃ فاشار جابرؓ الی انھم یقصرون منھا فی النسک ثم حکی الطبری اختلافا فیما یوخذ من اللحیۃ ھل لہ حد ام لا فاسند عن جماعۃ الاقتصار علی اخذ الذی یزید منھا علی قدر الکف وعن الحسن البصری انہ یوخذ من طولھا وعرضھا مالم یفحش وعن عطاء نحوہ قال وحمل ھؤلاء النھی علی ماکانت الاعاجم تفعلہ من قصھا وتخفیفھا قال وکرہ اٰخرون التعرض لھا الا فی حج او عمرۃ واسند عن جماعۃ واختار قول عطاء وقال النووی المختار ترکھا علی حالھا وان لا یتعرض لھا بتقصیر ولا غیرہ وکان مرادہ بذلک فی غیر النسک لان الشافعی نص علی استحبابہ فیہ انتہی ما فی فتح الباری ملخصاً اوپر فتح الباری میں گذر چکا ہے کہ الذی یظھر ان ابن عمرؓ لا یخص ھذا التخصیص بالنسک الخ اس حصر وقصر کی تشریح مؤطا امام مالکؒ میں ہے کہ ابن عمرؓ احرام کی حالت میں قصر یا اصلاح شعر لحیۃ وغیرہ نہ کرتے تھے الا یوم النحر اور نہ ویسے بعد ضرورت یہ حصر نہ تھا۔ مالک عن نافع ان عبداللہ بن عمرؓ کان اذا افطر من رمضان وھو یرید الحج لم یاخذ من راسہ ولحیتہ شیئا حتی یحج انتہی ص۱۵۴ ص۱۵۵ پس ثابت ہوا کہ یہ عدم قصر وحصر صرف شوال و ذی قعدہ و ۹ یوم ذی الحجہ کا بسبب احرام ہوتا تھا نہ کہ عام طور پر سال بھر تک پس حسب ضرورت سال بھر تک عدم قصر نہ تھا۔ اور چونکہ

اکثر لوگ بعد رمضان حج کے لئے محرم ہو جاتے ہیں اور وہ احرام میں ریش بروت وغیرہ کی اصلاح جائز نہیں الا یوم النحر اس لئے جابرؓ کی حدیث میں حج و عمرہ کا ذکر ہے ورنہ ویسے حسب ضرورت شرعی اصلاح کے ترک کرنے کی کوئی وجہ نہیں، اور نیل الاوطار میں ہے قال القاضی عیاض یکرہ حلق اللحیۃ وقصہا وتحریفہا واما الاخذ من طولہا وعرضہا فحسن وتکرہ الشہرۃ فی تعظیمہا کما تکرہ قصہا وحلقہا وقد اختلف السلف فی ذالک فمنہم من لم یحد بل قال لا یترکہا الی حد الشہرۃ ویاخذ منہا وکرہ مالک طولہا جدا ومنہم من حد بما زاد علی القبضۃ فیزال ومنہم من کرہ الاخذ منہا الا فی حج او عمرۃ انتہی ج ۱ ص ۹۷ حاصل یہ کہ سلف صالح جمہور صحابہ و تابعین و ائمہ محدثین کے نزدیک ایک مشت تک داڑھی کو بڑھنے دینا حلق و قصر وغیرہ سے اس کا تعارض نہ کرنا واجب ہے کہ اس میں اتباع سنت اور مشرکوں کی مخالفت ہے اور ایک مشت سے زائد کی اصلاح جائز ہے اور بافراط شعر لحیہ و تشوہ وجہ و صورت و تشبہ بہ بعض اقوام مشرکین ہندو سادھو و سکھ وغیرہ جن کا شعار باوجود افراط شعر لحیۃ عدم اخذ ہے قبضہ سے زائد کی اصلاح واجب ہے ورنہ مشرکوں کی موافقت سے خلافِ سنت بلکہ بدعت ثابت ہوگی جس کا سلف صالحین میں سے کوئی بھی قائل نہیں، اور یہ بھی واضح ہو کہ حدیث نبوی! انہکوا الشوارب واعفوا اللحیٰ وخالفوا المشرکین جب تک کہ حدیث کے تینوں جملوں پر پوری طرح عمل نہ کیا جائے گا اتباع سنت اور مشرکین کی مخالفت نہ ہوگی مثلاً اگر کوئی مونچھوں کو حذف کر دے اور اعفاء لحیہ نہ کرے یا کرے مگر باوجود افراط شعر لحیہ و تشوہ وجہ و تشبہ بہ بعض مشرکین مذکورہ بالا اس کی اصلاح نہ کرے تو حدیث کے جملہ خالفوا المشرکین پر عمل نہ ہوگا اس لئے کہ خالفوا المشرکین کا الف لام استغراقی ہے کہ مشرکوں کے ہر نوع کی ہر نوع و ہر حیثیت سے مخالفت کاملہ واجب ہے اور وہ مخالفت قطع شوارب سے ہو یا اعفاء لحیۃ سے ہو یا باوجود افراط شعر لحیہ عدم اصلاح شعر لحیۃ سے ہو اور اگر ان شقوق میں سے کوئی شق باقی یا ناقص رہ گئی تو مخالفت کاملہ نہ ہوگی لہٰذا اتباع سنت بھی نہ ہوگا۔ ورنہ داڑھی مونچھیں منڈانے والوں پر کوئی اعتراض نہ ہوگا کہ انہکوا

الشوارب پر عمل ہو کر اتباع سنّت و مخالفت مشرکوں کی ہو گئی ولا قائل بہ احد من علماء الاسلام پس افراط شعر کی صورت میں قبضہ سے زائد کی اصلاح واجب ہے کما تقدم ہذا ہو الصدق والصواب واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔ الخ

ابو سعید شرف الدین دہلوی (نورِ توحید لکھنو - ۱۰ جنوری ۱۹۵۲ء)

سوال: حائضہ عورت سے سطحی میل ملاپ اور اس کے ہاتھ سے پکی ہوئی اشیاء کھانے کا عند الشرع کیا حکم ہے۔ ہاں اس کے ساتھ ہی قواعد طبیہ اور اصول حکمت کا بھی لحاظ رہے

جواب: جائز ہے۔ حدیثوں سے ثابت ہے۔ قرآن شریف میں جماع سے منع ہے فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِی الْمَحِیْضِ طبی حکم بھی یہی ہے۔ کہ حیض میں جماع کرنا فریقین کو مضر ہے۔ (۱۷ مارچ ۱۹۳۳ء)

سوال: پیشاب کرنے کے بعد پانی اور مٹی سے طہارت کرنا فرداً فرداً کفایت کرتا ہے یا مٹی استعمال کرنے کے بعد پانی سے طہارت کرنی اسی طرح پانی کے بعد مٹی استعمال کرنی ضروری ہے۔؟

جواب: فرداً فرداً بھی کافی ہے۔ مٹی کے بعد پانی کا استعمال تو آیا ہے مگر پانی کے بعد مٹی کا ثبوت نہیں۔ (۱۷ مارچ ۱۹۳۳ء)

سوال: کیا شرعاً پختہ مکان بنانا جائز ہے؟ اگر نہیں تو بنانے والا شرعاً کیسا ہے؟ قبر پختہ کی ممانعت پر قیاس کر کے کوئی آدمی زندوں کے لئے پختہ مکان بنانے کے متعلق کہہ سکتا ہے؟ (سید عبد الغفار رضوی)

جواب: پختہ مکان حسب ضرورت بنانا جائز ہے۔ پختہ قبر پر اس کا قیاس جائز نہیں قبر محل فنا ہے مکان محل رہائش ہے ولکم فی الارض مستقر ومتاع الی حین۔ ایک شخص دیوار لیپ رہا تھا حضرت نے اس کو فرمایا تھا کہ "الامر اقرب" موت اس سے زیادہ قریب ہے"! یہ ایک زاہدانہ ارشاد تھا ممنوع نہ تھا۔

(۲۰ رمضان ۱۳۵۱ھ)

سوال: زید نے کہا بعد تعمیر مکان دعوت ضروری ہے ورنہ نقصان یا کسی آفت کا اندیشہ ہے۔ بکر برخلاف ہے اور ایسی دعوت کو ریاکاری کی غرض بتلاتا ہے۔ فقراء کا ایسی دعوت میں حصہ نہیں ہوتا۔ صحت پر کون ہے۔ (شیخ قاسم علی لودہانوی)

جواب: قاضی شوکانی نے نیل الاوطار میں سلف کا قول لکھا ہے کہ تعمیر مکان کا ولیمہ مستحب ہے ریاکاری کو تو ہر جگہ دخل ہے اور ہر جگہ معیوب ہے۔ واللہ اعلم۔ (۲۳ دسمبر ۱۹۳۲ء)

سوال: سٹہ کھیلنا جائز ہے یا نہیں۔ بر تقدیر ثانی اگر کسی شخص کو ایسا علم معلوم ہو جس سے سٹہ کا نمبر ٹھیک ٹھیک دریافت کر سکتا ہو تو اس کے لئے سٹہ کھیلنا جائز ہے؟ یا نہیں؟

(محمد میاں کانپور)

جواب: سٹہ قمار بازی ہے۔ پنجاب گورنمنٹ نے بھی اس کو قمار (جوا) قرار دیا ہے قطعاً ناجائز ہے۔ (۲۵ نومبر ۱۹۳۲ء)

سوال: بعض لوگ نومسلموں کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے الخ

جواب: نومسلم بڑی عزت کے لائق ہے جو بحکم قرآن و حدیث پہلے سب گناہوں سے پاک ہو چکا ہے حدیث میں ہے الاسلام یہدم ما کان قبلہ۔ جو شخص نومسلم کو حقیر جانتا ہے تو اسلام کی ترقی کا مانع ہے جس کا گناہ اس کو اٹھانا پڑے گا۔

(۱۱ نومبر ۳۲ء)

سوال: بیماری کا علاج جب کہ سوائے شراب نوشی کے ڈاکٹر نہ تبلائے ایسی حالت میں علاج شراب سے جائز ہے یا نہیں؟

جواب: شراب کے ساتھ علاج کسی طرح جائز نہیں۔ طبی طور پر بھی اس کا عوض مل سکتا ہے۔ (۱۷ جون ۳۲ء)

سوال: ہمارے ہاں بہت سے لوگوں نے یہ رسم و رواج جاری کر رکھا ہے کہ کسی شخص کے ہاں لڑکا پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ لڑکا برس چھ ماہ زندہ رہ کر اگر دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو اس کے بعد جو کوئی لڑکا پیدا ہوتا ہے تو اس کا ناک چھید دیتے ہیں۔ اور کسی چھوٹی قوم کے ہاتھ پیسہ دو پیسہ پر فروخت کر دیتے ہیں یہ سمجھ کر کہ یہ لڑکا زندہ رہے۔ اور نام بھی اسی قسم کا رکھتے ہیں جیسے بیچو۔ چمرو۔ اور ڈومنا۔ چھیدی۔ دمڑی الخ ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: سوال میں جو کچھ لکھا گیا ہے یہ سب خلاف سنت ہے۔ نہ ناک چھیدنا درست ہے نہ ایسے نام رکھنے جائز ہیں۔ ایسے افعال نہ زمانہ رسالت میں تھے نہ زمانہ خلافت میں۔ (۵ دسمبر ۱۹۳۰ء)

سوال: مذہب اسلام میں باجوں کا بجانا ناجائز ہے۔ فوج میں جو باجہ ہوتا ہے اس کے بجانے والے مسلمان بھی ہوتے ہیں جو اپنے حاکم کے حکم سے بجاتے ہیں۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ باجہ بجانے کا گناہ بجانے والے پر ہوگا یا حاکم پر؟
(مرزا فیاض علی بیگ سکندر آباد دکن)

جواب: باجہ کئی اغراض کے لئے ہے۔ محض گانے بجنے اور سرود کے لئے یا فوج میں جوش پیدا کرنے کے لئے وغیرہ ان اغراض کا حکم الگ الگ ہے فوج کی غرض اگر نیک سبب ہے تو اس کو جوش دلانا بھی صحیح ہے۔ انما الاعمال بالنیات
(۱۷-اکتوبر ۱۹۳۰ء)

تعاقب: التدعایہ ہے کہ یہ جواب کس آیۃ یا حدیث سے مستنبط ہوتا ہے۔ حالانکہ رسول خدا تو باجوں وغیرہ کو نیست و نابود کرنے آئے تھے۔ ان کا بجانا و درکنار سننا بھی حرام کردیا خواہ کیسا بھی ہو حدیث شریف میں تو کسی طرح کے باجے کی بھی اجازت معلوم نہیں ہوتی جیسے کہ مشکوٰۃ ص ۳۱۸ ص ۳۸۶ ص ۴۵۶ پر رقم ہے۔ امید واثق ہے کہ آپ ضرور میرے اس شبہ کو دور فرماکر آئندہ نمبر میں جگہ دیں گے۔ (خریدار نمبر ۱۰۷۲۱)

مفتی: میری رائے محض رائے ہے۔ دلیل شرعی نہیں [1] (۱۹ دسمبر ۱۹۳۰ء)

سوال: کسی وقت یا سفر کے ٹائم میں انگوٹھی یا چاندی کا چھلہ وغیرہ پہننا جائز ہے یا نہیں

جواب: جائز ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ اما الفضۃ فالعبوا بہا۔
(۶ فروری ۱۹۳۱ء)

سوال: ساس کو اپنے حقیقی داماد سے گوشہ کرنا از روئے شرع جائز ہے؟

جواب: ساس ابدی محرم ہے جس طرح ماں۔ اس لئے اس کو داماد کے ساتھ بیٹھنا منع نہیں۔
(۵ ذی الحجہ ۱۳۴۹ھ)

سوال: شراب بیچنے والوں کو اس کی تجارت کے واسطے مکان کرایہ پر دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: شراب کی وجہ سے دس آدمیوں پر لعنت آئی ہے مکان کرایہ دینے والا ان

---

[1] گانے اور ناچنے پر مفصل مضمون ھ۔ پر دیکھئے ۱۲ (راز)

ان میں تو نہیں لیکن معین اور مجیز ہے۔ اس لئے مکان دینا جائز نہیں۔ لاتعاونوا علی الاثم۔

(۴ دسمبر ۱۹۳۱ء)

سوال: جانور کے ذبح کرنے میں تاکید ہے کہ اس کی رگ ذبح کے وقت پوری طرح کاٹ دی جائے جس میں دیر تک جانور کو تکلیف نہ ہو تو مچھلی کے بارے میں کیا اس کا خیال کرنا ضروری ہے۔ الخ (محمد ابراہیم از چھاچھا)

جواب: حدیث شریف میں آیا ہے۔ میری امت کو دو مردے حلال ہیں۔ منجملہ مچھلی بھی ہے۔

(۱۱ دسمبر ۱۹۳۱ء)

سوال: زید نے زناکاری شراب خواری وغیرہ کرنے کے جرم میں اپنی برادری میں اپنے گناہوں کی دنیادی سزا پائی یا گورنمنٹ کی عدالت میں اپنے گناہوں کے جرم میں سزا پائی لیکن جیل میں گیا یا روپے کا جرمانہ ادا کیا تو کیا اس کو بروز قیامت بھی سزا ہوگی؟

جواب: حدیث شریف میں ہے الحدود کفارات شرعی سزائیں کفارہ ہیں برادری اور انگریزی سزا کی بابت ایسا ارشاد نہیں آیا۔ تاہم دل سے توبہ کرے تو بخشش کی امید ہے۔

(۲۵ دسمبر ۱۹۳۱ء)

تعاقب پر تعاقب در دعوت ختنہ

۲۵ رجب ۱۳۳۰ھ کے پرچہ اہلحدیث میں مولوی محمد اسحاق صاحب کا تعاقب در بارۂ دعوت ختنہ کے شائع ہوا ہے دعوت ختنہ مستحب نہیں بلکہ ناجائز ہے۔ خاکسار کا کچھ اس میں کلام ہے۔ میرے ناقص خیال میں اگر دعوت ختنہ میں کوئی ناجائز کام نہ ہو تو اس کی اجابت مستحب اور جائز ہے جیسا کہ امام نوویؒ نے ختنہ کی دعوت کو دعوات مستحبہ میں بیان کیا ہے۔ قال اصحابنا وغیرھم الضیافات ثمانیة انواع الولیمة للعرس والخرس للولادة والاعذار للختان والوکیرة للبناء والنقیعة لقدوم المسافر والعقیقة یوم سابع الولادة والوضیمة الطعام عند المصیبة والمادبة الطعام بلا سبب۔ ترجمہ۔ علمائے شافعیہ وغیرہ فرماتے ہیں۔ دعوتیں آٹھ قسم پر ہیں۔ دعوت ولیمہ۔ دعوت خرس اولاد پیدا ہونے کے وقت اور دعوت اعذار ختنہ کے وقت اور دعوت وکیرہ مکان کی تعمیر کے وقت اور نقیعہ مسافر کی آمد و رفت

عقیقہ ولادت کے بعد ساتویں دن اور وضیمہ مصیبت کے وقت اور مادبہ بغیر کسی سبب کے اور نیز دعوت ختنہ کی اجازت عمومیت مسلم کی حدیث سے فلیجب عرسا کان او نحوہ ثابت ہے اور کان عبد اللہ یاتی الدعوات فی العرس وغیر العرس۔ ترجمہ: عبد اللہ رضی اللہ عنہ جاتے تھے ولیمہ کی دعوت میں اور جو ولیمہ کے سوا ہے پس نحوہ اور غیر العرس کا کلمہ دعوات مذکورہ کو شامل ہے جن میں ختنہ کی دعوت بھی وارد ہے۔ اور نیز جمہور علماء اس بات پر ہیں کہ ختنہ کی دعوت یعنی مستحب ہے۔ چنانچہ امام نووی فرماتے ہیں:- فقال مالک والجمہور لا تجب الاجابۃ الیہا ترجمہ:۔ امام مالک اور جمہور علماء فرماتے ہیں ولیمہ کے سوا جو دعوتیں ہیں ان کا قبول کرنا واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔ زیرانکہ علماء کا اختلاف صرف وجوب اور عدم وجوب میں ہے نہ مستحب اور عدم مستحب میں پس استحباب کے تو ضرور ہی قائل ہیں ہاں اتنا ضرور خیال ہو کہ دعوت ولیمہ ہو یا ختنہ کی بدعات سے اور فسق وفجور کے کاموں سے خالی ہو ورنہ تو دعوت کا قبول کرنا جائز نہیں ہے۔ پس ان بالا دلیلوں سے یہ امر واضح ہوا کہ مفتی ماہر کا حکم دعوت ختنہ کی مستحب ہے پس ان کا کھانا جائز ہے لسلم بالصدق اور متعاقب کا فرمانا دعوت ختنہ کی مستحب نہیں ہے بلکہ ناجائز ہے غیر مقبول ہے۔ (۱۲ رمضان ۱۳۳۳ھ) (خاکسار محمد فیض اللہ از مدرسہ دار الہدی۔ سنت آباد بکھر سندھ)

سوال: حنفی لکھتے ہیں کہ اترکوا قولی الخ حکم امام صاحب نے خاص اپنے شاگردوں کو دیا ہے اور ان کو جو مرتبہ اجتہاد پر ہوں جیسا کہ میزان شعرانی میں ہے۔ قلت ھو محمول علی من لہ قدرۃ علی استنباط الاحکام الخ نہ بے علم آدمی کو آیا یہ صحیح ہے؟ (محمد عیسٰی عفی عنہ خریدار اہلحدیث نمبر ۳۴۹۴)

جواب: اس کا جواب خود اسی قول میں ملتا ہے۔ سارا قول یوں ہے۔ اترکوا قولی بقول الرسول۔ یعنی امام ابوحنیفہ صاحب فرماتے ہیں رسول ؐ کے قول کے مقابلہ میں میرا قول چھوڑ دیا کرو۔ پس جس کو کوئی حدیث مل جائے جو امام کے فتوے کے مخالف ہو۔ اس پر فرض ہے کہ وہ امام کا قول چھوڑ دے گو وہ پورا محدث نہیں نہ پورا مجتہد ہے۔ خود حنفیہ لکھتے ہیں کہ امام صاحب کے شاگرد امام ابو یوسفؒ اور امام

محمدؒ بھی مجتہد مطلق نہ تھے پھر ان کو بھی یہ حکم نہ ہوسکا۔ قاضی ثناء اللہ مرحوم پانی پتی مالابدہ میں مسئلہ شراب بیان کر کے کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ امام صاحب کا حدیث کے مخالف ہے لہٰذا متروک ہے۔ اور امام محمدؒ کا فتویٰ موافق حدیث کے ہے۔ لہٰذا وہ صحیح ہے حالانکہ علماء اصول کی اصطلاح میں قاضی صاحب مرحوم مجتہد نہ تھے۔ مختصر یہ ہے کہ رسول خدا کی بات سے جس کی بات مخالف ہوگی وہ قابل رد سمجھی جائے گی (۱۹ مئی سنہ ۱۹۱۶ء)

سوال: ایک عورت حج کو جانا چاہتی ہے مگر اس کو کوئی محرم نہیں ملتا۔ ایک شریف معتبر نامحرم جاتا ہے کیا وہ عورت اُس کے ساتھ جا سکتی ہے؟

جواب: ایک سفر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قافلے سے پیچھے رہ گئی تھیں تو ایک صحابی جو اسی کام کیلئے مقرر تھا کہ قافلہ کے پیچھے آوے اور گم شدہ چیز ملے کو اُٹھا لاوے وہ آیا تو حضرت عائشہ اس کے اونٹ پر سوار ہو کر آنحضرت کے پاس قافلہ میں پہنچ گئیں۔ اس حدیث سے نکل سکتا ہے کہ محرم کے نہ ملنے کی صورت میں کوئی شخص نیکبخت پارسا قابل اعتماد ہو تو اس کے ساتھ عورت کو سفر کرنا جائز ہے۔ علمائے کرام اس کی صحت اور غلطی سے اطلاع بخشیں۔ ۲۵- جمادی الثانی سنہ ۱۳۲۰ھ - ۲۲ جون سنہ ۱۹۱۱ء

سوال: ایام عاشورہ میں شادی کر سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: بے شک کر سکتے ہیں جو لوگ ان رسوم کے پابند ہیں وہ بدعتی ہیں۔

(۱۸- رجب سنہ ۱۳۳۰ھ)

سوال: جناب امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا انکار کسی صاحب نے کیا ہے۔ سنا ہے آپ فرماتے ہیں کہ کوئی معتبر تاریخی ثبوت نہیں صحیح کس طرح ہے۔

جواب: جس نے انکار کیا میں نے اس کو دعوت مباحثہ دی تھی کہ آؤ میں ثابت کرتا ہوں۔ مگر وہ نہ آئے میری نسبت جس نے یہ کہا جو آپ کہتے ہیں اس نے مجھ پر افترا کیا ہے اس کو جلدی توبہ کرنی چاہیے۔ (ایضاً)

سوال: اکثر احناف بڑے فخر سے اس امر کا دعوےٰ کرتے ہیں کہ حضرت پیران پیر سید محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی کا مذہب ابتداء میں حنبلی تھا ازاں بعد انہوں نے مذہب حنبلی سے مذہب حنفی کی طرف رجوع کی اور آخر عمر تک اسی مذہب پر

قائم رہے اور بس۔ اور حضرت امام مہدی آخر الزمان بھی مذہب حنفیہ ہی کے عامل ہوں گے۔ پس احناف کا یہ دعویٰ جھوٹا ہے یا سچا اور دونوں بزرگوار کس طریق پر عمل کرتے تھے اور کریں گے؟ (عبدالرؤف از کارنجہ برار)

جواب: حضرت ممدوح کی نسبت گو بعض لوگ حنبلی مذہب کا دعویٰ کرتے ہیں مگر حنفی کا تو کوئی بھی مدعی نہیں اور نہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ حضرت پیر کی تصنیفات میں حنفی مذہب کے خلاف بہت سی باتیں پائی جاتی ہیں رہا امام مہدی کا حنفی ہونا سو جب وہ آئیں گے دیکھا جائے گا۔ سر دست تو اتنا ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس حالت میں حنفیوں کا اپنا مسلمہ اصول ہے کہ مجتہد دوسرے مجتہد کا مقلد نہیں ہو سکتا تو امام مہدی کیا کسی مجتہد سے بھی کم ہوں گے؟ مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی مرحوم نے بھی ان خیالات کی تردید کی ہے۔ (۲۷ ذی قعدہ ۱۳۳۰ھ)

سوال: قنوت امام کو بلفظ اھدنی یا اھدنا کیا پڑھنا چاہئے زید کہتا ہے کہ اھدنا پڑھنا دعا میں مقتدی کو بھی شامل کر لینا چاہیے۔ عمرو کہتا ہے نہیں جو الفاظ حدیث کے ہیں وہی پڑھنا چاہیں۔ اھدنا پڑھنا اپنی رائے ہے۔ امید ہے کہ جواب مدلیل اور مہربانی فرما کر واضح تحریر فرمائیں گے۔

(راقم ایک مسافر از رنگون مکان نمبر ۱۲ گلی نمبر ۲۵ مسجد اہلحدیث)

جواب: اھدنا پڑھنا چاہئے تاکہ مقتدیوں کو بھی شامل ہو جائے۔ نیز ایک حدیث میں آیا ہے کہ امام جب اپنے لئے ہی دعا مانگتا ہے تو مقتدیوں کی خیانت کرتا ہے۔ واللہ اعلم۔ (۱۱ شوال المعظم ۱۳۴۲ھ)

سوال: زید ایک شہر کا قاضی ہے اور وہ اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ اس شہر کے مسلمانوں کو اختیار نہیں ہے کہ سوائے میرے عقد خوانی اور جانوروں کی ذبحیت خود کریں۔ یا کسی دوسرے شخص سے کروائیں ان کاموں کا میں ہی مختار و مستحق ہوں اور میرے پاس شاہی سند موجود ہے۔ پس غرض سائل یہ ہے کہ زید کا دعویٰ قابل تسلیم ہے یا غلط ہے؟

جواب: شریعت میں یہ کام کسی خاص شخص سے مخصوص نہیں کئے گئے۔ یہاں تک کہ خلیفہ وقت بھی نہیں روک سکتا۔ ہاں آج کل عرفی طور پر یہ کام ان لوگوں کے سپرد

کیے گئے ہیں جس کا اثر صرف ان کے مالی حق پر ہو سکتا ہے۔ عقد کے جواز یا عدم جواز پر نہیں۔ یعنی یہ قاضی لوگ اپنی فیس کا دعویٰ تو کر سکتے ہیں لیکن عدم جواز نکاح یا حرمت ذبیحہ کا فتویٰ نہیں لگ سکتا۔ (بوجہ شکستگی اخبار حوالہ منتقل نہ ہو سکا)

سوال: زید کسی دوسرے کا خط لکھ رہا تھا۔ بکر آن کر خاموش کھڑا رہا۔ زید نے کہا کہ بھائی سلام کلام کچھ بھی نہیں چور کی طرح کیوں کھڑے رہے۔ بکر نے کہا کہ جب کوئی آدمی کسی کام میں مشغول ہو سلام کرنا منع ہے۔ زید نے کہا۔ اس کی دلیل لاؤ۔ بکر نے کہا تم خود تحقیق کرو۔ پھر اسی روز زید سوتا تھا۔ بکر نے آکر سلام کیا۔ جس سے زید کی آنکھ کھل گئی۔ زید نے کہا کہ اس طرح جگانا منع ہے۔ تم نے مجھے نیند میں کیوں جگایا۔ بکر نے کہا میں نے نہیں جگایا میرے ساتھ والے نے جگایا۔ لہٰذا ملتمس ہوں کہ سلام کرنا کس کس جگہ اور کس کس آدمی کو منع ہے۔ (عبد اللہ از بمبئی ۱۹۔ جنوری ۱۹۱۸ء)

جواب: کام کرتے کسی کو سلام علیکم کہنا منع نہیں۔ بلکہ نماز میں بھی سلام علیکم کرنا جائز ہے۔ ہاں ایسا بھی نہ کرے کہ کوئی شخص سوتا ہو تو بلند آواز سے اس کو اٹھا کے جس سے اس کو تکلیف ہو۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے رات کے وقت بہت بلند آواز سے قرآن پڑھنے سے منع فرما دیا تھا۔ اسی طرح سلام کو سمجھنا چاہیے۔ شریعت کا کوئی کام ایذا پر مبنی نہیں ہر مسلمان کو سلام علیکم کہنے کا حکم ہے۔ (۸ فروری ۱۹۱۸ء)

سوال: پردہ نشین مسلمان کے مکان میں غیر لڑکا کتنی عمر کا جا سکتا ہے اور کتنی عمر کے لڑکے سے پردہ کرنا چاہیے؟

جواب: قرآن مجید میں اس کی بابت یوں ارشاد ہے۔ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ (وہ بچے جو عورتوں کے ستر پر اطلاع نہ رکھتے ہوں) عمر کے لحاظ سے آجکل دس بارہ سال کے (۱۰ محرم ۱۳۳۶ھ)

سوال: کیا وجہ ہے جو اہل حدیث علماء کرام حدیث شریف مندرجہ ذیل پر عمل پیرا نظر نہیں آتے؟ حدیث شریف عن عمار قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان طول صلوٰۃ الرجل وقصر خطبتہ مئنۃ من فقھہ فاطیلوا الصلوٰۃ واقصروا الخطبۃ وان من البیان لسحرا

(رواہ مسلم) (ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے نماز لمبی اور خطبہ چھوٹا پڑھنا فاعل کی عقل کی دلیل ہے اور بعض بیان مثل جادو کے مؤثر ہوتے ہیں۔

آہ! ایسے غافل ہو گئے کہ ہمیشہ حضورؐ کے فرمان واجب الاذعان کو ہم لوگ پس پشت ڈال رہے ہیں اور پرواہ تک نہیں کرتے۔ کوئی مولوی صاحب تو گھنٹہ بھر خطبہ اور دس منٹ نماز اور کوئی مولانا ڈیڑھ بلکہ دو گھنٹہ خطبہ اور پندرہ منٹ میں نماز غرضکہ جس کو دیکھا وہ مذکورہ بالا حدیث کے خلاف کر رہا ہے۔ خدا ہم کو توفیق نیک عطا کرے آمین۔ (الراقم العاجز محمد بن ولی جوناگڈھی)

اہلحدیث: اس حدیث کی تشریح میں اختلاف ہے بعض علماء طول اور قصران دونوں (نماز اور خطبہ) میں باہمی نسبت سمجھتے ہیں۔ یعنی خطبہ کی نسبت سے نماز لمبی ہو۔ ان معنی سے تو خطبہ نماز سے چھوٹا ہونا چاہیے۔ نماز اگر پندرہ منٹ میں ختم ہو تو خطبہ دس بارہ منٹ میں ہو۔ غالباً اسی تشریح کے مطابق آپ کا سوال ہے۔ دوسری تشریح یہ ہے کہ خطبہ فی نفسہٖ چھوٹا ہو اور نماز فی نفسہا لمبی ہو۔ ان دونوں میں نسبت مراد نہیں مثلاً آجکل اچھے طویل لیکچر کے لیے دو گھنٹے ہوتے ہیں۔ تو خطبہ بھی چونکہ ایک لیکچر ہے وہ اتنا لمبا نہ ہونا چاہیے بلکہ دو گھنٹے سے کم وقت میں ختم کرنا عقلمندی ہے تاکہ حاضرین سو نہ جائیں جیسا کہ لمبے خطبوں میں مشاہدہ ہوتا ہے۔

(اہلحدیث ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ)

تعاقب بر فتوٰی بندقہ: اخبار اہلحدیث جلد ۱۷ نمبر ۲ میں ایک فتوٰی مولانا ابوالوفاء صاحب کا دربارہ حلت شکار بندوق کے چھپا ہے جبکہ بندوق بسم اللہ کہہ کر چلائی جائے اور شکار بندقہ رصاصیہ یا چھرہ یا گولی سے گر کر مر جائے اور ذبح کرنے کا موقع نہ ملے مولانا موصوف نے لکھا ہے کہ بندوق کا وجود پہلے نہ تھا متاخرین علماء نے اسے تیر کے حکم میں داخل کیا ہے لہذا جو تیر کے شکار کا حکم ہے یعنی حلت وہی اس کا حکم بھی ہے۔ علت جامعہ دونوں میں خرق (پھاڑ) کا پایا جاتا ہے اور صدم کا نہ ہونا۔ یہ ہے خلاصہ استدلال۔

اقول: بندقہ رصاصیہ یا چھرہ، یا گولی۔ ان میں نہ تو دھار ہے نہ نوک پھر ان سے بجز صدم پائے جانے کے خرق اصلی کسی طرح نہیں پایا جا سکتا۔ البتہ وہ

خرق جو صدم کی شدت سے حاصل ہوتا ہے وہ البتہ پایا جاتا ہے کہ چھرہ یا گولی شدت صدم سے شکار میں یا دیوار میں یا انسان کے جسم میں گھس جاتی ہے پس یہ خرق بلاشبہ عارضی ہوا جب تک دھار دار یا نوکدار چیز نہ ہو خرق کا پایا جانا مفقود ہے۔ اور جو خرق شدت صدم سے پایا جاتا ہے وہ عارضی ہے جو قابل اعتبار نہیں۔ بلکہ وہاں صدم ہی معتبر ہے۔ اور صدم سے مرا ہوا جانور حرام ہے۔ تم تجربہ کر کے دیکھو جب شدت صدم ہوگا تو اس کے ساتھ خرق ضرور ہوگا۔ اصل اس مسئلہ میں امام شوکانی رحمہ اللہ کی تحریر سے غلط فہمی عارض ہوتی ہے۔ تفسیر فتح البیان جلد ۳ صفحہ ۱ میں ہے۔ قال الشوکانی اما البنادق المعروفة الآن وھی بنادق الحدید التی یجعل فیھا البارود والرصاص و یرمی بھا فلم یتکلم علیھا اھل العلم لتاخر حدوثھا فانھا لم تصل الی الدیار الیمنیة الا فی المائة العاشرة من الھجرة وقد سالنی جماعة من اھل العلم عن الصید بھا اذا مات ولم یتمکن الصائد من تذکیته حیا والذی یظھر لی انه حلال لانھا تخرق وتدخل فی الغالب من جانب منه وتخرج من الجانب الاخر وقد قال صلعم فی الحدیث الصحیح اذا رمیت بالمعراض فخرق فکله فاعتبر الخرق فی تحلیل الصید انتہیٰ والحاصل ان جملة ما یحسن الصید به من الالات ھذہ البنادق الحدیدة التی یرمی بھا بالبارود والرصاص فان الرصاصة یحصل بھا خرق زائد علی خرق السھم والرمح والسیف ولھا فی ذلک عمل یفوق کل آلة ویظھر لک ذلک بانک لو وضعت ریشا او نحوہ فوق رماد دقیق او تراب دقیق وغرزت فیه شیئا یسیرا من اصلھا ثم ضربتھا بالسیف المحدد او نحو ذلک من الالات لم یقطعھا وھی علی ھذہ الحالة ولو رمیتھا بھذہ البنادق لقطعھا فلا وجه لجعلھا قاتلة بالصدم لا من عقل ولا من نقل وما نقل من النھی عن اکل ما رمی بالبندقة کما فی روایة عدی بن حاتم عند احمد ولا تاکل من البندقة الا ما ذکیت فالمراد بالبندق ھھنا ھی التی تتخذ من طین فیرمی بھا بعد ان ییبس وفی صحیح البخاری قال

ابن عمر فی المقتولۃ بالبندقۃ تلک الموقوذۃ وھکذا ما صید ببعض الحذف فقد ثبت فی الصحیحین وغیرھما من حدیث عبداللہ بن المغفل ان رسول اللہ صلعم نھی عن الخذف وقال انھا لا تصید صیدا ولا تنکئی عدوا لکنھا تکسر السن وتفقاء العین ومثل ھذا ما قتل بالرمی بالحجارۃ غیر المحددۃ اذا لم تخرق فانہ وقیذ لا یحل واما اذا خرقت حل انتھی"۔

ہم نے پوری عبارت باوجود طول ہونے کے نقل کردی۔ اس کا خلاصہ وہی ہے جو پہلا گذرا ہاں اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جناب نواب معلی القاب مولانا صدیق حسن صاحب بھی اس مسئلہ میں امام شوکانی کے موافق ہیں اور وہ رسالہ یعنی پر کی مثال دے کر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ بہ نسبت تلوار و نیزہ و تیر کے گولی یا چھرہ یا بندقہ میں خرق بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔ جو تجربہ پر موقوف ہے۔ غالباً بعد تجربہ کے لکھا ہوگا لیکن ہماری سمجھ میں اب تک یہ نہ آیا کہ وہ پتھر سے مارے ہوئے شکار کو بھی جائز اور حلال بتلاتے ہیں بشرطیکہ پتھر مارنے سے شکار میں خرق پایا جاوے واما اذا خرقت حل لیکن پتھر جب خرق پیدا کرے تو شکار حلال ہے۔

میں کہتا ہوں کہ جس طرح پتھر مارنے میں صدم پایا جاتا ہے اور مٹی کے غُلّہ میں صدم پایا جاتا ہے اور غلہ کے شکار کی حرمت عدی بن حاتم کی روایت میں موجود ہے ولا تاکل من البندق الا ما ذکیت (غلہ کا شکار نہ کھاؤ جب تک ذبح نہ کرلو) اسی طرح بندوق کے چھرے یا گولی میں بھی صدم ہی پایا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ دھاردار یا نوکدار نہیں نہ محدد ہے پس خرق کا وجود بتبع صدم شدید ہوا نہ بالاصالۃ۔

نوٹ: اس مسئلہ میں ایک بڑی مبسوط تحریر "القول المحمود" ہے جو مصر میں طبع ہوئی۔ ایک علامہ ہندوستانی ساکن ریاست ٹونک کی ہے دوسری تحریر علامہ بیرم کی ہے جو وہ بھی مصر ہی میں طبع ہوئی ہے مولانا سید عرفان صاحب مرحوم ٹونکی نے ان دونوں کا مبسوط جواب لکھا تھا مگر وہ طبع نہ ہو سکا۔ خود مولانا عرفان صاحب

ؔ حضرت مولانا سید عرفان کا یہ علمی قلمی سرمایہ برادرم حاجی احمد خان مرحوم نمبردار موضع ریوا کے کتب خانہ میں تھا مجھے خود اس کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا ہے۔ افسوس کہ حاجی صاحب مرحوم کے بعد یہ قیمتی خزانہ کرم خوردہ ہو کر ضائع ہو گیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (محمد داؤد راز)

حلت کے قائل تھے۔ مگر اب تک اس امر کی تشفی نہ ہوئی جسے اس کمترین نے پیش کیا ہے۔ خرق کے معنے اہل لغت نے قتل بحدہ لکھا ہے (مجمع البحار) اور بندقہ یا چھرہ یا گولی میں حد نہیں نہ نوک ہی ہے۔ (عبد السلام مبارکپوری عفی عنہ)

اڈیٹر: آپ کے اس تعاقب سے معلوم ہوا کہ حلت شکار بندوق کا فتویٰ ہی نہیں۔ بلکہ نواب صاحب بھوپال اور قاضی شوکانی سید عرفان وغیرہ مرحومین بھی قائل تھے۔ آہ! ؎

نہ من تنہا دریں میخانہ مستم جنید و شبلی و عطار شد مست

علاوہ دلائل نقلیہ کے یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر شکار بندوق حرام قرار دیا جائے تو آجکل شکار کی رسم ہی بند ہو جائے کیونکہ تیروں کا رواج ہی نہیں۔ فافہم۔

(۲۸- شوال ۱۳۳۸ھ)

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص سنت پڑھ رہا ہے اور فرض نماز کھڑی ہو گئی اس کا ارادہ چار رکعت ادا کرنے کا ہے۔ ابھی پہلی رکعت میں ہے۔ دو رکعت کے بعد سلام پھیرے یا چار کے بعد۔ معہ حوالہ کتب جواب مرحمت ہو۔

جواب: بعد اقامت اس کو فوراً سنت ترک کر دینی چاہیئے۔ اس امر پہ یہ حدیث دلیل ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قائم کی جائے نماز (اقامت) کوئی نماز (درست) نہیں مگر فرض۔ سنت ترک کر کے فرض میں شامل ہو جائے۔ فجر کی سنت ہو یا اور کوئی۔ بعد اقامت سنت پڑھنے والا مجرم ہے۔ (محمدی دہلی ۲۳ ذی قعدہ ۱۳۶۱ھ)

سوال: من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔ یہ حدیث ہے یا دلیل اگر حدیث ہے تو قوی ہے یا ضعیف؟

جواب: کسی بزرگ کا قول ہے اس کے معنے ہیں جو کوئی اپنے آپ کو بغور دیکھے کہ میں کیسا عاجز محتاج ہوں وہ خدا کو پہچان جاتا ہے۔ کیونکہ یہ انسان کو خدا کی ہستی کا ثبوت دیتی ہے۔

(۱۴ محرم ۱۳۳۰ھ)

سوال: جمعہ کے دن بوقت خطبہ خوانی خطیب منبر پہ کھڑا ہو کر عصا پر ٹیک دے سکتا ہے یا نہیں؟ اگر دے سکتا ہے تو باحدیث صحیح ثابت ہو۔ نہ دے سکتا ہے تو وہ بھی احادیث

؎ یادگار از حضرت مولانا احمد اللہ شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ۔

صحیحہ سے ممانعت ثابت ہو۔ بغرض سنت ہے یا بدعت۔ حکم خدا و رسول کے موافق ساتھ تشریح کے جواب دیں۔ (عبدالقادر کرنول)

جواب: ابن ماجہ میں حدیث ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا خطب فی الحرب خطب علی قوس واذا خطب فی الجمعۃ خطب علی عصا۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب میدان جنگ میں خطبہ پڑھتے تو کمان کو ہاتھ میں لے کر پڑھتے اور جب جمعہ کے روز پڑھتے تو عصا (لکڑی) پر پڑھتے۔ اس قسم کی حدیثیں بکثرت ہیں۔ اللہ اعلم۔ (۲۷۔ ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ)

سوال: نمبر ۲۰۔ جلد ۷ فتوی نمبر ۱۱۷ کے جواب میں قبر پر پتھر وغیرہ کوئی نشان کے لئے رکھنا حدیث شریف کے رو سے آپ نے جائز تبلایا ہے۔ سوال میرا یہ ہے۔ اب نشانہ پتھر قبر پر کس طرح لگانا۔ کیا نام مردے کا لکھنا۔ یا گول۔ لمبا یا چوڑا پتھر لگانا۔

(پی عبدالرحیم)

جواب: حدیث شریف میں اتنا آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کی قبر پر پتھر رکھا نام وغیرہ لکھنے کا ثبوت نہیں۔ پتھر کسی خاص علامت کا رکھا جائے تو کافی ہے۔

(۲۸ رجب ۲۸ھ)

سوال: زید ماہ محرم کے عشرہ کے دنوں میں تعزیہ کی مجالس میں جا کر کھیلتا کودتا ہے۔ از روئے قرآن وحدیث ایسی مجلسوں میں زید کا جانا جائز ہے یا نہیں؟ اور زید اس کو ثواب یا جائز سمجھ کر نہیں جاتا ہے فقط اس نیت سے جاتا ہے کہ محرم کی مجلسوں میں ہندو اور مسلمان سب جاتے ہیں اس لئے مسلمانوں کا زور ہندوؤں پر غالب رہے اور ہندو مغلوب رہیں اور آئندہ اسلام میں ہندو قوم کوئی قسم کا خلل یا زور نہ پہنچائیں۔

(محمد عبداللہ۔ چیرا کنڈا۔ مانبھوم بنگال)

جواب: تعزیہ وغیرہ کی مجلس میں کسی نیت سے جانا بھی جائز نہیں۔ قرآن مجید اور حدیث شریف میں منع ہے لَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔

(۹ جولائی ۲۰ء)

سوال: ایک شخص جس کی زبان سے حرفوں کی ادائیگی، زبان کی لکنت یا ناک میں سے آواز نکلنے کی وجہ سے نہ ہوتی ہو اور وہ کسی کی سمجھ میں مشکل سے آتا ہو اور بہرا

بھی ہو تو ایسا شخص پیش امامی کے لائق ہو سکتا ہے یہ بھی خیال رہے کہ اس گاؤں میں اس شخص سے قابل شخص بھی موجود ہیں اور رئیس دوسرا عالم پیش امامی کے لئے رکھنے کی طاقت بھی رکھتے ہیں۔　(از منگرول پیر۔ اکولہ)

جواب: قرآن مجید کو صحیح طریق سے پڑھنے کا حکم قرآن و حدیث میں آتا ہے وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا وغیرہ نیز سامعین شریک جماعت کو صحیح قرآن سن کر لبا اوقات تذکیر بھی ہوتی ہے اس لئے حکم ہے لِيَؤُمَّكُمْ اَقْرَءُكُمْ لِكِتَابِ اللهِ زیادہ قرآن پڑھنے والا امامت کیا کرے۔ اس لئے امام ایسا ہونا چاہیے جس میں یہ اوصاف ہوں کہ اس کی قرأت ترتیل سے ہو جس سے سامعین متاثر بھی ہوں۔

(۴ ربیع الآخر ۱۳۱۵ھ)

سوال: بعد نماز فریضۂ کامل درود شریف پڑھ کے اللّٰھم انت السّلام پڑھیں یا درود شریف ترک کر کے فقط اللّٰھم انت السلام سے شروع کریں درود شریف قبل پڑھنے کی ممانعت میں کوئی حدیث صحیح ہو تو بیان کریں۔

(خاکسار قاضی غلام محی الدین از کبرلی سوتھ افریقہ)

جواب: اوراد مسنونہ کے لئے یہ طریق ہے کہ جو ورد کسی مقام پر ثابت ہو وہی مسنون ہے دوسرا نہیں حضرت ابن عمرؓ کے سامنے ایک شخص نے چھینک مار کر اللّٰھم صل علی محمد کہا تو ابن عمر نے کہا اس موقع کے لئے ہم کو درود نہیں سکھایا گیا ہے۔ اس روایت کے مطابق بعد نماز متصل وہی دعا پڑھنی چاہیے جس کا ثبوت ملتا ہے یعنی اللّٰھم انت السلام۔ درود کی فضیلت بجائے خود ہے مگر وقت مناسب وہی ہے جو بتلایا گیا۔　۴ ربیع الثانی ۱۳۱۵ھ)

سوال: ماسوائے ارنب یعنی خرگوش کے مسخ شدہ چیزوں سے کوئی اور بھی حلال ہے یا نہیں؟

جواب: ارنب (خرگوش) حلال ہے۔ اس کے مسخ ہونے کا ثبوت میں نے نہیں پایا۔

(۱۸ ستمبر ۱۹۱۳ء)

سوال: اسلامی دوران یعنی رسالت محمدیہ میں نزول جسمانی ابن مریم کی کیا ضرورت ہے بنی آدم پر تسلط شیطانی روحانی ہے۔ جس کے دفعیہ کے لئے نزول مسیح بھی روحانی ہونا چاہیے۔ مسیحیوں کا خود عقیدہ ہے کہ مسیح کا نزول ثانی جلالی ہوگا۔　(شیخ قاسم علی اودسیر)

جواب: جتنے انبیاء کرام علیہم السلام آئے ہیں وہ ایسے ہی اوقات میں آئے کہ شیطان کا لوگوں پر غلبہ تھا۔ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ۔ تو کیا انبیاء کی پیدائش جسمانی تھی یا روحانی (وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً) مسیحیوں کا عقیدہ جلالی کے معنے ہیں با حکومت۔ ہمارا بھی یہی عقیدہ ہے۔ بلکہ ہمارے زمانہ کے غیر اصلی مسیح قادیانی کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ (ملاحظہ ہو براہین احمدیہ اور ازالۂ اوہام) (۱۸ ستمبر ۳۱ء)

سوال: کیا حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اور مولانا عبد الحی صاحب لکھنوی ہر دو حضرات حنفی تھے یا اہلحدیث؟ اگر حنفی تھے تو سورہ فاتحہ خلف الامام کی کیوں تائید کرتے تھے۔ اگر کرتے تھے تو غالباً خود بھی امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتے ہونگے اگر اہلحدیث تھے تو یہ کیوں مشہور ہے کہ آپ حنفی تھے؟ (ایضاً)

جواب: مولانا عبد الحی لکھنوی تو اپنے آپ کو حنفی لکھتے تھے۔ شاہ صاحب بلباس حنفیت عامل تھے۔ مگر احادیث کا ان پر اثر تھا۔ اس لئے بہت سے مسائل حنفیہ کے قائل نہ تھے۔ مثلاً شاہ صاحب رفع یدین کی بابت فرماتے ہیں والذی یرفع احب الی ممن لا یرفع یعنی رکوع کے وقت رفع یدین کرتا ہے وہ نہ کرنے والے سے مجھے محبوب تر ہے۔ اللہ اعلم۔ (۱۳ دسمبر ۱۹۲۹ء)

سوال: ایک شخص نے دو مرغ ذبح کئے مگر ناواقفی کی وجہ سے ان کی گھنڈی کا کچھ حصہ زبان کا کٹ کر نیچے کی طرف آگیا۔ کیا یہ حلال ہوئے؟ یا حرام؟

جواب: حلال ہے۔ اس قسم کی بھول چوک معاف ہے۔ (۵ رجب ۴۶ھ)

سوال: چار آدمی مسجد کے پاس بیٹھ کر تاش یا جوا کھیلتے تھے۔ ایک پرہیزگار متقی نے انہیں منع کیا کہ یہاں مت کھیلو۔ انہوں نے جواب دیا یہ تو مسجد نہیں۔ جاؤ تمہارا اس میں کام نہیں مسجد کے متولی نے بھی کھلاڑیوں کی تائید کی۔ درانحالیکہ وہ جگہ متصل مسجد ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ متولی از وارث وقف کنندہ مرحوم متولی ہے کیا یہ سب کھلاڑی اور متولی صاحب مجرم ہیں؟ (خریدار نمبر ۸۷۸۳)

جواب: تاش۔ جوا وغیرہ ہر جگہ منع ہے۔ مسجد کے پاس ہو یا دور۔ کھیلنے والوں کی تائید کرنا بھی گناہ ہے۔ (۶ جمادی الثانی ۱۳۴۶ھ)

سوال: ہمارے اطراف میں ایک مولانا محدث و مفسر صاحب آئے تھے۔ صاحب

موصوف ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں میں بغیر دعوت نہیں جاتے تھے۔ مجلس وعظ میں قرآن وحدیث دل کھول کر بیان کرتے ہیں۔ برائے وعظ ونصیحت کسی سے کچھ نہیں لیتے۔ مگر گھر اگر دعوت کریں اور صاحب دعوت اگر تعظیماً کچھ دینا چاہیں تو بنظر حقارت نقیروں کی بھیک کہہ کر نہیں لیتے۔ لیکن پہلے ہی یہ بندوبست کر لیتے ہیں کہ تمہارے گاؤں جا کر جلسہ وعظ کروں گا میرا خرچ باربرداری پچاس روپے سے کم نہیں۔ پھر ویسا ہی ٹھہرا لیتے ہیں۔ کیا صاحب دعوت اگر کچھ دے تو از روئے قرآن وحدیث منع ہے؟

جواب: حدیث شریف میں آیا ہے اذا اعطیت بلا اشراف نفس فخذ۔ (جب تمہیں بے مانگے کوئی چیز ملے تو لے لیا کرو) اس حدیث سے ثابت ہے کہ کوئی شخص واعظ کی خدمت کرے تو قبول کرنا جائز ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ اِتَّبِعُوْا مَنْ لَّا یَسْئَلُکُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ (جو لوگ تم سے مزدوری نہیں مانگتے ان کی بات سنو) یہ مانگنے کے متعلق ہے۔ حدیث مذکور کے خلاف نہیں۔ (۶ جمادی الثانی سنہ ۱۳۴۶ھ)

سوال: تعویذ اور گنڈے کرنا قرآن شریف سے جائز ہے یا نہیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کہا ہے کرنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: تعویذ اور گنڈے کرنا حدیثوں میں منع آیا ہے جو دعائیں اور معوذات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائے ہیں وہ لکھ کر بچوں کے گلے میں ڈالے جائیں تو ثبوت ملتا ہے مثلاً اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق و شر کل شیطان وھامۃ و شر کل عین لامۃ مصنوعی تعویذات کے الفاظ اگر شرک وکفر سے پاک بھی ہوں تو بھی وہ اس درجہ کے نہیں ہو سکتے جو درجہ ان کلمات طیبہ کا ہے۔ (یکم فروری ۱۹۱۸ء)

تشریح: وہ تعویذات اور گنڈے شرعاً ناجائز اور ممنوع ہیں جن میں شرکیہ الفاظ ہوں۔ استعانت بغیر اللہ ہو یا جن کے معنے معلوم نہ ہوں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اور آیات قرآنی وادعیہ ماثورہ کے ساتھ تعویذ کرنا اور گلے میں لٹکانا بلاشک جائز ودرست ہے۔ حدیث مندرجہ ذیل اس پر شاہد ہے سنن ابو داؤد وجامع ترمذی میں بروایت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ مروی ہے۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا فزع احدکم فی النوم فلیقل اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِهٖ وَعِقَابِهٖ وَشَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّیٰطِیْنِ وَاَنْ یَّحْضُرُوْنِ ۵ فانھا لن تضرہ وکان

عبداللہ بن عمرو یعلمھا من بلغ ولدہ ومن لم یبلغ منھم کتبھا فی صاک ثم علقھا فی عنقہ۔ قال صاحب التعلیق الصبیح تحت ھذا الحدیث وھذا اصل فی تعلیق التعویذات التی فیھا اسماء اللہ تعالیٰ وکذا فی المرقات یعنی یہ حدیث تعویذات کے لٹکانے کے متعلق جن میں اسمائے الٰہی ہوں اصل ہے فقط ایکم شوال عید الفطر ۱۳۷۲ھ

(حررہ العاجز ابو محمد عبدالجبار صدر مدرس مدرسہ دارالعلوم شکراوہ (مشرقی پنجاب)

سوال: کتاب حجۃ اللہ البالغہ مصنفہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کے صفحہ ۸۹ میں ایک حدیث یوں مرقوم ہے الشوم فی المرأۃ والدار والفرس۔ (نحوست عورت اور گھوڑے اور گھر میں ہوتی ہے۔) زید کہتا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ عقل سلیم کے خلاف ہے اور ایسی حدیث پر اعتقاد رکھنا جزو ایمان نہیں۔ بکر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے حوالہ سے اُسے صحیح بتاتا ہے اور عورتوں کی نحوست کو تسلیم کرتا ہے براہ عنایت اس حدیث کے متعلق شائع فرمائیں کہ اسماء الرجال کی کسوٹی پر صحیح اترتی ہے یا نہیں۔ زید بکر کے عقائد کے متعلق بھی اپنی رائے سے مطلع فرمائیں (ڈاکٹر محمد ایوب اسسٹنٹ سرجن ازمچھو)

جواب: حدیث غلط نہیں۔ دونوں صاحبوں کو حدیث مذکورہ کے معنے سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے معنی یہ ہیں کہ ان تین چیزوں میں ناموافقت ہونے کی صورت میں جو تکلیف ہے وہ کسی اور چیز میں نہیں عورت کی ناموافقت اللہ کی پناہ۔ گھوڑے کی سرکشی خدا کی پناہ۔ گھر کی تنگی الامان۔ اسی لئے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعا کیا کرتے تھے وسع لی داری (اے خدا میرے گھر میں وسعت دے)۔ (۲۷ صفر ۱۳۴۶ھ)

سوال: کیا نبیوں کے سب ہی خواب سچے ہوتے ہیں یا کہ بعض نہیں بھی مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لَقَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا کہہ کر قربانی فرزند سے منع کیوں کیا جاتا۔ اگر یہ خواب سچا ہوتا تو عمل ضروری تھا لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُولَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ۔

جواب: حضرت ابراہیم کا خواب سچا اور اس کے وہی معنے ہیں جو انہوں نے سمجھے اور کرنے پر تیار ہوگئے لیکن انجام تک پہنچانے سے خود خواب دکھانے والے نے روک دیا۔ کیونکہ انما الاعمال بالنیات۔ (۲ ذی الحجہ ۴۸ھ)

سوال: کسی کو یہ کہتے سنا کہ جناب اڈیٹر اہلحدیث نے تفسیر عربی کے بعض مقامات کو بایماء سلطان نجد تبدیل کر دیا۔ اگر یہ درست ہو تو جدید اور سابقہ دونوں تفسیروں سے اصح کون ہے؟

جواب: سلطانی دربار میں حسب صوابدید علماء نجد مجھ پر لازم کیا گیا تھا کہ میں آیت "استویٰ" کی تفسیر سلف محدثین کے موافق کردوں اور اس پر ایک حاشیہ لکھوں۔ چنانچہ میں نے یہ لازم ادا کردیا اور حاشیہ بھی لکھ دیا۔ آپ دونوں کو دیکھ کر فرق بتلائیے گا تو آپ کے سوال پر غور کیا جائے گا ورنہ کہا جائے گا لو قرأته لوجدته۔ (۲۔ ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ)

سوال: کس طرح سورج گرہن یا چاند گرہن ظہور میں آتے ہیں۔ اس کا ثبوت بذریعہ قرآن و حدیث چاہتے ہیں۔ یہ بھی اگر قرآن شریف سے ثابت ہے کہ آسمان گردش میں ہے تو واضح کریں۔

جواب: آسمان کی گردش اس آیت سے مفہوم ہوتی ہے وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْحُبُكِ (آسمان گردش والے کی قسم ہے) سورج چاند کے گرہن کی وجہ قرآن یا حدیث میں نہیں۔ حدیث میں گرہن کو آیت اللہ فرمایا ہے۔ گرہن کی وجہ سمجھنے سے پہلے زمین چاند اور سورج کا باہمی تعلق ذہن نشین کرنا چاہیے علم ریاضی والوں نے ان تینوں کا جو نقشہ بنایا ہے وہ یوں ہے۔

زمین ——— چاند ——— سورج۔ چاند اور زمین سورج سے روشنی لیتے ہیں۔

چاند اپنی حرکت میں ایسی جگہ آجاتا ہے جو اس تصویر میں دکھائی دیتا ہے یعنی چاند زمین اور سورج میں حائل ہوجاتا ہے جیسا نقشہ مرقومہ میں دکھایا ہے تو ہم باشندگان زمین کو سورج گرہن معلوم ہوتا ہے۔ صرف ہمارے دیکھنے میں رکاوٹ ہوتی ہے۔ سورج بدستور روشن ہے اور جب چاند تک سورج کی روشنی پہنچنے میں زمین حائل ہوجاتی ہے تو چاند کو گرہن ہوجاتا ہے مثلاً یوں چاند ——— زمین ——— سورج۔ یہ سب کچھ ان تینوں کی حرکات پر موقوف ہے۔ مگر یہ تشریح علم ریاضی والوں کی ہے۔ قرآن و حدیث میں صرف آیَةٌ مِنْ آيَاتِ اللهِ آیا ہے جو سارے مطلب کو حاوی ہے۔ (۸ ستمبر ۱۹۳۲ء)

سوال: مشکوٰۃ میں جو حدیث حضرت عمرؓ سے روایت آئی ہے کہ اصحابی کالنجوم بأیہم اقتدیتم اهتدیتم یعنی میرے صحابی ستاروں کی مانند ہیں جن کی اقتدا کروگے ہدایت والے ہوجاؤگے یہ حدیث صحیح ہے یا غیر صحیح ہے۔ (اے۔ ایم۔ ڈبلیو۔ نون افریقہ)

جواب: یہ روایت صحیح نہیں۔ حافظ ابن قیمؒ کئی طرق نقل کرکے لکھتے ہیں لا یثبت شئی منها (کوئی روایت ثابت نہیں) آگے لکھا ہے فهذا الكلام لا يصح عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم۔ اعلام الموقعین ص ۲۳۶ ج ۲ (۵ جولائی ۱۹۳۲ء)

سوال: بعد مرگ ولی یا نبی کی کرامات کا سلسلہ جاری رہتا ہے یا نہیں؟

جواب: معجزات اور کرامات دو قسم کی ہیں۔ ایک عملی دوم علمی۔ عملی یہ ہے کہ ان کے ہاتھ یا دعا سے خلاف عادت کوئی کام ہو جائے جیسے شق القمر وغیرہ یہ تو بعد انتقال ختم ہو جاتا ہے۔ علمی یہ کہ آئندہ زمانہ کے متعلق کوئی خبر دی ہو وہ بعد انتقال پوری ہو جائے اس قسم کی کرامت بعد انتقال بھی ہو سکتی ہے جیسا کہ حضور نے فرمایا تھا کہ میرے بعد تیس دجال ہوں گے جو نبوت کا دعویٰ کریں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یا فرمایا تھا کہ میرے بعد اسلام کا نام ہی نام رہ جائے گا چنانچہ یہی ہو رہا ہے اس قسم کے معجزات یا کرامات بعد انتقال بھی واقع ہو جاتی ہیں۔ (۲۳ اگست ۱۹۳۵ء)

سوال: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چاند کو دیکھ کر "ھذا ربی" کہا یہ عقیدۃً کہا یا اور کسی نسبت سے کہا صورت اول میں شرک لازم آیا۔ خواہ چند منٹ کے لئے ہو۔ اس الزام کا ازالہ کس طرح ہو۔ نبی سے ایسا فعل ایک لمحہ کے لئے بھی ممکن نہیں۔ زید کہتا ہے ھذا ربی مترادف ہے اھذا ربی کے واسطے تردید عقیدۂ قوم استفہاماً کہا تھا۔ (شیخ قاسم علی)

جواب: جو کچھ زید کہتا ہے پہلے مفسروں میں سے بعض نے یہی کہا ہے۔ میرے نزدیک استفہام نہیں نہ شرک ہے قبل نبوت اختلاف مدارج کے تحت میں ہے۔ اس کی مثال میں آیت کریمہ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ پیش ہو سکتی ہے۔ (۴ ستمبر ۱۹۳۶ء)

سوال: بخاری ج ۴ ص ۱۵ مطبوعہ مصر میں ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام ابوبکر پر ایسی ناراض ہوئیں کہ مرتے دم تک کلام نہیں کیا اور یقیناً ممدوحہ نے ابوبکرؓ کو خلیفہ تسلیم نہیں کیا اور اسی حال میں وفات پائی یا ثابت کرو کہ انہوں نے ابوبکرؓ کی کب اور کیونکر بیعت کی اور اگر بیعت نہیں کی تو بقول آنحضرت مَنْ لَمْ يَعْرِفْ إِمَامَ زَمَانِهِ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً (تفسیر در منثور سیوطی زیر آیۃ مسودہ) مسلمان تھیں یا نہیں اگر مسلمان تھیں تو ابوبکرؓ کیونکر خلیفہ ہوئے (سید پیر)

جواب: شیعوں کی طرف سے اس قسم کے بیکار سوال ہوتے رہتے ہیں۔ حضرت فاطمہؓ نے ابوبکرؓ سے مسئلہ وراثت کے متعلق جب حدیث سنی تو اس امر میں گفتگو نہ کی بلکہ راضی ہو گئیں۔ چنانچہ شیعوں کی مسلمہ کتاب نہج البلاغت کی شرح ابن ابی الحدید میں ہے فرضیت بہا تسلیم خلافت تو ان کے عرضی دعویٰ ہی سے ثابت ہے۔ ابوبکرؓ کی خدمت میں بحیثیت حاکم دعویٰ پیش کرنا ہی تسلیم خلافت ہے۔ (۴ ستمبر ۱۹۳۶ء)

سوال: بخاری ج ۲ ص ۲۱۲ میں ہے کہ فاطمہؓ میری پیاری پارۂ جگر ہے جس نے اسے غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا یہ بتلاؤ کہ رسول خدا کو غضبناک کر کے ابوبکر کیونکر مسلمان رہے

جواب: حدیث کا مطلب صحیح ہے کہ جو فاطمہؓ کو تکلیف دہی کا کام کرے نہ یہ کہ نیک نیتی سے حدیث رسولؐ سنائے جو فاطمہؓ کی منشار کے خلاف ہو تو اس پر بھی یہ وعید جاری ہو۔ ہرگز نہیں
(۴ ستمبر ۱۹۳۶ء)

سوال: قرآن میں لکھا ہے یہود بدعملی سے بندر بنائے گئے یہ خلاف ہے لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ کے اگر یہ درست ہے تو تناسخ ثابت ہے۔ صحیح مفہوم کیا ہے؟

جواب: لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ کے معنی ہیں لا مبدل غیر اللہ لخلق اللہ۔ تناسخ فعل اللہ سے ہوتا ہے یہ تو اللہ تناسخ نہیں۔
(۲۰ نومبر ۱۹۳۶ء)

سوال: کیا حضرت ابراہیمؑ واقعی آگ میں ڈالے گئے تھے۔ قرآن سے ایسا ثابت ہے [illegible]

جواب: واقعی ڈالے گئے تھے آگ کو حکم کُوْنِیْ بَرْدًا پہنچنا یہی چاہتا ہے۔ (۲۰ نومبر ۱۹۳۶ء)

سوال: سورۂ فاطر میں فرشتوں کے پروں سے مراد ان کا واقعی ہے یا صرف تمثیل مقصود ہے؟

جواب: اہل حق کے نزدیک انکا واقعہ ہے اہل نیچر کے نزدیک تمثیل ہے۔ (۲۰ نومبر ۱۹۳۶ء)

بحث تسبیح دانہ: افراد اہلحدیث کا کچھ ایسا خیال ہے کہ ہاتھ میں عقیق البحر وغیرہ کی تسبیح رکھنا بدعت ہے اور اکثر احمد و ترمذی و ابوداؤد کی اس روایت کو پڑھ دیتے ہیں واعقدن بالانامل فانھن مسئولات مستنطقات یعنی انگلیوں کی پوروں پر شمار کیا کرو۔ گو یہ طریق اولی و افضل ہے لیکن دھاگے میں دانوں کو جمع کرکے تسبیح پڑھنا اور ان پر شمار کرنا بھی بحکم حدیث جائز ہے سنن اربعہ و ابن حبان و حاکم میں سعد بن ابی وقاص کی یہ روایت مذکور ہے انه دخل مع رسول الله صلى الله عليه وسلم على امرأة وبين يديها نوى او حصى تسبح به الحديث یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک عورت کے یہاں تشریف لے گئے وہ اپنے آگے کنکریوں یا گٹھلیوں کو رکھ کر تسبیح پڑھتی تھی۔ حضرت نے اس کو بالکل نہیں روکا بلکہ اور دعا بتلا دی کہ اس کو پڑھ۔ ترمذی نے اس کو حسن اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔ ایک دوسری روایت حاکم و ترمذی میں ہے عن صفية قال دخل علي رسول الله صلى الله عليه وسلم وبين يدي اربعة آلاف نواة اسبح بها الخ حضرت صفیہ فرماتی ہیں کہ حضور پرنور میرے یہاں تشریف لائے حالانکہ میرے آگے چار ہزار گٹھلیاں تھیں میں ان پر تسبیح پڑھتی تھی تو آپ نے مجھے سبحان اللہ عدد خلقہ والی دعا بتلادی۔ سیوطیؒ نے اس کو صحیح کہا ہے۔ قاضی شوکانیؒ نیل میں فرماتے ہیں والحدیثان الآخران يدلان على جواز عقد التسبيح بالنوى والحصى وكذا بالسبحة

لعدم الفارق لتقریرہ صلعم للمرأتین علی ذالک وعدم انکارہ یعنی دونوں حدیثوں سے کنکری اور گٹھلی اور تسبیح مروجہ پر شمار تسبیح کرنا جائز معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں عورتوں کو منع نہیں فرمایا۔ بلکہ ان کے اس فعل پر ان کو ثابت رکھا رسالہ جزء ہلال الحفار میں بہت سے آثار اس طور سے تسبیح پڑھنے کے منقول ہیں ابن سعد نے طبقات میں فرمایا ہے اخبرنا عبداللہ ابن موسیٰ اخبرنا اسرائیل عن جابر عن امرأۃ خدمتہ عن فاطمۃ بنت الحسین بن علی بن ابی طالب انہا کانت تسبح بخیط معقود فیہا۔ یعنی فاطمہ تاگے والی تسبیح پر تسبیح پڑھا کرتی تھیں اور زوائد الزہد میں ہے عن ابی ھریرۃ انہ کان لہ خیط فیہ الف عقدۃ فلا ینام حتی یسبح یعنی حضرت ابوہریرہؓ کے پاس دو ہزار دانہ کی ایک تسبیح تھی سوتے وقت ہمیشہ اس پر پڑھتے۔ غرض آثار کہاں تک نقل کئے جائیں۔ علامہ سیوطی کا اس مسئلہ میں ایک مستقل رسالہ ہے جس کا نام ہے المنحۃ فی السبحۃ اس میں انہوں نے بڑے زوروں سے تسبیح دانہ والی کو پڑھنے کا ثبوت دیا ہے آخر میں فرماتے ہیں ولم ینقل عن احد من السلف ولا من الخلف المنع من جواز عد الذکر بالسبحۃ بل کان اکثرھم یعدونہ بہا ولا یرون ذالک مکروھا انتہیٰ۔ یعنی دانہ والی تسبیح پر تسبیح پڑھنے کی ممانعت سلف و خلف کسی سے بھی منقول نہیں بلکہ وہ لوگ خود اسی تسبیح پر شمار کیا کرتے تھے اور اس میں کوئی کراہت نہیں دیکھتے۔ ولعل فیہ کفایۃ لمن لہ درایۃ۔ عاجز محمد ابو القاسم بنارسی (۲۰ مئی ۱۹۱۳ء)

سوال: قرآن پاک واحادیث کا ترجمہ کرکے شائع کرنا ثابت وجائز ہے یا نہیں؟

جواب: جائز بلکہ ضروری ہے بدلیل قولہ تعالیٰ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت عام ہے اور تبلیغ ضروری ہے اس سے قرآن پاک واحادیث کا ترجمہ ہر زبان میں چاہیئے تاکہ تبلیغ کا کام پورا ہو سکے اور فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلغوا پر پورا عمل ہو۔ (۲۷ اگست ۳۷ء)

سوال: علمائے اہلحدیث کے دیئے ہوئے فتاویٰ عام جماعت اہلحدیث کے لئے معتمد ومعتبر ومستند وواجب التسلیم وواجب التعمیل ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب: کسی عالم کے فتوے کا معتبر ومستند ہونا اس کی دلیل پر منحصر ہے دلیل پختہ ہوگی تو معتبر ہے ورنہ نہیں محض عالم کا فتویٰ واجب التعمیل نہیں۔ واجب التعمیل صرف فرمان خدا و رسولؐ ہے اور بس بحکم اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا

مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ الاٰية ۔ واللہ اعلم (۳، ستمبر ۳۷ء)

تمّت بالخیر

الحمد للہ کہ آج فتاویٰ ثنائیہ محشّٰی بحواشی شریفہ مع تشریحات مفیدہ (جلد اول) کی تکمیل سے فراغت ہوئی دعا ہے کہ باری تعالیٰ اس دینی علمی مجموعہ کو قبولیت عامہ عطا فرمائے اور حضرت العلام جناب مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی علمی یادگاروں میں اس یادگار عظیم کو بھی دوام نصیب کرے اور حضرت الاستاذ مولانا ابوسعید شرف الدین صاحب محدث دہلوی دامت برکاتہم کو دونوں جہان میں جزائے خیر عطا کرے جنہوں نے بڑی دیدہ ریزی کے ساتھ پوری کتاب پر نظر فرمائی اور جگہ جگہ اپنے فاضلانہ حواشی سے اس یادگار کو چار چاند لگائے اور علمی اعانت کرنے والے دیگر حضرات علمائے کرام کو بھی جزائے خیر دے جنہوں نے ان کی ترتیب اور تبویب میں وقتاً فوقتاً اپنے بہترین قیمتی مشوروں سے مجھے ممنون و مشکور کیا اور جملہ معاونین حضرات کو باری تعالیٰ جزائے خیر عطا کرے جن کی مالی اعانت نے ایک حد تک اس اہم ترین کام کو آسان کر دیا۔ یہ حقیقت پہلے بھی لکھی جا چکی ہے اور مکرر پھر عرض ہے کہ معصوم عن الخطا صرف انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہوتے ہیں پھر ہر انسان سے خطا و نسیان کا ہمہ وقت امکان ہے حجۃ الاسلام حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ایک انسان تھے ۔ ہمارا فرض ہے کہ آپ کا جو فتویٰ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف پائیں اسے "لغزش و نسیان" پر محمول کریں ۔ اسلاف امت کے حق میں بدگوئی کرنا سچے مسلمان کا شیوہ نہیں ۔ اس بارے میں قرآن پاک کا صاف اعلان ہے ۔ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین ۔ سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین ۝ الحمد للہ رب العالمین ۔

محمد داؤد راز

(۱۱۔ شوال المکرم ۱۳۷۲ھ)

بابِ ہشتم

کِتابُ النِّکاح

افتتاحیہ

از حضرت العلام مولانا ابو المکارم ظفر عالم صاحب شیخ الحدیث جامعہ محمدیہ مالیگاؤں

اَمّا بَعدُ۔ اسلام کے ظاہری احکام دو طرح کے ہیں عبادات اور معاملات کتب حدیث و فقہ انہی دو قسموں پر مشتمل ہیں مسلمان کو ظاہر عبادت سے آراستہ رکھنا رکن عبادات ہے اور اپنی زندگی (حرکات و سکنات) کو ادب کے ساتھ رکھنا رکن معاملات۔ اول کا تعلق خدا سے ہے جس کو حق اللہ کہا جاتا ہے اللہ تعالے اپنا حق بندگی اپنے بندوں سے بلا شرکت غیرے چاہتا ہے۔ نماز روزہ اور زکوٰۃ حج مسلمان کے مال وجانی اور زبان سے یہ حق ادا ہونا چاہیے دوسری قسم کا تعلق بنی نوع انسان سے ہے جس کو تمدنی تعلق کہتے ہیں یہ منزل جس قدر دشوار گذار ہے اسی قدر اس کے مفاد میں فائدہ نہ صرف غیروں کا بلکہ خود اپنا بھی ہے اسی سے انسان کا معیار زندگی بلند ہوتا ہے۔

فتاوی ثنائیہ کی ترتیب فاضل مرتب نے انہی دو قسموں پر رکھی جو ہزارہا مسائل کا زبدہ ہے۔ جلد اول عبادات کے بعد جلد ثانی معاملات ہی پر ہے۔ اور چونکہ مسائل و احکام نکاح اسی سے متعلق ہیں اس لئے حسب ارشاد عزیزم راز صاحب بطریق اختصار میں ان مسائل کو پیش کر رہا لیکن یہ اس قدر تفصیل طلب ہیں کہ خود قرآن مجید سے بیان کرنے میں یہ جگہ ناکافی ہوگی کیونکہ بحیثیت فتاوی اس کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے پھر احادیث کا سلسلہ تو بہت ہی طویل ہے اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ صرف کتب صحاح کے مصنفین رح نے عنوانات کے تحت بہت سی حدیثیں جمع کی ہیں سیدنا امام بخاری رح نے اپنی صحیح میں ۲۲۸ حدیثیں جمع کیں اور امام مسلم رح نے صحیح مسلم میں ۱۶۱، اسی طرح امام ابو داؤد رح نے اپنی سنن میں ۱۱۶، اور امام نسائی رح نے ۱۹۳ پھر اسی طرح ابن ماجہ میں ۴۷، ترمذی اور

موطا مالکؒ و دیگر کتب ان کے سوا ہیں تو ظاہر ہے کہ یہ سب تفصیل اس جگہ نہیں سما سکتی اس لئے محض تعمیل ارشاد کی بناء پر مختصر مسائل اپنے رسالہ دستور النکاح سے منتخب کر کے پیش کرتا ہوں۔ وھو الموفق

حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں معلوم کرو کہ فن تدبیر منزل کے اصول تمام عرب و عجم کے نزدیک مسلم ہیں۔ البتہ ان کی صورتوں میں اختلاف ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرب میں پیدا کیے گئے اور حکمت الٰہیہ کا مقتضی ہوا کہ تمام دنیا میں بایں طور حکمۃ اللہ کا اعلان ہو کہ عرب کا دین تمام ادیان پر غالب کیا جائے و نیز تمام دنیا کے عادات عرب کی عادات سے منسوخ کیے جائیں اور تمام دنیا کے لوگوں کی ریاست ان کی ریاست سے منسوخ کی جائے لہذا یہ بات ضروری ٹھہری کہ بجز عرب کی عادات کے تدبیر منزل کسی صورت نہیں ہو سکتی (حجۃ اللہ البالغہ ص ۴۸۷)

سبحان اللہ شاہ صاحبؒ نے کیسی پیاری بات کہی ہے۔ کیوں نہ ہو کیونکہ یہ دین تمام ادیان سے سہل تر ہے قرآن بھی کہتا ہے۔

یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر — خدا تمہارے حق میں آسانی کا ارادہ کرتا ہے۔ نہ دشواری کا

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

فانما بعثتم میسرین ولم تبعثوا معسرین — تم آسانیاں بڑھانے کو پیدا ہوئے ہو نہ دشواریاں پیدا کرنے کو

پیغمبر کا مقام جب یہ ہے تو پھر نکاح کے احکام میں کیوں اچھائی نہ ہو گی بس اسی کو پیش نظر رکھ کر مسائل نکاح پر نظر ڈالیے۔

نکاح کیا ہے؟

یہ عربی لفظ ہے جس کے معنی عقد مرد و عورت اور مجامعت کرنے کے ہیں۔ اور اصطلاح شرعی میں۔ نکاح نام ہے اس تقریب کا جو اعلان عام۔ اور تقرری مہر رضائے فریقین سے کسی عورت کا کسی مرد کے ساتھ رشتہ یا عقد کیا جاتا ہے۔

اس میں اولاً خدا تعالیٰ کی رضامندی دیکھی جاتی ہے کہ آیا اللہ کی طرف سے اجازت ہے کہ نہیں پھر یہ دیکھا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ضابطہ اور عمل در آمد کے موافق ہے یا نہیں پھر لڑکیوں کے ولی کی رضامندی ضروری ہے اگر ولی رضامند نہ ہو اور نکاح ہو جائے تو اس طرح کے نکاح بدنیتی میں مل جاتے ہیں اور نتائج خراب نکلتے ہیں ایسا ہی لڑکوں اور لڑکیوں کی رضا ضروری ہے۔ پس ان رضامندیوں کے بعد نکاح ہوتا ہے اور اگر ان میں سے کسی ایک کی بھی نا رضامندی اور مخالفت ہو تو پھر اس میں مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں مطابق حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل درآمد کے موافق اور وہ یوں پھر طرفین کی رضامندی کے بعد جب ایک فریق منظور کرتا ہے اور دوسرا

اس کو قبول کرتا ہے تو بس یہی نکاح ہوتا ہے

مقصد نکاح

بڑا مقصد تو نکاح سے یہ ہے کہ خدا اور رسول کے حکم کی تعمیل ہوتی ہے قرآن مجید میں متعدد جگہ نکاح کا ذکر آیا ہے اور حدیث و فقہ میں اس کی تفصیل و شرح بیان کی گئی ہے بڑی ترغیب دلائی گئی ہے اور اس کے مقاصد و تجرد کے مفاسد خوب واضح بیان کیے گئے ہیں قرآن میں ہے

خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیہا — اللہ تعالیٰ نے تمہارے واسطے تم میں سے جوڑے بنائے

وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ — کہ تم ان سے آرام پکڑو اور تم میں دوستی اور نرمی رکھدی

پھر فرمایا

نساءکم حرث لکم — تمہاری عورتیں تمہاری اولاد پیدا کرنے کیلئے بمنزلہ تمہاری کھیتی کے ہیں۔

ایک جگہ فرمایا۔

حافظات للغیب — تمہاری بیویاں تمہاری غیر حاضری میں تمہارے مال و عزت اور دین کی حفاظت کرنے والیاں ہیں

محصنین غیر مسافحین۔ بھی فرمایا کہ تمہارا نکاح اس نیت سے ہو کہ تم تقویٰ و پرہیزگاری کے قلعہ میں داخل ہو جاؤ۔ احصان کا لفظ "حصن" سے مشتق ہے اور "حصن" بمعنی قلعہ، نکاح کا نام "احصان" اس واسطے رکھا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ سے انسان عفت کے قلعہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور بدکاری اور بدنگاہی سے بچ جاتا ہے اور جسم بھی بچا رہتا ہے پس حاصل یہ نکلا کہ نکاح قلعہ کا حکم رکھتا ہے انسان کو اللہ نے متمدن بنایا ہے اس لئے وہ خلوت میں آرام سے زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ وہ مجبور ہے کہ اپنے ہمنشیں کا ہمدم ہو جمعیت کا حصول مرد و عورت کئے بجز ناممکن ہے۔ اسی وجہ سے اس کے لئے ازدواجی زندگی ضروری ٹھیری یہی وجہ ہے کہ اسلام نے تجرد و رہبانیت کو ممنوع اقرار دیا ہے بڑے بڑے دانا اور حکما نکاح کے قائل رہے ہیں تامل کرو گے تو تجرد میں صرف اتنا ہی فائدہ نظر آئے گا کہ وہ عیالداری کے تفکرات سے بچا رہے۔ مگر جب ذرا زیادہ غور و تامل سے کام لوگے تو مفاسد زیادہ نظر آئیں گے طرح طرح کے آلام و امراض پیدا ہونگے مجرد آدمی تکثیر نسل نوع انسانی سے محروم رہے گا۔ خانہ داری کی برکتوں اور آسائیوں سے بھی محروم رہنا پڑیگا پھر محبت جو در حقیقت دنیا میں ایک نعمت عظمیٰ ہے اس کی لطف اندوزی سے کیا واقف ہو سکے گا۔ بہر حال انسان جو جمعیت و ملاپ اور رہن سہن کے لئے مجبور ہے۔ پس نکاح ہر حال میں مفید صحت اطمینان بخش۔ راحت رساں اور سرور افزا، کفایت آمیز و ترقی زندگی نادرین ہے

یایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ ولا تموتن الا وانتم مسلمون

معلوم ہوا منجملہ تقویٰ کے نکاح بھی ہے اور منجملہ شعائر اسلام بھی

واللہ جعل لکم من انفسکم ازواجا وجعل لکم من ازواجکم بنین وحفدۃ

ورزقکم من الطیبات

اس آیت میں رب کی طرف سے بندوں پر منت عظمیٰ ہے کہ ازواج پیدا کیے اور اولاد و اولاد کی اولاد دی

بہر حال تم اخلاقی طور پر یا مذہبی صورت میں جب اس پر غور کرو گے تو نکاح کو فائدوں سے بھرپور پاؤ گے طریق معیت کے لئے اس سے بہتر اور مناسب کوئی اور صورت نہیں۔ بیماریوں سے بچانے کا عجیب علاج ہے اگر یہ قانون الٰہی بنی نوع انسان میں نافذ نہ ہوتا تو دنیا آج سنسان نظر آتی نہ تو کوئی مکان ہوتا اور نہ یہ موجودہ شاداب و سرسبز کارخانہ ہوتا پس اللہ اور اس کے رسول کا فرمان سچ ہے۔ سب سے بڑی خوبی یہ کہ آدمی گناہ سے بچتا ہے دل ٹھکانے لگتا ہے نیت ڈانواڈول نہیں ہوتی شہوت کم ہو جاتی ہے اولاد ہونے سے امت اسلام بڑھتی ہے سنت انبیاء پر عمل ہوتا ہے اولاد صالح اور نیک پیدا ہو تو اس کی موت کے بعد وہ دعائے خیر کرتی ہے۔ نکاح سے شکر نعمت بھی بجالایا جاتا ہے کیونکہ صحبت کرنا بھی ایک نعمت ہے عورت کی بدخلقی اور اولاد کی پرورش پر جو کچھ صبر اور تکلیف جھیلی جاتی ہے وہ بھی گناہ کے کفارہ کا سبب ہے۔ نکاح میں فائدہ کا فائدہ اور ثواب کا ثواب، کیونکہ میاں بیوی کا پاس بیٹھ کر محبت پیار کی باتیں کرنا ہنسی دل لگی میں دل بہلانا نفل نمازوں سے بھی بہتر ہے اسی لئے خدا نے یہ حکم دیا

وانکحوا الایامیٰ منکم والصالحین من عبادکم وامائکم — اپنی رانڈوں اور لائق غلاموں و باندیوں کے نکاح کر دو

فانکحوا ما طاب لکم من النساء — جو عورتیں تم کو پسند ہوں نکاح کر لو۔

حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے

تناکحوا تناسلوا فانی مکاثر بکم الامم ولو بالسقط (غنیۃ) — تم نکاح کرو اولاد بڑھاؤ کیونکہ میں فخر کرنے والا ہوں تم سے امتوں پر اگرچہ ادھورا بچہ ہی کیوں نہ ہو۔

نکاح کے سبب آدمی حرام کاری اور غیر عورتوں کی طرف نظر کرنے سے بچ جاتا ہے (بخاری)

جو شخص عفت کے لئے نکاح کرتا ہے اللہ پاس کی مدد کرنا ضروری ہے (ترمذی)

نکاح سے انسان کا آدھا ایمان کامل ہوتا ہے جس نے نکاح نہ کیا اس کا آدھا ایمان نہیں (مشکوٰۃ)

مرد عورت میں جیسی نکاح سے محبت ہوتی ہے کسی اور چیز سے نہیں ہوتی (مشکوٰۃ)

جو شخص نکاح کر سکتا ہو پھر وہ نکاح نہ کرے تو ہم میں سے نہیں (طبرانی)

آنحضرت صلعم نے فرمایا:۔ میں نکاح کرتا ہوں جو میری سنت سے بیزار ہو وہ مجھ سے نہیں (بخاری)

مسواک، خوشبو، ختنہ، نکاح ایسے کام ہیں جن کو تمام رسولوں نے کیا (ترمذی)

اے گروہ جوانوں کے! جس کو تم میں جماع یا گھرداری کی طاقت ہو وہ نکاح کرے کیونکہ اس میں آنکھ کا بچاؤ، ستر کی حفاظت ہے ورنہ روزہ ہی سہی کیونکہ یہ خصی ہونا ہے (ابوداود)

مسکین ہے وہ عورت جس کا شوہر نہیں اور مسکین ہے وہ مرد جس کے عورت نہیں خواہ دونوں ہی مال دار کیوں نہ ہو (غنیۃ الطالبین)

ابن عباس نے فرمایا:۔ کہ اس امت میں افضل ترین وہ تھے جن کی بیویاں سب سے زیادہ تھیں یعنی نبی عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم (تلبیس ابلیس)

علماء کے اقوال

نکاح مستحب ہے یا سنت، یا واجب غلبۂ شہوت کے وقت نکاح کرنا حنفیہ کے نزدیک واجب ہے اور اگر یہ یقین ہو کہ بغیر نکاح زنا میں گرفتار ہو گا تو فرض ہے شافعیہ کے نزدیک مباح ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی نے واجب کہا ہے اور امام نووی نے مستحب امام احمد بن حنبل کے نزدیک نکاح تمام نوافل سے افضل ہے کیونکہ وجود اولاد کا سبب ہے۔ امام شوکانی ؒ نے اہل حدیث کا مذہب یہ لکھا ہے کہ نکاح اس آدمی کے لئے مشروع ہے جو جماع پر قادر ہو اور جس کو حرام میں پڑ جانے کا خوف ہو تو واجب ہے

(غنیۃ الطالبین، سبل السلام، نیل الاوطار)

کون عورتیں لائق نکاح ہیں

یہود نکاح کے لئے مال دیکھتے تھے نصاریٰ جمال دیکھتے تھے۔ مگر اسلام دین کا اعتبار کرتا ہے۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ:۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ نکاح کی جاتی ہے عورت چار سبب سے مالؔ حسبؔ جمالؔ دینؔ مگر تو دین والی سے نکاح کر، مٹی پڑے تیرے دونوں ہاتھوں پر اگر تو نے دین دار کو چھوڑا (بخاری مسلم)

حسب کہتے ہیں بڑے گھرانے کی عورت کو جیسے امیر رئیس، بادشاہ، امام عالم کی دختر۔ اور جمال کہتے ہیں خوبصورتی کو، مال سے مراد یہ ہے کہ عورت آسودہ ہو۔ دین ظاہر ہے فرمایا جس نے عورت کی عزت دیکھ کر نکاح کیا اللہ اس کی ذلت بڑھا دے گا اور جس نے مال دیکھا اس کو محتاج کر دیگا۔

جس نے حسب دیکھا۔ اس کا کمینہ پن زیادہ ہو گا البتہ جس نے اس لئے بیاہ کیا کہ آنکھ کو بچائے یعنی کمندو کے بدلہ رحم کرے تو اللہ تعالیٰ بھی اس مرد، عورت میں برکت دے گا (طبرانی)

فرمایا حضورؐ نے وہ عورت اچھی ہے جب شوہر اس کی طرف دیکھے تو اس کو خوش کر دے اور جب اس کو حکم دے تو بجالائے شوہر کی مخالفت اپنی جان و مال میں نہ کرے کہ جس سے وہ ناخوش ہو (نسائی)

حدیث میں ہے کہ تم کنواری سے بیاہ کرو کیونکہ ان کے منہ بہت میٹھے، ان کے رحم بہت صاف ہیں تھوڑی سی چیز پر راضی ہو جاتی ہیں

تعداد ازواج

فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلث وربع فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ (قرآن مجید)

نکاح کرو عورتوں سے جو تم کو پسند ہوں دو دو، دو دو، تین تین، چار چار عورتوں سے پس اگر تم کو اس کا احتمال ہو کہ انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی بیوی پر قناعت کرو۔

ابن عمرؓ نے کہا کہ غیلان بن سلمہ جب مسلمان ہو گئے ان کے پاس دس بیویاں تھیں وہ تمام اسلام لے آئیں آنحضرت صلعم نے فرمایا غیلان چار کو رکھ لے باقیوں کو چھوڑ دے (ابن ماجہ)

حارث کا بیان ہے کہ میں جب مسلمان ہوا تو میرے پاس آٹھ عورتیں تھیں میں نے آنحضرت صلعم سے بیان کیا تو فرمایا کہ چار کو چن لے باقیوں کو چھوڑ دے (ابوداؤد)

مذکورہ بیان سے معلوم ہوا کہ بیک وقت چار عورتوں سے زیادہ نکاح میں رکھنا جائز نہیں۔ اگر چار میں سے کسی ایک کو طلاق دے دی گئی یا عورت مرگئی تو دوسری سے نکاح کر سکتا ہے۔ لیکن جو کوئی اپنی منکوحات میں برابری نہ کر سکے تو ایک ہی پر بس کرے۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ یہ ہے

فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ الایۃ

پھر یہ بھی فرمایا۔

لَنْ تَسْتَطِيعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ۔ تم سے ہرگز نہ ہو سکے گا کہ بیویوں میں عدل کرو

امام المحدثین حضرت امام بخاریؒ نے اپنی جامع صحیح میں بتر دید روافض امام زین العابدین رحمہ سے روایت پیش کی جس کا یہ ترجمہ ہے اکثر من اربع۔ باب میں آیت مثنیٰ وثلث وربع میں انکا یہ قول ہے کہ صرف چار عورتیں نکاح میں جائز ہیں زیادہ نہیں (بخاری)

کفوو ولایت

کفوو کے معنی مساوات و مماثلت کے ہیں یہ مساوات صرف دین میں معتبر ہے نہ ذات پات میں (سبل السلام)

مسلمان عورت کا نکاح کافر مرد کے ساتھ اسی لئے درست نہیں۔ سیدہ کا نکاح شیخانی سے اور شیخ مرد کا سیدانی عورت سے مغل کا پٹھانی سے جائز ہے اگر کوئی سیدانی بالغہ عورت اپنا نکاح کسی غیر کفو میں خود ہی کرے تو کسی کو اس کے فسخ کا اختیار نہیں۔ اسی طرح اگر کسی نابالغ دختر کا نکاح، بدکار فاسق آدمی سے چاہے اس کے رشتہ دار نے یا غیر متعلق شخص نے کر دیا ہو تو ولی کو اس کے فسخ کا مجاز ہے

يايها الناس انا خلقناكم من ذكر وانثى وجعلناكم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اكرمكم عند الله اتقاكم (قرآن مجید)

اے لوگو! ہم نے پیدا کیا تم کو ایک مرد عورت سے اور تم ہیں گروہ، گروہ بنا دیے (اس لئے کہ تم دنیاوی معاملات میں) ایک دوسرے کو تمیز کیے جا سکو بے شک اللہ کے نزدیک زیادہ محبوب (پیارا) اور قربت کے تم میں سے وہ ہے جو زیادہ متقی ہو۔

انما المومنون اخوة (الحدیث)

مومن آپس میں بھائی ہیں۔

خواہ لنگڑا، لولا، یا مالدار، غریب ہو یا مغل، پٹھان اور سید، جولاہا یا بھٹیارا ہو

والمومنون والمومنات بعضهم اولياء بعض

مومن اور مومنہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں

ان الله لا يضيع عمل عامل منكم من ذكر او انثى بعضكم من بعض

میں نہیں ضائع کروں گا عامل کے عمل کو تم میں سے مرد ہو یا عورت بعض تمہارے بعض سے ہیں

فاذا نفخ في الصور فلا انساب بينهم يومئذ ولا يتساءلون

جس دن صور پھونکا جائے گا اس دن نہ تو ذاتیں ہوں گی اور نہ آپس میں پوچھنا رہے گا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر سفید کو سیاہ پر اور سیاہ کو سفید پر کسی کو فضیلت و بزرگی نہیں مگر بوجہ تقویٰ اور پرہیزگاری کے کیونکہ تم سب آدم زاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے ہیں (رسول السلام)

فتح مکہ کے دن حضور نے وعظ فرمایا کہ مومن متقی اللہ کے نزدیک بزرگ ہے اور فاسق فاجر اللہ کے نزدیک ذلیل ہے (رسول السلام)

حضرت بلال باوجود غلام ہونے کے مقبول بارگاہ خدا ہو گئے ابو جہل باوجود نجیب الطرفین ہونے کے ذلیل ہوا۔ بلال کی کم ذات ہونے نے اثر نہ کیا اور ابو جہل کی نجابت و شرافت کچھ کام نہ دے سکی

آنحضرت صلعم کی سگی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش خاندان بنی اسد بن خزیمہ سے تھیں جن کا

عزت ورفعت شان معلوم ومعروف ہے مگر ان کا نکاح زید غلام سے ہوا تھا

ابو ہند جن کا نام یسار تھا آنحضرت صلعم کے حجام تھے مگر آپ نے ان کے نکاح کا پیغام بنی بیاضہ کے قبیلہ میں بھیجا تھا۔ حالانکہ یہ غلام تھے اور وہ مشہور خاندان کی خاتون تھیں (زاد المعاد)

فاطمہ بنت قیس قرشیہ فہریہ خاندان قریش سے تھیں مگر آنحضور صلعم کے مشورہ سے ان کا نکاح اسامہ بن زید غلام زادہ سے ہوا تھا۔ (سبل السلام)

بالہ بنت عوف جو کہ ہمشیرہ عبدالرحمن کی تھیں اور بڑے معروف خاندان کی صاحبزادی تھیں۔ مگر ان کا نکاح حضرت بلال حبشیؓ سے ہوا تھا (سبل السلام)

غرضیکہ کفو کا لحاظ محض دین میں ہے ابن القیم فرماتے ہیں "مالدار حسب ونسب والی عورت کا نکاح غلام دیندار کے ساتھ جائز ہے اور قریشی عورت کا غیر قریشی ونیز غیر ہاشمی کا ہاشمی کے ساتھ بلکہ ایک فقیر دیندار مسلمان کے ساتھ عورت مالدار کا نکاح بلا شبہ جائز ہے" (زاد معاد)

ولایت میں طول طویل جھگڑے نکال لیے حالانکہ شریعت کا صاف بیان یہ ہے جس کو علمائے محدثین نے بیان فرمایا۔ کہ نکاح عورت کا بغیر ولی کے باطل ہے

عن ابی موسیٰ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا نکاح الا بولی (ترمذی، ابوداود)

ابو موسیٰؓ حضور علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ نہیں ہے نکاح بلا ولی کے

حضرت عائشہ سے روایت ہے :-

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ایما امراءۃ نکحت بغیر اذن ولیھا فنکاحھا باطل فنکاحھا باطل فنکاحھا باطل فان دخل بھا فلھا المھر بما استحل من فرجھا فان اشتجروا فالسلطان ولی من لا ولی لہ

حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ جو عورت بغیر اجازت ولی کے اپنے نکاح کرے پس نکاح اس کا باطل ہے۔ تین بار فرمایا پھر اگر صحبت کی اس عورت سے تو اس کے لیے مہر ہے اس سبب کہ فائدہ اٹھایا اس کی شرمگاہ سے پھر اگر ولی آپس میں جھگڑیں تو بادشاہ اس کا ولی ہے جس کے واسطے کوئی ولی نہیں۔

اس کے سوا اور بھی کئی حدیثیں ہیں جن سے بغیر صحیح ہونا عورت کے نکاح کا بدوں ولی کے ثابت ہوتا ہے قریب تیس صحابیوں کے اس بارے میں روایتیں ہیں معلوم ہوا اعتبار ولی کا ضروری ہے

شرائط نکاح

عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا احسن شروط کہ جس کو تم وفا کرو وہ شرطیں ہیں جس سے تم نے فرج کو حلال کیا ہے" مراد اس سے یا تو مہر ہے یا تمام وہ شروط ہیں جن کی ترغیب دے کہ نکاح کیا ہے یا وہ باتیں ہیں جن کی عورت مقتضائے

روبیت مستحق ہے ورنہ ایسی شرطیں جو شرع کے خلاف ہیں۔ ان کا پورا کرنا لازم نہیں۔ جیسے یہ شرط کرنا کہ دوسرا نکاح نہیں کروں گا۔ میں تعزیوں کی زیارت کو جایا کروں گی۔ قبروں پر بھی جانے سے نہ رکوں گی، میں تم سے اس وقت نکاح کر سکوں گی جب پہلی عورت کو طلاق دے دو۔ ہمیشہ اپنی سسرال ہی میں ہوں گی۔ تمہارے ساتھ پردیس نہ جاؤں گی وغیرہ وغیرہ۔

شرائط جو نکاح سے متعلق نہیں ہرگز جائز نہیں ہیں۔ حدیث میں ہے، کہ جو شرط کتاب اللہ میں نہیں ہے وہ باطل ہے نکاح میں ضروری ہے، کہ اگر لڑکی بالغ ہو، تو خود اس کا راضی ہونا شرعاً معتبر ہے، اور جو نابالغ ہو، تو اس کے ولی کو اختیار ہے، بغیر اس کی مرضی کے نابالغ لڑکی کا نکاح نہیں ہو سکتا، مرد و عورت دونوں کے لئے ضروری ہے، کہ کسی کو نکاح کی وکالت کے لئے مقرر کریں، اور وکیل کے ساتھ دو گواہوں کا ہونا بھی ضروری ہے، اگر دو مرد گواہی کے لئے میسر نہ ہو سکیں، تو صرف ایک مرد اور دو عورتیں گواہی کے لئے کافی ہیں، مگر گواہ کے بغیر نکاح درست نہیں ہے،

ترمذی میں ہے، کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، کہ زنا کرنے والیاں ہیں وہ عورتیں جو بے گواہ کے اپنا نکاح کر لیتی ہیں، نکاح میں خطبہ مسنونہ پڑھے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مشہور خطبہ ہے، حضرت امام احمد بن حنبل جب کسی مجلس نکاح میں شریک ہوتے اور وہ خطبہ نہ سنتے تو مجلس سے اٹھ کر چلے جاتے (غنیۃ الطالبین)

تقرر مہر بھی ضروری ہے، یہ نکاح کا جزو اعظم ہے اس کا تقرر جانبین کی رضامندی پر موقوف ہے، مگر کمی کے ساتھ مہر ہونا بہت اچھا اور باعث خیر ہے، بڑی برکت والا ہے وہ نکاح جو سہل ہو تکلیف میں، یعنی جس نکاح میں اسباب جمع کرنے کی تکلیف نہ ہو اور وہ عورت تھوڑے مہر پر راضی ہو جائے (مشکوٰۃ)

نکاح بیٹھ کر پڑھانا سلف کا اور مشائخین کا طریقہ رہا ہے (غنیۃ الطالبین)،

اگرچہ کھڑا ہو کر خطبہ دینے میں ممانعت نہیں ہے، متولی نکاح یا قاضی یا اور کوئی شخص دولہا کو سامنے بٹھا کر یا برابر میں بٹھا کر یہ کہے، کہ میں نے فلاں لڑکی فلاں کی بیٹی، بمقابلہ اتنے مہر کے تیرے ساتھ نکاح کر دی، دولہا جواب میں کہے، میں نے قبول کی، نکاح ہو گیا حاضرین مجلس اور نکاح خوان نوشہ کو مبارکی دیں

بارک اللہ وبارک اللہ علیک وجمع بینکما خدا تیرے واسطے برکت دے، اور تجھ کو برکت دے اور

فی خیر. تحفۃ الاحوذی. جمع رکھے تم دونوں کو خیر بھلائی کے ساتھ۔

عورتیں بھی گھر میں اسی طرح مبارک دیں (بخاری)

نکاح میں ایجاب و قبول. نکاح کے رکن ہیں اگر ایجاب نہ ہوا. اور قبول پایا گیا. یا ایجاب ہوا اور قبول نہ ہوا تو نکاح صحیح نہ ہوگا. انعقاد نکاح کے وقت جو لفظ پہلے بولا جائے وہی ایجاب ہے. خواہ عورت کی طرف سے ہو یا مرد کی. اور اس کے جواب کو قبول کہتے ہیں

نکاح بلا خطبہ بھی درست ہے. مگر خلاف سنت ہے (ابوداود)

نکاح کے لئے اگرچہ خاص دن یا وقت مقرر نہیں. مگر پیران پیر نے جمعہ. جمعرات کے دن کو اچھا سمجھا ہے، وقت کو بھی شام کے وقت کو اچھا سمجھا ہے (غنیۃ الطالبین)

نکاح کے لئے مساجد اللہ مناسب ہیں. ورنہ جواز ہر جگہ ہے. حدیث میں ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا، مسجدوں میں نکاح کیا کرو. اور اس کا اعلان بھی کر دیا کرو (ترمذی)

مسجدوں میں نکاح کے لئے زینت، فرش، فروش اور روشنی وغیرہ کو ابن الحاج حنبلی نے مناسب نہیں سمجھا ہے (المدخل لابن الحاج)

زفاف کے معنی عورت کو آراستہ کر کے خاوند کے پاس بھیجنے کے ہیں. نکاح کے بعد مستحب ہے، کہ عورتیں جمع ہو کر دلہن کو نہلاویں. اور آراستہ کر کے خاوند کے پاس بھیجیں. زفاف و خلوت. دن و رات دونوں وقتوں میں درست ہے، کوئی خصوصیت رات ہی کی نہیں (نووی)

منکوحہ اگر جماع کی قوت رکھتی ہو، تو خلوت چاہیئے. ورنہ نہیں (نووی)

شوہر کو چاہیئے. کہ صحبت سے پہلے مہر کا کچھ نہ کچھ حصہ. عورت کو دے دے. حضرت علی رضہ نے بی بی فاطمہ رضہ کے ساتھ جب نکاح کیا، تو صحبت کا وقت آنے سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جب تک علی رضہ فاطمہ رضہ کو کچھ مہر نہ دیں. صحبت نہ کریں، چنانچہ انہوں نے زرہ دے کر خلوت کی (ابوداود)

نکاح شرعی یہ ہے، کہ دولہا سے ہو سکے تو کپڑا، زیور، مہر کا کچھ حصہ دلہن کے ولی کے پاس بھیج دے پھر دن کو پاپیادہ یا سوار ہو کر دلہن کے گھر چلا جائے. نہ روشنی کی ضرورت ہے. نہ سواری کی، نہ جلوس کی، اور نہ باجے گاجے کی. عقد کے دو بول پڑھا کر دلہن کو اپنے گھر لے جائے. دلہن پاؤں، پیدل یا سواری دونوں طرح جو ممکن ہو، دن کو یا رات کو چلی جائے

چلو چھٹی ہوئی نکاح ہوگیا۔ اگر کسی کے سو لڑکیاں ہیں، تو ولی کو اس کے اس طرح نکاح کر دینے میں تکلیف نہ ہوگی۔

حقوق زوجیت

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ فرماتے ہیں، مابین خاوند اور بیوی کے جو میل جول ہوتا ہے، وہ تمام ارتباطات منزلہ سے بڑھ کر ہے، اور نفع بھی زیادہ ہے، حاجت بھی بہت ہے، کیونکہ تمام عرب و عجم کے قبائل کا یہی دستور ہے۔ کہ ارتفاقات پورا اور کامل کرنے میں بیوی خاوند کی معاونت کرے، اور اس کے کھانے، پینے اور لباس کے تیار کرنے کی متکفل ہو، اور اس کے مال کو محفوظ اور اس کی اولاد کو حفاظت سے رکھے، اور بعد اس کے چلے جانے کے اس مکان میں اس کی قائم مقام رہے اسی واسطے اکثر توجہ شرائع کی اسی طرف ہوئی کہ حتی الامکان اس کا باقی رکھنا، اور اس کے مقاصد کا بڑھانا۔ اور اس کے مکدر کرنے اور باطل کرنے سے بیزاری چاہنا کسی ارتباط کے مقاصد کا پورا کرنا بدوں الفت کے ممکن نہیں ہو سکتا اور الفت بغیر خصلت کے جس پر وہ خاوند بیوی اپنے آپ کو مجبور نہ کریں نہیں حاصل ہو سکتی، لہذا الحکمت کا مقتضی ہوا کہ اس خصلت کی طرف توجہ اور رغبت کی جائے (حجۃ اللہ ص۵۰۵)

میں کہتا ہوں، کہ ایماندار عورتوں کو چاہیئے، کہ امور شرعیہ میں اپنے شوہروں کی اطاعت کریں۔ اور ان کو خوب راضی رکھیں، خاوندوں کی ناخوشی اور خلاف مرضی باتوں سے بچیں، اس لئے کہ خدا اور رسول کی تابعداری کے بعد عورت کو خاوند ہی کی تابعداری کا حکم ہے۔ اس بارے میں بہت سی حدیثیں ہیں۔ ایک حدیث یہ ہے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو کنت آمرا احدا ان لیسجد لاحد لامرت المرأۃ ان تسجد لزوجھا۔ رواہ الترمذی۔	حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے، کہ اگر میں کسی کو حکم کرتا سوئے خدا کے اور کسی کو سجدہ کرنے کا، تو بیشک عورت کو حکم کرتا، کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔

عورت پر شوہر کا یہ حق ہے	کہ جب وہ اپنے بستر پر اس کو بلا دے، تو انکار نہ کرے ورنہ شوہر اس ناراضگی میں سو گیا تو ملعون ہوگی۔ (بخاری مسلم)

یہ بھی حق ہے، کہ وہ گھر میں بیٹھے، خاوند کے حکم بغیر باہر نہ جائے، دریچہ میں نہ آئے چھت پہ نہ چڑھے، پڑوسیوں سے دوستی اور باتیں بہت نہ کرے، بلا ضرورت ان کے گھر نہ جائے

خاوند کی رازدارانہ چیز کا خیال رکھے کسی سے نہ کہے، شوہر کے مال میں خیانت نہ کرے، جو کچھ میسر ہو اسی پر قناعت کرے، زیادہ مطالبہ نہ کرے، اپنے عزیزوں سے زیادہ خاوند کا حق سمجھے، احسان کی ناشکری نہ کرے، یہ نہ کہے کہ تو نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا، ہر وقت خرید فروخت اور طلاق کا سوال بے سبب نہ کرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، کہ میں نے دوزخ میں نگاہ کی، تو بہت سی عورتوں کو دیکھا، اس کا سبب پوچھا، تو فرمایا کہ خاوندوں پر لعن طعن اور ناشکری کرنے کی وجہ سے ان کا یہ حال ہے۔

شوہروں پر حقوق یہ ہیں

فرمایا:- استوصوا بالنساء خیرا فانهن خلقن من ضلع فان ذهبت تقیمه کسرته وان ترکته لم یزل اعوج فاستوصوا بالنساء (بخاری مسلم)

یعنی عورتوں کے معاملہ میں بھلائی کی وصیت قبول کرو اس لئے کہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں، پھر اگر تم اس کے سیدھا کرنے کا قصد کروگے، تو اس کو توڑ دوگے اور اگر اسی حالت میں چھوڑ دیا، تو ہمیشہ وہ پسلی کجی کی حالت پر باقی رہے گی پس قبول کرو وصیت کو عورتوں کے بارے میں۔

حضرت شاہ صاحب رح فرماتے ہیں، اس کے معنی یہ ہیں، کہ یہ بات مثل امر لازم کے ہوگئی ہے اور بمنزلہ اس چیز کے ہوگئی، کہ جو ایک شے کے مادہ میں ہمیشہ سے چلی آتی ہے، اور انسان جب مقاصد منزل کے پورا کرنے کا اس عورت سے قصد کرے، تو اس کو یہ بات ضروری ہے، کہ ادنیٰ ادنیٰ امور سے درگذر کرے، اور جو بات اپنی خلاف مرضی کے دیکھے اس پر اپنے غصہ کو دابے مگر ہاں جو بات غیرت کے قبیل سے ہو یا کسی ظلم وغیرہ کا بدلہ لینا ہو، تو کچھ مضائقہ نہیں رحمۃ اللہ

حدیث میں ہے، عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو، کیونکہ خدا کی امان پر تم نے ان کو اپنے قبضہ میں لیا ہے، اور خدا کے حکم سے تم نے ان کی شرمگاہوں کو اپنے لئے حلال کیا ہے، اور تمہارا ان پر یہ حق ہے، کہ تمہارے فرشوں پر کسی ایسے کو جگہ نہ دیں، جس سے تم بیزار ہو، پھر اگر وہ ایسا کریں، تو ان کو مار دو مگر بخوف، اور تم پر ان کا کھانا اور پہننا حسب دستور واجب ہے، اللہ پاک فرماتا ہے وعاشروهن بالمعروف۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں، کہ جب اصلی وہ معاشرت بالمعروف ہے، کہ جس کی تفصیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا کھلانے اور اچھا برتاؤ کرنے کے ساتھ بیان کی ہے، اور جو شرائع مستند الی الوحی ہیں، ان میں ممکن نہیں، کہ قوت کی جنس اور اس کی تعداد مقرر کردی جائے، کیونکہ یہ بات ناممکنات سے ہے، کہ تمام جہان کے

لوگ ایک ہی چیز پر اتفاق کر لیں اس لئے مطلق حکم کیا گیا ہے (حجۃ اللہ)

غرض یہ ہے، کہ مردوں کو عورتوں کے حقوق کا خیال کرنا چاہیئے، اور چاہیئے کہ ان کے ساتھ حلم و بردباری سے زندگی بسر کریں، ہنسی دل لگی اور خوش طبعی کے ساتھ پیش آیا کریں۔ حدیث میں بھی ہے کہ حضرت عائشہ نے ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھیں، انہوں نے کہا کہ میں آپ کے ساتھ دوڑی، اور آپ سے آگے نکل گئی، مگر جب میں موٹی ہو گئی تو پھر ہماری دوڑ ہوئی مگر اب کے بار حضور مجھ سے آگے نکل گئے۔ پھر آپ نے فرمایا، میرا یہ آگے بڑھ جانا بدلے اس آگے نکل جانے کے ہے (ابو داود)

اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کا ازواج مطہرات کے ساتھ بڑا اچھا برتاوا تھا، حسن خلق اور مہربانی کرنا حدیث سے صاف ظاہر ہے، پس جو امور خلاف شرع نہ ہوں، اور ان میں کسی طرح کی رسوائی و بدنامی اور گناہ عائد نہ ہوتا ہو، تو پھر انہیں کی خوشی کو مقدم سمجھیں، اور جہاں تک ممکن ہو ان کو راحت و آرام سے رکھیں۔ زندگی بھر نرمی و خوش خلقی کے ساتھ برتاؤ کیا کریں، تاکہ دن بدن آپس میں محبت و الفت بڑھتی رہے۔ اور کسی طرح کی رنجش و بے لطفی درمیان میں نہ آنے پائے۔ اور بآرام زندگی بسر ہو جائے۔

یہ ہیں مختصر مسائل نکاح، لیکن حقیقت یہ ہے، کہ زمانہ حاضرہ میں نکاح کرنے سے پشیمانی و حیرانی کے سوا کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہوتا، اولاد جس کو عام نتیجہ سمجھتے ہیں، وہ ایک تجربے طعم اور فاکہہ بے رائحہ ہے، چاہے اولاد ذکور ہو یا اناث الا ما شاء اللہ اس زمانے میں اولاد کا صاحب علم و عمل ہونا، اور پابند سعادت رہنا، والدین کے حقوق کا عارف ہونا، محالات سے ہو گیا ہے۔ ونسأل اللہ العافیۃ وحسن الخاتمۃ۔ اللھم آمین۔

ظفر عالم۔ موتی پورہ۔ مالیگاؤں

س :- بکر کی شادی حمیدہ سے اس وقت ہوئی جب کہ دونوں سن بلوغ کو پہنچ چکے تھے، انہیں رازق عالم جو رزق عطا فرماتا، اس سے یہ دونوں باتفاق قناعت سے زندگی بسر کرتے والدین حمیدہ نہایت شریر اور فتنہ پرداز ہیں، وہ بے بنیاد و بے قصور تہمتیں داماد کے سر لگاتے اور خود فحش زبانی سے کام لیتے ہیں، ان کی حرکات کو دیکھ کر بکر نے اپنی زوجہ کو اس بات کی تاکید کر دی ہے کہ میرے بے اجازت کوئی چیز دینا تک کہ پانی کا ایک گھونٹ بھی اگر وہ تجھ سے چاہیں مت دینا۔ اسی قدر بس نہیں، بلکہ ان سے تو گفت و شنید بند کر کے قطع تعلق کر، اور میرے

مکان میں نہیں نہ آنے دے. حمیدہ جب جاری شوہر کی مرضی کے خلاف عمل کر سکتی ہے یا نہیں، اگر شوہر کی مرضی پر چلے، تو والدین کی دل شکنی کے واسطے یہ گنہ گار ہو گی یا نہیں.

(سائل محمد حسرت علی از کنڈرہ پارہ)

ج:۔ ماں باپ سے قطع تعلق کرنا ناجائز ہے. خاوند کا حکم قطع تعلق والدین کرنے کا شریعت کے خلاف ہے. حدیث شریف میں ہے۔ لا طاعۃ للمخلوق فی معصیۃ الخالق اس لئے خاوند کا یہ حکم واجب العمل نہیں ہے، مگر رفع فساد کے لئے خاوند کی بے خبری میں ملے، خاوند کے سامنے نہ ملے، تاکہ فساد ذات البین نہ ہو

(اہلحدیث ۶ / مارچ ۱۹۳۱ء)

س:۔ ہندہ کو حرام کا حمل ہے، بکر نے لاعلمی سے نکاح کیا، نکاح کے دو ماہ بعد ہندہ نے وضع حمل کیا. بکر نے ہندہ کو نکال دیا، یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں؟ بکر طلاق بھی نہیں دیتا، نان نفقہ بھی نہیں دیتا، ہندہ بغیر طلاق کے دوسرا نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟ خیال رہے، کہ ہندہ اور بکر دراجی حنفی ہیں

(محمد خان از منڈل)

ج:۔ حرام کے حمل میں نکاح کے جواز میں اختلاف ہے، حنفی مذہب میں جائز ہے، مگر ملاپ سے منع ہے، اس لئے بغیر باقاعدہ علیحدگی کے نکاح ثانی نہیں کر سکتی

(اہلحدیث ۲۷ / مارچ ۱۹۳۱ء)

شرفیہ:۔ اس کی دو صورتیں ہیں، ایک تو یہ ہے، کہ خود زانی سے نکاح ہو، دوسری یہ کہ غیر زانی سے، صورت ثانیہ میں علت منع ان یسقی ماءہ زرع غیرہ پائی جاتی ہے اولیٰ میں نہیں، پس صورت اولیٰ میں جواز ہو سکتا ہے، ثانیہ میں نہیں، کما تقدم، پس جب علت منع پائی گئی، تو صورت مذکورہ میں نکاح نہ ہوا لہٰذا طلاق کی ضرورت نہیں. نعم ان دخل فلها المهر بما استحل من فرجها كما يدل عليه حديث الترمذي وابي داؤد وغيرهما في حديث عائشة رضي في النكاح بغير ولي۔

(ابو سعید شرف الدین دھلوی)

تشریح سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کو حمل تھا، اور زید کو معلوم نہیں تھا، کہ ہندہ حاملہ ہے، زید نے ہندہ سے باجازت ولی اس کے روبرو گواہان کے نکاح کیا، تو یہ نکاح از روئے شرع شریف کے درست و جائز ہے یا نہیں

اور زید کو ہندہ سے صحبت وغیرہ کرنا حلال ہے یا حرام۔ بینوا

الجواب:- اگر ہندہ کسی کے نکاح میں تھی، اور وہ شخص مر گیا، یا اس شخص نے طلاق دے دی اور ہندہ حاملہ ہے، تو نکاح جائز نہیں، کیونکہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے، اور قبل عدت گذرنے کے نکاح ناجائز ہے، اور اگر ہندہ کسی کے نکاح میں نہ تھی، اور حاملہ ہے، تو وہ حبلی من الزنا ہوئی، اور حبلی من الزنا کے ساتھ نکاح جائز ہے، مگر قبل وضع حمل کے صحبت جائز نہیں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ کتبہ محمد بشیر عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

(فتاویٰ نذیریہ جلد ۲ ص ۶۶)

س:- بالغہ لڑکی جو پانچ سال سے بالغہ ہے، شادی نہ کرنا کیسا فعل ہے؟

ج:- حدیث شریف میں آیا ہے، جو شخص بالغہ لڑکی کی شادی نہ کرے، جو خرابی ہوگی وہ اس کا ذمہ دار ہوگا

(اہلحدیث ۳ اپریل ۱۹۳۱ء)

تعاقب

اخبار اہلحدیث مورخہ ۲۲ رمضان صفحہ فتاویٰ سوال ۸۱ میں ہے ایک شخص اپنی بیوی کو کہتا ہے کہ تجھے طلاق رجعی ہے۔ پھر اسی مجلس میں یا دو چار دن کے بعد اپنی بیوی کو مخاطب کرکے یا کسی اور کے پاس کہتا ہے، کہ میں اس طلاق سے رجوع نہیں کروں گا، کچھ دن اسی حال میں گذر جاتے ہیں، پھر اس کے دل میں رجوع کا خیال پیدا ہو، تو کیا اس حال میں رجوع کر سکتا ہے یا نہیں؟

(از فضل دین، از رائے کلاں، ضلع امرتسر)

جواب ۸۱:- رجوع کا حق ایسا کہنے سے ساقط نہیں ہوتا لہذا رجوع کر سکتا ہے۔ ہاں اپنی بات میں جھوٹا ہوگا۔

س:- یہ ہے، کہ جس طرح رجوع کا حق ایسا کہنے سے ساقط نہیں ہوتا اسی طرح اپنی بیوی مطلقہ بطلاق رجعیہ کی عدت کے اندر اندر اگر کوئی اپنی حقیقی سالی سے نکاح کرلے، تو حق رجوع ساقط نہ ہونا چاہیئے، جس طرح یہ قول ہے یعنی "رجوع نہیں کروں گا" اسی طرح نکاح بھی قول ہے، کیونکہ نام ہے ایجاب قبول کا، اور ایجاب قبول ہے بلکہ "رجوع نہیں کروں گا" یہ قول صریح بھی ہے اور نکاح قول ضمنی ہے، چونکہ ایجاب قبول کے ضمن میں اس کا تحقق ہوتا ہے، لہذا صریح قول کا (رجوع نہیں کروں گا) جب اعتبار نہیں، تو ضمنی قول کا بدرجہ اولیٰ اعتبار نہ ہونا چاہیئے، جب اعتبار نہیں، تو اس صورت میں سالی سے نکاح جائز نہیں (تاوقتیکہ عورت

فیصلہ کرے، جب نکاح جائز نہیں، تو حق رجوع ساقط نہیں، اگر آپ یہ کہیں کہ سالی کے ساتھ نکاح کرنے سے معلوم ہوا کہ مطلق نے تشریح کی صورت اختیار کی ہے، تو جواباً عرض ہے کہ اسی طرح رجوع نہیں کروں گا کے کہنے سے معلوم ہوا کہ مطلق نے تشریح کی صورت اختیار کی ہے "طابق النعل بالنعل ولیس بینہما فرق" کا مصداق بن گیا۔

(سائل خاکسار ابوالخیر مسلفی بردوانی)

ج:- پہلی صورت میں وہ مانع نہیں، جو دوسری صورت میں ہے، دوسری صورت سالی کے ساتھ نکاح ہونا قوی مانع ہے، جو پہلی صورت میں نہیں اس لئے دونوں میں فرق ہے

(اہلحدیث ۱۵ مئی ۱۹۳۱ء)

شرفیہ:- متعاقب کو تعاقب کا شوق ہے، خواہ غلط ہو یا صحیح اس کی تحقیق کی مقام پر نفس آتی ہے (ابوسعید شرف الدین دہلوی)

فتوی متعلقہ نکاح زانیہ

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت حمل زنا والی کا عقد اس شخص کے ساتھ جس کا حمل ہے درست ہے یا نہیں اگر اس میں اختلاف ہو تو فتوے کس پر ہے، دلیل سے جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب:- شخص مذکور کا نکاح عورت مذکورہ کے ساتھ جائز ہے، بشرطیکہ یہ زنا عورت مذکورہ سے اتفاقاً صادر ہوا ہو، اور زنا کی عادی وپیشہ والی نہ ہو، کیونکہ زانیہ کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے، باقی رہی یہ بات کہ فتوی کس پر ہے سو اس بارے میں کوئی صریح قول نظر سے نہیں گذرا، لیکن فتوی کے قابل یہی قول ہے، کیونکہ دلیل کی رو سے بھی قوی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب حررہ ابو محمد عبدالحق اعظم گڈھی

ھو الموفق:- جواب صحیح ہے، اور عند الحنفیہ اسی پر فتوی ہے، رد المحتار میں ہے وصح نکاح حبلی من زنا عندھما وقال ابو یوسف لا یصح والفتوی علی قولھما کما فی القھستانی انتہی اور در مختار میں ہے۔ لو نکحھا الزانی حل لہ وطیھا اتفاقاً انتہی۔ کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

(فتاوی نذیریہ ج ۲ ص ۲۵۵) سید محمد نذیر حسین

نکاحِ زانیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ معروض آنکہ نقیر کو اخبار اہلحدیث مورخہ ۸ شعبان ۱۳۳۲ھ کے سوال نمبر ۱۰ کے جواب میں چند شبہات ہیں، براہ نوازش جناب والا ان کو رفع فرمادیں، دیگر آنکہ زانیہ حاملہ کے نکاح میں فقیر کو ہمیشہ تردد رہتا ہے، جناب والا کی قلم سے جائز معلوم ہوا، لہذا اس کو ضرور حل فرمادیں، اور بے فائدہ سمجھ کر نہ چھوڑ بیٹھیں۔ میری نیت اس مسئلہ میں محض تحقیق حق ہے، خدا تعالیٰ کے لئے اس کو حل فرمادیں۔ جزاک اللہ فی الدارین خیرًا۔

آپ کے جواب کا خلاصہ یہ ہے، کہ زانیہ حاملہ اگر اپنے زانی کے ساتھ نکاح کرے تو باوجود حمل کے، بعد توبہ نکاح صحیح ہے، اور وطی بھی جائز ہے۔ اور اگر حمل غیر کا ہے تو وطی نہ کرے، نکاح صحیح ہے۔

فدوی کی ناقص تحقیق میں قبل وضع حمل نکاح صحیح نہیں، خواہ حمل اسی ناکح کا ہو یا غیر کا۔ اور وطی تو فرع نکاح ہے، ملاحظہ ہو آیت وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ اس کے عموم سے امام جلال الدین سیوطی نے دلیل پکڑی ہے، کہ زانیہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے، دیکھو تفسیر درمنثور، اور مسک الختام صفحہ ۵۳۵ میں نیل الاوطار سے نقل کرکے تحریر فرمایا ہے

وقال ابوحنیفۃ یعتد بوضعہ ولو کان من زنا لعموم الآیۃ	کہا امام ابو حنیفہ نے بلکہ حاملہ زانیہ کی عدت وضع حمل ہے، اگرچہ حمل زنا سے ہو، واسطے عموم آیت وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ کے۔

اور مسک الختام ص ۵۵۳ میں ہے "وتوید عموم ہاست حدیث سعید بن المسیب از بصرہ کہ مردے از انصار است نزد ابوداؤد وگفت بزنی گرفتم زن دوشیزہ را، بر پردہ اوپس داخل شدم بروے ناگاہ وے آبستن است، پس ذکر حدیث را وگفت مفارقت کرد، آنحضرت بیان بردو۔

اور عون المعبود شرح ابوداؤد کے صفحہ ۲۰۷ میں زیر شرح اس حدیث کے لکھا ہے قال الامام الخطابی فی المعالم فی الحدیث حجۃ ان ثبت لمن رای الحمل من الفجور یمنع عقد النکاح۔ اور سفیان ثوری، اور ابو یوسف، اور احمد واسحاق کا یہی مذہب ہے، امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا مذہب جواز کی طرف ہے، اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے، اور حدیث میں ہے

انہ فرق بینہما ولو کان النکاح وقع صحیحا لم یجز التفریق لان حدوث الزنا بالمنکوحۃ لا ینسخ النکاح ولا یوجب للزوج الخیار والحدیث سکت عنہ المنذری۔ انتہی

(محمد عاشق از ریگیلیا نوالہ ضلع لاہور)

اڈیٹر:۔ زانیہ حاملہ کے نکاح کی دو صورتیں ہیں، ایک تو اسی شخص سے ہو جس کے زنا سے وہ حمل ہے دوسرا اس کے غیر سے ہو، دوسری صورت میں تو میں بھی وضع حمل کے انتظار کا قائل ہوں، اور جن بزرگوں کے اقوال آپ نے نقل کئے ہیں، وہ بھی یہی کہتے ہیں، ائمہ حنفیہ کا فتوی کتب فقہ میں صاف ہے، کہ زانی کا اپنے مزنیہ حاملہ کے ساتھ نکاح جائز ہے، بہر حال آپ کو جو اشتباہ پیدا ہوا ہے، تو وہ دو صورتوں کے ملا دینے سے ہوا ہے، حالانکہ دونوں الگ الگ ہیں　　　(۴ اررمضان ۳۲ھ)

س۔ مجلس نکاح میں جو مسجد میں ہوتی ہے، ہندوؤں و مارواڑیوں کو لازما بلایا جاتا ہے، تو یہ طریقہ جائز ہے؟ نیز مجلس نکاح میں کھجور و پان لازما تقسیم کیا جاتا ہے، تو کیا یہ سنت کے موافق ہے　　　(سائل مذکور)

ج۔ غیر مسلموں سے اگر ملاقات ہے، تو ان کی شرکت کوئی گناہ نہیں ہے۔

(اہلحدیث ...... ۱۹۴۹ء)

شرفیہ:۔ بشرطیکہ ان کے آنے سے کوئی خلاف شرع فعل سرزد نہ ہو، اس بات کا بہر حال خیال رکھنا ضروری ہے۔　　　(ابو سعید شرف الدین دہلوی)

س۔ زید کی لڑکی کو جب کہیں سے شادی کا پیغام آتا ہے، تو زید اپنے داماد سے کہتا ہے کہ مجھے اس قدر روپیہ علاوہ مہر دو، اور تم دونوں جانب خرچ برداشت کر کے شادی کر لو، تو کیا اس طرح اپنی بیٹی کے بدلے روپیہ لینا جائز ہے؟ اور اگر ان روپیوں کو لڑکی کا باپ مہر کے نام سے شادی سے پہلے لے کر اپنے یا اپنی لڑکی کے اخراجات میں لا دے، تو کیا یہ صورت جائز ہے

ج:۔ لڑکی کو جو بوقت نکاح ملے، وہ دراصل لڑکی کا مال ہے، لڑکی کی طرف سے اس کا باپ وصول کرے، اور اس کی ولایت خود استعمال کرے تو جائز ہے، حدیث شریف میں آیا ہے۔ انت ومالک لابیک　　　(اہلحدیث ۵ ذی الحجہ ۱۳۴۹ھ)

شرفیہ:۔ انت ومالک لابیک　　　تو اور تیرا مال سب کچھ تیرے باپ ہی کا ہے

صحیح ہے۔ مگر باوجود وسعت کے بطریق مذکور ذلیل حرکت اور خست ہے۔ اس لئے کہ طریق مذکور حدیث مرفوع یا خلفائے راشدین وغیرہ صحابہ سے ثابت نہیں۔ ہاں اگر وسعت نہیں افلاس ہے، تو ضروری امور کے لئے کچھ لے سکتا ہے۔ وہ امور بھی خلاف شرع نہ ہوں۔ جیسے ضروری لباس متوسط یا ضروری خورد و نوش وغیرہ (ابوسعید شرف الدین دہلوی)

جواب تعاقب

جناب ایڈیٹر صاحب السلام علیکم۔ سطور مندرجہ ذیل کو اخبار اہلحدیث کے کسی گوشہ میں جگہ دے کر ممنون فرمایئے۔

اہلحدیث ۲۵ رجب میں ایک مضمون مولوی احسان علی صاحب کا نظر سے گذرا جس میں فاضل مضمون نگار نے مولوی ثناء اللہ صاحب مولوی فاضل اڈیٹر اہل حدیث پر تعاقب کیا ہے۔ اصل مسئلہ یہ تھا۔ کہ لڑکی کا باپ اگر بوجہ مفلسی کے اخراجات عقد کی غرض سے لڑکے والے سے لے تو جائز ہے یا نہیں؟ مولوی ثناء اللہ صاحب نے جواب دیا تھا، کہ جائز ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضہ سے پہلے مہر لے لیا تھا۔ اس پر مولوی احسان علی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر دلوایا تھا، خاص اپنے یا شادی کے اخراجات کے لئے کچھ نہیں لیا تھا، نہ اس کا کہیں ثبوت ہے، لہذا معلوم ہوا، کہ اس وقت آپ کا یعنی مولوی ثناء اللہ صاحب کا، جواب موافق سوال کے نہیں بالکل غلط ہے، بلکہ یہ جواب سوال کے مطابق ہے، اس وجہ سے کہ سوال تو صرف یہ ہے، کہ صورت مسئولہ میں اخذ جائز ہے یا نہیں جواب بالاختصار یہ ہے۔ کہ جائز ہے۔ اس جواب کا سوال کے مطابق ہونا جلی بدیہیات سے ہے۔ محتاج دلیل تو کجا محتاج تنبیہ بھی نہیں۔ ہاں مولوی ثناء اللہ صاحب نے جو دلیل پیش کی ہے وہ البتہ مثبت مطلوب نہیں۔ کیونکہ سوال اس مال کی نسبت ہے، جو مہر کے علاوہ ہے۔ اور حدیث سے اخذ مہر ثابت ہے

اب رہی یہ بحث کہ دراصل جواب صحیح ہے یا نہیں، میرے نزدیک جواب بہت صحیح ہے، معترض کا یہ کہنا کہ شادی کے اخراجات یا خاص اپنے خرچ کے لئے لینے کا کوئی ثبوت نہیں، یہ معترض کے تساہل و تسامح کا بین ثبوت ہے۔ یہی ابوداؤد شریف کا ص ۲۰۶ ج ۱ جہاں سے معترض نے حضرت ابن عباس کی روایت نقل کی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایما امرأۃ نکحت علی صداق اوحباء او عدۃ قبل عصمۃ النکاح فھو لھا وما کان بعد عصمۃ النکاح فھو

لمن اعطیہ واحق ما اکرم علیہ الرجل ابنتہ او اختہ قال الشارح رحمہ اللہ وقال فی السبل الجبلد والعطیۃ للغیر او للزوج زائد اعلی مہرھا۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہوگیا۔ کہ باپ کو عطیہ لینا جائز ہے۔ گو یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ باپ اس کا مالک نہیں ہوسکتا۔ بلکہ وہ لڑکی کی ملک ہے۔ مگر یہ مجیب کے واسطے مضر نہیں۔ کیونکہ سوال لینے کا ہے تملک کا نہیں۔ علاوہ ازیں بحکم انت ومالک لابیک ونیز بحکم واحق ما اکرم علیہ الرجل ابنتہ او اختہ باپ کو اپنے ضروریات میں بھی صرف کرنا جائز ہے۔ معترض نے لکھا ہے۔ کہ جب شارع ؑ نے لڑکی والے پر کوئی خرچ نہیں رکھا۔ تو پھر اخراجات کیلئے نقدی لینا کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟ میں کہتا ہوں۔ کہ شارعؑ کے خرچ نہ مقرر کرنے سے یہ لازم نہیں آتا ہے۔ کہ خرچ کے لئے لینا ہی جائز نہیں ہے۔ اخراجات شادی تین قسم کے ہیں۔ ماموره وممنوعہ ومباح۔ قسم اول کے اخراجات کے واسطے لینا متحقق نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ لڑکی والے حسب ادعائے معترض اس خرچ سے بری ہیں۔ دوسری قسم کے اخراجات کے واسطے لینا ممنوع ہوگا۔ کیونکہ ممنوع کام کے لئے لینا اور دینا ناجائز ہے۔ تیسرے قسم کے اخراجات کے لئے مباح ہوتو اس کا کوئی قباحت نہیں ہے۔ نہ شارع نے کہیں اس کی ممانعت کی۔ معترض لکھتے ہیں۔ یہ ما لیس منہ فھو رد کے مصداق ہے۔ میں کہتا ہوں۔ کہ یہ اس وقت میں ما لیس منہ فھو رد کا مصداق ہوگا۔ جب کہ اس کو امر کو شرعی کہا جاوے۔ اور اس کے فعل میں کسی قسم کی ثواب کی امید رکھی جاوے واذا لیس فلیس۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

(عبدالغفار رنجوادی۔ مقیم حال مہوارہ ضلع اعظم گڈھ)

(۲۳؍ اگست۔ ۱۹۱۲ء)

س۔ ایک مولوی صاحب نے وعظ میں بیان کیا۔ کہ اسلام میں کفو اور قومیت کا لحاظ نہیں دین میں پٹھان، جولاہا، درزی وغیرہ کا شریعت سے کچھ امتیاز نہیں ہے محض بناوٹی ہے۔ مولوی صاحب کا یہ کہنا ٹھیک ہے یا نہیں (ریکے از جنگی پور)

ج:۔ قرآن شریف میں ارشاد ہے یایھا الناس انا خلقنا کم من ذکر وانثی یعنی اے لوگو ہم نے (خدا نے) تم کو ایک باپ اور ایک ماں سے پیدا کیا ہے۔ نیز فرمایا۔ انما المؤمنون اخوۃ مسلمان سب بھائی ہیں۔ اس لئے حق یہی ہے کہ اسلام میں ان قوموں اور پیشوں کی وجہ سے امتیاز نہیں کیا گیا۔ جو مسلمان مرد چاہے جس مسلمان عورت سے شادی کرے جائز

ہے لیکن عرف عام کے لحاظ سے بھی جبر نہیں کیونکہ رشتہ کی بابت تو جبر نہیں مگر دیگر برتاؤ میل ملاپ میں سب کو برابر کا حکم دیا (اہلحدیث ۱۹ مئی ۱۶ء)

مسئلہ کفارت اور اسلام

(از مولانا عبدالجلیل صاحب ناظم دارالعلوم ششہنیا ضلع بستی)

اسلام ہی وہ مذہب ہے جسے تمام محاسن وکمالات ساری دلربائیوں اور خوبیوں کا جامع کہنا درست ہے اس کے تمام اصول وقوانین عین فطرت ونیچر کے مطابق ہیں بنابریں کفارت کا مسئلہ محض ایک معاشرتی، اخلاقی اور سوسائٹی کی حیثیت رکھتا ہے اسے کوئی شرعی اہمیت حاصل نہیں، ورنہ یہ مسئلہ اسلام کے نقارہ عام اس کی مساوات عامہ اور عالمگیر دعوت کے سخت منافی ہوگا

کیونکہ عہد رسالت کے عظیم الشان مجمع میں کالے، گورے، عربی، عجمی، ہندی، ترکی کے قومی امتیازات اور حسب ونسب، ذات پات کے تفاخر وتبختر کو حرف غلط کی طرح مٹا دیا گیا، سیادت ومشیخت کے باطل اور جاہلانہ عقیدے کو محو کر کے صرف خشیۃ اللہ اور تقاہی کو وجہ تفوق، اور موجب تفضل قرار دیا گیا لا فضل لعربی علی عجمی ولا لاحمر علی اسود کلکم من ادم وادم من تراب کے اندر اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے نیز آج سے چودہ سو برس قبل فضلائے عرب میں اقوام عرب خصوصاً قریش جیسی متکبر ومغرور قوم کے سامنے رسالت مآب علیہ السلام نے خطیبانہ شان وشوکت سے حسب ونسب کے تفاخر خاندانی اور آبائی نخوت وغرور اور قومی عجب وتکبر کے استیصال وبیخ کنی کا اعلان فرمایا یا معشر قریش ان اللہ قد اذهب عنکم نخوۃ الجاھلیۃ وتعظمھا بالاباء العجب کل العجب۔ مسلمانوں کی شومئ قسمت کو دیکھئے جہاں ان میں ہزاروں انواع واقسام کے اختلافات موجود تھے، وہاں مسئلہ کفارت کی بھی نیو رکھ کر اختلاف وتفریق کی خلیج کو اور زیادہ وسیع کیا گیا مسئلہ زیر بحث میں جس غلو سے کام لیا گیا، اور جن طویل وعریض تفریعات اور فقہی موشگافیوں کا مظاہرہ کیا گیا ہے، ان کی تفصیل کے لئے شرح وقایہ ص ۲۰ و ۲۱ ج ۲ نیز بحر، فتح، بنایہ، جامع الرموز، قاضی خان، بدائع، ظہیریہ وغیرہ کتب فقہ کا مطالعہ کیجئے جن میں نہایت تفصیل کے ساتھ لوہار، دربان، سائیس، دھنیہ، درزی، سقہ، صراف، بزاز، عطار

حجام، جولاہا وغیرہ کی تقسیمات و تفریقات ۔ سے سینکڑوں اوراق مملو نظر آئیں گے ۔ اتنے بڑے اہم مسئلہ کی بنیاد جن دلائل و براہین پر ہے، ہم ذیل میں فقہاء کے ان دلائل پر تنقیدی نظر ڈالتے ہیں ناظرین کرام غور سے مطالعہ کریں ۔

پہلی حدیث	تخیروا لنطفکم وانکحوا الاکفاء	یعنی اپنے نطفوں کے لئے اچھی عورتوں کا انتخاب کرو، اور نکاح کفو سے کرو

اس حدیث کو بروایت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رض حاکم اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے ۔ اگرچہ اس حدیث کو فقہاء نے استدلال میں پیش کیا ہے، مگر اس حدیث کے جتنے بھی مختلف طرق ہیں، سب ضعیف و مخدوش ہیں ۔ اس کے رواۃ حارث بن عمران، سلیمان بن عطاء، محمد بن مروان، عکرمہ بن ابراہیم ہیں، مگر سب ضعیف ہیں

حارث بن عمران جعفری کے متعلق لکھا ہے ۔ ضعیف، رماہ ابن حبان بالوضع (تقریب) تفصیل کے لئے دیکھو کتب اسماء الرجال، نیز اس حدیث کو علامہ حافظ محمد بن طاہر مقدسی نے اپنی کتاب تذکرۃ الموضوعات میں موضوعات کے تحت میں بیان کیا ہے اور حافظ ذہبی نے اس کے ایک راوی کو ضعیف اور دوسرے کو متہم بتایا ہے ۔ ابن ابی حاتم نے بے اصل، منکر اور باطل ٹھہرایا ہے

دوسری حدیث	الا لا یزوج النساء الا الاولیاء ولا	یعنی عورتوں کا نکاح اولیاء ہی کریں، اور ان کی شادی کفو ہی سے ہونی چاہیئے ۔

یزوجن الا من الاکفاء ۔

یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اس کی سند میں دو راوی ضعیف ہیں ایک مبشر بن عبید، دوسرے حجاج بن ارطاۃ ۔ مبشر بن عبید تو باتفاق محدثین ضعیف اور متروک ہے، نیز وضع حدیث کے ساتھ بھی متہم کیا گیا ہے ۔ البتہ حجاج بن ارطاۃ کو بعض لوگوں نے کچھ ثقہ بھی بتایا ہے، مگر اکثر ائمہ نے مدلس اور ضعیف کہا ہے ۔ اس لئے اس جرح مفصل کے مقابلہ میں بعض کی توثیق زیادہ قابل اعتماد نہیں ۔ مبشر بن عبید کو تو امام المحدثین امام بخاری، امام احمد بن حنبل، دار قطنی وغیرہ نقادان نے ساقط الاعتبار بتلایا ہے ۔ اس لئے یہ حدیث کسی طرح قابل حجت نہیں ۔ نیز اسی حدیث کی ایک سند ابن ابی حاتم سے بھی منقول ہے ۔ اور بغوی وغیرہ نے اگرچہ حسن بھی کہا ہے، مگر تمام ترمحدثین نے بالکل ضعیف بتلایا ہے ۔ اس حدیث کا

ایک راوی عباد بن منصور نہایت ہی ضعیف اور منکر الحدیث ہے، چنانچہ امام نسائی فرماتے ہیں قابل حجت نہیں، ابن معین فرماتے ہیں، قوی نہیں، بلکہ محض لا شئے ہے، بقول ابن سعد محدثین نے منکر الحدیث اور بالکل ضعیف بتایا ہے، علامہ سیوطی نے اسے موضوعات میں شامل کیا ہے، نیز ائمہ حدیث سے اس کے متعلق مختلف اقوال بھی نقل فرماتے ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر مختلف اسانید سے بھی یہ حدیث منقول ہے، مگر بقول ابن عدی کوئی بھی طریقہ صحیح نہیں، کیونکہ ہر ایک کا راوی بشر بن عبید ہے، جو کہ کذاب اور وضاع حدیث جتلایا گیا ہے، بیہقی اور دار قطنی نے بھی اپنی اپنی سنن میں اس حدیث کو روایت کیا ہے، مگر ساتھ ہی ضعیف اور متروک بھی ٹھہرایا ہے۔

تیسری حدیث

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العرب بعضھم اکفاء بعض والموالی بعضھم اکفاء بعض الا حائکا او حجاما۔

یعنی اہل عرب آپس میں ایک دوسرے کے کفو ہیں، اور اسی طرح غلام کا غلام کفو ہے، مگر جولاہا اور حجام اہل عرب کے کفو نہیں

اس حدیث کو امام حاکم نے عبد اللہ بن عمر رض سے نقل کیا ہے، فقہاء اس روایت کو استدلال میں برابر پیش کرتے ہیں، حالانکہ یہ ان کے طریق استدلال کے خلاف ہے، کیونکہ یہ حدیث قابل احتجاج نہیں، اس حدیث کی سند میں ایک راوی مجہول ہے، نیز اس حدیث کے متعلق ابن ابی حاتم نے اپنے باپ سے پوچھا، انہوں نے جواب دیا ھذا الکذب لا اصل لہ و قال فی موضع باطل۔ یعنی یہ حدیث سراسر جھوٹ بے بنیاد اور باطل ہے، ابن عبد البر نے تمہید میں دوسرے طریق سے بھی اس حدیث کی تخریج کی ہے، مگر اس طریق میں ایک راوی عمران بن ابی الفضل ہے، ابن حبان اس کے متعلق لکھتے ہیں یروی الموضوعات عن الثقات یعنی موضوع حدیثیں روایت کرتا تھا، نیز حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں ھذا منکر موضوع یہ منکر اور موضوع ہے، یہی وہ روایت ہے، جسے ہشام بن عبید اللہ راوی نے عام مجمع میں بیان کیا اور (دباغ) کا لفظ بھی بڑھا دیا جس سے دباغوں نے حملہ کیا، اور ایک جماعت ٹوٹ پڑی، یہاں تک کہ ان کے قتل کے لئے تیار ہو گئے، اسی حدیث کو ابن عدی اور دار قطنی نے دوسرے دو طرق سے بھی روایت کیا ہے، مگر دونوں طریقے ساقط الاعتبار ہیں، ایک طریق میں علی بن عروہ ہیں، جن کو ابن حبان نے وضاع کہا ہے، اور دوسرے طریق میں محمد بن

فضل بن عطیہ ہیں، ان کو بھی متروک الحدیث کہا گیا ہے، حاصل یہ ہے، کہ اس حدیث کے بہت سے طرق ہیں، مگر تمام کے تمام طریقے ضعیف اور مردود ہیں، اسی واسطے حافظ ابن عبد البر تمہید میں لکھتے ہیں ھذا منکر موضوع ولہ طرق کلھا واھیۃ یعنی اس حدیث کے بہت سے طریقے ہیں، مگر سب واہی اور بے کار ہیں، کوئی بھی قابل احتجاج نہیں، عبد اللہ بن عمر کی مذکورہ بالا حدیث کی متابعت میں مسند بزار کی وہ حدیث جو معاذ بن جبل سے مروی ہے پیش کی جاتی ہے، مگر حدیث معاذ کو حدیث ابن عمر کا شاہد ٹھہرانا باطل وعبث ہے کیونکہ مسند بزار کی یہ روایت خود منقطع ہے، خالد بن معدان کا معاذ بن جبل سے سماع ثابت نہیں، نیز اس میں ایک راوی سلیمان بن ابی الجون ہے، جس کو ابن القطان لکھتے ہیں۔ لا یعرف یعنی مجہول ہے، دیکھو تفصیل کے لئے نیل الاوطار ص۳۶ جز۶ مصری، و سبل السلام ص۰۷، جز۲ فاروقی،

مسند بزار کی حدیث، جسے حدیث ابن عمرؓ کا شاہد بتلایا جاتا ہے، حافظ ابن حجر فتح الباری میں اسی حدیث معاذ شاہد کے متعلق لکھتے ہیں

واما ما اخرجه البزار من حديث معاذ رفعه العرب بعضهم اكفاء بعض والموالي بعضهم اكفاء بعض باسناده ضعيف۔

یعنی مسند بزار کی وہ حدیث جو معاذ بن جبل سے مرفوعاً مروی ہے، جس کا مطلب یہ ہے، کہ اہل عرب عرب کے کفو ہیں، اور غلام غلام کا کفو ہے، یہ حدیث ضعیف ہے۔

چوتھی حدیث

يا علی ثلث لا تؤخرها الصلوة اذا اتت والجنازة اذا حضرت والايم اذا وجدت لها كفوا۔

یعنی اے علیؓ تین چیزوں میں تاخیر مت کرنا اولاً نماز ہے، جب وقت آجائے تو تاخیر مت کرنا، دوسرے جب جنازہ حاضر ہو جائے تو جلدی کرنا تیسرے جب کسی بیوہ کا کفو مل جائے تو تاخیر مت کرنا

اعتبار کفو کے بارے میں سب سے قوی دلیل علی کرم اللہ وجہہ کی یہ حدیث ہے، جسے امام ترمذی اور حاکم نے اپنی کتاب میں روایت کیا ہے، امام ترمذی نے تو اس حدیث کو غریب کہا ہے، ترمذی کی اس سند میں سعید بن عبد اللہ الجہنی ہے، جو کہ بالکل ضعیف ہے، البتہ حاکم کی روایت میں سعید بن عبد اللہ الجہنی کے بجائے سعید بن عبد الرحمن جہنی کا نام آیا ہے، جو کہ امام ذہبی یا خود امام حاکم کے نزدیک معتبر ہے، نیز ابن ماجہ اور ابن حبان

میں بھی یہ روایت موجود ہے، علاوہ ازیں اگر ہم رواۃ کی جرح وقدح، تعدیل وتوثیق سے قطع نظر کرلیں، جب بھی مخالف کا مقصد پورا نہ ہوگا، کیونکہ اس صورت میں یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ حدیث مذکور میں کفو کا معنی وہی ہے، جو اصطلاح فقہ میں مستعمل ہے، نیز جو معنی فقہ کے دفتروں میں آپ کے وصال کے صدیوں بعد بیان کیا گیا، وہی معنی آنحضور نے لئے، اور یہ بھی خیال رہے، کہ آپ کے ذاتی نمونے اور صحابہ کرام کے عملی کارنامے اس صورت میں حدیث کے مصداق کے خلاف تو نہیں؟ ودونہ خرط القتاد ہمارے نزدیک تو اس روایت میں کفو سے عمر اور دینی صلاحیت وغیرہ میں مساوات مراد ہے، کفو بمعنی مساوی قرآن مجید میں بھی آیا ہے۔ وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ

پانچویں حدیث

عن عبد الله بن بریدۃ عن ابیہ قالت جاءت فتاۃ الی رسول الله صلی الله علیہ وسلم فقالت ان ابی زوجنی ابن اخیہ لیرفع بی خسیسۃ قال فجعل الامر الیہا فقالت قد اجزت ما صنع ابی ولکن اردت ان اعلم النساء ان لیس الی الاباء من الامر شیء رواہ ابن ماجہ والنسائی (نیل الاوطار ج ۲ ص ۳۵)

یعنی ایک نوجوان عورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، اور عرض کیا، کہ اے اللہ کے رسول میرے باپ نے میری شادی اپنے بھتیجے سے محض اس غرض سے کردی ہے، کہ میری وجہ سے اس کی ذلت (خساست) دور ہوجائے آنحضور نے اس عورت کو فسخ کا اختیار دے دیا مگر عورت نے پھر عرض کیا، اے اللہ کے رسول میں اپنے باپ کے فیصلہ نکاح پر راضی ہوگئی میری غرض صرف یہ تھی، کہ عورتوں کو اس بات کی خبر کردوں کہ ماں باپ کو اجبار کا کوئی حق نہیں۔

قاضی شوکانی حدیث ابن ماجہ کو صحیح بتاتے ہیں، اور کہتے ہیں رجالہ رجال الصحیح حدیث کا مطلب تو بالکل واضح ہے، اور اس سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے، کہ اگر عورت کسی آدمی کے ساتھ نکاح پر راضی نہ ہو، مگر ماں باپ بالجبر نکاح پڑھا دیں، تو عورت کو فسخ نکاح کا اختیار ہے، مضمون ہذا کی پہلی قسط میں عبداللہ بن بریدہ کی حدیث پر بحث کرتے ہوئے یہ لکھ گیا تھا کہ اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے، کہ عورت کی عدم رضا کے وقت، قاضی عورت کو فسخ نکاح کا اختیار دے سکتا ہے، اس واضح نتیجہ کے بعد حدیث مذکور سے کفارت کا اثبات خض تنکے کا سہارا ہے، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میمون میں صحابہ کرام کا کوئی کام

کرنا اور آپ کا سکوت فرمانا اس امر کے جواز کی دلیل ہے۔ اس لئے مرافعہ گذار خاتون نے محض اپنے قلبی مقصد اجبار ولی کی تردید کے لئے مقدمہ دائر کیا تھا، اس سے کفارت کا کوئی تعلق نہیں، حدیث کے اس ٹکڑے پر غور کیجیے۔ اردت ان اعلم النساء ان لیس الی الاباء من الامر شئ الخ

چھٹی حدیث عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت خیرت بریرۃ علی زوجہا حین عتقت متفق علیہ۔ چونکہ بریرہ کا شوہر مغیث اصح مذہب کے مطابق غلام تھا، اس لئے بریرہ کے آزاد ہونے کے بعد کفارت فی الحریت باقی نہیں رہی لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ کو اختیار دے دیا، یہ ہے طریق استدلال جسے قائلین بالکفارت پیش کرتے ہیں، مگر ہماری تحقیق میں کفارت کا اثبات اس حدیث سے بھی درست نہیں، بلکہ جو شخص بھی حر اور عبد میں تفریق کر سکتا ہے، حریت اور عبدیت کے فرق کو مد نظر رکھ کر یہ کہہ سکتا ہے، کہ لونڈی کو چونکہ اپنے نکاح کا کوئی ذاتی اختیار نہیں ہوتا بلکہ مالک جس شخص کے ساتھ چاہے اس کا نکاح کر سکتا ہے، اگرچہ لونڈی اس آدمی کے ساتھ نکاح پر راضی نہ ہو، لیکن حریت کے بعد اپنے تمام امور اور سارے معاملات میں صاحب اختیار ہو جانے کی وجہ سے شریعت نے اسے اختیار دے دیا، کہ مالک کی ملکیت میں ہونے کی وجہ سے جس غیر اختیاری امر (نکاح) پر مجبور کی گئی ہے، اس پر نظر ثانی کرلے، یہ ہے تخییر کی اصل وجہ، کفارت سے اس کا کوئی تعلق نہیں، حافظ ابن قیم رحمہ نے بھی حکمت تخییر بیان کرتے ہوئے یہی لکھا ہے، تفصیل کے لئے دیکھو سبل السلام

یہ ہے ان دلائل کی حقیقت، جسے ناظرین کے سامنے میں نے نہایت اختصار کے ساتھ پیش کر دیا ہے، اسی طرح کے چند رطب و یابس آثار بھی ہیں، جنہیں میں بخوف طوالت ترک کر دیتا ہوں، اب ہم ذیل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے عملی نمونے پر روشنی ڈالتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے عملی کارنامے سالار قافلہ امت سرور عالم علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کی سگی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش رضی خاندان بنی اسد بن خزیمہ کی عزت اور رفعت شان کا کون منکر ہو سکتا ہے، مگر آنحضور علیہ السلام نے زینب کا نکاح زید جیسے غلام

سے کر دیا تھا کہاں ہے کفارت فی الحریتہ؟

(۲) فاطمہ بنت قیس قرشیہ فہریہ کو دیکھو، خاندان قریش سے تعلق رکھنے کے باوجود آنحضور علیہ السلام ہی کے مشورہ سے اسامہ بن زید جیسے غلام زادہ سے نکاح کرتی ہیں،

(۳) عرب کے مشہور و معروف قبیلہ بنی بیاضہ کو کون نہیں جانتا، مگر آنحضور علیہ السلام نے ابو ہند حجام کے لئے ان کے یہاں شادی کا پیغام بھیجا۔

(۴) عبدالرحمٰن بن عوف کی جلالت شان اور خاندانی شہرت سے کون واقف نہیں، مگر آپ کی بہن ہالہ بنت عوف کا نکاح بلال جیسے حبشی النسل سے ہوا تھا۔

(۵) خلیفہ ثانی فاروق اعظم رضؓ قرشی نے اپنی بیٹی حفصہ رضؓ کو سلمان رضؓ جیسے فارسی النسل پر پیش کیا تھا (سبل)

(۶) خاندان بنی ہاشم کی محترم خاتون ضباعہ بنت الزبیر الہاشمیہ مقداد بن الاسود الکندی کے نکاح میں تھیں، کہاں بنی ہاشم اور کہاں بنی کندہ۔

(۷) ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ جیسی محترم خاتون قرشیہ کا نکاح سالم بن معقل آزاد کردہ غلام سے کر دیا تھا۔

باشندگان عرب کے غرور اور عجب و تکبر کو دیکھو، کہ جس وقت زمانہ جاہلیت میں سردار مکہ نے ایک انصاریہ خاتون کے لئے نکاح کا پیغام بھیجا، تو انصار کا مغرور قبیلہ اس شرط پر راضی ہوا، کہ سردار مکہ کو ان کی لڑکی اپنے مکان پر رخصت کرالانے کا کوئی اختیار نہ ہوگا یہ تھی ان کی جہالت اور آبائی نخوت و غرور، مگر جب آنحضور علیہ السلام نے آبائی فخر و غرور کا خاتمہ کر دیا، تو بلال حبشی کی خواہش نکاح کا اظہار کرتے ہی بیسیوں انصار اپنی بیٹیاں دینے کے لئے تیار ہو گئے

یہی نہیں بلکہ عرب کا مشہور شاعر شہزادہ امرؤ القیس ملک جمیل جس محترم خاتون کے جد امجد کا بہت بڑا مداح تھا، اسی ممدوح اعظم کی پوتی بھی ایک ادنیٰ مسلمان کے نکاح میں رہ کر اس کی کفش برداری پر فخر کرتی تھی۔

نہایت اختصار کے ساتھ یہ چار واقعات لکھ دیئے گئے ہیں، جن کے پیش نظر ہر صاحب بصیرت فیصلہ کر سکتا ہے، کہ کفارت فقہی کوئی چیز نہیں، اگر شریعت مطہرہ میں کوئی چیز معتبر ہے، تو وہ کفارت فی الدین ہے، یہی مذہب ہے زید بن علی، امام مالک، عمر و ابن مسعود، ابن

سیرین، عمر بن عبد العزیز، امام بخاری وغیرہم کا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

(اخبار اہلحدیث ۱۲ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ)

مسئلہ کفو کی تحقیق

از قلم حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی

نکاح کے متعدد قابل بحث مسائل میں کفو کا مسئلہ بھی ہے، خصوصاً اس لئے بھی کہ متاخرین فقہا نے اس میں بے حد غلو کیا ہے، یہاں تک کہ نکاح کے جواز وعدم جواز تک اس کا اثر ڈالا ہے، اور کفو کے درجوں اور رتبوں تک کی تعیین کی ہے، حالانکہ یہ مسئلہ صرف ایک معاشرتی حیثیت رکھتا ہے، اور اس سے زیادہ اس کی کوئی اہمیت نہیں۔

"کفو" کے معنی برابر، مساوی، ہمسر اور جوڑ کے ہیں، اور اصطلاحاً اس سے مراد یہ ہے، کہ عورت ومرد جن کا نکاح باہم مقصود ہے، وہ معاشرت اور سوسائٹی کے لحاظ سے ہم مرتبہ اور ہم درجہ ہوں، تاکہ میاں بیوی میں باہم خوش گوار تعلقات قائم رہیں، اور ایک دوسرے کو ذلیل یا حقیر نہ سمجھیں، بات صرف اتنی تھی، مگر عجمی نخوت اور ہندی ذات پات کے جھگڑوں نے اس رائی کو پہاڑ بنا دیا، اور اب کم از کم ہندوستان میں ہندوؤں کے اثر سے یہ حالت ہو گئی ہے کہ مسلمانوں میں بھی برہمن، چھتری، ویش اور شودر کی طرح سید، شیخ، مغل، پٹھان گویا چار ذاتیں ہو گئی ہیں، اور پیشوں کے لحاظ سے اور بھی ماتحت تقسیمیں ہو گئی ہیں، اور ان میں باہمی حسب ونسب کی تعریفیں قائم کر دی گئی ہیں۔

کفو کی حیثیتیں چنانچہ فقہ حنفی میں کفو کی چار حیثیتیں قائم کی گئی ہیں، نسب، اخلاق، تقویٰ مال ودولت اور پیشہ، اور یہ ضروری سمجھا گیا ہے، کہ اگر کوئی بالغ لڑکی اپنے اختیار سے کسی ایسے مرد سے شادی کرے، جو خود یا اس کا خاندان لڑکی سے یا لڑکی کے خاندان سے نسب میں یا اخلاق، تقویٰ یا مال ودولت یا پیشہ میں کم درجہ ہو، تو لڑکی کے اولیاء کو حق حاصل ہو گا کہ وہ قاضی کی عدالت میں دعوے دائر کر کے اس کا نکاح فسخ کرا دیں، بعض فقہا نے تو غلو کر کے یہاں تک فتویٰ دے دیا ہے، کہ نکاح سرے سے منعقد ہی نہ ہو گا۔

نسب کے اعتبار میں اختلاف نسب میں قریش کو بڑا درجہ دیا گیا ہے، ان کے برابر کوئی غیر قریشی نہیں، پھر عام عرب قبائل کا درجہ ہے

پھر عجم کا، اسی طرح وہ نو مسلم جو بذات خود مسلمان ہوا ہے، اس نو مسلم کا مقابل نہیں، جو چند پشت پہلے مسلمان ہوا ہو، مال و دولت کے لحاظ سے یہ اجازت دی گئی، کہ اگر کوئی دولت مند لڑکی کسی فقیر مفلس مرد سے جو عورت کے دین مہر اور نفقہ کو ادا نہ کر سکتا ہو، شادی کرے، تو لڑکی کے اہل خاندان ایسے نکاح کو توڑ دیں (توحید امرتسر ۶ ربیع الاول ۱۳۴۷ھ)

س: میرا خاوند میری بدقسمتی سے عرصہ دراز سے شرابی اور زانی ہے، جس سے میرا نباہ بہت مشکل ہے، بہت دفعہ علیحدگی کے واسطے کہا گیا ہے، مگر میری کوئی شنوائی نہیں ہوتی براہ مہربانی آپ شریعت محمدیہ سے مکمل فتوی اخبار اہلحدیث میں بمع میرے سوال شائع فرمائیں (ایک خاتون از قصور)

ج: صورت مذکورہ میں عورت بذریعہ عدالت فسخ نکاح کرانے کا حق رکھتی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ جیسے حقوق عورتوں کے مردوں پر ہیں ویسے انکے بھی مردوں پر ہیں مرد نہیں چاہتا کہ میری بیوی زانی یا شرابی ہو، اسی طرح عورت بھی مرد کا ایسا ہونا پسند نہیں کرتی، قرآن مجید میں ارشاد ہے

عَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ عورتوں سے اچھا سلوک کیا کرو۔

نیز فرمایا:-

لَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا عورتوں کو محض تکلیف دینے کو مت رکھو، بلکہ اچھا نباہ رکھو

واللہ تعالی اعلم (اہلحدیث ۶ رنومبر ۱۹۳۱ء)

شرفیہ: یہ صحیح ہے، اور حدیث نبوی لا تصاحب الا مؤمنا ولا یاکل طعامک الا تقی رواہ احمد فی مسندہ سے بھی اس جواب کی تائید ہوتی ہے (ابو سعید شرف الدین دہلوی)

س: میری لڑکی مسماۃ عائشہ بی بی کا خاوند مسمی عزیز الدین عرصہ پانچ سال سے ایسے متعدی مرض میں مبتلا ہے، جس کا اثر اس کے چہرے پر ہے، اور زبان پر لکنت آگئی ہے، اور کچھ کاروبار بھی نہیں کر سکتا، اسی دوران میں اس نے مسماۃ مذکورہ کو مار پیٹ کر گھر سے نکال دیا، اور آج تک اس کے نان ونفقہ کی بھی خبر نہیں لی، اور نہ مسماۃ مذکورہ کو چھوڑتا ہے، اندریں حالات مسماۃ مذکورہ نکاح فسخ کرانے کی کیا صورت اختیار کرے، کیونکہ مسمی عزیز الدین کے متعدی مرض سے عائشہ بی بی کو سخت خطرہ درپیش ہے، کہ وہی مرض اسے بھی نہ لاحق ہو جائے (قطب الدین گمہار از گورداسپور)

ج:- بذریعہ پنچ برادری، یہ نہ ہوسکے، تو بذریعہ عدالت مجاز فسخ نکاح کرا سکتی ہے۔
(فتاوی مولانا عبدالحی صاحب ج ۳ ص ۸۶)، (فتاوی نذیریہ ج ۲ ص ۲۵۰، ۲۵۱)
(اہلحدیث ۲۷ نومبر ۱۹۳۱ء)

شرفیہ:- نکاح فسخ کرا سکتی ہے، مگر بشرط صحت دعوی وثبوت شرعی،
(ابوسعید شرف الدین دہلوی)

س:- بموجب رسم ملک اگر ہودیوں کا سہرا نوشہ کو پہنا دیا جاوے، تو اخلاقی گناہ کیسے، کیا ممانعت کی کوئی صریح حدیث ہے نیز برات کے ہمراہ انگریزی باجا وغیرہ بجانا جس کے مضمون میں لغو کچھ نہیں، برائے اظہار خوشی ہے کیا یہ جائز ہے؟

ج:- خلاف سنت نبویہ اور مشابہت کفار کی وجہ سے گناہ ہے۔ من تشبہ بقوم فھو منھم کا وعید ہے، باجہ بجاتے ہوئے بارات کا جانا بھی ایک معنی میں ریاکاری ہے خطرہ ہے، کہ آیت مرقومہ ذیل کے تحت نہ ہو

لا تکونوا کالذین خرجوا من دیارھم بطراً ورئاء الناس (پ ۱۰ ع ۲۶) یعنی ان لوگوں کی مانند مت بنو جو بے کاری اور تکبر کی بنا پر اپنے گھروں سے نکلے۔
(اہلحدیث یکم جنوری ۱۹۳۲ء)

س:- زید کی بیوی قضا کر گئی ایک مدت ہوگئی، اب پھر زید کوشش کرتا ہے، مگر کامیابی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، اور نہ کوئی امید ہے، اب زید سے برداشت بھی نہیں ہوتا ہے، اس کا نفس بہت مائل ہے، کہ ناجائز حرکت کرے۔ مگر خوف خدا بھی لاحق ہے، دوسرے گناہ کبیرہ ہوتا ہے، جس کو اللہ خود فرماتا ہے (لا تقربوا الزنا الخ) ایسے نازک وقت میں زید کیا کرے، مطابق شرع شریف کے جواب ارسال فرمائیں (عبدالشکور از آسنسول)

ج:- شرعی طور پر حکم ہے:-

ولیستعفف الذین لا یجدون نکاحاً حتی یغنیھم اللہ من فضلہ یعنی جو لوگ نکاح نہیں پاتے وہ حتی المقدور بچتے رہیں۔

طبی طور پر بچنے کی یہ صورت ہے، کہ وہ سرد چیزوں مثلاً کشنیز وغیرہ کا استعمال کرے
(اہلحدیث ۲۹ جنوری ۱۹۳۲ء)

س:- ایک شخص ہے، جس کی منکوحہ فوت ہوگئی ہے، اور موت ایسی واقع ہوئی، کہ شوہر متوفیہ

سے دین مہر معاف نہ کرا سکا، اس کو کیا کرنا چاہئے؟ بڑی تردد و فکر ہے (سائل مذکور)

ج:۔ متوفیہ کے ورثار کو دے یا معاف کرائے، اولاد اس کی نہیں ہے، تو نصف کا مالک خود خاوند ہے، اولاد ہو، تو ربع کا مالک ہے، باقی ورثار کا، ان سے بات چیت کرے، اگر وارث کوئی نہ ہو، تو سب خاوند کا۔ (۲۹ر جنوری ۱۹۳۲ء)

س:۔ شرعاً عورت کو پردے کے بارے کیا حکم ہے (سائل از جکرو ضلع پور)

ج:۔ عورت کے لئے پردہ کرنے کا حکم قرآن مجید میں موجود ہے۔ ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ (پ ۲۲ ع ۵)

اے پیغمبر اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہدو، کہ اپنی چادروں کے گھونگھٹ نکال لیا کریں۔

(اہلحدیث ۲۶ر جنوری ۱۹۳۲ء)

س:۔ ایک شخص جو بچپن سے اپنے استاد کے گھر میں آتا جاتا ہے، بعد بلوغت بھی آمد و رفت کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور استاد اپنی بیوی سے پردہ کرائے یا نہ؟ خصوصاً جب شاگرد بھی جوان اور استاد کی زوجہ بھی جوان ہو، (سائل مذکور)

ج۔ بعد بلوغت پردہ کرانا ضروری ہے، قرآن مجید میں ہے

وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ (پ ۱۸ ع ۱۲)

یعنی جب لڑکے بالغ ہوں، تو وہ بڑوں کی طرح گھر میں اذن لے کر جایا کریں، تاکہ گھر والیاں پردہ کر لیں۔

(اہلحدیث ۲۶ر جنوری ۱۹۳۲ء)

س:۔ زید سات سال سے اپنی زوجہ سے بوجہ نامردی کے علیحدہ رہا، نان و نفقہ سے قطعاً بے پرواہ رہا، ایسی حالت میں اس کی بیوی پر شرعی طلاق ہو سکتی ہے یا نہیں؟

(شیخ فضل الدین، ضلع شیخوپورہ)

ج:۔ صورت مرقومہ میں عورت فسخ نکاح کرانے کا حق رکھتی ہے، عدالت کے ذریعہ نہ ہو سکے تو پنچایت کے ذریعہ کرا لے (فتاوی نذیریہ جلد ۲) (۲۵ر مارچ ۱۹۳۲ء)

فتاوی دہلی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک عورت سے شادی کی، لیکن اسی وقت راستہ ہی میں سے واپس کر دیا

اور ہم بستری کی نوبت نہیں آئی، اب اسی عورت کو اٹھارہ برس گھر بیٹھے ہوئے گذر گئے اس مرد نے نان ونفقہ کچھ بھی نہیں دیا، ایک مرتبہ وہ عورت اپنے خاوند کے پاس گئی بھی، لیکن اس کا خاوند چھپ گیا، اور اس کے پاس تک نہ آیا، اور چند عورتوں نے کہا خاوند سے کہ اس کو بلالو، لیکن اس نے کہا، کہ میرا اس کا کچھ واسطہ نہیں۔

الجواب:۔ بعد حمد وصلوٰۃ کے واضح ہو، کہ حق تعالےٰ نے مرد کے ذمہ ادائے حقوق نان ونفقہ وغیرہ ضروری قرار دیا، چنانچہ فرمایا فَاَمْسِکُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْسَرِّحُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ، یعنی خاوند کو عورت کے ساتھ دو باتوں میں سے ایک بات ضرور عمل میں لانا چاہیے ان دو باتوں کے سوا تیسری بات کا شریعت میں وجود نہیں پایا جاتا، یا تو ادائے حقوق کے ساتھ نکاح میں رکھنا یا طلاق دے کر حسب قانون شرع جدا کرنا تیسری صورت یعنی نہ ادائے حقوق، اور نہ طلاق کسی طرح جائز نہیں، اس کو بطور قضیہ منفصلہ حقیقیہ کے سمجھنا چاہیے، اس کے دو جزء یعنی ادائے حقوق وطلاق نہ شرعًا دونوں مجتمع ہو سکتے ہیں اور نہ مرتفع ہو سکتے ہیں بلکہ دونوں میں سے ایک کا پایا جانا ضروری ہے، اور صورت مسئولہ میں دونوں صورتوں میں سے ایک بھی نہیں پائی جاتی، نہ ادائے حقوق اور نہ طلاق، ایسی حالت میں سوا اس کے کہ عورت ضرر ونقصان میں مبتلا ہو، اور اس کی زندگی خراب ہو، اور کیا نتیجہ ہو سکتا ہے، یہ امر بھی ظاہر ہے، کہ عورت سے ضرر دور کرنا ضروری ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وَلَا تُضَارُّوْھُنَّ وقال اللہ تعالیٰ وَلَا تُمْسِکُوْھُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا۔ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام۔ اور ضرر دور کرنے کی صورت سوا اس کے کچھ نہیں ہو سکتی، کہ اس مرد ظالم کو فہمائش وتنبیہ کی جاوے، اور طلاق مانگی جاوے، اگر طلاق نہ دے تو مشورہ وپنچایت کر کے نکاح فسخ کیا جاوے، اور کسی مرد صالح سے اس کا نکاح کر دیا جاوے تاکہ کچھ خرخشہ باقی نہ رہے۔

خلاصہ یہ کہ عورت مظلومہ مذکورہ کا نکاح فسخ کر کے کسی مرد خدا ترس سے کرنا جائز، بلکہ ضروری ہے، اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں جو کہ بیوی کے ادائے حقوق نان ونفقہ وغیرہ سے قاصر ہے یہ فیصلہ فرمایا، کہ دونوں میں تفریق کی جاوے، جیسا کہ دارقطنی میں مروی ہے، پس جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں جو بوجہ مجبوری ادائے حقوق سے قاصر ہے، تفریق کے لئے حکم صادر فرمایا، تو اس شخص کے

لئے بطریق اولیٰ تفریق کا حکم جاری کیا جاوے گا جو کہ محض شرارت اور ایذا رسانی کی غرض سے حقوق ادا نہیں کرتا کما لا یخفی علی من لہ طبع سلیم و فہم مستقیم۔ فقط واللہ اعلم۔ حررہ عبد الجبار عمرپوری کان اللہ لہ

الجواب صحیح۔ عبد الستار حسن عمرپوری عفی عنہ　(اہلحدیث ۸ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ)

س:۔ ایک مسماۃ کا نکاح ہمراہ ایک شخص کے ہوا، جب کہ فریقین بحالت نابالغی تھے، اسی اثنا میں مسماۃ مذکورہ کو اس کے خاوند کا ولی اپنے گھر لے گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد بالغہ ہو گئی اور اس کا خاوند ابھی تک نابالغ تھا، نابالغ خاوند کا باپ لڑکی کو ناجائز فعل پر مجبور کرتا رہا وہ مار و غیرہ سے تنگ آکر اپنی بیوہ والدہ کے پاس چلی جاتی رہی پھر خاوند کا باپ لڑکی والے گاؤں میں آ آ کر لوگوں کی منت سماجت کرکے پھر لے جاتا اور اس کو فعل بد پر مجبور کرتا۔ اب وہ لڑکی کسی طرح اپنے خاوند کے باپ کے گھر جانے کو تیار نہیں، خاوند نے اب دعویٰ دائر کر دیا ہے، مگر شہادت نکاح کوئی نہیں، اگر دعویٰ خاوند مذکور کا خارج ہو جائے، تو کیا وہ نکاح ثانی کر سکتی ہے؟ اگر کر سکتی ہے، تو کتنی عدت کی ضرورت ہے؟ کیا دوران مقدمہ میں نکاح کر سکتی ہے؟ (سی، ڈی منرفت بابو عالم خانصاحب)

ج:۔ صورت مرقومہ میں مسماۃ مذکورہ کو اختیار فسخ حاصل ہے اس وجہ سے کہ بوقت نکاح وہ نابالغہ تھی، عند الحنفیہ اس کی بھی ضرورت نہیں، والد ناکح کے فعل سے نکاح فسخ ہو گیا، اب اس کو اختیار ہے، دوسری جگہ نکاح کر لے، بوجہ عدم ملاپ اصل خاوند کے عدت اس پر واجب نہیں، واللہ اعلم　(۱۰ اپریل ۱۹۳۲ء)

شرفیہ:۔ صورت مذکورہ میں عدالت میں مقدمہ دائر کرکے فیصلہ کرایا جائے، خواہ خلع ہو یا ایسے طلاق، خواہ حاکم فسخ کر دے　(ابو سعید شرف الدین دہلوی)

س:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کے ہوتے ہوئے دوسری شادی کر لی، پہلی بیوی کی طرف سے تقاضا ہوا، کہ یا دونوں بیویوں کو یکساں آرام سے رکھنے کا اطمینان کرا دو یا صفائی کر دو، اور دین مہر ادا کر دو، صرف پانچ چھ آدمی بیٹھے، لڑکی کا چچا بھی تھا، اور لڑکی کی ماں، اور بھائی بالغ موجود تھے، پانچ آدمیوں نے صرف بیس روپے دے کر طلاق نامہ لکھا دیا، ایک ہی مضمون کے دو کاغذ لکھے گئے، لڑکی یا اس کے بھائی کی اجازت کے بغیر چچا نے دستخط کر دیئے، اب لڑکی اور اس کے بھائی راضی نہیں ہیں۔ تو دین مہر پورا ملنے کی مستحق عورت

(لڑکی)، ہے یا نہیں؟　(محمد ابراہیم از جھاچھا)

ج:- اس مجلس میں اعتراض کرنے کا لڑکی اور اس کے بھائی کو حق تھا، اب بعد فیصلہ کے نہیں، واللہ اعلم　(۲۹ر اپریل ۱۹۳۲ء)

س:- ہندہ معمرہ پندرہ سال کا نکاح اس کی مرضی کے خلاف زید سے اس طرح کر دیا، کہ نکاح کی اطلاع پا کر ہندہ نے رونا اور زبان سے انکار صریح کرنا شروع کر دیا، اتفاق سے، مجلس نکاح کے گواہ جو نصف ساعت کے بعد گواہ بننے والے تھے، اس انکار صریح کو اپنے کانوں سے سنکر بہت متعجب ہوتے، تو ہندہ کے باپ نے جا کر ہندہ کو بہتیرا سمجھایا لیکن ہندہ انکار ہی کرتی رہی، بالآخر مجبور ہو کر شرماشرمی اور رسوائی کے خیال سے باپ نے گواہوں کو کہہ دیا، کہ میں سمجھا رہا ہوں، تھوڑی دیر کے بعد زید سے قاضی نے ایجاب دقبول کرا دیا، لیکن گواہوں کو ہندہ کے پاس اس غرض کے لئے کسی نے نہ بھیجا، نہ یہ خود گئے۔ یونہی بلا استیذان ہندہ خاموشی کے ساتھ ایک دوسرے عاقدین کا کلام سنائے بغیر ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ کر دیا گیا۔

ہندہ مذہب اہلحدیث کی پابند ہے، اور زید حنفی مقلد ہے، ایسے نکاح پر از روئے مذہب اہلحدیث و احکام فقہ حنفیہ نکاح شرعی کا اطلاق ہو سکتا ہے یا نہیں۔

زید واقعہ انکار نکاح سے مغلوب الغضب ہو کر ہندہ کے ساتھ بے رحمانہ سلوک اور جابرانہ و ظالمانہ برتاؤ روا رکھتا ہے، ہندہ اور زید میں شدید نا اتفاقی ہے، ہندہ کو زید سے طبعی نفرت ہے، اور زید کی ناقابل برداشت ایذا رسانی سے ہندہ کی جان سخت خطرہ میں ہے۔ قاضی کو اس صورت میں افتراق کا اختیار حاصل ہے یا نہیں؟ مذہب اہلحدیث اور حنفیہ میں جو احکام تفریق سے متعلق ہیں، مع حوالجات مستند کتب حنفیہ اور احادیث صحیحہ جواب سے سرفراز فرما جائے　(محمد عثمان خان عفی عنہ از محبوب نگر)

ج:- حدیث شریف میں ہے، کہ باکرہ سے بھی استفسار کیا جاوے، اس سے ثابت ہوتا ہے نکاح بالجبر جائز نہیں، بات اصل یہ ہے، کہ نکاح میں نباہ کرنا ہے لڑکی نے نہ باپ نے لڑکی اگر پسند نہیں کرتی، تو نباہ کیسے ہوگا، اس لئے جبر سے نکاح کو جائز کہنا، گویا دونوں میں فساد قائم رکھنا ہے، واللہ اعلم　(۶ر مئی ۱۹۳۲ء)

الجواب:- صورت مسئولہ میں جب کہ عورت عاقلہ بالغہ مذکورہ اپنے شوہر معین ہونے کے

وقت اور عین ایجاب کے وقت کہہ رہی تھی، کہ میرا نکاح زید کے ساتھ نہ کرنا، اور ساتھ اس کے گریہ وزاری بھی کر رہی تھی، مگر اس کے باپ نے نہ اس کی مرضی پر توجہ کی، اور نہ کسی غیر کا کہنا مانا، اور بلا مرضی اس کے اس کا نکاح زید کے ساتھ کر دیا، اور تا حال وہ راضی نہیں ہے، تو یہ نکاح منعقد نہیں ہوا، کیونکہ عورت عاقلہ بالغہ کے نکاح کے منعقد ہونے کے لئے اس کی اجازت و مرضی شرط ہے، مشکوۃ شریف میں ہے۔

عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الایم احق بنفسہا من ولیہا والبکر تستاذن فی نفسہا واذنہا صماتہا وفی روایۃ قال الثیب احق بنفسہا من ولیہا والبکر تستامر واذنہا سکوتہا وفی روایۃ قال الثیب احق بنفسہا والبکر یستاذنہا ابوہا واذنہا صماتہا رواہ مسلم۔ وعن ابن عباس ان جاریۃ بکرا اتت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فذکرت ان اباہا زوجہا وھی کارھۃ فخیرھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم رواہ ابوداؤد۔

اور اس کے باپ نے جو یہ کہہ کر کہ اگر تو وہاں راضی نہ ہوئی، تو تمہیں ان سے واپس کرا لوں گا، خسر کے گھر روانہ کر دیا، اور وہ جا کر وہاں سے واپس چلی آئی، سو باپ کے اس کہنے سے اس کا خسر کے گھر چلے جانا موجب رضا و قبول نہیں ہو سکتا، ہاں وہاں جا کر زید سے بلا جبر و اکراہ راضی ہوتی، تو اس کا یہ فعل البتہ موجب رضا و قبول ہوتا، مگر جب کہ وہاں سے بلا رضامندی واپس چلی آئی، اور تا حال وہ راضی نہیں ہے، تو اس کا خسر کے گھر مجبوراً چلے جانا ہرگز موجب رضا و قبول نکاح نہیں ہو سکتا، واللہ اعلم۔ حررہ عبدالرحیم عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین فتاوی نذیریہ جلد ۲ ص ۱۹۵

س:۔ اکثر جگہ دیکھا جاتا ہے، کہ جس شخص کا نکاح ہوتا ہے، وہ بعد قبول و ایجاب اپنی جگہ پر اٹھ کر کھڑا ہوتا ہے، اور حاضرین کو سلام کرتا ہے، کیا اس کا کوئی ثبوت ہے

ج:۔ رسم قومی ہے، سنت یا کسی حدیث سے ثابت نہیں، اگر ایسا کرنے والے موجب ثواب سمجھتے ہیں تو بدعت ہے، ورنہ محض رسم (اہلحدیث ۱۱ جنوری ۱۹۴۶ء)

س:۔ مجلس نکاح میں چھوہارہ وغیرہ لٹانا کیا سنت ہے؟

ج:۔ چھوہاروں کا نچھاور کرنا اس کو سنت سمجھ کر کسی حدیث سے مجھ کو نہیں ملا، یہ بھی ایک رسم ہے نچھاور کرنے کو سنت نہ سمجھے، بلکہ تقسیم کر دے تو جائز ہے (اہلحدیث ۱۱ جنوری ۱۹۴۶ء)

س :۔ زید نے اپنی بیوی کو طلاق دے دیا، مگر عورت کو اس نے نہیں کہا، صرف اس نے طلاق نامہ لکھ کر لکھ رکھا، مگر پھر اس نے دل میں سوچا، کہ بہت ظلم ہوتا ہے، تو آیا یہ طلاق اس عورت پر پڑی یا نہیں　(نذیر احمد در بھنگوی)

ج :۔ خاوند کے طلاق بولنے سے اللہ کے نزدیک طلاق ہو جاتی ہے، چاہے بیوی کو خبر ہو یا نہ ہو　(۱۴ر جمادی الآخر ۱۳۶۵ھ)

س :۔ طلاق رجعی کے اندر کفارہ ہے یا نہیں، اگر ہے تو کتنا ہے؟

ج :۔ طلاق رجعی میں کفارہ وغیرہ کچھ نہیں، واللہ اعلم　(۱۴ر جمادی الآخر ۱۳۶۵ھ)

س :۔ ایام حیض میں باکرہ عورت کا نکاح جائز ہے یا نہیں

ج :۔ باکرہ ہو یا ثیبہ دونوں کا نکاح ایام حیض میں جائز ہے، لیکن ملاپ جائز نہیں، جب تک پاک نہ ہو جائے، واللہ اعلم　(اہلحدیث ۱۰ دسمبر ۱۹۳۳ء)

تعاقب اخبار اہلحدیث مورخہ ۷ رجب ۴۹ھ مطابق ۲۸ نومبر ۳۰ء کے فتوی کے سوال ۱۷ میں ہے" زید نے اپنی بیوی فاطمہ کو ایک طلاق رجعی دی، رجعی طلاق کی عدت کے اندر اندر اپنی حقیقی سالی ہندہ سے نکاح کر لیا، تو جائز ہو گا یا نہیں؟　(سائل خریدار نمبر ۸۷۹۵)

جواب :۔ نکاح جائز ہے، مگر پہلی بیوی سے رجوع جائز نہ ہو گا

شریعت طلاق رجعی دو تک ہے، اور عدت کے لئے بعد طلاق دینے مرد کے خواہ رجعی طلاق دے یا بائن، تین حیض تک انتظار کرنے کا حکم ہے۔
یہ بھی صراحۃ ذکر ہے وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا
خلاصہ یہ کہ طلاق رجعی کی صورت میں عدت کے اندر اندر عورت نکاح سے باہر نہیں ہوتی لہذا ثابت ہوا، کہ جب تک زید کی منکوحہ فاطمہ مطلقہ بطلاق رجعی کی عدت گذر نہ جائے، عدت کے اندر اندر زید کا نکاح کرنا اپنی حقیقی سالی ہندہ سے صحیح نہ ہو گا۔
اگر آپ یہ کہیں کہ زید کا فاطمہ کی عدت کے اندر اندر فاطمہ کی حقیقی بہن ہندہ رسالی زید) سے نکاح کر لینا گویا فاطمہ کو طلاق بائن دینا ہے، تو جواباً عرض ہے، کہ اگر کسی کی چار بیویاں ہوں، اس حالت میں ایک اور عورت سے نکاح کرلے، تو پہلی چار میں سے کوئی ایک ضرور بائنہ ہونی چاہیئے، کیونکہ چار سے زیادہ حرام ہے، حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں

ہے، واللہ اعلم بالصواب (خاکسار ابو الخیر و تم سلفی بردوانی)

مُفتی:۔ یہ تو ظاہر ہے، کہ مرد پر عدت نہیں، یہاں طلاق رجعی کے بعد دو صورتیں ہیں امساک بالمعروف، تسریح باحسان، سالی کے ساتھ نکاح کرنے سے معلوم ہوا کہ مطلق نے تسریحی صورت اختیار کی ہے، بس اس کے بعد اگر کچھ ہے تو یہ کہ وہ امساکی صورت اختیار نہیں کرسکتا، یہاں آپ کی چار بیبیوں والی مثال قیاس مع الفیر ہے، کیونکہ اس میں طلاق نہیں، طلاق رجعی دے کر بے شک پانچویں سے نکاح کرلے، یہ قیاس صحیح ہے واللہ اعلم (اہلحدیث ۱۶ر جنوری ۱۹۳۱ء)

س:۔ زید کی شادی ایک نیک عورت سے ہوئی، جو تین چار بچوں کی ماں ہے، مگر زید شروع ہی سے اس کو کئی دفعہ مار کر گھر سے نکال چکا ہے، عورت نیک ہے خود آجاتی ہے ایک دفعہ اس کے بھائی کو بلا کر مار پیٹ کر کہہ دیا، کہ اسے لے جاؤ، مجھے اس کی ضرورت نہیں، بچے چھین لئے اور گھر سے نکال دیا، کیا اس صورت میں طلاق ہوسکتی ہے ؟

ج:۔ الفاظ لے جاؤ مجھے اس کی ضرورت نہیں، سے طلاق کنائی واقع ہوگئی ہے واللہ اعلم (۱۹ر ربیع الاول ۱۳۵۷ھ)

شرفیہ:۔ میں کہتا ہوں، کہ گو اصل حدیث انما الاعمال بالنیات صحیح بخاری میں ہے، مگر دل کی کیفیت متکلم کے سوا اللہ ہی کو معلوم ہے، لہٰذا ظاہری دلالت وہی ہے، جو مجیب مرحوم نے لکھی ہے (ابو سعید شرف الدین دہلوی)

س:۔ کیا ایک مسلمان عیسائی عورت سے شادی کرسکتا ہے ؟

ج:۔ کتابیہ عیسائی یا یہودی عورت سے مسلمان شادی کرسکتا ہے، جب ضرورت ہو اور ایسی عورت مل جائے، تو نکاح جائز ہے، قرآن پاک میں صراحتہ یہ حکم موجود ہے، واللہ اعلم (۱۹ر ربیع الاول ۱۳۵۷ھ)

س:۔ زید نے اپنی لڑکی ہندہ کی عدم بلوغت کے وقت بکر سے شادی کردی، بعد بلوغت کے ہندہ راضی نہیں، از روئے شرع شریف کیا فیصلہ ہے ؟

(خیر الدین سنتال پرگنہ)

ج:۔ ہندہ کو بعد بلوغت نکاح فسخ کرانے کا اختیار ہے (۲۷ر مئی ۱۹۳۸ء)

شرفیہ:۔ یہ مسئلہ بھی ہمارے اصحاب میں رائج ہوگیا ہے، مگر جس حدیث سے

استدلال کرتے ہیں، اس سے ثابت نہیں ہوتا، وہ حدیث خنساء بنت خدام کی ہے اس لئے کہ اس کا عدم بلوغ بوقت عقد نکاح ثابت نہیں، بلکہ اس سے بوقت نکاح انکار و کراہتہ سے بلوغ ثابت ہے، پھر جملہ حالیہ وھی کارھۃ سے ثابت ہے، وہ نکاح منعقد نہ ہوا تھا معلق تھا، لہذا یہ استدلال فسخ باطل ہے۔ (ابوسعید شرف الدین دہلوی)

تشریح مفید

الجواب: حنفیہ کے نزدیک جب صغیرہ کا نکاح اس کا باپ یا دادا کر دیوے، تو بعد بلوغ کے صغیرہ کو فسخ نکاح کا اختیار باقی نہیں رہتا ہے، اور اگر باپ یا دادا کے سوا کوئی اور ولی صغیرہ کا نکاح کر دیوے، تو بعد بلوغ کے اس کو فسخ نکاح کا اختیار باقی رہتا ہے، پس صورت مسئولہ میں حنفی مذہب کے رو سے یہ نکاح جائز ہے، اور اس لڑکی بالغہ کو بعد بلوغ کے فسخ نکاح کا اختیار نہیں، خواہ اس نکاح سے وہ راضی ہو یا راضی نہ ہو، چاہے شوہر کے یہاں اس کے گذر کی صورت ہو یا نہ ہو، کچھ بھی ہو، چونکہ یہ نکاح باپ کا کیا ہوا ہے، اس وجہ سے لازم ہو گیا، اب لڑکی کی نامنظوری و ناراضی سے فسخ نہیں ہو سکتا، اور اہلحدیث کے نزدیک جب صغیرہ کا نکاح باپ یا دادا یا کوئی اور ولی کر دیوے، تو وہ صغیرہ بالغ ہو کر اس نکاح سے راضی نہ ہو، تو اس کو فسخ نکاح کا اختیار باقی رہتا ہے، چاہے وہ اپنے نکاح کو فسخ کرے یا باقی رکھے، پس صورت مسئولہ میں حدیث کی رو سے اس لڑکی کو بالغ ہونے پر اختیار ہے، چاہے اپنے اس نکاح کو فسخ کر ڈالے، یا باقی رکھے، اور یہی بات حق ہے، اور حنفیہ کا جو مذہب اوپر بیان ہوا ہے، اس کی کوئی دلیل صحیح نہیں ہے۔ بلوغ المرام میں ہے:۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان جاریۃ بکرا اتت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فذکرت ان اباھا زوجھا وھی کارھۃ فخیرھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، رواہ احمد[1] وابوداؤد وابن ماجۃ سبل السلام ص ۶۷ ج ۲ میں ہے:۔

فالعلۃ کراھتھا فعلیھا علق التخییر لانھا المذکورۃ فکانہ قال صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ قال الحافظ فی بلوغ المرام واعل بالارسال انتہی وقال فی السبل واجیب عنہ بانہ رواہ ایوب بن سوید عن الثوری عن ایوب موصولا وکذلک رواہ معمر بن سلیمان الرقی عن زید بن حبان عن ایوب موصولا واذا اختلف فی وصل الحدیث وارسالہ فالحکم لمن وصلہ قال المصنف الطعن فی الحدیث لامعنی لہ لان لہ طرقا یقوی بعضھا بعضا۔ انتہی ۱۲

(ابوسعید محمد شرف الدین عفی عنہ مصحح)

اذا کانت کارھۃ فانت بالخیار وقول المصنف انہا واقعۃ عین کلام غیر صحیح بل حکم عام لعموم علتہ فاینما وجدت الکراھۃ ثبت الحکم وقد اخرج النسائی عن عائشۃ ان فتاۃ دخلت علیہا فقالت ان ابی زوجنی من ابن اخیہ یرفع بی خسیسۃ وانا کارھۃ قالت اجلسی حتی یاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاخبرتہ فارسل الی ابیہا فدعاہ فجعل الامر الیہا فقالت یا رسول اللہ قد اجزت ما صنع ابی ولکن اردت ان اعلم النساء ان لیس للآباء من الامر شئ والظاہر انہا بکر ولعلہا البکر التی فی حدیث ابن عباس وقد زوجہا ابوہا کفوا ابن اخیہ وان کانت ثیبا فقد صرحت انہ لیس مرادہا الا اعلام النساء انہ لیس للآباء من الامر شئ ولفظ النساء عام للثیب والبکر وقد قالت ہذہ عندہ صلی اللہ علیہ وسلم فاقرہا علیہ والمراد بنفی الامر من الآباء نفی التزویج للکارھۃ لان السیاق فی ذلک فلا یقال ہو عام لکل شئ۔ انتہی ما فی السبل ص ۶۷ ج ۲۔ حررہ محمد علی فنجابی فیروز پوری عفی عنہ

(فتاوی نذیریہ جلد ۲ ص ۱۶۴)

س: غفورہ کی شادی عمرو سے ہوئی مگر بعد شادی کے غفورہ اس کے ہاں جانے سے انکار کرتی ہے، اور کل مہر واپس دے کر خلع چاہتی ہے، عمرو کہتا ہے، کہ بڑھیا ہو کر مر جائے پر میں خلع نہیں کروں گا عمرو نے دوسری شادی بھی کر لی ہے، لہذا شریعت کا کیا حکم ہے؟

ج: صورت مسئولہ میں خاوند خلع قبول نہ کرے، تو معقول وجوہات پیش کر کے بذریعہ سب جج علاقہ نکاح فسخ کرا سکتی ہے، خاوند کا اس طرح اپنی بیوی کو تنگ کرنا بحکم لا تمسکوھن ضرارا بہت برا فعل ہے (۲۰ مئی ۱۹۳۸ء)

س: ایک حنفی کہتا ہے، کہ لڑکی نابالغہ ہو یا بالغہ بوقت نکاح اس سے پوچھنے کی ضرورت نہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

ج: حدیث شریف میں آیا ہے۔ البکر تستامر کنواری بالغہ سے بھی نکاح کے لئے اجازت لی جائے، اس لئے صحیح یہی ہے (اہلحدیث ۱۷ جون ۱۹۳۸ء)

س: زید کا نکاح ہندہ سے ہوا، اور دو تین سال اس کے گھر آباد رہی، زید ماں باپ کے گھر جانے سے روکتا ہے اس نزاع میں وہ ایک سال سے اپنے ماں باپ کے گھر بیٹھی ہے، مصالحت کے لئے ہندہ یہ شرط پیش کرتی ہے، کہ ماں باپ کے گھر سے نہ روکنا

ہو گا، خاوند یہ شرط قبول نہیں کرتا، ایسی صورت میں کہ مرد عورت کی شرط نہ مانے، تو پھر اس کو بذریعہ طلاق جدا کیا جاوے، ایسی جدائی کو طلاق کہیں گے، یہ خلع بصورت خلع خاوند پر مہر مقررہ واجب الاداء ہو گا یا نہیں، جب کہ بندہ شرط کوردہ کے ساتھ رہنا چاہتی ہے، اور خاوند اس شرط پر رہنے کے لئے تیار نہیں، بروقت نکاح ایسی کوئی شرط نہیں ہوئی۔

ج:۔ عورت کو ماں باپ کی ملاقات سے روکنا ظلم ہے، اگر عورت یہ شرط کر گئی ہے کہ مجھے ماں باپ کی ملاقات سے نہ روکا جائے، وہ مجھے گھر آ کر ملیں یا کسی سبب (بیماری وغیرہ) سے ان کو جا کر ملوں، یہ مطالبہ بالکل جائز ہے، اس لئے خاوند کو مان لینا چاہیئے، اگر اس وجہ سے طلاق دے گا، تو یہ طلاق خلع نہ ہو گی، بلکہ بائن یا مغلظہ ہو گی، ایسی شرط اگر بوقت نکاح نہ ہوئی، تو کوئی حرج نہیں، قرآن پاک میں ہے وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ، دستور شریعت کے مطابق ان سے گذارہ کیا کرو (اہلحدیث ۲۹ جولائی ۱۹۳۸ء)

س:۔ اگر بارہ سال کا لڑکا طلاق دے دے، اور اس کا باپ بھی ساتھ ہو کر طلاق کرائے، تو کیا یہ جائز ہے۔

ج:۔ یہ طلاق جائز ہے۔ فتاوی ابن تیمیہ۔ واللہ اعلم (۲۶ ستمبر ۱۹۳۸ء)

س:۔ زید ہمیشہ داڑھی مونڈتا ہے، گانا باجہ وغیرہ سنتا دیکھتا ہے، ایک امام صاحب نے اپنی پڑھی لکھی لڑکی کی شادی اس سے کر دی، حالانکہ وہ پہلے سے اس کے حالات سے واقف تھے، اب سوال یہ ہے، کہ زید کافر ہے یا نہ، اور یہ شادی درست ہے یا نہ، اور زید کے ساتھ تعلقات رکھنا کیسا ہے

ج:۔ داڑھی منڈا کافر نہیں، فاسق مسلمان ہے، ایسے شخص سے ملنا جلنا، اور اس کو مسنون داڑھی رکھنے کی تلقین کرنا، اس سے علیحدگی اختیار کرنے سے بدرجہا بہتر ہے، حدیث شریف میں آیا ہے من تخالط الناس خیر من ان یجانبہم، اور ایسے شخص سے جو نکاح ہو چکا ہے، وہ درست ہے، واللہ اعلم (۳۰ ستمبر ۱۹۳۶ء)

س:۔ طلاق بدعی واقع ہو گی یا نہ؟

ج:۔ طلاق واقع ہو جائے گی۔ لقولہ علیہ السلام، ثلاث جدھن جد و ہزلھن جد الطلاق والنکاح والعتاق۔ تین چیزیں استہزاء کہی جائیں یا قصداً ہر حالت میں واقع ہو جاویں گی، طلاق، نکاح اور آزادی غلام اس حدیث میں طلاق کا عدم

وقوع کسی حالت میں نہیں فرمایا (۳۰ ستمبر ۱۹۳۸ء)

س: منگنی کا کہیں شریعت میں ثبوت ملتا ہے؟

ج: منگنی ایک معاہدہ ہوتا ہے، کہ لڑکی کو فلاں لڑکے کے ساتھ نکاح کروں گا۔ اس معاہدہ کی پابندی اس حد تک ہونی چاہیئے، جب تک خلاف شرع نہ ہو، اور ان کے مفاد کے خلاف نہ ہو جن کے حق میں یہ معاہدہ ہوا ہے، صورت مسئولہ میں منگنی کے بعد معلوم ہوا کہ لڑکی بڑی عمر کی ہے، اور لڑکا چھوٹا، تو اس وعدہ کو توڑنا ضروری ہے، حدیث شریف میں آیا ہے۔ اگر کوئی قسم کھائے، اور قسم کھانے کے بعد اس کام سے رکنا خلاف شرع سمجھے جس سے رکنے کی قسم کھائی ہے، تو اس کو چاہیئے، کہ قسم کا کفارہ دے، اور وہ کام کرلے، واللہ اعلم

(نوٹ) اس قسم کے وعدے کرنے بھی منع ہیں، مگر غرض مند لوگ کر لیتے ہیں، پھر مصیبت میں پڑتے ہیں مسلمان یہ سمجھیں، کہ لڑکیاں خدا کی امانت ہیں، خدا کے سوا ان کے حقوق میں تصرف جائز نہیں ہے (۱۴ اکتوبر ۱۹۳۸ء)

شرفیہ: - اول تو ایسا وعدہ ہی بے قاعدہ اور غلط ہے، پھر اگر قرائن اغلبیہ ایسے ہوں جن سے کہ طرفین کا بنا بنایا منہدم ہوتا ہو، اور یہ ایسے وعدہ مفضی الی الفساد ہو، تو توڑنا لازم ہے۔ اللہ یعلم المفسد من المصلح (ابو سعید شرف الدین دہلوی)

س: - ایک شخص نے اپنی جد کی زوجہ یعنی سوتیلی دادی سے نکاح کیا، اور عورت مذکورہ سے تھا، اس کو حمل بھی ہوا، حمل سے لڑکا پیدا ہوا، کیا یہ نکاح درست ہے

(صدر الدین از پنپوٹ)

ج: - قرآن مجید میں ارشاد ہے وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ - تمہارے باپ دادوں نے جن عورتوں سے نکاح کئے ہیں، ان سے - تم نکاح مت کرو، اس لئے سوتیلی دادی بھی مثل سوتیلی ماں کے حرام ہے (۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۹ھ)

(نوٹ) پہلے بھی یہ مسئلہ اہلحدیث میں غلط چھپ گیا تھا علم ہونے پر فوراً اس کی تصحیح کر دی گئی تھی - اہلحدیث مورخہ ۳ شوال ۱۳۲۸ھ ملاحظہ ہو -

(اہلحدیث ۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۹ھ)

مکرر اصلاح

رمضان ۱۳۲۸ھ کے کسی پرچہ میں ایک فتویٰ چھپ گیا تھا، کہ باپ کی سوتیلی ماں ممنوعات محرمہ کی فہرست میں نہیں، چونکہ یہ فتویٰ غلط تھا، اس

لئے فوراً ۳ ر اکتوبر ۱۹ئہ کے اہلحدیث میں اس کی اصلاح کر دی گئی، اور صاف لکھا گیا، کہ سوتیلی دادی بھی وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَاؤُكُمْ میں داخل ہے، اس کے بعد بھی اس پر اطلاع درج ہوتی رہی، آج پھر سے کرر اس اصلاح کا اعلان کیا جاتا ہے (۸ ر مارچ ۱۹۳۲ئہ)

شرفیہ:- بالکل صحیح ہے، اور یہ کہ شخص مذکور کا نکاح نہ تھا، زنا تھا، اور حمل سے جو بچہ پیدا ہوا وہ حرامزادہ ہے، نسل صحیح نہیں، نہ ترکے کا مستحق (ابو سعید شرف الدین دہلوی)

س. ایک شخص ایک عورت خریدا ہے، لونڈی کے طریقے پر لیکن نکاح نہیں کرتا، بغیر نکاح اپنے کام میں لاتا ہے، وہ کہتا ہے، کہ لونڈی خریدی ہوئی ہے، تو کیا یہ جائز ہے؟

ج:- آج کل لونڈی کوئی نہیں، یہ عورتیں تمام آزاد ہیں، اور آزاد کو غلام بنانا موجب لعنت ہے شخص مذکور بغیر نکاح کے ملاپ کرتا ہے، تو زانی ہے

(نوٹ) واضح رہے، کہ آج کل جو عورتیں فروخت کی جاتی ہیں یہ قانوناً و شرعاً ناجائز ہے

واللہ اعلم (اخبار اہلحدیث امرتسر یکم ستمبر ۱۹۳۹ئہ)

س. ایک عورت کسی دنیاوی غرض کے لئے یا محض نکاح فسخ کرانے کے لئے اپنی رضامندی یا والدین کے مجبور کرنے سے عدالت میں جا کر اپنی زبان سے کہے، کہ میں عیسائن یا سکھنی ہوں، یا اسلام کے ماسوا کسی اور مذہب کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرے درآں حالیکہ اسلام سے متنفر نہیں، اور جس کا بین ثبوت یہ ہے، کہ وہ غیر از اسلام کسی اور مذہب کے لوگوں سے کسی قسم کا تعلق پیدا نہیں کرتی، اور نہ ان میں شمولیت حاصل کرتی ہے، کیا اس کلمہ کفر کے کہنے سے اس کا نکاح شرعاً فسخ ہو جاتا ہے، یا نہیں، کیا اس کا کلمہ کفران آیات پر محمول ہے یا نہیں؟

(۱) اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝

(۲) وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝

(۳) قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ

(۴) مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ

حالانکہ آیات مذکورہ سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ لفظ امنا و اسلمنا و کفرنا و عصینا

کہنے سے مومن یا کافر نہیں ہو سکتا، باوجود زبان سے مومن ہونے کا دعوہ کرے اور دل میں کفر ہو یا دل میں ایمان ہو، اور زبان پر کفر، برخلاف اس کے قائل کے حالات اور اس کی علامات ظاہر یہ ہی سے پورا پتہ چل جاتا ہے، جیسا کہ آیت فَامْتَحِنُوهُنَّ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ سے واضح ہے، کہ اگر مہاجرات امتحان میں آ کر مومنہ ثابت ہو جائیں، تو کفار سے ان کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے، جس کی وجہ سے انہیں کفار کی طرف لوٹانا منع ہے، لیکن اگر وہ امتحان میں ناکام رہیں، اور مومنہ ثابت نہ ہو سکیں، تو انہیں کفار کی طرف لوٹا دینے کا حکم دیا گیا ہے، کیونکہ اس صورت ان کا نکاح کفار سے نہیں ٹوٹتا۔ ظاہر ہے کہ جب محض زبان سے آمنّا کہنے پر کفار کا نکاح نہیں ٹوٹتا، تو مسلمہ کا نکاح طوعاً و کرہاً محض زبانی ارتداد سے کیسے ٹوٹ سکتا ہے، جب کہ اس کے دل میں ایمان موجود ہو، حدیث شریف میں بھی آیا ہے، کہ لا طلاق ولا عتاق فی اغلاق رواہ ابوداؤد و ابن ماجہ ان آیات و احادیث کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کا نکاح کیسے فسخ ہو سکتا، اور تعجب یہ ہے، کہ وہ اسلام ہی میں رہتی ہے، اور اس میں کفر کا کوئی اور کام نہیں پایا جاتا سوائے اس کلمہ کے جو عدالت کے روبرو کہہ کر نکاح فسخ کراتی ہے، بعدہٗ اپنے مسلم خاوند کے سوا کسی اور مسلم سے نکاح کر لیتی ہے حالانکہ حدیث وارد ہے۔ عن ابن عباس قال اسلمت امراۃ علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتزوجت فجاء زوجھا الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یارسول اللہ انی قد کنت اسلمت وعلمت باسلامی فانتزعھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من زوجھا الآخر وردھا الی زوجھا الاول رواہ ابوداؤد۔ علماء کو اس بارے میں اظہار خیالات کا حق حاصل ہے

ج۔ قلبی کیفیت کو سوائے خدائے عالم الغیب کے کوئی نہیں جانتا، اس لئے ہم ظاہر پر حکم لگانے کے مامور ہیں، چنانچہ قرآن پاک میں فرمایا: وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا یعنی بظاہر جو سلام کہے، تم اسے مت کہو، کہ تو مومن نہیں ہے، اسی موقعہ پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ھلا شققت قلبہ تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا تب، اور جو آیات آپ نے لکھی ہیں، ان میں علم خداوندی کا ذکر اور اسی کا حکم ہے، پس نتیجہ صاف ہے، کہ ہم لوگ کسی کے دل پر حکم نہیں لگا سکتے، دل پر خدا کا حکم ہے۔

(اہلحدیث امرتسر ص ۱۵۔ ۱۰ اپریل ۱۹۳۶ء)

تشریح:- یہ صحیح ہے، اور بحکم لا ھن حل لھم ولا ھم یحلون لھن الآیۃ بعد تکلم باختیار کلمہ کفر ارتداد ثابت اور نکاح فسخ، پھر اگر اسلامی قانون جاری ہو، تو بعد ارتداد بحکم حدیث نبوی مشکوۃ جلد ۲ ص ۳۰۷ مرتد کے لئے تا توبہ جان بخشی نہیں، پھر دوسرا نکاح کیسا؟

(ابو سعید شرف الدین دہلوی)

معلقہ اور مرتدہ کا نکاح

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَاسْأَلُوا اللَّهَ مِن فَضْلِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا (النساء)

پچھلے دنوں اکثر اخبارات میں بہ تحریک جناب ناظم جمعیۃ العلماء ہند یہ چرچا عام ہوا، کہ آج کل اکثر عورتیں اپنے خاندان کے ناروا سلوک سے تنگ آکر مجبور ہو جاتی ہیں، کہ کسی نہ کسی طرح سے ان کے ظلم و ستم سے رہائی حاصل کریں، اور وہ اس صورت میں اپنے ناحق شناس خاوند کے پنجہ استبداد سے نکلنے کے لئے کسی اور مذہب کی پناہ لینے پر مجبور ہو جاتی ہے، اور غیر مذاہب والے نہایت خندہ پیشانی سے ان کا استقبال کرتے ہیں، گویا یہ ظاہر ہو، کہ مسلمان کمزور ہو گئے سست، بے ہمت، اور بے غیرت ہو گئے، اور یہ کہ مذہب اسلام میں ایسی عورت کے لئے ارتداد کے سوا اور کوئی نجات کی صورت ہی نہیں ہے، ایسے ہزاروں واقعات ہوئے ہیں، کہ بے شمار بھولی بھالی اور باعصمت عورتیں جن کے دل میں اسلام کی حمیت ہے، اور وہ مسلمان گھرانوں کی ہیں قرآن و احکام اسلام کی عظمت و وقار ان کے دلوں میں جاگزین ہے وہ صالحات قانتات ہیں، وہ خاندان کے عزت و ناموس کی حافظات ہیں، لیکن بے انصاف خاوند کے سلوک سے تنگ آکر اس کے بے جا تشدد سے مجبور ہو کر اور اس کا اپنے ساتھ انسانیت سے گرا ہوا سلوک دیکھ کر نہایت حسرت و یاس کے عالم میں جرأت کر بیٹھی ہے، کہ آغوش عیسائیت یا آریت میں پناہ گزین ہوں، جب دیکھتی ہیں کہ ان کے تمام حقوق نظر انداز ہو رہے ہیں، اور ان کے ساتھ خاوند کی طرف سے وحشیانہ برتاؤ ہو رہا ہے، تو ناچار یہ سمجھ کر کہ شاید اسلام میں رہ کر ان کے لئے رہائی کی کوئی صورت ہی نہیں ہے، اپنا مذہب تبدیل کر لیتی ہیں، اور آہ کہ مسلمان کی بچی جس کے کان عمر بھر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی صدائے جاں نواز سے اکثر آشنا رہے ہیں، جو محمد رسول اللہ کے نام پر قربان ہو، اور جس کے سینہ میں کلام اللہ شریف

کی سی متبرک کتاب محفوظ ہو، جو زبان سے کوئی کلمہ نکلتے ہوئے کانپ اٹھتی ہو، جو بات بات پر خدائے لایزال کا خوف رکھنے والی ہو، عالم یاس میں بنجہ عیسائیت میں گرفتار ہو کر ایک خدا کے بجائے تین ماننے پر مجبور ہوتی ہے، بے ادب ہوتی ہے، گستاخ بن جاتی ہے، وہ لعل جو ایک مسلم گھرانے کے لئے باعث زینت اور آرائش تھا، خانہ تثلیث میں جاکر باعث زیبائش بنتا ہے، اور بدقسمت قوم مسلمان کی بے شمار مصائب میں ایک اور کا اضافہ ہو جاتا ہے

اَفَلَا یَرَوْنَ اَنَّھُمْ یُفْتَنُوْنَ فِیْ کُلِّ عَامٍ مَّرَّۃً اَوْ مَرَّتَیْنِ ثُمَّ لَا یَتُوْبُوْنَ وَلَا ھُمْ یَذَّکَّرُوْنَ ۝ یہ سب کچھ ہمارے غفلت اور جہالت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ان تمام باتوں کا الزام سراسر ہمارے اوپر عاید ہوتا ہے، ان جملہ نتائج کے حقیقی ذمہ دار ہمارے علمائے کرام ہیں، جو عمر بھر یک طرفہ ڈگری ہی دیتے رہے اور حقوق نسواں کی طرف سے عوام کو یکسر غافل ولاعلم رکھا، حالانکہ قرآن کریم کا صاف ارشاد ہے

عَاشِرُوْھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ	عورتوں سے عمدہ سلوک کیا کرو
مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَی الْمُحْسِنِیْنَ ۝	نیک لوگوں پر حق ہے، کہ عورتوں سے اچھا سلوک کریں
فَاَمْسِکُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ	اچھی طرح رکھو، اچھی طرح چھوڑ دو، اور ان کو تنگ
وَلَا تُمْسِکُوْھُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا وَمَنْ یَّفْعَلْ	کرنے کے لئے نہ روکو، اور جو ایسا کرے، اس نے
ذٰلِکَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَہٗ	اپنے آپ پر ظلم کیا۔
فَاِمْسَاکٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ	روکنا ہے اچھی طرح یا چھوڑ دینا ہے احسان کر کے،

کاش مسلمان اپنے گھروں میں کم از کم اسلامی تعلیم و ضروری مسائل تو ضرور سکھا دیتے، آج مسلمانوں کے لئے ایک مصیبت نہیں، کہ اس پر روئیں، ایک تکلیف نہیں، کہ اس پر رنج کریں، ایک زخم نہیں کہ اس کے اندمال کی تجویز ہو ع

تن ہمہ داغ داغ شد   پنبہ کجا کجا نہم

ہزاروں مصیبتیں ہیں، ڈر ہے، بھوک ہے، اموال کی بربادی ہے، مسلمان من حیث القوم تباہ ہو رہے ہیں، اپنی امیدوں کے درخت کٹے ہوئے دیکھ رہے ہیں، حکومت ان سے بدظن، برادران وطن ان کے لئے بغلی گھونسہ، اور تمام سختیوں سے بڑھ کر یہ آپس میں ایک دوسرے سے بدظن، بدگمان، ایک دوسرے کے حاسد اور خون کے پیاسے، ایک وقت تھا، کہ جب بنگال پر انگریزوں کا تسلط ہوا، علی وردی خان اور نواب سراج الدولہ جیسے غیور مسلمانوں کا دور دورا

ختم ہوا، میر جعفر جیسے محسن کش اور ملت فروش نواب بر سر مسند آئے، تو گو اس وقت یہ نواب برائے نام ہی تھے، اور اصل اقتدار اس وقت انگریزوں ہی کا تھا لیکن تاہم وارن ہیسٹنگز کے عہد تک تمام فیصلے، اور تمام مقدمات مسلمان قضاۃ ہی کے سپرد تھے لیکن جوں جوں مسلمان اخلاقاً اور ایماناً کمزور ہوتے گئے، شریعت کے بجائے دفعات قوانین مبند قبول کرتے گئے

اگر آج مسلمان ہمت کر کے کم از کم معاملات نکاح اور طلاق ہی اپنے ہاتھ میں لے لیں، اور ایسے معاملات کو عدالت تک پہنچانے کی نوبت نہ آئے، تو ایک گونہ اس آئے دن کی مصیبت ارتداد سے نجات ہو جاتی۔

بھلا بتاؤ، کہ اس کا کیا علاج ہو سکتا ہے، کہ ایک عورت اپنے خاوند کے برے سلوک سے تنگ آ کر چاہتی ہے، کہ اس سے رہائی حاصل کرے، اسے خلع کا مسئلہ معلوم ہے، وہ کچھ رقم پیش کرتی ہے، لیکن وہ ناخدا ترس قبول نہیں کرتا، اور نہ ہی رہائی دیتا ہے، اور نہ ہی گھر لا کر سلوک کرتا ہے، اور نہ ہی سلوک سے رکھتا ہے، اب اس کا علاج سوائے ڈنڈے اور طاقت کے اور کیا ہو سکتا ہے، یا یہ کہ برادری والے یا محلہ دار خدا ترس ہوں، حقوق اللہ اور حقوق العباد سے واقف ہوں، اور اس پر اخلاقی دباؤ ڈالیں، تاکہ وہ اس طریقہ سے ہی عمل کرے، شریعت نے مردوں پر بھی مساویانہ ذمہ داریاں عاید کی ہیں، اگر ایک مرد عورت کو بے جا تنگ کرتا ہے، اور وہ عورت اس کے پاس رہنا پسند نہیں کرتی، تو اس صورت میں شریعت مطہرہ نے اس کے لئے بھی قانون بنا رکھا ہے، کہ وہ کچھ رقم دے کر یا مہر واپس کر کے خاوند سے علیحدہ ہو جائے، اور ایک طہر کے بعد کہیں اور جگہ اپنے سینگ سمالے، اس طریق کو شریعت اسلامی میں خلع کہتے ہیں خلع میں ضروری نہیں کہ زوجین میں رضامندی ہو، جیسا کہ میرے مکرم دوست منشی ہدایت اللہ صاحب نے اخبار اہلحدیث مورخہ یکم شعبان میں تحریر کیا ہے، بلکہ تفریق تک تو نوبت تب ہی جاتی ہے، جب کہ زوجین کی باہمی رنجشیں اور کدورتیں بڑھیں، اور صفائی ناممکن ہو، میں نہیں سمجھتا کہ یہ کہاں سے لیا گیا ہے کہ "خلع بلا رضامندی خاوند کے نہیں ہو سکتا" حالانکہ خلع کی صورت ہی تب پیدا ہوتی ہے، کہ جب جانبین میں مناقشات اس حد تک ہو جائیں، کہ اصلاح نہ ہو سکے ملاحظہ ہو:۔

اذا کرهت المراة زوجها لقبح منظرها او سوء عشرتها وخافت ان لا تؤدی حقه

جاز ان تخالعه علی عوض لقوله تعالی فان خفتم ان لا یقیما حدود الله فلا جناح علیهما فیما افتدت به وروی ان جمیلة بنت سهل کانت تحت ثابت بن قیس بن الشماس وکان یضربها فاتت الی النبی صلی الله علیه وسلم وقالت لا انا ولا ثابت وما اعطانی فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم خذ منها فاخذ منها فقعدت فی بیتها (کتاب المهذب وفقہ شافعی جلد ۲ ص ۷۵)

یعنی جب عورت کا خاوند بدشکل اور کریہ منظر ہو، یا اس کے حقوق زوجیت سے غافل ہو جائے، اور اسے ڈر ہو، کہ یہ نباہ مشکل ہوگا، تو اس حالت میں وہ کچھ عوض دے کر خاوند سے اپنا فیصلہ کرا سکتی ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جمیلہ حضور کے پاس صبح سویرے ہی شکایت لے کر آئی، کہ ثابت بن قیس نے مجھے مارا ہے، میں اس کے پاس نہیں رہوں گی، اپنا سب کچھ (مہر) مجھ سے لے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا، اور ان میں تفریق کرادی دوسری جگہ ہے:۔

والخلع المباح بلا کراهیة ان تکره المرأة صحبة الزوج ولا یمکنها القیام باداء حقوقه فتخرج فتختلع نفسها لقوله تعالی الا ان یخافا ان لا یقیما حدود الله فلا جناح الآیة (الدرر البهیة روضة الندیة ص ۱۴۵)

یعنی اگر عورت مرد کے پاس رہنا نہ چاہے، تو خلع کرالے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے، کہ اگر زوجین باہمی حقوق کی نگہداشت نہ رکھ سکیں، تو عورت فدیہ دے کر علیحدہ ہو جائے۔

بلکہ عورت کو یہاں تک آزادی دی گئی ہے

ولو اختلعت نفسها بلا سبب فجائز مع الکراهیة لان النبی صلی الله علیه وسلم واصحابه لم یفتشوا عن سبب الاختلاع من جانبها (روضة الندیة)

یعنی اگر عورت بلا وجہ بھی خلع پر مصر ہو، تو مع الکراہیت جائز ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے جمیلہ سے بہت زیادہ نہیں پوچھا، محض اس کے سرسری بیانات ہی پر فیصلہ دے دیا۔ ابوداؤد میں ہے۔

عن حبیبة بنت سهل الانصاریة انها کانت تحت ثابت بن قیس و ان رسول الله صلی الله علیه واله وسلم خرج الی الصبح فوجد حبیبة بنت سهل عند بابه فی الغلس فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم من هذه قالت انا

حبیبۃ بنت سہل فذکرت ما شاء اللہ ان تذکر وقالت یا رسول اللہ کلما اعطانی عندی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لثابت خذ منہا فاخذ منہا و جلست فی اہلہا۔

عن عائشۃ رضی ان حبیبۃ بنت سہل کانت عند ثابت بن قیس بن شماس فضربہا فکسر بعضہا فاتت النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد الصبح فاشتکتہ الیہ فدعا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثابتاً فقال خذ بعض مالہا وفارقہا فقال ویصلح ذلک یا رسول اللہ قال نعم قال فانی اصدقتہا حدیقتین و ہما بیدہا فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم خذہما و فارقہا (ابوداؤد مع عون المعبود)

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ آنحضرت کے زمانہ میں ایک عورت حبیبہ یا جمیلہ صبح صبح ہی جب کہ آنحضور نماز صبح کو نکلے آپ کے دروازے پر آن کھڑی ہوئی، آپ نے پوچھا تو کون ہے عرض کرنے لگی کہ میں ہوں حبیبہ بنت سہل اور اپنا تمام واقعہ سنا دیا اور کہا کہ میں اپنے خاوند ثابت بن قیس کے پاس رہنا نہیں چاہتی ہوں اس نے مجھے مارا بھی ہے، دیکھئے میری ہڈی ٹوٹ گئی اور میں اس کا سب کچھ (مہر) دینے کو تیار ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت کو بلا کر فرمایا، کہ بھائی اس سے کچھ مال لے لو اور اسے چھوڑ دو، ثابت بے چارے کی کیا مجال تھی کہ دم مارتا، ہاں دبی زبان میں یوں کہا، کہ کیا یہ مناسب اور درست ہے اور کہ مجھ سے کچھ پوچھا بھی نہیں گیا، آنحضور نے جواب دیا کہ ہاں بالکل ٹھیک ہے، پھر کہ حضور میں نے تو اسے مہر میں دو باغ دیئے ہوئے ہیں اور وہ اسی کی ملکیت میں ہیں، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ اپنے باغ لے لے لیکن اسے چھوڑ دے۔ چنانچہ ثابت رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا۔

اور دوسری جگہ امام بیہقی عطا سے روایت کرتے ہیں، کہ جب نے کا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا تمام حال سنایا، تو آپ نے دہیں بغیر ثابت کے بلائے فیصلہ کر دیا اور ان کی تفریق کر دی، لیکن جب یہ خبر ثابت رضی اللہ عنہ کو ملی، تو نیر سے ساتھ تو یہ معاملہ ہوا ہے تو کہا قد قبلت قضاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (تنقید الہدایۃ ج ۲ لمولوی حبیب الرحمن)

اب خود ثابت رضی اللہ عنہ کے دل کی کیفیت نہیں جانتے کہ یک طرفہ فیصلہ سن کر کس دل سے کہا ہوگا کہ ضرور کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کو منظور کیا، غور طلب ہے، کہ ثابت ابن قیس رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی جس کی شان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

کہ ما ترضی ان تعیش حمیدا و تموت شہیدا و تدخل الجنۃ ان کی بیوی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر اظہار کراہت کرتی ہے، کہ میں ثابت کے پاس رہنا نہیں چاہتی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورت کو فیصلہ دے دیتے ہیں۔ اب ان حالات اور واقعات کو دیکھتے ہوئے کون کہہ سکتا ہے کہ خلع بلا رضامندی خاوند کے نہیں ہو سکتا۔ نہیں بلکہ جیسے مرد کو طلاق دینے میں آزادی ہے، ایسے ہی عورت جب اپنے مرد کے سلوک سے تنگ ہو اور اس کے پاس رہنا نہ چاہے تو اس سے خلع کرا سکتی ہے، آزادی حاصل کر سکتی ہے، تو پھر کیا ضرورت کہ ارتداد کے ذریعے پروسنگ دیوے۔ عبدالرحمٰن خلیل قریشی منشی فاضل حکیم حاذق نظام آباد ضلع گوجرانوالہ

(اخبار اہلحدیث امرتسر ۲۲ اپریل ۱۹۲۶ء)

س: لڑکی عمر بوقت نکاح آٹھ سال کی تھی، اب تقریباً اٹھارہ سال کی ہو گئی ہے، لڑکی پشاور میں تھی، اور لڑکا جس کے ساتھ نکاح ہونا تھا، بصرہ میں تھا، لڑکی کے والد نے پشاور سے ڈاک کے ذریعہ لڑکے کو اطلاع دے دی تھی، کہ میں نے اپنی لڑکی کا نکاح تیرے ساتھ کر دیا ہے، لڑکے نے نکاح کا پیغام سنکر بصرہ میں ایجاب و قبول پر کسی کو گواہ نہیں گردانا تھا، اور نہ ہی بواپسی ڈاک لڑکی کے والد کو پشاور میں ایجاب کی اطلاع دی تھی، کہ میں نے اپنی لڑکی کو قبول کر لیا ہے، اب ارشاد ہو کہ کیا شرع شریف کی رو سے یہ نکاح جو بلا شہود اور بلا اطلاع ایجاب منعقد ہوا ہے درست ہے یا کہ غیر درست اور بصورت عدم جواز لڑکی نکاح ثانی پر مختار ہے یا کہ نہیں، اگر ہے، تو کس صورت سے طلاق لے گی، یا بلا طلاق کسی دوسری جگہ نکاح کر لے۔

ج: یہ نکاح جائز نہیں ہے، کیونکہ مجلس واحد میں ایجاب و قبول مع شاہدوں کے اس میں نہیں پایا جاتا، قرآن مجید میں حکم ہے اَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ لہٰذا یہ عقد نکاح کچھ بھی نہیں، بلکہ شریعت سے استہزاء ہے (اہلحدیث امرتسر ۱۳ نومبر ۱۹۳۸ء)

س: زید کی شادی ہندہ سے ہوئی، تھوڑے عرصہ کے بعد زید پاگل ہو گیا، کتنے دنوں تک تو بالکل غائب رہا، مگر اب دو چار مہینے سے ایک دوسری جگہ ہی ہے، مکان پر نہیں ہے، مگر حالت بدستور بلکہ پہلے سے پاگل پن میں اضافہ ہی ہے، چار برس کا زمانہ ہوا پاگل ہوئے، ہندہ ابھی نوجوان ہے، زید سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، اب ہندہ کتنے روز تک صبر کرے، اب زید کا خود ایک خورد سگا بھائی موجود ہے، ابھی اس کی شادی نہیں ہوئی ہے، زید کے والدین چاہتے ہیں، کہ زید کے بھائی سے اس کا نکاح کر دیں، اور ہندہ بھی راضی ہے، اور اس کے ولی بھی، اب سوال یہ ہے، کہ

زید کے والدین کس صورت سے نکاح کریں، جواب تحریر فرمائیں۔

ج:۔ نکاح اول بذریعہ عدالت فسخ کرادیں، پھر نکاح ثانی کر سکتے ہیں، اگر عدالت تک رسائی مشکل ہو تو برادری کی پنچایت فسخ کردے (اہلحدیث امرتسر ص ۱۳ ۲۴ دسمبر ۱۹۳۸ء)

س:۔ زید نے اپنی لڑکی کی شادی بکر سے کردی، جس کو عرصہ سات سال کا ہوتا ہے، وہ لڑکی اپنے شوہر سے ہمیشہ ناخوش رہی، اور کبھی اس کے یہاں مستقل طریقہ سے نہ رہی، اور ہمیشہ رات کو پوشیدہ بھاگتی رہی، اب بغیر طلاق اور خلع کرائے ہوئے اس کے والدین اور چند آدمیوں نے دوسرے سے عقد کرادیا، اب وہ نکاح ثانی جائز ہوا یا ناجائز، اور بصورت ناجائز اس کو کیا کرنا چاہیئے، اور جو لوگ شریک عقد تھے، ان پر شرعی حکم کیا ہے، اور اگر اس کا شوہر طلاق نہ دے تو کیا کیا جائے

ج:۔ جب تک نکاح اول فسخ نہ کرایا جائے یا طلاق نہ ہو، دوسرا نکاح جائز نہیں، قرآن پاک میں ارشاد ہے۔ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ یعنی خاوند والی عورتیں بھی تم (مسلمانوں) پر حرام ہیں جو شخص جان بوجھ کر خاوند والی عورت کا نکاح دوسری جگہ کرتا ہے، وہ حرام کو حلال کرتا ہے، جو کفر ہے، نکاح میں شرکت کرنے والے جب تک اپنا بیان نہ دیں، ہم ان کے متعلق کوئی فتوے نہیں دے سکتے، واللہ اعلم (اہلحدیث امرتسر ص ۱۳ ۱۸ نومبر ۱۹۳۸ء)

شرفیہ:۔ اس میں شریک ہونے والے نکاح خواں اگر اس معاملہ میں قطعاً بے خبر تھے تو معذور ہیں، ورنہ جو حکم دلیوں اور عورتوں کا ہے وہی ان کا ہے۔

(ابو سعید شرف الدین، دہلوی)

س:۔ ایک شخص کہتا ہے مجھے شادی کرنا ہے لیکن اس کو شادی نہیں ملتی ہے، اگر ملتی ہے تو پیسوں سے، لیکن اس شخص کے پاس دام نہیں ہے جو شادی کرے، اس لئے مجبوراً اب لوگوں سے کہتا ہے، کہ میں تمہارا بھائی مومن مسلمان ہوں، تم پر میرا حق ہے، کہ برائے خدا مجھے زکوٰۃ و خیرات سے امداد کرو، تاکہ میں شادی کروں، اب مذکورۃ الصدر کو خیرات زکوٰۃ دینا درست ہے، یا کہ نہیں؟ (سید حبیب اللہ شاہ نجن علی شاہ جنرل مرچنٹ ٹنڈو غلام علی)

ج:۔ مہر کے عوض نا کحہ سے روپیہ لینا جائز ہے، بحکم احل لکم ما وراء ذلکم ان تبتغوا باموالکم۔ اگر شخص مذکور نادار ہے، اور اس کو شادی کی ضرورت بھی ہے، تو بحکم آیت شریفہ تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى۔ اس کی امداد زکوٰۃ و صدقات سے کرنی جائز ہے، واللہ اعلم

(اہلحدیث جلد ۴۴ ۱۲/۱۴)

س:۔ آیت الخبیثت للخبیثین والخبیثون للخبیثات الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مومن پاک مرد کسی بدکردار (غیر مؤمنہ) کا خاوند نہیں ہو سکتا، بعینہ کوئی مؤمنہ نیک بی بی کسی فاجرہ و فاحش کی بیوی نہیں ہو سکتی، مگر آثار و اخبار سے پتہ چلتا ہے، کہ بعض نیک مردوں کو بدکار عورتوں اور بعض نیکوکار عورتوں کو بدکار مردوں کا سامنا ہوا، مثلاً لوط علیہ السلام کی بیوی کافرہ، فرعون متکبر کی بیوی مؤمنہ، حسن علیہ السلام کی بیوی، جس نے انہیں زہر دی

(صوفی احمد اللہ سری نگر کشمیر)

ج:۔ خبیث اور خبیثہ کے معنی ہیں زانی مرد اور زانیہ عورت، حضرت لوط اور امام حسن رضہ کی بیویاں زانیہ کی تھیں، علاوہ اس کے یہ جملہ خبریہ انشائیہ کے معنی میں ہے۔ فافہم

(اہلحدیث جلد ۴۴ ص۱۲)

س:۔ زید کا ہندہ سے ناجائز تعلق تھا، کچھ مدت بعد اس کے خاوند نے ہندہ کو چھوڑ دیا، عدت گذارنے کے بعد ہندہ زید سے نکاح کر سکتی ہے؟ (سائل مذکور)

ج:۔ بعد عدت ہندہ زید سے نکاح کر سکتی ہے، بحکم حدیث التائب من الذنب کمن لاذنب لہ (اہلحدیث جلد ۴۴ ص۱۲)

شرفیہ:۔ یہ جب ہے، کہ دونوں تائب ہو جائیں، ورنہ اَلْخَبِیْثَاتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ پر عمل ہوگا (ابوسعید شرف الدین دہلوی)

س:۔ زید کا نکاح بیوہ عورت سے اس کی لاعلمی میں عدت کے اندر ہو گیا، قریباً ڈیڑھ سال کے بعد علم ہوا، بعد میں پندرہ روز کی علیحدگی کے بعد توبہ کرا کر پھر نکاح پڑھا دیا گیا، آیا یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں (ابوزکریا شیخوپوری)

ج:۔ نکاح اول باطل اور مہر واجب الادا ہے، اب دوبارہ جو نکاح ثانی کیا گیا ہے وہ صحیح ہے (اہلحدیث جلد ۴۳ ص۴۵)

س:۔ ایک لڑکی کی شادی بالغ ہو جانے پر ہوئی ہے، عرصہ تقریباً تین برس ہوتا ہے، شادی کے قبل یہ معلوم ہوا، کہ لڑکا نامرد ہے، تو اس سے پوچھا گیا، کہ تم نامرد ہو یا نہیں، اس نے کہا نہیں، یعنی اس کے کہنے پر شادی کر دی گئی، دو چار مہینے کے بعد تحقیق کرنے پر معلوم ہوا، کہ لڑکا نامرد ہے، لڑکی اپنے سسرال جاتی ہے، تو اس سے اس کا شوہر ناراض رہتا ہے، اور شوہر کی ماں بھی رخ نہیں کرتی ہے، لہذا عورت کا سسرال میں نباہ نہیں ہو سکتا ہے، اب لڑکی

طلاق چاہتی ہے، تو اگر شوہر طلاق نہ دے، اور پنچ بھی طلاق نہ دلوائیں، تو قرآن و حدیث سے طلاق دلوانا چاہیئے یا نہیں، جواب قرآن و حدیث سے ہونا چاہیئے۔

(ضمیر الحق سوداگر چیر کنٹا)

ج: نکاح سے غرض فریقین کی رفع ضرورت خاصہ ہے اس لئے فرمایا ولہن مثل الذی علیہن بالمعروف۔ پس جو شخص نکاح کے قابل نہیں اگر ثابت ہو جائے، کہ نکاح سے قبل ہی قابل نہ تھا، تو اس سے عقد نکاح صحیح نہیں، کیونکہ وہ اہل نہیں، ایسے نکاح میں طلاق کی حاجت نہیں، واللہ اعلم　　(اہلحدیث ۱۸ اگست ۱۹۳۳ء)

شرفیہ: میں کہتا ہوں کہ قبل نکاح اس کا ناقابل ثابت ہونا کیسے معلوم ہو، یہ صرف محض مدعی کے دعوی ہی سے ثابت نہ ہو گا، بلکہ تحقیق و تجربہ سے ثابت ہو گا جس کا ذکر آثار صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہے، وہ یہ ہے، کہ جو حضرت عمر رض و علی رض و ابن مسعود رض وغیرہم سے ثابت ہے۔

اما اثر عمر رض فعند عبد الرزاق والدارقطنی من روایۃ سعید بن المسیب قال قضی عمر رض فی العنین ان یوجل سنۃ (ای للعلاج) واخرجہ ابن ابی شیبۃ من وجہ اخر عن سعید واخرجہ محمد بن الحسن فی الاثار عن ابی حنیفۃ عن اسمعیل بن مسلم عن الحسن عن عمر رض قال اتتہ امراۃ فذکر القصۃ فلما مضی الحول خیرہا فاختارت نفسہا ففرق بینہما واخرجہ ابن ابی شیبۃ من وجہ اٰخر احسن منہ عن الحسن عن عمر یوجل العنین سنۃ فان وصل الیہا والا فرق بینہما ومن طریق الشعبی ان عمر رض کتب الی شریح ان یوجل العنین سنۃ من یوم یرفع الیہ فان استطاعہا والا فخیرہا

واما علی رض فاخرجہ عبد الرزاق من طریق یحیی الجزاء عنہ واخرجہ ابن ابی شیبۃ من طریق الضحاک عنہ والاسنادان الضعیفان

واما ابن مسعود رض فاخرجہ عبد الرزاق وابن ابی شیبۃ والدارقطنی من طریق حصین بن قبیصۃ عنہ قال یوجل العنین سنۃ فان جامع والا فرق بینہما وفی الباب عن المغیرۃ بن شعبۃ انہ اجل العنین سنۃ اخرجہ ابن ابی شیبۃ و الدارقطنی وزاد فی روایۃ من یوم رافعتہ ومن طریق الشعبی والنخعی وابن المسیب وعطاء والحسن قالوا یوجل العنین سنۃ انتہی ما فی الدرایۃ تخریج الہدایۃ للحافظ

ابن حجر رح ص ۲۳۱-۲۳۲-

پس ان آثار سے ثابت ہوا، کہ صحیح جواب یہ ہے، کہ ایسے مقدمات میں جس دن سے مرافعہ حاکم، قاضی و جج مسلم کے پاس جائے، اسی دن سے شوہر کو ایک سال کی مہلت اپنا علاج کرنے کے لئے دی جائے، اس مدت میں وہ اگر قابل جماع ہو جائے، تو نکاح باقی رہے گا، ورنہ عورت کو اختیار دیا جائے گا، کہ اس کے عقد میں رہے، یا فسخ نکاح کو اختیار کرے، یا حاکم ہی فسخ نکاح کا حکم جاری کر دے۔ هذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

(ابو سعید شرف الدین دہلوی)

تشریح مزید

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کا نکاح اس وقت ہوا تھا جس وقت وہ نابالغ تھا۔ اس کے والدین نے نکاح قبول کیا تھا، جب وہ شخص بالغ ہوا، تو وہ عنین نامرد نکلا جو عورت کے قابل نہیں ہے اب اس عورت کے واسطے شرع شریف سے کیا حکم ہے، آیا اس کی وہ عورت بیٹھی رہے یا دوسرا نکاح کرے، اور جو اس شخص سے کہا جاتا ہے، کہ تو طلاق دے، تو وہ ازجہل طلاق دینے انکار کرتا ہے، جیسا کچھ حکم شرع شریف سے ہو، ویسا کیا جاوے۔

الجواب:۔ بصورت مسئولہ میں اس عورت کو چاہیئے، کہ حاکم وقت کے یہاں، اس امر کی درخواست کرے، کہ میرا شوہر عنین ہے، پھر وہ حاکم موافق فتوی حضرت عمر رض وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس کے شوہر کو علاج کرنے کے لئے ایک برس کی مہلت دیوے، اگر اس کا شوہر اس ایک برس کے اندر اچھا ہو گیا، فبہا، ورنہ وہ حاکم اس عورت اور اس کے شوہر میں تفریق کر دے پھر بعد تفریق کے وہ عورت اپنا دوسرا نکاح کر سکتی ہے، حافظ ابن حجر درایہ تخریج ہدایہ صفحہ ۲۳ میں لکھتے ہیں:۔

اما عمر فعند عبد الرزاق والدارقطنی من روایۃ سعید بن المسیب قال قضی عمر رض فی العنین ان یؤجل سنۃ واخرجہ ابن ابی شیبۃ من وجہ اخر عن سعید واخرجہ محمد بن الحسن فی الآثار عن ابی حنیفۃ عن اسمٰعیل بن مسلم عن الحسن عن عمر رض الی قولہ او اخرجہ ابن ابی شیبۃ من وجہ اخر حسن منہ عن الحسن عن عمر یؤجل العنین سنۃ فان وصل الیہا والا فرق بینہما ومن طریق الشعبی ان عمر رض کتب الی شریح ان یؤجل العنین سنۃ من یوم یرفع الیہ فان استطاعہا

والانخیرها الی قوله، واما ابن مسعود ناخرجه عبد الرزاق وابن ابی شیبة و الدار قطنی من طریق حصین بن قبیصة عنه قال یوجل العنین سنة فان جامع والا فرق بینهما وفی الباب عن المغیرة بن شعبة انه اجل العنین سنة اخرجه ابن ابی شیبة والدار قطنی وزاد فی روایة من یوم رافعته ومن طریق الشعبی والنخعی وابن المسیب وعطاء والحسن قالوا یوجل العنین سنة انتہی۔

کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ　　سید محمد نذیر حسین

(فتاوی نذیریہ جلد دوم ص ۱۶۳)

س:۔ بیمار عورت پر طلاق ہو سکتی ہے یا نہیں؟

ج:۔ بیمار عورت پر طلاق واقع ہو سکتی ہے لیکن محض بیماری کی وجہ سے طلاق دینا اخلاقی طور پر منع ہے، قرآن شریف میں ارشاد ہے۔ وَلَا تَنسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ۔ احسان و مروت کو نہ بھلا دیا کرو۔　　(اہلحدیث ۱۰ مارچ ۱۹۳۳ء)

س:۔ اگر عورت صحیح داعیہ قوی سے خلع کرانا چاہے۔ اور مرد شرارتاً بہ نیت ضرار خلع نہ کرے، تو فیصلہ کی کیا صورت ہو یا بر خلاف عورت بوجہ غربت خاوند پیچھا چھڑانا چاہے، تو ایسے قطع تعلق کیا جائز ہے، یا بر خلاف لوگ عموماً ناچیز قصور پر یا بوجہ تعلق غیر اپنی منکوحہ بیوی کو بغیر داعیہ قوی طلاق دے دیتے ہیں، تو ایسی طلاق شرعاً جائز ہے، طلاق اور خلع میں ہر دو کو کیا برابر اختیار ہے (شیخ قاسم علی لدھیانوی)

ج:۔ وجوہات قویہ پر فیصلہ ہوتا ہے محض ضرر کے لئے عورت کو روکنا خود قرآن مجید کی نص میں ممنوع ہے۔ ولا تمسکوهن ضراراً۔ اصل الاصول یہ ہے، کہ سوء مزاجی موجب تفریق ہے سوء مزاجی از جانب زوج پر عورت خلع کی درخواست کرے، تو حاکم بعد تحقیق سوء مزاجی کی معقول وجہ پائے، تو خلع قبول کرا کے جدائی کا حکم دے سکتا ہے، جس کو آج کل انگلستان میں طلاق از جانب زوجہ کہتے ہیں، عورت کی طرف سے سوء مزاجی ہو، تو مرد کو بہ اختیار خود طلاق دینے کا اختیار ہے، کیونکہ مرد انسانی زندگی میں سینئر ہے، اور عورت جونیئر۔

(اہلحدیث ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ)

س:۔ زید نے مورخہ یکم اکتوبر کا لکھا ہوا طلاق نامہ جس میں تین طلاق تحریر تھیں، بکر کی معرفت اپنی منکوحہ بیوی کو بھیجا، اور بکر کو ساتھ ہی یہ ہدایت لکھی، کہ یہ طلاق نامہ جا کر میری بیوی کو دے دے، اگر

بکر نے کسی وجہ سے وہ طلاق نامہ اس کی بیوی کو نہیں دیا بلکہ چند یوم کے بعد بکر نے اپنے ایک دینی رشتہ دار سے ذکر کیا، اور اسی دوران میں لڑکی کو بھی اس طلاق نامے کا علم ہو گیا۔ طلاق نامہ کی تاریخ سے تقریباً ایک ماہ بعد زید کا ایک خط بکر کو موصول ہوا، جس میں تحریر تھا کہ اگر تم نے طلاق نامہ میری بیوی کو نہ دیا ہو تو وہ ابھی مت دینا، میں کچھ روپیہ آپ کے پاس بھیج رہا ہوں، وہ آپ میری بیوی کو دے دیں، میں نے اس وقت اشتعال میں وہ طلاق نامہ لکھ دیا تھا جس سے میں خود نادم ہوں۔ اس دوران میں رشتہ داروں کی یہ کوشش رہی، کہ زید اپنی بیوی کو اپنے پاس بلالے، مگر تیرہ سو میل کا فاصلہ تھا، اس خیال سے کہ سفر خرچ بہت ہو گا، زید بلاتا نہیں تھا آخر خود رشتہ داروں نے بیوی کو زید کے پاس بھجوا دیا۔ اب میاں بیوی راضی خوشی ہیں، یہ نکاح رہا یا نہیں رہا۔

ج:۔ محدثین کے نزدیک ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقیں ایک طلاق رجعی کا حکم رکھتی ہیں۔

لحدیث ابن عباس کان الطلاق علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر رضی اللہ عنہ وسنتین من خلافۃ عمر رضی اللہ عنہ طلاق الثلاث واحدۃ (مسلم)

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانوں میں تین طلاقیں مجلس واحد میں ایک سمجھی جاتی تھیں۔ مندرجہ سوال واقعہ میں تین طلاقیں مجلس واحد میں دی تھیں، اس لئے وہ ایک رجعی کے حکم میں ہیں، جس سے اس نے ایک ماہ بعد رجوع کر لیا، چنانچہ اس نے بیوی کو خرچ بھیجا، اب وہ میاں بیوی آپس میں راضی ہیں، تو کوئی گناہ نہیں ہمیشہ سلوک سے رہیں۔

(اہلحدیث ۶ مئی ۱۹۳۸ء)

اعتراض منجانب "القاسم" امرتسر

بعض حضرات غیر مقلدین سے سنا گیا ہے، کہ وہ کہا کرتے ہیں، کہ ہمارا قول ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی امام کے قول کے مطابق ہوتا ہے، لیکن یہاں تو ان خدا کے بندوں نے نہ صرف حضرت امام اعظمؒ کی مخالفت کی ہے، بلکہ حضرت امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور ان کے مقلدین کے بھی خلاف کیا ہے، کیونکہ یہ تمام بزرگان ملت تین طلاقوں کے وقوع کے قائل ہیں۔

جواب

یہی سوال مدت سے ہمارے ایک تصوری دوست بھی کیا کرتے ہیں، اگرچہ ان کی نیت اور ایڈیٹر القاسم کی نیت میں فرق ہے، بہرحال سوال ایک ہے۔

گو ہمارے نزدیک یہ اصول مسلم نہیں کہ کسی مسئلہ کی صحت کے لئے یہ شرط ہو کہ وہ ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی کے موافق ضرور ہو، بلکہ مسئلہ کی صحت کے لئے قرآن و حدیث کا ہونا کافی

ہے چاہیے دنیا بھر کے امامان دین یا مجتہدین اساطین کے خلاف ہو لیکن واقعہ کے اظہار کے لئے اور اڈیٹر القاسم کی معلومات میں اضافہ کے لئے ہم ان کو مطلع کرتے ہیں کہ مسئلہ ہذا میں امام مالک، امام احمد بن حنبل بلکہ خود امام ابوحنیفہ صاحب رضی اللہ عنہم کے اقوال بھی اہلحدیث کی تائید میں ہیں۔ ملاحظہ ہو اغاثۃ اللھفان، مصنفہ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ مطبوعہ مصر ص ۱۵۳ سے ۱۵۷ تک یہ صفحات لکھ کر اپنے پرچے میں اعلان کیجیے کہ

"ہم اپنے اعتراض کو واپس لیتے ہیں" (اہلحدیث ۰ ۱۳ رجب ۱۳۳۲ھ)

تشریح قول مجیب مرحوم کہ محدثین کے نزدیک ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقیں ایک طلاق رجعی کا حکم رکھتی ہیں، بحدیث ابن عباس رض کان الطلاق علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وسنتین من خلافۃ عمر رض طلاق الثلاث واحدۃ (مسلم) اس استدلال میں بچند وجوہ کلام ہے

اول:۔ یہ کہ اس میں مجلس واحد کا ذکر ہی نہیں، عام اس سے کہ مجلس ایک ہو یا تین، بلکہ اظہار ثلثہ ہوں یا نہ، اور جس روایت مسند احمد میں مجلس واحد کا ذکر ہے، وہ صحیح نہیں، اس کی سند بروایت عکرمہ عن عمران بن حسین ہے، جس کو محدثین حافظ ابن حجر وغیرہ نے لکھا ہے، کہ ایسی روایت خصوصاً صحیح نہیں ہوتی۔ ملاحظہ ہو تقریب التہذیب۔

دوم:۔ یہ کہ محدثین نے اس میں کلام کیا ہے، جس کی تفصیل شرح مسلم امام نووی، فتح الباری وغیرہ میں ہے، خصوصاً میری کتاب "کتاب الطلاق" ملاحظہ ہو۔

سوم یہ کہ اس میں یہ تفصیل نہیں ہے۔ کہ یہ تین طلاقوں والے مقدمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین کے سامنے پیش ہو کر فیصلہ ہوتا تھا۔ اور یہ کسی روایت میں نہیں ہے۔ واذ لیس فلیس۔

چہارم:۔ یہ کہ حدیث صحیح مسلم کی ایسی ہے جیسے دوسری حدیث صحیح مسلم کی جابر بن عبد اللہ صحابی سے ہے۔ قال عطاء قدم جابر بن عبد اللہ معتمرا فجئناہ فی منزلہ فسالہ القوم عن اشیاء ثم ذکروا المتعۃ فقال نعم استمتعنا علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر رض وعمر رض انتہی وفی روایۃ اخری بعدہ ثم نہانا عنہما عمر فلم نعد لہما ای متعۃ النساء ومتعۃ الحج) صحیح مسلم مع شرح نووی ص ۴۵۱ باب النکاح المتعۃ۔ بس جو جواب اس جابر کی متعۃ النساء کے جواز وعدم کا جواب ہے، وہی حدیث ابن عباس رض

کہ ہے، اگر یہ جائز ہے، تو پھر متعۃ النساء بھی جائز ہے ولا یقول بہ المحدثون۔

پنجم:۔ اس سے ثابت ہوا، کہ یہ تین طلاقیں بحکم واحد یا متعۃ النساء بالا بالا لوگ بے خبری میں کرتے رہے، جس کا علم نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا نہ شیخین کو، آخر میں حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا، تو منع کر دیا، ابن عباس رضؓ کی اس حدیث پر محدثین نے اور بھی کئی وجوہ سے کلام کیا ہے جس کی تشریح کچھ تو امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں کی ہے، کچھ اور بھی میں نے اپنی کتاب میں محدثین سے نقل کیا ہے

ششم:۔ محدثین کی طرف مجلس واحد کی تین طلاق کو ایک شمار کرنے کی نسبت میں بھی کلام ہے، یہ سخت مغالطہ ہے، اصل بات یہ ہے، کہ صحابہ وتابعین وتبع تابعین لے سے کر سات سو سال تک کے سلف صالحین صحابہ وتابعین ومحدثین سے تو تین طلاق کا ایک مجلس میں واحد شمار ہونا تو ثابت نہیں من ادعی فعلیہ البیان بالبرہان ودونہ خرط القتاد ملاحظہ ہو موطا امام مالک، صحیح بخاری، سنن ابوداؤد، سنن النسائی، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ وشرح مسلم امام نووی وفتح الباری، وتفسیر ابن کثیر، وتفسیر ابن جریر وکتاب الاعتبار للامام الحازمی فی بیان الناسخ والمنسوخ من الآثار۔ اس میں امام حازمی نے ابن عباس رضؓ کی مسلم کی اس حدیث کو منسوخ بتایا ہے، اور تفسیر ابن کثیر میں بھی الطلاق مرتان الآیۃ کے تحت ابن عباس سے جو صحیح مسلم کی حدیث تین طلاق کے ایک ہونے کا راوی ہے، دوسری حدیث نقل کی ہے جو سنن ابوداؤد میں باب نسخ المراجعۃ بعد التطلیقات الثلاث بسند خود نقل کی ہے۔ عن ابن عباس ان الرجل کان اذا طلق امراتہ فھو احق برجعتھا وان طلقھا ثلثا فنسخ ذلک فقال الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان انتہی (عون المعبود ص۲۲۵ ج۲)

امام نسائی نے بھی اسی طرح ص۱۰۱ جلد۲ میں باب منعقد کیا ہے، اور یہی حدیث لائے ہیں، اور دونوں اماموں نے اس پر سکوت کیا ہے، اور ان دونوں کے نزدیک یہ حدیث صحیح اور حجت ہے جب ہی تو لائے ہیں، اور باب منعقد کیا ہے، اور ابن کثیر نے بھی مسند ابی داؤد ونسائی وابن ابی حاتم وتفسیر ابن جریر، تفسیر عبد الحمید ومستدرک حاکم وقال صحیح الاسناد۔ والترمذی مرسلا ومسندًا نقل کر کے کہا ہے، کہ ابن جریر نے ابن عباس رضؓ کی اس حدیث کو آیت مذکورہ کی تفسیر بتا کر اسی کو پسند کیا ہے، یعنی یہ کہ پہلے جو تین طلاق کے بعد رجوع کر لیا کرتے تھے وہ اس حدیث سے منسوخ ہے، پس یہ حدیث مذکور محدث ابن کثیر وابن جریر دونوں کے نزدیک صحیح ہے، جیسے

کہ مستدرک حاکم صحیح الاسناد لکھا ہے، اور قابل اعتماد ہے، اور امام فخر الدین رازی کی تحقیق بھی یہی ہے، اور امام ابو بکر محمد بن موسیٰ بن عثمان حازمی نے کتاب الاعتبار میں اپنی سند سے نقل کر کے لکھا ہے۔ فاستقبل الناس الطلاق جدیدا من یومئذ من کان منہم طلق اولم یطلق حتی وقع الاجماع فسخ الحکم الاول ودل ظاہر الکتاب علی نقیضہ وجاءت السنۃ مفسرۃ للکتاب مبنیۃ رفع الحکم الاول الخ ص۸۳ اور خود علامہ ابن قیم نے زاد المعاد مصری ص۲۵۳ جلد ۲ میں لکھا ہے تفسیر الصحابی حجۃ وقال الحاکم ھو عندنا مرفوع انتہی اور جب مسلم کی ابن عباس کی حدیث مذکورہ اجماع کے خلاف ہوئی، تو خود شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے قول سے بھی اس پر عمل نہ ہونا چاہیئے، اس لئے کہ فتاویٰ ابن تیمیہ جلد دوم ص۳۵۹ میں ہے، کہ و الخبر الواحد اذا خالف المشہور المستفیض کان شاذا وقد یکون منسوخا انتہی وھذا الکلام ملخصا وھو دقیق بر۔ اور سنن ابی داؤد کی نسخ کی حدیث کی سند میں راوی علی بن حسین اور حسین بن واقد پر جو علامہ ابن قیم نے اعتراض یا کلام کیا ہے، اس کا جواب یہ ہے، کہ علی بن حسین کو تقریب التہذیب میں صدوق یہم لکھا ہے، وہم کے باعث ابو حاتم نے اس کی تضعیف کی ہے، مگر امام نسائی جو بڑے متشدد ہیں انہوں نے اور دوسرے محدثین نے کہا ہے لیس بہ باس اور وہم سے کون بشر خالی ہے، لہذا یہ کوئی جرح نہیں، راوی معتبر ہے خصوصاً جب کہ محدثین مذکورین نے حدیث کو صحیح تسلیم کیا ہے، اور حسین بن واقد کو تقریب میں ثقۃ لہ اوہام لکھا ہے، اور یہ راوی رواۃ صحیح مسلم سے ہے، اور یحییٰ بن معین وغیرہ محدثین نے اس کو ثقہ بتایا ہے ملاحظہ ہو میزان الاعتدال، باقی رجال دونوں کے ثقات ہیں، لہذا یہ حدیث حسن صحیح ہے، قابل عمل و حجت ہے، اور خود راوی ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ بھی اس کی صحت کا مؤید ہے، ملاحظہ ہو مؤطا امام مالک وغیرہ،

اور یہ لغو اعتراض کہ یہ ابن عباس کا سہو ہے، تو اس کا جواب یہ ہے، کہ اگر ابن عباس رضی اللہ عنہ کو سہو ہو گیا تھا، تو پھر ان کی مسلم کی حدیث میں بھی سہو ہے فلا حجۃ فیہ، اور امام رازی نے تفسیر کبیر میں آیت مذکورہ کی تفسیر میں بحث کر کے جو اپنی تحقیق لکھی ہے، وہ یہ ہے، کہ آیت الطلاق مرتان سے پہلے آیت والمطلقات یتربصن بانفسہن ثلاثۃ قروء (الی قولہ) وبعولتہن احق بردہن فی ذلک ان ارادوا اصلاحا الآیۃ ہے، اس کے بعد ہے الطلاق مرتان الآیۃ اس سے ثابت ہوا کہ پہلی آیت مجمل مفتقر الی المبین یا کالعام مفتقر

الی المخصص بھی، کہ بعول مطلقین کو بعد طلاق حق استرداد یعنی رجوع ثابت تھا، عام اس سے کہ ایک طلاق کے بعد ہو یا دو کے یا تین کے پس آیت الطلاق مرتان نے واضح کر دیا کہ مطلق کو رجوع ایک یا دو طلاق کے بعد ہے، اس کے بعد نہیں، پھر آگے جامع ترمذی کی حدیث سے منع ثابت کیا ہے، اور بعض اصحاب تفسیر کبیر سے اپنے مطابق قول کے بعد ھذا ھو الاقیس الخ کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے ہیں، اور یہ نہیں سوچتے کہ اس قول کو امام صاحب نے دوسرے سے نقل کر کے اس کا رد کیا ہے۔ ملاحظہ ہو ص۲۴۸ ج ۲۔

اور وجوہ کلام میں سے وجہ ہفتم یہ ہے، کہ محدثین نے مسلم کی حدیث مذکور کو شاذ بھی بتایا ہے۔

ہشتم یہ کہ اس میں اضطراب بھی بتایا ہے، تفصیل شرح صحیح مسلم نووی، فتح الباری وغیرہ مطولات میں ہے

نہم۔ یہ کہ ابن عباس کی مسلم کی حدیث مذکور مرفوع نہیں، یہ بعض صحابہ کا فعل ہے جس کو نسخ کا علم نہ تھا کما فی الوجہ الثالث والرابع

دہم۔ یہ کہ مسلم کی یہ حدیث امام حازمی و تفسیر ابن جریر و ابن کثیر وغیرہ کی تحقیق سے ثابت ہے، کہ یہ حدیث بظاہرہ کتاب و سنت صحیحہ و اجماع صحابہؓ وغیرہ ائمہ محدثین کے خلاف ہے لہذا حجت نہیں ہے۔

اصل بات یہ ہے، کہ مجیب مرحوم نے جو لکھا ہے، کہ تین طلاق مجلس واحد کی محدثین کے نزدیک ایک کے حکم میں ہیں، یہ مسلک صحابہؓ، تابعینؒ، و تبع تابعینؒ وغیرہ ائمہ محدثین متقدمین کا نہیں ہے، یہ مسلک سات سو سال کے بعد کے محدثین کا ہے، جو شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے فتوی کے پابند اور ان کے متقدمین ہیں، یہ فتوی شیخ الاسلام نے ساتویں صدی ہجری کے اخیر یا اوائل آٹھویں میں دیا تھا، تو اس وقت کے علمائے اسلام نے ان کی سخت مخالفت کی تھی

نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے اتحاف النبلاء میں جہاں شیخ الاسلام کے متفردات مسائل لکھے ہیں، اس فہرست میں طلاق ثلاثہ کا مسئلہ بھی لکھا ہے، اور لکھا ہے، کہ جب شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے تین طلاق کی ایک مجلس میں ایک طلاق ہونے کا فتوی دیا، تو بہت شور ہوا، شیخ الاسلام اور ان کے شاگرد ابن قیمؒ پر مصائب برپا ہوئے ان کو اونٹ پر سوار کر کے درے مار مار کر شہر میں پھرا کر توہین کی گئی، قید کیے گئے، اس لئے کہ اس وقت یہ مسئلہ علامت روافض کی تھی ص۳۱۸ اور سبل السلام شرح

بلوغ المرام مطبع فاروقی دہلی صفحہ ۹۸ جلد ۲ اور التاج المکلل مصنفہ نواب صدیق حسن خان صاحب صفحہ ۲۸۶ میں ہے، کہ امام شمس الدین ذہبی باوجود شیخ الاسلام کے شاگرد اور معتقد ہونے کے اس مسئلہ میں سخت مخالف ہیں۔ التاج المکلل ص ۲۸۸-۲۸۹

ہاں تو جب کہ متاخرین علماء اہلحدیث عموماً شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن قیم کے معتقد ہیں، اس لئے وہ بے شک اس مسئلہ میں شیخ الاسلام سے متفق ہیں، اور وہ اسی کو محدثین کا مسلک بتاتے ہیں، اور مشہور کر دیا گیا ہے، کہ یہ مذہب محدثین کا ہے، اور اس کے خلاف مذہب حنفیہ کا ہے، اس لئے ہمارے اصحاب فوراً اس کو تسلیم کر لیتے ہیں، اور اس کے خلاف کو رد کر دیتے ہیں، حالانکہ یہ فتوی یا مذہب آٹھویں صدی ہجری میں وجود میں آیا ہے، اور ائمہ اربعہ کی تقلید چوتھی صدی ہجری میں رائج ہوئی، اس کی مثال ایسی ہے، جیسے بریلوی لوگوں نے قبضہ غاصبانہ کر کے اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت مشہور کر رکھا ہے، اور دوں کو خارج، یا جیسے مولوی مودودی کی جماعت نے اپنے آپ کو جماعت اسلامی مشہور کر دیا ہے، باوجودیکہ ان کا اسلام بھی خود ساختہ ہے جو چودھویں صدی ہجری میں بنایا گیا ہے ولعل فیہ کفایۃ لمن لہ درایۃ۔ واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔ یستلونک احق ھو قل ای وربی انہ لحق

(ابو سعید شرف الدین دہلوی)

سوال کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ کو تین طلاقیں بیک جلسہ دیں، پس یہ طلاق بائن ہو یا رجعی۔ بینوا توجروا۔

الجواب یہ طلاق رجعی ہوئی، اس واسطے کہ ایک جلسہ میں تین طلاق دینے سے صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوتی ہے، صحیح مسلم میں ہے۔

عن ابن عباس قال کان الطلاق علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وسنتین من خلافۃ عمر طلاق الثلاث واحدۃ فقال عمر بن الخطاب ؓ ان الناس قد استعجلوا فی امر کانت لھم فیہ اناۃ فلو امضیناہ علیھم فامضاہ علیھم اور مسند احمد بن حنبل میں ہے۔

عن ابن عباس قال طلق رکانۃ بن عبد یزید اخو بنی المطلب امرأتہ ثلاثا فی مجلس واحد فحزن علیھا حزنا شدیدا قال فسألہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف طلقتھا قال طلقتھا ثلاثا قال فقال فی مجلس واحد قال

نعم قال فانها تلك واحدة فارجعها ان شئت قال فراجعها فكان ابن عباس يرى انما الطلاق عند كل طهر قال ابن القيم في اعلام الموقعين وقد صحح الامام هذا الاسناد وحسنه وقال الحافظ في فتح الباري بعد ذكر هذا الحديث اخرجه احمد و ابو يعلى وصححه من طريق محمد بن اسحق وهذا الحديث نص في المسئلة لا يقبل التاويل الذي في غيره من الروايات انتهى

فان قلت قال الحافظ في الفتح ان ابا داؤد رجح ان ركانة انما طلق امرأته البتة كما اخرجه هو من طريق آل بيت ركانة وهو تعليل قوي لجواز ان يكون بعض رواة حمل البتة على الثلاث فقال طلقها ثلاثا فبهذه النكتة يقف الاستدلال بحديث ابن عباس انتهى

قلت قال ابن القيم في الاغاثة ان ابا داود انما رجح حديث البتة على حديث ابن جريج لانه روى حديث ابن جريج من طريق فيها مجهول ولم يرو ابو داؤد الحديث الذي رواه احمد في مسنده من طريق محمد بن اسحق ان ركانة طلق امرأته ثلاثا في مجلس واحد فلذا رجح ابو داؤد حديث البتة ولم يتعرض لهذا الحديث ولا رواه في سننه ولا ريب انه اصح من الحديثين وحديث ابن جريج شاهد له وعاضد فاذا انضم حديث ابي الصهباء الى حديث ابن اسحق والى حديث ابن جريج مع اختلاف مخارجها وتعدد طرقها افاد العلم بانها اقوى من البتة بلا شك ولا يمكن من شم روائح الحديث ولو على بعد ان يرتاب في ذلك فكيف يقدم الحديث الضعيف الذي ضعفه الائمة ورواته مجاهيل على هذه الاحاديث انتهى كلام ابن القيم - والله تعالى اعلم وعلمه اتم - كتبه محمد عبد الرحمن المباركفوري عفا الله عنه

ابو العلی محمد عبد الرحمن	ابو الطیب محمد شمس الحق	سید محمد نذیر حسین

(فتاوی نذیریہ جلد ثانی ص ۱۷۹-۱۸۰)

تشریح مسئلہ طلاق ثلاثہ در مجلس واحد

از قلم حضرت مولانا ظفر عالم صاحب مدرس جامعہ محمدیہ مالیگاؤں

ھو الموفق :- ایک جلسہ میں دی ہوئی تین طلاق، ایک ہوتی ہے یا تین اس میں اختلاف ہے

حنفیہ اس کو طلاق بدعی ماننے کے باوجود تین کہتے ہیں، ان کے نزدیک ایسی مطلقہ حلالہ کئے بغیر شوہر اول کو نہیں مل سکتی بلکہ وہ بائنہ ہو جائے گی، اور عورت سے رجعت نہ ہو سکے گی۔

مگر محدثین، فقہاء اور علماء محققین کے نزدیک یہ ایک رجعی طلاق ہوگی، جس میں شوہر کو اندرون عدت رجعت کر لینے کا حق ہے، یہی مسلک صحیح اور قدیم ہے، جو کتاب و سنت کے مطابق ہے، حضرات صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ان کے بعد والے بعض احناف و شوافع اور موالک و حنابلہ، بلکہ خاندان نبوت کے جگر پارے اہل بیت، اور صدہا رجال علم، صدی در صدی علمائے کبار اسی کے قائل رہے، اور آج تک اسی پر مفتی حضرات فتوے دیتے رہتے ہیں۔

دراصل اس اختلاف کی ابتداء عہد فاروقی میں ہوئی، ورنہ جب سے ہبوط وحی پر احکام طلاق کا نزول ہوا، غالباً ۱۵ سنہ تک کوئی اختلاف نہ تھا، خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات ۱۳ سنہ ھ میں ہوئی، اور اسی سن میں خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ فاروق سریر آرائے خلافت ہوئے، مسلم شریف کی حدیث کی رو سے دو یا تین سال اوائل خلافت فاروقی میں بھی ایسی طلاقیں ایک ہی سمجھی جاتی تھیں، اس سے ظاہر ہے، کہ تین کا رواج ۱۶ سنہ ھ میں ہوا، مگر ایسا کیوں ہوا؟ اس کا جواب خود اسی حدیث میں یوں مذکور ہے۔ فقال عمر ان الناس قد استعجلوا فی امر کانت لهم فیه اناة فلو امضیناه علیهم فامضاه علیهم۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا لوگ اس کام میں جلدی کرنے لگے ہیں، جس میں ان کو مہلت کرنا چاہیئے تھی، یعنی لوگوں پر لازم ہے، کہ طلاق عدت سے دیں، پس اس غلطی کو روکنے کے لئے اگر ہم طلاق ثلاثہ کا حکم نافذ ہی کر دیں تو لوگ فوری طلاق ثلاثہ دینے سے رک جائیں گے، چنانچہ آپ نے اس کو نافذ کر دیا، یہ الفاظ بھی ہیں فلما رای الناس تتابعوا قال اجیزهن علیهم آپ نے جب دیکھا کہ لوگ طلاقیں بہت دینے لگے ہیں، تو آپ نے ان پر تینوں کے نفاذ کا حکم صادر فرما دیا۔

اس بیان سے معلوم ہوا، کہ وقتی روک تھام کے لئے بطور سرزنش حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا کیا، مقصد اس سے یہ تھا، کہ لوگ عورتوں کی دائمی جدائی دیکھ کر فوری طلاق ثلاثہ کے بول دینے سے رک جائیں گے، اور اصل شریعت الٰہیہ پر قائم رہ کر طلاق عدت سے دینے لگیں گے، خلیفہ ثانی کے تین کے نفاذ کی وجہ احناف بھی یہی مانتے ہیں۔ واعلوان فی الصدر الاول اذا ارسل الثلاث جملة لم یحکم الا بوقوع واحدة الی زمن عمر رضی اللہ عنہ ثم حکم بوقوع الثلاثة

لکثرۃ بین الناس تہدیدا۔ یعنی صدر اول سے زمانہ عمرؓ تک جب کوئی شخص تین طلاق ایک مجلس میں دیتا تھا، تو ایک ہی طلاق رجعی کے واقع ہونے کا حکم دیا جاتا تھا، پھر جب لوگوں نے اس میں کثرت کردی، تو ڈرانے کے لئے تین واقع ہونے کا حکم دیا (مجمع الانہر ص ۳۸۲) اور بھی سنئیے انہ کان فی الصدر الاول اذا ارسل الثلاث جملۃ لو یحکم الا بوقوع واحدۃ الی زمن عمرؓ ثم حکم بوقوع الثلاثۃ سیاستہ لکثرتہ بین الناس۔ حاصل یہ ہے کہ عہد نبوی وصدیقی میں ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک رجعی ہوتی تھیں، پھر حضرت عمرؓ نے اس کو سیاستہ تین قرار دیا (طحاوی ص۱۵۰)

مگر یہ بیان کسی حاشیہ کا محتاج نہیں، حضرت عمرؓ نے یہ جو کچھ کیا اجتہاد، سیاست اور تعزیر و تہدید کے خیال سے کیا، مگر بالآخر خلافت کے آخری دور میں پچھتا دے، چنانچہ حدیث کی بہت معتبر کتاب (مسند اسماعیلی) میں ہے وقال عمرؓ ماندمت علی شئی ندامتی علی ثلاث ان لا اکون حرمت الطلاق الخ مجھے تین مسئلوں میں بڑی ندامت ہوئی جن میں سے ایک یہ مسئلہ بھی ہے (بحوالہ اغاثۃ اللہفان ص۱۸۱ وص۱۸۲) حضرت عمرؓ کے اس مقولہ کے بعد اب کسی کو یہ کہنے کی گنجائش نہیں ہے، کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اجماع ہوچکا، اور نسخ ہوچکا لہٰذا اب تین طلاقوں کے بعد رجعت جائز نہیں، یہ کہنا سراسر غلط ہے، اس لئے کہ حضرت عمر مقیم الشریعت تھے، نہ کہ ناسخ الشریعت، یہ بات صحابہ کی شان میں گستاخی ہے، کہ وہ شریعت کے کسی مسئلہ کو منسوخ کردیں، اور اجماع کی صورت اس لئے نہیں، کہ اگر تین پر اجماع و اتحاد و اتفاق ہوتا، تو صحابہ کرام اور ائمہ عظام کے اقوال مخالف و متناقض نہ ہوتے، جیسا کہ مطولات میں اس کی تفصیل موجود ہے، دیکھو (نیل الاوطار جلد ۶) و (مسک الختام جلد ۲) اور (الروضۃ الندیہ جلد ۲) و دیگر کتب (اغاثۃ اللہفان، اعلام الموقعین) وغیرہ۔

پس اندریں صورت حق یہ ہے، کہ خلیفہ ثانی کا یہ فعل ایک وقتی تھا، نہ وہ واجب العمل ہو سکتا ہے، اور نہ قابل حجت، بلکہ مسئلہ نزاعی میں حق وہی ایک طلاق رجعی ہے، کتاب وسنت میں بالکل واضح اس پر دلائل موجود ہیں، چنانچہ قرآن مجید میں مسئلہ طلاق کو قریب چودہ جگہ ذکر کیا گیا ہے، مگر رجعت کو ہر طلاق میں مشروع فرمایا ہے، بجز طلاق ایسی عورت کے جس سے صحبت نہ ہوئی ہو، یا دوبارہ طلاق دے کر تیسری بار طلاق دی ہو، اور قرآن میں سوا ان دو صورتوں کے اور کوئی طلاق نہیں، و نیز طلاق میں عدت کا مدنظر رکھنا واجب و لازم ٹھہرایا ہے، بلحاظ عدت طلاق نہ دینا حدود

انہی سے تجاوز گناہ ہے۔ والمطلقت یتربصن بانفسہن ثلاثۃ قروء اور فرمایا الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان الآیۃ جن عورتوں کو طلاق دی گئی، وہ رجوع کی امید کے لئے تین حیض تک انتظار کریں، اور ان تین حیضوں میں جو قریبا تین مہینے ہیں جن میں دو دفعہ طلاق واقع ہوگی، یعنی ہر حیض کے بعد خاوند عورت کو طلاق دے، اور جب تیسرا مہینہ آوے تو شوہر کو ہوشیار ہو جانا چاہیئے، کہ اب یا تو تیسری طلاق دے کر احسان کے ساتھ دائمی جدائی ہے، اور یا تیسری طلاق سے رک جاوے، پس معلوم ہوا کہ یکبارگی تین طلاق بول دینے سے اگر تینوں واقع ہو جائیں، اور عورت پہلے خاوند کی طرف رجوع نہ کر سکتی، تو پھر اللہ تعالےٰ تین حیض تک انتظار کرانا فوری مطلقہ ثلاثہ سے اٹھا دیتا، حالانکہ اس نے کسی جگہ ایسا نہیں فرمایا، بلکہ آیت بعولتہن احق بردھن اور آیت والمطلقات یتربصن بانفسہن ثلاثۃ قروء میں صاف ظاہر کر دیا، کہ تین حیض کامل کرنے تک مطلقہ پہلے شوہر سے رجوع کر سکتی ہے، اسی حکم کی تعمیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے در مجلس واحد تین طلاق دینے والے کو رجوع کرایا، چنانچہ (نسائی جلد ۲ ص ۹۵) میں ہے، کہ ایک شخص نے اپنی عورت کو اکٹھی تین طلاقیں دیں، اور جب یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی، تو آپ سخت ناراض ہوئے، کیونکہ حضور علیہ السلام تو رب کی طرف سے مبلغ اور مامور باقامت وغیرہ تھے، اس واسطے غیظ و غضب کی حالت میں کھڑے ہو گئے، اور فرمایا، ایلعب بکتاب اللہ وانا بین اظھرکم کیا میری موجودگی میں کتاب اللہ سے مسخر کیا جاتا ہے۔

وقال الشوکانی فی النیل (ج ۶ ص) عن ابن کثیر انہ قال اسنادہ جید اور ابن حجر نے (بلوغ المرام رقم ۵۔۱۰ ص ۲۲۲) میں کہا ہے ورواتہ موثقون اور علامہ محمد حامد الفقی بازہری (تعلیق بلوغ المرام ص ۲۲۵) میں رقم فرماتے ہیں رواہ الدار قطنی ایضا عن علیؓ اور (مسک الختام جلد ۲ ص ۸۲۴) میں نواب مرحوم ارقام فرماتے ہیں محمود بن لبید ابن رافع الانصاری الاشہلی در عہد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مولود شدہ وحدیثہا از وے صلی اللہ علیہ وسلم روایت نمودہ، بخاری گفت اور صحبت است۔ روایت مذکورہ میں اگرچہ طلاق دہندہ کا نام نہیں، مگر میں کہتا ہوں، شاید یہ "رکانہ" ہی ہوں، اسی لئے ہم نے پیچھے رجوع کا لفظ بوتا ہے، اور اگر کوئی دوسرا شخص ہے، تو پھر بھی گمان غالب قریب بہ یقین یہ ہے، کہ آپ نے رجوع کا حکم دیا ہوگا۔ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ کسی طرح گمان نہیں کیا جا سکتا کہ

اس تمسخر عن کتاب اللہ کو جائز رکھیں۔

دوسری حدیث:۔ عن ابن عباس رضی قال طلق رکانۃ بن عبد یزید اخو بنی مطلب امراتہ ثلاثا فی مجلس واحد فحزن علیہا حزنا شدیدا قال فسالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف طلقتہا؟ قال طلقتہا ثلاثا قال فقال فی مجلس واحد قال نعم قال فانما تلک واحدۃ فارجعہا ان شئت قال فرجعہا

یعنی ابن عباس کہتے ہیں، کہ رکانہ صحابی نے اپنی عورت کو تین طلاق دی، آپ نے پوچھا کیا ایک جلسہ میں؟ انہوں نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا، ایک جلسہ کی تین طلاق ایک ہوتی ہے لہذا اگر تمہارا دل چاہے، تو رجوع کر لو رکانہ نے رجوع کر لیا (مسند احمد ج ۱ ص ۲۵۶)

یہ قصہ مختلف روایتوں اور متباین سندوں سے مذکور ہے، مگر یہ روایت اصح، احسن، اور اوضح ہے، ابن القیم نے (اغاثۃ اللہفان ص ۱۵۶) میں نقل کیا کہ ضیاء المقدسی نے اس کو اپنی کتاب "مختارہ" میں روایت کیا ہے، اور یہ کتاب مستدرک حاکم سے زیادہ صحیح ہے، اور نقل کیا ہے شوکانی نے (نیل جلد ۶ ص) میں کہ ابو یعلی نے بھی اس کو روایت کیا، اور صحیح کہا ہے (نیز نقل کیا ہے جلال الدین سیوطی نے (الدر المنثور جلد ۱ ص ۲۷۹) میں، اور اسی طرح آلوسی نے (تفسیر جلد ۱ ص ۴۳۱) میں کہ بیہقی نے بھی اس کو روایت کیا ہے، اور جصاص نے (احکام القرآن جلد ۱ ص ۳۸۸) میں نقل کیا کہ ابن اسحاق نے فرمایا۔ الثلاث ترد الی الواحدۃ اور اسی حدیث سے حجت فرماتے ہیں، غرض یہ ہے، کہ روایت صحیح ہے، اور دلیل ہے، کہ پیغمبر علیہ السلام نے تین مجموعی طلاقوں کو ایک رجعی قرار دیا ہے، قائلین ثلاث کی کٹ حجتی متن و سند کے لحاظ سے باد ہوا ہو گئی۔

علامہ محمد حامد الفقی الازہری تعلیقات بلوغ المرام رقم ۱۰۷ ص ۲۲۵) میں فرماتے ہیں، کہ ابن اسحق انما یتہم بالتدلیس اذا عنعن فقط والا فہو امام ثقۃ یہ کہ ابن اسحاق جو سند میں اس حدیث کے راوی ہیں، اس وقت بتدلیس متہم ہوتے ہیں، جب کہ صرف عنعنہ سے روایت کرتے ہیں، ورنہ امام ثقہ ہیں، اور یہ تو ظاہر ہے، کہ مسند احمد کی اس حدیث میں انہوں نے حدثنی" کے ساتھ بیان کیا ہے، اسی طرح ابن قیم (اغاثہ) میں فرماتے ہیں وقد زالت تہمۃ تدلیس ابن اسحق بقولہ حدثنی یعنی تہمت تدلیس" حدثنی" سے جاتی رہی، مولوی امیر علی مرحوم (تعقیب التقریب ص ۳۵۴) میں فرماتے ہیں محمد بن اسحق المطلبی

وثق وھو من لیس لہ عند مسلم مقرونا، حاصل یہ کہ ان کی روایتیں مسلم میں بھی ہیں پس حاصل یہ نکلا، کہ روایت صحیح ہے، اور تائید میں دوسری روایات بھی ہیں، اس لئے اعتراض کوئی گنجائش نہیں ہے۔

تیسری حدیث:۔ عن ابن ابی ملیکۃ ان ابا الجوزاء اتی ابن عباس فقال اتعلم ان ثلاثا کن یرددن علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی واحدۃ قال نعم۔ قال الحاکم ھذا حدیث صحیح الاسناد۔ ابوالجوزاء نے حضرت ابن عباس سے پوچھا کہ تین طلاق ایک تھی حضور کے عہد مبارک میں؟ فرمایا ہاں (مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۱۹۶) حاکم نے اس حدیث کو صحیح الاسناد کہا ہے، علامہ سید احمد شاکر لکھتے ہیں۔ وفی اسنادہ عبد اللہ بن المؤمل۔ تکلم فیہ بعضھم والحق انہ ثقۃ، یہ کہ عبداللہ بن مؤمل کے بارے میں بعض نے کلام کیا ہے، مگر حق یہ ہے، کہ وہ ثقہ ہیں۔

چوتھی حدیث:۔ عن ابن عباس رض کان الطلاق علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وسنتین من خلافۃ عمر رض طلاق الثلاث واحدۃ فقال عمر بن الخطاب رض ان الناس قد استعجلوا فی امر قد کانت لھم فیہ اناۃ فلو امضیناہ علیھم فامضاہ علیھم رواہ الامام احمد فی المسند (رقم ۲۸۷۷ جلد ۱ ص ۳۱۴) ورواہ مسلم فی صحیحہ (جلد ۱ ص ۴۷۷-۴۷۸) والحاکم فی المستدرک (جلد ۲ ص ۱۹۶) وفی روایۃ مسلم ایضا عن طاؤس ان ابا الصھباء قال لابن عباس اتعلم انما کانت الثلث تجعل واحدۃ علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر رض وثلاثا من امارۃ عمر رض فقال ابن عباس رض نعم وفیہ ایضا عن طاؤس ان ابا الصھباء قال لابن عباس ھات من ھناتک الم یکن الطلاق الثلاث علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر رض واحدۃ فقال قد کان ذلک فلما کان فی عھد عمر رض تتابع الناس فی الطلاق فاجازہ علیھم۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اور حضرت ابوبکر کے عہد میں، اور دو سال حضرت عمر رض کی خلافت میں تین طلاقیں ایک ہی شمار کی جاتی تھیں پس حضرت عمر رض نے فرمایا، کہ لوگ اس کام میں جلدی کرنے لگے ہیں، جس کام میں ان کو مہلت

کرنی چاہیئے تھی، یعنی لوگوں پر لازم ہے، کہ طلاق عدت سے دیں، پس اس غلطی کو رد کرنے کے لئے اگر ہم طلاق ثلاثہ کا حکم نافذ ہی کردیں، تو لوگ رک جائیں گے، پس بدیں وجہ فوری طلاق ثلاثہ کا حکم نافذ فرما دیا، مسلم ہی میں یہ بھی ہے، کہ صہبار کے باپ نے ابن عباس رضہ سے کہا، کہ کیا تم جانتے ہو کہ عہد نبوی اور صدیقی میں، اور تین سال عہد فاروقی میں فوری طلاق ثلاثہ کو ایک ہی شمار کیا جاتا تھا، ابن عباس نے کہا ہاں! یہ بات واقعی درست ہے، کہ ایسا ہی ہوا کرتا تھا، اور مسلم ہی میں یہ بھی ہے، طاؤس کہتے ہیں، کہ صہبار نے باپ نے ابن عباس رضہ کو کہا، کہ صدر اول و دوم و سوم کی باتیں بیان کرو، کیا آپ کو معلوم ہے، کہ عہد نبوی و صدیقی میں تین طلاقیں ایک ہی شمار کی جاتی تھیں، ابن عباس نے کہا ہاں! یہی بات تھی، پس جب حضرت عمر رضہ کے زمانہ میں لوگ طلاق ثلاثہ یکبارگی بول دینے کے عادی ہو گئے، تو انہوں نے ان پر تین طلاق کے واقع ہونے کا امر نافذ فرما دیا۔

مسک الختام جلد ۲ ص ۷۷ میں نواب بھوپالی تحریر فرماتے ہیں، بعد ورود این حدیث در مسلم چہ جائے این سخن است کہ این حدیث مختلف فی الصحۃ است، یعنی ابن عباس رضہ کی یہ حدیث مسلم شریف میں آجانے کے بعد کیا مجال سخن ہے، کہ حدیث کی صحت میں اختلاف ہو، حقیقت بھی یہی ہے، کہ صحیح مسلم میں مصنف نے صحت حدیث کا بڑا التزام فرمایا ہے، اسی واسطے یہ بات مسلمات سے ہے، کہ اصح الروایات ما اتفق علیہ الشیخان ثم ما انفرد بہ البخاری ثم ما انفرد بہ المسلم (مقدمہ الطیب الشذی ص ۲) میں ہے، کہ صحیحین کی بابت تمام محدثین کا اتفاق ہے، کہ اس میں جس قدر مرفوع متصل حدیثیں ہیں، وہ قطعاً بلاریب صحیح ہیں اور یہ کہ دونوں اپنے مصنفین تک تواتر کا درجہ حاصل کرچکی ہیں، اور یہ کہ جو شخص ان دونوں کتابوں کی احادیث کی صحت کی بابت منہ آئے گا، اور ان کی توہین کرے گا وہ بدعتی اور غیر مسلموں کی راہ کا متبع ہے، سبحان اللہ کس قدر عمدہ فیصلہ ہے، کہ مسلم شریف ایسی کتاب نہیں، جس پر زبان کھولی جائے، ورنہ وہ بدعتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے، کہ طلاق ثلاثہ فوری چونکہ کتاب و سنت کے خلاف ہے، اور اس میں بڑی بڑی خرابیاں ہیں، اس لئے ایسی طلاق خواہ مجلس میں ہو یا مجالس میں ایک ہی طلاق رجعی ہوگی، اور اندرون عدت طالق اپنی عورت سے رجوع کر لینے کا مجاز ہوگا، باقی جو کچھ قائلین ثلاث کے عذرات ہیں، وہ سب مجروح اور ناقابل اعتماد ہیں، چنانچہ اس پر سیر حاصل بحث تالیفات ابن

القیم (اغاثۃ اللہفان) اور (اعلام الموقعین) و نیز (زاد المعاد) وغیرہ میں کی گئی ہے، خود میری تالیف (کتاب الطلاق) بزبان اردو جو زیر تسوید ہے، اس کے مالہ و ماعلیہ پر کافی ہے، طلاق ثلاثہ فوری کے ایک ہی ہونے پر ایک اور زبردست دلیل یہ ہے، کہ (مسند امام اعظم ص۲۸) میں حدیث لکھی ہے المطلقۃ ثلاثا لہا السکنی والنفقۃ یعنی مطلقہ ثلاثہ فوری کے لئے خاوند طالق پر مکان رہائشی اور خرچ دینا لازم ہے، شارح ملا علی قاری لکھتے ہیں، خواہ وہ عورت حاملہ ہو یا غیر حاملہ، مکان و نفقہ طالق پر لازم ہے، پس اس سے صاف ثابت ہوتا ہے، کہ مطلقہ ثلاثہ فوری اگر قابل رجعت نہ ہوتی، تو طالق کے ذمہ پر مکان و نفقہ کا لزوم کیوں ہوتا، چنانچہ امام ابن القیم اعلام الموقعین جلد۲ ص۱۸۵) میں تحریر فرماتے ہیں المطلقۃ البائنۃ لا نفقۃ لہا ولا سکنی بسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی مطلقہ بائنہ کے واسطے طالق پر خرچ اور مکان رہائش بموجب سنت نبوی لازم نہیں ہے، پس اس سے صاف ثابت ہو گیا، کہ مطلقہ ثلاثہ فوری کے لئے حق رجوع ہے اس لئے اس کا نفقہ و سکونت طالق کے ذمہ ہے، اور چونکہ مطلقہ ثلاثہ متفرق کے لئے حق رجوع نہیں رہتا، اس واسطے اس کا نفقہ و مکان طالق کے ذمہ نہ پڑا، نواب بھوپالی فرماتے ہیں کہ مسئلہ طلاق نزاعی ہے، امام ابن القیم کو صبر آزما تکالیف پہنچیں، مگر حق انہیں کے ہاتھ رہا، فرماتے ہیں وقد امتحن بہذہ المسئلۃ جماعۃ من العلماء منہم شیخ الاسلام ابن تیمیۃ وجماعۃ من بعدہ والحق بایدیہم (الروضۃ الندیۃ ج۲ ص۵۳) ھذا ما عندی واللہ اعلم وعلمہ اتم

ابوالمکارم ظفر عالم خطیب مسجد اہلحدیث، موتی پورہ۔ مالیگاؤں

الجواب صحیح (حضرت مولانا سید) عبد اللہ مدنی، مہتمم مدرسہ لطیفیہ شولاپور

فتویٰ حضرت استاذ العلماء مولانا ابوالقاسم صاحب سیف بنارسی رحمۃ اللہ علیہ

(بروایت مولانا عبد الاخر صاحب دام فضلہ)

ایک جلسہ کی تین طلاق ایک رجعی ہوتی ہے، صحیح مسلم شریف میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے کانت الطلاق علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر رض وصدرا من خلافۃ عمر رض طلاق الثلث واحدۃ (ص ۲۷۷ ج۱) یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رض کے زمانہ میں اور شروع خلافت حضرت عمر رض میں تین طلاق ایک ہوا کرتی تھی، یہی مذہب ہزارہا صحابہ کرام کا تھا جیسا کہ تعلیق المغنی شرح دارقطنی میں ہے، ھذا

حال کل صحابی من عہد الصدیق الی ثلاث سنین من خلافۃ عمر رضہ وھم یزیدون علی الالف (ص ۲۲۴) یعنی حضرت ابوبکر رضہ کے زمانہ سے حضرت عمر رضہ کی خلافت کے تین سال تک ہزارہا صحابہ کا یہی فتوی رہا، کہ ایک جلسہ کی تین طلاق ایک ہی ہوتی ہے، جب کثرت سے لوگوں نے طلاق دینی شروع کی، تو حضرت عمر رضہ نے سیاستہً تین کو تین کر دیا، جیسا کہ اسی صحیح مسلم میں ہے، حضرت عمر رضہ خود فرماتے ہیں ان الناس قد استعجلوا فی امر قد کانت لھم فیہ اناۃ فلو امضیناہ علیھم الخ لیکن جب اس ترکیب سے طلاق میں کمی نہیں ہوئی ہے تو حضرت عمر رضہ بہت پچھتائے، اور اس سے رجوع فرمالیا، جیسا کہ حدیث کی بہت بڑی کتاب مسند اسماعیل میں ہے، دیکھو اغاثۃ اللھفان مصری ص ۱۸۱-۸۲ الا یورا نتوی الآثار المتبوعۃ صفحہ ۱۰ پر ملاحظہ فرمایئے)

دیگر مذہب منصور نص صریح کے مطابق ہے، ارشاد ہے الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان (الی ان قال) حتی تنکح زوجا غیرہ۔ اس آیت کریمہ سے صاف طور پر ثابت ہے، کہ طلاق بدفعات دی جائے، تاکہ رجعت کا اختیار باقی رہے، ایک ساتھ تین طلاق دینے سے رجعت کا اختیار سلب ہوتا ہے، اور ایسا کرنا آیت کی صریح مخالفت ہے، یہی وجہ ہے، کہ ایک ساتھ تین یا دو طلاق دینے کا ذکر قرآن پاک میں کہیں نہیں آیا ہے، اسی لئے مجوزین ایسی طلاق کو طلاق بدعی کہنے پر مجبور ہوئے، پھر کل بدعۃ ضلالۃ کا اسے فرد کیوں نہ قرار دیا جائے الی اخرہ (الا ثار المتبوعۃ)

خاکسار محمد منیر خاں عفی عنہ مدرس اول مدرسہ اسلامیہ عربیہ مدنپورہ بنارس

از حضرت العلام مولانا عبد اللہ صاحب شائق (مولوی فاضل)

(صدر الاساتذہ جامعہ فیض عام مئو)

علمائے احناف نے یہ فتوے دیا ہے، کہ گو ہمارا یہی مذہب ہے لیکن بوقت ضرورت دیگر ائمہ کے مذہب پر عمل کرتے ہوئے رجعت کر سکتا ہے، مولانا عبد الحی صاحب لکھنوی مجموعہ فتاوی ص ۶۶ میں تحریر فرماتے ہیں، سوال وجواب ملاحظہ ہو۔

سوال:۔ زید نے اپنی عورت کو حالت غضب میں کہا، کہ میں نے طلاق دیا، میں نے طلاق دیا، میں نے طلاق دیا، پس اس تین بار کہنے سے تین طلاق واقع ہوں گی یا نہیں، اور اگر حنفی مذہب میں

واقع ہوں، اور شافعی میں نہ واقع ہوں، تو حنفی کو شافعی مذہب پر اس صورت خاص میں عمل کرنے کی رخصت دی جائے گی یا نہیں؟

هوالمصوب:۔ اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک تین طلاق واقع ہوں گی، اور بغیر تحلیل کے نکاح درست نہ ہوگا، مگر بوقت ضرورت کہ اس عورت کا علیحدہ ہونا اس سے دشوار ہو، اور احتمال مفاسد زائدہ کا ہو، تقلید کسی اور امام کی اگر کرے گا، تو کچھ مضائقہ نہ ہوگا، نظیر اس کی مسئلہ نکاح زوجہ مفقودہ و عدۃ ممتدۃ الطہر موجود ہے، کہ حنفیہ عند الضرورت قول امام مالک پر عمل کرنے کو درست رکھتے ہیں، چنانچہ رد المحتار (شامی) میں مفصلاً موجود ہے، لیکن اولیٰ یہ ہے، کہ وہ شخص کسی عالم شافعی سے استفسار کر کے اس فتویٰ پر عمل کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ محمد عبد الحی عفا اللہ عنہ (الآثار المتبوعۃ ص۳)

سیشن جج امرتسر کا فیصلہ بابت طلاق ثلاثہ

امرتسر میں ایک مقدمہ مدت سے دائر تھا، ایک شخص مسمی جلال الدین ولد ساون، قوم برہمن ساکن امرتسر کٹڑہ مہاسنگھ نے اپنی عورت کو مجلس واحد میں تین طلاقیں دے کر بموجب فتویٰ اہلحدیث پھر ملاپ کر لیا تھا، مگر عورت مذکور کے والدین نے عورت کو اپنے گھر میں روک لیا، اس پر جلال الدین مذکور نے دعویٰ بازیابی کیا، عدالت میں فریقین کی طرف سے علماء پیش ہوئے، جنہوں نے اپنے اپنے مذہب کے مطابق شہادت دی، جلال الدین مدعی اہلحدیث ہے، اس نے اپنی طرف سے جناب مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب بٹالوی کو اور فریق ثانی نے مولوی نور احمد صاحب حنفی امرتسری کو پیش کرایا، مگر ڈپٹی پیر قمر الدین صاحب نے مدعی کا دعویٰ خارج کر دیا اس پر مدعی نے سیشن جج کے ہاں اپیل کیا، سیشن جج نے بعد دیکھنے مسل اور سننے بیان فریقین کے یکم جون سنہ رواں کو فیصلہ کیا، کہ اپیل منظور اور حکم عدالت ماتحت منسوخ، گویا سیشن جج نے اس بات کا فیصلہ کر دیا، کہ مجلس واحد کی تین طلاقیں ایک ہی ہیں، جیسا کہ اہلحدیث کا مذہب ہے

(اخبار اہلحدیث ص۶ ۷، ۲۹ رجون ۱۹۰۶ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان اسلام اس بارے میں، کہ زید نے اپنی منکوحہ کو کسی نزاع کی بنا پر ایک وقت اور ایک ہی مجلس میں تین مرتبہ طلاق دے دی، چند دن کے بعد

زید کو اپنی غلطی کا احساس ہوا، اور اب وہ دونوں میاں بیوی آپس میں "بساؤ" چاہتے ہیں، مگر اکثر مولویوں کا کہنا ہے، کہ تین دفعہ ایک دفعہ ہی میں طلاق دے دی جائے، تو وہ عورت اس مرد کے لئے قطعاً حرام ہو جاتی ہے، اور بغیر حلالہ کے اب وہ اس کے گھر واپس نہیں آسکتی، اس بارے میں کتاب اللہ و سنت رسول اللہ سے اسلام کا صحیح فیصلہ کیا ہے، امید ہے کہ مفصل و مدلل جواب سے مشکور کریں گے۔ بینوا توجروا۔

(المستفتی عبد الستار مومن پورہ۔ بمبئی ۱۱)

الجواب وهو الموفق للصدق والصواب:۔ سبحانك لا علم لنا الا ما علمتنا انك انت العليم الحكيم۔ مسطورہ مسئولہ میں واضح و لائح ہو، کہ زید نے اگر اپنی منکوحہ کو کسی نزاع پر ایک ہی مجلس میں بفم واحد یا طہر واحد میں تین طلاقیں دے دی ہیں، اور پھر وہ نادم و پشیمان ہوتا ہے، تو اپنی منکوحہ کو وہ عدت میں رجوع کر سکتا ہے اور یہ تین طلاقیں حکم میں ایک طلاق رجعی کے ہیں، اور اگر عدت کے ایام گذر گئے ہیں، تو وہ اپنی منکوحہ کو بتجدید نکاح رجوع کر سکتا ہے، اور بغیر حلالہ کے اپنے گھر میں واپس لا سکتا ہے، یہ مسئلہ حدیث نبوی اور اجماع صحابہ سے ثابت ہے۔ لحديث رواه ابن عباس رض قال كانت الطلاق على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وابي بكر رض وسنتين من خلافة عمر رض طلاق الثلاث واحدة فقال عمر بن الخطاب ان الناس قد استعجلوا في امر كانت لهم فيه اناة فلو امضيناه عليهم فامضاه عليهم۔ (رواه مسلم في صحيحه ج ۱ ص ۴۷۷) یعنی روایت ہے، ابن عباس رض سے کہ تھی طلاقیں تین زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں اور خلافت ابوبکر صدیق رض اور دو سال خلافت عمر رض میں ایک طلاق رجعی۔ پھر جب جلدی کی لوگوں نے اس امر میں جس میں ان کے لئے مہلت و تاخیر تھی، تو حضرت عمر رض نے ان پر ان طلاق ثلاث کو سیاستاً جاری فرما دیا، یہ آپ کی ایک سیاسی مصلحت تھی، اس لئے کہ لوگوں نے جو شرعی طریقہ طلاق کا تھا یعنی ہر طہر پر طلاق دینے کا وہ چھوڑ دیا تھا۔ لقوله تعالى وطلقوهن لعدتهن اى حال كونهن مستقبلات لعدتهن بالحيض الثلاث بان يكون الطلاق في طهر لم يمس فيه وهو الطلاق السني (تفسير كلبي ص ۴۴۸) اور یہ حدیث صحیح ہے، اس پر کوئی جرح نہیں، جن لوگوں نے اس پر جرح کی ہے وہ ان کی جہالت اور تعصب مذہبی پر مبنی ہے، اور اس حدیث کی تائید میں

ایک حدیث مسند احمد ص۲۶۵ جلد ایں بھی ابن عباس رضؓ سے اور مروی ہے۔ قال طلق رکانۃ امرأۃ فی مجلس واحد ثلاثا فحزن علیہا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہا واحدۃ۔ رواہ احمد وابو یعلی وصححہ من طریق محمد بن اسحاق وقال ابن الہمام رئیس الفقہاء ان محمد بن اسحق ثقۃ ثقۃ ثقۃ عند المحققین دیکھو فتح القدیر، اور امام ذہبی میزان الاعتدال ص۲۴ میں لکھتے ہیں فالذی یظہر لی ان ابن اسحاق حسن الحدیث صالح الحال صدوق انتہی۔

نیز صحیح مسلم جلد اول صفحہ ۴۷۱ میں خود حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ ان ابا الصہباء قال لابن عباس رضؓ اتعلم ان ما کانت الثلاث تجعل واحدۃ علی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر رضؓ وثلاثا من امارۃ عمر رضؓ فقال ابن عباس رضؓ نعم ہاں تین طلاقیں اکھٹی دینا خلاف سنت ہے، ہر طہر پر طلاق ہے۔ فکان ابن عباس یروی انما الطلاق عند کل طہر (دیکھو مسند احمد ص ۲۶۵ جلد اول) مگر ایسی تین طلاقیں مذکورہ ایک طلاق رجعی کے حکم میں ہے، عدت کے اندر اندر تک تو خاوند کو اختیار ہے کہ رجوع کرلے اور بعد عدت بتراضی طرفین، جدید نکاح سے رجوع کر سکتا ہے بغیر حلالہ کے۔

اب رہا اجماع صحابہ تو سنیئے، جب اس پر خلافت ابوبکر صدیق میں خلافت عمر رضؓ تک عمل رہا، تو یہ اجماع سکوتی ہوا کسی صحابی سے خلافت صدیقیہ میں اس کا خلاف نہیں پایا گیا چنانچہ نواب صدیق حسن خاں صاحب فرماتے ہیں۔ دہم چنیں ہر صحابی از زمانہ خلافت صدیق تا سہ سال از خلافت عمر رضؓ برہمیں بود، کہ سہ طلاق یک طلاق است از روے فتوی واقرار وسکوت وبعضے از اہل علم بریں دعوے اجماع قائم کردہ اند، واجماع نہ کردہ اند وللہ الحمد بر خلاف این بلکہ ہمیشہ درامت کسے بود کہ فتوی دادہ است بایں قرنا بعد قرن تا امروز، چنانچہ فتوی داد بآں ترجمان قرآن عبداللہ بن عباس رضؓ الخ مسک الختام شرح بلوغ المرام ص۱۵۴) اور یہی مذہب ہے عبداللہ بن مسعود رضؓ وعبدالرحمن بن عوف رضؓ اور حضرت علی رضؓ اور ابو موسی اشعری رضؓ وزبیر رضؓ ودیگر صحابہ کا کہ ایک جلسہ کی تین طلاقیں ایک رجعی ہوتی ہیں، دیکھو تعلیق المغنی علی الدار قطنی صفحہ ۴۴۴ و فتح الباری ص۱۶۳ پارہ ۲۲ دنیل الاوطار ص ۵۰۴ و ۱۵۵ جلد ۲ ومسک الختام ص۷۴ جلد ۲

حافظ ابن القیم نے اس ہی مسئلہ میں ایک بسیط کتاب لکھی ہے، جس کا نام اغاثۃ اللہفان ہے، چنانچہ حافظ ابن القیم نے اسی کتاب اغاثۃ اللہفان میں حضرت عمر رضؓ سے ایک روایت

مسند ابوبکر اسماعیل سے نقل کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ تین طلاق جاری فرماکر پشیمان ونادم ہوئے، اور فرمایا، ماندمت علی شئی مندامتی علی ثلاث ان لااکون حرمت الطلاق وان لااکون انکحت الموالی وعلی ان لااکون قتلت النوائح۔ اخرجہ ابوبکر الاسماعیلی فی مسند عمر رض کذا فی اغاثۃ اللھفان ص ۱۸۱ مطبوعہ مصر کیونکہ جس غرض سے آپ نے یہ حکم سیاسی جاری کیا تھا، بعد میں وہ حاصل نہیں ہوئی، تو آپ نادم ہوئے، اس حدیث سے صاف ظاہر ہے، کہ یہ حرمت کا فتوی آپ کا اجتہادی تھا چنانچہ کتب فقہ سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے۔ ان فی الصدر الاول اذا ارسل الثلاث جملۃ لم یحکموا الا بوقوع واحدۃ الی زمن عمر رض ثم حکم رای عمر رض بوقوع الثلاث لکثرتہ بین الناس تھدیدا انتہی دیکھو مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر مطبوعہ روم ص ۱۹۰ پس جو عورت مطلقہ ثلاث مجلس واحد میں بفم واحد یا بطہر واحد ہے، اس سے بغیر حلالہ کے طلاق دہندہ رجوع کرسکتا ہے فقط۔ ھذا ما عندی من الجواب واللہ اعلم بالصواب

کتبہ ابو محمد عبد الجبار السلفی الکھنڈیلوی الجیفوری، مورخہ یکم جمادی الثانی ۱۳۲۳ھ

الجواب واللہ الموفق للصواب صورت مسئولہ میں ائمہ فقہ کا بہت بڑا اختلاف ہے اختلاف کے نزدیک ایک مجلس کی تین طلاقیں حرام و بدعت ہیں، مگر حکماً یہ طلاقیں واقع ہوجائیں گی، اور طلاق ثلاثہ سمجھی جائیں گی، شوہر کو رجوع کا حق نہیں ہے۔

کتاب وسنت کی روشنی میں ایک مجلس کی تین طلاقیں خواہ الگ الگ الفاظ میں ہوں جیسے طلقتک۔ طلقتک۔ طلقتک یا ایک ہی لفظ میں ہو، جیسے طلقتک ثلاثا، دونوں صورتوں میں ایک مجلس کی یہ طلاقیں ایک ہی شمار ہوں گی۔ عہد رسالت مآب میں، اور خلافت صدیقی وصدر خلافت فاروقی میں اس طرح کی ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہی شمار کی جاتی رہیں، کسی صحابی کا اس عہد تک کوئی اختلاف منقول ومروی نہیں، گویا یہ اجماعی مسئلہ ہے۔

ہاں جب لوگوں نے معاملہ طلاق کو بازیچہ اطفال بنالیا، اس کی شرعی اہمیت اور وزن کا احساس کم ہوگیا، اور بعض افراد اس یقین کی بنیاد پر کہ تین طلاق ایک مجلس کی، عورت مغلظہ نہیں ہوتی بلکہ شوہر کو حق رجعت باقی رہتا ہے، ایک ایک مجلس میں تین طلاق دینے لگے، تو عمر فاروق رض نے اپنے آخری دور خلافت میں عام اعلان کردیا، کہ اگر کسی نے ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں، تو

تینوں نافذ شمار ہوں گی، اور عورت سے رجوع کا حق نہیں رہے گا، سیدنا عمرؓ کا یہ حکم سیاست پر مبنی تھا مصالح وقت کے پیش نظر ایسا کیا تھا۔

ایک مجلس کی تین طلاقوں کے ایک طلاق شمار کئے جانے پر دلیل مسلم والوداؤد وغیرہ کتب احادیث میں ابورکانہ کا واقعہ ہے، مسک الختام شرح بلوغ المرام میں تفصیلات ملیں گی۔ فقط۔

العبد عبد الجلیل الرحمانی سجاد العلوم بستی (۲۱ فروری ۵۲ء)

الجواب ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک طلاق رجعی کے حکم میں ہیں، شوہر کو ایسی طلاق کے بعد رجعت کا حق حاصل ہے، صحیح مسلم شریف میں ہے:۔

عن ابن عباس قال کان الطلاق علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم وابی بکرؓ وسنتین من خلافة عمرؓ طلاق الثلاث واحدة فقال عمر بن الخطاب ان الناس قد استعجلوا فی امر کانت لهم فیه اناة فلو امضیناه علیهم فامضاه علیهم یعنی ایک مجلس کی تین طلاقیں عہد نبوی وخلافت صدیقی اور دو سال خلافت فاروقی میں ایک طلاق شمار ہوتی تھی، پھر فرمایا حضرت عمرؓ نے لوگوں نے اس امر میں جلدی کی، جس میں ان کو شرعاً مہلت تھی، پس اگر ہم ان کو جاری کر دیں، تو بہتر ہے، پس بعد میں انہوں نے جاری کر دیا

مسند احمد میں ہے۔ عن ابن عباس قال طلق رکانة بن عبد یزید اخو بنی عبد المطلب امراة ثلاثا فحزن علیه حزنا شدیدا قال فسأله رسول الله صلی الله علیه وسلم کیف طلقتها قال طلقتها ثلاثا فقال فی مجلس واحد قال نعم قال فانما تلك واحدة فارجعها ان شئت قال فراجعها یعنی رکانہ صحابی نے اپنی بی بی کو تین طلاق دے دی، پھر بہت نادم ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا، کہ تم نے کس طرح طلاق دی ہے، انہوں نے کہا کہ تین طلاق، پھر آپ نے پوچھا، کہ کیا ایک مجلس میں؟ تو انہوں نے جواب دیا، کہ ہاں، تو آپ نے فرمایا کہ یہ ایک طلاق ہوئی ہے، اگر تم چاہو، تو رجوع کر لو، چنانچہ رکانہ نے رجوع کر لیا۔

یہ دونوں روایتیں صحیح ہیں، پہلی روایت تو صحیح مسلم شریف کی ہے، جس کی صحت پر اجماع ہے، اور دوسری روایت مسند احمد کی ہے، محدثین کی ایک جماعت نے اس کی تصحیح کی ہے غرض یہ کہ عہد نبوی، عہد صدیقی، عہد فاروقی کے ابتدائی دور میں اسی پر عمل درآمد رہا، البتہ جب لوگوں نے کثرت سے طلاق دینی شروع کی، تو حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں تینوں کو نافذ کر دیا

اور ان کا ایسا کرنا سیاستہً تھا نہ کہ تشریعًا کیونکہ اگر کوئی ناسخ حدیث ہوتی، تو اس کو ضرور پیش کرتے نہ اس وقت حضرت عمر رضہ نے پیش کیا، اور نہ کسی دوسرے صحابی نے اس کو بیان کیا، بلکہ حضرت عمر رضہ نے اظہار تمنا کیا، کہ کاش میں ان کو نافذ کر دیتا، برخلاف اس کے جب متعہ کے منسوخ ہونے کا حکم سنایا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کا حوالہ دے کر سنایا، اور پرزور الفاظ میں خطبہ دیا، ابن ماجہ میں ہے۔ عن ابن عمر قال ان عمر رضہ بن الخطاب خطب الناس فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذن لنا فی المتعۃ ثلاثا ثم حرمہا واللہ لو اعلم احدا یتمتع وھو محصن لارجمتہ بالحجارۃ الا ان یاتینی باربعۃ یشہدون ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احلہا بعد اذ حرمہا

خلیفہ وقت کو اختیار ہے، کہ وہ ایک مباح اور حلال چیز کی تعزیر کے طور پر یا کسی اور مصلحت کی بنا پر بندش کر سکتا ہے، خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس واقعہ طلاق کے علاوہ بعض مباح اور حلال چیزوں کو تعزیرًا بند کر دیا ہے، حضرت عمر رضہ کے پاس ایک عورت لائی گئی، جس نے اپنے غلام سے نکاح کیا تھا، حضرت عمر رضہ ان دونوں میں تفریق کرادی، اور تعزیرًا آئندہ کے لئے دوسرے خاوندوں سے نکاح اس پر حرام کر دیا (کنز العمال)

حضرت حذیفہ رضہ نے مدائن میں ایک یہودن سے شادی کی حضرت عمر رضہ نے لکھا، کہ اس کو طلاق دے دو، یہ مسلمان عورتوں کے لئے بہت بڑا فتنہ ہے، حالانکہ اہل کتاب سے نکاح کرنا نص قرآنی سے ثابت ہے (ازالۃ الخفاء)

جب اس ترکیب سے بھی طلاق میں کمی نہیں ہوئی، تو حضرت عمر رضہ اس پر نادم ہوئے، علامہ ابن القیم نے مسند عمر کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ قال عمر بن الخطاب ماندمت علی شئ ندامتی علی ثلث ان لا اکون حرمت الطلاق (اغاثۃ اللفہان) اگر واقعی یہ شرعی حکم تھا، تو اس امضائے ثلث پر نادم ہونے کے کیا معنی؟ خود فقہائے احناف میں بھی بعض لوگ اس کے قائل ہیں، کہ حضرت عمر رضہ کا یہ حکم سیاسی تھا، مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر صـ۳۸۲ میں ہے۔ واعلم انہ فی الصدر الاول اذا ارسل الثلث جملۃ لم یحکم الا بوقوع واحدۃ الی زمن عمر رضی اللہ عنہ ثم حکم بوقوع الثلث لکثرتہ بین الناس تہدیدا۔ اسی طرح طحاوی وغیرہ میں بھی ہے۔

شریعت مطہرہ نے طلاق کے معاملہ میں جو آسانی اور مہلت رکھی ہے، تینوں کے وقوع

کی صورت میں وہ فوت ہو جاتی ہے، ارشاد ہے۔ الطلاق مرتان فامساك بمعروف اوتسریح باحسان....... حتی تنکح زوجا غیرہ اس آیت کریمہ سے صاف معلوم ہوتا ہے، کہ طلاق بدفعات دی جائے، تاکہ رجعت کا اختیار باقی رہے، ابوداود شریف میں رکانہ کے واقعہ طلاق میں یہ الفاظ مروی ہیں فقال انی طلقتها ثلاثا یا رسول الله قال قد علمت راجعها وتلا یا ایها النبی اذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن اس موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آیت مذکورہ کی تلاوت فرمانا اس امر کی دلیل ہے، کہ طلاق دینا عدت کے لئے ہے، جب عدت ختم ہونے کے قریب ہو تو رجوع کرے، یا اس کو چھوڑ دے، عدت اسی لئے شروع ہے، کہ اس طلاق دینے والے کے لئے یہ آسانی اور گنجائش رکھی گئی ہے، کہ اگر طلاق کے بعد ندامت محسوس کرے، تو عدت کے اندر رجوع کرلے لعل الله یحدث بعد ذلك امرا۔ وقوع ثلث کی صورت میں یہ آسانی فوت ہو جاتی ہے، اور ایسا کرنا شریعت کے منشا کے خلاف ہے، امام رازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں، کہ تینوں کا ایک طلاق رجعی کے حکم میں ہونا ہی قیاس کے موافق ہے۔ هو اختیار کثیر من علماء الدین انه لو طلقها اثنین او ثلاثا لا تقع الا الواحدة وهذا القول هو الاقیس، لان النهی یدل علی اشتمال المنهی عنه علی مفسدة راجحة والقول بالوقوع سعی فی ادخال تلك المفسدة فی الوجود وانه غیر جائز فوجب ان یحکم بعدم الوقوع (تفسیر کبیر جلد ۲)

نیل الاوطار جلد ۶ صہ میں ہے، ذهبت طائفة من اهل العلم الی ان الطلاق لا یتبع الطلاق بل یقع واحدة فقط وقد حکی ذلك صاحب البحر عن موسی ورواية عن علی علیه السلام وطاؤس وعطاء وجابر بن زید والهادی والقاسم والباقر والناصر واحمد بن عیسی وعبد الله بن موسی ورواية عن زید بن علی والیه ذهب جماعة من المتاخرین منهم ابن تیمیة وابن القیم وجماعة من المحققین وقد نقله ابن مغیث فی کتاب الوثائق عن محمد بن وضاح ونقل الفتوی بذلك عن جماعة من مشائخ قرطبة کمحمد بن تقی ومحمد بن عبد السلام وغیرهما ونقله ابن المنذر عن اصحاب ابن عباس کعطاء وطاؤس وعمرو بن دینار وعطاء بن المغیث الصنانی ذلك الکتاب عن علی وابن مسعود وعبد الرحمن

بن عوف والزبیر۔

صحابہ میں حضرت علی رضؓ عبداللہ بن مسعود رضؓ عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ زبیر بن عوام رضؓ ابوموسیٰ اشعری رضؓ ابن عباس رضؓ کا یہی مسلک ہے، ایسے ہی تابعین و دیگر محدثین کی ایک بڑی جماعت کا یہی مسلک ہے، مثلاً جابر زید رحؒ طاؤس رحؒ عمرو بن دینار رحؒ عکرمہ رحؒ عطار بن رباح رحؒ امام نخعی رحؒ امام مالک رحؒ (فی روایۃ) داؤد ظاہری رحؒ اور ان کے تبعین، احمد بن اسحاق رحؒ حجاج بن ارطاۃ رحؒ محمد بن مقاتل رحؒ محمد بن لقی بن مخلد رحؒ محمد بن عبدالسلام خشنی رحؒ ہادی رحؒ قاسم رحؒ باقر رحؒ ناصر رحؒ احمد بن عیسیٰ رحؒ عبداللہ بن موسیٰ رحؒ زید بن علی رحؒ خلاس بن عمرو رحؒ حارث عکلی رحؒ بعض اصحاب احمد رحؒ امام ابن تیمیہ رحؒ حافظ ابن القیم رحؒ اور مشائخ قرطبہ کی ایک جماعت ۔ اکثر نام نیل الاوطار کی مذکورہ بالا عبارت میں آگئے ہیں، بقیہ نام فتح الباری، عمدۃ القاری، اعلام الموقعین، عمدۃ الرعایۃ وغیرہ سے معلوم کئے جا سکتے ہیں، ایک طلاق کے قائلین کی یہ جو فہرست پیش کی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس مسلک کے قائلین ہر زمانے میں کثرت سے رہے ہیں۔ اب اس موقع پر حال کے علمائے احناف کے اقوال پیش کئے جاتے ہیں، تاکہ اس مسئلہ کی حقانیت اچھی طرح واضح ہو جائے :۔

مولانا عبدالحی صاحب حنفی لکھتے ہیں القول الثانی انہ اذا طلق ثلاثا تقع واحدۃ رجعیۃ وھذا ھو المنقول عن بعض الصحابۃ وبہ قال داؤد الظاہری واتباعہ وھو احد القولین لمالک وبعض اصحاب احمد (عمدۃ الرعایۃ جلد ۲)

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب حنفی مرحوم ایک استفسار کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں :۔

الجواب :۔ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے تینوں طلاقیں پڑ جانے کا مذہب جمہور علماء کا ہے، اور ائمہ اربعہ اس پر متفق ہیں، جمہور علماء اور ائمہ اربعہ کے علاوہ بعض علماء اس کے ضرور قائل ہیں، کہ ایک رجعی طلاق ہوتی ہے، اور یہ مذہب اہلحدیث نے بھی اختیار کیا ہے، اور حضرت ابن عباس رضؓ اور طاؤس اور عکرمہ و ابن اسحاق سے منقول ہے پس کسی اہلحدیث کو اس حکم کی وجہ سے کافر کہنا درست نہیں، اور نہ وہ قابل مقاطعہ ہے، اور نہ مستحق اخراج عن المسجد ہے۔

محمد کفایت اللہ عفا عنہ ربہ (منقول از اخبار الجمعیۃ دہلی ص ۲۲ جلد ۴ مورخہ ۶ رشعبان ۱۳۵۰ھ امر)

بلکہ بعض علمائے احناف نے یہ فتوی دیا ہے، کہ بوقت ضرورت اس مسلک پر عمل کرتے ہوئے رجعت بھی کرسکتا ہے۔

مولانا حبیب الرحمن صاحب حنفی مدرسہ امینیہ دہلی ایک استفتار کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

الجواب: بعض سلف صالحین وعلمائے متقدمین میں سے اس کے بھی قائل ہیں، کہ صورت مرقومہ میں ایک ہی طلاق پڑتی ہے، اگرچہ ائمہ اربعہ میں سے یہ بعض نہیں ہیں، اور مفتی اہلحدیث پر اسی اختلاف کی بنار پر کفر ومقاطعہ واخراج از مسجد کا فتوی غیر صحیح ہے بوجہ شدت ضرورت وخوف مفاسد کے اگر طلاق ثلاثہ دینے والا ان بعض علمار کے قول پر عمل کرے گا، کہ جن کے نزدیک اس واقعہ مرقومہ میں ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے، تو خارج مذہب حنفی سے نہ ہوگا، کیونکہ فقہائے حنفیہ نے بوجہ شدت ضرورت کے دوسرے امام کے قول پر عمل کر لینے کو جائز لکھا ہے، اور اسی فرعی اختلاف کی وجہ سے بعض علمائے محدثین یا دیگر علمار کی توہین کرنا بڑا سخت کبیرہ گناہ ہے۔

(منقول از رسالہ حق، وصداقت کی عظیم الشان فتح ص۸)

ان حضرات کا یہ فرمانا، کہ ائمہ اربعہ اس پر متفق ہیں صحیح نہیں، مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی کی عبارت نقل کی جا چکی ہے، کہ امام مالک کا ایک قول یہ بھی ہے، کہ ایک طلاق واقع ہوگی، اگر ائمہ اربعہ اس پر متفق ہوں، تب بھی کوئی حرج نہیں، کیونکہ حق ائمہ اربعہ میں دائر نہیں ہے، خود متاخرین احناف نے مسئلہ تحلیف شہود میں ائمہ اربعہ کے متفقہ مذہب کے خلاف قاضی ابن ابی لیلی کے مذہب پر فتوے دیا ہے (اشباہ ونظائر ص۱۶۰)

عبدالعزیز اعظمی استاد جامعہ رحمانیہ بنارس

اصاب من اجاب: قاری احمد سعید صاحب جامعہ رحمانیہ بنارس (۱۸ ر جمادی الاول ۱۳۹۳ھ)

مسلک اہل حدیث کے مطابق جواب بالکل صحیح ہے

(حضرت مولانا شیخ الحدیث) نذیر احمد صدر مدرس مدرسہ رحمانیہ بنارس

جواب زید طلاق دہندہ اگر ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کا مقلد نہیں ہے، بلکہ عقیدۃً وعملاً طلاق سے پہلے اہل حدیث ہے، تو صورت مسئولہ میں اس کو شرعاً رجوع کرنے کا حق واختیار ہے، کیونکہ صورت مسئولہ میں ذیل کی دو صحیح حدیثوں کی رو سے اس کی بیوی ہندہ

پر صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوئی ہے

(۱) عن ابن عباس قال طلق رکانۃ بن یزید اخو بنی مطلب امراۃ ثلاثا فی مجلس واحد فحزن علیہا حزنا شدیدا قال فسألہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف طلقتہا قال طلقتہا ثلاثا قال فقال فی مجلس واحد قال نعم قال فانما تلک واحدۃ فارجعہا ان شئت قال فرجعہا (مسند احمد ج ۱ ص ۲۶۵)

(۲) عن ابن عباس قال کان الطلاق علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر رضی اللہ عنہ وسنتین من خلافۃ عمر رضی اللہ عنہ طلاق الثلث واحدۃ (مسند احمد ج ۱ ص ۳۱۴ مسلم ج ۱ ص ۴۷۷-۴۷۸ مستدرک حاکم ج ۲ ص ۱۹۶)

ایک مجلس کی تین طلاق بیک لفظ ہو مثلاً انت طالق ثلاثا یا سہ نفعاً ہو، جیسے انت طالق - انت طالق - انت طالق، ہر دو نوع بدعی ہے اور الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان کے خلاف ہے تفصیل زاد المعاد ص ۵۱ و ص ۵۳ جلد ۱- اعلام الموقعین ص ۲۴ و ص ۳۲ جلد ۳- اغاثۃ اللہفان ص ۱۵۳ ص ۱۸۳، فتاوی ابن تیمیہ ص ۱۳ ص ۲۵ جلد ۳ نظام الطلاق فی الاسلام میں ملاحظہ کی جائے۔

عبید اللہ رحمانی مبارکپوری ۹/۷/۷۲ھ

جمہور ائمہ کے نزدیک تینوں طلاقیں پڑ گئیں، اور بغیر شرعی حلالہ کے زوج اول کے لئے درست نہیں ہے، اور اہلحدیث کے نزدیک ایک رجعی طلاق پڑی ہے، عدت میں رجوع کر سکتا ہے، عدت ختم ہونے کے بعد تجدید نکاح کی ضرورت پڑے گی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں ایک مرتبہ کی تین طلاقیں ایک شمار ہوتی تھی (مسلم شریف)

(اہلحدیث دہلی، ۱۵ جنوری ۱۹۵۳ء)

(شیخ الحدیث مولانا) عبد السلام صدر مدرس مدرسہ ریاض العلوم دھلی

الجواب صورت مرقومہ بالا میں واضح ہو کہ اسلام کے جہاں اور مراسم جاہلیت کو مٹایا وہاں اس رسم بد کو بھی مٹایا جس سے لوگ اس صنف نازک پر ظلم ڈھایا کرتے تھے، اور اس کو تنگ و پریشان کیا کرتے تھے، اسلام سے قبل اہل جاہلیت کا یہ طریقہ تھا کہ طلاق کی کوئی حد معین نہ تھی جتنی چاہتے طلاقیں دیئے چلے جاتے اور رجوع کرتے جاتے، حتی کہ ایک ایک آدمی اپنی بیوی کو سو طلاق دے دیتا، پھر بھی وہ اس کی بیوی ہی رہتے، شروع اسلام

میں بھی بعض مسلمان ایسا کرتے رہے، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

عن عائشۃ قالت کان الناس والرجل یطلق امرأتہ ما شاء ان یطلق و هی امرأتہ اذا ارتجعها وهی فی العدۃ وان طلقها مائۃ مرۃ او اکثر حتی قال الرجل لامرأتہ واللہ لا اطلقک فتبینین منی ولا آویک ابدا قالت وکیف ذاک قال اطلقک فکلما همت عدتک ان تنقضی راجعتک فذهبت المرأۃ حتی دخلت علی عائشۃ فاخبرتها فسکتت عائشۃ حتی جاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاخبرتہ فسکت النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی نزل القرآن. الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان. قالت عائشۃ رض فاستانف الناس الطلاق مستقبلا من کان طلق ومن لم یطلق (ترمذی)

حضرت عائشہ صدیقہ رض فرماتی ہیں کہ (زمانہ جاہلیت) میں لوگوں کا یہ حال تھا کہ مرد اپنی بیوی کو جتنی چاہتا طلاق دے دیتا، پھر بھی وہ اس کی بیوی ہی رہتی، جب کہ وہ عدت میں اس سے رجوع کر لیتا، اگرچہ وہ اس کو سو یا اس سے بھی زیادہ طلاق دے چکا ہو، حتی کہ زمانہ اسلام میں ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا، کہ خدا کی قسم نہ تو میں تجھے طلاق ہی دوں گا، تاکہ تو مجھ سے علیحدہ ہو جائے، نہ تجھے بسا لوں گا، اس کی بیوی نے کہا، یہ کیوں کر ہوگا، اس نے کہا میں تجھے طلاق دوں گا، پھر جب تیری عدت ختم ہونے کو ہوگی، تجھ سے رجوع کر لوں گا، پھر وہ عورت حضرت عائشہ رض کے پاس گئی، اور اپنا سارا ماجرا بیان کیا، حضرت عائشہ سنکر خاموش ہوگئیں اتنے میں حضور تشریف لے آئے، حضرت عائشہ رض نے آپ کو اس عورت کا حال سنایا، آپ سنکر خاموش ہو گئے۔ حتی کہ قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی "طلاق رجعی دو بار ہے، پھر اگر رکھنا ہے تو اچھی طرح رکھو، اور چھوڑنا ہے، تو اچھی طرح چھوڑ دو" اس کے بعد لوگوں نے خواہ طلاق دے چکے تھے یا طلاق نہ دی تھی، نئے سرے سے (شرعی طور پر) طلاق دینی شروع کی

طلاق شرعی جس کو طلاق سنی بھی کہا جاتا ہے، یہ ہے کہ جب عورت حیض سے پاک ہو جائے لت طہر اس کو ایک طلاق دے اور اس سے جماع نہ کرے، پھر دوسرے مہینہ میں جب حیض سے پاک ہو تو دوسری طلاق دے، پھر تیسرے مہینہ میں حیض سے پاک ہونے کے بعد تیسری طلاق دے، یہی طلاق محرمہ اور طلاق قطعی ہے، اس طریقہ سے جو شخص طلاق دے گا تو اس کی بیوی تیسری طلاق کے بعد اس پر حرام ہو جائے گی، اب تا وقتیکہ حلالہ شرعی نہ ہو، وہ عورت اس کے

سے لئے حلال نہیں ہے، اور حلالہ شرعی یہ ہے، کہ وہ عورت اپنے طور پر کسی سے نکاح کرے، اور خاوند ثانی اس سے جماع بھی کرے، پھر وہ اپنے طور پر ہی اس کو طلاق دے دے، تو خاوند اول کے لئے وہ عورت حلال ہو گی۔

اس کے خلاف جو لوگ اکٹھی تین طلاقیں دیتے ہیں، وہ طلاق بدعی اور غیر شرعی ہے، اس طرح طلاق دینی ہی نہیں چاہیئے، اگر طلاق دینے کی ضرورت ہی ہو تو طلاق شرعی بطور مذکور دینی چاہیئے، اور اگر کوئی شخص تینوں طلاقیں اکٹھی دے گا، تو وہ مجموعی تین طلاقیں طلاق قطعی نہ ہوں گی، جن کے بعد عورت حرام ہو جاتی ہے، بلکہ ایک طلاق رجعی کے حکم میں ہوں گی، جس کے بعد خاوند کو عدت کے بعد رجوع کرنے کا پورا اختیار ہے، اور انقضاء عدت کے بعد تجدید نکاح کے ساتھ اپنے نکاح میں لا سکتا ہے، جیسا کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک طلاق دے یا دو طلاق دے، تو اس کو عدت کے اندر بالاتفاق رجوع کرنے کا اختیار ہے، اور عدت گذرنے کے بعد بتجدید نکاح اس عورت کو بیوی بنانے کا حق ہے، کیونکہ اللہ تعالی نے رسم جاہلیت کو مٹا کر تین طلاقیں معین فرمادیں، اور اس کا طریقہ یہ بتلا دیا، کہ علیحدہ علیحدہ مرۃ بعد مرۃ دی جائیں، اکٹھی نہ دی جائیں، جیسا کہ آیت شریفہ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ سے ظاہر ہے کیونکہ مرتان لغت میں اس امر کے لئے آتا ہے، جس کا وقوع علیحدہ علیحدہ مرۃ بعد مرۃ ہوا ہو، نہ کہ مجموعۃً، جیسے آیات ذیل اس پر شاہد ہیں۔

(۱) قال اللہ تعالی۔ سنعذبھم مرتین۔ ای مرۃ بعد مرۃ۔

(۲) اولا یرون انھم یفتنون فی کل عام مرۃ او مرتین

(۳) یا ایھا الذین امنوا لیستاذنکم الذین ملکت ایمانکم والذین لم یبلغوا الحلم منکم ثلث مرات۔ پھر ثلث مرات کی تفسیر آگے آیت میں تین اوقات عشاء، دوپہر، نماز فجر سے قبل کے ساتھ فرمائی۔

خلاصہ کلام یہ کہ اللہ تعالی نے تین طلاقیں رکھیں، اور ان کے دینے کا شرعی طریقہ یہ بتایا کہ علیحدہ علیحدہ بحالت طہر دی جائیں، اور دو طلاق تک رجوع کرنے کا اختیار دیا، اس میں حکمت و مصلحت یہی ہے، کہ زوجین کو سوچنے اور سمجھنے کا موقعہ ملے، اور خاوند اپنی غلطی پر نادم ہو کر اپنی بیوی سے رجوع کرے، گویا اللہ تعالی نے طلاق کے سلسلہ میں خاوندوں کو اتنی مہلت دی ہے کہ وہ سوچ بچار کر لیں، اور جلد بازی سے کام نہ لیں، اور یہ حق رجوع اور مہلت اسی وقت

ہو سکتی ہے، جب کہ مجلس واحد کی مجموعی تین طلاقوں کو ایک طلاق رجعی مانا جائے، اور اگر مجلس واحد کی تین طلاقوں کو تین قطعی محرمہ مانا جائے، جیسا کہ حنفیہ کا مذہب ہے تو خاوندوں کا حق رجوع جو دو طلاق تک رکھا ہے، وہ اس صورت میں قطعاً سلب ہو جاتا ہے، اور طلاق ایک ایسی فوری چیز بن جاتی ہے، کہ جس کے زبان سے نکلنے کے بعد خاوند کو اپنی بیوی رجوع کرنے کا حق ہی رہتا، حالانکہ ایسا نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے سوا طلاق شرعی قطعی کے رجوع کا پورا پورا حق اور اختیار دیا ہے، پس صحیح و محقق مسئلہ قرآن و حدیث کی روشنی میں یہی ہے، کہ مجلس واحد کی تین طلاقیں ایک طلاق کے حکم میں ہے، پس زیر صورت مرقومہ فی السوال میں بلا شک و شبہ عدت کے اندر رجوع کر سکتا ہے، اور انقضاء عدت کے بعد تجدید نکاح اپنے نکاح میں لا سکتا ہے، اس پر ذیل کی دو حدیثیں بصراحت دال ہیں:۔

(۱) عن ابن عباس رض قال کان الطلاق علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم وابی بکر رض وسنتین من خلافة عمر رض طلاق الثلاث واحدة فقال عمر بن الخطاب رض ان الناس قد استعجلوا فی امر کانت لهم فیه اناة فلو امضیناه علیهم فامضاه علیهم (مسلم) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ عہد نبوی اور عہد ابوبکر اور دو سال خلافت عمر رض سے تین طلاقیں (مجلس واحد کی) ایک شمار ہوتی تھی، جب لوگوں نے غیر شرعی طریقہ پر تین طلاقیں اکٹھی کثرت سے دینی شروع کیں، تو حضرت فاروق رض نے فرمایا، لوگوں نے ایسے کام میں جس میں ان کے لئے مہلت تھی جلد بازی شروع کر دی، پس اگر ہم ان پر ان تین طلاقوں کو جاری کر دیں، (اور رجوع نہ کرنے دیں) تو مناسب ہے پس حضرت عمر رض نے ان پر جاری کر دی، یہ یاد رکھنا چاہیئے، کہ حضرت عمر رض کا مجموعی طلاق ثلاثہ کو جاری کرنا شرعی حیثیت سے نہ تھا، بلکہ محض انتظامی و تادیبی طور پر اس مصلحت کے ماتحت تھا، کہ لوگ طلاق دینے کے اس غیر شرعی طریقے سے باز آجائیں، اور طلاق کے صحیح شرعی طریقے کو اختیار کریں، جیسے کہ خود ان کے کلام سے ظاہر ہے

(۲) جو اس سے بھی واضح ہے، جس میں تاویل کی گنجائش ہی نہیں۔ عن ابن عباس رض قال طلق رکانة بن عبد یزید اخو بنی المطلب امراته ثلاثا فی مجلس واحد فحزن علیها حزنا شدیدا قال فسأله رسول الله صلی الله علیه وسلم کیف طلقتها. قال طلقتها ثلاثا. قال فقال فی مجلس واحد قال نعم قال فانما

تلک واحدۃ فارجعھا ان شئت قال فراجعھا فکان ابن عباس یری انما الطلاق عند کل طھر۔ ابن عباس رض راوی ہیں کہ رکانہ بن عبد یزید اخو بنی مطلب نے مجلس واحد میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں، اس پر وہ سخت غمگین ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا، کہ تو نے کس طرح طلاق دی، اس نے عرض کیا، میں نے اس کو تین طلاقیں دیں آپ نے فرمایا، ایک مجلس میں، اس نے کہا ہاں ایک مجلس میں، آپ نے فرمایا، سوائے اس کے نہیں، یہ ایک ہے، اگر تو چاہے، تو اس سے رجوع کرلے، ابن عباس رض کہتے ہیں، اس نے اپنی بیوی سے رجوع کرلیا، اسی بناء پر کہ مجلس واحد کی تین طلاقیں غیر شرعی اور ایک طلاق کے حکم میں ہیں) ابن عباس کا خیال تھا، کہ طلاق شرعی یہی ہے، جو ہر طہر میں دی جائے (مسند احمد)

قال ابن القیم فی اعلام الموقعین وقد صحح الامام ھذا الاسناد وحسنہ وقال الحافظ فی فتح الباری بعد ذکر ھذا الحدیث اخرجہ احمد وابو یعلی و صححہ من طریق محمد بن اسحق وھذا الحدیث نص فی المسئلۃ لایقبل التاویل الذی فی غیرہ من الروایات انتہی۔ فقط واللہ اعلم وعلمہ اتم

حررہ العاجز ابو محمد عبد الجبار غفر لہ الغفار

صدر مدرس مدرسہ دار العلوم شکراوہ ضلع گوڑگانوں (مشرقی پنجاب)

الجواب صورت مسئول عنہا میں زید کی تینوں طلاقیں واحدہ رجعیہ ہیں، اگر زوجین ایک دوسرے سے راضی ہیں، تو از روئے شریعت حقہ محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) زید کو دوران عدت میں رجوع عن الطلاق کا حق حاصل ہے اور بعد عدت وہ نکاح جدید سے اپنی زوجیت میں لاسکتا ہے۔

اس بارے میں علمائے احناف کا فتوی حرمت سراسر زیادتی اور تجاوز عن الحق ہے صریح احادیث اور قرآنی آیات مبین ہیں، کہ خیر القرون میں ایک مجلس کی تین یا زائد طلاقوں کو خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واحدہ رجعیہ قرار دے کر رجوع کا حکم فرمایا ہے اس مسئلہ میں علمائے احناف

اولاً آیت کریمہ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ الآیۃ اور دوسری آیات طلاق کے اطلاق سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، کہ ارسال طلاق دفعتہً ومفرقۃً ہر دو طرح درست ہے اور کسی بھی آیت سے ایک طلاق و تین طلاق کے ایقاع میں فرق ثابت نہیں ہے، بلکہ بقول

علامہ کرمانی الطلاق مرتان کے لفظ سے دو طلاقوں کے یک جلسہ واقع ہونے کی دلیل لیتی ہے، پس جب یک جلسہ دو طلاقیں واقع ہو سکتی ہیں، تو تین طلاقیں بھی واقع ہو سکتی ہیں،

مگر یہ استدلال صحیح نہیں ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ جن آیات سے علمائے احناف استدلال کرتے ہیں، وہ آیات الشان کے دعوے کی تردید کرتی ہیں، کیونکہ آیات طلاق عام مخصوص ہیں، اور ان کی تخصیص ان احادیث سے ہوتی ہے، جن سے بصراحت ثابت ہے، کہ مجلس واحد کی تمام طلاقیں ایک شمار ہوں گی، رہا علامہ کرمانی کا یہ کہنا یہ جب لفظ الطلاق مرتان دو طلاقوں کے دفعۃً وقوع پر دلالت کرتا ہے، تو تین کے وقوع پر کیوں نہیں دلالت کرے گا، تو یہ کہنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ اول تو یہ لفظ مستدل کے دعوی کی صریح مخالفت کرتا ہے، دوسرے اگر اس سے دو طلاقوں کے دفعۃً وقوع پر استدلال لایا بھی جائے، تو اس سے کامل جدائی لازم نہیں آتی، بخلاف اس کے طلاقات ثلاثہ سے کامل جدائی لازم آجاتی ہے، پس پہلے پر دوسرے کو قیاس کرنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟

ثانیاً۔ وہ حضرت عبادہ بن صامت کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کانہ قال طلق جدی امراتہ لہ الف تطلیقۃ فانطلق الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فذکر لہ ذلک فقال ما اتقی اللہ جدک اما ثلاث فلہ واما تسع مائۃ وسبع وتسعون فعدوان وظلم ان شاء اللہ عذبہ وان شاء غفر لہ اخرجہ عبد الرزاق۔

لیکن اس حدیث سے بھی استدلال کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس کی سند میں یحیی بن علاء ضعیف عبید اللہ بن الولید ہالک، اور ابراہیم بن عبید اللہ مجہول راوی ہیں، اور ظاہر ہے، کہ ایسی روایت قابل احتجاج نہیں ہو سکتی

سطور بالا سے یہ بات واضح ہو چکی ہے، کہ علمائے احناف کے استدلالات صحیح بنیاد پر قائم نہیں ہیں، بخلاف اس کے محدثین کرام کا مسلک صحیح احادیث سے ثابت ہے، چنانچہ

(۱) حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کان الطلاق علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر رض وسنتین من خلافۃ عمر رض طلاق الثلث واحدۃ فقال عمر بن الخطاب رض ان الناس قد استعجلوا فی امر کانت لہم فیہ

أناة فلو امضيناه عليهم فامضاه عليهم (رواه احمد ومسلم)

اس روایت سے بعض لوگوں میں یہ غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے، کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں عہد نبوت، خلافت صدیق اکبرؓ اور سنتین من خلافۃ عمرؓ میں تو ایک ہی شمار ہوئیں لیکن اس کے بعد عمرؓ فاروق نے ان کو نافذ کر دیا، لہٰذا اب حضرت عمرؓ ہی کا قول و فعل منعتی بہ اور قابل عمل ہؤا، اور اس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کو منسوخ کر دیا نعوذ باللہ اس قسم کی جرات کرنے والے یہ نہیں سوچتے، کہ وہ شارع علیہ السلام کے قول و فعل کو صحابی کے قول و فعل سے منسوخ قرار دے کر کتنی بڑی زیادتی کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

(۲) حضرت ابوصہباء سے روایت ہے۔ انہ قال لابن عباس رضؓ هات من هناتك الم يكن طلاق الثلث على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وابي بكر رضؓ واحدة قال كان ذلك (رواه مسلم)

(۳) حضرت رکانہ سے روایت ہے، انہ قال یا رسول الله انى طلقتها ثلاثا قال قد علمت ارجعها ثم تلا واذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن واحصوا العدة الخ (رواه ابوداؤد)

(۴) حضرت ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں۔ طلق ابو ركانة امرأته فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم راجع امرأتك فقال انى طلقتها ثلاثا قال قد علمت راجعها (رواه احمد والحاكم)

یہ اور ان جیسی دوسری روایات سے بصراحت ثابت ہے، کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مجلس کی تمام طلاقوں کو واحدہ رجعیہ قرار دیا ہے، اور خیر القرون میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا اسی پر تعامل رہا واللہ اعلم بالصواب

پس ہر مسلمان کو چاہئیے، کہ وہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کو اپنے لئے قانون زندگی اور مشعل راہ ہدایت سمجھ کر اس کے مطابق اپنی زندگی گذارے، اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو دین کی سمجھ اور اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشے آمین۔

العاجز عبدالرحمٰن سلفی رجوردی مدرس دار العلوم احمدیہ سلفیہ لہریا سرائے دربھنگہ (۹ر مارچ ۱۹۶۳ء)

الجواب صحیح :۔ محمد ادریس آزاد۔ رحمانی

جواب صحیح ہے ۔ عبید الرحمٰن رحمانی ۔ احمدیہ سلفیہ

الجواب صحیح :۔ محمد عبد الحق سلفی، مدرس دار العلوم احمدیہ سلفیہ

مسئلہ طلاق کی آیات کریمہ اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بغور دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے، کہ ایک مجلس کی متعدد طلاقیں شرعی طور پر ایک ہی کا حکم رکھتی ہیں، قرآن مجید میں ہے۔ الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسریح باحسان الاٰیۃ یہاں "مرتان" پر غور کیجئے، قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر بھی مرتان کا لفظ آیا ہے، جیسے سنعذبھم مرتین۔ ظاہر ہے، کہ یہ دونوں تعذیب ایک دوسرے کے بعد ہوں گی، بیک دفعہ نہیں ہوں گی، دوسری جگہ ہے۔ یا ایھا الذین آمنوا لیستاذنکم الذین ملکت ایمانکم والذین لم یبلغوا الحلم منکم ثلاث مرات من قبل صلوۃ الفجر وحین تضعون ثیابکم من الظھیرۃ ومن بعد صلوۃ العشاء یہاں پر اللہ تعالیٰ نے مرات کی تفصیل بھی بیان فرمادی ہے، غور کرنے والے کو یہ وقفے صاف بتا رہے ہیں، کہ یہ تینوں مرات تین اوقات میں ہیں ایک ہی وقت میں نہیں ہیں

صحیح احادیث میں اس تصریح مفصل موجود ہے، جن میں سے بعض احادیث کو فاضل مجیب نے نقل بھی کیا ہے، ان میں سے بعض احادیث تو اتنی واضح ہیں، کہ اس میں کوئی تاویل کی گنجائش نہیں ہے، چنانچہ احمد، ابو یعلیٰ وغیرہ میں صحیح روایت سے اس طرح ہے، کہ طلق رکانۃ بن عبد یزید امرأتہ ثلاثا فی مجلس واحد فحزن علیھا حزنا شدیدا فسالہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کیف طلقتھا قال ثلاثا فی مجلس واحد فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما تلک واحدۃ فارتجعھا الحدیث

اس قسم کی صاف اور واضح حدیثوں کے بعد کس مومن کی مجال ہے، کہ انکار کردے اور تاویل کی راہیں تلاش کرے، چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کو فتح الباری میں نقل کرتے ہیں اور اس کے بعد فرماتے ہیں۔ ھذا الحدیث نص فی المسئلۃ لا یقبل التاویل۔

خود امام ابو حنیفہ اور دوسرے اماموں کا قول موجود ہے، کہ جب کوئی حدیث مل جائے،

تو میرے قول کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کرو، اور کیوں نہ ہو جب کہ قرآن مجید ناطق ہے۔ وما کان لمؤمن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امراان یکون لھم الخیرۃ الایۃ

جو لوگ حضرت عمرؓ کے فیصلہ سے استدلال کرتے ہیں، ان کو یہ غور کرنا چاہیئے، کہ تمام اہل سنت والجماعت کا متفق علیہ قول ہے، کہ قرآن واحادیث صحابہ کرام کے فتاوے پر مقدم ہے، جب کوئی حکم صریح طور پر قرآن اور حدیث میں موجود ہو، تو صحابہ کے قول سے فیصلہ کرنا، اور استدلال کرنا بہتر نہیں، پھر اس مسئلہ میں یہ کس طرح درست ہو گا، کہ قرآن وحدیث کے ہوتے ہوئے حضرت عمرؓ کے فیصلہ پر عمل کرنے لگیں۔

بعض اس وہم میں مبتلا ہیں، کہ حضرت عمرؓ کے فیصلہ پر تمام صحابہ کرام کا اجماع ہو گیا تھا، مگر یہ بات عقل سے کس قدر بعید ہے، کہ حضرت ابن عباسؓ جو مکہ کے مفتی رہ چکے ہیں، وہ حضرت عمرؓ کے بہت دنوں بعد تک مکہ میں مسند افتاء پر فائز تھے، وہ حضرت عمرؓ کے خلاف حدیثیں روایت کریں، اور دوسرے صحابہ حضرت عمرؓ کے فیصلہ پر متفق ہو جائیں، یہی وجہ ہے کہ مدینہ کے مفتی حضرت ابن مسعودؓ اور ان کے علاوہ بڑے بڑے صحابہؓ کا مسلک یہی رہا ہے، کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوں گی جیسے حضرت علیؓ حضرت عبدالرحمن بن عوف، عطاء، طاؤس وغیرہ،

علاوہ ازیں ایک حق پرست کے لئے صرف یہ کافی ہے، کہ وہ یہ دیکھے، کہ قرآن و حدیث میں کیا موجود ہے، کس نے کیا کہا، اور کتنے اس کو کیا کہہ رہے ہیں، یہ حق کی کسوٹی نہیں ہے، حق کی کسوٹی دلائل ہیں، اور صرف قرآن وحدیث کے نصوص قطعیہ

جو لوگ تفقہ کا ادعاء کرتے ہیں، وہ اس پر کبھی غور نہیں کرتے ہیں، کہ زوجین کی تفریق ابدی کے لئے ایک ہی بار طلاق دینا کافی کیوں نہیں سمجھا گیا، تین بار موقعہ کیوں دیا گیا، اس میں کون سی مصلحت اور حکمت ہے، ظاہر ہے، کہ انسان قوت غضبیہ اور جذبات سے کبھی مغلوب ہو جاتا ہے، رشتہ دائمی محض ایک بار کے بے سوچے سمجھے فیصلہ سے کاٹ دیا جائے، تو کس قدر حرج ہو گا، اور زوجین کی زندگی کس قدر تلخ ہو جائے گی، یہی وجہ ہے، کہ حکیم اکبر نے تین بار موقعہ دیا ہے، کہ تم سوچو، اور بار بار سوچ کر قطعی فیصلہ آخر میں کر لو، یہ تیسرا فیصلہ تمہارا قطعی فیصلہ ہو گا، پھر اس کے بعد تم کو کبھی بھی موقعہ نہیں دیا جائے گا۔

یہ بات کس قدر مضحکہ خیز ہے، کہ کوئی ناواقف غصہ میں یا جذبات سے مغلوب ہو کر

اپنی بیوی سے کہدے "کہ میں نے تم کو تین طلاقیں دے دیں" اس کے دس منٹ کے بعد اس کا غصہ فرو ہوجاتا ہے، وہ اپنے کہنے پر نادم ہے، اپنے معصوم اور ننھے بچوں کو دیکھتا ہے، اور پھر اپنی راحت جان بیوی کی وضعداری کو یاد کرتا ہے، تو فوراً کسی فقیہ کے پاس آتا ہے، وہ فقیہ یہ جواب دیتے ہیں، کہ یہ بیوی تمہارے لئے ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی البتہ تم "حلالہ" کرالو، تو وہ تمہارے نکاح میں آسکتی ہے، وہ غریب اپنے بچوں اور بیوی کے تعلقات کو دیکھتا ہے، اپنی اور اپنی رفیقہ کی زندگانی کی تباہی نظر کے سامنے آجاتی ہے، یہ سوچتے ہی اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل جاتی ہے، ناچارہ وہ اس فقیہ کے بناوٹی فتوی "حلالہ" (جو حقیقت میں فحش کاری دیوثی ہے) پر آمادہ ہوجاتا ہے، غور کیجئے، کہ کیا شریعت حقہ عقل و فہم سے اس قدر بعید ہے؟ کیا اسلام اس عصمت ریزی کو پسند کرتا ہے؟

اصل بات یہ ہے، کہ فقہاء نے طلاق کے اصل مسئلہ کے سمجھنے میں کوتاہی کی ہے اور جب انہیں اس معاملہ میں دشواری نظر آئی، تو انہوں نے "حلالہ" کی اجازت دے دی جو شریعت میں قطعاً حرام ہے، اور جس کے کرنے والے پر اللہ اور اس کے رسول نے لعنت بھیجی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

کوئی ان فقیہوں سے یہ نہیں پوچھتا ہے، کہ حضرت آپ کے یہاں یہ مسئلہ ہے، کہ جو شخص یوں قسم کھائے، کہ "احلف باللہ ثلاثا" تو آپ یہ فتوی دیتے ہیں کہ اس کی قسم ایک ہی شمار ہوگی، حالانکہ لفظ "ثلاثا" کا معنی "تین" آتا ہے، اور جب کوئی اپنی بیوی کو کہہ دے "طلقتك ثلاثا" تو اس کی طلاق تین کیوں شمار ہوں گی! دونوں جگہ "ثلاثا" ایک جگہ "ثلاثا" سے آپ "واحدا" مراد لیتے ہیں، اور دوسری جگہ "ثلاثا" سے "ثلاثا" مراد لیتے ہیں۔

دوستو! خدا اور اس کے رسول کا حکم موجود ہے، اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہم سب کے لئے ذریعہ نجات ہے، اس کے علاوہ جتنے قول اور باتیں ہیں، وہ سب خرافات اور گمراہ کن ہیں۔ الحذر! الحذر!!

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

محمد ظہور رحمانی رجوروی۔ مدرس دار العلوم احمدیہ سلفیہ

لہریا سرائے دربھنگہ۔

تین طلاقیں اور حنفی مذہب

ازقلم حضرت خطیب الہند مولانا محمد صاحب جوناگڈھی رحمۃ اللہ علیہ

اہلحدیث تو اس صحیح حدیث کے مطابق جو مسلم وغیرہ میں ہے، کہ تین طلاقیں ایک ساتھ دی ہوئیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک ہی شمار کی جاتی تھیں، اور اس حدیث کے مطابق جو ترمذی ابوداؤد وغیرہ میں ہے، کہ حضور نے ایسی تین طلاقوں والی ایک صحابیہ کے بارے میں اس کے خاوند کو لوٹا لینے کا حکم دیا تھا اپنا مذہب یہ رکھتے ہیں، کہ ایسی حالت میں عدت کے اندر رجوع کا، اور بعد عدت اگر میاں بیوی رضامند ہوں، تو نئے نکاح سے بسنے کا اختیار ہے

لیکن حنفی مذہب کہتا ہے، کہ ایسی صورت میں بھی جب تک وہ عورت دوسرے مرد سے نکاح اور مجامعت نہ کرے، اگلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہو سکتی، کہنے کو تو یہ ایک مسئلہ کہہ گئے، لیکن پھر مشکلات جو سامنے آئیں، تو کیا کیا مسائل ایجاد کرنے پڑے، انہیں دیکھئے، میرا تو خیال ہے، کہ جو حیلے اس کے لئے ایجاد کئے گئے ہیں، وہ جہاں بے دلیل بلکہ قرآن و حدیث کے خلاف ہیں، وہاں مہذب انسان اور متمدن دنیا کے ماننے کے قابل بھی نہیں ہیں، خیال فرمایئے:-

(۱) درمختار مصری جلد دوم ص ۵۸۴ میں لکھتے ہیں:- اس کے لئے ایک بہترین لطیف حیلہ یہ ہے، کہ اس عورت کا نکاح کسی قریب بلوغت غلام سے کر دیا جائے، اور دو گواہ کر لئے جائیں، جب وہ دخول کرے۔ تو اس عورت کی ملکیت میں اس غلام کو کر دے تو نکاح باطل ہو جائے گا، پھر وہ عورت اس غلام کو کسی اور شہر میں بھیجدے تاکہ یہ معاملہ پوشیدہ رہے، لیکن اس عورت کا ولی بھی اس نکاح پر رضامند ہونا چاہیئے

(۲) صفحہ ۵۸۶ پر لکھتے ہیں، کہ گو اس شرط پر نکاح کرنا، کہ میں تجھ سے نکاح کرتا ہوں، اس لئے کہ اگلے خاوند پر حلال ہو جائے، ہے تو مکروہ تحریمی لیکن اگر ایسا کرے، تو عورت اپنے اگلے خاوند کے لئے حلال ہو جائے گی۔

(۳) پھر لکھتے ہیں، کہ اگر یہ بات زبان پر نہ لائے جائے صرف دل ہی دل میں سطے شدہ رہے، تو کچھ کراہیت بھی نہیں، بلکہ اس صورت میں اس شخص کو خدا کی طرف سے بھی

اجر ملے گا۔

(۴) پھر صفحہ ۵۰۷ میں لکھتے ہیں، کہ ایک لطیف حیلہ اس کا یہ ہے، کہ نکاح کرنے والا کہے اگر میں تجھ سے نکاح کر کے مجامعت کروں، تو تجھے طلاق بائن ہے۔

(۵) یا یہ شرط کرے، کہ اگر میں تجھے نکاح کر کے تین دن سے زیادہ رکھوں، تو تجھ پر طلاق بائن ہے۔

(۶) ایک اور صورت یہ ہے، کہ عورت کہے۔ میں تجھ سے نکاح کرتی ہوں، اس شرط پر کہ میرا اختیار میرے ہاتھ میں ہوگا یعنی جب میں چاہوں، اپنے تئیں طلاق دے دوں (میں نے عربی کی عبارتیں بخوف طوالت چھوڑ دی ہیں) یہ صورتیں تو آپ نے پڑھ لیں، اب ان حدیثوں پر بھی ایک نظر ڈالئے:۔

حضور اکرم فرماتے ہیں لا طلاق قبل نکاح یعنی نکاح سے پہلے طلاق نہیں (شرح السنۃ) اور حدیث میں ہے لا طلاق فیما لا یملک یعنی جس چیز کا مالک نہ ہو اس میں طلاق نہیں (ترمذی وغیرہ) اور حدیث شریف میں ہے۔ لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المحلل والمحلل لہ۔ یعنی اس شخص پر جو کسی کی بیوی سے اس لئے نکاح کرے، کہ وہ اس پر حلال ہو جائے۔ اس پر اور جس کے لئے یہ کیا گیا ہے، اس پر دونوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے (ابن ماجہ وغیرہ) پھر نکاح سے پہلے کی طلاق اور اس کی شرطیں، اور ایسا کرنے اور کرانے والا ملعون، اور پھر خود حدیث میں اس سے چھٹکارے کی بہترین صورت یعنی ان تین کو ایک گن لینے کی موجود۔ اب میں اپنے زمانے کے مقلدین احناف سے پوچھتا ہوں کہئے آپ کی طبیعت ان مسائل کی طرف جھکتی ہے، جو فقہاء نے بیان فرمائے ہیں، یا ان کی طرف جو حدیث میں آئے ہیں؟ میں تو آپ کو خیر خواہانہ مشورہ دوں گا کہ صرف فرمان رسول کے پابند و عامل بن جاؤ، فقہاء کو اسی درجہ پر رکھو، جو ان کا ہے، جس طرح ان کا گھٹانا برا ہے، اسی طرح ان کا بڑھانا بھی برا ہے، فقہ کی کتابیں کچھ خدائی کتابیں تو ہیں ہی نہیں جو غلطی سے پاک و صاف ہوں، مجتہد اور ائمہ کچھ نبی تو نہیں، جو وہ معصوم محض ہوں، گو ائمہ اپنی غلطی پر بھی ثواب پائیں، لیکن ہم آپ حدیث کے خلاف کسی کی مان کر خدا کے ہاں کیا منہ دکھائیں گے، پس جس کا قول مطابق قول پیغمبر ہوے لو ورنہ بزرگی مسلم اور قول نامسلم حنفی عالمو! خدارا میری نصیحت پر عمل کرو۔ اس غلط مسئلہ کو اور ان حیلوں کو چھوڑ دو، اور حدیث کے مسئلہ

کو بر حق مان لو۔

لایا تو ہے نصیب ہمیں کیسے یار تک دیکھیں گذر ہو یا نہ ہو اس گلعذار تک

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں، کہ ابو رکانہ نے اپنی بیوی ام رکانہ کو طلاق دے کر قبیلہ مزینہ کی ایک عورت سے نکاح کر لیا، پس آپ نے فرمایا، تو اپنی بیوی ام رکانہ سے رجوع کرے اس پر ابو رکانہ نے کہا، یا رسول اللہ میں تو اسے تین طلاقیں دے چکا ہوں، آپ نے فرمایا قد علمت راجعہا مجھے معلوم ہے، جاؤ تم رجوع کر لو، پھر آپ نے آیت یا ایہا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتہن پڑھی (ابو داؤد) یعنی اے نبی جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دو، تو ان کی عدت میں دو، قرآن فرماتا ہے۔ یا ایہا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتہن (پ ۲۸ سورہ طلاق آیت ۱) اس آیت کو حضور نے حضرت رکانہ رض کی طلاق کا مسئلہ بتلانے کے وقت پڑھا تھا، جس سے آیت کا صاف مطلب یہ ہوا، کہ تین طلاقیں دینے والا عدت میں باقاعدہ طلاق دیا کرے، یعنی ہر طہر میں بلا مجامعت حیض کے بعد ایک طلاق، وکہ تینوں طلاقیں ایک ساتھ، خود قرآن اور جگہ فرماتا ہے الطلاق مرتان یعنی طلاق دو مرتبہ ہے، پھر فرمایا۔ فان طلقہا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ۔ یعنی پھر اگر طلاق دے دے، تو اب اسے اس عورت سے نکاح کرنا حلال نہیں ہے، جب تک کہ وہ دوسرے کے نکاح میں نہ چلی جاوے (پھر وہ دوسرا مر جائے، یا اپنی خوشی سے الگ کر دے) پس ثابت ہوا، کہ پہلی دو طلاقیں ایسی ہیں جن میں رجوع کا اور بلا کسی اور کے نکاح میں گئے طلاق دینے والے کے نکاح میں چلے جانے کا اختیار باقی ہے، چنانچہ دو طلاقوں کے ذکر کے بعد فرمایا۔ فامساک بمعروف او تسریح باحسان۔ یعنی ان دو طلاقوں کے بعد یا تو اچھائی سے رکھے یا عمدگی سے چھوڑ دے، اور آیت میں ہے۔ وبعولتہن احق بردھن فی ذلک ان ارادوا اصلاحا یعنی عدت کے اندر اندر ان کے خاوند کو ان کے لوٹا لینے کا پورا پورا حق حاصل ہے، پس یہ ہے تین طلاقیں دینے کا شرعی قاعدہ، حضور کے زمانے میں جس نے اس کا خلاف کیا تھا، اس پر آپ ناراض ہوئے اور فرمایا، میری موجودگی میں تم کتاب اللہ کے ساتھ کھیل کرنے لگے ہو۔

برادران احناف! آؤ میں تمہیں ایک بتاؤں، یہ تو آپ نے معلوم کر لیا، کہ حضرت

عمرؓ نے بھی اپنی خلافت کے تین سال تک یہی حکم رکھا، کہ تین طلاقوں کو جو ایک ساتھ دی جائیں ایک شمار کی جائے، پھر تین سال کے بعد کسی وحی کے ذریعہ تو یہ حکم بدلا نہیں تو آج آپ اس کو بدلا ہوا، اور سنت رسول کو نسخ شدہ کیوں مانیں؟؟ اگر حضرت عمرؓ فاروق فی الواقع اسے تین ہی جانتے تو مان لو، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بادل ناخواستہ خاموش رہے خلافت صدیقی میں بوجہ ماتحتی کے چپ رہے لیکن آخر خود مختاری کے زمانہ میں تین سال تک ایک حرام کو حلال قرار دینا کہاں تک اپنے اندر ندرت رکھتا ہے؟ آج کونسی وجہ مانع تھی؟؟ اصل بات یہی ہے جو منقول ہے، اور جسے آپ ابھی اوپر پڑھ کر آئے، کہ حضرت عمرؓ نے نہ تو شروع خلافت کے زمانے میں ایسی طلاق دینے والے پر اس کی عورت حرام سمجھی، نہ بعد از شروع خلافت حرام سمجھی، ہاں لوگوں کی حالت بدل جانے سے ایک ایسا حکم جاری کیا، جس سے وہ پھر اپنی اصلی حالت پر آجائیں، دوستو! اگر اسی پر او مراد ہے، کہ نہیں، حضرت عمرؓ نے یہ فتوے ابدالآباد کے لئے شرعی طور پر دیا ہے، تو ہم کہتے ہیں، پھر آپ اور ہم اسے کیوں مانیں، ہم فاروقی تو نہیں محمدی ہیں، ہم نے ان کا کلمہ تو نہیں پڑھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھا ہے، جس طرح حضرت عمرؓ کے اس قول کو ہم نے نہیں مانا، کہ حج میں تمتع نادرست ہے وغیرہ، اس قول کو بھی ہم کیوں نہ چھوڑ دیں؟؟ کہ ایسی تین طلاقیں تین ہی ہو جاتی ہیں، اور بھی حضرت عمرؓ کے کئی ایک مسائل ہیں، جنہیں حنفی اور اہلحدیث دونوں نے بوجہ مخالفت حدیث چھوڑ رکھا ہے، پس آؤ اس قول کو بھی اسی باعث چھوڑ دیں، اور خدا کی رخصت کو تنگی سے نہ بدلیں ے

سو ءِ ت کہ پیام باد ساند   ایں قصہ مگر صبا رساند

برادران میں مانتا ہوں، کہ بزرگوں کی بزرگی ماننا ضروری ہے، ان کی بات سرآنکھوں پر رکھنا ہم چھوٹوں کا کام ہے لیکن ذات کی بزرگی اور بات کی بزرگی میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی اور نہیں، اس لئے ہم اہل حدیث تو یہی کرتے ہیں، کہ بزرگوں کی جو باتیں خلاف حدیث پائیں، انہیں چھوڑ دیں، تاکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کی بزرگی جوں کی توں قائم رہے، سب بزرگوں کی بزرگی کریں، لیکن نہ اتنی کہ جتنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کرتے ہیں، یہی نصیحت آپ کو بھی ہم کرتے ہیں، کہ فقہائے کرام نبی نہیں جو وہ غلطی سے معصوم ہوں، امام صاحب بھی ایک مجتہد ہیں، اور خود حنفی مذہب کا اصول ہے

کہ المجتہد قد یخطی و یصیب۔ یعنی مجتہد سے غلطی ہوتی بھی ہے، اور نہیں بھی ہوتی، تو اگر مان لیں، کہ یہی مذہب فی الواقع امام صاحب کا ہے، جب بھی ہم تو درد دل سے آپ کو خیرخواہانہ دعوت دیتے ہیں، کہ اس مسئلہ میں جن جن مجتہدین اور فقہاء کے اقوال خلاف حدیث ہیں، ان سب کو چھوڑ دو، اور حدیث کو لے لو، خدا کرے یہ آواز آپ کے کانوں تک پہنچے، اور دل میں اثر کرے۔ ؎

لئے جاتا ہے نامہ بیکس بال بیکا نہ ہو کبوتر کا

اس میں شک نہیں، کہ تین طلاقیں جس عورت کو الگ الگ مطابق سنت باقاعدہ ہو چکی ہوں، اس عورت کا اگر کسی اور سے نکاح ہو جائے، پھر وہ دوسرا اپنی خوشی کسی اَن بَن کی وجہ سے چھوڑ دے یا مر جائے، تو یہ عدت پوری کر کے اپنے اگلے خاوند سے نکاح کر سکتی ہے، خود قرآن فرماتا ہے فلا تحل لہ بعد حتی تنکح زوجا غیرہ، لیکن یہ دوسرا نکاح بھی ویسا ہی ہو، جیسے پہلے تھا، نہ کہ حلالہ کا حیلہ۔

مسلم بھائیو! آؤ میں تمہیں بخاری شریف کی ایک حدیث سناؤں، جس میں حضرت عائشہ رض جاہلیت کے نکاحوں کا بیان کرتی ہیں، پھر فرماتی ہیں، کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو بھیج کر ہر طرح کے نکاح باطل کرا دئیے، بجز اس ایک نکاح کے جو آج مشہور و معروف ہے پس ظاہر ہے، کہ حلالے کا یہ نکاح بھی باطل ہے، اور نکاح کا کوئی طریقہ شرعاً نکاح کہلوانے کا استحقاق نہیں رکھتا، بجز اس ایک طریقے کے جو آج مسلمانوں میں مشہور و معروف ہے پس اے غیرت مند مسلمانو! خدا کے حرام کو حلال کر کے زنا کو نکاح نہ سمجھو، اولاً تو یہ بات خلاف شرع کہ تین طلاقیں ایک ساتھ دیں، حالانکہ یہ خلاف شرع طریقہ تھا، پھر دوسرا اخلاف یہ کیا، کہ ان تین کو تین ہی شمار کیا، حالانکہ یہ بھی خلاف شرع طریقہ تھا، پھر تیسرا اخلاف یہ کیا، کہ حلالہ کیا، حالانکہ یہ بھی خلاف شرع طریقہ تھا، چوتھا خلاف یہ کیا، کہ اسے موجب حلت سمجھا حالانکہ یہ بھی خلاف شرع طریقہ تھا، پھر ان سب سے بڑھ کر خلاف یہ ہوگا، کہ ان احادیث و دلائل کو سن کر بھی اسی پر قائم رہا جائے، اس لئے میں تو کہوں گا، کہ ابھی ابھی توبہ کر لو، اور حنفی مذہب کے اس مسئلہ کو غلط جان کر ترک کر کے اہلحدیث کے مسلک کے مطابق قرآن و حدیث کے اس مسئلہ کو مان لو، اللہ ہدایت دے آمین۔

اب آپ کے سامنے تین صورتیں ہیں، یا تو یہ کہ ایسی تین طلاقوں کو خلاف حدیث تین

شمار کر کے میاں بیوی میں حرمت کا فتوٰی دے کرامت پہ ایک بڑا بھاری بوجھ لاد دیں، اور سختی اور صعوبت تنگی اور مصیبت بے چارگی، اور شدت ہائے وائے اور مشقت کا دروازہ ان پر کھول دیں، یا مکر و فریب، دھوکہ بازی، اور حیلے نفاق و زنا کاری، حدود اللہ کے ساتھ کھیل، آیات قرآنی کے ساتھ مذاق، غیروں کا مورد طعن و تشنیع بے حیائی اور بے باکی کی انہیں تعلیم دیں، اور حلالے کی طرف راغب کریں، یا مطابق قرآن و حدیث، مطابق اجماع صحابہ، و سلف صالحین، ان کے سامنے وسعت و فسحت، آسانی اور سہولت رکھ دیں، اور کھلے الفاظ میں کہدیں، کہ تین طلاقیں ایک ساتھ دینی منع ہیں، اور اگر کوئی دے دے، تو وہ انہیں ایک شمار کر کے عدت کے اندر رجوع کا، اور بعد از عدت برضا و رغبت نئے نکاح سے بسنے کا اختیار رکھتا ہے، اللہ ہمیں اپنے رسول کا سچا تابعدار بنا دے۔ آمین۔

حنفی مذہب کے علماء کرام کا فتوٰی

کہ ایسی تین طلاقیں ایک کے حکم میں ہیں

ناظرین کرام! میں اوپر لکھ چکا ہوں، کہ حنفی مذہب کے اس غلط مسئلہ کو مصر کے حنفی چھوڑ چکے، اور انہوں نے اپنا دامن جھاڑ لیا، اب میں آپ کو بتلاؤں کہ آپ کے ہندوستان کے سمجھدار حنفی بھی اس مسئلہ سے بیزار ہو چکے ہیں، اور انہوں نے بھی اس کے خلاف اپنے فتاوے شائع کر دیے ہیں، میرے سامنے اس وقت حنفیوں کا ایک مطبوعہ رسالہ بہ نام "حق و صداقت کی عظیم الشان فتح" رکھا ہوا ہے، جس میں اسی مسئلہ پر موجودہ علمائے احناف کے فتاوے درج ہیں، اس لئے میں نے مناسب جانا، کہ ان فتووں کو ناظرین محمدی تک پہنچا دوں، اس لئے کہ اس مسئلہ کی پوری حقیقت ان کے سامنے آجائے، اور اس لئے بھی کہ اس سے ظاہر ہو جائے، کہ خدا کے فضل و کرم سے باخبر حضرات تقلید جامد کو کس طرح چھوڑ رہے ہیں، اور اس لئے بھی کہ حنفی مذہب کے دوراز عقل و نقل مسائل کو زمانہ تھپیڑیں مار مار کر کیسے چھڑا رہا ہے، ہم اپنے زمانے کے بیدار مغز، زمانہ شناس حنفی علماء کو مزید توجہ دلاتے ہیں، کہ اسی طرح وہ لوگوں کو کتب فقہ کے ایسے مسائل کی قید و بند سے رہائی دلائیں، اور قرآن و حدیث کے ماتحت انہیں لوگوں کے مقرر کردہ قوانین کی مشکلات سے آزادی عطا فرمائیں، اس رسالہ کی عبارت مع سوال و جواب ملاحظہ ہو۔

سوال: - کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ ایک حنفی نے اپنی عورت کو سات طلاقیں مجلس واحد میں دیں، اہلحدیث مذہب کے موافق اہلحدیث بن کر اس نے اپنا نکاح ثانی کرایا، کیا اس کا نکاح مذہب حنفی میں جائز ہے یا نہیں؟

(۲) عامی رجاہل، آدمی اپنے آپ کو حنفی کہلا سکتا ہے یا نہ۔ بینوا توجروا۔

الجواب: - طلاق مذکورہ میں اہل سنت والجماعت میں اختلاف ہے حنفیہ تین طلاق کے وقوع کے قائل ہیں حافظ ابن تیمیہ رح نے بعض حنفیہ سے ایک طلاق کا ہونا نقل کیا ہے، مثل محمد بن مقاتل (فتاوی ابن تیمیہ رح جلد ثالث ص۱۷) وهو قول محمد بن مقاتل الرازي من ائمة الحنفية. یعنی حنفی مذہب کے اماموں میں سے امام محمد بن مقاتل رازی کا بھی یہی مذہب ہے، اور فرقہ اہلحدیث اور اہل ظاہر اور ایک جماعت حنفیہ اور مالکیہ اور حنابلہ اور امام جعفر صادق رض اور امام محمد باقر اور دیگر اہل بیت تین کے وقوع کے قائل ہیں اسی طرح حضرت علی رض اور حضرت ابن مسعود رض سے مروی ہے۔ وقال آخرون (في طلاق البدعة) لا يقع مثل طاؤس وعكرمة وخلاس وعمر ومحمد بن اسحاق وحجاج بن ارطاة واهل الظاهر كداؤد واصحابه وطائفة من اصحاب ابي حنيفة ومالك یعنی دوسری جماعت کہتی ہے، کہ ایسی تین طلاقیں تین نہیں ہوتیں طاؤس، عکرمہ، خلاس، عمر، محمد بن اسحاق، حجاج بن ارطاۃ، اور ظاہری مذہب والے یعنی داؤد اور ان کے ساتھی، اور امام ابوحنیفہ کے ساتھیوں کی ایک جماعت کا بھی یہی مذہب ہے، اور امام مالک اور امام احمد کے ساتھیوں اور شاگردوں کا بھی یہی مذہب ہے۔

مولانا عبدالحی صاحب مرحوم لکھنوی نے شرح وقایہ کے حاشیہ پر لکھا ہے، کہ امام مالک کا بھی ایک قول یہی ہے۔ القول الثاني انه اذا طلق ثلاثا تقع واحدة رجعية وهذا هو المنقول عن بعض الصحابة وبه قال داؤد الظاهري واتباعه وهو احد القولين لمالك وبعض اصحاب احمد (ص ۷۰ جلد ثانی حاشیہ شرح وقایہ) یعنی قول ثانی یہ ہے، کہ تین طلاقیں ایک ساتھ دینے سے ایک ہی پڑتی ہے، اور عدت کے اندر رجوع کر لینے کا حق حاصل رہتا ہے، یہی منقول ہے بعض صحابہ سے، اور یہی ہے قول امام داؤد ظاہری اور ان کے تبعین کا اور امام مالک اور بعض اصحاب امام احمد کے دو قولوں میں سے ایک قول یہی ہے۔

حنفی کا اہلحدیث ہونا، اور اہلحدیث بن کر نکاح کرنا بروایت شامی صحیح ہے۔ حکی ان رجلا من اصحاب ابی حنیفۃ خطب الی رجل من اصحاب الحدیث ابنتہ فی عہد ابو بکر الجوزجانی فابی الا ان یترک مذہبہ فیقرآ خلف الامام و یرفع یدیہ عند الانحطاط و نحو ذلک فاجابہ فزوجہ فقال الشیخ بعد ما سئل عن ہذہ و اطرق رأسہ النکاح جائز (شامی باب التعزیر ص ۲۹۴) چونکہ اس شخص نے مذہب حنفی کی توہین کی ہے، اس واسطے اس پر دس آدمی کا کھانا کھلانا تاوان [illegible] مقرر کیا جاتا ہے (عربی عبارت کا مطلب یہ ہے، کہ ایک حنفی نے ایک اہلحدیث کے ہاں نکاح کرنا چاہا، تو اس نے [illegible] شرط نکاح کیا، کہ آج سے وہ حنفی اہلحدیث بن جائے یعنی امام کے پیچھے الحمد پڑھے، اور رفع یدین [illegible] وغیرہ، یہ واقعہ ابوبکر جوزجانی کے وقت کا ہے، شیخ سے جب اس مسئلہ کا سوال کیا گیا، تو [illegible] ز [illegible] ہے۔

(۳) عامی شخص کا کوئی مذ[illegible] واسطے اس کا حنفی کہلانا ایسا ہے جیسے کوئی بلا نحو پڑھے [illegible] نحوی کہلوائے۔ قلت وایضا قالوا العامی لا مذہب لہ بل مذہبہ مذہب مفتیہ وعللہ فی شرح التحریر بان المذہب انما یکون لمن لہ نوع نظر واستدلال وبصر بالمذہب علی حسبہ او لمن قرأ کتابا فی فروع ذلک المذہب وعرف فتاوی امامہ واقوالہ واما غیرہ ممن قال انا حنفی او شافعی لم یصر کذلک بمجرد القول کقولہ انا فقیہ او نحوی (شامی باب التعزیر) یعنی عام لوگوں کا کوئی مذہب نہیں، ان کا مذہب تو صرف ان کے مفتی کا مذہب ہے، وجہ یہ ہے، کہ مذہب اس کا ہوتا ہے، جو اپنے مذہب میں قدرے غور و خوض، اور استدلال کی قابلیت رکھتا ہو، یا اپنے مذہب کی کتاب پڑھے ہوئے ہو اور اپنے امام کے فتووں اور اس کے اقوال کو جانتا ہو، باقی جو شخص ایسا نہ ہو، اور کہے کہ میں حنفی یا شافعی ہوں، تو وہ دراصل حنفی یا شافعی بن نہیں جاتا، جیسے کہ وہ یہ دعویٰ کرے، کہ میں فقیہ ہوں یا نحوی ہوں، تو فقیہ اور نحوی بن نہیں سکتا۔ اس صورت میں تو عامی پر تاوان بھی ہے، اس کو جماعت سے روکنا حرام ہے، اور قطع تعلق کرنا ناجائز ہے

حررہ خادم العلماء حکیم محمد قاسم الدین حنفی نقشبندی از جوال ۲۲ رجب سنہ ۱۳۵۰ھ

عبد الغفور (مولوی فاضل) خادم العلماء عطاء محمد از جہادریاں

سوال کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل مندرجہ ذیل میں:۔ کہ زید حنفی المذہب نے اپنی بیوی ہندہ کو ایک مجلس میں بحالت غیظ و غضب دمرض بیک زبان تین طلاقیں دے دیں، پھر پچھتایا اور نادم ہوا، کہ گھر ویران اور بچے دربدر ہو جائیں گے، اشد ضرورت میں مفتی اہلحدیث سے فتویٰ طلب کیا، چنانچہ مفتی مذکور نے اس کو فتویٰ دیا، کہ یہ ایک ہی طلاق واقع ہوئی ہے، زید نے رجوع کر لیا، اس پر بعض ایسے علماء نے جن کی رائے یہ نہ تھی، مفتی اہلحدیث پر انقطاع تعلقات کا فتویٰ دیا، اور عوام میں اس امر کو مشہور کیا، کہ یہ کافر ہے، آیا یہ فتویٰ صحیح ہے، کہ اس مسئلہ کی بنا پر مفتی اہلحدیث قابل مقاطعہ اور اخراج از مسجد ہے، نیز آیا حضرات ائمہ متقدمین و ائمہ ہدیٰ میں سے بھی کوئی اس کا قائل تھا یا نہیں؟

(۲) **سوال دوم**:۔ فروعی مسائل میں اختلاف کی وجہ سے زید عمرو کو مسجد میں آنے سے روکتا ہے، اور جنازہ وغیرہ میں شرکت سے مانع ہوتا ہے، اور لوگوں سے کہتا ہے کہ عمرو بکر وغیرہ سے ملنا جلنا، اور اس کے ساتھ کھانا پینا حرام ہے۔

فروعی مسائل میں اختلاف کی بنا پر محدثین کرام، اور ائمہ دین عظام کے حق میں سخت بے ادبی و ہتک آمیز کلمات کہتا ہے، لہٰذا ایسے زید کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب بعض سلف صالحین اور علمائے متقدمین میں سے اس کے بھی قائل ہیں کہ صورت مرقومہ میں ایک ہی طلاق پڑتی ہے، اگرچہ ائمہ اربعہ میں سے یہ بعض نہیں ہیں، لہٰذا جن مولوی صاحب نے مفتی اہلحدیث پر جو فتویٰ دیا ہے، یہ غلط ہے، اور مفتی اہلحدیث

ا؎ مفتی صاحب کو شاید یہ خیال نہیں رہا، کہ ائمہ اربعہ میں سے بعض کا قول ایسی طلاق پر واحد رجعی کا بھی ہے، مولانا عبد الحی صاحب لکھنوی حاشیہ شرح وقایہ میں فرماتے ہیں۔ القول الثانی انہ اذا طلق ثلاثا تقع واحدۃ رجعیۃ وھذا ھو المنقول عن بعض الصحابۃ وبہ قال داؤد الظاھری واتباعہ وھو احد القولین لمالک ولبعض اصحاب احمد رح۔ مجلد ثانی حاشیہ شرح وقایہ)

مطلب یہ ہے، کہ امام مالک کے دو قولوں میں سے ایک قول یہی ہے، کہ تین طلاقیں جو بیک وقت دی جائیں، وہ دراصل شمار میں ایک ہی ہوگی، اور عدت کے اندر رجوع ہو سکتا ہے، بلکہ اور ائمہ کا بھی یہی قول ہے، جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے ۱۲ محمد

پس اس اختلاف کی بنا پر کفر و مقاطعہ و اخراج از مسجد کا فتوی غیر صحیح ہے، بوجہ شدت ضرورت و خوف مفاسد کے اگر طلاق ثلاثہ دینے والا ان بعض علماء کے قول پر عمل کرے گا، جن کے نزدیک اس واقعہ مرقومہ میں ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے، تو خارج مذہب حنفی سے نہ ہوگا، کیونکہ فقہار حنفیہ نے بوجہ شدت ضرورت کے دوسرے امام کے قول پر عمل کر لینے کو جائز لکھا ہے۔

(۳) فرعی مسائل میں اختلاف کی وجہ سے زید کا عمرو کو مسجد میں آنے سے روکنا اور نماز جنازہ وغیرہ میں شرکت سے مانع ہونا ناجائز ہے، اور اسی فروعی اختلاف کی وجہ سے بعض علمائے محدثین یا دیگر علماء کی توہین کرنا سخت کبیرہ گناہ ہے، اور توہین کرنے والے زید وغیرہ کے لئے چاہیئے، کہ بہت جلدی توبہ کرلیں　　(دستخط مہر)

(مہر دارالافتاء مدرسہ امینیہ دہلی)

حبیب المرسلین عفی عنہ۔ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے تینوں طلاقیں پڑ جانے کا مذہب جمہور علماء کا ہے اور ائمہ اربعہ اس پر متفق ہیں، اور ائمہ اربعہ[1] کے علاوہ بعض علماء اس کے قائل ضرور ہیں کہ ایک رجعی طلاق ہوتی ہے، اور یہ مذہب اہلحدیث نے بھی اختیار کیا ہے، اور حضرت ابن عباس اور طاؤس اور عکرمہ اور ابن اسحٰق سے منقول ہے، پس کسی اہلحدیث کو اس حکم کی وجہ سے کافر کہنا درست نہیں، اور نہ وہ قابل مقاطعہ اور نہ مستحق اخراج عن المسجد ہے۔

ہاں حنفی کا اہل حدیث سے فتوی حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا، تو یہ باعتبار فتوے ناجائز تھا، لیکن اگر وہ بھی مجبوری اور اضطرار کی حالت میں اس کا مرتکب ہوا، تو قابل درگذر ہے۔

سوال:۔ شرع شریف میں حلالہ کس کو کہتے ہیں، ہمارے بعض علاقوں میں مروجہ حلالہ عمل میں لاتے ہیں، کسی کے لئے حلالہ کرتے ہیں، بعض مفتی اس پر جواز کا فتوی دیتے ہیں آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے، تو حدیث لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المحلل والمحلل لہ کا کیا مطلب ہے؟

الجواب:۔ حلالہ مطلقہ عورت کسی دوسرے خاوند سے نکاح کرنے، اور پھر اس سے طلاق یا موت زوج کی وجہ سے علیحدہ ہو کر پہلے زوج مطلق کے لئے حلال ہو جاتی ہے، اس کا نام

---

[1] ائمہ اربعہ میں سے امام مالک کا بھی ایک قول ہے، کہ طلاق رجعی پڑتی ہے جیسا کہ مولانا عبدالحی صاحب حنفی لکھنوی نے اختلاف ائمہ شرح وقایہ صـ ۶۷ ج ۲ پر ذکر فرمایا ہے اور دیگر ائمہ کا بھی یہ فتوی ہے۔ جیسے کہ اس میں تفصیل گذر چکی ہے ۱۲

ہے، لیکن زوج اول یا زوجہ یا اس کے کسی ولی کی طرف سے زوج ثانی سے یہ شرط کرنی، کہ وہ طلاق دے دے، اور زوج ثانی کا اس شرط کو قبول کر کے نکاح کرنا یہ حرام ہے، اس میں فریقین پر لعنت کی گئی ہے، حدیث جو سوال میں مذکور ہے، اس کا مطلب یہی ہے، کہ تحلیل کی شرط کر کے نکاح کرنا موجب لعنت ہے (نکاح محمدی ص ۱۷-۸۰)

محمد کفایت اللہ عفا عنہ ربہ۔ مدرسہ امینیہ دہلی

(منقول از اخبار الجمعیۃ، دہلی جلد ۲۲/۱۴ مورخہ ۶ رشعبان المعظم سنہ ۱۳۵۰ھ - ۱۶ر دسمبر سنہ ۱۹۳۱ء)

طلاق کا مسئلہ

ہفتہ دو ہفتہ میں ایک بار یہ واقعہ ضرور سامنے آتا ہے، کہ کوئی مسلمان غصہ میں یا بغیر غصہ کے ہی بھی ایک جلسہ میں تین بار طلاق دیتا ہے، یا حمل یا ماہواری کے زمانہ میں طلاق دیتا ہے، تو ان تمام حالتوں میں بعض مولوی طلاق بائن کا فتوی لگا دیتے ہیں، جو بالکل غلط ہوتا ہے، چند باتیں یاد رکھیئے:-

(۱) غصہ کی طلاق سرے سے طلاق ہوتی ہی نہیں، لہٰذا رجوع کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۲) ماہواری کے ایام میں بھی طلاق، طلاق نہیں ہوتی۔ طہر کی حالت شرط لازمی ہے۔

(۳) اگر ایک صحبت میں تین طلاقیں دے، تو وہ ایک طلاق رجعی مانی جائے گی، رجعی سے یہ مطلب ہے، کہ شوہر اس طلاق کو واپس لے کر، پھر میاں بیوی کے تعلقات قائم کر سکتا ہے۔

(۴) اگر بذریعہ خط طلاق دی ہے، تو خواہ مضمون میں کیسی ہی سختی اختیار کی گئی ہو، تو ایک ہی رجعی طلاق مانی جائے گی، جسے واپس لیا جا سکتا ہے، نیز خط کا مضمون بالکل اس طرح صاف ہو، کہ میں فلاں بنت فلاں کو طلاق دیتا ہوں (خط غصہ میں نہ لکھا ہو، اور حالت طہر میں پہنچے۔

(۵) اگر رجوع کرنے میں اتنی دیر کی، کہ عدت کی مدت سے زیادہ وقت گذر گیا تو ایسی حالت میں تجدید نکاح کا حق ہے، یعنی دو گواہوں کے سامنے ایجاب و قبول ہو جائے، اگر عورت دور

ہے، تو تجدید نکاح بغیر سفر کئے بذریعہ وکیل کیا جا سکتا ہے

(۶) ایک اور اصولی بات یاد رہے، کہ اگر طلاق کے شرعی طریقہ میں کوئی شبہ کی بات ہے، تو شبہ کا فائدہ طلاق کے خلاف ہوگا، نہ کہ طلاق کے حق میں۔

(حافظ علی بہادر خان (ایڈیٹر روزنامہ ھلال نو بمبئی)

اخبار ھلال نو ۱۱ دسمبر ۱۹۵۳ء

ایک وقت کی تین طلاقیں اور حنفی علماء کا فتویٰ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں، اور تیسری طلاق دینے کے ساتھ ہی ساتھ یہ کہا کہ میں تیسری طلاق تاکید کے ساتھ دے رہا ہوں، کیا اس صورت میں زید رجوع کر سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب صورت مسئولہ میں اس کی تصدیق فیما بینہ وبین اللہ کی جائے گی جیسا کہ در مختار میں ہے۔ لفظ الطلاق وقع الکل وان نوی التاکید دین

اس قول کی بنا پر زید اپنی بیوی سے رجوع کر سکتا ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

سید حفیظ الدین احمد غفر لہ۔ امام مسجد رنگریزاں، باڑہ دھلی

اگر تیسری طلاق تاکید کی نیت سے دی تھی، تو تین طلاقیں عند اللہ نہ ہوں گی، اور خاوند رجوع کر سکتا ہے، مگر اس کو کوئی یہ حکم نہیں دے سکتا۔

مہر دار الافتاء مدرسہ امینیہ اسلامیہ دھلی

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دھلی

مطبوعہ در اخبار اھل حدیث دھلی ۱۵ نومبر ۱۹۵۱ء

س:۔ ایک لڑکی شادی شدہ ہے، اور عرصہ چار پانچ سال سے اس کا خاوند مفقود الخبر ہے آیا لڑکی مذکورہ کا نکاح ثانی ہو سکتا ہے یا نہیں؟

ج:۔ چار سال بعد حسب فتوی عدت گذار کر نکاح ثانی کر سکتی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہی فیصلہ ہے، فقہ کی معتبر کتاب رد المحتار میں لکھا ہے، کہ بوقت ضرورت اس پر عمل کرنا جائز ہے (۱۳ مئی سنہ ۳۲ء)

شرفیہ:۔ یہ صحیح ہے، کہ حضرت عمر رض کا فیصلہ یہی ہے، کہ مفقود الخبر کی زوجہ چار سال گذار کر پھر عدت وفات گذار کر نکاح ثانی کرے، مگر یہ چار سال کب سے گذارے، جب سے

مقدمہ حاکم کے پاس لے جائے، جب سے چار سال گذارے، اس سے قبل کا اعتبار نہ ہوگا، جیسے عام لوگ بلا تفصیل فتوے دے دیا کرتے ہیں۔ قال عبد الرزاق اخبرنا الثوری عن یونس بن خباب عن مجاھد عن الفقید الذی افقد قبل حخذت الشعب فاستھوتنی الجن فمکثت اربع سنین منذ رفعت امرھا الیہ الحدیث ورواہ ایضا ابن ابی شیبۃ (التلخیص الحبیر ص ۳۲۹ ج ۲)

مذاکرۂ علمیہ قابلِ توجہ علماءِ ابرار

(متعلق نکاح زوجہ مفقود الخبر)

از جناب مولوی محمد ابراھیم صاحب میر سیالکوٹی

جوں جوں لوگوں کے اخلاق وعادات بگڑتے جاتے ہیں، تمدنی معاملات، اور خانگی تعلقات کی صورت بھی بگڑتی جاتی ہے، دماغی روشنی اور علمی ترقی تو بے شک بہت ہے لیکن عملی حالات جن کا مدار قلبی صلاحیت پر ہے بہت پستی میں ہے، خصوصا مسلمان جس نے زمانہ شناسی اور مصلحت بینی کے ساتھ ہی اپنی مذہبی حالت کو بھی کمزور کر دیا ہے، اخلاق بہت گر گئے ہیں، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعثت کے مقاصد میں سے بڑا مقصد یہ قرار دیتے ہیں، کہ میں مکارم اخلاق کے پورا کرنے کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں اور نیز فرماتے ہیں خیرکم خیرکم لاھلہ (ترمذی) یعنی تم میں کا بہتر وہ ہے، جو اپنے اہل سے نیک سلوک کرتا ہے، اور نیز بقرعید کے دن مقام منی میں جو خطبہ مجمع عام میں آپ نے پڑھا تھا، اور آپ کا یہ آخری وعظ تھا، اس میں آپ نے فرمایا تھا۔ استوصوا بالنساء خیرا (بخاری) یعنی میری نصیحت کو جو عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کے متعلق ہے، دل سے قبول کرو، اور نیز فرمایا۔ ان من اکمل المؤمنین ایمانا احسنھم خلقا وخیارکم خیارکم لنسائھم (ترمذی) یعنی کامل الایمان مومنوں سے وہ ہے جو اخلاق میں اچھا ہے، اور تم میں کے بہتر وہ ہیں، جو اپنی عورتوں کے حق میں بہتر ہیں،

اس تمہید کے بعد معروض ہے، کہ زمانہ کی ایسی بری حالت کے وقت بعض ناعاقبت اندیش، بے غیرت اور نااہل لوگ اپنی جوان بیویوں کو چھوڑ کر ایسے روپوش ہو جاتے ہیں کہ نہ تو کبھی خرچ بھیجتے ہیں، اور نہ خط لکھتے ہیں، اور کسی ایسے دور دراز علاقے میں چلے جاتے

ہیں جہاں سے ان کی کوئی بھی خبر زندگی یا موت کی نہیں آتی، اور بعض ان دوسرے علاقوں میں ہی نکاح کر کے وہیں کے ہو رہتے ہیں، ان کی کس مپرس بیویاں تنہائی اور فقر و فاقہ سے ایسی تنگ آجاتی ہیں، کہ پناہ بخدا، بعض دفعہ عصمت کو بھی داغ لگ جاتا ہے، اور بہت برے واقعات رونما ہوتے ہیں، خاکسار کے پاس جس قدر معاملات بذریعہ عدالت یا بطور خود رجوع لاتے ہیں، ان میں سب سے زیادہ طلاق ثلاثہ اور مفقود الخبری کے واقعات ہوتے ہیں، جس سے دل پر نہایت گہرا اثر پڑتا ہے، کہ مسلمان لوگ عورتوں کے حق میں بہت کچھ فروگذاشت کرتے ہیں۔

اس بارے میں حنفی مذہب کا جو عام فتوی ہے، خود متاخرین حنفیہ نے اس کی مشکلات کو تسلیم کر کے امام مالک کے فتوے پر فتوی دینا جائز قرار دے دیا ہے، بلکہ علامہ عبدالحی صاحب مرحوم نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ از روے تحقیق بھی امام مالک ہی کا مذہب قوی ہے (عمدۃ الرعایہ) لیکن میں سچ کہتا ہوں، کہ زمانہ کی حالت ایسی نازک ہوگئی ہے، اور میرے پاس ایسے واقعات بھی آئے ہیں، کہ ان میں چار سال بھی ایک ناقابل برداشت مدت مدید نظر آئے، لہذا علمائے راسخین کی خدمت میں التماس ہے، کہ حالات زمانہ پر نظر کر کے اور نصوص شرعیہ کو ملحوظ رکھ کر اس مسئلہ پر نظر ڈالیں، کہ حضرت عمرؓ کا یہ فتوے کہ عورت چار سال کے انتظار کے بعد چار مہینے اور دس دن عدت کے گذار کر نکاح ثانی کرلے، فتوی دائمی تھا، یا بنا بر حالت زمانہ انتقادی تھا، کیا ہر واقعہ میں چار سال کی میعاد ضروری ہے، یا مفوض ہے الی رأی الامام۔ اور موقوف ہے علی مصلحۃ الوقت (بینوا توجروا)

اس میں کچھ شک نہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سعادت مہد میں ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا، جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصی حکم معلوم ہو جائے، جہاں تک میری نظر ہے، سب سے پہلا واقعہ تمیم داری کا ہے جس کی بیوی کی نسبت حضرت عمرؓ فاروق نے ایسا حکم دیا، اس امر کا علم کہ حضرت عمرؓ نے یہ حکم اپنے اجتہاد سے دیا یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے کہا، حضرت عمرؓ ہی کو ہوگا، لیکن اس کی تصریح آپ سے منقول نہیں، کہ آپ نے اس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا تھا، اور نہ کسی دیگر صحابی نے اس کی بابت کوئی حدیث سنائی، حضرت علیؓ وغیرہ کا قول

حضرت عمرؓ کے قول سے مختلف ہے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کچھ بھی منقول نہیں، ورنہ اختلاف اٹھ جاتا، اور بروایت دارقطنی جو حدیث حضرت مغیرہ بن شعبہ سے مرفوعاً مروی ہے، وہ باتفاق محدثین غیر ثابت وضعیف ہے (بلوغ وسبل) پس جب اس امر کی تصریح نہ قرآن مجید میں ہے، اور نہ زمان نبوی میں ایسا کوئی واقعہ ہوا، اور آثار صحابہؓ اور مذاہب مجتہدین اس میں مختلف ہیں، اور زمانہ سلف میں اس امر میں کسی ایک قول پر اجماع بھی نہیں ہوا، تو دلائل اربعہ میں سے صرف قیاس باقی رہ گیا، سو اس کی روسے کسی خاص میعاد کا تقرر حکم شرعی نہیں ہوسکتا، کیونکہ خدا تعالےٰ نے زوجات کے متعلق فرمایا ہے۔ ولا تمسکوھن ضرارا (پ ۲۔ بقرہ) نیز فرمایا، فامساك بمعروف او تسریح باحسان (پ ۲۔ بقرہ) نیز فرمایا وعاشروھن بمعروف (پ ۴۔ نساء) نیز فرمایا۔ فتذروھا کالمعلقۃ (پ ۵۔ نساء) نیز فرمایا۔ وبما انفقوا من اموالھم (پ ۵۔ نساء)

ان آیات سے امور ذیل ثابت ہوتے ہیں

(الف) زوجات کے متعلق صرف دو صورتیں جائز ہیں (۱) امساک بالمعروف، یعنے نیک سلوک سے عورت کو گھر میں بسانا (۲) یا تسریح باحسان، یعنی بغیر ضرر پہنچائے کے نیکوئی کے ساتھ چھوڑ دینا۔

(ب) تیسری صورت معلقہ کی ہے، سو ممنوع ہے، وہ یہ ہے کہ نہ آباد کرے نہ آزاد کرے

(ج) جس امساک میں عورت کو ضرر ہے وہ ممنوع ہے۔

(د) مرد کی قوامیت (سرداری) کے وجوہ میں سے ایک انفاق مال ہے۔

مفقود کی بیوی کا امساک پر ضرر ہے، اس کی حالت معلقہ کی ہے، اس کے نفقہ کا کوئی ذمہ وار نہیں ہے، لہٰذا اسے مفقود کے حق میں دائمی طور پر بیٹھے رہنے کا حکم شریعت محمدی جو عین فطرت کے مطابق، اور نہایت مناسب حالت اور با مصلحت اور آسان ہے نہیں دے سکتی، اور صاف ظاہر ہے، کہ خدا تعالیٰ نے زوجین کی آبادی میں عشرت بالمعروف مقصود رکھی ہے، اور ضرر کو پسند نہیں فرمایا، پس عورت کی حالت پر نظر کر کے لحوق ضرر کا لحاظ ضروری ہے، جس کے لئے کوئی مدت مقرر نہیں کی جا سکتی۔

چنانچہ عورت مرد کی خصومت کے وقت مرد کی عورت سے علیحدہ رہنے کی قسم کھا

لینے میں زیادہ سے زیادہ مدت جو خدا تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہے، وہ چار مہینے ہے، جس کی بنا طبعی تقاضے پر معلوم ہوتی ہے، اور اس کے بعد برے نتائج کا اندیشہ ہے، اسی لئے بعض ائمہ نے ایسے شخص کے حق میں بھی یہی فتویٰ دیا ہے، جو اپنی عورت سے بہ نیت ضرر الگ رہے، اگرچہ قسم نہ کھائی ہو، کہ چار مہینے کے بعد اس کا نکاح ٹوٹ جائے گا، یا اسے مجبور کیا جائے گا کہ عورت کے پاس جاوے یا اسے طلاق دے دے، چنانچہ شرح خمسین میں بذیل حدیث لاضرر ولاضرار علامہ ابن رجب فرماتے ہیں۔

ومنها فی الایلاء فان الله جعل من ة المولی مدة اربعة اشهر اذا حلف الرجل علی امتناع وطی زوجتہ فانہ یضرب لہ مدة اربعة اشهر فان فلو رجع الی الوطی کان ذلک توبتہ وان اصر علی الامتناع لو یمکن من ذلک ثو فیہ قولان للسلف والخلف احد هما انها تطلق علیه بمضی هذه المدة اربعة اشهر فقال کثیر من اصحابنا حکمہ حکم المولی فی ذلک وقالوا هو ظاهر کلام احمد ولکنہ قال جماعة منهم اذا ترک الوطی اربعة اشهر بغیر عذر ثم طلب صح الفرقة فرق بینهما بناء علی ان الوطی عندنا فی هذه المدة واجب واختلفوا هل یعتبر لذلک قصد الاضرار ام لا یعتبر ومذهب مالک واصحابہ اذا ترک الوطی من غیر عذر فانہ یفسخ نکاحہ مع اختلافهم فی تقدیرہ المدة و لو طال السفر من غیر عذر وطلبت امرأته قدومه فابی فقال مالک واحمد واسحق یفرق الحاکم بینهما وقدره احمد بستة اشهر واسحق بمضی سنین (صفحہ ۳۲۰ شرح خمسین حدیث)

اور بعض ضرر ایلاء کے متعلق ہیں، سو خدا تعالیٰ نے اس کا ضرر دور کرنے کے لئے مولی کی مدت چار مہینے مقرر کی ہے، یعنی جب کہ کوئی آدمی اپنی عورت سے صحبت نہ کرنے کی قسم کھالے، تو اس کے لئے چار مہینے کی مدت مقرر کی جائے، اگر اس مدت میں قسم سے رجوع کر کے وطی کرلے، تو یہ اس کی توبہ ہو جائے گی، اور اگر ترک وطی پر قائم رہے تو اسے زیادہ موقع نہیں دیا جائے گا، اس امر میں علمائے سلف اور خلف کے دو قول ہیں، ایک یہ کہ عورت بمجرد اس مدت کے گذرنے کے آزاد ہو جاتی ہے، دوسرا یہ کہ معاملہ اس امر پر موقوف کر رکھا جائے، اگر مرد باز آجائے تو بہتر ورنہ اسے طلاق کا حکم کیا جائے، اور اگر عورت کو

ضرر پہنچانے کے ارادے سے بغیر قسم کھانے کے چار مہینے کی مدت تک صحبت ترک کئے رکھے، تو ہمارے بہت سے اصحاب احناف کا قول یہ ہے، کہ اس کا حکم بھی مولی (قسم کھانے والے) کا حکم ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں، کہ امام احمد کے کلام کا ظاہر رخ یہی ہے، اور اسی طرح ان میں سے بہت سے علماء نے کہا ہے، کہ جب مرد بغیر عذر کے چار مہینے کی مدت تک وطی ترک کئے رکھے، اس کے بعد عورت جدائی طلب کرے، تو ان دونوں میں جدائی کردی جاوے۔ اس بنا پر کہ ہمارے نزدیک اس مدت میں صحبت واجب ہے، لیکن اس امر میں اختلاف ہے، کہ مقصد ضرر کا اعتبار کیا جاوے یا نہ کیا جاوے، اور امام مالکؒ اور آپ کے اصحاب کا یہ مذہب ہے، کہ اگر بغیر عذر کے وطی ترک کردے، تو اس کا نکاح فسخ ہو جاتا ہے، لیکن مدت کے اندازے میں اختلاف ہے، اور اگر بغیر عذر کے مرد سفر بہت مدت رہے، اور اس کی عورت اس کو گھر پر آنے کی بابت کہے، اور وہ انکار کرے، تو امام مالک اور امام احمد اور امام اسحاق یہ کہتے ہیں، کہ حاکم وقت ان میں تفریق کردے، اور امام احمدؒ نے تو چھ مہینے کی مدت کہی ہے، اور امام اسحٰق نے دو سال۔

اس سے صاف ظاہر ہے، کہ طبعی تقاضے کا لحاظ کرکے ائمہ کرام کی نظر مدت مدید پر نہیں پڑی، ورنہ یہ سب صورتیں زوجہ مفقود الخبر کی نسبت سہل اور قابل برداشت ہیں۔

مقدمہ نکاح ہی میں ایک مثال جس میں امور مذکورہ بالا ملحوظ ہیں زوجہ مُعسر ہے جس کی نسبت حدیث شریف میں وارد ہے۔ امرأتك ممن تعول تقول اطعمنی و الا فارقنی یعنی تیری بیوی تیرے عیال میں سے ہے، جو (بزبان حال وقال) کہتی ہے، مجھے کھانے کو دے، ورنہ چھوڑ دے۔

نیز وارد ہے۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الرجل لایجد ماینفق علی امرأته قال یفرق بینهما (منتقی) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کے حق میں جو اپنی عورت کا نفقہ ادا نہ کرسکتا ہو، یہ فرمایا، کہ ان میں جدائی کرادی جائے۔

نیل الاوطار میں بذیل حدیث اول کہا ہے۔ استدل بہ وبحدیث ابی ہریرۃ الآخر علی ان الزوج اذا اعسر عن نفقة امرأته اختارت فراقه فرق بینهما والیه ذهب جمهور العلماء کما حکاه فی فتح الباری یعنی اس حدیث سے اور دوسری حدیث سے جو حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے اس پر استدلال کیا گیا ہے، کہ جب خاوند

اپنی عورت کے نفقہ ادا کرنے سے عاجز ہو اور عورت طلاق کی طلب گار ہو تو ان میں جدائی کردی جائے، جمہور علماء کا یہی مذہب ہے، جیسا کہ حافظ صاحب نے فتح الباری میں ذکر کیا ہے۔

اس کے بعد امام شوکانی نے اختلاف علماء کا ذکر اور ہر ایک کی دلیل و جواب کا بیان کرکے کہا ہے وظاهر الادلة انه يثبت الفسخ للمرأة بمجرد عدم وجدان الزوج لنفقتها بحيث يحصل عليها ضرر من ذلك یعنی دلائل سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ بمجرد اس کے کہ خاوند عورت کا خرچ ادا کرنے سے عاجز ہو، عورت کو ضرر پہنچنے کی صورت میں عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔

مفقود کی زوجہ کو معسر کی زوجہ پر قیاس کرنا صحیح بلکہ اولیٰ ہے، لہٰذا اس کی نسبت بھی عورت کے مطالبہ کے وقت فسخ کا حکم دیا جا سکتا ہے، اور انتظار کے لئے کوئی خاص میعاد ضروری معلوم نہیں ہوتی، کیونکہ شریعت نے اس کے متعلق کوئی قید نہیں لگائی، جب شریعت نے اعسار کے وقت جب خاوند موجود بھی ہے، اور عورت کو اس سے بعض حقوق حاصل بھی ہیں، فسخ نکاح کا حکم دیا ہے تو مفقود کی بیوی اس حکم کی زیادہ مستحق ہے، کیونکہ اس کو اس نام نہاد خاوند سے کوئی بھی فائدہ نہیں اور اس کی عدم موجودگی سے اسے سخت ضرر پہنچتا ہے اور اس کی صورت معلقہ کی ہے، کہ نہ آباد ہے نہ آزاد۔

اسی طرح سبل السلام میں اس حکم کو جو ہم نے تحقیق کیا ہے، ترجیح دی ہے چنانچہ کہا ہے وقال الامام يحيى لا وجه للتربص لكن ان ترك لها الغائب ما يقوم بها فهو كالحاضر اذ لم يفتها الا الوطى وهو حق له لا لها والا فسخها الحاكم عند مطالبتها من دون انتظار لقوله تعالى ولا تمسكوهن ضرارا ولحديث لا ضرر في الاسلام والحاكم وضع لرفع المضارة فى الايلاء والظهار وهذا ابلغ والفسخ مشروع بالعيب ونحوه قلت وهذا احسن الاقوال وما سلف عن علي وعمر اقوال موقوفة وفى الارشاد لابن كثير عن الشافعي، ثم بسنده الى ابي الزناد وقال سألت سعيد بن المسيب عن الرجل لا يجد ما ينفق على امرأته قال يفرق بينهما قلت سنة قال سنة قال الشافعي الذى يشبه ان قول سعيد سنة ان يكون سنة النبى صلى الله عليه وسلم وطول فى الكلام

فی ھذا فی حواشی ضوءالنہار واخترنا الفسخ بالغیبۃ او بعدم قدرۃ الزوج علی الانفاق (سبل السلام جلد ثانی ص ۱۱۷)

امام یحیی کا قول ہے۔ کہ انتظار کی کوئی وجہ نہیں لیکن گمشدہ خاوند اپنی عورت کے لئے کچھ مال جس سے وہ گذارہ کر سکے، چھوڑ گیا، تو گویا وہ حاضر ہی ہے، کیونکہ عورت کا کوئی بھی فائدہ سوائے وطی کے گم نہیں ہوا، اور وطی مرد کا ہے، نہ کہ عورت کا، اور کچھ نہیں چھوڑ گیا، تو حاکم بوقت عورت کے مطالبہ پر بغیر انتظار کے نکاح فسخ کر دے، کیونکہ خدا تعالےٰ نے فرمایا "اور عورتوں کو ضرر دینے کے لئے بند نہ رکھو" اور نیز حدیث میں ہے "اسلام میں ضرر دینا جائز نہیں" اور حاکم تو ایلاء اور ظہار وغیرہ میں دفع ضرر کے لئے مقرر کیا گیا ہے، اور یہ معاملہ تو ان صورتوں سے بہت بڑھ کر ہے، اور فسخ نکاح کسی عیب کے سبب سے بھی جائز ہے اور اسی طرح دیگر وجوہ سے بھی (صاحب سبل السلام کہتے ہیں) میں کہتا ہوں یہ قول یعنی امام یحیی کا بہت بہتر ہے، اور حضرت علی رضؓ اور حضرت عمر رضؓ سے جو قول اوپر گذر چکے ہیں وہ سب موقوف ہیں، اور ابن کثیر کی کتاب الارشاد میں لکھا ہے، امام شافعی کی روایت سے سند کو ابو الزناد تک پہنچا کر، کہ ابو الزناد نے کہا، میں نے سعید بن مسیب (تابعی) سے کہا اس شخص کی بابت پوچھا، جو اپنی عورت کے نفقہ کے لئے کچھ بھی نہ رکھتا ہو، تو انہوں نے کہا، ان دونوں میں تفریق کرادی جائے، میں نے پھر پوچھا، کیا یہ حکم سنت ہے، تو حضرت سعید نے کہا ہاں سنت ہے، امام شافعی کہتے ہیں، سعید کا یہ کہنا، کہ یہ امر سنت ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی مراد اس سے سنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے، اور ہم نے حواشی ضوء النہار میں اس مسئلہ پر طویل کلام کیا ہے، اور ہم نے حکم فسخ کو ایک تو خاوند کی غیر حاضری کے سبب اور ایک انفاق پر قادر نہ ہونے کے سبب اختیار کیا ہے۔

امام یحیی کے قول میں کم فسخ بغیر انتظار تو موافق حکم زوجہ مسر ہے لیکن حق وطی کو جو صرف مرد کے متعلق کیا ہے، اور اس پر فسخ کا حکم نہیں لگایا، نتیجہ معلوم نہیں ہوتا ہے، کیونکہ زوجہ مجنون و مجذوم کے لئے بھی عند المطالبہ نکاح فسخ ہو سکتا ہے، حالانکہ ان دونوں صورتوں میں مال و وطی دونوں ہو سکتے ہیں، اگر مرد کے حق وطی کے یہ معنی کئے جاویں، کہ مرد کی طلب پر عورت کو گنجائش انکار نہیں، اور عورت کی طلب پر مرد پر تعمیل ضروری نہیں، تو یہ درست ہے لیکن یہ ہرگز درست نہیں، کہ مدت العمر مرد اپنی عورت سے تعلق زن و شوہر جو اصل مقصود اور ذہن میں بالطبع معہود

ہوتا ہے مد نظر رکھے، تو اس پر بھی مرد قصور وار قرار نہ دیا جائے، حدیث ان لزوجک علیک حقا او کما قال اس حق کو عورت کے لئے صاف ثابت کر رہی ہے، اور اس حدیث کے معنی سوائے حق وطی کے اور کچھ بھی نہیں ہو سکتے، پس جب مفقود کی بیوی کو دونوں فائدے حق وطی اور حق نفقہ حاصل نہیں، تو ان کا نکاح فسخ کر دینا بالکل درست ہے، ہاں اگر عورت اپنی مرضی سے صبر کر کے بیٹھی رہے، اور طالب فسخ نکاح کی نہ ہو، تو اسے اختیار ہے، لیکن اگر وہ فسخ کی طالب ہو، اور نکاح ثانی کی درخواست کرے، اور اس کی حالت زار اس کی درخواست کی منظوری کی خاص سفارش کرتی ہو، تو سوائے فسخ کے کوئی صورت نہیں، کیونکہ دین میں تنگی ہے نہ عسر ہے، مفقود نے اپنا حق ان حقوق کے ادا نہ کرنے سے جو خدا تعالیٰ نے اس کے ذمے کئے تھے، خود زائل کیا ہے۔

حضرت شیخ الوقت مجتہد العصر حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ بھی ازالۃ الخفا میں مفقود کی حالت کے قیاس کرنے کے متعلق فرماتے ہیں:۔

والاوجہ عندی ان المفقود لہ وجہان یدخل بھما حالہ فی عمومات الشرع احدھما انہ فوت الامساک بالمعروف۔ فوجب علیہ التسریح بالاحسان فلما ان قصر فی التسریح ناب الشرع عنہ کما ینوب القاضی فی بیع مال الماطل وثانیھما انہ میت فی ظاہر الحال ونحن نحکم بالظاہر (ازالۃ الخفاص ۱۱۶ مقصد دوم)

میرے نزدیک یہی زیادہ مناسب ہے، کہ مفقود دو وجہ سے عمومات شرع کے ضمن میں آسکتا ہے، ایک یہ کہ اس نے امساک بالمعروف فوت کر دیا، پس تسریح بالاحسان اس پر واجب ہے، لیکن چونکہ وہ طلاق دینے سے (بسبب غیر حاضری کے) قاصر ہے اس لئے شرع اس کی طرف سے طلاق دینے میں نائب ہو جائے گی، جیسے قاضی نائب ہو جایا کرتا ہے، اس شخص کا مال فروخت کر دینے میں جو قرض کے ادا کرنے میں دیر لگائے، دوسری یہ کہ وہ مفقود ظاہر حال میں میت ہے، اور ہم ظاہر پر حکم کرنے کے مکلف ہیں، اس کے بعد حضرت شاہ صاحب نے مجنون کی بیوی اور معسر کی بیوی کو اس کی نظائر کہا ہے۔

نظر بریں ہماری ناقص سمجھ میں یہی آتا ہے، کہ حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ کوئی دائمی حکم نہیں بلکہ حالات زمانہ کے تحت اقتصادی تھا، اس وقت اتنی مدت خبر کے نہ ملنے کے لئے جانی گئی تھی، لیکن اس وقت چار سال ایک مدت مدید ہے، اس کے اندر بھی کامل وثوق مفقود

الخبری کا ہو سکتا ہے، لہٰذا جو بیاچار سال کا انتظار کرا کے بے کس و لطیف چیز کو تکلیف دینا مقرون بمصلحت نہیں، علماء راسخین سے امید ہے، کہ اس مسئلہ پر تحقیقی نظر ڈال کر میری تائید یا اصلاح کر دیں گے۔

میں ہوں آپ کا تابعدار۔ سیالکوٹی۔ ۸ جنوری ۱۹۱۵ء

س:۔ زید بحالت غربت اٹھائیس سال ہوئے تین بھائی چھوڑ کر مفقود الخبر ہے، صورت اس کی مفقودی کی یہ ہوئی، کہ بغیر کسی لڑائی جھگڑے فساد کے یا کسی طرح کی ناراضگی کے گھر سے سفر پر چلا گیا، پھر باوجود تلاش کے کوئی پتہ نہ ملا، اس کے نو سال نکلنے کے بعد زید کا ایک بھائی ایک بیٹا، بیٹیاں چھوڑ کر مر گیا، پھر دوسرا بھائی بھی گیارہ سال کے بعد اولاد نرینہ بلا نرینہ چھوڑ کر مر گیا، اس وقت زید کا ایک بھائی اور دو بھائیوں کی اولاد موجود ہے، اور زید اسی طرح مفقود الخبر ہے، سوال یہ ہے، کہ کیا زید کا مال تقسیم ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اگر ہو سکتا ہے، تو کس طرح بینوا توجروا۔

ج:۔ اقول لاحول ولا قوۃ الا باللہ العزیز الحکیم۔ مفقود الخبر کی زوجہ کے متعلق خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ اور ان کے بیٹے ابن عمرؓ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے ہاں یہ ہے، کہ چار سال انتظار کرنے کے بعد بحکم قاضی دوسری جگہ بعدت متوفاۃ کی گذار کر نکاح کرے، نیز تابعین، امام نخعی و عطاء و مکحول و شعبی و زہری رحمہم اللہ کے نزدیک بھی یہی فتویٰ ہے اور ان حضرات کا مفقود کی بیوی کو عدت وفات کا فتویٰ دینا بتلاتا ہے، کہ مفقود کو چار سال کے بعد متوفی مقرر کرتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے، کہ چار سال کے بعد اس کا میراث بھی تقسیم کیا جاوے، لیکن فقہائے حنفیہ رحمہم اللہ کا فتویٰ، ان کی بیوی اور میراث دونوں کی نسبت مختلف ہے، فتاوی بزازیہ کتاب الفرائض میں ہے، وقت ابوحنیفۃ بروایۃ الحسن عنہ مائۃ وعشرین سنۃ وقال بعضھم بتسعین وبعضھم بسبعین وقال بعضھم موکول الی رای القاضی فاذا مضت المدۃ ورثہ من کان حیا من ورثتہ، یعنی حسن امام ابوحنیفہ سے روایت کرتے ہیں، کہ انہوں نے مفقود کے لئے اس کی ولادت سے ایک سو بیس سال مقرر کئے، اور ابو یوسف نے سو سال روایت کئے، اور بعض فقہاء نے نوے سال کا فتویٰ دیا، اور بعض نے ستر سال کا، اور فقہائے حنفیہ نے کہا، کہ قاضی کی رائے پر سپرد ہے، سو جب یہ مدت ختم ہوگی، اس وقت اس کے وارثوں میں سے جو زندہ

ہوں گے وہی وارث ہوں گے

اور امام احمدؒ نے جو بہت سے مسائل میں امام ابوحنیفہ کے موافق ہوا کرتے ہیں، اس مسئلہ میں تفصیل کی ہے، فقہائے حنابلہ کے ہاں جس طرح مقنع لابن قدامہ میں ہے۔ اذا انقطع خبرہ الغیبۃ ظاہرہا السلامۃ کالتجارۃ ونحوہا انتظر بہ تمام تسعین سنۃ من یوم ولد وعنہ ینظر بہ ابدا وان کان ظاہرہا ھکذا کالذی یفقد من بین اہلہ او فی مفازۃ مہلکۃ او فی البحر اذا غرقت سفینتہ انتظر بہ تمام اربع سنین ثم تقسم مالہ، یعنی جب آدمی کی خبر کسی ایسی غیبوبت سے نہ ملے، کہ جس کا ظاہر سلامتی ہے، جیسے تجارت وغیرہ میں جانا، تو اس کی ولادت سے نوے سال انتظار کی جاوے، اور ایک روایت میں یہ ہے، کہ ہمیشہ انتظار کرتے رہیں گے، اور اگر ظاہر مر جانا ہو، جیسے وہ شخص کہ اپنے گھر میں سے ہی گم ہو جاوے (جیسے ہماری مسئولہ صورت ہے) یا کسی مہلک جنگل کو گیا ہو، یا دریا پر سوار ہوا ہے۔ اور اس کی کشتی غرق ہو گئی ہے، (تو ان تمام صورتوں میں) پورے چار سال انتظار کریں گے، پھر اس کا مال تقسیم کیا جائے گا۔

خلاصہ: اس امر آنکہ زید مفقود الخبر ہذا کہ اس کے نکلنے کے وقت سے چار سال بعد متوفی مقرر کیا جاوے گا، جس طرح کہ مقنع فقہ حنبلی میں ہے، مسئلہ کی تفصیل بتلائی ہے اور فتاوی بزازیہ فقہ حنفی میں بعض فقہائے حنفیہ کا قول بیان کیا ہے، اور اس کے متروکہ کو اس کے ہر سہ بھائیوں پر برابر تقسیم کیا جائے گا، پھر زید کے دو متوفی بھائیوں کی طرف سے دونوں کی نرینہ اور مادینہ اولاد کو " للذکر مثل حظ الانثیین " دیا جائے گا، کنز الحقائق فی فقہ خیر الخلائق میں ہے وتقسم مالہ بعد اربع سنین فان قدم بعد القسمۃ اخذ ما وجدہ بعینہ ورجع بالباقی علی من اخذہ، یعنی چار سال بعد اس کا مال تقسیم کر دیا جائے گا، پھر اگر بانٹے جانے کے بعد آ جاوے، تو جو اس کے متروکہ میں اس کی خاص چیز موجود ہو گی، وہ لے لے گا، اور باقی لینے والے سے واپس لے لے گا، ہذا واللہ اعلم

نیز مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی حنفی المذہب نے جو قریب زمانہ کے اجل علمائے ہیں، اپنے فتاوی میں ایک صاحب کے سوال کے جواب میں لکھتے ہیں۔ وذھب جمع منھم الی جواز التزوج بعد اربع سنین وتربص اربعۃ اشھر وعشرا۔ اخرج ابن ابی شیبۃ وعبدالرزاق والدارقطنی ومالک فی الموطا بطرق متعددۃ عن

عمر بن الخطاب وروی عبد الرزاق عن ابن عمر وابن عباس مثلہ وبہ قالت المالکیۃ وغیرھم وھو قوی من حیث الدلیل واصول الحنفیۃ المہینا تقتضی الافتاء بہ فان قول الصحابی فی ما لا یعقل بالرأی فی حکم المرفوع عندھم فان جزم بجواز الحنفیۃ ایضا الافتاء بہ فی موضع الضرورۃ کما فی جامع الرموز بعد ذکر من ھب مالک فلو افتی بہ فی موضع الضرورۃ ینبغی ان لا باس بہ فی ما اظن وذکر ابن وھبان فی منظومتہ انہ لو افتی بہ فی موضع الضرورۃ انتہی ومثلہ فی رد المحتار وغیرہ۔

خلاصہ ترجمہ اس کا یہ ہے، کہ علمائے حنفیہ کے قواعد کا مقتضی یہ ہے، کہ بحالت ضرورت غیر مذہب کا جو دلیل میں قوی ہو، اس پر فتوی دینا جائز ہے، کیونکہ صحابی کا قول اس مسئلے میں جو کہ رائے سے نہیں سمجھ سکتے ہیں، آنجناب ؐ کے فرمان کے حکم میں ہے، بس بیشک ضرورت کے مقام میں اس پر حنفیہ نے فتوی دینا جائز رکھا ہے، جس طرح کہ مالک کے مذہب کا ذکر کرنے کے بعد جامع الرموز میں ذکر کیا ہے، سو میرے گمان میں بھی مقام ضرورت میں اس پر فتوی دینا درست ہے، اور ابن وہبان فقیہ حنفی نے بھی اپنے منظومہ قصیدہ میں اسی طرح ذکر کیا ہے، اور شامی رد المحتار وغیرہ میں بھی اسی طرح ہے، انتہی۔

اور اوپر معلوم ہو چکا ہے، کہ مفقود کی عورت کو عدت وفات گذارنے کے بعد نکاح ثانی کا حکم کرنا بھی تبلاتا ہے، کہ چار سال کے بعد مفقود کو فوت شدہ مقرر کرنا ہے، جس کا اثر یہ ہے کہ اس کا ترکہ تقسیم کرنا درست ہوگا، اور چار سال گذارنے کے بعد جتنے وارث اس کے زندہ ہوں گے، وہی وارث ہوں گے۔ واللہ اعلم

حررہ ابو تراب عبد التراب ملتانی تاب اللہ علیہ

الجواب صحیح:۔ عبد الغفار غفر اللہ لہ الجیب مصیب۔ عبد الرشید عفا اللہ عنہ

نقل فتوی مولوی عبد الحق صاحب ملتانی

جو شخص مفقود الخبر ہے، جس کو عرصہ اٹھائیس سال کا گذر گیا، اس کی خبر نہیں، کہ وہ زندہ ہے یا مردہ، تو اس کے مال کے متعلق فیصلہ شرعیہ یہ ہے، کہ جو مال اس کے ضائع ہونے کا محتمل ہے، اس میں تو بطور ضمانت جیسے لقطہ (پائی ہوئی چیز میں)، ہوتا ہے، تصرف کرنا جائز ہے

یعنی جو شخص اسے اپنے تصرف میں لاوے۔ بعد اس کے پھر آجانے کے ادا کرنا پڑے گا، اور جو مال ضائع ہونے کا محتمل نہ ہو، اس کو جوں کا توں محفوظ رکھنا چاہیے تقسیم کرنا روا نہیں بخاری شریف کے باب حکم المفقود فی اہلہ ومالہ میں حضرت ابن مسعود کا واقعہ نقل فرمایا کہ انہوں نے ایک جاریہ (لونڈی) جس کا مالک مفقود الخبر تھا سال بھر اس کے مالک کی تلاش فرمائی، بعد اس کے جب کوئی پتہ اس کا نہ ملا، تو اس جاریہ کی قیمت سات سو درہم مقرر کر کے مجمع مساکین میں جا کر نقود مذکورہ جو قیمت میں مقرر ٹھہرائی، ان مسکینوں پر تقسیم فرمائی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں۔ اللهم عن فلان فان اتی فلی وعلی۔ یعنی اس رقم کو اس کے حق میں قبول فرما۔ اور اس کا ثواب اس کو پہنچا، اور اگر وہ آگیا، تو یہ دراہم میرے حق میں قبول فرما، اور اس کو میں اپنی طرف سے رقم مذکور بھر دوں گا، آگے فرمایا وقال ابن عباس نحوہ آگے امام زہری کا قول نقل فرمایا قال الزهری فی الاسیر مکانه لا تزوج امرأته ولا یقسم ماله فاذا انقطع خبره فسنته سنة المفقود۔ یعنی قیدی کا جب تک محل قید میں ہونا معلوم ہے، تو اس کی عورت اور اس کا مال محفوظ رہے، جب اس کی خبر منقطع ہو جائے، تو اس کو مفقود کے حکم میں داخل سمجھا جاوے، یعنی اس کی عورت کو بعد چار سال کے انقطاع خبر سے عدت وفات گذار کر نکاح کرنا چاہیے، اور مال کو اس قانون پر (جو پہلے مذکور ہوا) رکھنا چاہیے، فتح الباری میں اس باب کے ذیل میں لکھا ہے یعنی کہ جس مال کی ضیاعت کا خوف ہو، اس کو تو استعمال کرنا چاہیے، اور جس کو ضیاعت کا خوف نہیں، اسے محفوظ رکھنا چاہیے، مگر کسی امین کے پاس، ہاں جب اس پر کسی کے قابض ہونے یا ضائع ہونے کا خطرہ ہو، تو اس کو اس مفقود کے موجودہ رشتہ داروں پر جو استحقاق وراثت رکھتے ہوں، تقسیم کر دیا جائے، بایں طور کہ جو منافع حاصل کریں، اس کا حساب یاد رکھیں جب وہ اصلی مالک مفقود الخبر آجاوے، واپس کرنا پڑے گا، ورنہ ان کو پہنچا ھذا واللہ اعلم بالصواب

اہلحدیث میرے نزدیک دوسرا جواب صرف اتنا صحیح ہے کہ بعد تقسیم اصل جب کبھی آجائے، اس کا حق ساقط نہیں ہوگا، حدیث شریف میں ہے لیس علی مال المسلم توی (مسلمان کا مال ضائع نہیں ہونا چاہیے)، ہاں مفقود الخبر کی عورت بعد نکاح ثانی واپس نہیں ملے گی، کیونکہ نکاح قابل فسخ ہے، مگر مال کی ملکیت زندگی میں قابل زوال نہیں، اس لئے فسخ نکاح پر مال کا قیاس جائز نہیں، مگر منافع کی ذمہ داری نہیں ہے

کیونکہ اس شخص نے باجازت شرع قبضہ کرکے استعمال کیا ہے، اس لئے منافع اسی کے ہونگے

واللہ اعلم (اہلحدیث ۴ر شعبان المکرم ۱۳۶۲ھ)

شکر فیہ:۔ یہ صحیح ہے، اور یہ جو لکھا گیا ہے، کہ چار سال کے بعد عدت گذار کر دوسرا نکاح کرے، تو اس میں اتنا بیان رہ گیا، کہ یہ چار سال کب سے شمار ہوں گے، یہ جب سے شمار ہوں گے، کہ عورت نے مرافعہ یا مقدمہ حاکم کی عدالت میں پیش کیا ہے، چنانچہ عبدالرزاق اور ابن ابی شیبہ کی روایت میں حضرت عمر رضہ سے اس کی تصریح موجود ہے۔ دیکھو تلخیص الحبیر صفحہ ۲۳۹ جلد ۲۔ اور چار سال کے بعد بوجہ فتوی حضرت عمر رضہ احکام موت کا اجراء بھی صحیح ہے

(ابو سعید شرف الدین دھلوی)

س:۔ شاکر اپنے لڑکے ذاکر کا نکاح عابد کی لڑکی رضیہ سے کرنا چاہتا ہے، دراں حالیکہ اس کی تیسری بہن ذکیہ کا دودھ پہلے نوش کر چکا ہے، اب جواب طلب امر یہ ہے، کہ رضیہ کی بڑی بہن ذکیہ کا دودھ نوش کیا تھا، اس کے بعد میں رقیہ ہے، اس کے بعد میں تیسری بہن رضیہ ہے، اب اس سے بھی رشتہ دودھ کا قائم ہوگا؟ جواب مدلل تحریر فرمائیں۔

ج:۔ مرضعہ سب کی ایک ہے، شاکر نے اگر ذکیہ کے ساتھ دودھ پیا تھا، تو اسی ماں کا پیا تھا، جس کا تیسرے مرتبہ پر رضیہ نے پیا ہے، اس لئے شاکر اور رضیہ دودھ کے بہن بھائی ہیں، ان کا نکاح جائز نہیں، حدیث شریف میں آیا ہے۔ یحرم من الرضاع مایحرم من النسب یعنی دودھ کے بھی وہ رشتے حرام ہیں، جو نسب کے حرام ہیں، اللہ اعلم

(اہلحدیث ۸ر اپریل ۱۹۳۸ء)

س:۔ ایک لڑکی جیونی کا نکاح محمد شفیع ولد دولی محمد سے ہوا، اور وہ آباد رہے، اور دو لڑکے بھی پیدا ہوئے، اب محمد شفیع ایک دوسری عورت سے زنا کرتا ہے، لوگ شہادت دیتے ہیں ایک برس سے اپنی بیوی کو بلاتا بھی نہیں، کیا اب وہ عورت (جیونی) نکاح ثانی کر سکتی ہے؟

ج:۔ جب تک نکاح اول فسخ نہ کرائے یا طلاق حاصل نہ کرے، دوسرا نکاح نہیں کر سکتی، اگر وہ معلقہ ہے، تو اپنے ضلع کے سب جج کے پاس معقول وجوہات کی بنا پر فسخ نکاح کی درخواست کرے بعد فسخ نکاح ثانی کر سکتی ہے، اللہ اعلم (اہلحدیث ۲۲ر اپریل ۱۹۳۸ء)

س:۔ زید نے بوجہ فوت ہو جانے اپنی زوجہ کے اپنی مرضعہ لڑکی برائے حضانت لڑکی کی خالہ کو دے دی، جب وہ بڑی ہوئی، اور ہوش سنبھالا، تو زید اپنے یہاں لے گیا، بعد میں خالہ نے دعوی

کیا، کہ لڑکی تو آپ نے مجھے للہ دے دی تھی، اب تیرا کوئی حق نہیں، اور لڑکی کو جبراً واپس لے آئی اب لڑکی بالغ ہو گئی، تو اس کا نکاح بغیر رضامندی واجازت زید کے اپنے خاوند کو ولی بنا کر کر دیا، کیا یہ نکاح از روئے شرح محمدی درست ہے یا نہیں؟

ج:۔ باپ جائز اور صحیح ولی ہے، اس کی موجودگی دوسرا شخص اس کی رضا کے بغیر نکاح نہیں کر سکتا، مگر اس صورت میں کہ باپ ولایت کے استعمال میں ظالم ہو یعنی منافع ذاتی حاصل کرنے کے لئے لڑکی پر ظلم کرے، قال علیہ السلام لا نکاح الا بولی الحدیث

(۲۲ راپریل ۱۹۳۸ء)

س:۔ جو نکاح بذریعہ عدالت منسوخ کرایا جاتا ہے، یہ کون سی طلاق میں شمار ہے، نان و نفقہ کے عدم سے یا کم شدگی کے سبب، کیا یہ طلاق مغلظہ میں شمار کیا جاتا ہے، یا طلاق بائنہ میں یعنی اس کا رجوع ہو سکتا ہے یا نہیں؟

ج:۔ جو نکاح بذریعہ عدالت فسخ کرایا جائے، وہ طلاق بائن ہے، اگر اس کے بعد کوئی بہتر صورت ہو تو رضامندی فریقین سے نکاح ہو سکتا ہے۔ لقولہ تعالیٰ فلا تعضلوھن (الآیۃ)

(۲۸ رصفر ۱۳۵۷ھ)

س:۔ ایک عورت بدون رضامندی اپنے خاوند کے کسی غیر شخص کے ساتھ فرار ہو گئی، اس کے نو ماہ کے بعد اس کا اصلی خاوند فوت ہو گیا، اور مرتے وقت بھی اس کے گھر میں نہ تھی، متوفی کے مرنے کے بعد اس عورت نے عدالت گورنمنٹ میں اپنا حق جائداد اور مال کا ظاہر کیا، متوفی نے اپنی زندگی میں اس کے بھتیجے کو گود میں لے لیا، اب سوال یہ ہے کہ اس عورت کا حق اس کے مال اور جائداد پر ہے یا نہیں، کیا وہ نکاح میں تھی، یا اس کے بھتیجے کا حق ہے! جواب دیں۔

ج:۔ خاوند نے اگر طلاق نہیں دی، تو عورت منکوحہ ہے اور ترکہ میں سے حق وراثت رکھتی ہے، بھتیجے بھی وارث ہیں۔

مسئلہ:۔ جو شخص اپنی منکوحہ پر ظلم کرے، اس کی منکوحہ اپنے ضلع کے جج صاحب کے ہاں درخواست فسخ نکاح کر سکتی ہے، اور جج صاحب بعد ثبوت ظلم کے اس کو اجازت نکاح ثانی کی دے سکتے ہیں

(۵ رنومبر ۱۹۱۶ء)

س:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ زید کے نکاح میں

تھی اور رہی، اور بعدہٗ زید نے ہندہ کو طلاق دے دی، تب ہندہ جائز طور پر بکر کے نکاح میں آئی اور ہے اب بکر زوج حالیہ نے کسی مصلحت سے کرایہ بہی یا سرکاری بہی میں ہندہ زوجہ زید لکھا دیا، اور قصد بکر کا طلاق کا نہ تھا اور نہ ہے، بکر کی اس مصلحت جوئی یا تدبر کا نتیجہ یہ تو نہ ہوگا، کہ ہندہ کو بکر کی طرف سے طلاق پڑ جائے، جواب مستند باسند شرع اسلامی مطلوب ہے۔

ج:- جس واقعہ کے متعلق زوجہ زید لکھائی گئی، وہ واقعہ اگر اس وقت کا ہے، کہ جس وقت ہندہ زید کی بیوی تھی، تو کوئی حرج نہیں، اور اگر اس وقت کا ہے جس وقت بکر کی بیوی ہے، تو جھوٹ ہونے سے گناہ ہوگا، لیکن طلاق نہ ہوگی۔ واللہ اعلم عند اللہ (اہلحدیث ۹ نومبر ۱۹۱۸ء)

س:- ایک شخص نے تنہائی میں محض اپنی زوجہ کے روبرو قسم کھائی، کہ میں تجھ سے آئندہ ہم صحبت نہ ہوں گا، بعدہٗ ایک ضروری سفر کے واسطے شوہر کو جانا پڑا، اور بعد عرصہ کے واپس آیا، اور بدستور زن و شوہر کے تعلقات جاری ہو گئے، بروقت قسم کھانے کے مسئلہ ایلاء اور ظہار سے شوہر اور نیز زوجہ ناواقف محض تھے، زوجہ کو جب اس مسئلہ سے آگاہی ہوئی، تو اس نے شوہر سے کل حال بیان کیا، اب شوہر قسم کھانے سے منکر ہے، اور اس کا قول یہ ہے، کہ اگر بفرض محال کھائی بھی تھی، تو فوراً رجعت کر لی تھی، شوہر مذکور کی اکثر جھوٹی قسم کھانے کی عادت ہے، زوجہ اگر علیحدہ ہونا چاہتی ہے، تو وہ بازو کا دعوی کر کے وصول کر لیتا ہے، زمانہ حال میں کوئی قاضی وقت نہیں جو اس مسئلے کو طے کرے، اور حقیقت میں خاوند کی نیت کسی طور پر طلاق دینے کی نہ تھی، مزید براں کوئی دیگر شخص ایسی عورت سے نکاح نہیں کرتا، کیونکہ سب کو معلوم ہے، کہ اس کا شوہر موجود ہے اب جناب سے یہ مسئلہ دریافت کیا جاتا ہے، کہ اب ایسی حالت میں شرع کا کیا حکم ہے، آیا طلاق ناقابل رجعت ہو گئی ہے یا نہیں، اور اگر ہو گئی تو عورت گنہ گار ہوتی ہے یا نہیں؟ چونکہ اس کا خاوند اس کو کسی طرح سے نہیں چھوڑتا، اور اگر گنہ گار بھی ہوتی ہے، تو اس کو کیا کرنا چاہیئے کہ وہ گنہ گار نہ ہو۔

ج:- صورت مرقومہ ایلاء ہے، قرآن مجید میں ایلاء کا حکم یوں آیا ہے للذین یؤلون من نساءھم تربص اربعۃ اشھر فان فاءو فان اللہ غفور رحیم اس آیت کے مطابق چار ماہ کے اندر اندر خاوند رجوع کر سکتا ہے، قسم کا کفارہ مرد پر ہے عورت پر نہیں، چار ماہ گزر جانے پر عورت علیحدہ ہو جائے گی، عورت مقدمہ سے ڈرتی ہے، تو اپنے ضلع کے جج صاحب کے پاس درخواست فسخ نکاح کی دیوے، جج صاحب شرعی فتوی کے مطابق نکاح فسخ کر دیں گے،

تو بے خطر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ (اہلحدیث ۱۸ نومبر ۱۹۱۸ء)

سوالات کے جوابات

س: ۔ اہلحدیث ۲ اگست کے پرچہ میں بصفحہ فتوی ایک سوال ۲۰۱ تھا، جس کا خلاصہ مطلب تھا، کہ ایک شخص نے سخت غصہ کی حالت میں اپنی عورت کو یہ کہا۔

"تو میری ماں بہن ہے، اگر میں تم کو رکھوں، تو جیسا اپنی بہن کو رکھوں گا، زیور وغیرہ اتار لئے اس کے بعد پھر عورت کو گھر میں لانا چاہتا ہے، کیا عورت مذکورہ اس کے گھر جا سکتی ہے"؟

جواب جواب دیا تھا، کہ حالت مذکورہ غصہ کی حالت ہے، اس میں طلاق ہو گی، چونکہ مغلظ نہیں، اس لئے نکاح جدید سے رہ سکتی ہے، امرتسر کے ایک حنفی اخبار میں اس پر سوال کیا گیا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

"مہربانی فرما کر اس جواب کی سند قرآن وحدیث سے بیان کریں، فقہاء نے اس کو مکروہ سمجھا ہے، اور ابوداؤد کی حدیث میں بھی کراہیت آئی ہے، لیکن طلاق کا واقع ہونا معلوم نہیں، آپ نے کس دلیل سے اخذ کیا ہے"

ھدایہ میں ہے، ولو قال انت علی مثل امی یرجع الی نیتہ ان قال اردت الطلاق فھو طلاق بائن، یعنی جو کوئی بیوی کو ماں کی طرح کہہ کر طلاق کی نیت کرے تو وہ طلاق بائن ہو گی، اس سے تھوڑا پہلے صاحب ہدایہ نے ماں کے ساتھ بہن، پھوپھی، خالہ وغیرہ کو بھی شامل کیا ہے، اس سے معلوم ہوا، کہ عورت کو ماں بہن کی طرح کہہ کر نیت طلاق ہونے سے طلاق بائن ہو گی، اس کی دلیل خود صاحب ہدایہ نے یوں دی ہے لانہ تشبیہ بالام فی الحرمۃ فکانہ قال انت علی حرام ونوی بہ الطلاق، اب رہا نیت کا ثبوت تو حالت غیظ وغضب ہی سے اس کا ثبوت ملتا ہے، کہ مرد کو عورت کی علیحدگی منظور ہے، یعنی معنی طلاق کے ہیں، ابوداؤد کی حدیث نقل کریں گے، تو غور کیا جائے گا"

دوسرا سوال یہ ہے کہ ۲۰۲ کے جواب میں زانی کا نکاح حاملہ بالزنا کے ساتھ جائز لکھا ہے اس کی دلیل کیا ہے۔

لے سوال کے الفاظ مذکورہ مجمل ہیں، تصریح کسی قسم کی نہیں، ہاں معنوی لحاظ سے اقرب الی الظہار ہیں، اور نیت طلاق کی بھی ہو سکتی ہے، مگر نیت کو متکلم کے سوا اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، ہاں غیظ وغضب میں قرینہ طلاق کا ہو سکتا ہے، کیونکہ ظہار سے بے خبری کی حالت میں طلاق ہی ظاہر ہے ۱۲۔ ابوسعید شرف الدین دہلوی۔

ج:۔ حدیث شریف میں ہے، کہ کسی مسلمان کو حلال نہیں، کہ غیر کی کھیتی کو پانی پلا دے، یعنی کسی عورت حاملہ غیر سے نکاح کر کے اس کے ساتھ جماع کرے۔ اس سے مفہوم ہوتا ہے، کہ حاملہ اپنی ہو تو جائز ہے۔ حضرت میاں صاحب مرحوم دہلوی کے فتاوی نذیریہ جلد دوم میں بھی یہ مسئلہ اسی طرح مرقوم ہے

(۲۲ر نومبر ۱۸ء)

س:۔ نام ونمود کی غرض سے نکاحوں میں حد سے زیادہ مہر باندھنا اور پھر ادا نہ کرنا کیسا ہے؟ اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کے مہر کس قدر مقرر کئے گئے تھے؟

ج:۔ نام ونمود کے لئے تو کوئی کام بھی جائز نہیں، بغیر نام ونمود کے مہر کی کثرت گو پسندیدہ نہیں، لیکن حرام بھی نہیں، واتیتم احدہن قنطارا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑکی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا مہر آج کل کے حساب سے قریبا ایک سو کتیس روپیہ تھا۔ واللہ اعلم

(یکم ربیع الاول ۳۷ھ)

س:۔ میں نے نکاح کیا، سو روپیہ مہر لکھ دیا، اور سو روپیہ کا زیور ڈالا، اب زیور کا مالک کون ہے، عورت ہے یا مرد؟

ج:۔ زیور اگر مہر کے عوض دیا ہے، تو یقینا عورت کی ملک ہے، اور اگر بغیر ہبہ کے دیا ہے، تو بھی عورت کا ہے، اور اگر مستعار بغرض زینت دیا ہے، تو مرد کا ہے، مگر مہر بذمہ مرد فرض ہے

لا تاخذوا مما اتیتموھن شیئا　(ذیکعدہ ربیع الاول ۳۷ھ)

س:۔ میری بیوہ لڑکی کا نکاح بغیر میری مرضی کے پڑھا دیا، جو نکاح بغیر اجازت ولی پڑھایا گیا ہے۔ جائز ہے یا ناجائز؟

ج:۔ ہر نکاح میں لڑکی کے ولی کی شرکت ضروری ہے، اگر لڑکی مطلقہ یا بیوہ ہے، تو اختلاف کی صورت میں اس کی رائے کو ولی کی رائے پر ترجیح دی جائے گی، بحکم حدیث شریف الثیبۃ احق بنفسہا۔ حنفیہ کے نزدیک ولی کی ضرورت نہیں۔ اللہ اعلم۔

(اہلحدیث امرتسر ۲۷ر جمادی الاول ۱۳۶۴ھ)

شرفیہ:۔ صورت مرقومہ میں بحکم وانکحوا الایامی منکم الایۃ وبحدیث لا نکاح الا بولی وشاھدین الحدیث رواہ احمد والاربعۃ وصححہ ابن المدینی والترمذی وابن حبان واعل بالارسال وبحدیث قال صلی اللہ علیہ وسلم ایما امراۃ نکحت بغیر اذن ولیہا فنکاحہا باطل اخرجہ الاربعۃ الا النسائی وصححہ ابو عوانۃ و

ابن حبان والحاکم (بلوغ المرام ص۲۷) نکاح صحیح نہیں، اور بیوہ کی ترجیح مستلزم انعقاد نکاح نہیں، اجازت ولی شرط ہے۔ احق اسم تفضیل ہے، حق ولی کا بھی ہے۔

(ابو سعید شرف الدین دہلوی)

لا نکاح الا بولی

میں نے مولانا عبد الجبار صاحب عمر پوری کا مضمون مندرجہ اخبار اہلحدیث ۳ محرم الحرام ۱۳۳۱ھ دیکھا، جس میں مولانا نے باکرہ و ثیبہ کے ساتھ ولی کی شرط کو قائم فرمایا ہے، میں نے اپنے مضمون مندرجہ اخبار اہلحدیث ۲۹ نومبر ۱۹۱۲ء میں امام داؤد ظاہری رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کو پسند کرتے ہوئے دو احادیث کی تطبیق سے نتیجہ نکال کر ظاہریہ کے مذہب کو راجح بتلایا تھا۔ اب مولانا کے مضمون اور خاکسار کے مضمون میں اس قدر فرق ہے، کہ میں صرف ثیبہ کے ساتھ ولی کی شرط کو رفع کرنا چاہتا ہوں، اور مولانا باکرہ و ثیبہ کے ساتھ شرط ولی کو قائم کرنا چاہتے ہیں، میری سمجھ میں نہیں آتا، کہ جب ولی ارکان صحت نکاح سے نہیں، جس کا ثبوت خود مولانا کے مضمون سے ملتا ہے جہاں مولانا نے آیت فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح سے حتی تنکح کی تفسیر و تشریح میں تحریر فرمایا ہے، کہ فعل نکاح کی نسبت عورت کی جانب کی گئی ہے، سو اس کی وجہ یہ ہے، کہ نکاح بغیر عورت کی رضامندی و خوشی کے نہیں ہو سکتا، کسی کو اس پر جبر کرنے کا استحقاق حاصل نہیں ہے، اس لئے اس کی جانب نکاح کی نسبت ہر طرح صحیح و درست ہے" آیت قرآنی اور مولانا کی تشریح سے صاف ظاہر ہے، کہ عورت معاملہ نکاح میں خود مختار ہے، بغیر رضامندی عورت کے نکاح نہیں ہو سکتا، اس کے خلاف منشا کسی کو حق جبر بھی حاصل نہیں ہے، پس جب وہ مجبور نہیں ہو سکتی، تو ولی کی شرط کا قیام بھی لغو ہے، یہ کیا معنی کہ جب عورت کی رضامندی اور خوشی پر عقد موقوف ہو، اور پھر اس کے ساتھ ولی کی ایک قید بھی لگا دی جائے، یہی ایک ایسی وجہ ہے، کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے باکرہ اور ثیبہ کے ساتھ ولی کی قید کو مطلق نکال دیا، اکثر ائمہ کبار و دیگر اکابر دین نے اس کو تسلیم کر لیا ہے، کہ ولی نکاح کی شرط نہیں، اور نہ اس پر صحت نکاح موقوف ہے، میں نے اپنے سابقہ مضمون میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کو اسی استدلال میں لکھا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔ لیس الولی من ارکان صحۃ النکاح بل من تمامہ یعنی ولی صحت نکاح کا رکن نہیں، بلکہ ولی کی حاجت صرف اتمام مقصود کے لئے ہے، "سراج الوہاج" میں نواب صدیق الحسن خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہی لکھا ہے

قالوا ان کل امراۃ بلغت فھی احق بنفسہا من ولیہا وعقدھا علی نفسہا النکاح صحیح وبہ قال الشعبی والزھری قالوا ولیس الولی من ارکان صحۃ النکاح بل من تمامہ، یعنی علماء نے کہا ہے، کہ جو عورت بالغہ ہو، وہ اپنے نفس کی ولی سے زیادہ مستحق ہے، کہ وہ اپنا عقد خود کرلے، اور ایسا نکاح صحیح نہیں ہوگا، اور یہی امام شعبی وامام زہری رحمہما اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے، اور شعبی وزہری وغیرہ نے کہا ہے، کہ ولی ارکان صحت نکاح سے نہیں بلکہ صرف اتمام حجت کے لئے ہے (اسی طرح امام نووی نے بھی فرمایا ہے) غرض یہ مسلمہ ہے کہ ولی صحت نکاح کی شرط نہیں، اسی وجہ سے مقدم عورت کی رضامندی سکوت اور اجازت پر نوٹ رکھا گیا ہے، ظاہر ہے، کہ اگر عورت ولی کے مجوزہ شخص سے ناراض ہو، تو یہ نکاح درست نہیں ہوسکتا، پھر ایسی حالت میں ولی کی قید کیوں لگائی جائے، جو تشریح مولانا نے آیت مذکورہ کی کی ہے، وہ ناقص وغیر کافی ہے، جس کی تکمیل میں نے یہاں تک کیا ہے، مگر اتنا تو میں ضرور کہوں گا، کہ مولانا نے بھی اپنی عبارت میں عورت کی رضامندی کو مقدم کرکے اس کو جبر وتعدی سے بری رکھا ہے، مگر اس کے ساتھ ولی کی شرط کو قائم کرلینا البتہ محل اعتراض ہے، میں نے مضمون سابقہ میں ثیبہ کے ساتھ نص صریح ولی کی شرط کو رفع کرتے ہوئے عقلاً اس کے تجربہ کاری کی وجہ بتائی تھی، جس پر مولانا نے اعتراض کرکے دلیل پیش کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک عورت کی شہادت نقصان کی وجہ سے نہیں لی جاتی، بلکہ دو عورتوں کی شہادت بمنزلہ ایک مرد کے گواہی کے ہوتی ہے، مگر مولانا نے اس ضرب المثل کا بالکل خیال نہ کیا، کہ دیوانہ بھی اپنے مطلب کا سیانہ ہوتا ہے، شہادت کا قیاس انسان کے ذاتی نفع ونقصان پر مبنی ہوتا ہے، اور شخص ثالث کے لئے شہود کی ہمدردی اس قابل نہیں ہوسکتی، کہ حاکم مجرد ایک عورت کی گواہی پر اعتماد کرے، ظاہر ہے، کہ ذاتی نفع ونقصان کو ایک حد تک مجنون بھی سمجھ بوجھ سکتا ہے۔

بعض معاملات میں ذاتی امور پر فوری تصفیہ کردیا جاتا ہے۔ مثلاً اگر زانی خود کہدے، کہ میں نے زنا کیا ہے، تو وہ حد یا رجم کا بلا ضرورت شہود مستحق ہوجاتا ہے۔ اقبالی ڈگریں برابر نافذ ہوا کرتی ہیں، غرض کہ مسئلہ شہود اور ہے، اور بحث نکاح اور، اس کے قطع نظر تجربہ کاری سے میرا مقصود یہ نہیں، کہ وہ اپنی عقل کی پختہ ہوجاتی ہے، بلکہ اس کا اپنے پہلے شوہر کے طرز معیشت اور طریقہ خانہ داری اور امور نفع ونقصان پر غور کرکے دوسرے خاوند کو اپنے اس تجربہ کے لحاظ سے

خود بلا ولی کے تجویز کرسکتی ہے، چنانچہ اس حدیث میں جابر صحابی رض کا بیان ثیبہ کے جس تجربہ کا اظہار کر رہا ہے، وہی میرا مقصود اصلی ہے۔ عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما ان عبد اللہ ھلک وترک تسع بنات او قال سبع بنات فتزوجت امراۃ ثیبا فقال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا جابر تزوجت قال قلت نعم قال فبکر ام ثیب قال قلت بل ثیب یا رسول اللہ قال فھلا جاریۃ تلاعبھا وتلاعبک او قال تضاحکھا وتضاحکک قال قلت لہ ان عبد اللہ ھلک وترک تسع بنات او سبع بنات وانی کرھت ان اتیھن او اجیئھن بمثلھن فاحببت ان اجئ بامراۃ تقوم علیھن وتصلحھن قال فبارک اللہ لک او قال لی خیرا۔

خلاصہ اس حدیث کا یہ ہے، کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جابر رض سے کہا، کہ تم نے ایک باکرہ لڑکی سے عقد کیوں نہ کر لیا، جو تم اس سے ہنستے کھیلتے، اور وہ تم سے ہنستی کھیلتی، جابر رض نے عرض کیا، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) عبد اللہ نے ۹ یا ۷ لڑکیاں چھوڑ کر انتقال کیا ان کی پرورش اور اصلاح حال و بہبودی کے لئے ایک تجربہ کار ثیبہ کے عقد ہی کو میں نے پسند کیا،

اس حدیث کے ملاحظہ سے واضح ہو گیا، کہ میں نے مضمون سابقہ میں جس ثیبہ کے تجربہ کاری کا اظہار کیا ہے، اس سے میرا مطلب یہی ہے، اس حدیث میں باکرہ اور ثیبہ کے تجربہ و عدم تجربہ کا ایک حد تک پتہ بھی چلتا ہے، اسی وجہ سے ارشاد نبوی ہے۔ والبکر تستاذن اور الثیب احق بنفسھا من ولیھا

اور اگر بالفرض محال موافق فرمان مولانا صاحب ان کے نقصان عقل کو تسلیم کر لیں، تو پھر ہماری سمجھ میں نہیں آتا، کہ عورت کی رضامندی کیوں مقدم رکھی گئی ہے، اور وہ اولیاء سے اس کے خلاف منشا بھی کیوں مجبور و مقہور نہیں ہوتی، جب اس طرح نہیں، تو یہ بھی ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ذاتی اور نفسی معاملہ میں نظیراً مسئلہ شہود پیش کیا جائے، اور نقصان عقل کی مثال دی جائے اس بحث کے بعد میں یہ عرض کروں گا، کہ ان امور متنازعہ کا تصفیہ امام داؤد ظاہری کے مذہب پر بطور کافی ہو جاتا ہے، جیسا کہ میں نے پرچہ ۲۹ نومبر ۱۹۱۲ء میں عرض کر دیا ہے، کہ دو احادیث کی تطبیق سے نتیجہ صاف نکلتا ہے، کہ باکرہ اپنی کم سنی اور اپنے ماں باپ کے لاڈ پیار اور عدم تجربہ کے لحاظ سے گو اس کی بھی اجازت چاہیئے، جو محض سکوت پر مبنی ہے، مگر ولی کی شرط ضرور

ہے، جس میں لانکاح الا بولی۔ والبکر تستاذن فرمان نبوی کی تعمیل ہو جاتی ہے، اور ثیبہ بوجہ اس کے کہ وہ پہلے خاوند کی سرد گرم طبیعت سے واقف ہے، اور وہ اپنی ذات کے لئے خوب انتخاب کر سکتی ہے جو الثیب احق بنفسہا من ولیہا کو شامل ہے

محدثین کی شان یہ ہے، کہ جب احادیث دو معنی پر ایک ہی نوعیت کی ہوں، تو اس میں تطبیق دی جائے۔ مگر مولانا نے تطبیق کا لحاظ نہ فرمایا۔ ناظرین اخبار ۲۹ نومبر ۱۹۱۲ء کو جس میں میرا پہلا مضمون ہے۔ اس مضمون کے ساتھ پڑھیں، خدا نے زندہ رکھا، تو ان شاء اللہ اس پر اور روشنی ڈالی جائے گی۔ فقط۔ راقم ابو النعیم محمد عبد العظیم، حیدرابادی

(اہلحدیث ۵ ربیع الثانی ۱۳۳۱ھ)

س:۔ ایک شخص آدمی ۸۰ سال تک پہنچ چکا ہے، اور اس کی بیوی کی عمر ۳۵ سال تک ہوگی، کچھ عرصہ سے آدمی قوت مردمی سے محروم ہو چکا ہے عورت خاوند سے متنفر ہے، اور کئی دفعہ خاوند کے چھوٹے بھائی سے کہہ چکی ہے، کہ تم میرے ساتھ نکاح کرلو، ورنہ میں کسی غیر کے ساتھ فرار ہو جاؤں گی، خاوند طلاق دینے کے لئے تیار نہیں، کیا خاوند کا چھوٹا بھائی بدوں طلاق اس عورت کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے؟

ج:۔ خاوند مذکور کو چاہیئے، کہ بحکم قرآن مجید لَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا عورت مذکور کو چھوڑ دے اور عورت کو چاہیئے، کہ خاوند سے علیحدگی کئے بغیر نکاح ثانی نہ کرے، ورنہ نکاح جائز نہ ہوگا۔ اللہ اعلم

(اہلحدیث امرتسر، ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۶۰ھ)

س:۔ ایک عورت کی عمر تقریباً ۳۰ سال کی ہے، شادی کو قریباً ۲۲ سال ہوئے، اس عرصہ میں عورت کو ۳ بچے ہوئے، اب عورت حاملہ ہے، یہ حمل تولد ہو جانے کے بعد بچے پیدا نہ ہونے کی دوائی استعمال کر سکتی ہے، عورت کی حالت بہت کمزور ہے اگر دوا مذکور استعمال کرنی ناجائز ہے، تو کیا عورت اپنے شوہر سے جدا رہ سکتی ہے؟

ج:۔ بچہ گرانے یا بچے کی پیدائش روکنے سے حدیثوں میں منع آیا ہے، بوجہ عذر خاوند سے جدا رہ سکتی ہے

(اہلحدیث امرتسر، ۳ ذی الحجہ ۱۳۶۰ھ)

س:۔ زید نامی کے ماموں کی لڑکی ہے، جس نے زید کی ماں کا دودھ پیا ہے، اگر اس کا نکاح زید سے کر دیا جائے، تو کیا نکاح جائز ہے یا جائز؟

ج:۔ صورت مرقومہ میں لڑکی زید کی ہمشیر ہے، اس لئے نکاح ناجائز ہے، بحکم قرآن مجید

اَخَوَاتُکُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ۔ اللہ اعلم (اہلحدیث امرتسر ۳ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ)

س:۔ نکاح بٹہ جائز ہے یا ناجائز؟

ج:۔ بٹہ کا نکاح بحکم حدیث شریف لا شغار فی الاسلام جائز نہیں ہے۔

(۳۱ رجب ۱۳۶۴ھ)

س:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو میکے بسبب ناراضگی کے بھیج دیا، لوگ پوچھتے ہیں تو کہتا ہے، میں نے طلاق دے دی ہے، کئی دفعہ کہتا رہا ہے اب عرصہ تین سال بعد رجوع کرتا ہے۔ اب اس کے لئے کیا حکم ہے؟

ج:۔ رجوع عدت کے اندر ہوتا ہے، کئی سال کے بعد نہیں ہوتا۔ اس لئے رجوع جائز نہیں نکاح جدید کی ضرورت ہے (اہلحدیث امرتسر ۳ رجب ۱۳۶۴ھ)

س:۔ مسمی عبدالعزیز نے اپنی بی بی کو ایک جلسہ میں دو طلاق دیں، دونوں میاں بیوی بہت شرمندہ ہیں، مذہب حنفی رکھتے ہیں، علماء احناف کے پاس جب فتوی گیا، تو بعد تین ماہ کے جواب آیا، کہ بغیر حلالہ کے جائز نہیں ہے، اب بے چارہ عبدالعزیز اہلحدیث کے پاس آیا ہے، اور حالت یہ ہے، کہ جیسے طلاق دیا ہے، دونوں میاں بیوی ایک ہی مکان میں حسب دستور سابق ہیں، جس کو آج نو ماہ ہو گئے ہیں، اسی تاریخ سے عبدالعزیز کہتا ہے کہ طلاق نہیں ہوا ہمارا دل بھی شہادت دیتا ہے۔ مگر شک کی وجہ سے پریشان ہے، میاں و بی بی دونوں تقریباً ۴۰،۴۰ سال کے ہیں، اب سوال یہ ہے، کہ ان میں رجوع ہو سکتا ہے کہ نہیں؟

ج:۔ حلالہ تیسری طلاق کے بعد ہوتا ہے، دو طلاقوں کے بعد چونکہ عدت گذر گئی ہے، اور عورت بائنہ ہو گئی ہے، اس لئے نکاح ثانی کر کے رہ سکتی ہے۔ واللہ اعلم

(اہلحدیث امرتسر ۲۰ شوال ۱۳۶۴ھ)

حلالہ کیا چیز ہے؟

اس عنوان سے ایک مضمون رسالہ المساحر (اگست) میں میری نظر سے گذرا جس میں ایڈیٹر المساحر غازی محمود صاحب نے لکھا ہے، کہ حلالہ جو مسلمانوں میں مروج ہے، جس کو مفسرین نے لکھا ہے، قرآن مجید سے ثابت نہیں ہوتا، چونکہ آریوں کے منہ پر حلالہ حلالہ چڑھا رہتا ہے، غالباً اس لئے ایڈیٹر المساحر نے نیک نیتی سے اس کا انکار کر دیا، ہمیں اس سے تو مطلب نہیں، کہ مروجہ حلالہ

کیا ہے، اور مفسرین نے کیا لکھا ہے، ہاں ہم قرآن مجید کا مطلب مختصر لفظوں میں بتانا چاہتے ہیں تاکہ ہمارے دوست ایڈیٹر المسلم کو اور اس کے ناظرین اور دیگر ناواقفوں کو غلطی نہ لگ جائے آیت زیر بحث کے اصل الفاظ یہ ہیں:۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ ہ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ يَّتَرَاجَعَا اِنْ ظَنَّا اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ (بقرہ ۔ ۲۹۶)

اس آیت کا ترجمہ اور مطلب بتانے سے پہلے اس کی مختصر سی ترکیب کردینی ضروری ہے کیونکہ جہاں تک میں نے غور کیا، ایڈیٹر صاحب موصوف کو اس کی ترکیب پر غور نہ کرنے سے الجھن پیدا ہوئی ہے۔

آیت موصوفہ کے لفظ لا تحل میں جو نفی ہے، اس کی انتہا حتی تک ہے کیونکہ لفظ حتی کسی کام یا چیز کی انتہا کے لئے ہے، پس معنی آیت کے یہ ہیں:۔

"اگر خاوند آخری طلاق دے دے، تو وہ عورت اس کو حلال نہیں ہے، اور اس عدم حلت کی انتہا نکاح ثانی ہے، یعنی جب عورت نے نکاح ثانی کیا تو یہ عدم حلت جو لا تحل میں تھی ختم ہوگئی، اب اگر خاوند ثانی کسی وجہ سے طلاق دے دے، تو پہلے خاوند کے ساتھ اس کا نکاح حرام نہیں"

چنانچہ فرمایا:۔

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ يَّتَرَاجَعَا اِنْ ظَنَّا اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ

یعنی اگر وہ خاوند ثانی طلاق دے، تو ان دونوں (عورت اور سابق خاوند) کو نکاح کرکے مل بیٹھنے میں گناہ نہیں، بشرطیکہ پہلے کی طرح بگاڑ نہ کرنے کا گمان غالب ہو۔

اس آیت کو بقدر علم نحو دیکھا جائے، تو مطلب بالکل صاف ہے، کہ جب کوئی عورت پہلے خاوند سے علیحدہ ہو کر اس درجہ پر پہنچ جائے، کہ لا تحل لہ اس پر صادق آئے، تو اس کی یہ عدم حلت ابدی نہیں، بلکہ نکاح ثانی پر منتہی اور ختم ہو جاتی ہے، پھر وہ خاوند اگر طلاق دے، تو عدت طلاق گذار کر پہلے خاوند سے نکاح کرسکتی ہے، یہی حلالہ ہے، اور یہی نکاح ثانی ہے، جس پر ایڈیٹر صاحب المسلم کا یہ کہنا کہ:۔

"اس آیت میں بیوی کے حقوق کی کماحقہ حفاظت کی گئی ہے، اور بتایا گیا ہے کہ خاوند

کا اختیار بیوی پر اسی وقت تک ہے، جب تک کہ وہ اس کی بیوی ہے جب اس نے اس کو طلاق دے دی، تو اس نے اپنے حقوق کو ضائع کر دیا، یہاں تک (غالباً یہ یہاں تک "حَتّٰی" کے لفظ سے نکالا ہے۔ اہلحدیث) کہ اگر عورت کی مرضی ہو تو وہ فوراً غیر مرد کے ساتھ شادی کر لے، طلاق دہندہ اس کو ایسا کرنے سے کسی صورت میں نہیں روک سکتا (ص ۲۶)

آیت موصوفہ کے الفاظ اور ترکیب کے ماتحت نہیں آسکتا، البتہ ان کا اپنا مشورہ ہے مختصر یہ کہ آیت میں جو حَتّٰی ہے، وہ انتہا ہے، اس عدم حلت کی، جو پہلے تحل میں آئی ہے اس کے بعد چونکہ نکاح ثانی خود مانع نکاح ہے، اس لئے اس دوسرے مانع کو فان طلقہا کہہ کر رفع فرما دیا۔

مطلب آیت کا واضح لفظوں میں یہ ہے، کہ بعد تیسری طلاق کے عورت مطلقہ پہلے خاوند پر حرام ہے، مگر یہ حرمت ابدی نہیں، بلکہ دوسرے نکاح تک اس کی انتہا ہے، اس کے بعد نکاح ثانی ہے عارضی مانع ہے جو طلاق ثانی سے رفع ہو سکتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ عورت مطلقہ اگر نکاح ثانی نہ کرے، تو ساری عمر بھی پہلے خاوند سے نکاح نہیں کر سکتی بلکہ لاتحل کے ماتحت رہ کر ابدالآباد تک پہلے خاوند پر حرام ہے

نوٹ:۔ یہ تو ہوا آیت کا مطلب، باقی۔ ہی اس کی حکمت اور آریوں کا اعتراض اور اس کا جواب، تو وہ کئی دفعہ ذکر ہو چکے ہیں، اور ہوتے رہیں گے، ایڈیٹر صاحب المسلم اس کو خوب جانتے ہیں (اہلحدیث امرتسر ۲۴ ستمبر ۱۹۱۵ء)

حلالہ کیا چیز ہے؟

اس عنوان سے ۲۴ ستمبر ۱۵ء کے پرچہ میں ایک مضمون درج ہوا ہے جس میں غازی محمود صاحب ایڈیٹر المسلم کا حلالہ مروجہ سے انکار اور اسے مفسروں کی رائے قرار دینے کا ذکر ہے، اس میں تو شک نہیں، کہ قرآن مجید سے حلالہ ہرگز ثابت نہیں۔ بلکہ قرآن کریم کی اصلی تفسیر اور اس کی حکمت یعنی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حلالہ کرنے والے کو "التیس المستعار" کہا گیا ہے اور حلالہ کرنے والے پر اور جس کے لئے حلالہ کیا جائے، اس پر لعنت کی گئی ہے۔ لعن اللہ المحلل والمحلل لہ۔ لہ فوراً نہیں، بلکہ عدت گذار کر کیونکہ عدت گذرنے کا عام حکم آچکا ہے۔ والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلثۃ قروء۔ (اہلحدیث)

ہاں ایڈیٹر المسالہ نے یہ ایک غلطی کی ہے، کہ اس کو عام طور پر مفسروں کی رائے قرار دیا ہے ان کو لازم تھا، کہ ان مفسروں کا نام لیتے، جنہوں نے اس کو اپنی تفاسیر میں لکھا ہے، میرا خیال ہے، کہ شاید وہ کسی مفسر کو یہ پیش کرتے ہوئے نہ دکھائیں گے، کہ اس نے حلالہ مروجہ قرآن کی کسی آیت سے نکالا ہو۔ مولانا ثناء اللہ صاحب نے جو قرآن مجید کا مطلب مختصر لفظوں میں بتایا ہے، وہ بجائے خود صحیح ہے، مگر نہ اس سے کسی قسم کا حلالہ ثابت ہوتا ہے، نہ کچھ اور ثابت ہوتا ہے، اس سے تو صرف یہ ثابت ہوتا ہے، کہ تین طلاق کے بعد وہ عورت کسی دوسرے خاوند سے اپنی خوشی سے ہمیشہ کے لئے نکاح کرے، اور پھر جب اتفاقاً کسی وجہ سے اس کا دوسرا خاوند محض اپنی خوشی سے اسے طلاق دے، تو اس عورت کو اختیار ہے، چاہے کسی دوسرے سے نکاح کرے، اور چاہے اپنے پہلے خاوند سے نکاح کرے۔

"حلالہ" برادران احناف کی ایجاد ہے، جس میں صرف چند دن کے لئے یا بعض مقام پر صرف ایک رات کے لئے ایک شخص محض اس لئے اس عورت سے نکاح کر لیتا ہے کہ وہ پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جائے، اور اسی فعل پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے (خاکسار محمد یوسف فیض آبادی) (اہلحدیث ۲۶ نومبر ۱۵ء)

عقد نکاح کے بعد بادام مصری نثار کرنا،

از مولانا مولوی ابو تمیم محمدی حیدرآبادی

حدیث ۱ـ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تزوج امرأۃ من نسائہ فانثرت علی راسہ تمر عجوۃ رواہ الخطیب عن عائشۃ مرفوعا وفی اسنادہ سعید بن سلام کذاب والحدیث باطل۔ ترجمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں میں سے کسی عورت سے نکاح کیا، تو لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر سے کھجوریں عجوہ نثار کیں، اس حدیث کو حضرت عائشہ رض سے مرفوعاً روایت کیا ہے، اس کی اسناد میں سعید بن سلام کذاب ہے، اور حدیث جھوٹی ہے (الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ ص ۷۹)

حدیث ۲ـ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضر املاک رجل من انصار فانثرت الفاکھۃ والسکر علی راسہ وامرھم بالانتھاب وقال انما نھیتکم عن نھبۃ العساکر رواہ العقیلی عن عائشۃ مرفوعا وفی اسنادہ بشیر بن ابراہیم

الانصاری یروی الموضوعات۔ ترجمہ ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرد انصاری کی شادی میں تشریف لے گئے، میوہ اور شکر اس کے سر پر نثار کی گئی، اور ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوٹنے کا حکم دیا، اور فرمایا، میں تم کو لشکریوں کے لوٹنے سے منع کرتا ہوں، اس کو عقیلی نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت کیا ہے، اور اس کی اسناد میں بشیر بن ابراہیم انصاری ہے، جو جھوٹی روایتیں بیان کرتا ہے　　(الفوائد المجموعہ ص ۷۹)

حدیث ۳ ۔ انہ شہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم املاک رجل من اصحابہ وضرب بالدف ونثر علیہ اطباق علیہا فاکھۃ وسکر ثم ذکر نحو الاول رواہ الطبرانی عن معاذ مرفوعاً وفی اسنادہ مجہولان رواہ ابو نعیم من حدیث انس وفی اسنادہ خالد بن اسمٰعیل الانصاری یضع الحدیث۔ ترجمہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب میں سے ایک صحابی کی شادی میں تشریف لائے، اور دف بجائی گئی، اور ان پر کئی طشت جن میں میوے اور شکر تھی نثار کئے گئے، پھر اس نے مثل اول کے ذکر کیا، اس کو طبرانی نے حضرت معاذ سے مرفوعاً روایت کیا ہے، اس کی اسناد میں دو مجہول ہیں، اور ابو نعیم نے حضرت انس رضہ سے اس کی مثل روایت کیا، اور اس کی اسناد میں خالد بن اسمٰیل انصاری ہے، وہ حدیثیں بناتا ہے۔　　(الفوائد المجموعہ فی احادیث الموضوعہ ص ۷۹)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار (ترمذی۔ مسلم) جو مجھ پر عمداً جھوٹ باندھے، اس کو چاہیے، کہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔

اس لئے مسلمانوں کا، اور خصوصاً اصحاب الحدیث کا یہ فرض عین ہے، کہ اس رواج کی عمداً تردید کریں، اور اس اتہام کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر لگایا گیا ہے، دور کرنے کی سعی بلیغ کریں اس لئے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے غلط سلط اور جھوٹی احادیث کو دور کرنا، اور غیر شرعی امور کو رفع کرنا، رسم ورواج کی بیخ کنی کرنا، امور بدعیہ شرکیہ، لغویہ سے عام افراد کو مجتنب رکھنے کی کوشش کرنا، پیغمبر علیہ السلام کی مسنون زندگی کی ترویج وتبلیغ کرنا، جماعت اہلحدیث کا مفوضہ اور امتیازی کام ہے، یہ کس قدر تعجب اور حیرت کی بات ہوگی، اگر ہمارے کان یہ سنیں، یا ہماری آنکھیں یہ دیکھیں، کہ اہلحدیث کی مجلس عقد میں مذکورہ بالا رسم بدعی پر عمل کیا جاتا ہے۔ فافہم ولا تکن من الخاسرین۔

(اہلحدیث امرتسر ص ۲، ۲۹ جمادی الثانی ۱۳۶۰ھ)

س:۔ شادی میں باجہ یعنی یک طرفہ دف بجانے کی شریعت میں ممانعت ہے یا کیا، بعض کہتے ہیں، کہ حضرت خدیجۃ الکبری رض کے عقد میں یک طرفہ دف بجایا گیا تھا۔

ج:۔ مسنون طریق نہیں ہے، اگر اس کو مذہبی رسم سمجھتا ہے، تو بدعت ہے، ایسا نہیں سمجھتا تو لغو ہے، واللہ اعلم (اخبار اہلحدیث امرتسر۔ ۱ مارچ ۱۹۳۹ء)

تعاقب سال رواں کے نمبر ۱۹ پرچہ میں ع ۸۹ سوال کے جواب میں جناب تحریر فرماتے ہیں کہ اگر نکاح میں دف مذہبی رسم جان کر بجاتا ہے، تو بدعت ورنہ لغو۔ اس کے متعلق عرض ہے، کہ ایک قولی حدیث میں نکاح میں دف بجانا مشروع، بلکہ نکاح کا اعلان دف کے ذریعہ سے مستحب معلوم ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو مشکوۃ ص ۲۷۳ عن عائشۃ رض . . . . . واضربوا علیہ بالدف۔ رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب۔ یہ حدیث غریب ہے، مگر اس کی تائید اور تقویت ذیل کی حدیث سے ہوتی ہے وھو ھذا

عن محمد بن حاطب الجمحی . . . . . (ابن ماجہ۔ مشکوۃ ص ۲۷۲) اور یہ حدیث حسن قابل احتجاج ہے۔ کما قال الترمذی۔ واللہ اعلم۔

راقم الحروف ابو النعمان انیس الرحمن نعمانی مدرسہ اسلامیہ مرشد آباد۔ بنگال

(اہلحدیث امرتسر ۱۹ رجب ۱۳۵۸ھ)

مُفتی:۔ فتوی میں سہو ہوگیا تھا۔ تعاقب صحیح ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

(اہلحدیث امرتسر ۱۵ ستمبر ۱۹۳۹ء)

ایک سوال اور اس کا جواب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ مندرجہ ذیل میں:۔

کہ ہندہ کی عمر چار برس کی ہے، ہندہ کی ماں ہے، اور علاتی بھائی ہیں، اور ایک حقیقی بھائی ہے، جو کہ ہندہ سے بھی عمر میں چھوٹا ہے، ہندہ کے علاتی بھائی لوگ ہندہ سے کسی طرح کا کینہ اور بغض نہیں رکھتے، بلکہ ہندہ سے بہر حال برتاؤ سلوک ومحبت کا رکھتے ہیں، ہندہ کی ماں نے اپنی ذاتی غرض ومطلب حاصل کرنے کے لئے ہندہ کو اس کے علاتی بھائیوں کی اطلاع کے بغیر کسی دوسری بستی میں جو کہ ۲ میل کے فاصلے پر واقع ہے، اپنے بھائی کے مکان پر لے جاکر بکر نامی ایک لڑکے سے شادی یعنی نکاح کرا دیا، نکاح ہو جانے کے بعد ہندہ کے علاتی بھائیوں کو اطلاع ہوئی،

ہندہ کے بھائی لوگ بکر سے نکاح ہونے پر راضی نہیں ہیں، اب سوال یہ ہے، کہ علاتی بھائیوں کی موجودگی میں ماں کا خود ولی بن کر ہندہ کا نکاح کرا دینا، یا کہ ماں کا کسی اجنبی شخص کو ولی قرار دے کر ہندہ کا نکاح کرا دینا از روئے شریعت محمدیہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

المستفتی عبد العزیز، موضع پیکوڑا۔ ضلع مرشد آباد۔

الجواب وھو الموفق للصدق والصواب۔ نکاح بغیر ولی کے غیر صحیح ہے قال اللہ تعالیٰ۔ ولا تنکحوا المشرکین حتی یومنوا۔ اے اولیاء مومنہ عورتوں کا نکاح مشرکوں سے مت کرو، جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں، اس آیت سے یہ بات معلوم ہوتی، کہ نکاح کے لئے ولایت کی ضرورت ہے، کیونکہ اللہ پاک نے ولیوں کو مخاطب فرمایا ہے۔ کما وقع فی فتح البیان ص ۲۸۴۔ ای لا تزوجوا الکفار بالمومنات خطاب للاولیاء وایضا فیہ ص ۱۵۸ مطبوعۃ المصر فی الایۃ المذکورۃ ووجہ الاستجاج من الایۃ والتی بعدھا انہ تعالیٰ خاطب بالنکاح الرجل ولم یخاطب بہ النساء فکانہ قال لا تنکحوا ایھا الاولیاء مولیاتکم للمشرکین۔ یعنی مرد کو نکاح کا ولی ہونے کے لئے آیت مذکورہ اور اس کے بعد والی آیت (فلا تعضلوھن) کو حجت قائم کیا ہے، اور عورت کو نکاح کے واسطے نہیں مخاطب کیا، گویا اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا۔ لا تنکحوا ایھا الاولیاء مولیاتکم للمشرکین۔ اے ولیو! مولیہ کا نکاح مشرکین سے مت کرو اس سے صاف ظاہر ہو گیا، کہ عورتیں اپنا نکاح خود نہیں کر سکتیں، ورنہ ان کے ولیوں کو خطاب نہ ہوتا، بلکہ ان کی طرف ہوتا۔ وفی حدیث عائشۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ایما امرأۃ نکحت بغیر اذن ولیھا فنکاحھا باطل ثلث مرات۔ یعنی جو عورت اپنا نکاح خود کر لے، تو نکاح اس کا باطل ہے، تین مرتبہ تاکیداً فرمایا۔

امام محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک باب منعقد کیا ہے، اور آیات و احادیث سے اس امر کو ثابت کیا ہے، کہ بغیر ولی کے نکاح درست نہیں ہے، کتاب النکاح ص ۲۹ مطبوعہ مصر باب من قال لا نکاح الا بولی لقول اللہ تعالیٰ فلا تعضلوھن فدخل فیہ الثیب وکذلک البکر وقال لا تنکحوا المشرکین حتی یومنوا۔ وقال وانکحوا الایامی منکم اس باب کے متعلق ارشاد الساری صحیح بخاری معروف بہ قسطلانی میں ہے فلا تعضلوھن ای لا تحبسوھن ولی کو خطاب ہے، کہ اپنے مولیہ کو نکاح سے نہ روکے۔ وفیہ ایضا قال امامنا الشافعی ان

ھذہ الایۃ اصرح دلیل علی اعتبار الولی والا لما کان لعضلہ۔ یعنی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، کہ یہ آیت اعتبار ولی کے لئے واضح دلیل ہے، ورنہ عضل کے معنی بے کار ہوگا اس سے واضح ہوا، کہ اگر ولی کوئی شے نہیں ہوتا، تو پھر نکاح سے رد کرنے کا اس کو اختیار کیونکر ہوتا، اس لئے نکاح کے لئے ولایت لابدی قرار پائی ہے وفی حدیث ابن ماجۃ المرفوع لا تزوج المرأۃ المرأۃ ولا المرأۃ نفسہا۔ ابن ماجہ کی مرفوع حدیث کہ عورت کا نکاح عورت نہ کرے اور عورت اپنا نکاح خود بھی نہ کرے۔ وانکحوا الایامی منکم اور فلا تعضلوھن میں اولیاء کی طرف خطاب ہے، جیسا کہ اس آیت کا شان نزول ہے، معقل بن یسار کی بہن جمیلہ کو ان کے شوہر (ابی البراح بن عاصم) نے طلاق دیا تھا، جب عدت پوری ہوگئی تو پھر ان کے شوہر نے تجدید نکاح کرانا چاہا، اور جمیلہ بھی راضی ہوگئیں، مگر معقل بن یسار نے جو جمیلہ کے ولی تھے، تجدید نکاح سے منع کیا، کہ اب اور نکاح نہیں کریں گے، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن۔ اس بنا پر آیت دلیل ہے، کہ عورت اپنا نکاح خود نہیں کر سکتی، کیونکہ اگر اپنے نکاح پر قادر ہوتی تو عضل کا معنے لغو ہوجاتا الحاصل ہندہ کی ماں ہندہ کا نکاح بلا اجازت ہندہ کے علاتی بھائی کے از روئے شریعت کے نہیں کر سکتی، کیونکہ حق ولایت بھائی کو ہے، ماں تو شرعاً ولایت ووکالت کا حق نہیں رکھتی۔ کما تقدم فی حدیث ابن ماجۃ اور اگر ہندہ کی ماں نے کسی دوسرے اجنبی شخص کو ولی قرار دے کر ہندہ کا نکاح پڑھوایا ہے، تو بھی یہ نکاح شرعاً صحیح نہیں، بلکہ باطل ہے، کیونکہ حدیث میں آیا ہے۔ السلطان ولی من لا ولی لہ۔ یعنی ولی کی محرومی کی صورت میں دوسرے شخص کو ولی کیا جا سکتا ہے۔

صورت مسئولہ میں تو ہندہ کا ولی ہندہ کے علاتی بھائی زندہ موجود ہیں، اور مانع از نکاح بھی نہیں، ہر مسلمان متبع شریعت پر واجب ہے کہ حقدار کو حق سپرد کرے، چنانچہ فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان تؤدوا الامانات الی اھلھا۔ اور حقدار ہوتے ہوئے حقدار کو حق نہ دینا یہ شیوہ اخیار کا نہیں اشرار کا ہے، چنانچہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ اذا ضیعت الامانات وفی روایۃ اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ کتبہ ابو نور الدین محمد شمس الدین احمد مدرس مدرسہ اسلامیہ (المرقوم ۱۳ اگہن ۱۳۴۷ھ بنگلہ) نیا جیرامپور جنگی پور۔ مرشد آباد

(۱) نکاح مذکور صحیح نہیں ہوا ہے۔ راقم۔ ابو الفضل محمد عباس عفی عنہ، موضع ایچھاخالی۔

(۲) الجواب صحیح والرای نجیح - ابوالفضل محمد امید اللہ عفی عنہ - ساکن دامداس ٹولی

(۳) - ھذا الجواب صحیح - محمد تمیز الدین - مالدھی -

(۴) - الجواب صحیح - محمد انیس الرحمن - جنگی پوری

(۵) - الجواب صحیح - محمد عبد الرزاق عفی عنہ ، مدرس مدرسہ اسلامیہ مرشد آباد

(۶) - ھذا النکاح لیس بصحیح - بحکم قرآن وحدیث راقم محمد زین الدین عفی عنہ

مدرس مدرسہ شیشہ ، رمضان پور)

(۷) ماقالہ المجیب فھو حری بالقبول وخلافہ خلاف الشرع محمد سلیمان عفی عنہ

چکلہ ، لال گولہ ، مرشد آباد - مورخہ ۳ رمئی سنہ ۶۱ ء)

(۸) - مجیب نے جو کچھ لکھا ہے کہ بغیر ولی کے نکاح صحیح نہیں یہ جواب صحیح ہے -

(محمد عبد الرؤف عفی عنہ چکلہ - لال گولہ ، مرشد آباد - ۳ رمئی سنہ ۶۱ ء)

(۹) - من اجاب فقد اصاب - محمد منیر الدین النوری کان اللہ لہ -

(۱۰) - من اجاب فقد اصاب - محمد ادریس عفی عنہ ، فاضل پوری

(مدرس مدرسہ نور الھدی ، بھگوان مرشد آباد ۳۰ رمئی سنہ ۶۱ ء

(۱۱) - ھذا الجواب صحیح والمجیب نجیح - محمد انیس الرحمن - النوری وناصر جنگی پوری

(۱۲) - جواب صحیح ھے - محمد یسین - دولیھ پوری -

(۱۳) - قد صح الجواب - ابوالمحامد محمد مجاھد غفر لہ دولیھ پوری

(۱۴) - مجیب کا جواب باصواب ہے - محمد مظہر حسین ، مدرس مدرسہ نجم الہدی ، شیخ علی پور

لال گولہ ، مرشد آباد)

(۱۵) - مجیب کی تحقیق بہت صحیح ہے - محمد عین الدین دولیھ پوری

(۱۶) - یہ جواب مؤید بالسنۃ والکتاب ہے - ابوخلیل محمد اسماعیل ، دیبی نگری ، مالدہی -

(۱۷) - یہ مسئلہ کتاب وسنت سے ثابت اور مبرہن ہے ، محمد رفعت اللہ ، دیبی نگری ، مالدہی ،

(۱۸) - مجیب کا جواب قابل تسلیم ہے - محمد عزیز الرحمن عفی عنہ ، مدرس مدرسہ ڈانگاپاڑا ، مرشد آباد ،

(۱۹) - الجواب صحیح لاشک فیہ - (محمد - مدرس مدرسہ چکلہ)

(۲۰) مجیب نے جواب صحیح لکھا ہے - محمد ہمیر الدین - عفا اللہ عنہ پکوڑادی -

(۲۱) یہ جواب بہت صحیح ہے - ابوالنجم الدین محمد سیف الدین ، فی الحال مقیم - باگڈانگا -

(۲۲) مجیب کا جواب موافق قرآن و حدیث ہے، محمد ایوب عفا اللہ عنہ. لشکر ہٹی.

(۲۳)، مجیب نے جواب ٹھیک لکھا ہے۔ محمد سمیر. رام نگری.

(۲۴)۔ جواب صحیح ہے۔ محمد انیس الرحمٰن۔ رام نگری۔

(۲۵) یہ جواب صحیح ہے۔ محمد نصیر الدین۔ شاہ آبادی

(۲۶)۔ ھذا الجواب صحیح۔ حسن محمد۔ ساکن جوڑ گچھا

(۲۷) جو جواب مجیب نے دیا ہے، بہت صحیح ہے۔ ابو المحمود محمد داؤد داہری پوری۔

(۲۸) مجیب کا جواب کتاب و سنت سے ثابت اور مدلل ہے

(کتبہ۔ ابو القاسم محمد مظفر حسین عفی عنہ، رام نگری

(۲۹)۔ جواب صحیح ہے، از روئے حدیث عورت نکاح کی ولی نہیں ہو سکتی۔

(ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری)

(۳۰)۔ حدیث شریف میں آیا ہے لاتزوج المرأۃ المرأۃ (ابن ماجہ)۔ العبد الجانی محمد عبد اللہ ثانی۔ امرتسری)

(اہلحدیث امرتسر ۵ ستمبر ۱۹۴۱ء)

س:۔ جس طرح دعوت ولیمہ سنت ہے، کیا برات کی دعوت جو بیٹی والا کرتا ہے، وہ مسنونہ ہے، اگر کوئی قوم برات کی دعوت کو، بوجہ گرانی اور اقتصادی حالات کے پیش نظر بند کر دے، تو کوئی شرعی حرج تو نہیں ہوگا (عبد الستار، دہلی)

ج:۔ ناکح کے ساتھ چند آدمیوں کا آنا، اور کھانا بھی کھانا ثابت ہے، مگر ایسا نہ ہونا چاہیے، کہ لڑکی والے پر بار ڈال کر دعوت لی جائے، جیسا کہ آج کل رواج ہو رہا ہے، یہ شریعت کے علاوہ اخلاق کے بھی خلاف ہے، قرآن مجید میں کل نفقات ناکح پر ڈالے گئے ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے۔ وبما انفقوا من اموالھم۔ لڑکی والا ناکح کے ہمراہیوں کو بطور خاطر تواضع شربت، دودھ وغیرہ پیش کرے تو جائز ہے۔ مگر اتنا نہ ہو جس سے اس پر بوجھ پڑے (اخبار اہلحدیث امرتسر ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۶۱ھ)

مذاکرہ علمیہ بابت ظہار

یہ مذاکرہ اہل حدیث مورخہ ۳ صفر میں لکھا گیا تھا جس پر کسی صاحب نے توجہ نہیں کی، حضرت ایک بزرگ مولوی محمد حیدر صاحب (موضع بھروکے متصل وزیر آباد، پنجاب) کا مضمون آیا ہے مولوی صاحب موصوف ایک مسن بزرگ ہیں، جناب حافظ صاحب مرحوم وزیر آبادی کے

دوستوں میں سے ہیں، اس لئے عزت کے ساتھ آپ کا مضمون درج کیا جاتا ہے۔
مذاکرہ میں سوال یہ تھا، کہ (۱) ظہار کی حقیقت کیا ہے (۲) بغیر ماں کو، اور محرم سے تشبیہ کا کیا حکم ہے (۳) آیت ظہار میں یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا کے کیا معنے ہیں، عود بعض نام کے چند شواہد قرآن سے بتلائے گئے تھے، جن کا مطلب یہ ہے، کہ ایک دفعہ کہہ کر پھر وہی کہنا بس جو صاحب اس مذاکرہ پر کچھ لکھیں، وہ پہلے اس مضمون کو غور سے پڑھیں، کیونکہ اس میں اقوال پر مدار بحث نہیں رکھا گیا، بلکہ بشواہد قرآنی تحقیق پر مدار ہے، مولوی صاحب موصوف کا مضمون یہ ہے (ایڈیٹر)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ رَبِّ يَسِّرْ وَلَا تُعَسِّرْ وَتَمِّمْ بِالْخَيْرِ

سوال اول:۔ عورت کو ماں بہن کہنے سے ظہار ہوتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ ظہار ہو جاتا ہے، شاہ عبدالقادر صاحب قرآن مجید کے ترجمہ میں لکھتے ہیں "جو لوگ ماں کہہ بیٹھے اپنی عورتوں کو، وہ نہیں ان کی مائیں" اور اس کے فائدے میں فرمایا ہے، اس ماں بہن کہنے کو ظہار کہتے ہیں۔ انتہی۔

اور مجھے یہ بھی یاد ہے، کہ شیخ محی الدین لاہوری مصنف بلاغ المبین وغیرہ نے ترجمہ بلوغ المرام میں ماں بہن کہنے کو بھی ظہار قرار دیا ہے، مولوی وحید الزمان نے لکھا ہے۔ الطلاق الصریح کانت طالق مطلقۃ وطلقتک لا یحتاج الی النیۃ اذا عرف معناہ یقع ولو ہازلا او لاعبا وقیل یحتاج الی النیۃ ایضا وکذلک کل لفظ جری فی عرف للناس للطلاق یقع بہ مع النیۃ انتہی۔

راقم کہتا ہے، ایسے ہی عرف میں جس لفظ سے ظہار بن سکے، وہ ظہار ہے، ابن القیم لکھتے ہیں زاد المعاد میں۔ فعلوانہ قرد الناس الی ما یتعارفونہ طلاقا فای لفظ جری فی عرفہم بہ وقع بہ الطلاق مع النیۃ والالفاظ لا تراد لعینہا بل للدلالۃ علی مقاصد لافظہا۔ انتہی۔ اس عبارت میں بھی رواج کا لحاظ ہے، جو لفظ رواجاً طلاق جانا جائے اس سے طلاق ہو جاتا ہے، علیٰ ہذا القیاس فاذا تکلم بلفظ دال علی معنی وقصد بہ ذلک المعنی یترتب علیہ حکمہ ظہار سمجھنا چاہیئے، فتح القدیر حاشیہ ہدایہ میں لکھا ہے روی ابوداؤد عن ابی تمیمۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمع رجلا یقول لامرأتہ یا اختی فکرہ ذلک ونہی عنہ ونحن نعقل ان معنی النہی ہو انہ قریب من التشبیہ

المحللة بالمحرمة الذی ھو ظھار ولولا ھذا الحدیث لامکن ان یقال ھو ظھار لان التشبیہ فی انت امی قوی منہ مع بذکر الارادة ولفظ اختہ فی یا اختہ استعارة بلاشك ومبینة علی التشبیہ لکن الحدیث المذکورة افاد کونہ لیس بظھار حیث لم یبین حکما سوی الکراھة والنھی عنہ فعلمنا انہ لابد فی کونہ ظھارا من التصریح باداة التشبیہ شرعا الخ

راقم کہتا ہے، کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے خلاصہ مطلب یہ قرار دیا، کہ انت امی اور یا اختہ میں تشبیہ ہے، اور ظہار بن سکتا ہے لیکن جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ظہار نہیں بتایا صرف منع کر دیا ہے، ایسا ہی انت امی ظہار نہیں بن سکتا، حالانکہ انت کا امی سے تشبیہ اقوی ہے، تو گویا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر کی رو سے صرف تشبیہ کا ہونا ضروری ہے جیسے کامی یا کظہر امی سے لیا جو نص میں وارد ہے، اور صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے، کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یا اختہ کو ظہار قرار نہیں دیا، گویا تشبیہ ہے، تو یہ ظہار نہیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت کافی ہے، اور علاوہ ام کے اور محرمات کو ظہار میں شامل کرنا ضروری بھی نہیں، اور انت امی اس واسطے ظہار ہے، کہ عرف میں اس سے آدمی کامی یا کظہر امی کا کام لیتے ہیں، اور عرف کا لحاظ موقعہ مناسب پر بالکل ضروری اور پرضروری ہے، اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے متعلق کوئی حکم ظہار نہ ہونے کا بھی نہیں۔ غرض ہر طرح سے انت امی ظہار ہے۔

سوال دوم:- ماں کے علاوہ کسی اور محرمات کو تشبیہ دینا ظہار ہے یا نہیں؟

جواب وبہ التوفیق:- ظہار نہیں، نہج المقبول من شرائع الرسول میں لکھا ہے۔ کہ وتشبیہ زوجہ بدختر وخواہر یا بچیزے کہ از نیہا خارج از معنی نص است، اگرچہ معنی حرمت موجود است وقیاس بجامع حرمت درخور قبول نیست وتوسیع این دائرہ غیر ورنہ بلکہ اقتصار بر مورد نص کافی است واں امہات از نسب اند انتہی۔

راقم۔ خیالی وجوہات سے اپنے اوپر بوجھ ڈالنا واجب نہیں۔ ذرد نی ما ترکتکم وغیرہ۔ اس مسئلہ کی تائید کرتا ہے۔

سوال سوم:- یعودون لما قالوا کا کیا مطلب ہے؟

جواب وباللہ التوفیق:- عرف الجادی من جنان ہدی الہادی میں لکھا ہے کہ

وظاہر آن ست کہ مراد بعود رجوع اند مدلول حفظ ظہار است، کہ آن تحریم زوجہ باشد چنانکہ برگشتن زن بسوئے خود خواہد خواہ وطی کنند یا نہ کنند پس حصر معنی عود در ارادہ بے وجہ است منہ ۱۲۸

تفسیر نیل المرام میں لکھا ہے۔ ثم یعودون لما قالوا بالتدارک والتلافی کما فی قولہ ان تعودوا لمثلہ ای الی مثلہ الخ قال قال الاخفش اللام بمعنی عن یرجعون عما قالوا و یریدون الوطی وقال الزجاج المعنی ثم یعودون ارادۃ الجماع من اجل ما قالوا قال الاخفش ایضا۔ الایۃ فیہا تقدیم و تاخیر والمعنی والذین یظاہرون عن نسائہم ثم یعودون لما کانوا علیہ من الجماع انتہی۔

روضۃ الندیہ میں لکھا ہے:۔ واختلفوا فی العود ما ہو فقال قتادۃ وسعید بن جبیر وابو حنیفۃ واصحابہ انہ ارادۃ المسیس لما حرم بالظہار لانہ اذا عاد فقد علا من عزم الترک الی عزم الفعل سواء فعل ام لا الخ ما قال۔ حضرت امام شافعی نے کہا، ھو امساک بعد الظہار، حضرت امام مالک اور امام احمد نے کہا بل ھو العزم علی الوطی انتہی بقدر الضرورت۔

ایک حدیث میں ہے۔ تزوجنی وانا شابۃ مرغوب فی فلما خلا منی و نثرت بطنی جعلنی کامہ عندہ فقال لہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما عندی من امرک شئ فقالت اللہم انی اشکوا الیک وردی انہا قالت ان لی صبیہ صغارا ان ضممتہم الیہ ضاعوا وان ضممتہم الی جاعوا فنزل القراٰن الی اخر الحدیث۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ عورت ملاپ چاہتی تھی، اور مرد نے بھی کفارہ ملاپ کے واسطے دیا، عود فی القول کا پتہ نہیں ملتا۔

ایک اور حدیث میں ہے۔ ان سلمۃ بن صخر البیاضی ظاہر من امراتہ مدۃ شہر رمضان ثم واقعہا لیلۃ قبل انسلاخہ فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم انت بذالک یا سلمۃ قال کنت انا بذالک یا رسول اللہ مرتین وانا صابر لامر اللہ فاحکم بما اراک اللہ۔ آگے یہ کہ اس کو کفارہ لگایا، اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے، کہ سلمہ کا خیال ملاپ، کا تھا۔

ایک اور حدیث میں ہے۔ ان رجلا اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد ظاہر من امراتہ فوقع علیہا فقال یا رسول اللہ انی ظاہرت من امراتی فوقعت علیہا

قبل ان اکفر قال فما حملک علی ذلک یرحمک اللہ قال رأیت خلخالها فی ضوء القمر قال فلا تقربها حتی تفعل بما امرک اللہ۔

ایک اور حدیث میں ہے۔ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المظاہر یواقع قبل ان یکفر فقال کفارۃ واحدۃ۔

ایک اور حدیث ہے، اس میں یہ ہے۔ ظاہرت من امرأتی ثم وقعت علیها قبل ان اکفر فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الم یقل اللہ من قبل ان یتماسا فقال اعجبتنی فقال امسک حتی تکفر۔ یہاں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عود فی الفعل ہے، فی القول نہیں، اس سے بڑھ کر عود کی تشریح کیا چاہیئے، لفظ دہرانے کا کوئی پتہ نہیں، ظاہری جس طرف گئے ہیں، وہ ٹھیک نہیں، حدیث قرآن مجید پر قاضی ہوتی ہے مجمل مقام میں یا مفصل میں ایڈیٹر، حدیث اور اقوال بزرگوں سے تو یہی ثابت ہوتا ہے، کہ عود ملاپ وغیرہ ہے کما بین من قبل من اقوال علماء الکرام اور اس آیت: الم تر الی الذین نهوا عن النجوی ثم یعودون لما نهوا عنه سے یہ مطلب لینا، کہ عود فی القول ہے درست نہیں، اس لئے کہ اس میں کہاں لکھا ہے، کہ نجوی کرنے والے بعینہ پہلے نجوی کے لفظ دہراتے تھے، وہ تو منہی عنہ مطلق نجوی دوبارہ کرتے تھے، آج اور کیا کل اور کیا، اور واقعات کے خیال سے، یہ صحیح ہے، کہ دشمن کبھی کسی طرح بدمعاشی کا خیال کرتا ہے کبھی کسی طرح، اور اگر یہ ہوتا، کہ لفظ اعادہ کرتے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سائلوں سے دریافت فرماتے، کہ تم نے دوسری دفعہ الفاظ دہرائے یا نہیں، اور سوال کا کہیں پتہ نہیں چلتا، خلاصہ یہ کہ عود فی الفعل ہے۔

واضح ہو، کہ پرچہ ۱۷ صفر ۱۳۳۷ھ میں جو ماں بہن کہنے کو طلاق قرار دیا تھا، خلاف ہے، یہ ظہار ہے فی القول نہیں، اور مصنفوں کی رائے بھی اس کی تائید ہی کرتی ہے، مغلوب العقل غصہ کا اعتبار نہیں، باقی رہا متوسط اور ابتدائی، اس میں اگر کہے گا، تو طلاق یہ معتبر نہیں کیونکر ہوگا احناف کرام کے مسائل، بے شک حنفیوں کے نزدیک انت علی مثل امی، یا کامی کہے، تو یہی ہے، کہ اگر کرامت کا ارادہ کرے تو کرامت، اور ظہار کا ارادہ کرے تو ظہار، اور اگر طلاق کا ارادہ کرے، تو طلاق بائن، اور اگر کوئی نیت نہ کرے، تو کچھ نہیں یہ مضمون ہدایہ میں ہے، اور ان کے نزدیک انت امی یعنی ماں، بہن کہنے سے ظہار نہیں ہوتا فتح القدیر میں لکھا ہے۔ ففی انت امی لا یکون مظاہرا۔ ان کے نزدیک کئی قسم کا اختلاف بھی ہے، کئی روایا موہوم ہیں، کہ انت

امی سے مظاہر بن سکتا ہے، مگر غالب شان کے نزدیک اس لفظ سے ظہار نہیں، راقم ظہار ثابت کرسکتا ہے ان شاء اللہ اور انت امی یعنی ماں بہن کہنے سے ظہار ثابت نہ کرنا سہو ہے جو شخص مقاصد اور معانی اور عرف وغیرہ کا امکان نظر سے خیال کرے، وہ اسی سے ظہار سمجھ سکتا ہے، سر ورق پر اس کا بیان کر دیا ہے فانظروا الیہ. حنفی عرف کے قائل ہیں، فتاوی نورالہدی میں ہے. قال صاحب الکتاب وھذا القول من محمد اصل جلیل فی الفقہ وھو ان یعتبر فی الفتیا لغۃ کل بلاد وعادتہ علی حسب ما تعارفوا واعتادوا وتفاھموا فیما بینھم فی علاتھم وخطاباتھم ومقالاتھم فی الایمان وغیر ذلک . . . . . پھر جب انت امی سے انت کظھر امی کا کام لیا جاتا ہے عرفاً. تو انت امی کیوں ظہار نہ ہوگا. واللہ اعلم بالصواب۔ (مولوی محمد حیدر صدیقی)

(اخبار اہلحدیث امرتسر ۲۲ دسمبر ۱۹۱۶ء)

س:۔ ایک عیسائی عورت ایک مسلمان مرد سے اس شرط پر نکاح کرنا چاہتی ہے، کہ میں اپنے مذہب عیسائیت پر قائم رہ کر گرجا وغیرہ نہ سوم کرتی رہوں گی، کیا اس شرط پر مرد مسلمان عیسائی عورت سے نکاح کرسکتا ہے،

ج:۔ کرسکتا ہے۔ والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم۔

(اہلحدیث ۸ اگست ۱۹۳۰ء)

س:۔ تاریخ ۸ ذی الحجہ کو نکاح ہوا، چوتھے دن قربانی کا گوشت دعوت ولیمہ میں خرچ کیا گیا، کیا قربانی ادا ہوگئی؟

ج:۔ ایک شخص نذر مانے، کہ میں جنوری کی پہلی تاریخ کو روزہ رکھوں گا، مگر اس روز رمضان کا چاند ہونے سے غرہ رمضان بھی ہے، تو صاحب نذر روزہ رکھے، دونوں ادا ہوجائیں گے ان شاء اللہ، اسی طرح صورت مذکورہ ہیں، مگر نیت نیک ہو، واللہ یعلم المفسد من المصلح۔

(اہلحدیث ۱۱ دسمبر ۱۹۳۱ء)

شرفیہ:۔ امید جواز کی ہے، مگر بشرط ادائے حق مساکین وغیرہ (ابوسعید شرف الدین دہلوی)

س:۔ مندہ بنت باقر کا عقد عبدالجبار بن ادریس سے ہوا، جس کو بارہ سال کامل ہوئے عقد کے بعد ہی سے عبدالجبار شوہر اس کا اس سے علیحدہ رہا، شب عروسی میں بھی خلوت میں نہ گیا ہنوز وہی بے تعلقی ہے. خویش واقارب کہتے ہیں، کہ طلاق دے مگر جواب میں کہتا ہے، کہ نہ ہم طلاق

دیں گے، نہ سروکار رکھیں گے، اور نان و نفقہ بھی آج تک کچھ نہ دیا، شرعاً اور قانوناً کیا صورت نجات
کی ہے، اب عورت شادی کے لئے بے چین ہے، ایسا نہ ہو کہ فعل ناجائز کی مرتکب ہو جائے۔
(عبدالنعیم از بمبئی ۸)

ج:۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ لا تمسکوھن ضرارا۔ عورتوں کو بہ تکلیف کے لئے نہ روک
رکھا کرو، اس آیت کے ماتحت عورت مذکورہ فسخ نکاح کرانے کا اختیار رکھتی ہے، اپنے ضلع کی جج
میں درخواست دے کر فسخ نکاح کرا کر، دوسری جگہ نکاح کرے، اللہ اعلم (۸ راگست ۱۹۳۰ء)

س:۔ زید بکر کو کہتا ہے، کہ تم نے اپنی بیوی کو طلاق دی، اور پھر اپنے مکان میں بیوی مذکورہ کو رکھا ہے
اور بی بی مذکورہ سے دریافت کیا گیا، تو اس نے جواب دیا کہ میرے شوہر نے مجھ کو ہرگز طلاق نہیں دی
اب سوال یہ ہے، کہ زید پر از روئے شریعت کون سی حد جاری ہو (نور محمد گونٹری شاہ آباد)

ج:۔ میاں بیوی طلاق سے منکر ہوں، تو گواہ پورے نصاب میں ہونے چاہئیں، کم سے کم دو معتبر
صادق القول ہوں، تو طلاق سمجھی جائے گی، ورنہ نہیں، صورت مرقومہ میں حد کا حکم کسی پر نہیں لگایا جا
سکتا، کیونکہ گواہ کا بیان اس کی زبانی نہیں سنا، نہ تحریری پہنچا ہے، اور نہ اس کی نیت کا علم ہے
(اہلحدیث ۱۲ ستمبر ۱۹۳۰ء)

س:۔ زید و بکر دونوں آپس میں حقیقی سالا بہنوئی ہیں، اور دونوں کلکتہ میں ایک ساتھ رہتے ہیں
مگر ایک روز ان دونوں میں کسی وجہ سے لڑائی ہوگئی، تو بکر نے زید سے کہا، کہ تم ہمارے گھر آؤ گے
تو سمجھیں گے، اس پر زید نے بکر سے کہا، کہ ہم نے تمہاری بہن کو جو ہمارے نکاح میں ہے طلاق دے
دی، مگر یہ جملہ زید نے اپنی جہالت اور غصہ کی حالت میں کہا، حالانکہ زید کو اپنی بیوی سے کوئی غصہ
نہیں ہے، اور بیوی بھی اپنے میکے میں ہے، اب سوال یہ ہے، کہ طلاق واقع ہوگئی، اگر واقع
ہوگئی، تو رجوع کرنے کی کیا صورت ہے؟

ج:۔ طلاق رجعی واقع ہوگئی، عدت کے اندر اندر رجوع کر سکتا ہے، رجوع کی صورت یہ ہے،
کہ عورت کو اپنی منکوحہ کی طرح ہاتھ لگا دے، یا زبانی کہہ دے، کہ میں طلاق سے رجوع کیا
عورت سامنے نہیں، تو دو گواہوں کے سامنے ایسا کہہ دے، واللہ اعلم (۲۶ ردسمبر ۱۹۳۰ء)

س:۔ زید نے اپنی بیوی کو اپنے والد کے مکان میں زنا کرتے خود نظر سے دیکھا، تب مارے غصہ
کے زید مذکور اپنے مکان واپس آیا، اور یار لوگوں سے کہنے لگا، کہ اگر میں اپنی بیوی کو لاؤں، اور اپنے
عقد میں رکھوں، تو اپنی ماں سے نکاح کروں اور ماں سے زنا کروں، چند روز کے بعد زید مذکور کا غصہ

ٹھنڈا ہوا، کہ بیوی مذکورہ کو اپنے مکان میں لاکر حسب دستور دنیاوی ہے، ویسا میل ملاپ کرتا ہے آیا زید کا نکاح باقی رہا، یا فسخ ہوگیا، اور زید کس درجہ کا گنہ گار ہوا، اور اس کی سزا و کفارہ کیا ہونا چاہئے۔

ج:۔ زید نے جو کہا، نہ یہ قسم ہے نہ طلاق، بلکہ ایک جاہلانہ کلام ہے، اس لئے اس کا نکاح نہیں ٹوٹا، مگر وہ ایسا کہنے میں سخت گنہ گار ہوا، جس سے اس کو جلد توبہ کرنی چاہیئے۔

(۳۰ر جنوری ۱۹۳۱ء)

شرفیہ:۔ میری تحقیق یہ ہے، کہ یہ کلام باعتبار معنی ظہار کی صورت ہے، لہٰذا کفارہ ظہار لازم ہے۔ ہذا واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ (ابوسعید شرف الدین دہلوی)

س:۔ کوئی شخص ملک چھوڑ کر دوسرے ملک میں زن و فرزندے کر جا رہا، کچھ مدت کے بعد بی بی اپنی برادری کے مکان میں گئی، بہت روز گذرنے پر شوہر کے پاس نہیں پہنچی، تو شوہر نے خفا ہو کر لکھا، کہ اپنی بہن کو نہ لا دے، تو میں طلاق دے دوں گا، تب بھی نہیں لائے۔ بعدہ طلاق دینا شروع کیا، دو مہینے میں دو طلاق دیں، پھر ایک مہینے کے بعد تیسرے مہینے میں تیسری طلاق دی، اور بی بی کو گھر سے نکال دیا، ایسی طلاق دینے سے بی بی حرام ہوئی ہے یا نہیں؟

ج:۔ یہ طلاق صحیح مغلظہ ہے، اس سے بیوی قطعی حرام ہوگئی، ایسے کہ پہلے خاوند کو ہرگز جائز نہیں، تاوقتیکہ اور خاوند سے نکاح کرے، اور وہ بخوشی طلاق دے، پھر عدت بھی گذر جائے۔

(۶ر فروری ۱۹۳۱ء)

س:۔ اخبار اہلحدیث مجریہ ۲۶ر ذی الحجہ ۱۳۴۹ھ مطابق ۱۵ر مئی میں سوال کیا گیا تھا، کہ "طلاق رجعی کی عدت کے اندر اندر حقیقی سالی سے نکاح کرنے سے بقول آپ کے طلاق بائن ہو جاتی ہے، اور حق رجوع ساقط ہو جاتا ہے" اور کوئی شخص بر سر مجلس اپنی بیوی کو طلاق رجعی دے، پھر اسی مجلس میں یا دو چار روز کے بعد اپنی بیوی یا کسی اور کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ میں اس طلاق میں رجوع نہیں کروں گا، کچھ دن گذر جانے کے بعد رجوع کا خیال کرے، تو بقول آپ کے رجوع کر سکتا ہے، پہلی صورت میں حق رجوع ساقط، دوسری میں نہیں، اس کی کیا وجہ؟ حالانکہ قول دونوں صورتوں میں ہے، بلکہ دوسری صورت میں قول صریح ہے، اس سوال کا جواب آپ نے یہ دیا ہے "پہلی صورت میں وہ مانع نہیں، جو دوسری صورت میں ہے سالی کے ساتھ نکاح ہونا قوی مانع ہے، جو دوسری صورت میں نہیں، اس لئے دونوں میں فرق ہے" اب میرا سوال یہ ہے، کہ پہلی صورت کو قوی مانع کہنے کی کوئی وجہ نہیں، کیونکہ ضمنی قول

ضعیف ہوتا ہے، اگر بالفرض تسلیم کر لیا جائے، تو یہ نکاح کے انعقاد پر موقوف ہے، انعقاد نکاح اس پر موقوف ہے، کہ مطلقہ رجعیہ بیوی ہونے سے نکل جائے، اور اس کا بیوی ہونے سے نکلنا کسی دلیل سے معلوم نہیں، پس انعقاد نکاح کیونکر ہوگا، اگر آپ کہیں کہ نکاح کے الفاظ بولنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس نے تسریح کی صورت اختیار کی ہے، جیسے آپ نے میرے تعاقب مندرجہ ۲۶ رشعبان ۱۳۴۹ھ کے جواب میں کہا ہے، تو اس پر وہی پہلا سوال ہوتا ہے، کہ جب صاف الفاظ میں کہے، کہ میں رجوع نہیں کروں گا، اس سے تسریح کا اختیار کرنا بطریق اولیٰ معلوم ہوتا ہے۔ والسلام (راقم ابوالخیر دم سلفی بردوانی)

ج: منطقی اصطلاح آپ جانتے ہوں، تو عرض کرتا ہوں، خوب سمجھ جائیں گے، لابشرط شئی بشرط شئی اور بشرط لا کے ساتھ ممکن الاجتماع ہے، جب تک نکاح نہیں ہوا تھا، رجعی طلاق لابشرط شئی کی طرح امساک اور تسریح دونوں کے ساتھ ممکن الاجتماع تھی لیکن جب نکاح ثانی ہوا، تو بشرط لا درجہ کا ہو گیا، جو بشرط شئی سے جمع نہیں ہو سکتا، اور عزم بعدم الرجوع میں یہ بات پیدا نہیں، کیونکہ عزم میں اسی طرح سے بصورت وعدہ ایک مانع پیدا ہوا ہے، مگر در صورت نکاح شرعی مانع ہو گیا ہے، جو متکلم کے عزم سے اقویٰ ہے، واللہ اعلم۔

(اہلحدیث امرتسر ۱۲ر جون ۱۹۳۱ء)

س: ایک شخص کی ایک لڑکی سے شادی ہوئی، عمر نابالغہ کی حالت میں اور شادی کے بعد لڑکی اپنے شوہر کے یہاں پر چند روز رہ کر پھر اپنے والد کے مکان پر واپس آئی، اس کو عرصہ قریب سات، آٹھ برس سے ہوتا ہے، اس درمیان میں لڑکی کو کبھی نہ رخصتی کرائی، اور نہ رخصتی کے لئے آیا، اب لڑکی پوری عمر بالغہ پر ہو گئی ہے، اور شوہر کے یہاں جانا چاہتی ہے لیکن شوہر اس وجہ پر نہیں لے جانا چاہتا ہے، کہ شادی کے بعد لڑکی کو ایک بیماری آبرص کی ہوئی ہے وہ یہ ہے، کہ بدن پر داغ داغ ہو گئے ہیں، اس واسطے بہت بھاری عیب سمجھ کر رکھنا دشوار سمجھتا ہے، اور نہ آج تک کوئی قسم کی خوراک پوشاک دیا ہے، اس ملک کا رواج ہے کہ عورت کو طلاق دینا نہایت حقارت سمجھتے ہیں، ایسی حالت میں لڑکی کی کیا صورت ہونی چاہیئے، تاکہ لڑکی اس مصیبت سے رہائی پائے

(راقم ابو محمد امیر الدین، بمقام میرادل لاڈاکخانہ مٹھاباد، ضلع دیناجپور بنگال)

ج: خاوند کو چاہیئے، اس کا علاج کرا کر بسائے، یا طلاق دے، ورنہ بذریعہ پنچایت یا بذریعہ

عدالت فسخ نکاح کرا سکتی ہے۔ فتاوی نذیریہ جلد ۲۔ (اہلحدیث ۱۰ر جولائی ۱۹۳۱ء)

س:۔ ایک شخص کو اس کی منکوحہ کے رشتہ داروں نے مار کر جبراً طلاق نامہ لکھوا کر دستخط کرائے، کیا یہ طلاق جائز ہے؟ (عزیز دین، پٹھانکوٹ، ضلع گورداسپور)

ج:۔ جبریہ طلاق جائز نہیں، لا اکراہ فی الدین۔ لیکن جبر کا ثبوت ہونا چاہیے۔ (اہلحدیث ۱۰ر جولائی ۱۹۳۱ء)

شرفیہ:۔ لا اکراہ فی الدین الآیۃ۔ اس آیت سے استدلال صحیح نہیں اس لئے کہ اس کے آگے ہے: قد تبین الرشد من الغی۔ یعنی اکراہ کی ضرورت نہیں، دلائل صحیحہ و براہین قاطعہ کافی ہیں اور اگر خبر بمعنے انشا بھی ہو تو بھی نہی عن الشیٔ اس کے عدم کو مستلزم نہیں قتل مسلم معصوم و زنا ممنوع ہیں مگر کرنے سے جرم ثابت ہو جاتا ہے اگر کوئی کسی مسلم سے بجبر و اکراہ کسی مسلم معصوم کو قتل کرائے ایک بھی نہیں بلکہ صدہا کو ایسے بار بار زنا کرلے، یا مسلمانوں کے اموال لٹوائے، تو سلف صالحین سے بلکہ تمام ہی ائمہ محدثین و فقہاء سے کوئی بھی اس کا قائل ثابت نہیں ہوا، کہ اکراہ میں اختیار باقی رہتا ہے، جب اختیار باقی رہتا ہے، تو پھر امور طلاق وغیرہ میں بھی واقع ہو جائیں گے۔ اور ولا یزالون یقاتلونکم حتی یردوکم عن دینکم ان استطاعوا ومن یرتدد منکم عن دینہ فیمت وھو کافر فاولئک حبطت اعمالھم فی الدنیا والآخرۃ واولئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون پ ۲ ع ۱۱ اس سے ثابت ہوا، کہ اکراہ سے کفر ثابت ہوگا۔ پھر اگر قبل توبہ مر گیا، تو دائمی دوزخی ہوگا پس طلاق بطریق اولے ثابت ہوگی، اور الا من اکرہ سے استدلال صحیح نہیں، اس کی تفصیل و تفسیر میری کتاب الاکراہ میں ہے، ملاحظہ ہو، اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے کہ ایک جنگ میں اسامہ بن زید نے ایک کافر پر حملہ کیا، تو اس نے آڑ میں ہو کر کلمہ شہادت پڑھا، کہ میں مسلم ہو گیا ہوں، مگر اسامہ رض نے قتل کر دیا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی، تو آپ بار بار فرماتے، کہ تو نے اس کو کلمہ شہادت پڑھنے کے بعد قتل کیا، بہت ناراض ہوئے، فرمایا قیامت میں تو اس کا کیا جواب دے گا (مشکوۃ ص ۲۹۹ جلد ۲) اس سے بھی ثابت ہوا، کہ اکراہ میں اختیار باقی رہتا ہے، اور فعل مکرہ یا قول کا اعتبار ہے، پس طلاق واقع ہو جائے گی ہاں سلف کا اس میں اختلاف ضرور ہے حضرت علی رض حضرت عمر رض و الزبیر رض وغیرہ اور تابعین سے عدم وقوع منقول ہے، اور عبد اللہ بن عمر اور شعبی اور نخعی اور ابو قلابہ اور زہری اور قتادہ اور سعید بن

مسیب اور شریح سے جواز منقول ہے، بلکہ ایک مرفوع روایت بھی ہے، اگر صحیح نہیں، لیکن ادلہ مذکورہ بالا سے اس کی تائید ہوتی ہے، اور یہی راجح ہے، آثار، التلخیص الحبیر، الدرایہ تخریج ہدایہ، نیل الاوطار وغیرہ میں ہے (ابو سعید شرف الدین)

یاد دہانی پرچہ اہلحدیث مورخہ ۱۳ر جولائی ۳۲ء سوال ۱۷۶ کے ضمن میں سائل دریافت کرتا ہے، کہ شادی والے شخص کا پورا ایمان ہے، اور بغیر شادی والے شخص کا آدھا ایمان، یہ حدیث کس کتاب میں ہے؟ فاضل اڈیٹر نے فرمایا ہے، کہ میں نے کسی کتاب میں یہ حدیث نہیں پڑھی الخ واقعی ان الفاظ کے ساتھ تو مروی نہیں، گو اکثر زبان زد خلق ہے، البتہ حدیث میں یوں تو وارد ہوا ہے، مرفوعاً حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ماذا تزوج العبد فقد استکمل نصف الایمان فلیتق فی نصف الباقی اخرجہ الامام احمد فی مسندہ من حدیث انس رض والطبرانی فی الاوسط ایضا عنہ کما فی کنز العمال، ص ۲۳۷ ج ۸ وایضا البیہقی فی شعب الایمان من حدیث کما فی الفصل الثالث من مشکوٰۃ المصابیح والترغیب للمنذری ص ۸ ج ۲ جلد ۳

یعنی بندہ جس وقت نکاح کرتا ہے، تو اس کا ایمان آدھا پورا ہو جاتا ہے، اب اسے چاہیئے، کہ باقی آدھے میں خدا سے ڈرتا رہے، یہ حدیثیں امام منذری کے نزدیک صحیح حسن سے تو کم نہیں۔ واللہ اعلم۔ الراجی رحمۃ ربہ ابو عبد الکبیر عبد الجلیل السامرودی)

(اہلحدیث امرتسر ۲۳ر جولائی ۱۹۳۲ء)

فتویٰ بابت نکاح بیوگان

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، اور زمین پر اپنا خلیفہ بنایا اور ان کی اولاد سے زمین کو آباد فرمایا، جیسا کہ آیت شریفہ میں ہے۔ خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منہا زوجہا وبث منہما رجالا کثیرا ونساءً (ترجمہ) (تمہارے رب نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا (اول) اس سے اس کا جوڑا بنایا، پھر ان دونوں سے بہت مرد اور عورت (پیدا کر کے زمین پر) پھیلا دیا، دوسرے مقام میں فرمایا۔ واللہ جعل لکم من انفسکم ازواجا وجعل لکم من ازواجکم بنین وحفدۃ (ترجمہ) اور خدا نے تمہارے لئے تم میں سے بیبیاں بنائیں، اور تمہارے لئے تمہاری بیبیوں سے بیٹے اور پوتے بنائے۔

اور نسل انسانی کے بڑھتے رہنے کو بغیر زوجہ والے مردوں اور بغیر شوہر والی عورتوں کا نکاح اور بیاہ کر دینے کا حکم فرمایا۔ وانکحوا الایامی منکم والصلحین من عبادکم وامائکم اور اپنی قوم کے بے زوجہ والے مردوں اور بے شوہر والی عورتوں کا نکاح کر دو، اور اپنے نیک غلام اور لونڈیوں کا نکاح کر دو، اگرچہ یہ حکم وجوب کے لئے نہیں ہے استحبابی حکم ہے لیکن جوانی کی حالت میں مرد اور عورت دونوں ہی کے حق میں مجرد رہنا بہت فتنوں کا باعث ہوتا ہے غرض یہ کہ جوان کا تجرد مفید نہیں ہے، بلکہ مضر ہے، اس لئے بہت ضروری ہے، کہ جوان عورت بے شوہر کے نہ رہے، اور مرد بھی مجرد نہ رہے۔

کنواری عورتوں کا سن جب زیادہ ہو جاتا ہے۔ تو اس کے ولی اور اہل قرابت اس کی شادی میں تو نفت ہونے کے سبب سے بے چین رہتے ہیں لیکن جوان بیوہ کی شادی کر دینے کی طرف ان کو توجہ نہیں ہوتی، حالانکہ کنواری جوان عورت کے اعتبار سے جوان بیوہ کو بے نکاح ثانی کے بٹھائے رکھنا زیادہ خطرناک ہے، ناجائز تعلق سے بچے رہنے کے ساتھ دوسرے برے افعال میں پڑنے کا اندیشہ اور خطرہ ہی نہیں ہے، بلکہ اکثر واقع ہوتا ہے جس سے صحت خراب ہو جاتی ہے، اس لئے جوان بیوہ عورتوں کے ولیوں کو چاہیئے، کہ اس کا نکاح کر دیں۔

چونکہ ہندوؤں کے رسم ورواج کو دیکھ کر مسلمانوں کی عورتوں اور جاہل مردوں نے بھی بیوہ کے عقد ثانی کو برا اور معیوب سمجھ لیا ہے، بیوہ کو عقد ثانی پر رضامند کرنا تھوڑا مشکل ہو گیا ہے، ولیوں کو چاہیئے کہ نکاح ثانی کی مصلحت اور ضرورت کو عام فہم اور نرم الفاظ میں سمجھائیں، اور سختی اور درشتی نہ کریں، معقول طرح سے مکرر سہ کرر سمجھانے پر رضامند ہو جانے کی امید ہے

بیوہ عورتوں میں جو مالدار یا کھانے پینے میں خوش ہیں، اکثر آزادی اور خوش حالی کے سبب سے گناہوں میں پڑ جاتی ہیں، اگر یہ نکاح کر لیں، تو آزادی کے برے نتائج سے حفظ وامان میں رہ کر نہایت خوش زندگی بسر کریں

اور جن کی معاش کی صورت نہیں ہے، وہ نوکری کر کے اپنی روزی حاصل کرتی ہیں جس کے گھر نوکری کرتی ہیں، وہاں صاحب خانہ اور اس کے عزیزوں کے بار بار مکان کے اندر آنے کی وجہ سے مصیبت زدہ بیوہ نوکر ہونے کی حیثیت سے صاحب خانہ پر اعتراض کر کے اپنے پردہ کو برقرار نہیں رکھ سکتی، پھر بے پردہ بکثرت روبرو ہونے اور محل بے محل کی آمد ورفت کی ملاقات کا نتیجہ برا ہوتا اور رسوائی تک پہنچاتا ہے، بے معاش عورتیں اگر دایہ گری وغیرہ کی قسم کی نوکری یا

دربدر سائی کے عوض کسی صاحب روزگار یا خوش حال مرد سے نکاح کرلیں۔ تو نوکری کی ذلت اور بے پردگی کے برے نتائج سے حفظ وامان میں رہیں اور ان کی تنگ دستی دور اور خوش حالی ہو جائے۔

خدا نے جس آیت شریفہ میں وانکحوا الایامی فرمایا ہے، اس کے آخر میں اس کی مصلحت کو بھی فرما دیا ہے۔ ان یکونوا فقراء یغنھم اللہ من فضلہ (ترجمہ) اگر وہ مفلس ہوں گے، تو خدا ان کو اپنے فضل سے خوشحال کردے گا

اگر کسی مرد یا بیوہ کی غربت اور محتاجی سے لوگ اس سے نکاح کرنے کے خواہش مند نہ ہوں، نکاح کا سامان نہ ہو، تو وہ پاکدامنی کے ساتھ صبر کرے، اللہ تعالیٰ اس کا سامان کردے گا، اور اس کی غربت اور محتاجی کو دور کردے گا، جیسا کہ فرمایا۔ ولیستعفف الذین لایجدون نکاحا حتی یغنیھم اللہ من فضلہ (ترجمہ) کہ پاکدامنی کریں جو نکاح کا سامان نہیں پاتے یہانتک کہ ان کو خوشحال کردے خدا اپنے فضل وکرم سے

اوپر کے بیان سے ظاہر اور واضح ہے، کہ نکاح بہترین مصلحت ہے، اور جب تک نکاح کا سامان نہ ہو، پاکدامنی برقرار رکھنا چاہئیے، یہی صورت فلاح اور خوش حالی کی ہے۔

جس بیوہ کا سن زیادہ ہو گیا ہو اور اولاد کی امید نہ رکھتی ہو، وہ عقد ثانی اگر نہ کرے، تو اس سے کسی طرح کا اندیشہ نہیں ہے، اسی لئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ والقواعد من النساء التی لا یرجون نکاحا فلیس علیھن جناح ان یضعن ثیابھن غیر متبرجت بزینۃ وان یستعففن خیر لھن (ترجمہ) اور بیٹھ رہنے والی عورتیں جو نکاح کی امید نہیں رکھتیں ان پر حرج نہیں، کہ اپنے کپڑے اتار دیں (یعنی چادر وغیرہ نہ اید کپڑے اگر مردوں کے رد برو بھی اتار دیں، تو کچھ حرج نہیں) ظاہر نہ کرنے والی ہوں زینت کو، اور یہ کہ عفت چاہیں، تو ان کے لئے بہتر ہے (محمد بدرالدین پھلواری، امیر شریعت صوبہ بہار واڑیسہ)

(المحدث ۱۲ ربیع الاول ۱۳۶۳ھ)

س:۔ ایک شخص باوجود مستطیع ہونے کے، مکان نہیں رکھتا، اپنی بیوی کو مجبور کرتا ہے، کہ وہ گھر کا کام کرے، اور اپنی عورت کو جبراً طلب ہے اپنے بھائی بہن کے ساتھ رکھنا چاہتا ہے، حالانکہ اس عورت کا ایک ذاتی مکان موجود ہے، وہ کہتی ہے، کہ میرے مکان میں چل کر رہو، مگر وہ ظلم سے علیحدہ نہیں ہوتا، براہ کرم جناب والا شرع شریف سے جواب عنایت فرمائیں۔

ج: مرد کو کمانا، اور عورت کو گھر کے کام سپرد ہیں والمرأة راعیة فی بیت زوجہا مرد کو عورت پر ایک طرح کی افسری ہے۔ الرجال قوامون علی النساء اس لئے مرد جہاں عورت کو رکھے عورت وہاں رہے تاوقتیکہ کوئی شرعی عذر نہ ہو انکار نہ کرے، ہاں گھر والوں پر خرچ حسب حیثیت کرنے کا حکم لینفق ذو سعة من سعته اس لئے اگر ماما رکھنے کی توفیق ہے تو رکھے۔

(اہلحدیث ۱۴ ر جمادی الثانی سنہ ۱۳۴۲ھ)

تعاقب

(از مولوی ابوالقاسم صاحب سیف بنارسی)

اخبار "اہلحدیث" مورخہ یکم فروری ۲۴ء فتاوی کالم سوال ۷۶/۲ "ایک شخص اپنی بیوی کو مجبور کرتا ہے کہ گھر کا کام کرے" کے جواب میں آپ نے ارقام فرمایا ہے، کہ "مرد کو کمانا، اور عورت کو گھر کے کام سپرد ہیں" اس میں مجھے کچھ کلام ہے، امام بخاری اپنی جامع صحیح میں اس مسئلہ کے متعلق دو حدیثیں لائے ہیں، ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے بیان میں ہے، کہ ارسلت زینب فیہا طعام بید الخادم (پ ۱۱) دوسری حدیث حضرت ابو بکر صدیق کی بیٹی حضرت اسماء رض کے قصہ میں ذکر فرمائی ہے، قالت اسماء ارسل الی ابوبکر بعد ذلک بخادم تکفینی الخ (پ ۲۱) ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے، کہ شوہر کو گھر کے کام کے لئے ایک نوکر رکھنا ضروری ہے، اگر شوہر غیر مستطیع ہو، تو لڑکی کا والد خادم بھیج دے، اسی لئے امام بخاری "کتاب النفقات" میں ابواب منعقد فرماتے ہیں، باب خادم المرأة و باب خدمة الرجل فی اھلہ ان دونوں کے ماتحت علامہ ابن حجر رحہ فتح الباری میں لکھتے ہیں اما ان تجبر المرأة علی شیء من الخدمة فلا اصل لہ بل الاجماع منعقد علی ان الزوج مؤنة الزوجة کلھا (ص ۲۸۸ پ ۲۲) یعنی بیوی کو کسی خدمت پر مجبور نہیں کیا جا سکتا بلکہ شوہر کے ذمہ بیوی کی تمام خدمتیں ہیں، ہاں اگر شوہر تنگ دست ہو، اور بیوی اپنی خوشی سے گھر کا کام کاج کرے تو جائز ہے، اس کے لئے امام بخاری نے علیحدہ باب منعقد فرمایا ہے۔ باب عمل المرأة فی زوجھا۔ امام مالک فرماتے ہیں اذا کان الزوج معسرا الزم المرأة (فتح ص ۲۳۷ پ ۲۴) لیکن ابن حجر رح فرماتے ہیں انھا تطوعت ولم یکن لازما (فتح الباری ص ۱۲۱ پ ۲۱) فقط۔

اہلحدیث

بنا نکاح یہ ہے، کہ میاں بیوی زندگی کی کشتی کو ل کر کنارے تک پہنچائیں ھن لباس لکم وانتم لباس لھن کا مفہوم یہی ہے، خاوند اگر فراخ دست ہے، تو حسب حیثیت اور تنگ دست ہے تو حسب حیثیت خرچ کرے۔ لینفق ذو سعۃ من سعتہ ومن قدر علیہ رزقہ فلینفق مما اتاہ اللہ رپ ۲۸ ع ۱۷ یعنی دونوں حسب حیثیت خرچ کریں، اسی لئے امام بخاری "باب عمل المراۃ فی بیت زوجھا" میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث لاتے ہیں، جس میں موصوفہ کی گھر کے کاموں میں تکلیف پانے اور حضور کی خدمت شکایت اور درخواست خادم کا ذکر ہے، مگر جواب میں حضور علیہ السلام نے نہ ان کے خاوند کو خادم رکھنے کا حکم دیا، نہ آپ نے خادم دیا، بلکہ صبح کے ساتھ تسبیح تکبیر وغیرہ پڑھنے کا ارشاد فرمایا معلوم ہوا کہ تنگی کی حالت میں خادم رکھنا نہ خاوند پر فرض ہے، نہ کسی وارث پر واللہ تعالیٰ اعلم۔

تعاقب ثانی

از مولوی نور محمد صاحب حیدر آبادی وغیرہ

اہلحدیث ۱۷ جمادی الثانی میں بجواب ۶۸ لکھا گیا ہے، کہ حنفیہ کرام کے نزدیک نکاح حلالہ میں ملاپ شرط نہیں" صحیح نہیں۔

اس جواب میں بے شک سہو ہو گیا ہے، لکھتے وقت کتب اصول کا مبحث خاص ذہن میں تھا، جو حتی تنکح سے متعلق ہے۔ اس لئے بعد شکریہ تعاقب تسلیم، حنفیہ بھی حدیث عسیلہ کو مشہور یا بمنزلہ مشہور تسلیم کرکے ملاپ کو شرط قرار دیتے ہیں۔

(اہلحدیث امرتسر ۹ رجب ۱۳۴۲ھ)

سوال:- عرصہ زاید از یک سال کا ہوتا ہے، کہ ہندہ بالغہ کے والد نے اس کا نکاح زید سے کر دیا ہندہ اول بار رخصت ہو کر سسرال گئی لیکن دو روز رہ کر وہاں سے ناراض آئی، باپ نے اسے بھی دوم مرتبہ زور دے کر اس کو زبردستی سسرال رخصت کیا لیکن ہر مرتبہ سخت ناراض آئی اب جبت زور دیا جاتا ہے، مگر کسی طرح وہاں جانے کو راضی نہیں ہوتی ہے، چند معتبر لوگوں نے اس سے وجہ ناراضگی دریافت کی، اس نے جواب دیا، کہ شوہر میری جانب یکدم توجہ نہیں کرتا ہے اور وہ میرے لائق نہیں ہے۔ میں ایسے شوہر کو ہرگز پسند نہیں کرتی ہوں۔

اب سوال یہ ہے، کہ ہندہ ایسے شوہر سے از روئے قرآن وحدیث یا باجازت پنچان یا بحکم حاکم وقت علیحدگی کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور اس کو دوسرے نکاح کی اجازت دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب: مذہب اسلام میں جیسا کہ انعقاد نکاح تراضی طرفین پر موقوف ہے اسی طرح بقائے نکاح بھی جانبین کی رضامندی پر منحصر ہے لیکن صورت ابقائے نکاح میں مرد مستقل ہے یعنی نکاح کو قائم رکھنا، اور طلاق دے کر اسے توڑ دینا مرد کے اختیار میں ہے لیکن عورت کو خود فسخ نکاح اختیار نہیں ہے، جب اس کو کسی مرد کے نکاح میں رہنا پسند نہ ہو تو مرد کو راضی کر کے خلع کرائے اور اگر وہ خلع پر راضی نہ ہو تو حاکم وقت کے یہاں استغاثہ کرے، حاکم اپنی حکومت کی حیثیت سے مرد کو طلاق دینے اور عورت کو مہر واپس دینے یا معاف کرنے کا حکم کرے اور عورت مدعیہ کو اس مرد سے آزاد کرائے، اس معاملہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ جو ثابت بن قیس رض کی روایت میں ہے، ہدایت در دستور العمل بنانے کے لئے کافی ہے۔

کتبہ۔ السید عبد العلی عفی عنہ، افضلی　　الجواب صحیح۔ محمد ابو القاسم بنارسی

الجواب صحیح۔ سید کفایت حسین۔ عفی عنہ

اصاب من اجاب۔ واللہ اعلم بالصواب۔ عبد الوہاب عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح۔ محمد صبیح الحق، عمادی، مجیبی غفر لہ خانقاہ عمادیہ پٹنہ

ابو الوفاء ثناء اللہ کفاہ اللہ　　(اخبار اہلحدیث امرتسر ۱۹ رجب ۱۳۴۶ھ مطابق ۴ جنوری ۱۹۲۸ء)

س: ایک شخص بمرض نمونیہ پلیگ، بحالت بے ہوشی اپنی زوجہ منکوحہ مدخولہ کو تین طلاقیں دفعۃً دے دیں، جس کے باعث اس کی زوجہ اپنے والدین کے گھر چلی گئی، بعد ازاں جب وہ صحت یاب ہوا، تو اپنے فعل پر نادم و پشیمان ہوا اب وہ اپنی زوجہ مطلقہ سے رجوع کرنا چاہتا ہے، اور عورت بھی رضامند ہے، مخالفین رکاوٹ ڈالتے ہیں، کہ تین طلاق واقع ہو چکی ہیں، رجوع نہیں ہو سکتا، تو کیا اس صورت میں وہ شخص رجوع کر سکتا ہے، یا نہ؟

ج: حدیث شریف میں ہے، میری امت پر سے بے ہوشی کے احکام مرتفع ہیں (رحتی تفیق) یہاں تک کہ ہوش میں آئے، اس حدیث کے مطابق درصورت صحت سوال مذکور طلاق واقع نہ ہوگی، لہذا بغیر رجوع کے مصالحت کر سکتے ہیں　　(اہلحدیث ۲ مئی سنہ ۳۲ء)

شرفیہ: یہ صحیح ہے، مگر صورت مرقومہ میں تین طلاق دینے کو بے ہوشی کہنا محل بحث ہے

غالباً بے ہوشی نہیں، بہ محض حیلہ معلوم ہوتا ہے (ابو سعید شرف الدین دہلوی)

طلاق سکران

بخدمت فیض درجت مولانا ابو طاہر صاحب بہاری عم فیضہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ عرض ہے، کہ ایک استفسار حضور کی خدمت شریف میں ارسال ہے، اس کا جواب تحریر فرما کر اور مواہیر سے مزین فرما کر کے بذریعہ اخبار اہلحدیث کے شائع فرمائیں غایت ممنون ہوگا، امید ہے، کہ اس عرض کو میرے ضرور قبول فرمائیں گے

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص تاڑی پی کر اس قدر بیہوش وبے خبر ہوگیا، کہ بلا سبب اثنائے کلام میں اپنی بیوی کو کہا کہ (تو میری ماں کے برابر ہے، تجھے میں نے طلاق دیا) اس مضمون کو تین بار بلکہ زائد کہا، اور جب ہوش ہوا، اور لوگوں نے کہا کہ تو نے طلاق دیا ہے، یہ سنکر اس نے سخت انکار کیا، اور کہا کہ ہم نے ہرگز طلاق نہیں دیا ہے، پس فقہائے حنفیہ رح کی تحقیق کے موافق ایسے شخص کی طلاق واقع ہوگی یا نہیں، اور ظہار بھی واقع ہوگا یا نہیں بینوا بالدلیل توجروا عند الجلیل السائل:۔ غلام رسول جھنیاسوری بہاری عفی عنہ

الجواب:۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،۔

سکران یعنی نشہ والے کی طلاق کے وقوع میں علمائے حنفیہ میں اختلاف ہے ایک گروہ قائل ہے، کہ سکران کی طلاق واقع ہوگی، اور ایک گروہ کا یہ مذہب ہے، کہ سکران کی طلاق واقع نہ ہوگی، امام طحاوی اور امام کرخی جو اکابر علمائے احناف سے ہیں، ان دونوں نے عدم وقوع طلاق کو اختیار کیا ہے درمختار میں ہے۔ ولم یوقع الشافعی طلاق سکران واختارہ الطحاوی والکرخی۔ ترجمہ،۔ امام شافعی فرماتے ہیں، کہ نشہ والے کی طلاق واقع نہیں ہوگی، اسی قول کو اختیار کیا ہے امام طحاوی اور امام کرخی نے، اور فتاوی تاتارخانیہ میں تفریدیہ سے نقل کیا ہے، کہ اسی قول پر احناف کا فتوی ہے اسی قول مختار کے تحت میں علامہ شامی لکھتے ہیں وکذا محمد بن سلمۃ وھو قول زفر یعنی محمد بن سلمہ حنفی نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے، اور امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے شاگرد رشید امام زفر کا بھی یہی قول ہے، اور کفایہ شرح ہدایہ میں لکھا ہے۔ ولو شرب من الاشربۃ التی تتخذ من الحبوب او من العسل وسکر وطلق امراتہ لا یقع طلاقہ عند ابی حنیفۃ وابی یوسف رحمہما اللہ تعالی۔ ترجمہ:۔ اگر کوئی شخص اس قسم کی شراب پئے، جو حبوبات اور شہد سے بنائی جاتی ہے۔

اور نشہ ہو جائے، پھر اپنی عورت کو طلاق دے، اس کی طلاق امام ابو حنیفہ کے نزدیک واقع نہ ہوگی اور باتفاق احناف تاڑی اقسام خمر سے نہیں ہے، اسی واسطے اس کے قلیل اور کثیر پر ایک حکم نہیں ہے۔ اور ہدایہ کی شرح فتح القدیر میں ہے۔

قال بعدمه وقوعه القاسم بن محمد وطاؤس وربيعة بن عبد الرحمن والليث واسحق بن راهويه وابو ثور وزفر وقد ذكرناه عن عثمان رضي الله عنه وروى عن ابن عباس رضي الله عنهما وهو مختار الكرخي والطحاوي ومحمد بن سلمة من مشائخنا ووجهه ان اقل ما يصح التصرف معه وان كان حكمه مما يتعلق بمجرد لفظه القصد الصحيح او مظنته. وليس له ذلك وهو اسوأ حالا من النائم لانه اذا اوقظ يستيقظ بخلاف السكران وصار كزواله بالبنج والدواء وهو الافيون وكون زواله عقله بسبب هو معصية لا اثر له والا صحت ردته انتهى۔

ترجمہ۔ اور سکران کی طلاق واقع نہ ہونے کے قائل ہوئے ہیں قاسم بن محمد اور طاؤس اور ربیعہ بن عبد الرحمن اور لیث اور اسحاق بن راہویہ اور ابو ثور اور امام زفر اور ہم نے اسی قول کو نقل کیا ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے، اور اسی قول کو اختیار کیا ہے ہمارے مشائخ میں سے امام کرخی اور امام طحاوی اور محمد بن سلمہ نے اور اس کا سبب یہ ہے کہ اقل درجہ اس کا یہ ہے کہ صحیح ہو تصرف ساتھ اس کے اگرچہ ہے حکم اس قسم میں سے کہ جو تعلق رکھتا ہے ساتھ مجرد لفظ قصد صحیح کے یا گمان کے، اور حال یہ ہے کہ سکران کو یہ وصف حاصل نہیں ہے، کیونکہ اس کا حال نائم سے برا ہے، کیونکہ نائم جب جگایا جاتا ہے تو جاگتا ہے بخلاف سکران کے پس یہ صورت ہوگئی مثل اس صورت کے کہ زائل ہو عقل بھنگ اور دوسری قسم کی دوا سے جیسے افیون وغیرہ، اور اس کی عقل کا زوال ایسے سبب سے ہوا ہے جو عین معصیت ہے، جس کا کوئی اثر نہیں ہے اور اگر طلاق صحیح ہو، تو مرتد ہونا بھی صحیح ہوگا، حالانکہ سکران کا ارتداد معتبر نہیں ہے یہ سب روایتیں کتب فقہ میں ہیں، اور انہیں روایتوں کی تائید کرتی ہے درایت۔

حدیث صحیح میں ہے، رفع القلم عن ثلث الخ یعنی تین شخصوں سے احکام شرع مرتفع ہیں ایک سونے والا، دوسرا نابالغ، تیسرا مغلوب العقل، اور یہ ظاہر ہے کہ سکر کامل سالب عقل و مزیل حواس ہے، پس مرفوع القلم میں محسوب ہوگا، اور طلاق تو بقول شارع ابغض المباحات میں سے ہے پس اس کے ارتفاع کی صورت کو عدم ارتفاع پر ترجیح ہوگی، علاوہ بریں سکران کے وقوع طلاق اور

عدم وقوع طلاق کا مسئلہ اجتہادی ہے، کہ مجتہدوں نے اس امر میں اختلاف کیا ہے اور اجتہادی مسائل کی نسبت حضرت مخدوم شرف الدین بہاری علیہ الرحمۃ خوان پر نعمت کی مجلس ششم میں فرماتے ہیں "اما تا چیزے در حد مجتہد فیہا ست و خلق دراں مبتلا شدہ اند بر خلق اندراں دشوار نہ گیرند، چنانچہ آسان خلق باشد دراں چیز حکم بداں کنند" پھر چند سطر کے بعد فرماتے ہیں "ہر جا اجتہاد را دراں مدخل ست فتوی بر وجہے نویسند کہ خلق را آسان باشد و حرجے بدیشاں نرسد و ایں حکم از قرآن ثابت است. قال اللہ تعالیٰ ما جعل علیکم فی الدین من حرج" پس حسب تحقیق حضرت مخدوم بہاری بخیال سہولت و دفع حرج فتوی عدم وقوع طلاق پر دینا چاہیے، جیساکہ امام کرخی اور امام طحاوی اور امام زفر وغیرہ کا مسلک ہے، اور جب طلاق واقع نہ ہوئی، تو ظہار کا لفظ بھی لغو ولا طائل ہے۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔ فقط

یہ تو آن عزیز کے سوال کا جواب ہے، اس پر مہر و دستخط کر کے تمہارے لکھنے کے موافق دفتر اخبار اہلحدیث میں ارسال کر دیتا ہوں، شائع کرنا فاضل امرتسری ایڈیٹر اخبار اہلحدیث کے اختیار میں ہے، میرا کام جو تھا میں نے کر دیا۔ فقط حررہ محمد ابو طاہر، مدرس اول، مدرسہ احمدیہ آرہ

(۸ جولائی ۱۹۱۲ء اہلحدیث امرتسر)

س: ۱۔ دو بھائی ایک خورد ایک کلاں، خورد بھائی نے اپنی عورت کو نا اتفاقی کے سبب طلاق دی اپنے بڑے بھائی کے سامنے، بڑے بھائی نے کہا، میں اس عورت کو رکھ لوں گا، خورد بھائی نے اور جتنے لوگ وہاں پر حاضر تھے، سب نے کہا اچھا رکھ لو، بڑے بھائی نے رکھ لی، جس روز سے بڑے نے رکھی، اسی روز سے اس عورت سے ملاپ کرتا چلا آیا ہے، عدت بھی پوری نہیں کی، عورت کو حمل رہ گیا، اب عدت کے پورے ہونے پر دو مہینے کا عورت کو حمل ہے، اور بڑے بھائی نے اسی حمل والی عورت سے نکاح کر لیا ہے، اور نکاح ہونے پر لوگوں کو معلوم ہوا کہ عورت حمل سے ہے، عدت کے اندر وہ ملاپ کرتا رہا، اور اب حمل والی عورت سے نکاح بھی کر لیا ہے حمل اسی شخص کا ہے، ایسی صورت میں نکاح جائز ہوا یا باطل؟ اگر جائز ہوا تو ان مذہب کا گناہ اس پر ہوا یا نہیں؟ اور اگر نکاح باطل ہو، تو ایسے شخص کو کونسی سزا ہونی چاہیے؟

ج: صورت مرقومہ میں شرعی طور پر حمل پہلے خاوند کا سمجھا جائے گا، الولد للفراش وللعاھر الحجر اس لئے عورت مذکورہ کی عدت وضع حمل تک ہے، اس سے پہلے جو نکاح ہوا ہے یہ ناجائز ہے، بعد وضع حمل اگر نکاح کرائیں گے تو جائز ہو گا، ناجائز ملاپ کرنے میں بڑے بھائی پر سخت گناہ

عائد ہوگا جس کی سزا سنگساری ہے (اہلحدیث امرتسر ص۱۱ ۲ جمادی الثانی ۱۳۲۲ھ)

س: کیا امام ابوحنیفہ کا کوئی ایسا مستند قول ہے، کہ اگر کوئی شخص ۳ یا ۴ سال تک نہ آوے تو اس کی عدم موجودگی میں جو لڑکا پیدا ہوگا، تو وہ اصلی خاوند کا متصور ہوگا؟

ج: یہ قول تو مجھے معلوم نہیں، البتہ درمختار میں یوں مرقوم ہے، کہ مرد مشرق میں ہو اور عورت مغرب میں، دونوں میں ایک جتنی مسافت ہو، اتنی دوری میں بوکالت دونوں کا نکاح ہو کر چھ ماہ کے بعد عورت بچہ جنے، تو اسی شرقی خاوند کا ہوگا، متصورہ کرامۃً،

(اہلحدیث امرتسر ص۱۰ ۱۶ رجب ۱۳۴۲ھ)

س: متعہ کی حرمت کس طرح ہوئی، آیا ترمذی کی احادیث براہ راست پیغمبر صاحب تک پہنچتی ہیں، کہ انہوں نے ممانعت کا حکم دے دیا تھا، کیا خلیفہ اول کے وقت میں ان کی اجازت سے متعہ رائج رہا؟ یہ جو کہا جاتا ہے، کہ حضرت عمرؓ نے متعہ بند کیا ہے، یہ کیا بات ہے؟

ج: شیعہ سنی متفق علیہ حدیث (عن علی) سے متعہ منسوخ ہے، ملاحظہ ہو ترمذی سنیہ اور تہذیب شیعہ: خلیفہ اول کے وقت جاری نہیں ہوا خلیفہ ثانی نے حرام نہیں کیا تھا، بلکہ اظہار حرمت فرمایا تھا، حرمت اور اظہار حرمت میں فرق ہے

(اہل حدیث امرتسر ص۱۰ ۱۶ رجب ۱۳۴۲ھ)

س: زید نے اپنی نابالغہ لڑکی کا نکاح ایک نابالغ لڑکے سے کر دیا تھا، اب زید نکاح فسخ کرنا چاہتا ہے، ہنوز زوجین میں خلوت صحیحہ کی نوبت نہیں آئی، نیز دونوں نابالغ ہیں، شرعاً فسخ نکاح کی کیا صورت ہے؟

ج: مذاہب اربعہ میں سے حنبلیہ کا مختار ہے، کہ بوقت ضرورت ولی فسخ نکاح کر سکتا ہے شیخ ابن تیمیہ رح کے فتاوے میں یہ مسئلہ ملتا ہے (اہلحدیث امرتسر ص۱۰ ۱۶ رجب ۱۳۴۲ھ)

شرفیہ: یہ قیاس اعلے کا ادنے پر ہے، کتاب و سنت پر نہیں۔

(ابوسعید شرف الدین دہلوی)

س: ہمارے ہاں پٹھانوں میں بعض لوگ علاوہ مہر و زیور وغیرہ کے اپنے ذاتی فائدہ کے لئے اپنی لڑکیوں پر کچھ نقد، زیور، چاول اور روغن زرد وغیرہ بھی لڑکے کے والدین سے لیتے ہیں، اور بعض اصحاب شادی کا بوجھ دو طرفہ لڑکے کے والدین پر ڈال دیتے ہیں، علاوہ ازیں حسب ضرورت چاول، روغن زرد و دیگر لوازمات برائے طعام داداں اپنے اقارب، اہل محلہ و دیگر تعلق داران لیتے

زیب ، اور بعد از اختتام شادی باقی ماندہ جنس لڑکے کے والدین کو واپس کر دیتے ہیں، اور اپنے استعمال میں نہیں لاتے، براہ مہربانی بحوالہ حدیث شریف مطلع فرمائیں، کہ لڑکے کے والدین پر دو طرفہ بوجھ ڈالنا، اور ان سے مندرجہ بالا اشیاء لینا درست ہے یا نہیں؟ جب کہ والدین لڑکی کے صاحب حیثیت ہوں، یا اگر لڑکی کے والدین بوجہ تنگ دستی کے خود شادی دینے اپنے رشتہ داروں وغیرہ کو حاضری دینا وغیرہ جس کے بغیر بموجب ان کے رواج کے وہ شادی بالکل نہیں کر سکتے یعنی یہ حاضری وغیرہ دینا ان کا ایک قسم کا قرضہ ہوتا ہے) کا بوجھ اٹھانے سے قاصر ہیں، یا لڑکی کا والد زندہ نہیں، اور اس کے بھائی بالصورت نہ ہونے اس کے بھائی کے دیگر قریبی رشتہ دار بھی اس قابل نہیں، کیا وہ ایسا کر سکتے ہیں؟ یا نہیں، اگر نہیں تو کیا وہ دوران حالیکہ لڑکی جوان ہو، شادی کو اس وقت تک ملتوی کر سکتے ہیں، جب تک وہ اس بوجھ کے اٹھانے کے قابل ہو جائیں؟

ج:۔ قرآن مجید میں ایک عام اصول ہے، کہ اخراجات شادی کل مرد کے ذمے ہیں، چنانچہ فرمایا:۔ الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علی بعض وبما انفقوا من اموالھم (یعنی مرد عورتوں پر افسر ہیں دو وجہ سے، ایک تو قدرتی بزرگی، دوم یہ وجہ، کہ وہ اپنا مال خرچ کرتے ہیں)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی لڑکی کا نکاح کرنا چاہا، تو داماد حضرت علی رضہ سے مہر وصول کر کے اس سے زیور وغیرہ بنوا کر کچھ اپنے پاس سے بھی دیا، اور لڑکی رخصت کی، ہاں دعوت برات کا خرچ ایک زائد چیز ہے، یہ دعوت لڑکی والے پر ضروری نہیں، وہ جو کچھ کرتا ہے، اپنے ننگ و نمود کے لئے کرتا ہے، تاہم اگر لڑکی والے میں اتنی ہمت نہیں، اور لڑکے والا احسان سے اس کا بوجھ خود اٹھائے، تو منع نہیں، ولا تنسوا الفضل بینکم عام قانون ہے، لازمی طور پر اس پر بوجھ ڈالنا جائز نہیں، نہ اس وجہ سے جوان لڑکی کی شادی کو ملتوی کرنا جائز ہے، احادیث شریف میں ہے بالغہ لڑکی کی شادی نہ کرنے سے جو خرابی پیدا ہو اس کا وبال اس کے ولی پر ہے، اللہ اعلم

(اہلحدیث، امرتسر ۲۵ / اپریل ۱۹۲۴ء)

شرفیہ:۔ مجھ کو اس کی دلیل معلوم نہیں، مجیب کا سہو معلوم ہوتا ہے۔

(ابو سعید شرف الدین، دہلوی)

س:۔ کسی شخص کو اپنی بیوی کا دودھ پینا شرعاً حرام ہے یا حلال؟ بینوا توجروا عند الجلیل۔ زید کہتا ہے، کہ اپنی بیوی کا دودھ پینا جائز ہے، اور دودھ پینے سے بیوی حرام نہیں ہوتی، کیوں کہ دودھ

مطلق حرام نہیں، اگر بڑے آدمی کو دودھ حرام ہوتا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہو تے بنت سہیل رضؓ کو ہرگز بعد بلوغ کے دودھ پینے کی رخصت نہ دیتے، اس حدیث سے معلوم ہوا، کہ بڑے ہو کر دودھ پینے سے رضیعہ ماں نہیں ہوتی، دودھ پینے میں کوئی حرج نہیں، حدیث شریف میں ہے۔ عن عروۃ ... ابی ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یدخل علیھن بتلک الرضعۃ احد من الناس یرید رضاعۃ الکبیر (نسائی) اس حدیث سے ثابت ہوا، کہ بڑا ہو کر دودھ پی سکتا ہے۔ وعن ام سلمۃ رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یحرم من الرضعۃ الا ما فتق الامعاء وکان قبل الفطام۔

ج: مسئلہ ہذا کے دو حصے ہیں، ایک تو بڑی عمر والے پر شیر زن حرام ہے یا حلال؟ دوسرا حصہ یہ ہے، کہ پینے سے وہ دودھ دینے والی عورت اور اس کی اولاد اس پر حرام ہیں یا نہیں؟ جو حدیث سوال میں نقل کی گئی ہے، اس سے شیر زن کی حلت بالغ کے حق میں ثابت ہوتی ہے مگر اس حدیث سے رضاع بالغ بھی ایک گروہ کے نزدیک ثابت ہوتا ہے، جس گروہ کی سرکردہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ ہیں، گو جمہور علماء اس کے مخالف ہیں، حافظ ابن القیم رحؒ نے زاد المعاد وغیرہ میں اس مسئلہ پر طویل بحث کی ہے الخ

(اہلحدیث، امرتسر ص ۲۵ اپریل سنہ ۱۹۲۴ء)

شرفیہ: زید کا قول باطل ہے، صحیح قول جمہور علماء اسلام کا ہے، تو جبا یہ کہ راجح قول نسخ کا ہے، قرائن نسخ پائے جاتے ہیں، کہ واقعہ سہلہ بنت سہیل اوائل ہجرت کا ہے، یہ بھی صحیح ہے، کہ نسخ کی نص نہیں، مگر ادلہ قویہ صحیحہ کثیرہ مفصلہ ہیں اور واقعہ سہلہ مجمل لہٰذا کثیرہ راجح وقاضی ہیں، بالعکس نہیں ہو سکتا، دوم یہ کہ واقعہ سہلہ مخصوصہ ہے، اوران دو کا مآل ایک ہی ہے کہ اب واقعہ سہلہ پر عمل جائز نہیں، پس ثابت ہوا، کہ کبیرہ کو شیر زن جائز نہیں حرام ہے، اور آیت والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعۃ الآیۃ (پ ۲ ع ۱۴) رضاع کی حد ہے، اور حدود کی بنا عدم تجاوز پر ہے۔ قال اللہ تعالیٰ۔ ومن یتعد حدود اللہ فاولئک ھم الظالمون (پ ۲ ع ۱۳) ثابت ہوا، کہ تجاوز حد ظلم ہے، اور ظلم حرام ہے، اگر تجاوز حدود جائز ہو، تو پھر حدود کا فائدہ ہی کیا، کچھ بھی نہیں، معاذ اللہ کلام الٰہی اس سے پاک ہے، اور یہ قول کہ جیسے قول صدیقہ حجت نہیں، ایسے ہی قول ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی حجت نہیں ہے، صدیقہ رضؓ کے سوا دیگر ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دلائل متفقہ قویہ صحیحہ کثیرہ حجت

ہیں، نہ کہ محض قول، اور قول صدیقہ رضہ پر کلام اللہ میں اختلاف لازم آتا ہے، جو جائز نہیں، اور قول ازواج دیگر پر ترجیح یا تطبیق ہے، جو جائز و صحیح ہے، شیخ الاسلام نے تخصیص کو پسند کیا ہے مگر ساتھ ہی اس سے حرمت کے قائل نہیں، صرف پردہ کے لئے کافی جانتے ہیں، میں کہتا ہوں کہ یہ بلا دلیل ہے، جب تخصیص تسلیم کی گئی، تو پھر حرمت میں کیا قباحت، کچھ بھی نہیں، بہر حال اب واقعہ سہلہ پر عمل نہیں، اور شیر زن مرد کبیر کو جائز نہیں حرام ہے۔ ہذا واللہ اعلم

(ابو سعید شرف الدین، دہلوی)

س:۔ مہر فاطمہ رضہ کس قدر تھا، اور اس انگریزی روپیہ سے کس قدر ہوتا ہے؟

ج:۔ مہر فاطمی رضہ پانچسو درہم تھا، جس کا اندازہ آج کل کے حساب سے ایک سو بتیس یا چھتیس روپے لگایا گیا ہے۔ (اہلحدیث امرتسر ص ۱۰، ۸ ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ)

س:۔ زید نے اپنی عورت کا نوماسہ کیا، لوگوں کو دعوت دے کر طعام نوش کرایا، بکر نے اس پر اعتراض کیا، کہ یہ بدعت ہے، زید کہتا ہے، کہ بدعت نہیں ہے، یہ شکریہ ہے، کہ خدا تعالیٰ نے اولاد کی صورت دکھلائی ہے، اس لئے شکریہ کیا، بدعت کیوں ہوئی، آیا یہ فعل زمانہ میں رسول اللہ صلعم کے یا عہد خلافت میں ہوا یا نہیں؟

ج:۔ شرع میں بچہ کی پیدائش پر ایک ہی تقریب آئی ہے، جس کا نام عقیقہ ہے، نوماسہ کی کوئی دعوت نہیں، بلکہ محض رسم ہے، نہ زمانہ رسالت میں اس کا ثبوت ہے، نہ زمانہ خلافت میں اس کا رواج (اہلحدیث امرتسر ص ۱، ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ)

س:۔ زید کے گھر شادی ہے، مگر باجہ وغیرہ رکھا ہے، سود سے رقم نہیں لی، بکر کے ہاں بھی وہی رسم ہے، مگر سود سے رقم لی ہے، باجہ وغیرہ کچھ نہیں، سنت کے موافق عمل کرتا ہے، دونوں نمازی ہیں، آیا دونوں کی دعوت میں سے کون سی دعوت منظور کرنا ٹھیک ہوگا

ج:۔ دونوں میں نقص ہے۔ مگر سودی رقم میں زیادہ خرابی ہے

(اہلحدیث ص ۸، ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ)

تعاقب جریدہ اہلحدیث مجریہ ۲۲ جنوری ۱۹۲۳ء میں کسی نذیر احمد بجنوری نے سوال کیا ہے، زید نے اپنی بیوی کو تین طلاق ایک ہی جلسہ میں دیا ہے اس کے بعد بہت سے آدمیوں کے روبرو بیان کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور چار ماہ تک رجوع بھی نہیں کیا، اس صورت میں طلاق پڑ گئی یا نہیں پڑی۔ حلالہ کرنے والے

کے واسطے مجامعت اس عورت سے ضروری ہے یا نہیں؟

آپ نے اس کا جواب اس طرح دیا ہے:۔

"طلاق مغلظہ واقع ہوگئی، حلالہ یعنی نکاح ثانی میں مباشرت بحکم حدیث ضروری ہے، انتہی"

اس کے متعلق گذارش ہے، کہ یہ جواب صحیح نہیں، اس واسطے کہ یہ طلاق ثلاثہ جلسہ واحدہ کی مطابق مذہب حقہ اہلحدیث ایک طلاق رجعی واقع ہوئی تھی، لیکن چونکہ عدت کے اندر رجعت نہیں ہوئی، لہٰذا بعد عدت طلاق بائن ہوگئی، اور عورت بائنہ بے حلالہ صرف تجدید نکاح سے زوجیت میں آسکتی ہے، ضرورت حلالہ شرعیہ صرف طلاق مغلظہ میں پڑتی ہے جو کہ یہاں مفقود ہے، ہاں اگر جواب آپ نے مسلک احناف پر دیا تھا، تو اس کی وضاحت کردینی ضروری تھی (محمد یونس عفرلہ، مدرس مدرسہ حضرت میاں صاحب پھاٹک حبش خاں دہلی)

مفتی:۔ تعاقب صحیح ہے (اہلحدیث امرتسر ۵ فروری ۱۹۳۲ء)

س:۔ زید کی نکاح خوانی ایک کنواری لڑکی سے ہوئی نکاح کے چند دنوں بعد لڑکی بیمار ہوگئی، اور رسوم شادی کے بغیر غیر مدخولہ ہی فوت ہوگئی، یعنی ناکح سے ہم بستر ہونے سے پہلے ہی انتقال کرگئی، اب اگر لڑکی مذکورہ کی ماں جو بیوہ ہے زید موصوف کے ساتھ نکاح کرے، تو الدوئے قرآن وحدیث جائز ہے؟

ج:۔ زید کا اس کی منکوحہ غیر مدخولہ کی ماں سے نکاح جائز نہیں۔ بقولہ تعالیٰ وامھات نسائکم۔ یعنی تمہاری بیویوں کی مائیں تم پر حرام ہیں (اہلحدیث ۳۰ دسمبر ۱۹۳۷ء)

س:۔ زید کا نکاح بعمر ۸ سال ہندہ کے ساتھ ہوا، ہندہ کی عمر اس وقت ۲۰ سال کی تھی، ہندہ کو اپنی عفت سنبھالنا نہایت دشوار ہوگیا ہے، حتیٰ کہ ایک لڑکی ناجائز فعل سے ہندہ کو پیدا ہوئی ہے، والدین ہر دو جانب کے اس ناجائز فعل سے پھانسی کھانے کو تیار ہیں، عورت بار بار استدعا کرتی ہے، کہ میری مخلصی ہو جس طرح سے ہو کیا حکم ہے؟

ج:۔ جس طرح نابالغ کی طرف سے بوقت نکاح باپ ولی ہوسکتا ہے، بوقت ضرورت طلاق بھی دے سکتا ہے۔ کذا قال الشیخ ابن تیمیۃ (اختیارات)

(اہل حدیث ۳۰ دسمبر ۱۹۳۰ء)

شرفیہ:۔ یہ نکاح بھی قیاسی تھا، اور پھر قیاس بھی اعلیٰ کو ادنیٰ پر کیا گیا، ورنہ کتاب و سنت یا خلفائے راشدین سے اس کا ثبوت نہیں ملتا اور جب یہ نکاح منعقد ہوگیا، تو بقول

شیخ الاسلام طلاق کو بھی اسی پر قیاس کیا جا سکتا ہے (ابو سعید شرف الدین دہلوی)

س:۔ زید نے مجلس مسلمانان میں یوں کہا، کہ میں نے اپنی دختر ہندہ نابالغہ کا ایجاب بکر کے لڑکے خالد کو دیا، بکر نے کہا، کہ میں نے اپنے لڑکے خالد کے لئے قبول کیا، حالانکہ خالد ہزار میل کے فاصلے پر باہر ملازم ہے، اب زید دینے سے انکاری ہے، اب سوال یہ ہے، کہ کیا زمانہ خیر القرون میں کوئی ایسا واقعہ ہوا ہے، کہ بالغ لڑکے کا ایجاب قبول باپ کر سکتا ہے یا نہ، اگر کر سکتا ہے، تو کیا لڑکے کو بھی اس کا باپ بذریعہ تار یا خط ایجاب قبول کرانے کا خطر رکھتا ہے یا باپ ہی کا قبول کافی ہے

ج:۔ ناکح کی طرف سے وکیل بن کر دوسرا شخص نکاح کر سکتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ام حبیبہ رض سے حبشہ میں ہوا، اور آپ مدینہ شریف میں تھے، جب غیر آدمی وکیل ہو سکتا ہے، تو باپ بطریق اولےٰ ہو سکتا ہے، بشرطیکہ باپ صراحتہ یا اشارۃً وکالت حاصل کر چکا ہو، اگر نہیں تو نکاح درست نہیں (۲۸ رمضان ۵۶ھ)

شرفیہ:۔ نکاح مذکور میں نجاشی شاہ حبشہ کے واقعہ میں اس شرط کی صراحت مجھے یاد نہیں، اور غالباً ہے بھی نہیں، ہاں جس کی طرف سے وکالت کی گئی ہے، اس کے تسلیم کرنے پر موقوف ہے، ورنہ نہیں (ابو سعید شرف الدین، دہلوی)

س:۔ غلام فاطمہ کی عمر جب کہ وہ پانچ سال کی تھی، بغیر رضامندی حقیقی چچا کے نکاح کر دیا گیا، لڑکی کا باپ لڑکی کی پیدائش سے پہلے فوت ہو چکا تھا، اور حقیقی چچا ولی تھا، حقیقی چچا شادی میں شامل نہیں ہوا، کیونکہ وہ ناراض تھا، اور حقیقی چچا نے نکاح کی اجازت نہیں دی، گاؤں کا نمبردار شادی میں شامل تھا، گاؤں کے نمبردار نے نکاح کی اجازت دے کر نکاح کرا دیا، گاؤں کا نمبردار بے دین ہے، نہ روزہ نہ نماز پر عمل، بلکہ دین سے بالکل بے بہرہ ہے، اب لڑکی کی عمر ۲۰ سال کی ہے، اب لڑکی سسرال جانا نہیں چاہتی لڑکی خاوند کو پسند نہیں کرتی، اب لڑکی عرصہ سات سال سے اپنی ماں کے پاس ہے، کیا لڑکی نکاح ثانی کر سکتی ہے، اگر کرے تو کس طرح کرے، لڑکے نے دوسری جگہ شادی کرالی، لڑکی ماں کے پاس ہے، سسرال والے کوئی خرچ وغیرہ نہیں دیتے، اگر ان سے طلاق مانگی گئی، تو طلاق نہیں دیتے، کیا ایسی صورت میں لڑکی کا نکاح درست ہے یا نہیں؟ جواب قرآن وحدیث سے دیا جاوے

ج:۔ صورت مسئولہ میں ولی چچا حقیقی ہے، اس کی رضامندی کے بغیر نکاح صحیح نہیں، جب وہ

ناراض ہے، تو نمبردار کی اجازت سے نکاح نہیں ہوا، شرعاً یہ نکاح کالعدم ہے فیصلہ قطعی کے لئے بذریعہ عدالت سب جج اجازت حاصل کر کے نکاح ثانی کر سکتی ہے، اللہ اعلم

(۲۸ رمضان ۱۳۵۶ھ)

س :۔ اگر عورت پابند صوم و صلوٰۃ ہو، اور زبان سے اپنے آپ کو ہندو یا عیسائی کہے، تو نکاح فسخ ہو جائے گا، یا نہیں، اگر وہ ایسا کرے، تو توبہ کس طرح کرے، پھر اس کی شادی ہوگی یا نہیں؟

ج :۔ عورت کا کہنا لغو اور باطل ہے، نکاح میں کوئی فلل واقع نہ ہوگا، خدا کے حضور استغفار کرے (اہلحدیث ۲۸ رمضان ۱۳۵۶ھ)

شرفیہ :۔ یہ جب ہے، کہ قول مذکور دل سے نہیں، بلکہ ہنسی مذاق یا کسی وجہ سے بطور توریہ بلا تسلیم قلبی تھا، اور اگر دل سے تھا تو تسلیم کر کے اقرار کیا تھا، تو پھر ارتداد ثابت اور نکاح باطل۔

(ابو سعید شرف الدین دہلوی)

س :۔ اگر عورت کہے، کہ فلاں شخص سے شادی نہ کروں گی، اگر کروں گی، تو میں ہندو، کافر یا عیسائی ہوں، اگر وہ عورت اسی شخص سے شادی کرا لے، تو وہ کافر ہو جاتی ہے یا نہیں نکاح جائز ہوگا یا نہیں؟

ج :۔ زبان سے کچھ کہنے کا کچھ مطلب نہیں، مگر ایسے لفظ کہنے سے پرہیز کرے۔

(۲۸ رمضان ۱۳۵۶ھ)

س :۔ اگر عورت کہے، اگر میں جھوٹی ہوں تو عیسائی یا ہندو ہوں، کیا اس کا نکاح فسخ ہو جائیگا یا نہیں؟

ج :۔ یہ لغو کلمہ ہے، ایسا کہنے سے نکاح پر کچھ اثر نہیں، البتہ گنہ گار ضرور ہے۔

(۲۸ رمضان ۱۳۵۶ھ)

شرفیہ :۔ سب کا جواب و فیصلہ یہ ہے، کہ حدیث نبوی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حلف علی ملۃ غیر الاسلام کاذبا فھو کما قال الحدیث متفق علیہ (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۲۹۶) حدیث کے اور الفاظ بھی وارد ہیں، ظاہر حدیث کا یہ ہے، کہ شخص مذکور کافر ہو جاتا ہے، مگر علماء اسلام نے اس میں بہت کلام اور اختلاف کیا ہے اور تفصیل لکھی ہے، مگر تحقیق یہ ہے، کہ بصورت کذب بھی کافر ہو جاتا ہے، بعدہ فوراً توبہ کرے، اگر شادی ہو چکی تھی، تو نکاح فسخ ہو گیا، فوراً تجدید نکاح کرے، ھذا واللہ اعلم (ابو سعید شرف الدین دہلوی)

س:۔ زید نے اپنی لڑکی کا نکاح خالد سے اس شرط پر کیا کہ خالد کو زید ہی کے گھر بود و باش اختیار کرنا ہوگا، اور بعد نکاح جلد ہی مہر ادا کرنا ہوگا، خالد نے اس شرط کو منظور کر لیا تھا، اب بعد نکاح خالد کا یہ حال ہے، کہ زید کے گھر تک بھی نہیں آتا (شروع میں ایک دو بار آیا تھا) نکاح کو چھ ماہ کا عرصہ گذرا، اور خالد نے لڑکی کی ذات پر آج تک پیسہ بھی نہیں خرچ کیا، ایک مجلس میں (جو اسی غرض سے منعقد کی گئی تھی) دس بارہ شخصوں نے خالد سے کہا، کہ ایسا کیوں کرتے ہو تم لڑکی کے نباہ کی صورت نکالو، خالد نے صاف لفظوں میں کہدیا، کہ لڑکی کی نباہ کی صورت میرے نزدیک کچھ نہیں ہے۔ خالد کی اس بات پر بعض لوگ کہتے ہیں، کہ طلاق واقع ہو گئی، اب سوال یہ ہے، کہ خالد کی بات سے طلاق ہوئی، کہ نہیں، علاوہ اس کے زید کے لئے شرعی حکم جو کچھ ہو، فرمایا جائے۔

ج:۔ خالد کی بے توجہی اور نان و نفقہ نہ دینا، اور پھر اسی صورت میں یہ الفاظ کہنا، کہ نباہ کی کوئی صورت نہیں، یہ طلاق کنائی ہے (۱۷؍ دسمبر ۱۹۳۷ء)

س:۔ زید نے اپنی کو اس شرط سے طلاق دی، کہ بکر کے ساتھ نکاح نہ کرے، کیا عورت مذکورہ اس شرط کی پابند ہے؟ اگر وہ بعد عدت بکر سے نکاح کرے، تو کیا یہ نکاح ناجائز ہوگا؟

ج:۔ عدت گذارنے کے بعد عورت کو اختیار ہے، کہ کسی سے نکاح کرلے، طلاق میں اس کو کچھ دخل نہیں، اس لئے بوقت طلاق ایسی شرط لگانا حدیث بریرہ رضہ کے ماتحت لغو ہے اگر اس نے بکر سے نکاح کر لیا ہے، تو یہ نکاح جائز ہے، اگر عورت نے اس شرط کو منظور کر لیا تھا، تو وعدہ خلافی کے باعث گنہ گار ہوگی (اہلحدیث ۲۴؍ دسمبر ۱۹۳۷ء)

س:۔ نفرت قلبی کی وجہ سے ایک شخص نے اپنی بیوی کو عرصہ ہوا، کہ گھر سے نکال دیا ہے عورت نے اپنے اس خاوند سے آوارگی کو نا برداشت کرتے ہوئے طلاق مانگی، اس کے خاوند نے کہا، کہ اگر اتنا روپیہ ادا کرو، تو طلاق دی جاوے گی، عورت کے وکیل طلاق نے روپیہ پیش کیا، تو اس شخص نے روپیہ کے لینے اور طلاق دینے سے انکار کر دیا ہے، اب حالت مجبوری ہے، ایسی حالت میں عورت کی عصمت کا بچانا بھی مشکل ہے، شریعت محمدیہ میں طلاق مرد کے ہاتھ ہے۔ عورت خواہ اس کی کتنی ہی تنگی میں ہو قید میں ہے، اور اس قید سے رہائی یعنی فسخ نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں (مولوی شرف الدین از گجرات)

ج:۔ ایسی حالت میں جب کہ خاوند صریح ظلم کرے، عورت کو نکاح فسخ کرانے کا شرعًا حق

حق حاصل ہے، حدیث شریف میں آیا ہے۔ لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام قرآن پاک میں ارشاد ہے۔ ولا تمسکوھن ضرارا لتعتدوا الآیۃ واللہ اعلم۔

(اہلحدیث ۷ جنوری ۱۹۳۸ء)

شرفیہ:۔ یعنی عدالت اسلامیہ سے قاضی شوہر سے طلاق دلوائے اگر نہ دے، تو پھر حکم فسخ جاری کرے، مگر عورت فسخ نہیں کر سکتی ہے (ابو سعید شرف الدین، دہلوی)

س:۔ کنواری بالغہ یا شادی شدہ لڑکی اپنے سسرال میں اول مرتبہ جب حیض میں مبتلا ہوتی ہے تو گھر والے اسے امور خانہ داری سے الگ تھلگ رکھتے ہیں، اور گھر کے رشتہ داروں کے ساتھ خلط ملط بھی نہیں ہونے دیتے، گویا اس کے ساتھ ترک موالات کرتے ہیں، یہاں تک کہ گھر کے چھوٹے بڑے اور بچے بھی حائضہ کو نہیں چھوتے، گویا ایام حیض میں اسے اچھوت سمجھتے ہیں جب حیض سے فارغ ہو جاتی ہے، تو حائضہ کے ناخن ترشواتے ہیں غسل کرواتے ہیں، اور محلہ والوں کے لڑکے لڑکیوں کو بلا کر ان کے بیچ میں حائضہ کو بٹھاتے ہیں، اور کوئی شیریں چیز کھلاتے ہیں اور اس کی گود میں ایک لڑکا دیتے ہیں، ملکی اصطلاح میں اس رسم کو گود بھرانا کہتے ہیں، علاوہ ازیں جس گھر میں حائضہ رہتی ہے، اس گھر کو اچھی طرح لیپتے ہیں، اور گدڑی، تکیہ، بستر وغیرہ، غرضیکہ جس چیز کو حائضہ چھوتی ہے، اس کو دھوتے ہیں، یہ رواج منوزان اطراف میں جاری ہے، آپ اس پر قرآن وحدیث کی رو سے روشنی ڈالیں، کیا یہ رواج صحابہ کرام کے زمانہ میں تھا؟

ج:۔ یہ رسم اسلامی نہیں ہے، بلکہ یہود ایسا کیا کرتے تھے، چنانچہ حدیث شریف میں حضرت انس سے مروی ہے۔ ان الیھود کانوا اذا حاضت المراۃ فیھم لم یوا کلوھا ولم یجامعوھن فی البیوت الحدیث (ابوداؤد وغیرہ)، کہ یہودی لوگ حیض والی عورت کے ساتھ نہ کھاتے اور نہ گھر میں اکٹھے رہتے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رسم بند فرما دی، ہاں اتنا فرمایا فاعتزلوا النساء فی المحیض، یعنی حیض کی حالت میں عورتوں سے جماع نہ کرو،

(۲۸ جنوری ۱۹۳۸ء اہلحدیث امرتسر)

س:۔ ایک عورت نے اپنے شوہر سے مذاق میں کہا، کہ آپ ایک دوسری عورت کر لیں، شوہر نے بھی مذاق میں جواباً کہا، کہ تم بھی ایک دوسرا مرد شوہر کر لو، کیا اس طرح کہنے سے نکاح میں کچھ فتور آیا، یا نہیں؟

ج:۔ مذکورہ سوال الفاظ کہنے سے بحکم اقتضاء النص طلاق ہو جائے گی، کیونکہ حدیث شریف

میں آیا ہے۔ ثلث جد ھن جد وھزلھن جد یعنی طلاق مسخری سے کہے، تو واقع ہو جاتی ہے

(۴ر فروری ۱۹۳۸ء)

تعاقب مولوی عبدالغنی صاحب بڈھی مال کے تحریر فرماتے ہیں، کہ سوال ۲۷۹ کے جواب ۲۲ر اکتوبر ۱۹۳۳ء کے پرچہ میں لکھا گیا ہے، کہ جمہور علماء کے نزدیک مرتدہ کا نکاح فسخ ہو جاتا ہے، خواہ عورت حقیقۃً مرتدہ ہو یا حیلۃً، یہ مذہب محدثین کا کونسی معتبر کتاب میں ہے، نیز آپ نے اپنے اخبار ۱۹ رمئی ۱۹۳۳ء میں اس کے خلاف تحریر فرمایا ہے، کہ عدالت کے نزدیک فسخ ہو جائے گا، مگر اللہ کے نزدیک تعلق نکاح باقی رہے گا۔

جواب حدیث شریف میں آیا ہے۔ من قال انی بری من الاسلام ان کان کاذبا فھو کما قال، الحدیث یہ حدیث بروایت احمد ونسائی منتقی میں آئی ہے، محدثین کا مذہب دیکھنا ہو تو حدیث من بدل دینہ کے ذیل میں شراح حدیث کے اقوال ملاحظہ فرمائیں۔

س:۔ اس طرف اکثر لوگ وقت نکاح نوشہ کو تین تین بار کلمہ پڑھاتے ہیں، توبہ کراتے، اور تین تین بار لفظ ایجاب وقبول کا کہلاتے ہیں، یہ طریق از روئے شریعت سنت ہے یا بدعت؟ جواب تحریر فرمائیں۔

ج:۔ نکاح میں ایجاب وقبول کرانا شرط ہے، مگر کلمے پڑھانا جزو نکاح نہیں، اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے اس فعل کا ثبوت ملتا ہے　(۱۸ر مارچ ۱۹۳۸ء)

س:۔ چونکہ اس ملک کے لوگ بدھ مذہب کے پیرو ہیں، جنہیں برہما بھی کہا جاتا ہے اس ملک میں بعض مسلمان اور بعض نام کے مسلمان اس ملک کی عورتوں سے نکاح کر لیتے ہیں، حالانکہ عورت مشرکہ ہے، بروز نکاح امام صاحب مسجد تشریف لا کر زبردستی کالٹھ سر پر لے کر جبراً قہراً کلمہ طیبہ پڑھوا لیتے ہیں، مولوی صاحبان ایک ایک لفظ کہلاتے ہیں پھر بھی مشکل کہہ سکتی ہے چونکہ وہ غیر زبان کے لوگ ہیں پس یہ کلمہ پڑھا دیا گویا نکاح کا مکمل ہو جانا تصور کیا جاتا ہے، بعد اس کے عورت مذکورہ پھر وہی اپنی پرانی روش پر قائم رہتی ہے، صرف فرق اتنا ہے، کہ مرد کے خوف سے بت نہیں پوجتی، اور لحم خنزیر سے پرہیز کرتی ہے، ورنہ سب باتیں وہی ہوتی ہیں، جو پہلے تھیں، مثلاً پردہ کا نہ ہونا، سڑی بدبودار مچھلی کا کھانا، پوشش جو پہلے تھی وہی رکھنا، صوم وصلوٰۃ کے نزدیک کبھی بھول کر بھی نہ جانا، بازاروں میں ننگے سر بناؤ سنگار کر کے چلنا پھرنا، غرضکہ تمام عیوب

جو اسلام میں نہ ہونے چاہئیں، ان میں سب موجود ہوتے ہیں، پھر ان کے مرنے کے بعد لوگ اصرار کر کے اس عورت کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرتے ہیں، اور نماز جنازہ پڑھتے ہیں اور نہ پڑھنے والوں پر طعن کرتے ہیں، ایسے ہی ان کی اولاد جو بوقت پیدائش سے حد بلوغ تک بھی نماز کا نام نہیں جانتے، ان کے مرنے پر بھی یہی باتیں پیش ہوتی ہیں، کیا ایسے لوگوں کو مسلمانوں کے قبرستانوں میں دفن کیا جائے؟ نماز جنازہ ان پر پڑھنا چاہیئے، یہ واضح رہے، کہ ان کے مرد بھی ایسے ویسے ہی نمازی ہوا کرتے ہیں، آٹھویں، کاٹھویں، ۳۶۰ کی بعض وہ بھی نہیں، ہاں کلمہ گو ضرور ہیں، شغل شراب وکباب بھی ہوتا ہے

(ظہیر احمد از میلانگ راپر برما) ۲۲ ربیع الاول ۳۷ھ

ج: بحکم قرآن مجید مشرکہ عورت سے نکاح درست نہیں۔ لا تنکحوا المشرکت حتی یؤمن عورت مذکورہ اگر کلمہ شریف پڑھ لیتی ہے، تو یؤمن میں آگئی، دل کا حال خدا جانے لہٰذا اس کا نکاح جائز ہے، علاوہ اس کے اگر خاوند بھی ایسے ہی ہیں، تو بحکم الخبیثات للخبیثین معاملہ قابل درگذر ہے (۲۲ ربیع الاول ۳۷ھ)۔

شرفیہ: یہ صحیح نہیں تا وقتیکہ عقائد اسلامیہ کو سمجھ کر تسلیم نہ کرے، اور حتی الامکان احکام ضروریہ کی پابند، شرک وکفر اور محرمات سے مجتنب نہ ہو ایماندار نہیں ہو سکتی، اور نہ ہی اس کا نکاح مرد مومن مسلم سے صحیح ہے، اور اگر الخبیثات للخبیثین کا معاملہ ہے، تو دونوں ہی ایمان سے خارج، بس قصہ ختم، سوال کی ضرورت ہی نہیں (ابو سعید شرف الدین دہلوی)

س: کیا اہل کتاب (یعنی نصاری و یہودی) کی لڑکیوں سے مسلمین شادی کر سکتے ہیں یا نہیں کیا حضرت عمر رضہ نے اپنے زمانے میں اہل کتابوں سے شادی کرنا منع فرما دیا تھا، علاوہ اس کے غیر اقوام جو اہل کتاب نہیں ہیں ان کی لڑکیوں سے بیاہ کر سکتے ہیں؟

ج: قرآن مجید میں اہل کتاب کی لڑکیوں سے نکاح کرنے کی اجازت ہے۔ والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم۔ اہل کتاب قرآن مجید میں یہود و نصاری کو کہا گیا ہے ان کے سوا باقی لوگوں کو نہیں، اس لئے ان کے سوا اور لوگوں سے خواہ ہندو ہوں یا کوئی اور قوم شادی نکاح کرنا منع ہے۔ لا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن

(اہلحدیث ۴ جمادی الثانی ۳۷ھ)

س: مہر نکاح کے بعد اسی وقت ادا کرے، یا کہ پیچھے ادا کرنے سے ہوگا، جیسے اللہ و رسول

کا حکم ہو تحریر فرماویں۔

ج:۔ مہر نکاح ہوتے ہی واجب الادا ہو جاتا ہے، توفیق ہو تو ادا کر دے، نہ ہو تو قرض رہے گا پیچھے ادا کر دے۔ لا تنسوا الفضل۔ (اہلحدیث ۱۳ رجمادی الثانی ۱۳۳۷ھ)

س:۔ دو بہنیں ہیں ایک کا نام ہندہ، دوسری کا نام زینب ہے، ہندہ کا ایک لڑکا زید، اور زینب کی لڑکی، ہندہ نے زینب کی لڑکی کو ایک دن میں ایک دفعہ دودھ پلایا، کیونکہ زینب گھر نہ تھی، اور لڑکی قریب المرگ ہوگئی، اسی طرح زینب نے ہندہ کے لڑکے زید کو بھی دودھ پلایا، کیونکہ ہندہ گھر نہ تھی، اور ہندہ کا لڑکا زید فوت ہو گیا ہے، اور ہندہ کے گھر اس لڑکے کے فوت ہو جانے کے بعد خداوند کریم نے دو فرزند دیئے، اور ہندہ اپنی ہمشیر زینب سے اپنے لڑکے کے لئے اس کی لڑکیوں کا رشتہ طلب کرتی ہے، اور زینب کی اس لڑکی کے سوائے تین اور لڑکیاں ہیں جس لڑکے نے دودھ پیا ہے، وہ فوت ہو گیا ہے، اور زینب کی لڑکی جس نے ہندہ کا دودھ پیا تھا حیات ہے، اب سوال یہ ہے، کہ ہندہ کے دوسرے لڑکوں کے ساتھ زینب کی لڑکیوں کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟

ج:۔ جن لڑکوں نے خالہ کا دودھ نہیں پیا، ان کا نکاح خالہ کی لڑکیوں سے درست ہے: واخواتکم من الرضاعۃ۔ (۲۶ رجمادی الاول ۱۳۳۷ھ)

س:۔ ایک عورت جس کا زوج آج تین مہینے ہوئے انتقال کر گیا ہے اب اگرچہ بدلیل صریح الذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا الخ ناجائز ہے، تاہم عورت مذکورہ ابھی نکاح پر آمادہ ہو گئی ہے، اور عدت سے کچھ تمیز نہیں کرتی، ایک شخص اس پر آمادہ ہے، حتی کہ تعشق کارروائی کر رہی ہے، اب اگر عدت کے موافق انتظاری اہل جماعت کریں، تو خوف زنا لابدی ہے، لہذا صورت مندرجہ میں قبل منقضی ہونے عدت کے جواز نکاح ہو گا یا نہیں، اگرچہ ارشاد باری تعالے لا تعزموا عقدۃ النکاح الخ عدم جواز پر مترشح ہے، بہر کیف علیٰ کل التقدیر بیں باد کہ ساطعہ جواب تحریر فرماویں، ورنہ نقصان عظیم لازم ہو گا۔ دیگر اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی عدت کیوں مقرر کی، حالانکہ مالک کا کوئی کام بلا وجہ نہیں ہے۔ والسلام

ج:۔ سائل نے جو آیت منع کی لکھی ہے، وہی دلیل قوی ہے، اس کے برخلاف کوئی دلیل ایسی نہیں، جس سے جواز نکاح ثابت ہو سکے، یہ بہلنے سب زناکاروں کے ہیں، ورنہ چار ماہ دس اتنی لمبی مدت نہیں، کہ عورت گذار نہ سکے، عدت کا حکم دو فائدوں کے لئے ہے، ایک تو

حمل معلوم ہو سکے، دوم عورت حالت غم والم سے جو خاوند کے مرنے سے اس کو لاحق ہوتے ہیں، چند دنوں تک فارغ ہو لے، (۱۸ر جمادی الثانی ۳۷ھ)

س:۔ پھوپھیرے بھائی کی لڑکی حقیقی بھتیجی جیسی ہے یا نہیں؟ اور غیر محرم ہے یا محرم، اس کے ساتھ شادی کرنی جائز ہے یا نہیں، قرآن و حدیث اور فقہ سے محقق جواب دیں۔

ج:۔ اصل پھوپھیری بہن ہو تو وہ بھی محرم نہیں، اس سے بھی شادی کرنی درست ہے چہ جائیکہ اس سے کم درجہ پھوپھیرے بھائی کی لڑکی سے تو بلا اختلاف واعتراض نکاح جائز ہے نہ وہ محرم ہے نہ وہ حقیقی بھتیجی جیسی ہے (۱۲ر شوال ۳۷ھ)

س:۔ اگر کوئی مرد مسلمان جواں سال نکاح کرے، اور متاہل ہونے کے بعد منکوحہ کو نان و نفقہ دینے کی مقدرت واستطاعت نہ رکھے، تو اس صورت میں وہ کیا کرے؟ وہ شخص بالکل مفلس اور کنگال ہے، خود اس ہی کا گذر بہت مشکل سے ہوتا ہے

ج:۔ عورت اگر علیحدگی چاہے، تو اس کو طلاق دے دے، قرآن مجید میں ارشاد ہے لاتمسکوھن ضرارا۔ عورتوں کو دکھ دینے کے لئے مت روک رکھا کرو

(۲۶ر شوال ۳۷ھ)

شرفیہ:۔ اقول، اس آیت سے استدلال وجوب طلاق صحیح نہیں، اس لئے کہ ضرر کی نسبت مرد کی طرف صحیح نہیں ہے، اضرار اور چیز ہے، اور ضرر پہنچنا من جانب اللہ بسبب ماکسبت ایدیکم اور چیز ہے، قسم اول سے استدلال ہو سکتا ہے، دوم سے نہیں، جب مرد لائق کمانے کے تھا، اور بعد کو مفلس ہو گیا ہے، خواہ عدم روزگار سے، خواہ اور قسم مرض وغیرہ سے، تو وہ مجرم نہیں، عورت کو صبر لازم ہے، اور اس پر مرد کا حق ہے، کہ حتی الامکان اس کا ساتھ دے، موسرہ ہو تو اپنے پاس سے خرچ کرے، ورنہ محنت مشقت کرنے سے دریغ نہ کرے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت فاطمہ رض حضرت علی رض کے گھر کا کام کرتی تھیں چکی پیتیں، پانی بھرتیں۔ اور ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف الآیۃ (پ ۲ ع ۱۲) عورت کے مرد کی خدمت کرنے پر دال ہے۔ اور حکیم بن معاویہ قشیری نے کہا، یا رسول اللہ ما حق زوجۃ احدنا علیہ قال ان تطعمھا اذا طعمت وتکسوھا اذا اکتسیت ولا تضرب الوجہ ولا تقبح ولا تھجر الا فی البیت رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ (مشکوۃ ج ۲ ص ۲۸۷) سے ثابت ہے، کہ مرد کے پاس جب وسعت ہو، تو جیسا آپ پہنے اس کو بھی پہنائے

اور جب آپ کھائے اس کو بھی کھلائے، اور جب یہ مجبور، نادار ہو، تو پھر اس پر اعتراض نہیں، اور حکم فسخ باطل ہو گا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لو کنت امرا احدا ان یسجد لاحد لامرت المرأة ان تسجد لزوجها ولو امرها ان تنتقل من جبل اصفر الی جبل اسود ومن جبل اسود الی جبل ابیض کان ینبغی لها ان تفعله رواہ احمد (مشکوۃ ص ۲۸۳ ج ۲)

اور حضرت صدیق اکبر رضؓ اور حضرت عمر رضؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیت مبارک میں تشریف لائے، تو آپ کو یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حزین اور سکوت کی حالت میں پایا، اس پر حضرت عمر رضؓ نے آپ کے خوش کرنے کو اپنا واقعہ بیان کیا، اور کہا حضور میری زوجہ نے مجھ سے خرچ طلب کیا، تو میں نے اس کی گردن دبا دی، گھونسہ مار دیا، آپ ہنسے اور فرمایا، کہ یہ میری ازواج مطہرات بھی یہی مطالبہ کر رہی ہیں، اس پر صدیق اکبر رضؓ اپنی بیٹی عائشہ رضؓ کو، اور حضرت عمر رضؓ اپنی بیٹی حفصہ رضؓ کو گردن دبانے مارنے لگے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ خرچ طلب کرتی ہو جو آپ کے پاس نہیں ہے (رواہ مسلم فی صحیحہ مشکوۃ ص ۲۸۱ ج ۲) اور فتح خیبر سے پہلے عموماً صحابہ افلاس کی حالت میں تھے، تو کیا ان کی عورتوں کے نکاح فسخ ہوا کرتے تھے، پھر تو معدودے چند ہی عورتیں کو اپنے نکاح میں رکھتے ہوں گے، باقی سب مجرد، اور لفظ تقول (ای المرأة) اطعمنی و الا فارقنی رواہ احمد وغیرہ یہ قول ابوہریرہ رضؓ کا ہے حجت نہیں۔

اور روایت ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الرجل لا یجد ما ینفق علی امرأته قال یفرق بینهما رواہ الدارقطنی والبیھقی من طریق عاصم القاری عن ابی صالح عن ابی ھریرة صحیح نہیں۔ ابوحاتم وعن سعید بن المسیب عند سعید بن منصور والشافعی وعبد الرزاق فی الرجل لا یجد ما ینفق علی اهله قال یفرق بینهما قال ابو الزناد قلت لسعید سنة قال سنة وهذا مرسل قوی والمرسل فی مقابلة الادلة المذکورة لیس بشیء ولکن اما روی عن عمر رضؓ عند الشافعی وعبد الرزاق [illegible] السنن انه کتب الی امراء الاجناد فی رجال غابوا عن نسائهم اما ان ینفقوا واما ان یطلقوا ویبعثوا النفقة ما حبسوا انتهی - لا حجة فیه لان هذا لیس مما نحن فیه لانهم غیر مفلسین بل متمولین یاخذون الوظائف وهذا قال عمر رضؓ ویبعثوا النفقة ما حبسوا

ونسبۃ الفسخ عند الاعسار الی عمر رض وعلی لو تثبت وان قال اکثر العلماء بالفسخ لکنہ لیس بشئ بل باطل قطعا بالادلۃ المذکورۃ۔ دلالۃ الاصل اذا ثبت النکاح بالکتاب والسنۃ فلم ینفسخ باقوال الرجال مالم یثبت الا بالکتاب والسنۃ بسند صحیح لا شبھۃ فیہ۔ ان قائلین فسخ سے کوئی پوچھے، کہ حضرت بالفرض اگر عورت نے بسبب اعسار زوج آپ کے فتوےٰ سے فسخ نکاح پر عمل کر لیا، اور دوسرے شخص سے نکاح کیا، پھر وہ بھی ایسا ہی مفلس و نادار ہو گیا، پھر فسخ پر عمل کیا، پھر تیسرے سے کیا، پھر وہ بھی ایسا ہی ہو گیا اور یہ کوئی امر محال نہیں، بہت ممکن ہے علیٰ ہذا القیاس یہ سلسلہ جاری رہا، تو کیا یہ رفیقہ حیات کہلانے کے لائق ہو گی، اور کیا یہ طریق آپ کتاب و سنت یا خیر القرون سے ثابت کر سکتے ہیں فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فارجعوا عنہ (ابو سعید شرف الدین دہلوی)

س :۔ ایک عورت کا خاوند گذر گیا، اور ایک کا زندہ ہے لیکن اس نے طلاق نہیں دی، گذرے ہوئے خاوند والی کی عدت پوری نہیں ہوئی، قاضی نے ہر دو عورتوں کا نکاح کر دیا، دونوں کا نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟

ج :۔ یہ ایک کھلی بات ہے، کہ ایسا نکاح جائز نہیں والمحصنات من النساء الخ ایسا نکاح خواں سخت گنہ گار ہے، اس کو عہدہ قضا سے معزول کر دینا چاہیئے، اور اس کو جلدی توبہ کرنی چاہیئے۔ (۱۸ / ذیقعدہ ۳۷ھ)

شرفیہ :۔ حرام کو حلال بتانا شیطان کا کام ہے۔ اور استحلال کفر۔ (ابو سعید شرف الدین، دہلوی)

س :۔ ایک عورت نے حیض آنے کے تین روز بعد غسل کیا، شوہر کے پوچھنے پر بیان کیا، کہ میں پاک ہو گئی، بعد ملاپ خون نظر آیا، اس صورت میں اس گناہ پر کفارہ کیا ہے؟

ج :۔ بحکم حدیث شریف ایک درم، یعنی آج کل کے حساب کے مطابق ۱۲ کفارہ کافی ہو گا (۲۸ / ذی قعدہ ۱۳۳۷ھ)

شرفیہ :۔ یہ کفارہ ۱۲ یا نصف بعد انقطاع حیض ہے۔ ملکہ بحالت حیض ہے، دم احمر میں دینار، دم اصفر میں نصف دینار۔ الخ۔ ترمذی، مشکوۃ ص ۵۶

(ابو سعید شرف الدین دہلوی)

س :۔ کسی کے گھر تقریب ولیمہ ہے، اور اس محفل میں رقص بھی ہو، تو اس جگہ کا کھانا جائز ہے، یا اس

کھانے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

ج:۔ محفل رقص اور مجلس طعام ایک ہی ہے، تو کھانے میں شریک نہ ہو، اور اگر مجلس طعام جدا ہے، جہاں رقص کا کوئی اثر نہیں پہنچتا، تو طعام میں شریک ہو سکتا ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ اذا احسن الناس فاحسن معھم واذا اساءوا فاجتنب اساءتھم (بخاری) یعنی جب کوئی نیک کام کرے، تو اس کے ساتھ مل جاؤ، جب برا کرے، تو اس سے الگ ہو جاؤ، دعوت ولیمہ ایک نیک کام ہے، اور مجلس رقص بدکار ہے، ولیمہ میں بغیر شرکت رقص کے شریک ہو سکے، تو شرکت جائز ہے، ورنہ نہیں

(اہل حدیث۔ ۱۴ محرم الحرام ۱۳۳۸ھ ہجری)

شرفیہ:۔ مجیب مرحوم نے خود لکھا ہے، کہ مجلس رقص بدکار ہے، یعنی کار بد ہے، تو بدکار لوگ فاسق ہیں، اور ایک حدیث میں ہے۔ نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اجابۃ طعام الفاسقین۔ رواہ البیھقی فی شعب الایمان (مشکوۃ ج ۲ ص ۲۷۹) خصوصاً ایسی دعوتوں میں فاسق ہی اکثر شریک ہوتے ہیں، اور عموماً ایسی دعوتیں نمود و ریا اور دیگر خرافات پر مشتمل ہوتی ہیں، لہذا یہ احسن عمل نہیں، بلکہ غیر احسن ہے، پس اجتناب لازم ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو حضرت فاطمہ رضہ کے دعوت پر بلانے پر گھر کے دروازے پر مصور چلمن دیکھ کر واپس آ گئے تھے، اس لئے دروازہ معیوب امر تھا اور اندر طعام باقاعدہ (رواہ احمد و ابن ماجہ مشکوۃ ص ۲۷۸ جلد ۲۔ (ابو سعید شرف الدین، دہلوی)

س:۔ ایک عورت کو اس کے خاوند نے کسی وجہ سے ظلم کے ساتھ مکان سے نکال دیا، مذکورہ عورت ماں کے مکان میں ڈیڑھ سال رہی، اتنے عرصہ میں خاوند نے بی بی کی کچھ خبر نہ لی، نہ نان و نفقہ دیا، آخر بی بی نے ماں کے مکان سے ایک رشتہ دار کے مکان میں دس ماہ رہ کر خلع طلاق لیا، طلاق لینے کے بعد چار روز اسی رشتہ دار چچا کے ساتھ بی بی کا نکاح ہوا، یہ نکاح شرعاً حلال ہے یا حرام، جواب قرآن و حدیث سے فرمائیں۔

واضح ہو، کہ بی بی کو برابر حیض آتا تھا، اور جس روز نکاح ہوا، اس کے دو روز قبل حیض سے پاک ہو چکی تھی، اور یہ حال جس شخص نے نکاح کیا اس کو خوب معلوم تھا۔

ج:۔ خلع کے بعد ایک حیض کامل ہو چکا ہے، تو نکاح جائز ہے۔

(اہلحدیث ۶ صفر ۱۳۳۸ھ)

شرفیہ:۔ یہ جواب مجمل ہے تفصیل یہ ہے، کہ اگر خلع ہونے کے بعد حیض شروع ہو کر ختم ہوا، تو نکاح صحیح ہے، اور اگر پہلے سے حیض آرہا تھا، جب ختم ہونے کو تھا تو خلع ہوا، اور حیض منقطع ہوا، تو صحیح نہیں، ایک حیض کامل شرط ہے، اور اس صورت میں حیض کامل نہیں پایا گیا، اور رشتہ دار چچا کے ساتھ نکاح سے کیا مراد ہے، یعنی دور کا رشتہ تھا حقیقی اور قریبی چچا نہ تھا تب تو نکاح صحیح ہے، اور اگر حقیقی تھا، تو باطل ہے۔

س:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کی شادی زید کے ساتھ بحالت لاعلمی کی گئی، بعد معلوم ہونے کے ہندہ نے کہا، کہ مجھ کو ایسا بے دین آدمی منظور نہیں، ہندہ نے زید کو کہا، کہ نماز پڑھو، زید نے جواب دیا، کہ ہم تمہاری نماز نہیں جانتے، وہ کیا چیز ہے، اور ہندہ باقاعدہ نماز روزہ ادا کرتی ہے، اور وہ آدمی اللہ و رسول کو پہچانتا ہی نہیں، اور مسلمان کو بہت برا تصور کرتا ہے، اور مذہب غیر اسلام کو برگذیدہ شمار کرتا ہے، اور مجلس اہل ہنود کے ساتھ رکھتا ہے اور مسلمانوں میں بیٹھنا ہی نہیں چاہتا، اور لا الٰہ الا اللہ کو بھی نہیں پڑھ سکتا، ہندہ کا سوال یہ ہے کہ ایسے آدمی سے تفریق کرا کر دوسرے آدمی کے ساتھ نکاح کیا جائے، تو جائز ہے یا نہیں؟

ج:۔ اگر سوال کا واقعہ صحیح ہے، تو ایسا شخص مرتد ہے، اس سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے، واللہ اعلم

(۵ نومبر ۱۹۳۷ء)

شرفیہ:۔ بلکہ صورت مذکورہ میں نکاح منعقد ہی نہیں ہوا، اس لئے کہ کافر سے مسلمہ کا نکاح صحیح نہیں، شخص مذکورہ شروع ہی سے کافر ہے (ابو سعید شرف الدین، دہلوی)

س:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی ہمشیرہ بکر سے اور بکر کی ہمشیرہ زید سے شادی شدہ ہیں، یعنی بٹہ کا رشتہ ہے، زید نے اپنی ہمشیرہ کا نکاح دوسری جگہ کر دیا ہے، بکر کی ہمشیرہ عرصہ ½ سال سے بکر کے پاس موجود ہے، زید نے اس عرصہ میں نہ خوراک دی اور نہ اس کو پوچھا اور نہ کبھی آیا، چونکہ بکر اور اس کی والدہ بہت غریب ہیں، اپنی ہمشیرہ کا خرچ برداشت نہیں کر سکتے اور نہ زید ہی اس کو لے جاتا ہے، جس کی وجہ سے وہ تنگ ہو گئے ہیں، اور اندیشہ ہے، کہ بکر کی ہمشیرہ کوئی اور بات نہ کرلے، جو خلاف شرع اور بدنامی کا باعث ہو، آیا بکر اپنی ہمشیرہ کا نکاح کسی دوسری جگہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

ج:۔ سوال ہماری سمجھ میں نہیں آیا، جب دونوں شادی شدہ ہیں، تو نکاح ثانی کیسے کر دیا، اور اگر شادی سے مراد منگنی ہے، تو اس کی تفصیل بتایئے ان سب خرابیوں کی بنا یہ ہے، کہ لوگ حدیث

کے خلاف بڑ کار رشتہ کرتے ہیں، جو منع آیا ہے، اللہ اعلم (اہلحدیث ۵ رنومبر ۱۹۳۶ء)

س :- ایک یتیم لڑکی نابالغہ ۹-۱۰ سال کا نکاح بغیر رضامندی اولیاء عصبات کیا گیا تھا صرف رشتہ داروں میں سے اس کی ماں پر جبر و دباؤ ڈال کر مجلس نکاح میں اجازت کے واسطے شامل کیا گیا تھا، اور وہ اس امر پر خوش نہیں، آیا ایسا نکاح اللہ و رسول کے نزدیک جائز ہے یا ناجائز ہے

ج :- محدثین کے نزدیک عورت ولی نہیں ہو سکتی، اور فقہاء کے نزدیک بھی عصبات کی موجودگی میں ماں کو حق ولایت حاصل نہیں، اس لئے مندرجہ سوال باتفاق ناجائز ہے، واللہ اعلم

(۱۲ رنومبر ۱۹۳۶ء)

س :- ایک آدمی نے اپنی عورت کو طلاق دی، اور اس عورت نے دوسرے ہی روز ایک دوسرے شخص سے نکاح کر لیا، اس کی گود میں دو ماہ کی شیر خوار لڑکی ہے، اس عورت نے مہر شریعت کچھ نہیں لیا، کیا یہ نکاح درست ہے کہ نہیں؟ اور گواہان نکاح پر یا خوانندہ نکاح پر یا مجلس میں بیٹھنے والوں پر کیا جرم شریعت محمدی میں ہے؟ مجلس میں بیٹھنے والوں کا بھی نکاح فسخ ہو گیا ہے یا نہیں؟ ان کے ہمراہ کھانا یا ان کی موت پر ان کا جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں، اور ان کی اولاد کے ساتھ جو پیدا ہو گی، شریعت میں برتاؤ کا تعلق کیا ہے؟ ایسی عورت کی عدت کتنی چاہیئے، جواب دے کر مشکور فرماویں۔

ج :- مطلقہ کی عدت تین طہر یا حیض ہے، اس عدت کے اندر نکاح کرنا صحیح نہیں، ایسے نکاح میں شامل ہونے والے اگر باعلم ہوں، تو خطادار ہیں، اگر اس عدت کے اندر نکاح کرنے کو کوئی شخص حلال سمجھے، تو وہ مستحل حرام ہے، جو مسلمان نہیں رہ سکتا، تا وقتیکہ صحیح طور پر توبہ نہ کرے۔

(اہلحدیث ۱۲ رنومبر ۱۹۳۶ء)

تشریفیہ :- یہ گول مول ہے، تفصیل یہ ہے، کہ اگر باعلم ہوں، تو عمل کی رو سے فاسق، بدکار اور اگر مستحل ہوں، تو پکے کافر، توبہ واجب۔ (ابو سعید شرف الدین دہلوی)

س :- ایک حنفی آج کل یہ اعتراض کرتا ہے، کہ ایک فتوی اہلحدیث اخبار میں بیوہ عورت کی عدت کے متعلق تین حیض یا ماہ لکھا ہے، جس میں کسی سائل نے فتوی پوچھا تو جواب میں ثلثۃ قروء کی آیت پیش کی، جو قرآن کی صریحاً مخالفت ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

ج :- اہل حدیث کی مخالفت کرنے والے انصاف سے کام نہیں لیتے، اہل حدیث کا کوئی فعل ایسا نہیں ہے، جو حدیثوں میں نہ آیا ہو، اور ائمہ سلف کا معمول بہ نہ ہو، اس لئے لوگ جتنی اہلحدیث

کی جتنی مخالفت کرتے ہیں، اسی قدر شرعیات سے بے خبر ہوتے ہیں، بیوہ کی عدت تو قرآن مجید میں صاف مذکور ہے، یعنی چار ماہ دس روز، اخبار اہلحدیث میں اس کے خلاف اگر کسی پرچہ میں چھپ گیا ہے، تو اس کی تاریخ معلوم ہونے پر اصلاح کردی جائے گی، باقی جھگڑا بے کار ہے

(اخبار اہلحدیث امرتسر ۲۲ رمضان المبارک سنہ ۶۴ھ)

س:۔ ایک مسلمان کے ہاں بیٹی ہے، وہ اپنی بیٹی کا نکاح ایک بے دین مسلمان کے ساتھ کرنا چاہتا ہے، دوسری طرف ایک موحد مسلمان متبع قرآن و حدیث، نہایت مخلص، دیندار ہر طرح لائق اس لڑکی کا بیاہ مانگتا ہے، لیکن وہ اس سے انکار کرتا ہے، اب سوال یہ ہے، کہ ولی بے دین کو لڑکی دینے کے بعد مسلمان رہے گا یا نہیں؟

ج:۔ سائل بہت ہشیار ہے، کہ مفتی کو جواب کی تلقین کرتا ہے، حدیث میں آیا ہے زوجوا من ترضون دینہ۔ لڑکیوں کا نکاح ان لڑکوں سے کیا کرو جن کو دیندار سمجھو، بس یہی ایک اصول ہے، باقی باتوں کا جواب سائل خود ہی سمجھ لے، کیونکہ وہ بہت ہشیار معلوم ہوتا ہے۔

(اہلحدیث امرتسر ۱۰ شعبان سنہ ۱۳۶۴ھ)

شرفیہ:۔ یہ تو ہوا، مگر آپ نے جواب کیا دیا، کچھ بھی نہ دیا، جواب یہ تھا، کہ ولی جو موحد مسلمان الخ کو رشتہ نہیں دیتا، تو وجہ معقول بتاتا ہے، مثلاً یہ کہ گو وہ سچا مسلم ہے، مگر سئی الخلق ہے، سخت غصہ والا ہے، کنجوس مکھی چوس، مرکھنا صعلوک ہے وغیرہ وغیرہ، اگر یہ وجوہ ہیں، اور دوسرے بے دین کا یہ حال ہے، کہ توبہ کا اقرار کرنے کو تیار ہے، مالدار، فیاض، خلیق ہے، تو پھر اس میں ولی پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ۔ الحدیث سنن ابن ماجہ وغیرہ، اور اگر یہ نہیں تو بے شک ولی مجرم ہے، اس کو اس سے توبہ کرنی لازم ہے، مگر کافر نہیں ہو سکتا جب تک شریعت سے منکر نہ ہو، گنہ گار ہے اس پر اتباع سنت نبویہ لازم ہے۔

(ابو سعید شرف الدین، دہلوی)

س:۔ حاملہ مطلقہ کی عدت وضع حمل یا ثلاثۃ اشہر (تین مہینے) ہے

ج:۔ وضع حمل ہے، چاہے ایک گھڑی میں ہو جائے، بحکم ان یضعن حملھن۔

(اہلحدیث امرتسر ۲۴ رجب سنہ ۱۳۶۴ھ)

تعاقب جلد ۱۴ پرچہ ۲ سوال ۶ کے جواب میں جو آیت آپ نے لکھی ہے، اس میں غیر مدخولہ مطلقہ کا حکم ہے، جیسا کہ ثم طلقتموھن کا لفظ بتا رہا ہے

اور متوفی عنہا کی عدت چار ماہ دس دن قرآن نے بیان کی ہے والذین یتوفون منکم اس میں مدخولہ وغیر مدخولہ صغیرہ غیر صغیرہ سب شامل ہیں، اور اس پر اجماع بھی ہے، ہاں اگر کوئی آیت یا حدیث صغیرہ متوفی عنہا کو اس آیت سے خارج کرے، کہ صغیرہ پر عدت نہیں، تو آمنا وصدقنا ورنہ قرآن مجید کی آیت کے مقابل کسی کی فقہ قابل تسلیم نہیں، ابن مسعودؓ کا فیصلہ جو حدیث کی کتابوں میں مرقوم ہے، کہ متوفی عنہا غیر مدخولہ پر عدت بھی ہے، اور اس کو میراث بھی ملے گی احناف کے قول کا رد ہے، کہ صغیرہ متوفی عنہا پر عدت نہیں ہے، جیسا کہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے، حدیث ابن مسعود کی صحت شروح حدیث میں موجود ہے۔

ج: میرا خیال تھا، کہ عدت تعلق زوجین پر مبنی ہے، مطلقہ غیر مدخولہ پر عدت نہیں ہے، قیاس جلی یہ ہے، کہ زوجہ متوفی عنہا غیر مدخولہ پر بھی عدت نہ ہو، چنانچہ ابن عباس کا قول بھی یہی ہے تفسیر کبیر جلد ۲ صد ۲۷۸ ملاحظہ ہو، مگر چونکہ حدیث مرفوع اس بارے میں آگئی ہے، کہ زوجہ متوفی عنہا غیر مدخولہ پر بھی عدت ہے، اور خاوند کی وارث بھی ہے، مہر بھی پورا ہے، اس لئے میں اپنے فتوی سے رجوع کرتا ہوں، مگر ابن عباس رضی اللہ عنہ جیسے حبر الامت کے مخالف ہونے کی وجہ سے اس مسئلہ کو اجماعی نہیں سمجھتا، حدیث کی وجہ سے رجوع کرتا ہوں، مفصل بحث اس کی تفسیر ابن کثیر اور تفسیر فتح البیان اور تفسیر کبیر میں ملتی ہے (اہلحدیث ۲ رجمادی الآخر ۱۳۶۳ھ)

س: زید کی حقیقی نہیں بلکہ رشتہ میں سے ایک خالہ زاد بہن ہے، زید کے والدین زید کی شادی اس لڑکی سے کرنا چاہتے ہیں، زید انکار کرتا ہے، کیونکہ اسے لڑکی کسی وجہ سے ناپسند ہے زید کے والدین زبردستی شادی کرنا چاہتے ہیں، لہذا کیا حکم ہے؟

ج: نکاح میں جبر نہ کرنا چاہیئے۔ علاوہ منع نص صریح (لا اکراہ فی الدین) کے ایسے نکاح میں فریقین کا نباہ نہیں ہوتا۔ اللہ اعلم! (اہلحدیث امرتسر ۱۴ ربیع الاول ۱۳۶۳ھ)

س: زید اپنی لڑکی بکر کے لڑکے کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے لیکن بکر یہ کہتا ہے کہ تم جب تک تین سو روپیہ نہیں دوگے، میں اپنے لڑکے کو تمہاری لڑکی کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا ہوں، دریافت طلب یہ ہے، کہ کیا بکر ایسا روپیہ زید سے لے سکتا ہے؟

ج: لڑکے والے کا لڑکی والے سے نقدی کا تقاضا کرنا بحکم قرآن مجید ناجائز ہے، کیونکہ کل اخراجات مرد کے ذمہ ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے۔ وبما انفقوا من اموالھم، واللہ اعلم (اہلحدیث ۱۴ ربیع الاول ۱۳۶۲ھ)

شرفیہ:۔ میری تحقیق میں عدم جواز کی نص نہیں، ہاں جواز کی بھی نہیں، البتہ جوانمردی کے خلاف ہے، اور اولیائے عورت جب مفلس ہوں، تو ان کی امداد وسلوک میں امید جواز کی ہے۔

س:۔ زید نے ایک باکرہ سے عقد کر لیا، اس کے دو ماہ بعد اس باکرہ کا حمل نمایاں ہوا، تو زید نے اس کی تحقیق کرائی، تو وہ پانچ ماہ کا حمل ثابت ہوا۔ جب اس لڑکی سے دریافت کیا گیا، تو اس نے بھی اقرار کیا، کہ مجھ سے فلاں شخص جبراً مصاحب ہوا اب سوال یہ ہے، کہ زید اس کو ازروئے شرع دوبارہ نکاح کر کے لے سکتا ہے یا نہیں؟ اب اس کے والدین نے اس کا حمل ساقط کرا دیا ہے۔

ج:۔ صورت مرقومہ میں نکاح جائز ہے، حمل کے ظاہر ہونے سے یا اس کے اسقاط سے نکاح فسخ نہیں ہوا (زاد المعاد)　　(اہلحدیث امرتسر ۲۱ ذی قعدہ ۱۳۶۵ھ)

شرفیہ:۔ بحکم واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن الایۃ یہ عدت کے اندر نکاح کیا گیا جو ہرگز صحیح نہیں، پس دوبارہ نکاح کرنا لازم ہے　　(ابو سعید شرف الدین دہلوی)

س:۔ ہندہ کا نکاح اس کے والد نے کرایا تھا، نکاح کے ایک سال بعد لڑکی کے باپ نے بغیر طلاق حاصل کئے کسی اور جگہ بٹھلا دیا، وہاں بغیر نکاح کے رہائش اختیار کر رکھی ہے شریعت ان کے میل ملاپ، برادری اور اہل محلہ کے متعلق کیا حکم فرماتی ہے؟

ج:۔ افسوس ہے، کہ زمانہ کیسا جہالت کا ہے، کہ لوگ ایسی کھلی باتوں کے متعلق بھی سوال کرتے ہیں نکاح ہوتے ہوئے دوسری جگہ بٹھانا گویا بازار میں پیشہ کرانے کے برابر ہے، برادری کو چاہیے کہ ایسے بدکاروں کو خوب سزا دے　　(اہلحدیث امرتسر ۲۱ ذیقعدہ ۱۳۶۵ھ)

س:۔ حنفیوں نے بندہ کو تنگ کیا ہے، نکاح کے متعلق کہتے ہیں، کہ نکاح کے دو فرض ہیں، کبھی کہتے ہیں، کہ تین فرض ہیں، لہٰذا جناب سے عرض ہے، کہ کیا حکم ہے؟

ج:۔ نکاح میں خطبہ، ایجاب وقبول، کم سے کم دو گواہ، اور مہر ضروری چیزیں ہیں۔ اللہ اعلم (۱۶ شوال ۱۳۶۵ھ)

شرفیہ:۔ ایجاب وقبول کے سوا تو نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا، اصل یہی دو فرض ہیں باقی حصہ مسنون ہے، اس کے سوا بھی منعقد ہو جائے گا، ہاں خلاف سنت ہوگا، بلکہ ہاں ایک حدیث سے جب کہ ایک عورت نے آپ ؐ کو اپنے نکاح کے لئے کہا اور آپ کو ضرورت نہ تھی، تو ایک شخص کو آپ نے اس سے نکاح کر دیا، صحیح بخاری وغیرہ، اس میں خطبہ کا بھی ذکر نہیں ہاں

اور حدیثوں میں خطبہ ضرور ہے، سنت ہوگا، فرض نہ ہوگا، اور مہر فرض بصورت عدم ذکر بھی لازم ہوگا،

(ابو سعید شرف الدین دہلوی)

س:۔ زید کی بی بی نے عمر کے بیٹے، اور عمر کی بی بی نے زید کی بیٹی کو بیسیوں مرتبہ دودھ پلایا دونوں دودھ کے بہن بھائی ہوگئے، اب دونوں میں شادی ہوگئی، اب سوال یہ ہے، کہ یہ نکاح اور شادی جائز ہے یا ناجائز؟

ج:۔ صورت مرقومہ میں نکاح جائز نہیں ہے، بحکم قرآن مجید اخواتکم من الرضاعۃ

(۵ رجمادی الاخری ۱۳۶۴ھ)

س:۔ زید کی شادی ہندہ سے ایک سال کا عرصہ ہوا ہوئی تھی، لیکن رخصتی نہ ہوئی، زید انتقال کر گیا، آیا ہندہ مہر کی مستحق ہے یا نہیں؟

ج:۔ ہندہ نصف مہر کی مستحق ہے، بحکم قرآن مجید فَنِصۡفُ مَا فَرَضۡتُمۡ

(اہلحدیث امرتسر ۱۴ رجمادی الاول ۱۳۶۲ھ)

شرفیہ:۔ یہ کیسے صحیح ہوسکتا ہے، اس لئے کہ سوال میں متوفی عنہا کا ذکر ہے، اور جواب میں مطلقہ کا، ملاحظہ ہو آیت محولہ بالا وان طلقتموھن من قبل ان تمسوھن وقد فرضتم لھن فریضۃ فنصف ما فرضتم الاٰیۃ (پ ۲ ع ۱۵) لہذا صورت مرقومہ میں پورا مہر ملے گا۔ کما تقدم فی حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ

(ابو سعید شرف الدین دہلوی)

س:۔ دلہن کا والد دولہا کے والد سے کچھ روپیہ لے کر ولیمہ کی دعوت کرے، تو جائز ہے، یا نہیں؟ چونکہ دلہن کے والد کے پاس روپیہ پیسہ نہیں ہے، اور بغیر ولیمہ کئے جماعت میں سخت نزاع پیدا ہوتی ہے، اس حالت میں دلہن کا والد کیا کرے، یا قرضہ لے کر دعوت ولیمہ کرے ہمارے اطراف میں دلہا کے والد کی طرف سے بیس پچیس روپیہ دیا جاتا ہے، خود دختر والا اس سے ولیمہ کرتا ہے۔

ج:۔ سائل کی مراد غالبا ولیمہ سے دعوت برات ہے اگر یہی مراد ہے، تو صورت مرقومہ میں دلہن کے والد کا احسان ہے، اگر وہ کرتا ہے، تو جائز ہے لیکن اس رسم کو بند کرنا بہت اچھا ہے تاکہ لڑکی والے پر کسی قسم کا بوجھ نہ پڑے، مگر مسلمان بلادریاں عموما اس مرض میں مبتلا ہیں، خدا بھلا کرے اس شخص کا جو اس رسم کو مٹائے (اہلحدیث یکم جمادی الاول ۱۳۶۴ھ)

س:۔ زید نے انتقال کیا، زید مذکور کا بڑا بھائی زید کی جورو کو نکاح میں لا سکتا ہے یا نہیں؟ چونکہ ہمارے جوار و ملک میں آج تک اس کا رواج نہیں پایا گیا ہے

ج:۔ بھاوج کے ساتھ بعد انتقال خاوند نکاح جائز ہے، منع کی کوئی دلیل نہیں ہے
(۱۸ر جولائی ۱۹۴۷ء)

س:۔ کیا اہل سنت جماعت کی لڑکی کا رشتہ شیعہ مذہب سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟

ج:۔ شیعہ اگر غالی ہے، جن کا یہ قول ہے، کہ علی کل شئ قدیر علی ہے، یا اسی قسم کے اور غلط خیالات رکھتا ہے، چونکہ وہ خود اسلام سے خارج ہے، اس لئے کسی مسلمان لڑکی کا نکاح اس سے جائز نہیں ہے (فتاوی نذیریہ جلد دوم ص۲۱۱) اور اگر معمولی اختلاف خلافت پر رکھتا ہے، تو غلطی پر ہے، نکاح اس سے جائز ہے (۳۰ رجمادی الاخری ۶۳ھ)

شرفیہ:۔ پھر بھی یقینی بات نہیں، اس قوم میں تقیہ کا پلید عقیدہ ہی عدم جواز کے لئے کافی ہے، جبرئیل کی غلطی، ائمہ کی انبیاء کی طرح عصمت وغیرہ خرافات۔

س:۔ ہم جماعت اہل حدیث میں منگنی کرنے وقت مٹھائی وغیرہ تقسیم کرتے تھے، ہم نے اس بدعت کو چھوڑ کر یہ اقرار نامہ لکھا، کہ بجائے مٹھائی کے پانچ روپے لڑکے کے باپ سے لے کر مسجد میں لگایا کریں گے، یہ روپیہ لینا شریعت اسلام میں لینا جائز ہے؟

ج:۔ اس قسم کی شرائط نیک نیتی پر مبنی ہیں، اور حدیث کے ماتحت ہیں، المسلمون علی شروطھم لہٰذا جائز ہیں (اہلحدیث امرتسر ۳۰ جمادی الاخری ۱۳۶۳ھ)

س:۔ نکاح پڑھاتے وقت لڑکے سے ایجاب، قبول کراتے ہیں، اسی طرح لڑکی سے ایجاب قبول کرانا درست ہے یا نہیں؟

ج:۔ لڑکی والے کی طرف سے جو اجازت نکاح ہوتی ہے، اس کو ایجاب کہتے ہیں، اور لڑکے کی طرف سے جو ہاں ہوتی ہے اسے قبول کہتے ہیں، پہلے ایجاب ہونا چاہیئے، پھر قبول، لڑکی سے نکاح کی اجازت لینے کا حکم آیا ہے، لیکن کنواری لڑکی کا خاموش رہنا اجازت کے حکم میں ہے (اہلحدیث ۳۰ رجمادی الاخری ۱۳۶۳ھ)

س:۔ ہم اہلحدیث شادی میں گانا بجانا نہیں کرتے لیکن جب کسی کی بہن کے گھر شادی ہوتی ہے، تو بھائی بہن اور بہنوئی کے لئے کپڑے وغیرہ لے جاتے ہیں، جس کو ہندی میں ماحرہ کہتے ہیں جس شادی میں یہ رسم کی جاتی ہو، وہاں جاکر ولیمہ کا کھانا درست ہے یا نہیں؟

ج:۔ قریبی رشتہ داروں (بہن بھائیوں) سے سلوک کرنے کا حکم قرآن مجید میں ہے۔ وَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰی حَقَّہٗ اس لئے دینا تو منع نہیں۔ مگر یہ ہندوانہ رسم ہے، تھوڑی سی تبدیلی کر دینی چاہئے۔ ولیمہ کھلانے میں کوئی حرج نہیں۔ (اہلحدیث امرتسر ۳۰ جمادی الاخری ۱۳۶۲ھ)

س:۔ بعض لڑکوں کے ماں باپ شریعت کے پابند ہیں، ان کے لڑکے شریعت کے پابند نہیں، اور تعزیہ میں شریک ہو جاتے ہیں، ایسے لوگوں کے ولیمہ میں جانا، اور ان کو ولیمہ میں بلانا درست ہے یا نہیں؟

ج:۔ ان کے یہ افعال بد شرکت ولیمہ سے مانع نہیں ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قول ہے اذا احسن الناس فاحسن معھم واذا اساءوا فاجتنب اساءتھم (بخاری)، یعنے جب کوئی اچھا کام کرے، تو اس سے مل جاؤ، جب برا کام کرے، تو اس سے ہٹ جاؤ۔ اللہ اعلم (اہلحدیث امرتسر ۳۰ جمادی الاخری ۱۳۶۳ھ)

س:۔ ایک عورت چونکہ شریکہ میں سے چچی لگتی ہے، اس کا بھتیجہ اس کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے، ہر دو فریقین رضامند ہیں، کیا یہ نکاح جائز ہے؟

ج:۔ چچی بیوہ اگر کسی وجہ سے محرم نہیں ہے، تو اس کا نکاح اپنے خاوند کے بھتیجے سے جائز ہے، بحکم اُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ (اہلحدیث امرتسر ۲۷ جمادی الاول ۱۳۶۳ھ)

س:۔ ہندہ کی شادی زید کے ساتھ کر دی گئی تھی، اور دستور العمل و کار ضروری جو زن و شوہر میں ہوتے ہیں ہوتے رہے، بعد چند روز کے زید کے فطری اصول بدل گئے، فسق و فجور میں مبتلا ہو گیا، مثلاً شراب نوشی و زنا کاری و جوا بازی و دزدی میں مبتلا ہو گیا۔ حتی کہ الزام دزدی میں سزایاب بھی ہوا، بعدہ فسق و فجور میں زید ایسا مبتلا ہوا، کہ رند مست ہو گیا، اب عرصہ ڈیڑھ دو سال سے زید مسماۃ ہندہ کی کوئی خبر نان و نفقہ کی نہیں لیتا ہے، اور ہندہ اپنے باپ کے گھر میں ہے، اس کے ماں باپ بھی محض غریب و مجبور ہیں، اب ہندہ بوجہ نان و نفقہ کے سخت مجبور اور پریشان ہے، اور زید کی حالت درست ہونے کی بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آتی، لہذا صورت مذکورہ میں ہندہ خلع کرا سکتی ہے یا نہیں؟ اور ہندہ کی عمر قریب سترہ اٹھارہ سال کے ہے، ممکن ہے، کہ اگر ہندہ بغیر شوہر کے رہے، تو ایمان میں نقصان و گزند پہنچنے کا احتمال ہے۔ بینوا بکتاب اللہ وحدیث رسول اللہ، توجروا عند اللہ۔

ج:۔ بحکم قرآن مجید عَاشِرُوْھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ درصورت صحت صورت مرقومہ عورت مذکورہ

بحکم حاکم نکاح فسخ کرا سکتی ہے۔ (اہلحدیث امرتسر ص۱۰ ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ)

س:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین، زید سفر میں ہے، زید کے گھر لڑکی، لڑکا پیدا ہوا، زید سفر میں عقیقہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ از روئے قرآن و حدیث حوالہ تحریر کریں۔

ج:۔ بحکم وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ عقیقہ کرنا والد کے ذمہ ہے، وہ اپنا ذمہ ہر جگہ ادا کر سکتا ہے

(اہلحدیث امرتسر ص۱۰ ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ)

س:۔ کسی شخص کی عورت مر جائے، تو وہ اس مردہ عورت کو غسل دے، اور جنازہ اٹھائے یا بالکل ہاتھ نہ لگائے۔

ج:۔ بے شک لگائے، وہ اس کی اسی طرح بیوی ہے جس طرح زندگی میں تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا تھا، اگر تو مجھ سے پہلے مر گئی، تو میں تجھے غسل دوں گا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خود غسل دیا تھا۔

(اہلحدیث امرتسر ص۱۰ ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ)

س:۔ زید کہتا ہے، کہ چونکہ ولی اور شاہدین اور اعلان کے شروط امام ابو حنیفہ کے نزدیک نکاح میں معتبر نہیں، اس لئے اگر میں کسی عورت بالغہ باکرہ سے نکاح اس طرح پر کر لوں کہ تنہائی میں اس سے ایجاب و قبول کر کے مہر مقرر کر کے رہائش کر دوں، اور کسی کو خبر نہ ہو، تو یہ صورت شرعاً جائز ہے بکر کہتا ہے، کہ اس میں اور سفاح یعنی زنا میں کوئی فرق نہیں، بموجب احادیث صحیحہ مندرجہ ترمذی و دیگر کتب صحاح کے ایما امراۃ نکحت بغیر اذن ولیہا فنکاحہا باطل ثلث مرات۔ ولا نکاح الا بولی۔ والفرق بین الحلال والحرام الدف والصوت بموجب قول اللہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب عنایت فرمائیں، اور اجر عند اللہ حاصل کریں۔

ج:۔ امام ابو حنیفہ صاحب کو بالغہ کے نکاح میں ضرورت ولی سے انکار ہے، ضرورت شاہدین سے تو انکار نہیں، ضرورت شاہدین تو سب کے نزدیک مسلم ہے پس نکاح مذکور سفاح ہے، نکاح نہیں ہے

(اہلحدیث ص۱۴ ۲ جمادی الثانی ۱۳۴۲ھ)

س:۔ زید نے بکر کی ماں کا دودھ عدت کے اندر پیا، تو کیا بکر زید کی ماں کا محرم ہو سکتا ہے، اور بکر کے بہن بھائی خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے، زید کے کون کون سے رشتہ داروں کے محرم ہو سکتے ہیں۔

ج:۔ عدت سے مراد مدت رضاعت ہے، تو زید نے بکر کی ماں کا دودھ دو سال کے اندر پیا

ہے، تو بکر کی ماں زید کی دودھ ماں ہے، اور اس کی تمام اولاد زید کے بھائی بہن ہیں، زید کے سوا اس کے دیگر رشتہ داروں سے یہ تعلق قائم نہ ہوگا، مثلاً زید کا دادا زید کی دودھ ماں کا محرم نہیں، اور زید کا کوئی دوسرا بھائی بھی زید کی اس دودھ ماں کا بیٹا نہیں ہوگا، یہ حکم صرف زید کے لئے ہے، جس نے دودھ پیا ہے، یہ اس صورت میں ہے، جب کہ سائل کی مراد عدت سے مدت رضاعت ہے

(اہلحدیث امرتسر ص۱۳ ۲۰ جنوری ۱۹۳۹ء)

س: ایک شخص نے اپنی بیوی کے سینہ کا پیار جوش محبت سے کیا، ابھی اس کے اولاد نہیں ہوئی، اور نہ دودھ آتا ہے، اور اس نے اس کی گھنڈی کو بھی منہ سے چوسا ہے، جس سے عورت جوش شہوت سے بے تاب ہوگئی، اور مرد اس سے واصل ہوگیا، تو کیا یہ درست ہوسکتا ہے، عورت کا نکاح فسخ تو نہیں ہوا، اور کیا مرد، عورت کا رشتہ قائم رہے گا۔

ج: صورت مسئولہ میں یہ نکاح فسخ نہ ہوگا۔ اللہ اعلم (اہلحدیث امرتسر ص۱۳ ۲۰ جنوری ۱۹۳۹ء)

س: ہمارے ہاں نکاح کے وقت ہر امیر وغریب مسلمان دلہا سے پانچ روپے مسجد کا حق لے کر نکاح پڑھایا جاتا ہے، اگر کوئی بوجہ مفلسی اس کے ادا کرنے میں قاصر ہے، تو پھر اس کا نکاح روک دیا جاتا ہے، اس کو ہر طرح سے مجبور کیا جاتا ہے، کہ وہ پانچ روپے نکاح سے قبل ادا کرے کیا اس طریقے سے مسجد کا حق طلب کرنا قرآن وحدیث سے جائز ہے؟

ج: اگر اہل محلہ یا اہل برادری نے بالاتفاق کسی زمانے میں یہ امداد منظور کی ہوئی ہے، اور یہ دستور چلا آرہا ہے، تو بحکم المسلمون علی شروطھم تعمیل کرنی چاہیے، مفلس ہے تو معذرت کر کے کمی کرائے

(اخبار اہلحدیث امرتسر ص۲۴ ۵/۱۲ ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ)

ایک تعاقب مع جواب

اخبار گوہر بار اہلحدیث مورخہ ۹/۴۱ ۱۹ء میں اس سوال کے جواب میں، کہ "کیا زانی کا اپنی مزنیہ کے ساتھ نکاح ہوسکتا ہے" لکھا تھا:

"توبہ خالص کریں، اور کم سے کم ایک مہینہ علیحدہ رہیں، پھر نکاح کرلیں تو جائز ہے۔ التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ۔ توبہ خالص سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اللہ اعلم۔"

(بلفظہ اخبار اہلحدیث ۱۹ ستمبر ۱۹۴۱ء)

حالانکہ قرآن مجید میں ہے۔ الزانی لا ینکح الا زانیۃ او مشرکۃ والزانیۃ لا ینکحھا

الا زان او مشرك وحرم ذلك على المؤمنين (ترجمہ) زانی مرد نہیں نکاح کرنا چاہتا، مگر زانیہ عورت یا مشرکہ عورت سے، اور زانیہ عورت نہیں نکاح کرنا چاہتا اس سے مگر زانی مرد یا مشرک مرد اور یہ حرام ہے مومنوں پر

پس زانی چونکہ چاہتا ہے، کہ اپنی ہی مزنیہ کے ساتھ نکاح کرے، لہذا جب توبہ کرکے مومن ہوجاویں، تو وہ آپس میں نکاح نہیں کرسکتے۔ حوم ذلك على المؤمنين۔ فافهم

صحابہ کرام اور تابعین عظام کے اقوال اس بارہ میں اگر ضرورت پڑی تو پھر کبھی لکھے جاویں گے اب صرف ان متعدد حدیثوں سے جو اس مضمون کی صحت پر دال ہیں، صرف ایک حدیث جو کہ اس مسئلہ پر صراحت سے روشنی ڈالتی ہے، اور ساتھ ہی اس میں اسی مذکورہ بالا آیت کا شان نزول ہے، درج کرتا ہوں، تاکہ مومن کے لئے شک کی گنجائش نہ رہے، ابی مرثد غنوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ میں مکہ میں رات اس غرض سے جایا کرتا تھا تاکہ بے بس مسلمان قیدیوں کو کافروں کی قید سے رہا کرا کر مدینہ میں پہنچاؤں، ایک رات کا ذکر ہے، کہ میں اس غرض سے ایک دیوار کے سایہ میں کھڑا تھا چونکہ رات چاندنی تھی، اچانک مجھے عناق عورت نے دیکھ لیا، جو ایک کنجری تھی، اس کے ساتھ میں، میں عیش و عشرت کیا کرتا تھا، وہ کہنے لگی، ابی مرثد آؤ آج میرے گھر رہو، عیش میں رات بسر کریں، میں نے کہا میں مسلمان ہوگیا ہوں، اور ہمارے دین میں یہ فعل حرام ہے اس نے کہا، کہ کوئی صورت ہے، جس سے ہم تم آپس میں مل سکیں، میں نے جواب دیا کہ ہاں ایک صورت ہے، اور وہ نکاح ہے، کہنے لگی، میں نکاح پر راضی ہوں، میں نے یہ کہہ کر ٹال دیا، کہ میں جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت نہ کرلوں، نکاح نہیں کرسکتا، لہذا جب میں مدینہ آیا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا، آپ خاموش رہے، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ حوم ذلك على المؤمنين (نسائی، ابوداؤد، ترمذی)

یہی وجہ ہے، کہ ہم نے قرآن اور حدیث پر عمل چھوڑ دیا ہے، اور ہم میں زنا بہت پھیل گیا ہے زانی مزنیہ آپس میں زنا کرتے رہتے ہیں، جب انگشت نمائی شروع ہو، فوراً نکاح کرلیتے ہیں۔

اسلام نے زانی، مزنیہ پر بموجودگی چار گواہ رجم یا سو کوڑے سزا رکھی ہے، اگر یہ نہ ہو تو کم از کم ان کا آپس میں تعلق منقطع کردینا چاہیئے، اور یہی ان کی توبہ ہے اور توبہ کے بعد وہ مومن ہیں اور حرم على المؤمنين کے مطابق وہ آپس میں نکاح نہیں کرسکتے۔

تشریح - سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کے والدین نے

زید سے کہا، کہ ہم اپنی لڑکی ہندہ کا نکاح تیرے ساتھ کر دیں گے، لیکن زید کو قرائن سے معلوم ہو گیا کہ میرے ساتھ وعدہ صرف کھانے کے لئے کیا ہے، نکاح میرے سے نہیں کریں گے، اس وجہ سے زید نے ہندہ سے زنا کیا، ہندہ حاملہ ہو گئی، پھر والدین نے حمل میں قبل وضع پانچ ماہ زید سے ہندہ کا نکاح کر دیا، کیا شرعاً یہ نکاح صحیح ہے؟ قرآن و حدیث سے جواب دیں۔

الجواب:۔ امام احمدؒ کے نزدیک یہ نکاح حرام ہے، اور یہی صحیح ہے، اس لئے کہ زانی کو حد لگانی واجب ہے، جب تک حد نہ لگائی جاوے، اور توبہ صحیحہ نہ ہو، تب تک نکاح صحیح نہیں اور حمل زنا ہے، اور ولد ولد الزنا ہوگا، حاملہ من الزنا کا نکاح حالت حمل میں صحیح اس وجہ سے بھی نہیں کہ یہ عموم واولات الاحمال میں داخل ہے، اخراج اس کا محض قیاس ہے، اور پھر زانیہ سے نکاح کرنے والا زانی ہوتا ہے، اور جب تک حمل موجود ہے حکم زنا بھی موجود ہے، بناء علیہ یہ نکاح حرام ہے، فقط واللہ اعلم (ابو اسحاق نیک محمد عفی عنہ امرتسر)

الجواب ۲:۔ ھوالموفق، نکاح زانیہ بزانی میں سلف کا اختلاف ہے۔ فمن قائل مجوز ومانع مگر بعد توبہ صحیحہ نکاح صحیح ہے، امام احمد بعد توبہ صحت کے قائل ہیں (نیل الاوطار) اور توبہ صحیحہ شرعی حد پر منحصر نہیں، قصہ افک صحیح بخاری میں ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کو فرمایا تھا۔ فان کنت الممت بذنب فاستغفری اللہ وتوبی الیہ فان العبد اذا اعترف ثم تاب تاب اللہ علیہ الحدیث۔ صحت نکاح کی دلیل یہ ہے، کہ سورہ نور کی آیت کی منع کی دلیل میں علت منع وصف زنا ہے، قضیہ مشروطہ ہے، اور بعد توبہ وصف زنا زائل ہے، بحکم حدیث نبوی التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ (سنن ابن ماجہ وغیرہ) اور عورت کی عدت، اصطلاح شرع میں اس مدت کا نام ہے، جس میں عورت فراق زوج یا سید کے بعد نکاح یا وطار سے رکی رہتی ہے (فتح الباری نیل الاوطار سبل السلام) قرآن وحدیث میں انہیں مواضع میں عدت عورت کا ذکر آیا ہے، استبراء منااس میں داخل ہے، عدت کا تعلق اصل میں زوج یا سید سابق سے ہے، سورہ احزاب کی آیت فما لکم علیھن من عدۃ تعتدونھا بھی امر مذکور کی دلیل ہے، نظر بر آں اولات الاحمال کے عموم میں حامل من الزنا کا دخول محل نظر ہے، قطعی

ل اس لئے کہ علت منع حدیث نبوی لا یحل لامرئ یؤمن باللہ والیوم الآخران یسقی ماءہ زرع غیرہ الحدیث (رواہ ابوداؤد والترمذی، مشکوۃ ص ۲۹۰ جلد ۲ میں ہے) جو حامل من الزنا میں مفقود ہے، یعنی خود زانی سے نکاح کی صورت میں فافہم وتدبر ولا تکن من القاصرین ۱۲ منہ

نہیں صرف احتمال ہے، جیسا کہ خروج قیاسی کہا گیا، دخول بھی قیاسی ہے۔ اور العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص السبب بھی قیاس ہے محض یہ بھی نہیں، نیز عموم ہر چیز کا اپنے نوع میں ہوتا ہے نہ غیر میں، اور اس عموم کی تصریح صرف مطلقہ اور متوفی عنہا میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے عن ابی بن کعب قال قلت یا رسول اللہ واولات الاحمال اجلهن للمطلقة ثلاثا وللمتوفی عنها فقال هي للمطلقة ثلاثا وللمتوفی عنها رواه احمد والدارقطنی (نیل الاوطار) اور نکاح زانیہ بعد توبہ زنا نہیں کما تقدم اور احل لکم ما وراء ذلکم الایۃ اور حدیث لا یحرم الحلال الحرام (سنن ابن ماجہ وغیرہ) بھی دلیل مجوزین ہے، خلاصہ یہ کہ صورت مسئولہ منصوصہ نہیں، کتاب و سنت سے استنباط ہے، ایسے مسائل میں ترک احوط ہے، محض تجدید نکاح ہو سکتا ہے، مگر حمل مذکور صحیح النسب نہ ہوگا۔ هذا والله اعلم وعلمه اتم واحکم

(راقم۔ ابو سعید محمد شرف الدین دہلوی۔ ناظم مدرسہ سعیدیہ دہلی)

(اخبار محمدی دہلی ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۶۰ھ)

س:- ایک غریب بیوہ عورت نے جان بوجھ کر زنا کرایا، جب حمل ظاہر ہوا تو بستی کے لوگوں نے عورت مذکور کو اپنی بستی سے نکال دیا، عورت مذکور دوسری بستی میں ٹھہری ہوئی ہے، آیا ایسی عورت کو بستی میں ٹھہرنے دینا، یا زکوۃ، خیرات، فطرہ وغیرہ وغیرہ دینا جائز ہو سکتا ہے یا نہیں، یا اس کے بارے میں کیا حکم ہے، جواب از روئے قرآن و حدیث ہو۔

ج:- ایسی عورت شرعاً سنگسار کے لائق ہے، مگر چونکہ یہاں اسلامی حدود جاری نہیں ہیں اس لئے بہتر ہے کہ عورت سے توبہ کرائی جائے، اور اس کا نکاح کرا دیا جائے، اگر محتاج ہے، تو اسے صدقات، خیرات دینا جائز ہے، نیز یہ بھی فائدہ ہے کہ اس کو سمجھانے کا موقع مل جائے گا

(اہلحدیث امرتسر ۱۳ یکم دسمبر ۱۹۲۹ء)

س:- ایک شخص اپنی منکوحہ کی عصمت دری کی آگاہی پر ویسے ہی تعلقات رکھتا ہے، جیسے کہ ایک عصمت بی بی کے ساتھ، اور پھر دیدہ و دانستہ ایک غیر محرم مرد کو اپنے گھر میں آنے جانے دیتا ہے، یہاں تک کہ اپنی منکوحہ کے ساتھ اس غیر مرد کے خلوت میں ملنے اور بات چیت کرنے کو معیوب نہیں سمجھتا، تعلقداروں کے ذہنوں میں طرح طرح کے گمانات پیدا ہو گئے ہیں، ایسے شخص کا درجہ مذہب میں کیا ہے، اور اس کی سزا کیا ہے؟

ج:- ایسا شخص از روئے حدیث دیوث ہے اس کی سزا جماعتی طور پر قطع تعلق ہے، یہاں تک

کہ توبہ کرے (اہلحدیث امرتسر ص ۱۳ یکم دسمبر ۱۹۳۹ء)

س :۔ میری شادی جنوری ۱۹۲۷ء میں تقریباً ۱۵ سال کی عمر میں ہوئی، اس عرصہ میں، میں اپنے والدین کے گھر پر رہتی ہوں، میرے خاوند نے اس عرصہ میں مجھے آباد کرنے کے واسطے میری طرف کوئی توجہ نہیں کی، اور نہ ہی اپنے گھر لے جانے کے واسطے میرے والدین سے خواہش ظاہر کی، آخر مجبور ہو کر میری برادری نے مجھ پر رحم کھایا، میری خاوند اور سسر کو اس بات پہ آمادہ کیا، کہ میری مصیبت کو کم کرنے کے واسطے میرا خاوند دو عدد تمسکات لکھ دیوے، جن سے کہ میری بھلی تسلی ہو جاوے، کہ میرا خاوند مجھے آیندہ آباد کرے گا، اور میرے ساتھ کوئی بے اعتنائی نہیں کرے گا، چنانچہ دو تمسکات خریدے گئے، اور تکمیل بھی کئے گئے، مگر آخر پر میرے خاوند نے ان پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا، اور اپنے گھر چلا گیا، اور اس کے بعد میری طرف کوئی توجہ نہیں کی جس سے کہ میرے خاوند کی نیت میں فرق معلوم ہوتا ہے، کہ نہ مجھے ہرگز آباد نہیں کرے گا، اس واسطے میں علمائے دین سے ملتجی ہوں، کہ میری بہتری اور بہبودی کے واسطے کوئی سبیل نکالیں، اور مجھے اس مصیبت سے نجات دلادیں، تاکہ آیندہ میری زندگی خراب نہ ہو، اور آرام سے گذرے

(الف) معرفت مولوی عبد القیوم دینانگر، ضلع گورداسپور،

ج :۔ نکاح کی غرض صرف کھانا، کپڑا نہیں، بلکہ ضرورت خاصہ بھی ہے، اس لئے جو خاوند اس طرف خیال نہیں کرتا، اس کی منکوحہ نکاح فسخ کرانے کا حق رکھتی ہے، فقہاء نے تو نان ونفقہ نہ دینے والے سے بھی فسخ نکاح کا حق منکوحہ کو دیا ہے، دار قطنی اور بیہقی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نقل کی ہے۔ الرجل لا یجد ما ینفق علی امرأتہ یفرق بینھما، جو مرد نان ونفقہ نہیں پاتا ان میاں بیوی میں جدائی کرائی جاتے، نیز حدیث شریف میں آیا ہے لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام، کسی کو ضرر دینا اسلام میں ہرگز جائز نہیں، قرآن شریف میں ایک جامعہ حکم ہے، کہ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ، عورتوں کے ساتھ عمدہ سلوک کیا کرو، اس کے خلاف ہونے سے عورت فسخ نکاح کرا سکتی ہے، بذریعہ پنچایت فسخ ہو جانا کافی ہے اگر ایسا کرنے میں مقدمہ فوجداری کا خطرہ ہو، تو بذریعہ عدالت فسخ کرایا جائے، واللہ اعلم

(اہلحدیث امرتسر ص ۱۳ ۵ جنوری ۱۹۳۲ء)

شرفیہ :۔ الرجل لا یجد الخ یہ روایت صحیح نہیں، اور ما نحن فیہ سے بھی خارج ہے باقی جواب، جواب ہے۔ (ابو سعید شرف الدین، دہلوی)

اصلاح

ایک صاحب فتوی نمبر ۴۴ مندرجہ اہلحدیث مورخہ ۲ جمادی الاولی ۱۳۴۳ھ پر توجہ دلائی ہے، کہ غلط چھپ گیا ہے، جواباً تحریر کیا جاتا ہے، کہ واقعی غلط ہے، صحیح یوں ہے، کہ:۔

بیوہ کی عدت چار ماہ دس روز ہے، بحکم آیت۔ والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر وعشرا۔ (اللھم عفوا)

س:۔ زید نے ہندہ نے ساتھ نکاح کیا، کچھ مدت بعد نوبت خلع پہنچی، خلع کے وقت ہندہ حاملہ تھی، بعد انقضائے حمل اور فوت ہو جانے دختر پیدا شدہ کے زید و ہندہ دوبارہ نکاح کرنے پر رضامند ہو گئے، چنانچہ زید نے مہر اول ہی دو ہزار روپے منظور کر کے مزید شرائط حسب ذیل کا اپنے قلم سے اضافہ تحریر کر دیا۔

(۱) دو صد روپیہ مہر پہلے ادا کرنا (بوقت نکاح) (۲) دوسرا مہر سال سال کے بعد پانصد ادا کرنا۔
(۳) یہ کل دو ہزار روپیہ چار سال بعد ادا ہوگا (۴) ماہواری خرچ برابر دیتا رہوں گا۔
(۵) اور میں آیندہ کے واسطے تھوڑا یا زیادہ نہیں مارونگا (۶) اور جس جگہ خوش ہوگی، اسی جگہ رکھوں گا۔
(۷) اور گھر کے اسباب کی یہی مالک ہے، میں کوئی دخل نہیں دوں گا۔
(۸) اور میرا کوئی رشتہ دار اسباب وغیرہ کا کوئی حقدار نہیں ہے۔
(۹) اور یہ وعدہ میں اپنے رب کو حاضر ناظر جان کر سچے دل سے کرتا ہوں (نقل مطابق اصل)

چونکہ زید اپنی زبان سے تحریری وعدہ کا پابند نہیں رہا، اور نہ پابند رہنا چاہتا ہے، لہذا ثابت ہوا، کہ دوسری دفعہ زید نے ہندہ کو خراب کرنے کی نیت سے نکاح کیا تھا، کیونکہ مابین زید و ہندہ بعد از نکاح ثانی فوراً ہی تعلقات خراب ہو گئے، حتی کہ اس نکاح کے بعد جو لڑکی ہوئی، اس کی ولادت کے اخراجات بھی زید نے ادا نہیں کئے، بلکہ خود ہندہ نے قرض وغیرہ اٹھا کر دایہ وغیرہ کے اخراجات پورے کئے، اب سوال یہ ہے، کہ بحولہ بالا حالات کے ماتحت نکاح صحیح ہوا یا نہ اگر جواب اثبات میں ہے، تو بباعث فوت ہو جانے شرائط و نقض عہد نکاح فسخ ہوا یا نہ؟

ج:۔ صورت مرقومہ میں جتنے امور لکھے ہیں، شروط نہیں بلکہ وعدے ہیں، اس لئے ان کے نہ کرنے پر خاوند کو مجبور کیا جائے گا، کہ ان کو پورا کرے، طلاق کا حکم نہیں دیا جائے گا، بذریعہ عدالت ان وعدوں کو پورا کرایا جائے، عورت کا پردہ نشین ہونا دعوی کے لئے روک نہیں ہو سکتا، بذریعہ وکیل یا مختار دعوی ہو سکتا ہے۔ ان العھد کان مسئولا (بنی اسرائیل)　(اہلحدیث ص ۱۳ ۱۱ رمئی ۱۹۳۴ء)

س ،۔ بکر نے ہندہ سے نکاح کیا، بعد نکاح کسی اور عورت کو اغوا کرکے لے گیا عرصہ دس گیارہ سال تک لاپتہ رہا، اس عرصہ میں ہندہ کا باپ بھی نوت ہوگیا جس کی وجہ سے وہ نان ونفقہ سے بھی تنگ آگئی، اس حالت میں ایک دوسرے شخص زید نے ہندہ اور اس کی والدہ ہندہ کو نکاح کے لئے رضامند کرلیا، لیکن کسی مولوی صاحب نے نکاح پڑھنے کی جرات نہ کی، اور ہندہ معہ اپنی والدہ کے زید کے گھر رہنے لگی، سال کے بعد ان کی بدکاری عیاں ہوگئی، اس واقعہ کو آج ہندرہ سال ہوگئے ہیں، اب زید و ہندہ اپنے نکاح کے لئے دریافت کرتے ہیں، کہ شریعت میں اگر نکاح ہو سکتا ہو، تو ہم جائز طور پر آباد ہو جاویں، کیا شرعاً ان کا نکاح درست ہے؟

ج ،۔ جو شخص عرصہ چار سال تک لاپتہ رہے، اس کی عورت فتوی عدت وفات گذار کر نکاح کر سکتی ہے، صورت مرقومہ میں لاپتہ ہونے کے ماسوا نان ونفقہ کی تنگی بھی فسخ کی وجہ ہوسکتی ہے، واللہ اعلم (اہلحدیث ص ۱۳ ۔ ۲ جولائی ۱۹۳۴ء)

شرفیہ :۔ یہ جواب صحیح نہیں، اس لئے کہ پہلے مفصل گذر چکا ہے، کہ حضرت عمرؓ نے چار سال بعد مرافعہ یعنی حاکم مسلم کی عدالت میں مقدمہ دائر ہونے کے بعد چار سال گذار کر اور پھر عدت وفات گذار کر دوسرے نکاح کا حکم دیا تھا، بلا مرافعہ کا اعتبار نہیں، اور نان ونفقہ کی تنگی کی تفصیل کے بعد صحیح جواب ہو سکتا ہے مجمل طور پر جواب صحیح نہیں۔

س ،۔ اخبار اہلحدیث ۸ ستمبر ۳۳ء بر ص ۹ میں مفقود الخبر کی بیوی کی عدت چار سال واسطے نکاح ثانی کے ہے، اس کی وجہ مضمون نویس نے یہ لکھی، کہ بحوالہ ایک حدیث دار قطنی اکثر مدت حمل چار سال ہے، چونکہ یہ خلاف واقعہ ہے، اور خلاف قرآن ہے، کیا یہ حدیث صحیح ہے، مدت انتظاری چار سال فتوی کس حدیث کی بنا پر ہے؟

ج ،۔ اس قسم کی دلیلیں اقناعی ہوتی ہیں، تحقیقی نہیں ہوتیں، اقناعی دلیل اس کو کہتے ہیں، جس سے ماننے والا تسلی پا سکے، چاہے معترض کو اعتراض کی گنجائش ہو۔

(اخبار اہلحدیث امرتسر ص ۱۳ ۔ ۳۱ اگست ۱۹۳۴ء)

شرفیہ :۔ معترض کا اعتراض لغو ہے، فیصلہ فاروقیہ نہ قرآن کے خلاف ہے نہ حدیث کے ورنہ کوئی بیان کرے، کہ وہ کون سی آیت یا حدیث ہے، جس کے یہ خلاف ہے، کوئی بھی نہیں اور یہ توجیہ مذکور بھی لوگوں کا اپنا خیال ہے، جس کا اعتبار نہیں، اور دار قطنی کی روایت یہ ہے قولہ ای فی المهد اثر قالت عائشة رض الولد لا يبقى فى البطن اكثر من سنتين ولو بطل

مخرج الدارقطنی من طریق جمیلۃ بنت سعد عنہا ما تزید المرأۃ فی الحمل علی سنتین قدر ما یتحول ظل عمود المغزل واخرج من طریق الولید بن مسلم قال سالت مالکا عن ھذا الحدیث فقال من یقول ھذا ھذہ جارتنا امرأۃ محمد بن عجلان تحمل کل بطن اربع سنین قال البیہقی ویؤیدہ قول عمرؓ تتربص امرأۃ المفقود اربعۃ اعوام انتہی کذا فی الدرایۃ تخریج ھدایہ ص ۲۴۳ امام مالکؒ نے اثر مذکور کو غلط بتایا، اپنا تجربہ بھی اثر کے خلاف بتایا، اور میں نے خود دہلی کے سادات کے ایک خاندان سے تحقیق کی تھی، کہ چار کیا سات سال تک بچے کا پیٹ میں رہنا تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے، بلکہ اس سے زائد بھی، فیصلہ فاروقیہ علاوہ کسی دلیل مستنبط عن الکتاب والسنۃ کے سماع پر بھی ممکن ہے گو مصرح نہیں، پھر عامہ صحابہ کا اس پر عمل بھی ہے، اور حضرت علی اور مغیرہ کی روایت صحیح نہیں۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لا ادری ما بقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی ابوبکرؓ وعمرؓ رواہ الترمذی (مشکوۃ ج ۲ ص ۵۶۰) وعن ابن عمرؓ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایضا ان اللہ جعل الحق علی لسان عمرؓ وقلبہ رواہ الترمذی وفی روایۃ ابی داؤد عن ابی ذر قال ان اللہ وضع الحق علی لسان عمرؓ یقول بہ۔ وعن علیؓ قال کنا نعد ان السکینۃ تنطق علی لسان عمرؓ رواہ البیہقی فی دلائل النبوۃ (مشکوۃ ج ۲ ص ۵۵۷) وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یعش منکم بعدی فسیری اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین تمسکوا بہا وعضوا علیہا بالنواجذ الحدیث رواہ ابو داؤد والترمذی وابن ماجہ (مشکوۃ ج ۱ ص ۳۰)

فتوی یا فیصلہ فاروقیہ ادلہ مذکورہ بالا کی بناء پر ہے، اور روایت دارقطنی یعنی اثر صدیقہ ثابت نہیں، اور توجیہ مذکور فی السوال جب پائی گئی، اور کتاب وسنت میں مصرح بھی نہیں تو بتلایئے، کہ سائل کو کیا جواب دیا جائے یہ کہا جائے کہ جاؤ موج کرو، جو چاہو سو کرو، پھر سنت خلفاء راشدین وتمسکوا بہا وغیرہ ادلہ کا کیا فائدہ ہوگا، پس فیصلہ مذکورہ کی ضرورت تھی جو بیان کیا گیا، اور صحیح تھا، واللہ اعلم۔

(ابو سعید شرف الدین، دہلوی)

س: زید اپنی صالحہ بی بی کو بلا قصور صرف بوجہ بدصورتی طلاق دینا چاہتا ہے، کیا ایسی طلاق جائز ہے، بصورت جواب مثبت مسلمانوں کا یہ دعوی کہاں تک صحیح ہوگا، کہ اسلام نے دیگر مذاہب

سے بڑھ کر عورتوں کی عزت اور ان کے حقوق کی نگہداشت بھی کی، بلا قصور طلاق کا اختیار اگر مرد کو ہے تو عورتوں کی قیمت بھیڑ بکری سے زیادہ نہیں، مسئلہ طلاق، خلع میں فریقین کو مساوی اختیارات ہیں یا نہ اور بغیر دلیل صحیح طلاق دینے سے مرد کیا گنہگار نہیں؟

ج: نکاح سے ایک خاص غرض ہے، جس کو قرآن مجید نے ان الفاظ میں بڑی رمز سے بتایا ہے لِیَسْکُنُوْا اِلَیْھَا۔ مرد کے لئے عورت اس لئے پیدا کی، تاکہ وہ اس کے ساتھ تسلی اور سکون پائے، جس صورت میں عورت اس درجہ بدشکل ہے، جس سے اس کی طبیعت مائل ہو کر سکون حاصل نہیں کرتی، تو نکاح کی غرض حاصل نہ ہوئی، اس لئے طلاق ہو جانی چاہیئے، کہ دونوں اپنے حسب منشا جوڑا تلاش کر لیں۔ اِنْ یَّتَفَرَّقَا یُغْنِ اللّٰہُ کُلًّا مِّنْ سَعَتِہٖ، (اگر جدا ہوں گے تو خدا ہر ایک کو اس کے حسب خواہ ملا دے گا۔ عورت اگر بھیڑ بکری کی طرح ہوتی، تو محض کھانے کپڑے پر اس کو گھر میں خدمت کے لئے بند رکھا جاتا، حالانکہ یہ جائز نہیں، ارشاد ہے لَا تُمْسِکُوْھُنَّ ضِرَارًا۔ عورت خلع میں اسباب ناراضگی بتا کر باجازت حاکم علیحدہ ہو سکتی ہے، نہ باختیار خود کیونکہ وہ زندگی کے میدان میں جونیئر (ادنی درجہ) ہے، مرد سینیئر (اعلی درجہ) ہے۔ اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَا اَنْفَقُوْا۔

(اہلحدیث امرتسر ص ۱۳، ۳۱ اگست ۱۹۳۴ء)

شرفیہ: اس جواب کی بنا اگر اس پر ہے، کہ مرد مذکور کی شادی کسی نے اس صورت میں کرا دی، کہ مرد نے عورت کو دیکھا نہ تھا، یا اپنے اعتبار کی عورتوں سے صورت کی تحقیق نہ کرائی تھی، ورنہ یہ اعتراض ہوگا، کہ جب پہلے نکاح منعقد ہونے کے وقت صورت دیکھ کر نکاح کر لیا تھا، تو اب کیا وہ صورت بدل گئی ہے، پہلے کیوں پسند کیا تھا، اس صورت میں اگر اور کوئی وجہ نہیں، تو بے شک بلا قصور طلاق گو ہو جائے گی، مگر جرم ضرور ہے

س: زید و بکر میں جھگڑا ہے، زید کہتا ہے، کہ جب کہ عورت کو اختیار خلع جائز وجوہ پر ہے، تو مفقود الخبر کی بیوی اپنی مرضی سے حسب واقعات خود قبل مدت چار سال بھی نکاح ثانی کر سکتی ہے، عورت اپنی تکلیف کو بہتر محسوس کر سکتی ہے، چار سال کا فتوی اجتہادی ہے، نص سے یہ مدت ثابت نہیں، برخلاف اس کے بکر مدت چار سال کو فرض واجب بتلاتا ہے، فریقین میں صحت پر کون ہے؟

ج: خلع مرد کی بے وفائی اور ناموافقت کی صورت میں ہے لیکن فسخ نکاح بحکم حاکم ہوگا، طلاق

باختیار زوج ہوتی ہے، مفقود الخبر کی بیوی کی طرف سے فسخ نکاح کی درخواست پر معقول وجوہ کی صورت میں حاکم فسخ کرا دے، تو وہ ایک مہینہ عدت گذار کر نکاح کر سکتی ہے، لیکن مفقود الخبر ہونے کی صورت میں فیصلہ ایک طرفہ ہوگا جس میں قضاء علی الغائب کا عذر باقی رہے گا۔

(اہلحدیث امرتسر ص ۱۳، ۳۱ اگست ۱۹۳۷ء)

نکاح شغار کی تحقیق یعنی نکاح مبادلہ

عرب کے دور جاہلیت میں عام طور پر تو نکاحوں میں معاوضہ نکاح بصورت مہر مقرر ہوتا تھا جس کی ایک صورت یہ تھی، کہ ایک شخص اپنی لڑکی یا قریبہ کسی دوسرے کے لڑکے یا قریبی سے نکاح کر دیتا اس شرط پر کہ تو اپنی لڑکی یا قریبہ میرے ساتھ یا میرے لڑکے کے ساتھ نکاح کر دے مہر اس میں کچھ نہ ہوتا تھا، اس کا نام "شغار"[1] تھا، پس شغار کے معنی اردو میں "نکاح مبادلہ" ہیں، اور پنجابی زبان میں "وٹے دا ساک" حدیث شریف میں اس قسم کے نکاح کی بابت منع آیا ہے، اب علماء کے دو گروہ ہیں، ایک گروہ رہتا ہے، شغار میں اگر فریقین کی طرف سے مہر کی نفی ہو، تو نکاح جائز نہ ہوگا، اگر مہر مقرر ہو تو چاہے بصورت تبادلہ ہو نکاح جائز ہے، راقم مضمون مولوی عبد الجلیل صاحب کی تحقیق فریق ثانی سے متفق ہے، اس لئے فریق اول کے جواب میں آپ نے مضمون بھیجا ہے، جو درج ذیل ہے (مدیر)

پرچہ تنظیم میں اپریل ۳۵ء سے بطور ضمیمہ مسئلہ شغار کی ایک بسیط تحریر طبع ہو رہی ہے، مگر فی الحقیقت وہ تحقیق تحقیق نہیں ہے، محدثین کے مسلک سے کوسوں دور ہے، حضرت شیخ الہند شمس العلماء مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کا مہر کردہ و دیگر اہل حق کا فتوی در بارہ جواز مع المہر وخروج آن از شغار منہی عنہ مطبوعہ ضمیمہ فتاوی نذیریہ موجود ہے، پھر مع المہر کو شغار منہی عنہ میں داخل کرنا متفقہ مسئلہ علمائے اہل حدیث کے خلاف کر کے جماعت اہلحدیث میں ایک جداگانہ شق پیدا کرنا ہے، مناسب معلوم ہوا کہ اس امر کے متعلق ایک مضمون مختصر حوالہ قلم ہو، جس سے حقیقت مسئلہ کی منکشف ہو۔ پس واضح ہو کہ حدیث لا شغار فی الاسلام، شغار کو اسلام سے

---

[1] اصلہ فی اللغۃ الرفع یقال شغر الکلب اذا رفع رجلہ لیبول کانہ قال لا ترفع رجل بنتی حتی ارفع رجل بنتک (نووی) ۱۲

نفی کر رہی ہے، یعنی اسلام میں شغار نہیں، اس سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے، کہ اسلام کے سوا کسی اور میں شغار تھا، جس کو شارع علیہ السلام اپنے مذہب میں مغایر فرماتے ہیں۔

کتب کے ملاحظہ سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ یہ جاہلیت یعنی زمانہ رسالت مآب کے قبل کے لوگوں کا ایک معمول بہ نکاح تھا، صراح و منتہی الارب میں ہے شغار بالکسر نکاح جاہلیۃ۔ مختار الصحاح رازی و صحاح جوہری میں ہے۔ الشغار بالکسر نکاح کان سنے الجاھلیۃ۔ مصباح المنیر میں ہے وکان شائعا۔ تاج المصادر بیہقی میں ہے المشاغرۃ من الشغار و ھو نکاح کان فی الجاھلیۃ۔ ابن العربی احکام القرآن میں لکھتے ہیں۔ فان الناس کانوا یتناکحون فی الجاھلیۃ بالشغار امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں، کان الشغار من نکاح الجاھلیۃ۔ ابن الاثیر نہایہ میں اور علامہ محمد طاہر فتنی مجمع بحار الانوار میں تحریر فرماتے ہیں۔ ھو نکاح معروف فی الجاھلیۃ۔ ان ائمہ لغت کی تصریحات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی، کہ یہ جاہلیت کے زمانہ والوں کا ایک قسم کا نکاح ہے، زمانہ جاہلیت والوں کا یہ نکاح کس طور کا تھا، اس میں رائے زنی کی تو کوئی ضرورت ہی نہیں، جب تک یہ ایک قوم کا مرسوم معاملہ ہے، تو بس ان میں ان کا طریق مرسوم معلوم ہو جانا بس کافی ہے، جیسے کوئی امر توقیفی ہوا کرتا ہے، ان کے مرسومی معاملہ میں فقہاء کو ان کی اصطلاح میں علماء کو رائے زنی کا کیا حق ہے، نہایہ ابن الاثیر و مجمع بحار الانوار میں ہے:-

ھو نکاح معروف فی الجاھلیۃ کان یقول الرجل للرجل شاغرنی ای زوجنی اختک او بنتک او من تلی امرھا حتی ازوجک اختی او بنتی او من الی امرھا ولا یکون بینھما مھر و تکون بضع کل واحدۃ منھما بضع الاخری

مقدمہ ابن رشد مالکی مختصر مدونہ ص۶۲ ج۲ میں ہے۔ کان الرجل فی الجاھلیۃ یقول للرجل شاغرنی ای زوجنی ابنتک علی ان ازوجک ابنتی بلا مھر۔ علامہ بیہقی تاج المصادر اور جوہر صحاح میں اور رازی مختصر صحاح یعنی مختار میں اور فاضل جمال صراح میں رقمطراز ہیں۔ ولفظ التاج المشاغرۃ من الشغار نکاح کان فی الجاھلیۃ و ھو ان یقول الرجل للرجل الاخر زوجنی بنتک او اختک علی ان ازوجک اختی او بنتی علی ان صداق کل واحد منھما بضع الاخری کانھما رفعا المھر واخلیا البضع عنہ و منہ الحدیث لا شغار فی الاسلام

قاموس میں ہے الشغار بالکسر ان تزوج الرجل امرأۃ علی ان یزوجک اخری مھر

مہر صداق کل واحدۃ بضع الاخری اہل جاہلیت کا دستور العمل یہ تھا، کہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے کہتے، کہ تو مجھ سے اپنی دختر ہمشیرہ یا جو بھی تیرے زیر ولایت ہو نکاح کردے، میں تجھ سے اپنی دختر یا ہمشیرہ یا جو بھی میرے زیر ولایت ہے نکاح کر دیتا ہوں، مہر کچھ نہیں، فرج لو اور فرج دو آدمی لو اور آدمی دو، یہ تھا وتیرہ اہل جاہلیت کا، جیسے بیک زبان ائمہ لغت نے بیان کیا ہے

تاج العروس ص۳۰ جلد ۳ میں ہے قال الشافعی والوعبیدۃ وغیرھما من العلماء الشغار المنھی عنہ ان یزوج الرجل حریمتہ علی ان یزوجہ المزوج حریمتہ لہ اخری ویکون صداق کل واحدۃ بضع الاخری کانھما رفعا المھر واخلیا البضع عنہ۔

ابو عبیدہ ائمہ لغت سے ہے، اور امام شافعی کون ہیں، سب واقف ہیں، صاحب تاج العروس ان دونوں بزرگوں کے علاوہ بھی کل علماء سے بالاتفاق بیان کرتے ہیں، شغار ممنوع وہی ہے جس میں آدمی اپنی محرمہ دے کر دوسرے کی محرمہ لے بلا مہر فرج منکوحہ دے کر فرج منکوحہ لے، مہر بھی یہی سب کچھ ہے۔ ہدایۃ المجتہد ص۳۵ میں ہے۔

واما نکاح الشغار فانھم اتفقوا علی ان صفتہ ھو ان ینکح الرجل ولیتہ رجلا اخر علی ان ینکحہ الاخر ولیتہ ولا صداق بینھما الا بضع ھذہ ببضع الاخر واتفقوا علی انہ نکاح غیر جائز لثبوت النھی، شغار کی توصیف و تعریف میں سب علماء متفق ہیں، وہ یہ ہے، کہ آدمی اپنی ولیہ کا کسی دوسرے سے اس بنا پر نکاح کردے، کہ وہ اپنی ولیہ کا اس سے نکاح کردے، مہر ان میں کچھ نہیں، یہی کہ منکوحہ لی، منکوحہ دی، نیز سب کا اتفاق ہے، کہ یہ نکاح بایں صفت جائز نہیں، ممانعت ثابت ہونے کی وجہ سے، کتاب الام ص۶۸ جلد ۵ میں امام شافعی فرماتے ہیں۔ اذا انکح الرجل ابنتہ او المرأۃ یلی امرھا من کانت علی ان ینکحہ ابنتہ او المرأۃ یلی امرھا من کانت علی ان صداق کل واحدۃ منھما بضع الاخری ولم یسم لواحدۃ منھما صداق فھذا الشغار الذی نھی عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا یحل النکاح، جب آدمی اپنی دختر یا اپنی مولیہ جو بھی ہو اس کا نکاح کردے اس بنا پر کہ دوسرا اپنی دختر یا اپنی مولیہ جو بھی ہو نکاح کردے، مہر میں یہی ایک کی فرج کا لینا، دوسری کا دینا، کسی ایک کے بھی مہر کا ذکر نہ ہو، بس یہی وہ شغار ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے

ان عبارتوں سے شغار کی اصلیت اور اس کی کیفیت روز روشن کی طرح معلوم ہوگئی، اور اہل جاہلیت میں جس طریق سے معمول تھا وہ بھی معلوم ہوگیا۔

بالاتفاق ائمہ لغت وائمہ اعلام زمانہ جاہلیت والوں کی غرض اس نکاح میں فرج کا فرج کے عوض اپنے لئے حلال کرنے کرانے ہی کی ہوا کرتی تھی، لاغیر یہ مقصد نہیں، کہ جو نکاح بلا ذکر مہر کے ہوا ہو، وہ بھی شغار ہی ہے، چونکہ ان کی غرض اصلاً مہر عدم کے تقرر کی نہیں ہوتی، بلکہ کسی وجہ سے تقرر مہر نہ آیا، مگر انہیں مہر دینا پڑے گا، نکاح کے منعقد ہونے میں شبہ نہیں، بخلاف شغار کے کہ اس میں مہر کا تقرر ہی مقصود نہیں ہوتا، بلکہ فرج ہی فرج کے مقابلہ میں دے دی اور لے لی، یہی ان کی غرض یہی ان کی غایت، یہی ان کا عندیہ ہے، اور بس چھٹی مل گئی، لہٰذا اس نکاح میں، اور اس میں زمین وآسمان کا فرق ہے، نیز اگر کوئی اپنی مولیہ دے، اور کسی کی مولیہ لے، مگر باقاعدہ مہر وغیرہ کے ساتھ فرج کا فرج سے تبادلہ ہی مقصود نہ ہوا، اس نکاح کو شغار نہیں کہتے، لڑکی لینا، لڑکی دینا مہر کے تقرر کے ساتھ شرعاً شغار میں داخل نہیں، اہل جاہلیت واہل اسلام ہر دو کی نیتوں میں ہی زمین وآسمان کا فرق ہے، اہل جاہلیت کی غرض لڑکی وغیرہ لینا اور دینا بطور تبادلہ کے مہر سے کوئی سروکار نہیں بلکہ فرج حلال کر دینا کرا لینا، فرج دے دلا کر یعنی اپنی مولیہ دے کر اس کے عوض میں کسی کی مولیہ لینا ہے، اس میں ایک قسم کی خاص قباحت موجود ہے۔

جس شغار جہالت کی ائمہ نے بالاتفاق تعریف کی ہے، وہی احادیث مرفوعہ وآثار موقوفہ سے ثابت ہے، احادیث مرفوعہ اگرچہ ضعف سے خالی نہیں لیکن تمام اہل علم کا اس پر اتفاق ہے لہٰذا قابل احتجاج ہونے میں شبہ نہیں، امام ترمذی نے اپنی جامع میں متفقہ محدثین شغار کی تعریف کی ہے فرماتے ہیں بعد تعدیل حدیث الشغار ان یزوج الرجل ابنتہ علی ان یزوجہ الاخر ابنتہ او اختہ ولا صداق بینھما۔

میں کہتا ہوں کہ اس تعریف کی مخالفت صریح کسی ایک آدھ محدث سے بھی ثابت نہیں، گویا یہ تعریف تمام محدثین وعلمائے مجتہدین وائمہ لغت کی متفقہ ہے مرفوع روایتوں میں سے ایک حدیث جابر رضی اللہ عنہ ہے۔ مرفوعا نھی عن الشغار والشغار ان ینکح ھذہ بھذہ بغیر صداق بضع ھذہ صداق ھذہ وبضع ھذہ صداق ھذہ رواہ البیھقی

دوسرے ابو ریحانہ کی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن المشاغرۃ والمشاغرۃ ان یقول زوج ھذا من ھذہ من ھذہ ابلا مھر رواہ ابو الشیخ فی کتاب النکاح۔ یہ دونوں فتح الباری صفحہ ۱۴۲ جلد ۹ میں ہیں۔

(۳) عن ابن عباس قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لیس منا من

ینتھب وقال لا شغار فی الاسلام والشغار ان تنکح المرأتان احدھما الاخری بغیر صداق۔ رواہ الطبرانی (مجمع الزوائد ص ۲۶۷ ج ۴)

(۴) عن ابن ابی کعب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا شغار فی الاسلام قالوا وما الشغار قال نکاح امرأۃ بالمرأۃ لا صداق بینھما رواہ الطبرانی فی الصغیر والاوسط (مجمع الزوائد ص ۲۶۶ ج ۴)

حافظ ابن حجر عسقلانی تلخیص ص ۲۹۳ میں فرماتے ہیں واسنادہ وان کان ضعیفا لکنا نستانس بہ فی ھذا المقام۔

فتح الباری ص ۱۲۱ جلد ۹ میں ہے۔ قال القرطبی تفسیر الشغار موافق بما ذکرہ اھل اللغۃ فان کان مرفوعا فھو المقصود وان کان من قول الصحابی فمقبول ایضا لانہ اعلم بالمقال واقعد بالحال۔ ہم نے مانا کہ ضعیف حدیث قابل احتجاج نہیں ہوتی، مگر میرے محترم وہ کہ احادیث صحیحہ کے مقابلہ میں جب واقع ہو، حدیث لا شغار فی الاسلام، وان احادیث ضعیفۃ میں کسی قسم کا بھی تعارض نہیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو ملاحظہ فرمائیں، صحیح صریح نہیں ہوتی یا غیر صحیح سے استدلال نہ اس کی طرف اشارہ یا لفظ متابعۃ وضاحت کی بناء پر بیان کر دیا کرتے ہیں۔

افصاح نکت ابن الصلاح میں ابن حجر لکھتے ہیں:۔ ومن جملۃ صفات القبول التی لم یتعرض لھا شیخنا الحافظ یعنی زین الدین العراقی ان یتفق العلماء بقبول حدیث فانہ یقبل حتی یجب العمل بہ وقد صرح بذلک جماعۃ من ائمۃ الاصول الخ کذا فی التحفۃ المرضیۃ الملصقۃ مع الطبرانی للقاضی حسین بن محسن الانصاری ص ۲۶۶

حافظ صاحب روپڑی نے علامہ زرکشی سے نقل کیا ہے (محل کو نہ) لا یعمل بالضعیف فی الاحکام مالم یکن تلقۃ الناس بالقبول فان کان کذلک تعین وصار حجۃ یعمل بہ فی الاحکام وغیرھا کما قال الشافعی۔ اس جگہ ان احادیث ضعیفہ کے مدلول پر تلقی الناس بالقبول بالاتفاق موجود ہے یہ حدیث لائق احتجاج ہوئیں، مع ہذا روایات صحیحین تک ان کی مؤید، دیکھو صحیح بخاری کتاب الحیل، صحیح مسلم کتاب النکاح بعد حدیث ابن عمرؓ مرفوعاً قلت لنافع ما الشغار قال ینکح بنت الرجل وینکحہ ابنتہ بغیر صداق وینکح اخت الرجل وینکحہ اختہ بغیر صداق۔ بخاری باب الشغار کے الفاظ یوں ہیں والشغار ان یزوج الرجل ابنتہ علی ان یزوجہ الآخر ابنتہ لیس بینھما صداق۔ صحیح مسلم میں بطریق ابو الزناد سے ابوہریرہؓ کی روایت میں

زاد ابن نمیر الشغار ان یقول الرجل للرجل زوجنی ابنتک وازوجک ابنتی اوزوجنی اختک وازوجک اختی۔ اس روایت مسلم میں مہر وغیرہ کا ذکر نہیں جس سے ہمارے محترم احباب بے جا فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں، جو ان کی کوتاہ نظری ہے، ابو الزناد سے موطا امام مالک ص ۱۳۹/۲ میں ہے

ابن وہب عن ابی الزناد عن ابیہ قال کان یکتب فی عہود السعاۃ ان ینہوا اہل عملہم عن الشغار والشغار ان ینکح الرجل امراۃ وینکحہ الاخر امراۃ بضع احدہما ببضع الاخری بغیر صداق وما یشبہ ذلک، معلوم ہوا کہ یہ کسی راوی کا اس میں تصرف ہے، کہ جس نے لفظ صداق کا حذف کر دیا، وہ بھی شاید نہ پہنچنے کی بنا پر، نہ کہ عمدا یہ کام کیا ہے، بلا ذکر مہر کے جو تفسیر ہے، وہ عبید اللہ کی ہے، دیکھو نسائی باب تفسیر الشغار، جو نہ تابعی اور نہ ہی تبع تابعی، ان سے نیچے علاوہ ازیں حدیث ابو ہریرہ رض میں خود یہ لفظ موجود ہیں، دیکھو خلافیات بیہقی ورق ۵۷ فی مسئلۃ الشغار اخبرنا ابو عبد اللہ الحافظ انا ابو بکر محمد بن احمد بن حاتم ثنا ابو الموجہ انا صدقۃ ثنا عبدۃ عن ابی کریب عن عبید اللہ عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی ہریرۃ قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الشغار والشغار ان یزوج الرجل ابنتہ الرجل ویزوج ابنتہ ولا صداق بینہما۔ اس روایت کی سند کی طرف امام مسلم نے بھی اشارہ کیا ہے، بحمد اللہ حدیث ابو ہریرہ میں بھی بلا مہر کی تقیید ثابت ہوگئی، اب تمامی روایات مرفوعہ موقوفہ تفاسیر طریقہ عمل اہل جاہلیت و تفاصیل ائمہ لغت و ائمہ محدثین و فقہا ایک ہوگئیں فلربنا الحمد ولہ المنۃ۔

علامہ خطابی کا معالم السنن میں کلام بھی اسی کو مقتضی ہے ص ۱۹۳ جلد ۳ میں بعد روایت نافع فرماتے ہیں۔ قال الشیخ تفسیر الشغار ما بینا نعم وقد روی ابو داؤد ایضا فی ہذا الباب باسنادہ عن الاعرج وذکر قصۃ معاویۃ بلفظ وکانا جعلاہ صداقا ثم قال قال الشیخ فاذا وقع النکاح علی ہذہ الصفۃ کان باطلا لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عنہ

اگر خطابی کے کلام میں جعلاہ صداقا نہ تسلیم کیا جائے، تو ان کے کلام میں ربط مفقود ہو جاوے گا، معاویہ کی روایت کو اسی پر محمول کرنا لازمی امر ہے، تا اعرج کی اصل روایت کے بھی مخالف نہ ہو، اعرج ہی ابو ہریرہ رض کی روایت کا راوی ہے، اگر اس پہ محمول نہ کیا جاوے، تو امیر معاویہ کا یہ لکھنا کہ ہذا الشغار الذی نہی عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالکل غلط ہوگا۔ چونکہ یہ تعریف کسی طریق سے بھی صحیح نہیں نہ نبی صلعم سے نہ ہی صحابہ یا تابعین سے اور نہ ہی ائمہ لغت

وفقہاء محدثین وغیرہم سے، اور نہ ہی معمول اہل جاہلیت اس کے مساعد ہے

(ابو عبد الکبیر محمد عبد الجلیل سامرودی کان اللہ لہ)

اہلحدیث: یہ تحقیق انیق قابل قبول ہے پہلے میرا فتوی یہی تھا، مگر واقعات سے ثابت ہوا کہ چند پیسے مہر رکھ کر بھی نکاح شغار میں بڑا فساد یہ ہوتا ہے، کہ ایک فریق کا بہو سے کچھ بگاڑ ہوا، تو اپنی لڑکی روک لی، دوسرے فریق کو تکلیف دینے کے لئے، یا ایک فریق نے بوجہ ناچاقی بہو کو معلق رکھا، تو دوسرا اسی طرح کرتا ہے، اس لئے بسا اوقات بے گناہوں پر بھی ظلم کرتے ہیں، اس لئے آج کل میرا فتوی یہ ہے، کہ نکاح شغار باوجود مہر کے بھی جائز نہیں (اہلحدیث امرتسر ص ۸ ۱۶ ربیع الاول ۵۴ھ)

شرفیہ: میں کہتا ہوں بالکل صحیح ہے، گذشتہ سال میں نے ایک استفتاء میں مسئلہ شغار کا جواب اردو ہی میں لکھا تھا، اس میں یہی تحقیق لکھی تھی، جو مجیب صاحب نے لکھی ہے، جواب لکھنے کے بعد محلی ابن حزم کے دیکھنے کا اتفاق ہوا، تو کیا دیکھتا ہوں، اس نے اس مسئلہ میں انا ولا غیری کا ٹربم بپا کر رکھا ہے جیسے اس کی عادت ہے، اور اپنی عادت سے مجبور بھی ہے، خیر تو چونکہ اس کی کتاب عربی میں ہے، اس لئے میں نے بھی اپنے فتوی کا ضمیمہ یعنی جواب محلی ابن حزم مسئلہ شغار کا جواب عربی میں ہی لکھا تھا، وباللہ التوفیق (ابو سعید شرف الدین دہلوی)

س: بوقت نکاح لڑکی والا اپنے کمینوں کو لاگ وغیرہ جو دیتا ہے، وہ لڑکے والے کے پاس سے لے کر دیتا ہے، کیا یہ جائز ہے یا کہ نہیں؟ اگر جائز ہے، تو کیا وہ رقم حق مہر میں شمار ہوگی، اور لڑکی کی منگنی کے وقت لڑکے والے کچھ زیور اور کپڑے لے جاتے ہیں، اور شادی کے بعد مقلاوہ کے وقت لڑکے والے کچی پنی لے جاتے ہیں کیا یہ جائز ہے یا جائز؟

ج: یہ تمام ملکی رسمیں ہیں، مہر میں داخل نہیں ہیں، یہ رسوم قابل اصلاح ہیں، واللہ اعلم

(اہلحدیث امرتسر ص ۱۳ یکم دسمبر ۱۹۳۹ء)

س: زنا کے خوف سے جس شخص کے پاس بی بی نہ ہو، اگر وہ جلق کرے، اس کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

ج: جلق (مشت زنی) حرام ہے، قرآن پاک میں ہے فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَاءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ، جو شخص بیوی یا لونڈی کے علاوہ شہوت رانی کی راہ تلاش کرے، وہ حد سے گذرنے والا ہے، کسر شہوت کے لئے حدیث میں علاج روزہ آیا ہے۔ الصوم وجاء واللہ اعلم

(اہلحدیث ص ۱۳ ۱۵ دسمبر ۱۹۳۹ء)

س: (الف) ایک عورت قوم الرائیں جس کی عمر بوقت شادی ۱۴ سال کی تھی، قومی رواج کے مطابق

دو روز سسرال میں رہی، تیسرے روز پدر کیاں میں آگئی، ایک سال کے بعد رخصتانہ ہوا، بعد رخصتانہ وہ اپنے شوہر کے یہاں تین ماہ آباد رہی، چونکہ اس کا شوہر بدمعاش، چوری پیشہ، مادر بدچلن، شراب خور قمار باز، تمام عیبوں میں ماہر ظاہر ہوا، اس کی عورت اپنے باپ کے گھر میں چلی آئی، عورت کا خاوند چوری سائیکلوں کا بہت ماہر ہے، ایک جگہ سے چوری کیا، دوسری جگہ فروخت کردیا۔

(ب) چنانچہ چوری سائیکلوں میں گرفتار ہو کر تمام چوریاں برآمد ہو کر ریاست سنگرور میں چار سال قید بھگت کر پھر چار سال سے ریاست پٹیالہ میں قید بھگت رہا ہے، قید پوری ہونے کے بعد جرمانہ کے عوض نہیں معلوم کب تک قید رہے گا۔

(د) شوہر عورت کے پاس کوئی جائداد نہیں، جس سے ایام گذاری ہو سکے، عورت آٹھ سال سے اپنے باپ کے پاس رہتی ہے، بہت نیک چلن، پاکدامن نماز روزہ کی پابند ہے ایسے بدچلن خاوند کے ساتھ رہنے سے نفرت ہے، کیا اس کا نکاح ایسے بدچلن سے رہ گیا ہے، یا کہ باطل ہو گیا، کیا عورت دوسرا نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

ج:۔ کاظمی ایکٹ جو ابھی پاس ہوا ہے، اس کی رو سے بذریعہ عدالت نکاح فسخ کرا سکتی ہے کسی وکیل سے مشورہ کریں، اللہ اعلم (اہلحدیث امرتسر ص۱۳، ۱۵ دسمبر ۱۹۳۹ء)

س:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسلم پردہ دار مستورات کے متعلق جو اپنے ملی بھائیوں سے تو خوب پردہ کرتی ہیں، مگر جب غیر مسلم دوکانداروں کے ہاں سودا خریدنے جاتی ہیں، تو بے نقاب ہو کر سادر ننگے منہ ان سے باتیں کرتی لجت کر کے اشیاء کا نرخ ٹھہراتی ہیں، اسلام ان عورتوں ان کے شوہروں اور ان کے ورثاء کے لئے کیا تعزیر تجویز کرتا ہے؟

ج:۔ ایسی عورتیں قرآن مجید کے صریح حکم کی خلاف ورزی کرتی ہیں، اور ان کے متعلق حدیث شریف میں بہت برا کہا گیا ہے، بعض روایات میں بے پردہ اغیار کے سامنے پھرنے والی عورتوں کو زانی کے لفظ سے خفگی کا اظہار ہے، بعض جگہ لعنت بھی آئی ہے، بہر حال بے پردگی شرعا و عرفا بہت برے نتائج کا موجب ہے، مسلمان مردوں کو چاہیئے، کہ اپنی عورتوں کو سختی سے روکیں، عمدا تساہل کرنے والا دیوث ہے، اللہ اعلم (اہلحدیث ص۱۳، ۱۷ ذیقعدہ ۱۳۵۸ھ)

س:۔ ایک عورت اپنے خاوند کے گھر سے چوری سے کسی غیر آدمی کے ساتھ چلی جاتی ہے تین ماہ کے بعد واپس لائی گئی، کیا اس عورت کا نکاح پہلے خاوند سے دوبارہ کرنا چاہیئے یا نہیں؟

ج:۔ اغوا شدہ عورت کا نکاح خاوند سے بحال رہتا ہے، اگر وہ واپس خاوند کے گھر لائی جائے

تو نکاح جدید کی ضرورت نہیں، اللہ اعلم (اہلحدیث امرتسر ص۱۳ ۱۲ ر جنوری ۱۹۴۰ء)

س :۔ ہندہ کے خلع کیا، اس سے طلاق بائن واقع ہوئی، اب سوال یہ ہے، کہ شوہر اگر دوبارہ اس عورت کو لینا چاہے، اور عورت راضی ہو، تو عدت کے اندر یا بعد العدۃ، تجدید نکاح کے بعد لے سکتا ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے، کہ اس صورت میں بی بی حرام ہوگئی، تجدید نکاح سے بھی نہیں لے سکتا، اور بکر کہتا ہے، کہ تجدید نکاح کے بعد بی بی کو دوبارہ لینا جائز ہے، ان دونوں میں کون حق پر ہے، جواب مدلل ہونا چاہیئے۔

ج :۔ طلاق خلع کے بعد فریقین کی رضامندی سے نکاح جدید کر کے آباد ہو سکتی ہے، کیوں کہ نکاح ثانی کی ممانعت مغلظہ بطلاق ثلاثہ کی صورت میں ہے۔ حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ (قرآن) طلاق بائن میں اسی خاوند سے نکاح ممنوع نہیں ہے واللہ اعلم۔

(اہلحدیث امرتسر ۱۲ ر جنوری ۱۹۴۰ء)

س :۔ زینب کے بھائی کی موجودگی میں اس کی ماں ولی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اگر ان کی ماں زینب کے بھائی سے چھپا کر زید سے شادی کرا دے، تو شادی شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ شادی کے وقت زینب کی عمر آٹھ سال دس مہینہ تھی، اب اس کی عمر گیارہ سال ۹ مہینہ ہوئی، اس وقت شادی سے انکار کرتی ہے، کہ میری شادی ہوئی نہیں، اس صورت میں زینب زید کی زوجیت میں رہے گی، یا نہیں، بینوا توجروا

ج :۔ بھائی عصبہ ولی ہے، اس کی موجودگی میں ماں ولی نہیں ہو سکتی، لہذا نکاح ناجائز ہے، اور لڑکی بعد بلوغ انکار کر سکتی ہے، نکاح فسخ ہو جائے گا، گو پہلے بھی ناجائز تھا۔

(اہلحدیث امرتسر ص۱۳ ۱۰ جنوری ۱۹۳۳ء)

شرفیہ :۔ صورت مرقومہ میں سرے سے نکاح منعقد ہی نہیں ہوا، کہ بلا ولی کیا گیا ہے، بحدیث لا نکاح الا بولی۔ الحدیث (ابوسعید شرف الدین دہلوی)

الحمد للہ کہ کتاب النکاح تمام ہوئی

باب نہم

کتاب البیوع

افتتاحیہ

ازافادات یگانۂ زمان حضرت نواب صدیق حسن خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ افضل کسب بیع مبرور اور اپنے ہاتھ سے کام کرنا ہے، اللہ دوست رکھتا ہے حرفہ کرنے والے کو، سچے تاجر امانتدار کا حشر ہمراہ نبیوں اور صدیقوں کے ہوگا۔ حدیث میں بہت سی چیزوں کی بیع سے منع کیا ہے، بہت صور بیع کو ناجائز فرمایا ہے، ان ممنوع صورتوں کا رواج آج کل بہت ہے۔ یہ بھی ایک فتنہ ہے اسلام میں، جب لین دین موافق شرع کے نہ ہو، جو رزق اس سے ہاتھ آئے گا، وہ حرام ہوگا نہ حلال، پھر جب حرام سے پرورش بدن کی ہوئی، تو پھر یہ بدن لائق دوزخ کے ہوا نہ لائق جنت کے، اس فتنے میں پڑھے اور ان پڑھے سب گرفتار ہیں، کسی طرح کی پرواہ حلت رزق میں نہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کی عبادت میں اثر قبولیت نہیں، ان کے کاموں میں کوئی برکت نہیں، اسلام کا نور چہرے پر نہیں، نماز روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقہ خیرات سب کچھ کرتے ہیں، لیکن مال حرام پر بنیاد ہے، حرام مال کو صدقہ میں دینا، اجر کی امید رکھنا قریب کفر ہے، اس وقت میں کوئی مال اشتباہ سے خالی نہیں، مقلدوں نے لینا سود کا دار الحرب میں جائز کر دیا ہے، قرآن و حدیث میں کسی جگہ سود کو حلال نہیں کہا، بلکہ سود خواری کو خدا سے لڑائی کرنا فرمایا ہے سینکڑوں، قوم خلاف شرع کی آمدنی ہوتی ہے، وہ سب مال بلا شک حرام ہے

یہ ایسا فتنہ عام ہے، جس سے بچنا مشکل ہے، دھواں تو اس کا ضرور ہی ہر شخص کو ضرور ہی لگ جاتا ہے، اب تو عبادات اور معاملات سب کے سب خراب ہیں، نام کی مسلمانی رہ گئی ہے سارا اسلام آپس کے رد و قدح میں منحصر سمجھا گیا ہے، قیامت جلدی نہ آوے تو پھر کیا ہو، آخر شرار امت ہی پر قائم ہوگی، حلال کا طلب کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے، اللہ تعالیٰ سوائے حلال کے کسی حرام کو قبول نہیں کرتا، جھوٹ، فریب، غیبت، چالاکی سے جو رزق حاصل ہوتا ہے، وہ آخر کو دوزخ کا کندہ

بناتا ہے، حدیث میں آیا ہے، کہ آدمی لمبا سفر کرتا ہے، پریشان بال پریشان حال ہوتا ہے، آسمان کی طرف ہاتھ پھیلا کر رب رب کرتا ہے، اس کا کھانا حرام، پینا حرام، پہننا حرام، غذا حرام پھر کس طرح اس کی دعا قبول ہو، اس کو مسلم و ترمذی نے ابوہریرہ سے روایت کیا ہے، دوسری حدیث میں ہے ایک زمانہ ایسا آوے گا، کہ آدمی پروانہ کرے گا، کہ حلال مال لیا یا حرام، یہ بخاری میں ابوہریرہ رضہ سے مرفوعًا آیا ہے، حرام خوری زنا کاری سبب ہے دخول نار کا، اس حدیث کو ترمذی نے ابوہریرہ رضہ سے روایت کر کے صحیح کہا ہے،

رزق حلال کی تاکید ہیں، رزق حرام سے بچنے میں بہت سی احادیث آئی ہیں، مگر کون سنتا سمجھتا ہے، اب تو جو کچھ ہے مال ہی مال ہے، ایمان رہے یا جائے، مالداروں کی قدر ہے، ان پر حسد ہے، ایک شعبہ بیع میں کمی کرنا ہے ماپ تول میں غلہ وغیرہ کے اس کا بھی خوب رواج ہے دوسرا شعبہ غش (کھوٹ) ہے، یہ ہر چیز میں ملتا ہے مصنوعی اور یہ مصنوعی روغن وزعفران وغیرہ اشیار کا لین دین بدستور جاری ہے، حالانکہ حدیث میں آیا ہے، کہ لیس منا من غشنا دھوکے باز ہماری امت سے خارج ہیں، جعلی روپے اشرفی نوٹ بھی بننے لگے، موتی جواہر ڈھلنے لگے، نقود تا عروض کوئی ایسی چیز معلوم نہیں ہوتی، جس میں جعل کا دخل نہ ہو، کوئی معاملہ بیع کا نظر نہیں آتا جس میں کوئی منکر شرعی موجود نہ ہو، کوئی عبادت ایسی نہیں، جس میں فساد مذہبی قائم نہ ہو، دعوئے اسلام کا تو ہم سب کو خوب دھوم دھام سے ہے، لیکن سوائے چھلکے کے مغز کا کہیں اتا پتا نہیں، مفاسد بیوع ومنکرات واد دستند اس قدر ہیں، کہ ایک کتاب علیحدہ چاہیئے واسطے بیان جزئیات مذکور کے، جس کو علم قرآن وحدیث ہے، وہ جلد درمیان حلال وحرام کے تمیز کر سکتا ہے۔

(ماخوذ)

س :- زید نے بسبب اشد ضرورت کے اپنی کاشت کھیت اکھ یعنی گنا پر سال آئندہ کے واسطے روپیہ قرض لیا، اور قرض روپیہ لینے کے وقت یہ کہا، کہ اس وقت میرا کھیت گن تین ماہ کا بویا ہوا ہے، سال آئندہ کو گن تیار ہونے پر بہ نرخ چھ آنہ یا آٹھ آنہ فی من بخوشی دوں گا، اس طور کی خرید و فروخت شرعا صحیح ہے یا نہیں؟ (ابو محمد عبد اللہ لال پور رام پور اسٹیٹ)

ج :- صورت مرقومہ میں اس کو بیع سلم کہتے ہیں، جو جائز ہے، نرخ اور جگہ مقرر ہونی چاہیئے۔ واللہ اعلم

(اہلحدیث جلد ۴ نمبر ۱۰)

شرفیہ :- سوال کی عبارت سے اس کا بیع سلم ہونا میری سمجھ میں نہیں آیا، اس لئے کہ بیع سلم

میں راس المال یعنی رقم قرض کی تعین لازم ہوتی ہے، ایسے ہی مسلم فیہ اور اجل کی بھی، اور صورت مرقومہ میں کچھ بھی نہیں اور شئے معین میں بھی سلم نہیں ہوتی، اور اجل معلوم سے مراد سال، ماہ، دن کی تعین ہوتی ہے، اور صورت مرقومہ میں تاریخ، دن کی تعیین نہیں۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اسلف فی شئ فلیسلف فی کیل معلوم ووزن معلوم الی اجل معلوم متفق علیہ (مشکوٰۃ ص۲۵۰ ج۱) وقال فی نیل الاوطار قولہ فی کیل معلوم احترز بالکیل عن السلم فی الاعیان وبقولہ معلوم عن المجہول من المکیل والموزون وقد کانوا فی المدینۃ حین قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسلمون فی ثمار نخیل باعیانہا فنہاھم عن ذلک الخ (ص ۱۹۲ ج ۵)

اور صورت مرقومہ فی السوال میں تعیین کھیت کی ہے۔ وقال فی النیل ان للسلم شروطا غیر ما اشتمل علیہ الحدیث مبسوطۃ فی کتب الفقہ ولاحاجۃ لنا فی التعرض لما لادلیل علیہ الا انہ وقع الاجماع علی اشتراط معرفۃ صفۃ الشئ المسلم فیہ علی وجہ یتمیز بتلک المعرفۃ عن غیرہ انتہٰی (صفحہ مذکورہ) پس صورت مرقومہ جائز نہیں۔

(ابو سعید شرف الدین دہلوی)

تشریح:- بیع سلم نام ہے اس بیع کا کہ بالفعل روپیہ دے دیا جائے، اور جنس ٹھہرالی جائے کہ اتنی مدت تک لوں گا، مثلاً سو روپیہ ایک شخص کو بالفعل دے دیا، اور اس سے ٹھہرایا، کہ دو مہینہ میں گیہوں سو من اس قسم کے لوں گا، اس کو عربی میں بیع سلم کہتے ہیں، پھر اگر شرطیں پائی جائیں، تو یہ بیع درست ہے، جو کوئی بیع سلم کرے، اس چیز میں کہ بیچی جاتی ہے تل کر جیسے زعفران وغیرہ تو سلم کرے وزن معلوم میں مثلاً چار تولے یا پانچ تولے اور مدت معلوم تک جیسے ایک مہینہ یا ایک برس اور مثل اس کے، اس سے معلوم ہوا، کہ اس میں مدت کا معلوم ہونا شرط ہے، اور یہی مذہب ہے امام ابو حنیفہ ومالک واحمد کا (حاشیہ ترمذی نولکشور مترجم ص۴۰۹ ج۱)

شرائط بیع سلم

ملخص از بدور الاھلہ از نواب صدیق حسن خانصاحب رحمۃ اللہ علیہ

اول آنکہ قدر مسلم فیہ وجنس آن مذکور گردد زیرا کہ جز باین ذکر معلوم نمی تواند شد وشارع معلومیت را شرط کردہ کما تقدم۔

دوم معرفت امکانش نزد حلول چہ اگر ورسلم ذکر وصفے کند کہ دال بر عدم امکان باشد بر غرض مقصود از سلم عاید بہ نقص گردد و دال است بر انعدام آن در حال عقد حدیث عبد الرحمن بن ابزیٰ و عبد اللہ بن ابی ادنی قالا کنا نصیب المغانم مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان یاتینا انباط من انباط الشام فنسلفھم فی الحنطۃ والشعیر والزبیب الی اجل مسمی قیل اکان لھم زرع ام لم یکن قالا ما کنا نسألھم عن ذلک وفی روایۃ وکنا نسلف علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر فی الحنطۃ والشعیر والزبیب والتمر وما نراہ عندھم اخرجہ ابوداؤد والنسائی وابن ماجہ وسکوت نبوی تقریر است۔

سوم آنکہ ثمن مقبوض باشد در مجلس ولابد است ازیں شرط بلکہ سلم تمام نمی شود مگر بایں قبض ورنہ از بیع کالی بکالی[1] باشد واز اں نہی آمدہ وصحیح است بہر حال زیراکہ ادلہ دلالت ندارند مگر با شتراطیت معلوم ثمن از برائے سلم وسلم الیہ وایں ہمہ در ہمہ اموال ممکن است ودر الکن فند ردے ہماں حکم است کہ گذشت در خیار عیب ودر صرف چہ دلیل دال است بر رد کردن بر صاحب وے بنا بر عیب۔

چہارم آنکہ اجلش معلوم باشد وایں منصوص علیہ نص و مدلول علیہ دلیل مقدم است ص ۲۶۲

خلاصہ یہ کہ جس چیز کی بدھنی کی جارہی ہے، اس کا وزن اور وہ جنس معلوم ہونی چاہیے وقت مقررپر اس کی وصولی یابی کا یقین ہونا بھی ضروری ہے، قیمت مقررہ طے شدہ کو وقت بیع ادا کردینا بھی ضروری ہے، اگر قیمت مقررہ ادا نہ کی گئی، تو ادھار کی بیع ادھار کے ساتھ لازم آئے گی اور یہ منع ہے، اور ہر قسم کے مال میں بدھنی درست ہے، مگر گھٹیا بڑھیا کی تشریح ہونی چاہیئے، ورنہ مال والا مختار ہے، کہ مال ردی دیکھ کر اس کو رد کردے، اور وقت بھی مقرر ہو کر معلوم ہوجانا شرائط میں سے ہے، مصنف عون المعبود قدس سرہ فرماتے ہیں:۔

قد اختلف العلماء فی جواز السلم فیما لیس بموجود فی وقت السلم اذا امکن وجودہ فی وقت حلول الاجل فذھب الی جوازہ الجمہور قالوا ولا یضر انقطاعہ قبل الحلول الی اخرہ (عون المعبود ج ۳ ص ۲۹۲) (مؤلف)

---

[1] ادھار کی بیع ادھار کے ساتھ اس طور پر زید نے بکر کو کچھ مال ادھار فروخت کیا، اور وقت مقررہ پر جب وہ قیمت ادا نہ کرسکا، تو زید نے پھر دوبارہ ایک مدت کے لیے اس کو بکر کے ہاتھ بیچ دیا و اصلہ النہی عن بیع مالم یقبض (لمعات)

بیع سلم یعنی بدھنی کرنا کاشتکار وغیرہ سے ساتھ نرخ معلوم کے گندم ہو یا جو ہو بصفت معلومہ اور ساتھ اجل معلوم کے درست ہے بلا کراہت جیسے کہ کتب احادیث اور فقہ سے اضح ہوتا ہے، اور یہ شرط کر کے بدھنی کرنا کہ بروقت فصل کے بازار کے نرخ سے سیر دو سیر مثلاً زیادہ لیں گے جائز نہیں ہے شرعاً۔ حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ۔

(فتاوی نذیریہ جلد ۲ صہ ۱۱)

سوال:۔ ما قولکم رحمکم اللہ اس صورت میں کہ ان شہروں میں بیع سلم رس میں اکثر لوگ مبتلا ہیں، اور رس عند العقد کسی جگہ موجود نہیں ہوتا، اور حضرت امام الہمام حضرت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بیع سلم میں موجود ہونا مسلم فیہ کا وقت عقد سے وقت استحقاق تک شرط ہے، بخلاف امام شافعی کے کہ ان کے نزدیک مسلم فیہ کا موجود ہونا عند العقد شرط نہیں، وقت استحقاق کے ہونا اس کا شرط ہے، سو رس مذکور وقت استحقاق کے بکثرت موجود ہوتا ہے، اس صورت میں حنفی المذہب کو برائے رفع حرج اور ضرورت صحت بیع سلم کے قول امام شافعی پر عمل کرنا از روئے اصول حنفیہ کے جائز ہے یا نہیں الخ

الجواب:۔ (ملخص) معاملہ بیع سلم رس میں اوپر مذہب امام شافعی کے بلا تردد کریں کیونکہ التزام ایک مذہب معین کا فرض و واجب نہیں، چنانچہ مسلم الثبوت وتحریر ابن الہمام وشرح بحر العلوم عبد العلی ومولانا نظام الدین وامیر الحاج وعقد الفرید وشرنبلالی وطحطاوی ورد المحتار وغیرہ میں مذکور ہے۔ کما لا یخفی علی المعالم الماہر بالاصول والفروع واللہ اعلم

حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ　(فتاوی نذیریہ جلد ۲ ص ۱۱)

س:۔ مردار کی ہڈی کی تجارت جائز ہے یا ناجائز، مردار کی ہڈی سے یہ مراد ہے، کہ ہر ایک حلال وحرام جانور مردہ کی ہڈی جیسے کتا، سور وغیرہ کی ہڈی بھی ملکر رہتی ہے اس کی تجارت کا کیا حکم ہے؟

ج:۔ حلال جانوروں کی ہو تو بلا شبہ جائز ہے، ملی جلی بے امتیاز ہو تو مشتبہ ہے، واللہ اعلم

(اہلحدیث ۱۹ رجمادی الاول ۱۳۳۲ھ)

شرفیہ:۔ ماکول اللحم مذبوح کی ہڈی کے جواز پر کلام نہیں، اور غیر ماکول اللحم کے استعمال وفروخت کو ہاتھی دانت پر قیاس کر کے جواز پر استدلال ہو سکتا ہے، کہ حدیث وآثار صحابہ سے ہاتھی دانت کا استعمال ثابت ہے، اور استعمال اور فروخت کا حکم ایک ہے قال

لہ ماکول اللحم وہ جانور ہیں، جن کا گوشت شرعاً حلال ہے ۱۲

النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی اخر حدیث طویل یا ثوبان اشتر لفاطمۃ قلادۃ من عصب وسوارین من عاج انتہی (سنن ابی داؤد باب الانتفاع بالعاج)

(ابو سعید شرف الدین دہلوی)

تشریح:- ہڈی کی تجارت جائز ہے، ماکول اللحم کی ہو یا غیر ماکول اللحم کی، صحیح بخاری ص۳۷ میں ہے۔ قال حماد لا باس بریش المیتۃ وقال الزہری فی عظام الموتی نحو الفیل وغیرہ ادرکت ناسا من سلف العلماء یمتشطون بہا ویدہنون فیہا لا یرون بہ باسا وقال ابن سیرین وابراہیم لا باس بتجارۃ العاج انتہی۔ یعنی حماد بن ابی سلیمان کوفی فقیہ نے کہا، کہ مردار کے پر میں کچھ مضائقہ نہیں ہے، یعنی مردار کا پر نجس نہیں ہے، ماکول اللحم کا پر ہو یا غیر ماکول اللحم کا ہو، اور زہری نے مردار جانور جیسے ہاتھی وغیرہ کی ہڈیوں کے بارے میں یعنی ان جانوروں کی ہڈیوں کے بارے میں جو غیر ماکول اللحم ہیں، کہا کہ میں نے بہت سے علماء سلف کو پایا، کہ وہ ان ہڈیوں کے کنگھے استعمال کرتے تھے، اور ان میں کچھ مضائقہ نہیں سمجھتے تھے، اور ابن سیرین اور ابراہیم نے کہا، کہ ہاتھی دانت کی تجارت میں کچھ مضائقہ نہیں ان بہت سے علمائے سلف اور ابن سیرین وابراہیم کے قول کی تائید ابو داؤد کی اس حدیث سے ہوتی ہے، یا ثوبان اشتر لفاطمۃ قلادۃ من عصب وسوارین من عاج الی اخرہ واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفی عنہ

(فتاوی نذیریہ جلد ۲ ص۳)

س:- زید نے اپنا کھیت بکر کو اس شرط پر دیا، کہ اس کی پیداوار یا سود وزیاں سے کچھ سروکار نہیں، مگر ہم کو سالانہ اتنا پیسہ دے دے، آیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

ج:- یہ کرایہ اراضی کی صورت ہے، جو جائز ہے، حدیثوں میں اس کا جواز آیا ہے۔

(اہلحدیث ۳ رجمادی الاول ۱۳۳۲ھ)

تشریح:- اراضی کو روپے پیسے کے عوض کرایہ پر اٹھانے کی حدیث سعد بن ابی وقاص رضی کی روایت سے بروایت مسند احمد وغیرہ نیل الاوطار جلد ۵ ص۲۳۶ پر موجود ہے (مؤلف)

س:- ایک شخص کسی کو روپیہ دیتا ہے اس شرط پر کہ میں تم سے فلاں وقت میں غلہ لوں گا، اس وقت جو بھاؤ ہو گا، اس بھاؤ سے پانچ سیر یا دس سیر زیادہ لوں گا، یہ حلال ہے یا حرام؟

ج:- یہ صورت ناجائز ہے، بھاؤ مقرر کرلے، بازاری بھاؤ سے واقع میں کم ہو یا زیادہ تو جائز

ہے۔ (اہلحدیث امرتسر ۷، ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ)

س:۔ ایک دیہاتی مدرسہ دینی کے لئے محکمہ تعلیم سے گرانٹ ملتی ہے، ایک واقف حال کا بیان ہے، کہ گرانٹ (امداد) کی رقم آبکاری (منشیات) کی آمد سے ملا کرتی ہے، منیجر اسکول کہتا ہے مجھے اس کا علم نہیں، اور تجسس کرنے سے منع آیا ہے، اس صورت میں وہ گرانٹ لینی جائز ہے یا نہیں؟

ج:۔ شراب اور شراب کی آمدنی سب حرام ہے، بیان مذکور صحیح ہونے کی صورت میں ایسی رقم کا لینا جائز نہیں، حدیث شریف میں ہے (من اتقی المشبھات فقد استبرأ لدینہ و عرضہ) (اہلحدیث جلد ۳۴۔ نمبر ۴۵)

شرفیہ:۔ اصل یہ ہے، کہ سرکاری خزانہ میں صرف شراب وغیرہ کی حرام آمدنی ہی نہیں ہوتی بہت قسموں کی آمدنی ہوتی ہے، تا وقتیکہ تعین آمدنی گرانٹ ثابت نہ ہو ممنوع نہیں ورنہ سرکاری ملازمت بھی حرام ہوگی واذ لیس فلیس اہل کتاب سے جزیہ لینا کتاب و سنت سے ثابت ہے، اور ان کے مال میں ہر قسم کی آمد تھی، اور شراب کی بھی تھی، شرعاً اس کی تفتیش ثابت نہیں، لہذا صورت مرقومہ میں منع کی دلیل نہیں پائی جاتی (ابو سعید شرف الدین دہلوی)

س:۔ اشیاء خوردنی اگر مسلمان کے یہاں سے نہ مل سکیں یا ملیں مگر گراں ملیں، تو اس صورت میں ہندو دکاندار سے خرید سکتا ہے یا نہیں؟

ج:۔ خوردنی اشیاء میں دکاندار کی طرف سے نجاست کا یقین اور گمان نہ ہو تو غیر مسلم سے خریدنے اور کھانے میں حرج نہیں، اللہ اعلم (۱۶ر فروری ۱۹۴۲ء)

س:۔ ربوا کی جامع مانع تعریف کیا ہے؟

ج:۔ ربوا کی تعریف یہ کرتے ہیں، وہ چیز جو بغیر تجارت کے روپیہ کے بدلہ میں مقرر صورت میں ملے۔ (اہلحدیث امرتسر ۲۸ر اپریل ۱۹۱۶ء)

تشریح:۔ بیاج شرع میں زیادتی ہے کہ خالی ہو عوض سے، اور شرط کی جائے زیادتی درمیان عقد کے اور بیاج حرام ہے، بیع اور قرض میں، اور اس کی حرمت کا منکر کافر ہے، اور بیاج دو قسم ہے ایک بیاج نسیئہ کا یعنی نقد کو ساتھ وعدے کے بیچنا، اور دوسرا ربا فضل کا یعنی تھوڑی چیز کو بدلے بہت کے بیچنا، پھر اگر دونوں چیزیں پائی جاویں، یعنی ایک اتحاد جنس، اور دوسری اتحاد قدر یعنی کیل اور وزن تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک دو قسم حرام ہیں، جیسے گیہوں کے بدلے گیہوں کہ جنس بھی ایک

ہے اور قدر بھی ایک ہے، کہ کیلی ہے، اور اگر اتحاد جنس اور قدر ایک چیز میں پائی جاوے تو بیاج نسیہ کا حرام ہے فضل حرام نہیں، جیسے کہ چنوں کے ساتھ بیچے کہ اس میں فضل حلال ہے اور نسیہ حرام، اور امام مالک کے نزدیک علت بیاج ان چیزوں میں جو حدیث میں آئی ہیں ثمنیت اور قوت مدخر ہونا ہے، پس ان کے نزدیک ترکاری وغیرہ میں جو ذخیرہ نہیں ہو سکتیں بیاج نہیں اور امام شافعی کے نزدیک ترکاریوں میں بیاج ہوتا ہے (حاشیہ ترمذی مترجم نولکشور ج ۱ ص ۳۷۶)

(ابو سعید شرف الدین، دہلوی)

س: سود خوار اور زانی گناہ میں ایک برابر ہیں یا کچھ فرق ہے؟

ج: سود خوار اور زانی دونوں گناہ کبیرہ کے مرتکب ہیں، اللہ اور رسول کے عاصی ہیں. اگرچہ سود خوار پر حد شرعی نہیں، کیونکہ وہ شخص بہت بڑا مجرم ہے، کیونکہ حدیث میں زنا بالام (ماں کے ساتھ زنا) سود کا ادنیٰ درجہ بیان ہوا ہے (۱۴ر فروری ۱۹۳۶ء)

س: بعض لوگ دار الحرب میں سود کا جواز بیان کرتے ہیں، کیا یہ قول صحیح ہے؟

ج: فقہ حنفیہ کی ایک روایت ہے، کہ دار الحرب میں سود لینا جائز ہے، مگر یہ روایت کوئی صحیح نہیں، ہاں دار الحرب کے احکام دار الاسلام سے مختلف ہیں (۱۳ر رجب ۴۲ھ)

س: دار الاسلام اور دار الحرب کی کیا تعریف ہے؟ ہندوستان کس قسم سے ہے؟

ج: دار الاسلام وہ ملک ہے، جہاں اداے ارکان اسلام کی آزادی ہو اور حدود شرعیہ جاری ہوں، جیسے آج کل حجاز نجد وغیرہ، دار الحرب وہ ہے جس کا بادشاہ غیر مسلم ہو، اور مسلم حکومت سے اس کی جنگ ہو، ہندوستان نہ دار الاسلام ہے نہ دار الحرب، بلکہ بقول مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم "دار السلم" ہے (اہلحدیث ۱۷ر مارچ ۱۹۳۲ء)

س: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین در باب سود کے کہ فی زماننا اکثر اہل اسلام بدلیل اس کے کہ یہ ملک دار الحرب ہے، اور دار الحرب میں سود لینا درست ہے، آپس میں ہندوؤں اور مسلمانوں سے سود لیتے ہیں، اور دیتے ہیں، آیا اس حیلہ سے سود لینا مسلمانوں کو اس ملک میں درست ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

ج: در صورت مرقومہ جاننا چاہیے، کہ سود کا لینا دینا خواہ دار الاسلام میں ہو خواہ دار الحرب میں حرام ہے اور ممنوع ہے، نزدیک امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد اور امام ابو یوسف اور جمہور علماء رحمہم اللہ کے کیونکہ قرآن و حدیث اور اجماع صحابہؓ سے حرمت ربوا کی ثابت ہے

قطعاً، مگر امام ابوحنیفہ امام محمد فرماتے ہیں، کہ دار الحرب میں کافر حربی سے سود لینا درست ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے، ولیکن ملک ہندوستان رنگون سے لے کر پشاور تک ہرگز دار الحرب نہیں مطابق مذہب امام صاحب کے، اس لئے کہ موافق تحقیق اور تنقیح علماء متاخرین حنفیہ کے دار الحرب کی تعریف نزدیک امام صاحب کے یہ ہے، کہ جب کہ کل شعائر اسلام کے موقوف ہو جاویں، تو اس صورت میں دار الاسلام، دار الحرب ہو جاتا ہے، اور جب تک ایک سبب بھی شعائر اسلام کا موجود ہوگا، تو دار الحرب متحقق نہ ہوگا، جیسا کہ فصول عمادی و طحطاوی وغیرہ میں مذکور ہے، اور جب کہ ہندوستان دار الحرب نہ ٹھہرا، تو نزدیک امام صاحب کے بھی حرام و ممنوع ہوگا۔

ولان هذه البلدة صارت دار الاسلام باجراء احكام الاسلام فيها فما بقي شئ من احكام دار الاسلام فيها يبقى دار الاسلام على ما عرف ان الحكم اذا ثبت بعلة فما بقي شئ من العلة يبقى الحكم بعما ثرهذا ذكر شيخ الاسلام ابوبكر في شرح سير الاصل وذكر في موضع اخر منها ان دار الاسلام لا تصير دار الحرب اذا بقي شئ من احكام الاسلام وان زال غلبته وذكر صدر الاسلام ابواليسر في سير الاصل ان دار الاسلام لا تصير دار الحرب مالم يبطل جميع ما به صارت دار الاسلام كذا ذكره في باب احكام المرتدين وذكر شيخ الاسلام الاسبيجابي في مبسوطه ان دار الاسلام محكومة بكونها دار الاسلام فيبقى هذا الحكم ببقاء حكم واحد فيها ولا تصير دار الحرب الا بعد زوال القرائن كلها ودار الحرب تصير دار الاسلام بزوال بعض القرائن وهو ان يجرى فيها احكام الاسلام وذكر الامشى في واقعاته كذا وذكر السيد الامام ناصر الدين في المنشور ان دار الاسلام باجراء احكام الاسلام فما بقي علقة من علائق الاسلام يترجح جانب الاسلام كذا في الفصول العمادية وهكذا في الطحطاوى والدر المختار وغيرهما من كتب الفقه۔

قال مولانا عبد العزيز دهلوى بعد نقل هذه الروايات المذكورة في جواب السائل المستفتى فعلم من هذه الروايات الفقهية ان هذه البلاد لا تصير دار الحرب على مذهب الامام اعظم ابى حنيفة رح بل تكون دار الاسلام كما كان ولا يجوز للمسلم اخذ الربوا من نصرانى وغيره لان حرمته قطعية ثابتة بالاية بقوله

تعالیٰ احل اللہ البیع وحرم الربوا وبقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکل الربوا وموکلہ کما ھو مذکور فی کتب الاحادیث من الصحاح الستۃ وعلی مذھب صاحبیہ تصیر دار الحرب اذا اجروا فیہا احکامھم ففی اخذ الربوا من الحربی اختلاف فعند الامام الشافعی ومالک واحمد وابی یوسف رحمہم اللہ تعالیٰ لا یجوز فی دار الحرب ایضا وعند الامام الاعظم ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ ومحمد یجوز فی دار الحرب کما قال فی الھدایۃ ولا ربوا بین المسلم والحربی فی دار الحرب خلافا لابی یوسف والشافعی رح انتہی ما نقل مولانا المرحوم مختصرا۔

اور مولانا محمد اسحٰق صاحب مرحوم ومغفور نے بھی یہی جواب سنفتی کے ارشاد فرمایا ہے، کہ سود لینا دار الحرب میں حربی سے بھی درست نہیں، چنانچہ عبارت فتوے جناب مولانا مبرور کی بعینہ نقل کی جاتی ہے " در حلت وحرمت مبلغ سود در دار الحرب از حربیاں کلامی است و آں این است کہ حرمت ربوا بنص قطعی ثابت است کما قال اللہ تعالیٰ احل اللہ البیع وحرم الربوا وحلت ربوا از کافر حربی در دار الحرب ظنی است پس عمل کردن بر دلیل اقوی اوکد است، خصوصا وقتے کہ در دار الحرب بودن ایں دیار علماء را اختلاف باشد پس اجتناب در گرفتن سود از حربی اوکد والزم خواہد بود ونیز قاعدہ فقہ است اذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام وایں وقتے باشد کہ ہر دو دلیل در یک مرتبہ باشد چوں یک دلیل کمتر باشد از دلیل دیگر پس عمل بر اقوی مؤکد تر میشود بنا بریں قاعدہ ہم ربوا از حربی نباید گرفت و آیندہ از معاملہ سود گرفتن از حربی چہ جائے مسلم اجتناب باید نمود، تمام شد عبارت فتوی جناب مولانا مرحوم۔ واجب ہے مسلمان، ذی دیانت سعادت شعار پر کہ کہنے سے کسی نیم ملاں کے سود کے لینے دینے سے اگرچہ دار الحرب ہی ہو پرہیز واجتناب ضرور کریں، اور مضامین ان آیتوں سے خوف وخطر میں رہیں، چنانچہ خدا تعالیٰ سود خواروں کے حق میں فرماتا ہے۔ لا یقومون الا کما یقوم الذین یتخبطہ الشیطان من المس، و یمحق اللہ الربوا۔ فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ۔ وذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مؤمنین۔ ومن عاد فاولئک اصحاب النار ھم فیہا خالدون، وما علینا الا البلاغ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ | سید محمد نذیر حسین |

| تفقیر خواجہ ضیاء الدین احمد | ھذا الجواب صحیح | محمد قطب الدین | سید محمد ھاشم |

الجواب حق والمجیب محقق | محمد مسعود نقشبندی | حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ | محمد یوسف |

چونکہ در سوال مرقوم ہے، کہ سود فی زمانا اکثر اہل اسلام بدلیل اینکہ ایں ملک دار الحرب است وہند دار الحرب سود گرفتن درست است، ہندو و مسلمان باہم دیگر سود می گیرند می دہند، پس ازیں حیلہ سود گرفتن مسلماناں را دریں ملک درست است یا نہ؟

جواب:- ایں سوال صرف ایں قدر باید کہ ایک ملک دار الحرب نیست، حسب روایات استفتاء دریں صورت سود گرفتن بالاتفاق درست نیست وسائل سوال از چین ور دس کہ بالاتفاق دار الحرب، مستند نمی کند کہ در جواب نوشتہ شود وگفتگو دریں مقدمہ بسیار است ودر کتب خمسہ امام محمد مرقوم است، کہ طول بسیار می خواہد، پس جواب بایں قدر ہست، کہ این ملک دار الحرب نیست ودستخط ہم بریں است وبر دیگر روایات نیست[1]، کتبہ صدر الدین خان، صدر الصدور سابق دہلی
(بقلم خاکسار محمد سبحان علی لکھنوی)

س:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رشوت کا کھانا، اور سور کا کھانا، اور بیاج کا کھانا، اور شراب کا پینا، اور غیر اللہ کے نام کا کھانا، ان میں کچھ فرق ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

ج:- در صورت مرقومہ معلوم کرنا چاہیئے، کہ رشوت کا کھانا، اور سور کا کھانا، اور سود کا کھانا، اور شراب کا پینا حرام ہے، اور سب حرام ہونے میں برابر ہیں، اور علماء کا اتفاق ہے مخلوق کی نذر کے حرام ہونے پر، اور یہ نذر منعقد نہیں ہوتی، اور وہ حرام ہے جائز نہیں، اس کا لینا اور کھانا بحر الرائق میں مذکور ہے۔ انعقد الاجماع علی حرمۃ نذر المخلوق ولا ینعقد نذر المخلوق ولا نہ حرام بل سحت ولا یجوز اخذہ واکلہ انتہی۔ اور دلیل الصالحین میں مرقوم ہے۔ النذر لا یکون الا للہ تعالی فمن نذر لنبی او ولی لا یلزم علیہ شیء فان اعطی ذلک الشیء لاحد من الناس علی تلک النیۃ لا یجوز الاخذ وان علم الآخذ بذلک فان کان طعاما لا یحل اکلہ وان کان ذبیحۃ فہو میتۃ وان اکلوا وسموا اللہ تعالی علیہا کفروا جمیعا واذ نذروا للہ تعالی فاکلوا ثم وہبوا ثوابہ لاحد من الناس فتلک تجوز انتہی واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ حررہ السید شریف حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱

ز شرف سید کونین شد شریف حسین	خادم شریعت رسول الثقلین تلطف حسین

ج:- سودی روپیہ لے کر تجارت کرنا حرام اور گناہ ہے یا نہیں، اور مال حاصل کردہ سودی روپیہ سے طیب وپاک ہے یا ناپاک بینوا توجروا۔

---

[1] خلاصہ ان فتووں کا یہ ہے، کہ سود لینا کسی حال میں بھی درست نہیں ہے، اور ہندوستان دار الحرب نہیں ہے۔

ج:۔ سودی روپیہ لے کر تجارت کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے، اس واسطے کہ سود حرام قطعی ہے، اور لینے والے اور دینے والے اور گواہ ہونے والے اور تمسک لکھنے والے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے۔ عن جابر قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکل الربوا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء رواہ مسلم کذا فی المشکوۃ اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سود کے گناہ ستر حصے ہیں، ان کا آسان حصہ یہ ہے، کہ آدمی اپنی ماں سے زنا کرے۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الربوا سبعون جزءًا ایسرھا ان ینکح الرجل امہ رواہ ابن ماجہ والبیھقی کذا فی المشکوۃ اور مال حاصل کردہ سودی روپے سے ناپاک ہے، اس واسطے کہ جب سبب حرام ونا مشروع ٹھہرا، تو جو چیز اس سے حاصل ہوگی، وہ بھی اسی کے حکم میں ہوگی، کما لایخفی علی المتامل، واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ سید شریف حسین

ز شرف سید کونین شد شرف حسین

سید محمد نذیر حسین

س:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، کہ بیع وشراء داد وستد کرنا دانستہ یا نادانستہ سود خوار سے کہ اکثر مال اس کا جائز ہے یا ناجائز، بحوالہ کتب فقہ تحریر فرمایا جاوے بینوا توجروا

ج:۔ دانستہ بیع وشراء وداد وستد سود خوار سے کہ اکثر مال اس کا حرام ہے جائز نہیں اور نادانستہ موجب حرمت ومعصیت کا نہیں ہے۔ الحرمۃ منتقل بالعلم کذا فی الدر المختار وغیرہ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ السید شریف حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

ز شرف سید کونین شد شریف حسین

(فتاوی نذیریہ ج ۲ ص ۱۳۲)

س:۔ دربارہ خرید وفروخت یعنی ایک وقت میں دو بیع کرنا نقد پر بیشی کے ساتھ اور ادھار پر کمی کے ساتھ دینا اس طرح کی خرید وفروخت درست ہے یا نہیں، اس کے جواب میں آپ کے ہاں سے فتوی آیا، کہ نقد پر کم قیمت لینا، اور ادھار پر زیادہ قیمت لینا درست ہے، یہ مسئلہ ترمذی اور نیل الاوطار میں ملتا ہے۔ اور اسی طرح کا فتوی اخبار اہلحدیث قبل رمضان ۱۳۳۲ھ میں دیکھا گیا۔ مگر اس کے ثبوت میں کچھ شک پڑتا ہے، کیونکہ ترمذی میں کوئی دلیل کافی نہ پائی گئی اور نیل الاوطار یہاں موجود نہیں، مگر برعکس اس کے ملتا ہے، یعنی تلخیص الصحاح باب البیوع جلد اول صہ۲۴۲ مترجم مطبوعہ مطبع صدیقی لاہور، کہ ایک وقت میں دو بیع کرنا درست نہیں ہے، اور کیونکہ ادھار پر زیادہ قیمت لینا ربا ہوگا، اس واسطے مکرر عرض ہے، کہ اس مسئلہ میں موافق قرآن وحدیث

کے جواب ملنا چاہیئے، کسی کی رائے اور اجتہاد کی ضرورت نہیں ہے۔

(عبد المجید، اہلحدیث، از دصورہ ٹانڈہ)

ج:۔ حدیث شریف میں آیا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیع میں دو بیع کرنے سے منع فرمایا ہے، اس حدیث کی تشریح میں اقوال مختلف ہیں جس صاحب کو جو قول پسند ہوتا ہے، اس پر وہ نتائج مرتب کر دیتا ہے، نیل الاوطار میں ایک قول یوں بھی مرقوم ہے، کہ اگر کوئی یہ کہے، کہ نقد پر سو روپیہ اور ادھار پر دو سو روپیہ لوں گا، خریدار کہے، میں نے نقد کی صورت یا ادھار کی صورت منظور کی تو جائز ہے (جلد ۵ ص ۱۲) ترمذی میں بھی مرقوم ہے کہ صورت مرقومہ میں خریدار جب ایک صورت کو اختیار کرلے، تو جائز ہے (باب النہی عن بیعتین فی بیعۃ) غرض صورت مرقومہ کے منع پر کوئی آیت یا حدیث صاف دلالت نہیں کرتی اس لئے جائز معلوم ہوتا ہے　　　(اہلحدیث ۲۵ر فروری ۱۹۱۶ء)

تشریح:۔ وقد فسر بعض اہل العلم قالوا بیعتین فی بیعۃ ان یقول ابیعک ھذا الثوب بنقد بعشرۃ وبنسیئۃ بعشرین ولا یفارقہ علی احد البیعین یعنی بعض اہل علم نے حدیث (نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیعتین فی بیعۃ) کی تفسیر یوں کی ہے، کہ مثلاً ایک شخص کہے کہ یہ کپڑا میں نے تمہارے ہاتھوں نقد دس روپے پر اور ادھار بیس روپے پر فروخت کیا، اور بائع اور مشتری جدائی سے پہلے کسی ایک بیع کا فیصلہ نہ کرسکیں، یہ بیع اکثر اہل علم کے نزدیک فاسد ہے فاذا فارقہ علی احدھما فلا باس اذا کانت العقدۃ علی واحد منھما یعنی اگر جدائی سے پہلے ایک بیع کا فیصلہ ہوگیا، تو کوئی حرج نہیں، جب کہ بیع ایک صورت پر منعقد ہو چکی ہو، نقد پر متعین ہو یا ادھار پر، مزید تفصیلات کے لئے دیکھو تحفۃ الاحوذی جلد ۲ صـ ۲۳۶ (مؤلف)

تشریح مفید

سوال:۔ ایک شخص اپنے مکان میں غلہ گندم رکھتا ہے، اور وہی شخص یعنی اس کا مالک گندم کو نقد فی روپیہ ۲۵ سیر فروخت کرتا ہے، اور اگر مہلت پر بطور قرضہ کے دیوے، تو فی روپیہ ۲۰ سیر دیتا ہے، یہ بیع حلال ہے یا حرام بینوا توجروا

الجواب:۔ بائع نقد کی صورت یا ادھار کی صورت کو متعین کرکے فروخت کرے، تو بیع حلال و جائز ہے، یعنی بائع بیچنے کے وقت خریدار سے کہے، کہ میں تیرے ہاتھ اس غلہ کو نقد فی روپیہ ۲۵ سیر فروخت کرتا ہوں، یا یوں کہے، کہ اس غلہ کو ادھار فی روپیہ ۲۰ سیر فروخت کرتا ہوں

تو یہ بیع جائز و درست ہے۔ لعموم الادلۃ القاضیۃ بجوازہ۔ اور اگر نقد کی صورت یا ادھار کی صورت کو خاص اور متعین کر کے فروخت نہ کرے، تو یہ بیع حرام و ناجائز ہے، یعنی فروخت کے وقت یوں کہے، کہ اس غلہ کو تیرے ہاتھ نقد فی روپیہ ۲۵ سیر اور ادھار فی روپیہ ۲۰ سیر فروخت کرتا ہوں، اور نقد کی صورت کو یا ادھار کی صورت کو خاص و متعین نہ کرے تو اس طرح کی بیع ناجائز ہے، جامع ترمذی میں ہے۔ عن[1] ابی هريرة قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيعتين فى بيعة وقد فسر بعض اهل العلم قالوا بيعتين فى بيعة ان يقول ابيعك هذا الثوب بنقد بعشرة وبنسيئة بعشرين ولا يفارقه على احد البيعين فاذا فارقه على احدهما فلا باس اذا كانت العقدة على احد منهما۔ انتہی۔

کتبہ علی احمد　　سید محمد نذیر حسین　　(فتاوی نذیریہ ج ۲ ص ۱۵۷)

س:۔ ایک چیز دس روز کے وعدے پر رکھی گئی، تو بعد گذرنے میعاد دس یوم کے مرتہن کے لئے رکھ لینی جائز ہے یا نہیں؟

ج:۔ بیع الوفا ہے، تو جائز ہے، اگر بیع الوفا نہیں، تو جائز نہیں۔

(اہلحدیث امرتسر ۱۹ جمادی الاول ۱۳۶۶ھ)

س:۔ بیع الوفا بالمعنی الثانی جس کی حرمت متفق علیہ حدیث سے نہی عن بیع و شرط سے شبہ ہوتا ہے، اس کا دفعیہ کیا ہے (قمر الحسن ٹانڈہ، فیض آباد)

ج:۔ بیع[2] الوفا شافعیہ اور اہل حدیث کے نزدیک رہن بالقبض ہے، یعنی ناجائز اس لئے نہی عن بیع و شرط اس کے معارض نہیں، بلکہ مؤید ہے　　(۸ ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ)

س:۔ چہ می فرمایند علمائے دین و شرع متین کہ بیع بالوفا عند الشرع جائز است یا نہ۔ بینوا توجروا۔

ج: ۔ ارباب فطانت و دیانت پر مخفی نہیں، کہ رسم و رواج و تعامل بیع الوفا کا قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں نہیں پایا گیا۔ بعد مدت دراز قرون ثلاثہ کے چند علمائے متاخرین بخارا و سمرقند وغیرہ نے صورتیں بیع الوفا کی اختراع کیں اور نکالی ہیں، اور قواعد و ضوابط ائمہ اربعہ وغیرہ سے منع ہونا۔ اس بیع الوفا کا واضح ہوتا ہے، اور جس چیز کی اصل شرع سے نہ پائی جاوے، وہ چیز منہی عنہ اور غیر مشروع ہے، قال

---

[1] اخرجہ ایضا احمد والنسائی وصححہ الترمذی (نیل ج ۵ ص ۱۳) ابو سعید محمد شرف الدین دہلوی

[2] بیع الوفا یہ کہ بائع مشتری سے کہے، کہ میرے ذمہ جو آپ کا قرض ہے اس کے بدلے میں یہ چیز آپ کو اس شرط پر بیع کرتا ہوں کہ رقم ہو جانے پر میں آپ کا قرض ادا کر دوں گا اور اپنی چیز واپس لے لوں گا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من عمل عملا لیس علیہ امرنا فھو رد کما رواہ البخاری وغیرہ من المحدثین ھذا الحدیث معدود من اصول الاسلام وقاعدۃ من قواعدہ فان معناہ من اخترع فی الدین مالا یشھد لہ اصل من اصولہ فلا یلتفت الیہ و قال النووی شارح مسلم ھذا الحدیث مما ینبغی بحفظہ واستعمالہ فی ابطال المنکرات واشاعۃ الاستدلال بہ کذلک انتہیٰ ما فی فتح الباری شرح صحیح البخاری مختصرا۔ اور باوجود اس اصلاح واختراع کے رائے مخترعین کی بھی اس میں مختلف ہے۔

اب بیان اختلاف چند علمائے متاخرین مخترعین کا سنو کہ صدر شہید تاج الاسلام وصدر شہید حسام الدین نے بیع الوفاء کو بمنزلہ بیع المکرہ کے گردانا ہے۔ ثم من یجعل بیع الوفا بمنزلۃ بیع المکرہ الصدر الشہید تاج الاسلام وصدر الشہید حسام الدین لان الفساد باعتبار فوت الرضا کذا فی الھدایۃ والکفایۃ والعینی شرح الکنز۔ اور دوسری وجہ فساد بیع الوفاء یہ کہ بیع مذکورہ بشرط فسخ واسترداد اور واپسی مبیعہ کے منعقد ہوتی ہے۔ بیع الوفاء وھو ان یقول البائع للمشتری بعت منک ھذا بمالک علی من الدین علی انی متی قضیت الدین فھو لی کذا فی الکفایۃ وغیرھا ثم اذا ذکر الفسخ قبلہ او فیہ او زعماہ غیر لازم کان بیعا فاسدا (ترجمہ) پھر جب کہ عاقدین نے بیع الوفاء کے اندر ما قبل اس کے فسخ کو ذکر کیا یعنی شرط کیا، یا دونوں نے اس کو بیع غیر لازم گمان کیا، تو بیع فاسد ہوگی ولو بعدہ علی وجہ المیعاد جاز وفی الظھیریۃ لو ذکر الشرط بعد العقد یلتحق بالعقد عند ابی حنیفۃ ؒ ولم یبین کونہ فی مجلس العقد او بعدہ (ترجمہ) اور ظہیریہ میں ہے، کہ اگر شرط مذکور ہوئی، بعد عقد کے تو وہ شرط عقد کے ساتھ لاحق ہوگی، نزدیک ابوحنیفہ کے۔ اور صاحب ظہیریہ نے یہ ذکر نہیں کیا، کہ ذکر شرط مجلس عقد میں ہو یا بعد اس کے، یہ در مختار میں مذکور ہے، اور کہا صاحب طحطاوی محشی در مختار نے کہ جب شرط فسخ امام کے نزدیک ملحق عقد سے ہوئی، بیع فاسد ہوگی، اگرچہ شرط بعد مجلس ہو، انتہی کلامہ،

تیسری وجہ فساد کی یہ کہ شرط خیار فسخ کا بیع الوفاء میں زیادہ تین دن سے محمول رہا ہے، اور زیادہ تین دن سے عام ہے، کہ چار دن زیادہ ہو یا چار مہینے یا چار برس ہو مثلاً، حالانکہ شرط خیار فسخ کا بیع میں زیادہ تین دن سے نہیں ہے، پس اگر زیادہ تین دن سے خیار فسخ کا ہوگا، تو بیع فاسد ہوگی، چنانچہ اس بات میں تمام متون وشروح وفتاوی حنفیہ مظہر ومشلہ ہیں قال فی الھدایۃ

خیار الشرط جائز فی البیع للمشتری وللبائع ولہما الخیار ثلاثۃ ایام فما دونہا والاصل فیہ ما روی ان حبان بن منقذ بن عمرو الانصاری کان یغبن فی البیاعات فقال لہ النبی علیہ السلام اذا بایعت فقل لا خلابۃ ولی الخیار ثلثۃ ایام ولا یجوز اکثر منہا عند ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ وھو قول زفر والشافعی و لابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ ان شرط الخیار یخالف مقتضی العقد وھو اللزوم وانما جوزناہ بخلاف القیاس لما رویناہ من النص فیقتصر علی المدۃ المذکورۃ فیہ و انتفت الزیادۃ انتہی ما فی الہدایۃ مختصرا۔ قولہ فیقتصر علی المدۃ المذکورۃ فیہ وانتفت الزیادۃ وذکر فی المبسوط وابو حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ استدل بالحدیث بان النبی علیہ السلام قدر الخیار بثلاثۃ ایام والتقدیر الشرعی انما یکون لمنع الزیادۃ والنقصان او لمنع احدہما وھذا التقدیر لیس لمنع النقصان فان اشتراط الخیار دون ثلاثۃ ایام یجوز فعرفنا انہ لمنع الزیادۃ اذ لو لم یمنع الزیادۃ لم تبق لھذا التقدیر فائدۃ کذا فی الکفایۃ وغیرہا من شروح الہدایۃ

اب واضح ہوا کہ مجوزین بیع الوفا نے اس مسئلہ میں مسلک ومذہب اپنے امام کو چھوڑ کر غیر مسلک امام کا اختیار کیا، قطع نظر حدیث بالا سے اور سید امام ابو شجاع وعلی السغدی نے اس بیع مذکور کو رہن قرار دیا، اور رہن ہونے پر دار ومدار رکھا، ومنہم من جعلہ رہنا لقصد المتعاقدین وھذا لان المتعاقدین وان سمیا بیعا ولکن غرضہما رھن والعبرۃ فی العقود للمعانی فالکفالۃ بشرط براءۃ اصیل حوالۃ والحوالۃ بشرط ان لا یبرأ کفالۃ وھبۃ الحرۃ نفسہا مع تسمیۃ المہر نکاح والاعارۃ باجر اجارۃ وللبائع استردادہ اذا قضی دینا لا فرق بینہ وبین الرہن فی حکم من الاحکام وکان السید الامام ابو شجاع علی ھذا واوصی بنیہ عند موتہ بھذا وحین قدم القاضی الامام علی السغدی من بخارا السمرقند فاستفتی بھذا فکتب انہ رھن ولیس ببیع ففرح السید الامام بموافقۃ فتواہ وسئل القاضی الحسن الماتریدی عمن باع دارہ من اخر بثمن معلوم بیع الوفاء وتقابضا ثم استاجرھا من المشتری مع شرائط صحۃ الاجارۃ وقبضہا ومضت المدۃ ھل یلزم الاجرۃ فقال لا لانہ عندنا رھن والراھن اذا استاجر من المرتھن لا یجب علیہ الاجرۃ بھذہ الاجارۃ فکذا ھذا

انتہی مافی الکفایۃ وغیرھا من الکتب الحنفیۃ۔ اور جب بیع الوفا بدلیل سابق رہن حقیقۃ قرار پایا نزدیک امام حسن ماتریدی و سید ابو شجاع و قاضی علی سغدی کے، اور کتاب وثیقہ بیع الوفا میں شرط نفع لے لینے مشتری اور راہن کے مندرج اور مشروط ہوتی ہے، تو یہ نفع مشروط خالی عن العوض بلا ریب ربوا میں داخل ہے، اور عیاں را چہ بیان الخ

(فتاوی نذیریہ جلد دوم، ص ۱۷۰-۱۸)

س :۔ زید نے اپنے ایک عزیز سے کچھ زمین گروی رکھ کر ایک ہزار روپیہ لیا، کچھ دنوں بعد زید نے بکر سے پرونوٹ لکھوا لیا، اس وقت زمین کی قیمت آٹھ سو روپیہ تھی، مگر زید کو معلوم تھا کہ بکر نے ایک ہزار روپیہ دیا ہے، اس لئے پرونوٹ ایک ہزار کا لکھوایا، دس سال گذر جانے کے بعد زمین ۱۸۰۰ روپے میں بکر نے بیچ ڈالی، اور اپنے قرضہ میں دے دی، زید چاہتا ہے، کہ ایک ہزار سے زائد جو روپیہ ملا ہے، وہ زید کو دیا جائے، بکر کہتا ہے، کہ جب پرونوٹ لکھ دیا، تو اب زید ایک ہزار سے زائد کا حقدار نہیں، شرعاً کیا حکم ہے (محمد بشیر، لاہور)

ج :۔ بکر نے جتنا قرض دیا ہے، اتنا ہی ادا کرنا واجب ہے۔ باقی جبر معلوم ہوتا ہے، حدیث شریف میں آیا ہے۔ علی الید ما اخذت۔ (اہلحدیث جلد ۴۴ ع ۱۶/۱۷)

شرفیہ :۔ سائل کا سوال واضح نہیں ہے پھر جواب اختصار مخل ہے، سوال میں "عزیز" سے مراد بکر معلوم ہوتا ہے، اور بکر نے پرونوٹ لکھا دیا، اس سے مراد بکر کو لکھ کر دے دیا معلوم ہوتا ہے، اور اپنے قرضہ میں دے دی سے مراد اپنے قرضہ میں مجرا کر لی، معلوم ہوتا ہے، حاصل یہ معلوم ہوتا ہے، کہ زید مقروض ہے، بکر مقرض، اور پرونوٹ سے مراد اگر یہ ہے، کہ اتنے روپے کا زید مقروض ہے، اور یہ (پرونوٹ) سند ہے، تب تو مجیب مرحوم کا جواب صحیح ہے، اور اگر یہ مراد ہے، کہ زمین ایک ہزار میں زید نے بکر کے ہاتھ فروخت کر دی، تو جواب صحیح نہیں بنا بریں یہ جواب بھی صحیح نہیں، بظاہر صورت اولیٰ ہے، اور مجیب مرحوم نے جو لکھا ہے، کہ باقی جبر معلوم ہوتا ہے، مرحوم کی مراد یہ ہے، کہ زمین جتنے میں بھی بکی وہ زید کی ملکیت بکی، لہذا ایک ہزار روپیہ بکر اپنے قرضہ میں محسوب کرے، اور باقی روپیہ زید کا ہے، وہ بکر کو لینا حرام ہے، بلکہ دس سال تک وہ زمین اگر بکر مقرض کے قبضے میں رہی، اور اس نے اس سے غلہ حاصل کیا، گو اپنا خرچ بھی کیا، تو وہ بھی بکر کو حساب کرنا ہوگا، جتنا خرچ کیا ہے، وہ اور اپنی محنت دلگان وغیرہ پورا حساب کرکے لے لے، اب جتنا بچے، وہ بھی زید کا ہے، اور اغلب یہ ہے، کہ اس صورت میں زید کو

کچھ بھی نہ دینا پڑے گا، اس حساب کی رو سے وہ سب روپیہ زید ہی کا ہو گا، اس لئے کہ مقرض کو گروی شے سے نفع لینا جائز نہیں ہے بلکہ سود ہے، فتاوی نذیریہ ملاحظہ ہو مفتی مرحوم نے جس حدیث کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی الید ما اخذت حتی تؤدی رواہ الترمذی ورواہ ابوداؤد وابن ماجہ (مشکوۃ ج ۱ ص ۲۵۵)

(ابوسعید شرف الدین دھلوی)

س:۔ ملک بنگال میں لوگ اپنی زمین ٹھیکے پر دیتے ہیں، اس طور سے کہ سالانہ ایک بیگھ زمین پر مثلاً تین من یا چار من دھان لیا ہے، چاہے اس زمین کی فصل ڈوب جائے یا جل جائے، انہیں سروکار نہیں فصل ہو یا نہ ہو، زمین کا مالک مقررہ دھان اس سے لے لے گا، اور خراج مالک کے ذمہ ہو گا، از روئے شریعت اس طرح کا ٹھیکہ زمین کا دینا جائز ہے یا نہیں؟

(محمد اکرم علی)

ج:۔ صورت مرقومہ جائز نہیں، یوں ہونا چاہیئے، کہ پیداوار میں نصف یا ربع یا خمس یا جو مقرر ہو لوں گا، نہ ہو تو نہیں لوں گا جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودان خیبر کو حصے پر زمین دی تھی، ٹھیکہ کا عوض نقد روپیہ ہو تو ہر طرح جائز ہے۔ واللہ اعلم (۳۰ رجب ۴۲ھ)

تشریح زمین اس شرط پر دینا کہ دس من غلہ اس میں سے ہم کو دے دینا باقی تمہارا، جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ شرط فاسد ہے، اس واسطے ممکن ہے کہ صرف دس ہی من غلہ پیدا ہو، تو اس صورت میں بے چارہ مزارع بالکل محروم رہ جائے گا، اور سراسر خسارہ میں پڑ جائے گا، ہاں اس شرط پر زمین دینا جائز ہے، کہ جس قدر غلہ پیدا ہو، اس میں سے مثلاً ایک ثلث ہمارا، باقی تمہارا، یا نصف ہمارا نصف تمہارا یا دو ثلث ہمارا، باقی تمہارا یعنی جزشائع کی شرط کرنا، کہ جس سے کسی صورت میں قطع شرکت نہ ہو، بلکہ جس قدر غلہ پیدا ہو، تھوڑا یا زیادہ اس میں دونوں اپنے اپنے حصہ مقررہ کے شریک رہیں، جائز و درست ہے، مؤطا امام محمد ص ۳۵۲ میں ہے۔ اخبرنا مالک اخبرنا ربیعۃ بن ابی عبد الرحمن ان حنظلۃ الانصاری اخبرہ انہ سال رافع بن خدیج عن کراء المزارع فقال قد نہی عنہ قال حنظلۃ فقلت لرافع بالذھب والورق فقال رافع لا باس بکرائھا بالذھب والورق قال محمد وبھذا ناخذ لا باس بکرائھا بالذھب والورق بالحنطۃ کیلا معلوما وضربا معلوما مالم یشترط ذلک

لہ جتنا روپیہ لیا گیا ہے، اتنی ہی ادائیگی لازم ہے ۱۲

مما یخرج منھا فان اشترط مما یخرج منہا کیلا معلوما فلا خیر فیہ وھو قول ابی حنیفۃ والعامۃ من فقہائنا الی اخرہ (حررہ عبد الحق اعظم گڈھی عفی عنہ رجب ۱۳۱۷ھ)

سید محمد نذیر حسین (فتاوی نذیریہ ج ۲ ص ۱۷۶)

س: بیمہ کمپنی سے زندگی کا بیمہ کرانا جائز ہے یا ناجائز؟ جس کی صورت یہ ہوتی ہے، کہ ایک میعاد مقررہ تک ماہواری ایک رقم مقررہ کمپنی کو ادا کرنی پڑتی ہے، اگر میعاد مقررہ کے اندر بیمہ کرانے والا فوت ہو جائے گا، تو رقم مقررہ پوری جس رقم کا بیمہ کرایا ہے، وارثان کو مل جائے گی، اور اگر میعاد مقررہ تک زندہ رہا تو بعد گزرنے میعاد کے جمع شدہ رقم جو اس عرصہ میں ادا کی ہے مع نفع کے مل جائے گی، کیا شرع شریف میں ایسا بیمہ کرانا جائز ہے (محمد امین کلکتہ)

ج: سوال میں مع نفع کا لفظ تشریح طلب ہے، جہاں تک ہمیں ان کمپنیوں کے قواعد کا علم ہے نفع کا ذکر نہیں ہوتا، بلکہ ایک مقررہ رقم ہوتی ہے، مثلاً ہزار یا لاکھ روپے کا بیمہ ہوتا ہے، بیمہ کی رقم ماہوار یا ہر سہ ماہ بعد ادا کی جاتی ہے، اس ادائیگی کی میعاد مقرر ہوتی ہے، درمیان میں مر جائے، تو مقررہ رقم اس کے وارثوں کو مل جاتی ہے، میعاد تک زندہ رہے، تو خود لے سکتا ہے، اس کی بنا دراصل ہمدردی پر ہوتی ہے، یعنی بیمہ کرانے والا اگر مر جائے، تو اس کے وارثوں کو ایک معقول رقم مل سکتی ہے، اس لئے میں اس کو جائز جانتا ہوں، انما الاعمال بالنیات۔

(اہلحدیث ۱۳ جمادی الثانی سنہ ۴۶ھ)

فی الواقع اگر بیمہ کمپنیوں کے قواعد و ضوابط میں خط کشیدہ دفعہ ہو، تو معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت میں مفتی مجیب کے نزدیک بھی یہ چیز جائز نہیں، جیسا کہ آپ کے مرقومہ جواب سے مترشح ہوتا ہے (مؤلف)

شرفیہ: بیمہ زندگی یہ ہے، کہ مثلاً ایک شخص بیمہ کمپنی سے پانچ یا دس ہزار روپیہ کا بیمہ کرتا ہے، کہ میں پانچ یا دس سال یا کچھ کم و بیش مدت میں یہ رقم مذکور قسطوں سے ادا کرتا رہوں گا مثلاً بیس پچیس روپیہ ماہوار یا سہ ماہی وغیرہ پھر بعد میعاد مذکور و ادائے رقم مذکورہ مجھ کو وہ میرا روپیہ یا رقم مذکور سب کی سب مع سود مثلاً بجائے پانچہزار کے مع سود چھ یا سات ہزار دے گی، اور اگر میں مدت معینہ مذکورہ میں قبل ادا کرنے رقم مذکور کے مر گیا، تو میرے وارث کمپنی سے پورے پانچہزار روپے وصول کریں گے، اور کمپنی کو دینی واجب ہو گی، اگرچہ میں نے بجائے پانچہزار کے ایک ہی قسط بیس یا پچیس روپے ادا کی ہو، اور کمپنی اس رقم سے جو بیمہ والوں سے لیتی ہے، تجارت

کرتی ہے، پھر تجارت سے جتنا نفع ہوتا ہے، حساب کر کے بیمہ والوں کو اس کا سود دیتی ہے، اور کمپنی کا کاروبار سود کا ہوتا ہے، اب واضح ہو کہ اس بیمہ کی حرمت کے دلائل یہ ہے۔

اول یہ کہ یہ سود کا معاملہ ہے، لہذا قطعاً حرام ہے، اس لئے کہ اس میں خطرہ ہے، کیا معلوم کہ بیمہ والا مدت مذکورہ میں زندہ رہے گا یا نہ رقم ادا کرے گا یا نہ، اگر مرگیا تو جوا ہوا، اگر زندہ رہا اور رقم ادا کی، تو سود کھلائے گا۔ قال اللہ تعالیٰ واحل اللہ البیع وحرم الربوا الآیۃ (پ ۳ ع ۶) وقال اللہ تعالیٰ یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیھما اثم کبیر ومنافع للناس واثمھما اکبر من نفعھما۔ الآیۃ (پ ۲ ع ۱۱) وقال اللہ تعالیٰ یا ایھا الذین اٰمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس الآیۃ (پ ۷ ع ۲) وان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن الخمر والمیسر والکوبۃ والغبیراء وقال کل مسکر حرام (مشکوۃ ج ۲ ص ۳۱۸)

دوم یہ کہ تعاون علی الاثم ہے قال اللہ تعالیٰ تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان الآیۃ (پ ۶ ع ۵) لعل فیہ کفایۃ لمن لہ درایۃ۔

(ابو سعید شرف الدین دہلوی)

تشریح از قلم حضرت العلام مولانا عبید اللہ صاحب۔ شیخ الحدیث۔ مبارکپوری۔

س:۔ انشورنس کرانا ہے؟ جب کہ اختتام میعاد پر مقررہ رقم سے جو کچھ زائد ملتا ہے، وہ عام سود کے طور پر مقرر نہیں جوڑا جاتا، بلکہ بیمہ کی رقم تجارت میں لگا کر سالانہ نفع اور نقصان کا لحاظ کر کے فی صدی پر رکھا جاتا ہے، کسی سال کچھ رقم منافع میں آتی ہے، دوسرے سال کچھ اور علمائے کرام اس بارے میں مختلف الرائے ہیں، حضرت مولانا امرتسری نے بھی استفسار پر جواز کا فتوی دیا تھا لیکن کوئی دلیل نہیں فرمائی تھی، یہاں اسکول کے اکثر اساتذہ انشورنس شدہ ہیں، میں تذبذب میں ہوں (محمود الحسن رحمانی، سارن)

ج:۔ میرے نزدیک ان لوگوں کا قول صحیح ہے، جو زندگی کا بیمہ کرانے کو ناجائز کہتے ہیں، اور وہ لوگ غلطی پر ہیں، جنہوں نے اس کے جواز کا فتوی دیا ہے۔

انسان یا جانور کی زندگی یا جائداد کے بیمہ کرنے کی حقیقت پر غور کیا جائے، تو سوال کا جواب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا، کہ انشورنس کرانے کو جائز بتانا سود کو یا قمار کو حلال کرنا ہے بیمہ کمپنیوں

کا اصول ہے، کہ زندگی کا بیمہ کرانے والا یا بیمہ کرایا ہوا جانور بیمہ کی معینہ مدت سے قبل مرجائے یا بیمہ کرائی ہوئی جائداد کسی ناگہانی آفت سے مقررہ مدت کے اندر ضائع ہو جائے، تو بیمہ کی پوری مقررہ رقم اس کے ورثاء کو یا جائداد اور جانور کے مالک کو مل جاتی ہے، اور اگر بیمہ کرانے والا، یا جانور یا ور جائداد مقررہ مدت تک زندہ اور محفوظ رہے، تو کل جمع کردہ رقم مع سود کے بیمہ کرانے والے کو یا جانور یا در جائداد کے مالک کو ملتی ہے، اور اگر کچھ رقم جمع کرنے کے بعد بیمہ کرانے والا مسلسل دو سال تک مقررہ قسطیں ادا کرنے سے قصداً انکار کر دے، یا مجبوراً ادا نہ کر سکے، تو بیمہ کمپنی ادا شدہ قسطوں کو ضبط کر لیتی ہے

سوال یہ ہے، کہ مقررہ مدت کے اندر مرجانے، یا بیمہ کردہ چیز کے تلف ہو جانے کی صورت میں اور اسی طرح مقررہ مدت تک زندہ اور محفوظ رہنے کی صورت میں بیمہ کمپنیاں بیمہ کرانے والوں کو یا ان کے ورثہ کو ان کی جمع کردہ رقم سے فائدہ جو کچھ دیتی ہیں، اس کی حیثیت اور نوعیت کیا ہے اور وہ کہاں سے آتا ہے؟

ظاہر ہے، کہ وہ صدقہ وخیرات یا تحفہ وہدیہ تو ہے نہیں، اور نہ ہی قرض ہے، پھر دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ بیمہ کمپنی جمع شدہ روپیہ دوسروں کو سود پر دیتی ہو اور اس میں سے ایک معین حصہ بیمہ کرانے والوں کو بانٹ دیتی ہو، جیسا کہ عام بینکوں کا طریقہ ہے، یا یہ کہ بیمہ کمپنی خود ہی اس روپیہ سے تجارت کرے، اور اس کے منافع سے ایک معین اور طے شدہ منافع ادا کرے، اور اسی کا نام سود ہے

اور یہ خیال وتوجیہ کہ بیمہ کرانے والے اس تجارت میں شریک یا رب المال اور مضارب کی حیثیت رکھتے ہیں، اور بیمہ کمپنی عامل ومضارب (بالفتح الراء) کی حیثیت رکھتی ہے، پس زائد رقم اس حیثیت سے بیمہ کرانے والوں کے لئے حلال وطیب ہوگی، غلط اور باطل ہے، اس لئے کہ اگر یہ صورت حال ہو، تو ان شرکاء یا ارباب اموال (بیمہ کرانے والوں) کو ایک طے شدہ معینہ رقم نہیں ملنے چاہئے، بلکہ کمی اور بیشی کے ساتھ نفع اور نقصان دونوں میں شریک رہنا چاہئے، اور یہاں ایک طے شدہ معین ہی نفع (زائد رقم) ملتا ہے، اور سوال میں ذکر کردہ صورت یا توجیہ بھی صحیح نہیں، اس لئے کہ بیمہ کمپنیاں عام طور پر اصل رقم سے جو کچھ زائد دیتی ہیں، اس کی شرح اور مقدار پہلے ہی سے معین کر دیتی ہے، اور اگر کوئی کمپنی اس کو اصلاً معین نہ کرتی ہو، بلکہ زائد رقم کو سالانہ نفع اور نقصان کا لحاظ کر کے فی صد پر رکھتی ہو، تب بھی یہ طریقہ وجہ جواز نہیں

ہو سکتا، اس لئے کہ اس کاروبار میں نقصان کا سوال ہی نہیں آنے دیا جاتا۔ نیز بیمہ کمپنیوں کے متفقہ اصولوں میں سے بعض ایسے اصول بھی ہیں، جن کی وجہ سے یہ سارا کاروبار اور ڈھانچہ ہی شرعاً ناجائز ہے، کما سیاتی۔

دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے، کہ پہلے بیمہ کرانے والوں کو بعد کے بیمہ کرانے والوں کا روپیہ دیا جاتا ہو، لیکن اس طرح ایک کی رقم دوسرے کو دے دینے کا حق تو شرعاً کسی کو بھی نہیں ہے، ایسی صورت میں جواز کا فتویٰ دینا سود یا قمار کا فتویٰ نہیں تو اور کیا ہے۔

اور کچھ رقم جمع کرنے کے بعد بقیہ اقساط کے قصداً یا مجبوراً ادا نہ کرنے کی صورت میں ادا شدہ قسطوں کا ضبط کر لینا کس شرعی ضابطہ کی رو سے؟ یہ اکل مال بالباطل نہیں تو اور کیا ہے۔ نیز بیمہ کرانے والوں کے لئے ایسے کاروبار کرنے والوں کو روپیہ دینا، جو بغیر کسی شرعی سبب کے ان کی رقم ایک غلط اصول کی رو سے ہضم کر لیں، کہاں سے شرعاً جائز ہے؟

بہرحال، انشورنس کا کاروبار شرعاً ناجائز ہے، یہ یورپ کے نظام سرمایہ داری کا ایک طبعی تقاضا ہے، اور اس کا تصور بھی اسلامیت سے سخت بعید ہے، پس زندگی وغیرہ کا بیمہ کرانا کیونکر ناجائز نہ ہوگا۔ واللہ اعلم (رسالہ مصباح ص۹ شوال المکرم ۷۲ھ)

تعاقب

المحدیث ۲۲ مارچ سنہ رواں میں بیمہ زندگی کے متعلق آپ نے جواز کا فتویٰ دیا ہے، سائل کا سوال نہایت واضح ہے "کمپنیاں کبھی زائد لیتی اور کم دیتی ہیں، اور کبھی کم لیتی اور زائد دیتی ہیں"، اگر لکیر زدہ عبارت پر غور فرمایا جاتا، تو اس کے جواز کا فتویٰ نہ دیا جاتا، اس لئے کہ سائل کے یہ الفاظ حرمت کو خود ثابت کر رہے ہیں، اس طرح کہ زائد لیں اور کم دیں یا کم لیں اور زائد دیں، یہ کمی بیشی کیوں؟ اور کس لئے؟ بس یہی کمی اور بیشی سود یا قمار کی ایک قسم ہے، اور اکثر بیمہ کمپنیاں دھوکہ اور فریب پر مبنی ہوتی ہیں، پھر اس کی جملہ رقم سود پر چلائی جاتی ہے، اور اس کمپنی کا کام سود در سود حاصل کرنا اور دینا ہوتا ہے، کمپنی کم لے کر جب زائد دیتی ہے، تو یہ عین سود ہے لاتاکلوا الربا اضعافا مضاعفۃ اور کمپنی نے لیا تو زائد اور دیا کم، تو یہ کیوں؟ تو بعینہٖ یہ قمار یعنی جوا کی قسم ہے، بہرکیف بیمہ زندگی کا ہر پہلو سیاہ اور شریعت کے خلاف ہے، قمار، سٹہ، لاٹری اور سود کے مجموعہ کا نام بیمہ کمپنی ہے، لہٰذا قطعاً حرام ہے صرف نام بدلا ہوا ہے، اور نام بدلنے سے اصل نہیں بدلا کرتا۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

(خاکسار ابوسعید عبدالرحمٰن فرید کوٹی از سکندرآباد ۲۴ مئی ۱۹۳۲ء)

فتویٰ ازمولانا طیب عبدالصمد صاحب۔ مبارکفوری

میرے نزدیک بینکوں کا منافع کسی مسلم شخص کے لئے دو شرطوں کے ساتھ جائز اور حلال ہو سکتا ہے، مگران شرطوں کا وجود قطعًا محال وناممکن ہے، پہلی شرط یہ ہے، کہ وہ روپیہ ایسی تجارت و کاروبار میں لگایا جائے، جو کہ شرعًا جائز اور درست ہو، ممنوع وناجائز کام کے ذریعہ وہ منافع حاصل نہ ہوا ہو، مثلاً سود کے ذریعہ یا شراب اور دیگر حرام شئے کی تجارت کے ذریعہ حاصل نہ ہوا ہو، دوسری یہ شرط ہے، کہ کمپنی اپنا تمام خرچ نکال کر جس قدر بچے حسابداروں کو حصہ رسدی کے مطابق پورا پورا دے دے، نہ کہ اکثر حصہ خود ہی رکھ لے، اور حسابداروں اور شرکاء کو برائے نام تھوڑی سی رقم دے کر ٹال دے، الغرض جب تک ان دونوں شرطوں کا پایا جانا متحقق اور ثابت نہ ہو، اور اس نفع کا کسب حلال وطیب ہونا یقینی طور پر نہ معلوم ہو شرعًا اس کے حلال وجائز ہونے کا حکم ہرگز نہیں دیا جا سکتا (اہلحدیث امرتسر ۳۱ دسمبر ۱۹۳۷ء)

مذاکرۂ علمیہ متعلق منی آرڈر

ستبدی لك الایام ما کنت جاھلا ویاتیك بالاخبار من لم تزود

(اس شعر کا ترجمہ ہے) آج جو تو نہیں جانتا آگے چل کر زمانہ تجھ کو بتا دے گا، اور تیرا بے دام نوکر تیرے پاس خبریں لائے گا۔

یہ شعر ہے تو جاہلیت کے عربی شاعر کا، مگر ہمارے حضور سرور کائنات، فخر موجودات علیہ افضل التحیات کی زبان فیض ترجمان سے صحابہ نے سنا، اور ہم تک پہنچا، مطلب اس شعر کا یہ ہے کہ بہت سے ایسے واقعات جو اس وقت ہم کو معلوم نہیں، عنقریب زمانہ اس کو ظاہر کر دے گا، یہ قاعدہ دنیاوی واقعات کے ساتھ ہی مخصوص نہیں، بلکہ دینی امور میں بھی اس کی اصلیت پائی جاتی ہے، بہت سے مسائل فقہاء مجتہدین کے زمانہ میں پیش آئے، جو صحابہ کے زمانہ میں نہ تھے بہت صورتیں امام ابو یوسف کے وقت میں پیدا ہوئیں، جو امام ابو حنیفہ کے وقت نہ تھیں، یہاں تک کہ فقہاء کو یہ کہتے سنا جاتا ہے، کہ فصل مقدمات میں عمومًا امام ابو یوسف کی رائے بمقابلہ اپنے استاد ابو حنیفہ کے صحیح یا راجح ہے، اس کی دلیل یہ دیتے ہیں لیس الخبر کالمعاینۃ جس کا مطلب ہے، "شنیدہ کے بود مانند دیدہ" کیونکہ امام ابو یوسف کو بوجہ قاضی القضاۃ (چیف جج) ہونے کے ایسے تجربے ہوئے، جو امام ابو حنیفہ کو نہ ہوئے تھے، ہمارا مضمون منی آرڈر اسی

قسم سے ہے، ناظرین حیرانی سے کہیں گے، یہ کیا مضمون ہے، اس کا نتیجہ کیا، جس صورت میں کہ دنیا بھر کے صالح و طالح (نیک وبد) منی آرڈر بھیجتے اور لیتے ہیں، تو مضمون ہذا کا نتیجہ اگر عدم جواز ثابت ہوا، تو کون سنے گا، اور کون باور کرے گا، اور اگر جواز ثابت ہوگا، تو کون سا بڑا کام کیا، بجز اس کے کہ یہ کہا جائے گا "کوہ کندن وکاہ برآوردن" سو گذارش ہے، کہ ہمارا بھی یہی خیال تھا، اس لئے ہم نے عرصہ سے اس مسئلہ کو اپنے ناظرین تک نہیں پہنچایا، مگر حال ہی اس کے متعلق ایک ضرورت پیش آئی، جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

عرصہ ہوا حضرت مولانا رشید احمد صاحب مرحوم گنگوہی فتوی ہم نے دیکھا کہ منی آرڈر کرنا جائز نہیں، چنانچہ مولانا رشید احمد صاحب فرماتے ہیں:۔

بذریعہ منی آرڈر روپیہ کا بھیجنا نادرست ہے، اور داخل ربوا ہے

(فتاوی رشیدیہ جلد ۲ صـ۱۰۳)

بعض محرمات کی بابت فقہاء نے کئی ایک حیلے بتائے ہیں، منی آرڈر ایسا التزام ہے، کہ مولانا مرحوم سے اس کے حیلہ کی بابت سوال ہوا

اس زمانے میں جو منی آرڈر کے بھیجنے کا رواج ہو رہا ہے، اس کے جواز کے لئے بھی کوئی حیلہ شرعی ہے یا نہیں، کہ اس میں عام وخاص مبتلا ہو رہے ہیں۔

تو مولانا نے جواب دیا۔

کہ حیلہ بندہ کو معلوم نہیں (فتاوی رشیدیہ جلد اول صـ۳۷)

اس وقت تو ہم نے یہ سمجھا تھا، کہ حسب مضمون شعر مندرجہ عنوان زمانہ خود ہی بتلادے گا، اور مولانا مرحوم کے احباب سے کوئی اس کی اصلاح کرا دے گا، مگر رسالہ ضیاء الاسلام" مراد آباد بابت فروری (جو مارچ میں آیا تھا) دیکھنے سے معلوم ہوا، کہ مولانا مغفور کے احباب کا ہنوز وہی خیال ہے، جو عرصہ ہوا مولانا صاحب کا تھا۔

رسالہ مذکور میں مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کا ایک فتوی شائع ہوا ہے جس کا سوال مع جواب درج ذیل ہے:۔

سوال:۔ زید اور عمرو میں منی آرڈر کے ذریعہ سے روپیہ بھیجنے میں گفتگو ہے، زید کہتا ہے، کہ منی آرڈر کے ذریعہ سے روپیہ بھیجنا جائز ہے، اور جواز کی دلیل یہ بیان کرتا ہے کہ ہر چیز میں اصل اباحت ہے، عمرو کہتا ہے، کہ چونکہ منی آرڈر کے ذریعہ سے روپیہ

بھیجنا کسی معاملہ شرعی کے تحت میں داخل نہیں، اس لئے ناجائز ہے، زید کہتا ہے، کہ یہ معاملہ شرعی کے تحت میں داخل ہے، اور داخل ہونے کو اس طرح بیان کرتا ہے، کہ اگر کوئی کسی حمال سے کام لے اور اجرت پیشگی دے دے، عمرو کہتا ہے، کہ منی آرڈر کے ذریعہ سے روپیہ بھیجنے میں اور پیشگی اجرت دینے میں فرق ہے، پہلی صورت کو دوسری صورت پر قیاس کرنا صحیح نہیں، کیونکہ منی آرڈر میں تو شرط ہے، کہ روپیہ پہنچانے کی اجرت پیشگی لی جاوے، اور حمال کو پیشگی اجرت دینا شرط نہیں، بلکہ دینے والے کا احسان ہے، اگر پیشگی اجرت نہ دے، تو حمال شرعاً یا عرفاً تقاضا نہیں کر سکتا اور منی آرڈر تک اس وقت تک روانہ ہی نہیں ہو سکتا، جب تک پیشگی اجرت نہ دے اس کے علاوہ ناجائز ہونے کی وجہ عمرو ایک اور بھی بیان کرتا ہے، وہ کہتا ہے کہ حمال پر قیاس کرنا اس وجہ سے بھی صحیح نہیں، کہ حمال کے پاس جب تک وہ بوجھ ہے وہ اس کا امین ہے، اگر حمال سے وہ بوجھ کھو جاوے، تو تاوان نہ دیا جاوے گا جیسا امین سے نہیں لیا جاتا منی آرڈر کا روپیہ اگر ڈاک خانہ والوں کے پاس سے کھو جائے، تو اس کا تاوان لیا جاتا ہے، اور ڈاک خانہ سے گویا شرط ہے، کہ اگر روپیہ کھو جاوے گا، تو وہ تاوان دے گا، اس کے علاوہ ناجائز ہونے کی ایک وجہ اور بھی بیان کرتا ہے، وہ کہتا ہے، کہ حمال پر قیاس کرنا اس وجہ سے بھی صحیح نہیں کہ حمال کے پاس جب تک وہ بوجھ ہے، وہ اس کا امین ہے، اور امین پر واجب ہے کہ جو چیز امانت دی جاوے بعینہ وہی واپس کرے، اور منی آرڈر میں سب جانتے ہیں کہ وہی روپیہ بعینہ نہیں ملتا، بلکہ اس کی مثل دوسرا روپیہ ملتا ہے، زید کہتا ہے کہ عموم بلوی و دفع حرج و تعامل علماء و صلحاء کی وجہ سے بعض ناجائز چیزیں بھی جائز ہو جاتی ہیں، اور مباح الاصل ہے یہ کیونکہ ناجائز ہوگا، مثلاً غلہ کی بالیوں کو بیلوں سے پامال کراتے ہیں، اور بیل اس میں بول و براز کرتے ہیں، اس کو سب جانتے ہیں، پھر عموم بلوی اور دفع حرج اور تعامل علماء و صلحاء یا تعامل خلائق کی وجہ سے اس کو سب جائز جانتے ہیں، اور اس غلہ کو سب استعمال کرتے ہیں، اسی طرح اگر منی آرڈر بھی بالفرض اگر ناجائز ہو، تو جائز ہو جاوے گا، اب از روئے شرع شریف اس گفتگو کا فیصلہ فرمائیے اور قول فیصل ارشاد فرمائیے، تاکہ قلب کو تسکین ہو۔

الجواب:۔ قاعدہ کلیہ ہے الاقراض تقتضی بامثالہا اور منصوص ہے، کہ قرض میں کمی بیشی کی شرط ربا ہے، اب سمجھنا چاہیئے، کہ منی آرڈر کا روپیہ جو ڈاک خانہ میں داخل کیا جاتا ہے، آیا وہ امانت ہے، اور اہل ڈاک اجیر یا قرض ہے، اور اہل ڈاک مستقرض، سو چونکہ یقینا معلوم ہے، کہ وہ روپیہ بعینہ نہیں بھیجا جاتا، اور نیز قانون ہے کہ اگر ڈاک خانہ سے وہ روپیہ اتفاقاً ضائع ہو جائے، تو اہل ڈاک اس کا ضمان دیتے ہیں، ان دونوں امر سے معلوم ہوا، کہ وہ امانت نہیں بلکہ قرض ہے، جو دوسری جگہ ادا کیا جاتا ہے، پس فیس بھی جزو قرض ہوا، اور مقام وصول پر چونکہ بوضع فیس ادا کیا جاتا ہے، اس لئے قرض میں کمی بیشی لازم آئی، یہ وجہ اس کے ممنوع ہونے کی ہے، بلکہ اگر یہ فیس بھی نہ ہو، تب بھی حسب قاعدہ کلیہ کل قرض جر نفعا فہو ربوا۔ بوجہ منفعت سقوط خطر طریق کے داخل سفتجہ ہو کر مکروہ ہے فی الدر المختار کتاب الحوالۃ وکرهت السفتجۃ اور چونکہ یہ عقد اجارہ نہیں ہے، جیسا اوپر مذکور ہوا لہذا مسئلہ حال سے اس کو کوئی مس نہیں، کما ہو ظاہر، اور عموم بلوی طہارات ونجاسات پر مؤثر ہے، نہ کہ حلت وحرمت میں، اور تعامل اس کو نہیں کہتے، بلکہ وہ قسم ہے اجماع کی، اور اس میں شرائط اجماع کا پایا جانا ضروری ہے، منجملہ اس کے یہ بھی کہ علمائے عصر واحد بلانکیر اس کو قبول کر لیں، متنازعہ فیہ میں یہ امر مفقود ہے، اس لئے یہ تعامل نہیں ہے، ایک رواج عامیانہ ہے، جو شرعاً حجت نہیں، اس سے سب نظائر مذکورہ زید کا جواب نکل آیا، واللہ اعلم۔ البتہ بہت غور قریزی سے اس قدر تاویل کی گنجائش ہو سکتی ہے، کہ فیس کو اجرت کتابت وروانگی فارم کی کہا جاوے، اس سے حرمت تفاضل تو دفع ہو جائے گی، مگر کراہت سفتجہ کی باقی رہے گی، واللہ اعلم (ضیاء الاسلام)

اہلحدیث گو مولانا اشرف علی صاحب نے فقیہانہ طریق سے جواب دیا ہے، جو ایک ایسے شخص یا قوم پر جو بغیر قرآن کے کسی کی پیروی واجب نہ جانتی ہو، حجت نہیں، اس لئے جماعت اہلحدیث پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا، لیکن ہمارے خیال میں فقہی اصول سے بھی یہ مسئلہ عدم جواز کا مورد نہیں ہو سکتا، لہذا اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں، مولانا اشرف علی صاحب اور ان کے احباب کو حق حاصل ہے، کہ وہ اس مسئلہ کے متعلق اہلحدیث کے اس مذاکرہ علمیہ میں حصہ لیں، مولانا اشرف علی صاحب نے منی آرڈر کی دو صورتیں جتلائی ہیں

یا تو ڈاک خانہ اس روپیہ کو قرض لیتا ہے، یہ صورت اس صورت اس لئے ناجائز ہے، کہ فیس ساتھ لے کر قرض کم ادا کرتا ہے، یا ڈاک خانہ اجیر یعنی مزدور ہے، یہ صورت اس لئے ناجائز ہے، کہ اس صورت میں ڈاک خانہ امین ہے، اور امین کا فرض ہے، کہ امانت بعینہ وہی پہنچا دے، حالاں کہ ڈاک خانہ وہی روپیہ نہیں پہنچاتا، قاعدہ یہ ہے۔ کہ ڈاک خانہ سے مکتوب الیہ کو کاغذ بھیجے جاتے ہیں، وہاں والے اپنے خزانہ سے روپیہ ادا کرتے ہیں، نیز امین سے نقصان ہو جائے، تو اس کو بھرنا نہیں آتا، حالانکہ ڈاک خانہ بھرتا ہے، تو ثابت ہوا کہ ڈاک خانہ قرضدار ہے، نہ اجیر (مزدور) جب تک منی آرڈر کے عقد کی کوئی فقہی صورت نہ ہو، منی آرڈر کرنا جائز نہیں (یہ ہے مولانا تھانوی کا فتوے)

لطیفہ:- مدرسہ دیوبند میں ایک طالب علم اس مسئلہ کا دل سے معتقد تھا اس کو روپے بھیجنے کی ضرورت پیش آئی، منی آرڈر تو ناجائز تھا، اس نے مبلغات ڈبیہ میں بند کر کے بھیجے، خدا کی شان وہ ضائع ہو گئے، چلو مسئلہ تو حل ہو گیا۔

یہ تو خیر ایک لطیفہ ہے، مسئلہ کا جواب یہ ہے، کہ ہم یہ صورت اختیار کرتے ہیں، کہ ڈاکخانہ اجیر ہے، چنانچہ فیس منی آرڈر کا لفظ ہی اس کے اجیر ہونے پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ فیس کے معنی اجرت کے ہیں، فقہاء کی اصطلاح میں اجیر دو قسم کے ہیں، ایک اجیر خاص، دوم اجیر مشترک اجیر خاص وہ ہوتا ہے، جو ایک ہی کا کام کرے، جیسے کہ دوکان کا ملازم وقت مقررہ میں ایک ہی دوکان کا ملازم ہے، دوسرا اجیر مشترک جو بہتوں کا کام کرتا ہو، جیسے دھوبی، درزی وغیرہ جو بہتوں کے کپڑے دھوتا اور سیتا ہے، ان دونوں کے حکم بھی الگ ہیں، اور یہ بات بالکل بدیہی ہے، کہ ڈاک خانہ اجیر ہے، تو خاص اجیر نہیں، بلکہ مشترک ہے، اجیر مشترک کے متعلق صاحبین کا مذہب ہے، کہ نقصان ہونے کی صورت میں اس سے بھرا جائے، چنانچہ ہدایہ میں ہے یضمنہ عندھما پس ضمان بھرنے کا ثبوت تو صاحبین (امام ابو یوسف و امام محمدؒ) کے قول سے ملتا ہے جس کی تائید تعامل سے بھی ہوتی ہے، رہا یہ سوال کہ بعینہ وہی روپیہ ادا نہیں ہوتا، اس کی بابت گذارش ہے، کہ روپیہ اصطلاح فقہاء میں مثلی چیز ہے، یعنی ایک روپیہ بعینہ دوسرا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہم ایک روپیہ دکھا کر سودا کریں وہی عقد میں اس جیسی دوسری چیز لے لیں، مثلاً دس انڈے ہمارے سامنے ہیں، ان میں سے ایک کو ہاتھ میں لے کر ہم نے سودا کیا، مگر دیتے ہوئے دوسرا دیا، تو کوئی منع نہیں، کیونکہ وہ سب مثلی ہیں، ایک چیز کسی شخص کی ہم سے کھوئی گئی اس کی قیمت ہم برادر زیادہ ہے

ہے، لیکن اس چیز کی مثل ہمارے پاس ہے، تو ہم اس کے دینے سے سبکدوش ہو سکتے ہیں مثلاً کسی شخص کی چھتری ہم سے کھوئی گئی، اس قسم کی بازار سے لاکر دے دیں، تو اس مالک انکار نہیں کرسکتا، کیونکہ وہ چیز مثلی ہے، پس اگر ڈاک خانہ وہی روپیہ نہیں پہنچاتا تو نہ سہی اس کی مثل روپیہ تو پہنچاتا ہے، جس کو ہم ٹھونک بجاکر لیتے ہیں، حق تو یہ ہے، کہ نہ روپیہ بھیجنے والے کو یہ منظور ہے، کہ وہی روپیہ جو میں دیتا ہوں پہنچایا جائے، نہ وصول کرنے والے کو یہ شوق ہے، کہ وہی روپیہ جو بھیجنے والے نے داخل ڈاک خانہ کیا ہے، مجھے ملے، بلکہ دونوں کو اس قسم کا خیال تو کیا پرواہ بھی نہیں۔

امید ہے، کہ دیگر حضرات علماء بالخصوص مولانا گنگوہی اور مولانا اشرف علی کے معتقدین ضرور اس مذاکرہ میں حصہ لیں گے۔ والسلام (۲۴ رجمادی الاول ۱۳۳۱ھ)

۲۴ رجمادی الاول ۱۳۳۱ھ مطابق ۲ رمئی ۱۹۱۳ء کے اہلحدیث میں یہ مسئلہ بطور مذاکرہ علمیہ کے لکھا گیا تھا کہ ہر صاحب علم اس کے متعلق موافق مخالف رائے دے سکتے ہیں، چاہئے تو یہ تھا، کہ اہل علم اس پر توجہ کرکے اصل مسئلہ پر گفتگو کرتے، بجائے اس کے ایک صاحب نے نواح جھانسی سے گالیوں کا ایک اچھا خاصہ دشنام نامہ بھیجا، جس میں بہت کچھ اپنی قابلیت کا اظہار کیا، وجہ خفگی یہ تبلائی، کہ تم کیا ہو، جو بڑے بڑے علماء مثل مولانا رشید احمد مرحوم اور اشرف علی صاحب سلمہ پر اعتراض کرتے ہو، یہ سب کچھ لکھ کر دشنام نامہ کے درج اخبار کرنے کی درخواست کی تھی، ہمیں اپنی ذات کی توہین اس کے درج کرنے سے مانع نہ تھی، کیوں کہ ہم عرصہ سے چکنے گھڑے ہو چکے ہیں، جس پر پانی اثر نہیں کرسکتا، بلکہ یہ امر مانع تھا، کہ ناظرین دیوبندی جماعت سے بدظن ہو جائیں گے، کہ ایسے صاف اور معقول مضمون کا جواب ایسا نامہذب اور ناقابل سماعت، خیر وہ تو گذرا اس کے بعد ہم منتظر رہے، کہ کوئی اہل علم اس طرف توجہ کرے کسی نے نہ کی، خدا بھلا کرے ایڈیٹر رسالہ ضیاء الاسلام مرادآباد کا، کہ انہوں نے ہمارے مضمون کو گو پورا درج نہیں کیا جو ان کو کرنا چاہئے تھا، مگر اختصار کرکے بغیر اظہار اصل حال کے مولٰنا اشرف علی صاحب کے سامنے پیش کرکے جواب طلب کیا، گو اخبار "اہلحدیث" کا پرچہ بھی مولانا کے پاس جا چکا تھا۔

اصل مسئلہ ناظرین کو شاید بھول گیا ہوگا اس لئے اس کا خلاصہ تبلاکر جواب اور جواب الجواب ناظرین کو سناتے ہیں:۔

مولانا رشید احمد صاحب مرحوم گنگوہی اور اشرف علی صاحب تھانوی کا فتوی ہے، کہ موجودہ طریق جو منی آرڈر کے ذریعہ روپے بھیجنے کا ہے، جائز نہیں، کیونکہ یہ عقد نہ تو اجارہ ہے نہ قرض، اجارہ اس لئے نہیں، کہ منی آرڈر کی رقم ضائع ہونے کی صورت میں ڈاک خانہ بھر دیتا ہے اجارہ میں اجیر پر بھرنا نہیں آتا، نیز وہ روپیہ بعینہ نہیں بھیجا جاتا، حالانکہ اجارہ میں بعینہ دیا جاتا ہے اور قرض اس لئے نہیں، کہ فیس جو ساتھ دی جاتی ہے، وہ ڈاک خانہ واپس نہیں دیتا، حالانکہ قرض میں سب کچھ ادا کیا جاتا ہے،

یہ ہے ہر دو مولاناؤں کی تقریر کا خلاصہ، اس کے جواب میں ہم نے لکھا تھا، کہ امر واقعہ یہ ہے، کہ یہ عقد اجارہ ہے، ڈاک خانہ ہم سے قرض نہیں مانگتا، ڈاک خانہ کو قرضدار قرار دینا خلاف منشا، ڈاک خانہ اور نیز قواعد ڈاک خانہ کے ہے، چونکہ اجارہ ہے، اس لئے اس کی اجرت بھی مقرر ہے، جس کا نام فیس ہے، رہا یہ کہ روپیہ بعینہ نہیں بھیجا جاتا، اس کا جواب دیا تھا کہ روپیہ مثلی چیز ہے، یعنی جو روپیہ ہم نے ڈاک خانہ میں دیا ہے، اس کے ساتھ اور روپے بھی ملتے ہیں، جو کام کے لحاظ سے ہمارے روپوں کے برابر ہو بہو ہیں، اور مثلی چیز کا یہ حکم ہے، وہ یا اس کی مثل دے دینا جائز ہے، بھرنے کا جواب دیا تھا، کہ اجیر (مزدور) دو قسم کے ہوتے ہیں ایک خاص جو صرف ہمارا ہی کام کرتا ہے، اس سے نقصان کا بھرنا تو ائمہ حنفیہ میں سے کسی کا مذہب نہیں، مگر ڈاک خانہ اجیر خاص نہیں بلکہ اجیر مشترک ہے، کیونکہ وہ ہمارا ہی کام نہیں کرتا، بلکہ ہر ایک کا کرتا ہے، اور صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) کا مذہب ہے کہ جو نقصان اجیر مشترک سے ہو، وہ بھر لینا جائز ہے، پس اس حکم کے مطابق ڈاک خانہ اگر نقصان بھر دے تو عقد اجارہ میں خلل نہیں آتا، یہ ہے ہمارے مضمون مندرجہ اہلحدیث ۲ر مئی کا خلاصہ، اسی کو ایڈیٹر صاحب رسالہ "ضیاء الاسلام" نے بعنوان ذیل مولانا اشرف علی صاحب کے پاس پہنچایا، جو درج ذیل ہے:-

سوال: کیا جواز منی آرڈر کی یہ تاویل ہو سکتی ہے یا نہیں، کہ اس معاملہ کو اجارہ اور فیس کو روپیہ پہنچانے کی اجرت کہا جائے، اور اس پر جو دو شبہے ہوتے ہیں، ایک یہ کہ روپیہ بعینہ نہیں پہنچایا جاتا، دوسرے ہلاک سے ڈاک خانہ پر ضمان مشروط ہوتا ہے ان کا آیا یہ جواب ہو سکتا ہے یا نہیں کہ روپیہ بوجہ نقد ہونے کے تعین سے متعین نہیں ہوتا بلکہ ہر مثلی کا یہی حکم ہے کہ اس میں تعین نہیں ہوتی جیسے انڈا کہ خلقۃً مثلی ہے، اور جو چیز

کہ صنعتہً مثلی ہے ماور ضمان مشترک پر ایسی صورت میں کہ ہلاک بفعل اجیر نہ ہو، گو وہ ہلاک ممکن الاحتراز ہو، صاحبین کے نزدیک مشروع ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:- یہ تاویل صحیح نہیں ہے شبہوں کی وجہ سے جو سوال میں مذکور ہیں، اور ان کے جو جواب دیے گئے ہیں، ان میں سے اول کا جواب تو بالاجماع صحیح نہیں، کیونکہ یہ عدم تعین صرف عقود میں ہے، باقی امانات وغصوب میں نقود بھی متعین ہیں، پس یہ جواب منول کا صحیح نہ تھا، اور دوسرے شبہ کا جواب اول تو امام صاحب کے قول پر صحیح ہی نہیں، دوسرے اگر روپیہ بعینہ جاتا، تو صاحبین کے قول پر صحیح ہو سکتا تھا، اور جب یہ نہیں، تو وہ اجارہ ہی نہیں جو ڈاک خانہ کو اجیر مشترک کہا جاوے، اس لئے صاحبین کے قول پر بھی یہ جواب نہ چلا۔

اہلحدیث ناظرین نے سوال، اور جواب جو مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے دیا ہے ملاحظہ فرمالیا، پس اب ہماری طرف سے جواب الجواب بھی سنیئے:۔

اجارہ ہی سے مخصوص نہیں، فقہ کے بہت سے مسائل کی بنا صرف اس بنا پر ہے کہ مالک کی اجیر کے ساتھ نزاع نہ ہو، اس لئے کوئی شخص زمین کرایہ پر لے، تو جو کچھ اس میں بوئے، اس کا ذکر اس کو کرنا ضروری ہے، یا یہ کہہ دے کہ میں جو چاہوں گا بوؤں گا، ورنہ بوجہ نزاع کے خطرہ کے یہ اجارہ جائز نہ ہوگا (ھدایہ کتاب الاجارہ باب ما یجوز فیہ الاجارۃ وما لا یجوز) اس اصول کے مطابق آج ہم منی آرڈر کے طریق کو دیکھتے ہیں، تو کوئی نزاع اس مطلب کی ہم نہیں پاتے، کہ لینے والے کو روپیہ یا نوٹ یا پونڈ لینے میں کچھ تکرار ہو، بلکہ وہ سب کو یکساں جانتا ہے، وہ یہ بھی نہیں جانتا، اور نہ جاننا چاہتا ہے، کہ بھیجنے والے نے ڈاک خانہ کو دیا۔

اسی اصول پر مسئلہ ہے، جو مولانا اشرف علی صاحب نے بھی تصدیق فرمایا ہے، کہ نقود (ارزد پیسہ) مثلی ہونے کی وجہ سے عقود کی صورت میں بھی متعین نہیں ہوتے، کیونکہ روپیہ اصل مقصود نہیں نہیں، بلکہ کاربرآری کا ذریعہ ہے، فقہاء نے اس کی صاف تصریح کر دی ہے، پس جب کہ نقود کے عدم تعین کی مثال ملتی ہے، اور اس کی وجہ بھی فقہاء کے الفاظ میں ہم سمجھ چکے ہیں تو کوئی وجہ نہیں، کہ منی آرڈر کی صورت میں اس تعین پر زور دیں، بجائے کہ عدم تعین میں نہ نزاع پیدا ہو نہ تکرار۔

دوسری وجہ جس کو مولانا کمال بلند پروازی سے شبہ کے ساتھ تعبیر فرماتے ہیں، صاحبین کا مذہب ہے، جن کے مذہب پر بوقت ضرورت عمل کرنا امام صاحب کے مذہب پر عمل ہے، اجیر

مشترک تو اس کو کہتے ہیں، جو کئی ایک کام کرے۔ جیسے دھوبی درزی جو خاص ایک ہی کے نوکر نہ ہوں ان سے اگر نقصان ہو جائے، تو صاحبین کے مذہب میں اس کا بدلہ مالک کو ملتا ہے، روپیہ کا بعینہ نہ جانا تو مالک اور مرسل الیہ کو پہلے ہی سے معلوم ہے، پھر اس کی شرط ہی کیا۔

ضروری اصول قابل لحاظ اجارہ میں کسی چیز کا بعینہ پہنچانا اصل مالک کے فائدے کے لئے ہے، یعنی اصل چیز کو لینا مالک کا حق ہے شرع کا حق نہ ہونے سے اجارہ کی ماہیت یا ذات میں داخل نہیں، یہ تو ظاہر ہے کہ صاحب حق اپنا حق چھوڑے، تو کسی کو مجال دم زدن کیا، منی آرڈر کرنے والا جس وقت منی آرڈر روانہ کرتا ہے اس کو خوب علم ہوتا ہے، کہ یہ روپیہ بعینہ نہیں پہنچے گا، باوجود علم کے وہ روانہ کرتا ہے تو گویا، گویا کیا یقیناً وہ اپنا حق خود ساقط کرتا ہے، اس صورت میں عدم جواز کی کیا وجہ؟

امید ہے حضرات مانعین اس پر کافی غور فرمائیں گے، ایڈیٹر صاحب رسالہ "ضیاء الاسلام" سے امید ہے، کہ مثل سابق ہمارے معروضات پہنچا کر ثواب حاصل کریں گے

(اہلحدیث امرتسر ۲۶ ستمبر ۱۹۱۳ء)

مذاکرہ علمیہ بابت وی۔پی

مسائل شرعیہ مروجہ بہت کم ہیں، ضروریات زمانہ زیادہ ہیں، ایسی ضرورتوں کے لئے شرعی قواعد مقرر ہیں، جن سے ایسے مسائل مستنبط ہو سکتے ہیں۔

آج کل انگریزی تعلیم کے اثر سے متاثر لوگوں کا یہ سوال ہمیشہ سے علماء پر چلا آیا ہے، کہ یہ لوگ تو پرانے مسائل میں بال کی کھال اتارا کرتے ہیں، مگر نئے مسائل پر رائے زنی نہیں کر سکتے، بلکہ ان کا حکم بھی نہیں بنا سکتے، مثلاً منی آرڈر کا حکم کیا ہے، وی، پی کا حکم کیا ہے، بظاہر تو بوجہ عام عمل ہونے کے اس کے قابل بھی نہیں، کہ ان کی بابت کچھ سوال کیا جائے یا سوچا جائے، لیکن ہمیں جو ضرورت محسوس ہوئی ہے، اس کے لحاظ سے یہ سوچنے سے تعلق رکھتا ہے، وی، پی کا طریق یہ ہے کہ خریدار (مشتری) فلاں کتاب یا فلاں چیز مجھ کو بذریعہ وی پی بھیج دیجیے، اور وہ چیز بائع کی طرف سے چل جانے کے بعد گم ہو جاوے، یا مشتری تک پہنچنے کے بعد اس کی قیمت اصل مالک بائع تک نہ پہنچے، تو یہ نقصان کس کا ہو گا؟ یعنی دونوں صورتوں میں بائع اصل قیمت مشتری سے لے سکتا ہے یا نہیں؟

تشریح یوں ہے کہ ڈاک خانہ ایک اجیر کی صورت میں چیز کو لیتا ہے، اس کی اجرت کا سارا

بوجھ مشتری پر پڑتا ہے، مشتری کے لکھنے سے ڈاک خانہ میں دی جاتی ہے۔ اس لئے مبنی جواب مذاکرہ یہ ہے، کہ ڈاک خانہ وکیل کس کا ہے اور وکیل ہے تو وکیل کیسا ہے، وکیل بالبیع ہے یا وکیل بالقبض؟ اس پر یہ جواب مرتب ہوگا، کہ ڈاک خانہ کی غفلت کا خمیازہ کس پر پڑنا چاہیئے، اہل علم ناظرین سے امید ہے، کہ جواب باصواب مدلل سے اطلاع فرمادیں ۱۱ فروری ۱۹۲۱ء

عرصہ ہوا، کہ یہ مذاکرہ جاری کیا گیا تھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ آج کل جو اشیاء کے دیلو کرنے کا طریق ہے، اس میں حسب قانون ڈاک خانہ کی اجرت مشتری کے ذمہ پڑتی ہے، اور مشتری کہتا بھی ہے، کہ بذریعہ دیلو بھیجدو، اب شرعی صورت میں سوال یہ ہے، کہ اس صورت میں ڈاک خانہ وکیل کس کی جانب سے ہے بائع کی طرف سے یا مشتری کی طرف سے، اس کا اثر اس صورت میں ظاہر ہوگا، جب اس دیلو کی قیمت بائع کو وصول نہ ہو، کیونکہ اگر ڈاک خانہ بائع کا وکیل بالقبض ہے تو مشتری کا ذمہ پاک، اور اگر مشتری کا وکیل ہے، اور اس نے بائع تک قیمت نہیں پہنچائی، تو بائع اس قیمت کا ذمہ دار نہیں، اس مذاکرہ پر علمائے کرام نے توجہ نہیں فرمائی، صرف مولوی عبدالکریم صاحب ساکن جنڈیالہ امرتسر نے ایک مختصر سا مضمون بھیجا ہے، جو درج ذیل ہے:۔

مذاکرہ علمیہ بابت دی پی کے جواب میں بندہ اپنی ناقص عقل کی بساط کے مطابق عرض کرتا ہے، کہ اس بات کے تو آپ بھی قائل ہیں، کہ ضروریات زمانہ بہ نسبت مسائل شرعیہ مروجہ گویا زیادہ ہیں، مگر ان کے مشروع ہونے یا غیر مشروع ہونے کے لئے قواعد شرعیہ مقرر ہیں، جن سے ایسے مسائل (متعلق ضروریات زمانہ) مستنبط ہو سکتے ہیں، مگر استنباط کرے تو کون کرے، قصور ہے تو کس کا؟ قرآن کریم تو ایسی کتاب ہے، جس کی بابت ارشاد خداوندی ہی ناطق ہے فبای حدیث بعدہ یؤمنون پس کون سی حدیث کے ساتھ بعد اس کے ایمان لاویں گے، اور حدیث نبوی بھی کہہ رہی ہے۔ لا تشبع منہ العلماء (ای لا یصلون الی الاحاطۃ بکنھہا حتی یقفوا وقوف من یشبع) ولا تنقضی عجائبہ، نہیں پیٹ بھرتے اس سے عالم (یعنی نہیں پہنچتے احاطہ کرنے تک کہ ٹھہرتے ہیں ٹھہرنا اس شخص کا سا جو پیٹ بھرلے) نہیں ختم ہوتے عجائبات اس کے، نیز ابن عباس رضہ سے مروی ہے۔ قال جمع اللہ فی ھذا الکتاب علوم الاولین والاخرین وعلم ما کان وعلم ما یکون والعلم بالخالق جل جلالہ وامرہ وخلقہ، اکٹھا کیا اللہ نے اس کتاب میں علوم پہلے اور پچھلے لوگوں کے، اور علم اس کا جو تھا اور علم اس کا جو ہوگا، اور علم خالق کا بلند ہے جلالیت اس کی، اور امر اس کا اور صفت خلقیہ اس کی،

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے، کہ کلام الٰہی قرآن کریم ہی ایک ایسی جامع کتاب ہے، کہ ہر زمانہ کے ضروریات کے مطابق استنباط مسائل کرے تو کون، یہی علماء جن کو ورثۃ الانبیاء کہا گیا ہے، خواہ کسی زمانہ کے ہوں ؎

مشکلے نیست کہ آساں نہ شود مرد باید کہ ہراساں نہ شود

مگر آج کل کے اکثر علماء جو اس محنت شاقہ کے متحمل بھی ہو سکتے ہیں، وہ تو خاموشی کو اختیار کر رہے ہیں، یہی وجہ ہے، کہ آج کل انگریزی تعلیم سے متاثر لوگ علماء پر معترض ہوتے ہیں، ہائے افسوس ہماری غفلت اور سستی! مولانا صاحب، جب آپ نے اب وی، پی کے مسئلہ کی نسبت ہر طرح سے کھول کر تشریح کر دی ہے، تو اب نتیجہ نکالنا بھی کوئی امر ہے، کون ذی عقل ہے جو نہیں سمجھ سکتا، کہ جب بائع نے اپنی کوئی چیز کتاب وی، پی ہو یا منی آرڈر ہو، ڈاک خانہ میں دے کر ان سے رسید بھی فیس دے کر وصول کر لی ہے، جس سے وہ چیز (وی پی یا منی آرڈر) ڈاک خانہ کی ضمانت میں آجاتی ہے، اگر اس حالت میں وی، پی یا منی آرڈر کا نقصان ہو گا، تو ڈاک خانہ ہی ذمہ دار ہے، اسی طرح اگر مشتری (مرسل الیہ) نے وی، پی یا منی آرڈر ڈاک خانہ سے وصول کر کے رسید لکھ دی، پھر اگر یہ روپیہ جو مشتری سے ڈاک خانہ کے قبضہ میں آگیا، جو وکیل بالبیع یا بالقبض تھا ضائع نہ ہو گا، تو وہی ڈاک خانہ ہی ضامن ہے، اور نہیں، نہ بائع ہو گا یا مشتری۔ ھذا ما ظھر لی۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

(راقم [illegible] امرت سر تاریخ بوجہ شکستگی نامعلوم ۲۱ء)

عرصہ ہوا یہ مذاکرہ علمیہ جاری ہوا تھا، اہل علم سے جیسی توقع تھی اس پر متوجہ نہیں ہوئے، مندرجہ ذیل مضمون قابل غور ہے (ایڈیٹر)

وی پی ہو یا منی آرڈر، دونوں صورتوں میں ڈاک خانہ اجیر کی صورت میں وکیل بالقبض ہوتا ہے، وی، پی صورت میں صرف بائع کا، اور منی آرڈر کی صورت میں مرسل زر کا، ڈاک خانہ کی رسید اس کا ثبوت ہے، جس کے پاس وہ ہو گی، ڈاک خانہ بس اسی کا بصورت اجیر وکیل بالقبض ہو گا، وی پی ہو یا اس کی قیمت، راستہ میں گم ہو جانے کی صورت میں مشتری اس کے نقصان کا ذمہ دار نہ ہو گا، اسرائیلی مقروض کا ارسال کردہ زر گو با وی، پی فلخذ خشبۃ فنقر فادخل فیھا الف دینار وصحیفۃ الی صاحبہ اگرچہ حسن عقیدت اور خدائی تائید سے پہنچ گیا تھا، لیکن خدانخواستہ اگر راستہ میں تلف ہو جاتا، تو مقروض ادائگی قرض سے ہرگز سبکدوش نہ ہو سکتا، مرسلہ کے تلف ہونے کے

خیال سے مقروض کا خود اس کی خدمت میں زر لے کر حاضر ہونا اور قرض دہندہ کا مطالبہ کرنا ادا کنندہ کا دینے سے انکار نہ کرنا، بلکہ دینے کے لئے آمادہ ہونا، اس بات کی دلیل ہے، کہ مشتری وصولی سے پیشتر وی، پی، اور وصولی کے بعد اس کی قیمت کا ذمہ دار نہیں ثم قدم الذی اسلفہ فاتی بالالف دینار (بخاری) یا فلان مالی قد طالت النفقۃ فقال اما مالک فقد دفعت الی وکیلی واما انت فہذا مالک (فتح)

ملکہ سبا نے سلیمان علیہ السلام کو ہدیہ بھیجا، وصولی سے پیشتر راستہ میں اگر تلف ہو جاتا، تو سلیمان علیہ السلام ہرگز ذمہ دار نہ ہوتے، جس طرح ہدیہ قبول نہ کرنے پر اعلان جنگ کیا گیا، ہدیہ تلف ہونے پر بھی ایسا ہی ہوتا اور بلقیس کی مراد ہرگز پوری نہ ہوتی، اگر یہ بات درست ہے، کہ مرسل الیہ یعنی خریدار کی وصولی شرط نہیں، اور یہ کہ موکل وی، پی کر دینے سے سبکدوش ہو جاتا ہے، تو سلیمان علیہ السلام کا ہدیہ قبول نہ کرنا بے معنی ہوگا۔

اور یہ جو کہا گیا ہے، کہ مشتری کے لکھنے پر بائع وی، پی کرنے کی جرأت کرتا ہے، ٹھیک ہے، مگر وی، پی کا نقصان اس پر نہیں پڑ سکتا، کیونکہ آج کل کے ڈاک خانہ کے جدید قانون کی وجہ سے تاجران کتب وایڈیٹران اخبارات کا اعلان ہے، کہ پیشگی منی آرڈر کر دیا جائے، تو کیا منی آرڈر تلف ہونے پر وہ ذمہ دار ہوں گے؟ ہرگز نہیں، اسی طرح مشتری بھی نقصان کا ذمہ دار نہ ہوگا، رہا یہ سوال کہ جب مشتری کسی صورت میں ذمہ دار نہیں تو پھر کون؟ بائع یا وکیل؟ تو جواباً عرض ہے ڈاک خانہ کی بے احتیاطی اور غفلت وغیرہ کی وجہ سے اگر نقصان ہو، تو نقصان ڈاک خانہ پر پڑے گا لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم علی الید ما اخذت حتی تودی (دارمی) ولقولہ صلی اللہ علیہ وسلم الزعیم غارم (ترمذی، دار قطنی) اگر ڈاک خانہ وغیرہ کی غفلت نہیں تو وی، پی یا اس کی قیمت تلف ہونے کا نقصان بائع پر پڑے گا، اور ڈاک خانہ بری رہے گا لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس علی المستعیر غیر المغل ضمان ولا علی المستودع غیر المغل ضمان (اخرجہ الدار قطنی والبیہقی وضعفاہ وصوبا وقفہ علی شریح) نیز نقصان غیر اختیاری صورت میں محکمہ ریلوے و ڈاک ذمہ دار نہ ہوگا، کیونکہ یوشع بن نون پر مچھلی گم ہونے کا نقصان نہیں پڑا قال حماد اذا تکفل بنفس ذات فلا شئ علیہ (بخاری)

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے، کہ ڈاک خانہ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے وکیل بالقبض ہے، وکیل بالبیع نہیں ہو سکتا، کیونکہ وکیل بالبیع کو مبیع کے تصرف میں اختیار ہوتا ہے، اور وہ مبیع کے منافع میں

حقدار نہ ہونے کے باعث نقصان کا ذمہ دار بھی نہیں ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عروہ بن جعد کو اضحیہ کی خریداری میں وکیل بنا کر بھیجا، اس کے تصرف سے جو نفع ہوا، عروہ اس کا مالک نہ ہو سکا، تو نقصان کی صورت میں اس کا خمیازہ اس پر کیوں کر پڑ سکتا ہے، اور حکیم بن حزام کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا (بخاری، ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ، دار قطنی)، پس وکیل بالبیع اور وکیل بالقبض میں بہت فرق ہے، ڈاک خانہ کو وکیل بالقبض سمجھنا چاہیئے۔

الحاصل وی، پی یا اس کی قیمت گم ہونے سے نقصان مشتری پر نہیں پڑے گا، ڈاک خانہ کی غفلت وغیرہ سے ہو، تو ڈاک خانہ پر ورنہ بائع پر، اور منی آرڈر کی صورت میں ڈاک خانہ پر یا مرسل زر پر کہ جس کے پاس رسید ہوتی ہے

اور یہ بھی یاد رہے، کہ حدیث لا ضمان علی مؤتمن (دار قطنی) اصل مبحث اور مذاکرہ سے غیر متعلق ہونے کی وجہ سے اس مقام پر قابل ذکر نہیں۔

(ابو عمران عنایت اللہ وزیر آبادی از جھوانی مدرسہ اہلحدیث ۲ ذیقعدہ ۲۹ھ)

مذاکرہ علمیہ بابت حدیث

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اٰکِلَ الرِّبٰوا وَمُوْکِلَہٗ

اس مذاکرہ میں جو استفسار کیا گیا ہے، اس کا خلاصہ بعنوان سوال یہ ہے:۔

سوال مشکوٰۃ شریف میں ہے: عن جابر قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکل الربوا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء رواہ مسلم

یعنی حضرت جابر سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیاج کھانے والے، بیاج کھلانے والے، اور بیاج کے لکھنے والے، اور بیاج کے دونوں گواہوں پر لعنت کی ہے اور فرمایا، کہ یہ سب برابر ہیں، روایت کیا اس کو مسلم نے، اس حدیث کی شرح یوں کی جاتی ہے، کہ کہ بیاج کھلانے والا وہ شخص ہے جو بیاج لیتا ہے، اور کھلانے والا وہ ہے جو بیاج دیتا ہے، اس کی فرع یہ ہے، کہ بیاج دینا بھی گناہ ہے، مگر سوال یہ ہے، کہ کیا اس حدیث کی یہ تشریح نہیں ہو سکتی، کہ بیاج کھلانے والا وہ ہے، جو دہی بیاج کسی دوسرے کو کھلائے، اس تشریح سے کون قرینہ، مانع ہے، اگر یہ تشریح صحیح ہے، تو اس حدیث سے بیاج دینے کی حرمت اور اس کا گناہ ہونا ثابت نہیں ہوگا، بینوا توجروا۔

الجواب | اس حدیث کی یہ تشریح کہ "بیاج کھانے والا وہ شخص ہے جو بیاج لیتا ہے، اور کھلانے والا وہ ہے جو بیاج دیتا ہے" صحیح اور حق ہے، اور اس حدیث کی تشریح کہ بیاج کھانے والا وہ ہے جو خود کھائے اور بیاج کھلانے والا وہ ہے جو وہی بیاج کسی دوسرے کو کھلائے باطل اور غلط ہے، دلیل اس کی یہ ہے، کہ قرآن و حدیث میں آکل ربا کا لفظ جہاں جہاں وارد ہوا ہے، ہر جگہ اس سے مراد ہے عام ازیں کہ بیاج لینے والا اس بیاج کو خود کھائے یا کسی دوسرے کو کھلائے، اور آکلین ربا کے لئے جو جو وعیدیں آئی ہیں وہ مطلق بیاج لینے والوں کے لئے ہیں، یعنی ان بیاج لینے والوں کے لئے بھی ہیں جو بیاج لے کر خود کھائیں، اور اپنے مصرف میں لائیں، اور ان بیاج لینے والوں کے لئے بھی ہیں جو بیاج لے کر خود نہ کھائیں، بلکہ دوسروں کو کھلائیں، الغرض عرف شریعت میں آکل ربا کے معنی بیاج لینے والے کے آتے ہیں عام ازیں کہ وہ بیاج لے کر خود کھائیں یا دوسروں کو کھلائیں، مثلاً فرمایا اللہ تعالیٰ نے یایھا الذین امنوا لا تاکلوا الربوا اضعافا مضاعفۃ یعنی اے ایمان والو مت کھاؤ بیاج دونے پر دونا (۲) اور فرمایا الذین یاکلون الربوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطن من المس۔ یعنی جو لوگ بیاج کھاتے ہیں، وہ نہ اٹھیں گے قبروں سے مگر جیسا کہ اٹھتا ہے، وہ شخص جس کو باولا کرتا ہے شیطان آسیب سے (۳) فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درھم ربوا یاکلہا الرجل وھو یعلم اشد من ستۃ وثلاثین زنیۃ کذا فی المشکوۃ بیاج کا ایک درم جس کو کوئی شخص جان کر کھائے چھتیس زنا سے زیادہ سخت ہے، (۴) اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں شب معراج کو ایک ایسی قوم پر گذرا، کہ ان کے پیٹ گھروں کے مثل تھے، جن کے اندر سانپ تھے، اور پیٹ کے باہر سے نظر آتے تھے میں نے جبریل سے کہا کہ یہ کون لوگ ہیں، جبریل نے کہا، کہ ھولاء اکلۃ الربوا۔ یعنی یہ لوگ بیاج کھانے والے ہیں،

ظاہر ہے، کہ ان نصوص اور ان کے امثال میں آکل ربوا یعنی بیاج کھانے والے سے مراد بیاج لینا ہے، عام ازیں کہ اپنے کھانے کے لئے لیتا ہو یا کسی کو کھلانے کے لئے، اور آکلین ربوا یعنی بیاج کھانے والے سے مراد بیاج لینے والے ہیں عام ازیں کہ بیاج لے کر خود کھائیں یا دوسرے کو کھلائیں، حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں، انما خص الاکل بالذکر لان النہی نزلت فیھم الایات المذکورۃ کانت طعمتھم من الربوا ذالا فالوعید حاصل لکل من عمل بہ سواء اکل منہ ام لا انتہی۔ جب تم یہ معلوم کر چکے، تو سنو احادیث مذکورہ میں بھی

اٰکلہ یعنی بیاج کھانے والے سے مراد بیاج لینے والا ہے عام ازیں کہ بیاج لے کر خود کھائے یا کسی دوسرے کو کھلائے، اور جب "آکلہ" سے مراد بیاج لینے والا ہوا، تو "موکلہ" سے بیاج کھلانے والے سے وہ شخص ہرگز مراد نہیں ہو سکتا جو بیاج لے کر خود نہ کھائے، بلکہ دوسرے کو کھلائے، کیونکہ اس معنی پر تو لفظ "آکلہ" خود مشتمل ہے، پھر "موکلہ" سے یہی کیونکہ مراد ہو سکتا ہے بلکہ لامحالہ "موکلہ" سے بیاج دینے والا مراد ہوگا، کیونکہ "موکل" متعدی ہے "آکل" کا، پس جب "آکل" کا معنی بیاج لینے والا ہو، تو "موکل" کے معنی بیاج دینے والا ہوگا۔

دوسری دلیل

بیاج لینا بذاتہ گناہ کا کام ہے، اور بیاج دینا، اور بیاج کی کتابت اور گواہی کرنی بھی گناہ کا کام ہے، مگر بذاتہ نہیں، بلکہ اس وجہ سے کہ اعانت علی الاثم ہے، اور ظاہر ہے کہ بیاج دینا اول نمبر کی اعانت ہے، اور اس کی کتابت و شہادت نمبر دو میں ہے، پس اس حدیث میں اگر "موکلہ" سے مراد بیاج دینے والا نہ ہو، بلکہ وہ شخص مراد ہو، جو بیاج لے کر کسی دوسرے کو کھلائے، تو لازم آتا ہے، کہ اول نمبر کا معین علی الربوا ملعون نہ ہو، وہو کما تری۔

تیسری دلیل

دارقطنی ص ۲۹۹ میں ہے، عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الآخذ والمعطی من الربوا سواء۔ یعنی ابو سعید خدری رض سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیاج لینے والا اور بیاج دینے والا یہ دونوں برابر ہیں، مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الذہب بالذہب والفضۃ بالفضۃ والبر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح مثلا بمثل یدا بید فمن زاد او استزاد فقد اربی الآخذ والمعطی فیہ سواء رواہ مسلم یعنی حضرت ابو سعید خدری رض سے روایت ہے، کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیچو سونے کو سونے سے اور چاندی کو چاندی سے، اور گیہوں کو گیہوں سے، اور جو کو جو سے اور کھجور کو کھجور سے، اور نمک کو نمک سے، برابر برابر دست بدست، پس جس نے زیادہ دیا، یا زیادہ طلب کیا تو اس نے بیاج کا معاملہ کیا، بیاج لینے والا اور بیاج دینے والا دونوں برابر ہیں، روایت کیا اس کو مسلم نے، ابو سعید خدری کی یہ روایتیں بتاتی ہیں، کہ حدیث مذکور لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکل الربوا وموکلہ میں بیاج کھانے والے سے

مراد بیاج لینے والا ہے، اور بیاج کھلانے والے سے مراد بیاج دینے والا ہے والروایات یفسر بعضھا بعضا

الحاصل حدیث مذکور کی یہ تشریح کہ بیاج کھانے والا وہ شخص ہے جو بیاج لیتا ہے اور کھلانے والا وہ شخص ہے جو بیاج دیتا ہے صحیح اور حق ہے، اور اس کی دوسری تشریح غلط اور باطل، اور بلاشبہ آخذ اور معطی دونوں گنہ گار ہیں، اور جیسے بیاج لینا حرام ہے، دینا بھی حرام ہے۔ ھذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم

(الراقم محمد اصغر مبارکپوری مدرس مدرسہ اسلامیہ مبارکپور، اعظم گڈھ)

(اہلحدیث ۲۰ اپریل سنہ ۱۶ء)

س:۔ ایک دوکاندار ایک زانیہ بازاری عورت سے اس کی گائے کا دودھ خرید کر فروخت کرتا ہے، زانیہ نے حرام کی کمائی سے وہ گائے خریدی ہے، اور اس گائے کی پرورش بھی حرام کی کمائی سے کرتی ہے، کیا دوکاندار سے ایسا دودھ خرید کر پینا جائز ہے؟ اور کیا دوکان دار کی آمدنی حلال ہے؟

ج:۔ زانیہ سے ایسی چیز کی بیع کرنی جو کسب زنا سے حاصل کی ہو جائز نہیں ہے، مگر اس دودھ فروش سے خریدنے والا شائد اس حکم میں شامل نہ ہو، واللہ اعلم

(اہلحدیث امرتسر ۱۳ جون سنہ ۱۹۱۹ء)

شرفیہ:۔ خریدار اگر بے خبر ہے، تو مضائقہ نہیں، اور اگر اس سے خبردار اور واقف ہے، تو خرید ناجائز نہیں، کہ مال حرام سے ہے (ابو سعید شرف الدین، دہلوی)

س: مسلمان کو قبروں اور مزاروں کے سالانہ عرسوں اور نیز ہندوؤں کے مذہبی میلوں میں تجارت اور خرید وفروخت کی غرض سے جانا جائز ہے یا نہیں؟

ج:۔ جہاں شرک یا کسی ناجائز کام کی تائید ہو، وہاں نہ جانا چاہیئے، قرآن مجید میں ارشاد ہے لا تعاونوا علی الاثم والعدوان خرید وفروخت سے بھی ان کو رونق اور مدد پہنچتی ہے

(اہلحدیث امرتسر ۲۶ شوال سنہ ۱۳۳۷ھ)

س:۔ اکثر ہندو لوگ اپنی لڑکیوں کی شادی میں سبز پاتل یعنی چھوٹی ساڑیاں شگون نیک سے خریدتے ہیں، اور دلہن کو پہلے رسم شادی میں اس کو استعمال کراتے ہیں، اس لئے سبز پاتل کا بنوانا اور خرید کرنا از روئے شرع کیا حکم ہے؟

ج:۔ ساڑیوں کا بیچنا منع نہیں خریدنے والے کی نیت نیک ہو یا بد اس کا اثر بیع پر نہیں جیسے ریشمی کپڑا بیچنا جائز ہے کوئی اسے اپنے استعمال کے لئے خریدے، تو یہ اس کا اپنا فعل ہے
(اہلحدیث ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ)

س:۔ یہاں ساہوکار اور تجارت پیشہ ہندو مسلمان ہیں، ان میں یہ رواج ہے، کہ پارچہ ہو یا کریانہ یا غلہ وغیرہ ہوفی مثلاً ہر پاؤ نیم آنہ یا فی سینکڑہ ایک آنہ لیا کرتے ہیں، کہیں دو آنے لیتے ہیں، مختلف قسم ہے، ساہوکار دیول وغیرہ اور مسلمان خیرات و مساجد وغیرہ میں صرف کرتے ہیں، اگر نہ دیں، تو خرید و فروخت میں بحث ہوتی ہے، اور سودا ٹوٹ جاتا ہے، ایسی صورت میں لینا دینا گناہ ہے یا نہیں؟

ج:۔ ایسے معاملات کے متعلق عام اصول آیا ہے۔ المسلمون علی شروطھم جو شرط جائز طریقے ہو وہ پوری کرنی چاہیئے، مرقومہ صورت میں جو کاٹ کاٹی جاتی ہے یہ ایک شرط ہے، جو بائع اور مشتری دونوں کو معلوم ہے، لہٰذا جائز ہے　(اہلحدیث ۲۳ ذی الحجہ ۳۷ھ)

س:۔ ایک شخص نے کسی بازاری طوائف سے ایک بکرا قربانی کے لئے خریدا، جو حرام کی کمائی سے پلا ہوا تھا اس کا بھائی اس کو کہتا ہے، کہ ایسے جانور کی قربانی ناجائز ہے، اس کا جواب وہ یہ دیتا ہے، کہ مسلمان شیر فروش اکثر دودھ طوائفوں سے خرید کرتے ہیں جس کو سب مسلمان پیتے ہیں، اگر دودھ اس طرح پینا جائز ہے، تو اس طرح کا بکرا قربانی میں ذبح کرنا کیوں ناجائز ہے؟ جواب قرآن و حدیث سے مطلوب ہے۔

ج:۔ بکرا مذکور حرام ہے حدیث شریف میں ہے۔ کل لحم نبتت بالسحت فالنار اولی بہ، جو گوشت حرام سے پلا ہو، وہ آگ ہی کے لائق ہے۔

دودھ طوائفوں سے خرید کرنا سمجھ میں نہیں آیا، البتہ طوائفوں کے پاس بیع کیا کرتے ہیں، اگر خرید بھی ہوتا، تو وہ بھی حرام ہے، پھر حرام پر کیوں کر قیاس ہوتا ہے۔

(اہلحدیث امرتسر ۵ محرم ۳۹ھ)

شرفیہ:۔ کل لحم نبتت الخ حدیث دلیل نہیں، بلکہ یہ حدیث دلیل ہے۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن ثمن الکلب و مہر البغی وحلوان الکاھن متفق علیہ (مشکوۃ ج ا ص ۲۴۱)　(ابو سعید شرف الدین دہلوی)

س:۔ ایک بازاری عورت فاحشہ جو زنا کی کمائی سے گذارہ کرتی ہے مسجد میں تیل ڈالتی ہے اور

اس کو اپنے گناہوں کا کفارہ خیال کرتی ہے، کیا یہ عمل اس کے گناہوں کا کفارہ ہو سکتا ہے، اور کیا اس صریحا ناپاک کمائی کا تیل دوسرے لوگوں کے مسجد میں ڈالے ہوئے تیل میں شامل ہو کر مسجد میں نماز و تلاوت قرآن شریف کے واسطے شرعاً استعمال ہو سکتا ہے؟ کیا امام مسجد یا کوئی اور حاضر الوقت مسلمان اس فاحشہ عورت کو تیل ڈالنے سے روک دے، اور اگر وہ عورت نہ رکے تو ایسی صورت میں متولی مسجد کو کیا کرنا لازم ہے، قرآن و احادیث سے جواب مطلوب ہے اور اس سوال کے جس قدر پہلو یا حصے ہیں، ان میں سے جواب دیتے وقت کوئی بھی نظر انداز نہ کیا جاوے۔

ج: بحکم حدیث مهر البغي خبيث (مشکوٰۃ باب الکسب) زانیہ کی کمائی حرام ہے، اور بحکم حدیث لا تقبل الا الطيب (ایضاً باب الکسب) حرام کمائی قبول نہیں یعنی اس کا ثواب مطلق کوئی نہیں، دونوں حدیثوں کے ملانے سے نتیجہ نکلتا ہے، کہ ایسے تیل سے انفراداً یا دوسرے سے لا کر بھی کسی طرح اس کو مسجد میں جلوانا یا اس سے فائدہ اٹھانا حلال نہیں، ہر ایک مسلمان شخص کا فاحشہ عورت کو روکنے کا اسی طرح حق ہے، جس طرح کتے اور سور کو مسجد میں آنے سے روکنے کا حق حاصل ہے، اگر نہ رکے، تو متولی اس کے تیل کو نالی میں پھینک دے، جیسے کہ حدیث میں ایک نومسلم کے حق میں آیا ہے، آنحضرت نے فرمایا تھا، کہ تیرا ایمان تو قبول کرتا ہوں تیرا مال قبول نہیں کرتا　　(اہلحدیث امرتسر ۳ رجب ۱۳۳۷ھ)

س: دو اشخاص اس طرح شراکت میں کام کرتے ہیں، کہ ایک شخص کا محض روپیہ ہے، دوسرا صرف کاروبار کی دیکھ بھال، خرید و فروخت کرتا ہے، نفع و نقصان کا حصہ اسی طرح مقرر ہے فریق اول کا دو تہائی یا نصف مقرر ہے علی ہذا القیاس دوسرے کا ایک تہائی یا نصف ہے اب سوال یہ ہے، کہ اس طرح کا کاروبار ہر دو فریق کو جائز ہے یا ناجائز؟ اگر ناجائز ہے، تو کس فریق کو، آیا فریق اول کو یا دوم کو؟

ج: بالاتفاق جائز ہے　　(اہلحدیث امرتسر ۱۵ اگست ۱۹۳۰ء)

س: اکثر جگہوں پر زندہ جانور کا چمڑا قبل ذبح خرید و فروخت ہوتا ہے، اس طرح کی تجارت جائز ہے یا نہیں؟

ج: یہ بیع جائز نہیں لا تبع ما ليس عندك الحديث (ترجمہ) جو چیز تمہارے پاس نہیں اس کی بیع نہ کرو۔ اس صورت کو بھی شامل ہے　　(۲۳ محرم ۱۳۵۵ھ)

س :۔ زید نے اپنا مکان اپنے چچا عمر کو ہبہ کر دیا، اور قبضہ مالکانہ بھی دے دیا، عرصہ آٹھ سال کے بعد عمر (موہوب) نے مکان بحق خالد بیع رجسٹری کر دیا، اس کے بعد زید نے بھی مکان موہوبہ کسی اور کے حق میں بیع کر دیا، از روئے شرع شریف مکان موہوبہ کا مالک زید ہے یا عمر؟ اور کس کی بیع صحیح ہوئی؟

ج :۔ مکان کا مالک موہوبہ ہے، جب کہ وہ با قبضہ مالک بھی ہو چکا ہے، اب واہب کو کوئی اختیار نہیں، کہ اس مکان کو بیع وغیرہ کرے، اور نہ ہی واپس لے سکتا ہے، حدیث میں آیا ہے کہ ہبہ کو واپس لینے والا کتے کی طرح ہے، جو قے کر کے کھا لیتا ہے، واللہ اعلم

(اہلحدیث امرتسر ۱۵ نومبر ۱۹۳۵ء)

س :۔ ایک شخص اس شرط پر روپیہ دیتا ہے، کہ فی من غلہ یا اور کسی چیز میں مقررہ فی من آٹھ آنے یا چھ آنے کے حساب سے کمیشن لیں گے، روپے دینے کے عوض، اور اس غلہ میں نفع ہو یا نقصان ہو، سو ہمارے ذمہ رہا، کیا شرع شریف میں اس قسم کا لین دین جائز ہے؟

ج :۔ جائز ہے، کمیشن فروخت کرنے کی دلالی ہے سود نہیں (۲۶ جون ۱۹۳۶ء)

س :۔ ایک صاحب اناج کی منڈی رکھتے ہیں، ان کی تجارت کا طریقہ یہ ہے، کہ جو لوگ اناج لاتے ہیں، اس کو نیلام کر کے اپنی کمیشن کاٹ کر اناج کا روپیہ اپنے پاس سے ادا کر دیتے ہیں، اور اناج کے خریداروں سے اپنی کمیشن بڑھا کر روپیہ روپیہ وصول کر لیتے ہیں، کیا اس طرح دونوں طرف سے کمیشن لینی جائز ہے (عبد الحکیم)

ج :۔ بعض مسائل عرف عام پر مبنی ہوتے ہیں، اگر اس منڈی میں دونوں طرف سے کمیشن لینے کا رواج ہے، تو کوئی حرج نہیں ہے، اگر نہیں ہے، تو دو طرف سے نہ لے، بہر حال منڈی کے حالات پر موقوف ہے۔ (اہلحدیث جلد ۴۳ نمبر ۴۴)

شرفیہ :۔ صورت مرقومہ میں حکم جواز ثابت نہیں، رہا آڑھت کا معاملہ تو اس کے جواز کی یہ صورت ہے، کہ آڑھتی صاحب سے اپنے مکان دوکان پر مال یا خود صاحب مال کے ٹھہرانے کا کرایہ لے سکتا ہے، کہ معاوضہ مکان کا ہے، ایسے ہی تلوائی مال کا معاوضہ یا کسی چیز تھیلہ وغیرہ سے نکلوا کر بوریوں وغیرہ میں بھروانے لدوانے کا انتظام کرنا وغیرہ کی اجرت لے سکتا ہے، جو شرعاً جائز ہے، مگر یہ سب مال والے سے ہے، کہ تول جوکھ مالک مکان کے ذمہ ہے، بحکم حدیث اذا ابتعت فاکتل واذا بعت فکل رواہ احمد قال فی مجمع الزوائد اسنادہ حسن

کذا فی النیل ج ۵ ص ۱۲۶ ۱۲اب اس اجرت کا نام کمیشن رکھ لو یا اجرت و کرایہ، الغرض یہ جائز ہے اور مشتری سے کمیشن یا اجرت لینا جائز نہیں، ہاں اگر مشتری کو بھی اپنی دوکان، مکان پر ٹھہرانے یا مال لدوانے، بوریوں یا تھیلوں وغیرہ میں رکھوانا، یا اور کسی قسم کا انتظام کرنا ہو تو اس سے ان امور کا معاوضہ و اجرت لینی جائز ہے، ورنہ نہیں، واللہ اعلم (ابو سعید شرف الدین، دہلوی)

س:۔ آج کل جو دوکاندار بازار سے چیزیں خرید کر محلہ کی دوکانوں میں فروخت کرتے ہیں، اس طریقہ پر کہ بازار (منڈی) سے سستا لیتے ہیں، اور اپنی دوکان پر مہنگا بیچتے ہیں، مثلاً بازار سے دس سیر چیز خرید کر دوکان پر ۸ سیر فی روپیہ بیچتے ہیں، اور اس چیز کا نرخ بازار میں دس سیر فی روپیہ ہے، اس حالت میں ان کا بازار کے نرخ سے نقدی پر کم دینا جائز ہے یا سود ہے، ہر دو مسائل کا جواب تسلی بخش عنایت فرمادیں۔

(اس طرح) زید ایک دوکاندار ہے، گندم کا بازار ۲۰ سیر فی روپیہ نقد ہے، مگر جب بکر زید سے نقد گندم لینے آتا ہے، تو زید اس کو پورے بیس سیر گندم دیتا ہے، اور جب بکر اس سے ادھار گندم لینے آتا ہے، تو فی روپیہ ادھار پر ۱۶ سولہ سیر گندم دیتا ہے، تو یہ چار سیر کی کمی سود ہوگی یا نہیں؟ (غلام محمد ڈار گوجرانوالہ)

ج:۔ دونوں صورتیں جائز ہیں نیل الاوطار جلد ۵ ص ۱۲ ملاحظہ ہو، ہاں یہ ضروری ہے، کہ بھاؤ بتلانے میں دغا نہ کرے، بلکہ صاف صاف کہے، یعنی یہ نہ کہے، کہ منڈی میں بھی یہی بھاؤ ہے، بلکہ صاف کہے یہ بھاؤ دوں گا، خریدار کی مرضی ہو لے یا نہ لے (۱۹ فروری سنہ ۱۵ء)

تشریح ایسی بیع جائز ہے۔ لعموم الادلۃ القاضیۃ بجوازہ کقولہ تعالیٰ احل اللہ البیع وحرم الربوا وقولہ تعالیٰ یا یھا الذین امنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم وغیر ذلک من النصوص قال فی النیل ص ۱۳ جلد ۵ وھو مذھب الشافعیۃ والحنفیۃ والجمھور الخ ومن قال یحرم بیع الشئ باکثر من سعر یومہ لا جل النسأ تمسک بحدیث ابی ھریرۃؓ مرفوعا من باع بیعتین فی بیعۃ فلہ اوکسھما اوالربا رواہ ابو داؤد۔ وفیہ ان فی اسنادہ محمد بن عمرو بن علقمۃ قال فی النیل ص ۱۲ جلد ۵ وقد تکلم فیہ غیر واحد قال المنذری والمشھور عنہ من روایۃ الدراوردی ومحمد بن عبد اللہ الانصاری انہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن بیعتین فی بیعۃ قال ص ۱۳ ج ۵ ولا حجۃ فیہ علی

المطلوب ولو سلمنا ان تلك الرواية التى تفرد بها ذلك الراوى صالحة للاحتجاج لكان احتمالها لتفسير خارج عن محل النزاع كما سلف ص ۱۲ ج ۵ عن ابن رسلان وهو ان يسلفه دينارا فى قفيز حنطة الى شهر فلما حل الاجل طالبه بالحنطة قال بعنى القفيز الذى لك على الى شهرين بقفيزين فصار ذلك بيعتين فى بيعة لان البيع الثانى قد دخل على الاول فيرد اليه اوكسهما وهو الاول كذا فى شرح السنن لابن رسلان) قادحا فى الاستدلال بها على المتنازع فيه على ان غاية ما فيها الدلالة على المنع من البيع اذا وقع على هذه الصورة وهى ان يقول نقدا بكذا ونسيئة بكذا لا اذا قال من اول الامر نسيئة بكذا فقط وكان اكثر من سعر يومه مع ان المتمسكين بهذه الرواية يمنعون من هذه الصورة ولا يدل الحديث على ذلك فالدليل اخص من الدعوى وقد جمعنا رسالة فى هذه المسئلة وسميناها شفاء الغلل فى حكم زيادة الثمن بمجرد الاجل وحققناها تحقيقا لم نسبق اليه، والله اعلم بالصواب

كتبه محمد عبد الله | سید محمد نذیر حسین | (فتاوی نذیریہ ص۲ ج۲)

س:۔ زید بیس روپے کو سوت خرید تاہے، اور بکر کے ہاتھ ادھار اکیس روپے کو بیچتا ہے، اور روپیہ دینے کی کوئی مدت معین نہیں کرتا، جب بکر مال یعنی کپڑا تیار کرکے فروخت کر لیتا ہے، تو روپیہ خرید کا ادا کرتا ہے (دوسری صورت) زید مندرجہ بالا صورت کے مطابق سوت بکر کو دیتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ کچھ روپیہ بھی ادھار ہی دیتا ہے، جب بکر مال تیار کر لیتا ہے، تو تمامی مال زید کے گھر دے آتا ہے، زید اس کو فروخت کرکے اپنا تمام روپیہ لے لیتا ہے، اور بقایا منافع بکر کو دے دیتا ہے آیا ان صورتوں کے مطابق بیع جائز ہے یا نہیں؟

ج:۔ صورت مرقومہ جائز ہے، منع کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی، مگر بحکم قرآن مجید مدت مقررہ کی تحریر ہونی چاہیئے۔ لقولہ تعالی یا یہا الذین امنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوہ (پ ۳ س بقرہ) والعلم عند اللہ (اہلحدیث جلد ۴۰ ص ۳۷)

س:۔ سرکاری وغیر سرکاری بینکوں و پوسٹ آفس سیونگ بینک کا سود اہل اسلام کے لئے شرح محمدی کے مطابق جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے، تو سودی رقوم کا مصرف فتوی شرعیہ کے مطابق کیا ہونا چاہیئے؟ (ملک ہدایت اللہ خاں سوہدری)

ج:۔ بارہا بتایا گیا ہے روپیہ بغرض حفاظت ان بینکوں میں رکھا جائے، تو حسب قاعدہ جواز

پراونٹ فنڈ سے بعض علماء (مثل دیوبند مفتی جمعیۃ العلماء دہلی مرحوم مفتی مسجد چینیاں لاہور وغیرہ) جائز رکھتے ہیں، جمہور علماء ناجائز　　(اہلحدیث ۱۴ اپریل ۱۹۳۳ء)

شرفیہ :- بینک یا ڈاک خانہ میں جو لوگ اپنا روپیہ جمع کر کے ان سے نفع لیتے ہیں یہ قطعاً جائز نہیں حرام ہے، اس لئے کہ بینک والے اس روپیہ کو سود پر چلاتے ہیں، اور ان کا حساب کر کے جتنا سود ہیں سے اس کا حصہ نکلتا ہے دیتے ہیں، اور سود حرام ہے، اور بحکم لا تعاونوا علی الاثم والعدوان الآیۃ (پ ۶ ع ۵) اگر کوئی نفع نہ بھی لے، تب بھی حرام ہے، تعاون علی الاثم ہے، لہذا مفتیوں کے فتاوی مذکورہ باطل ہیں، ان الظہر برکیب بنفقتہ سے باطل ہے اس لئے کہ قیاس مع الفارق ہے، سواری کا جانور بلا غذا ہلاک ہو جاتا ہے، بخلاف ارض زمین کے کہ بلا جوتنے کے اور عمدہ ہو جاتی ہے، اور نیز زمین سے بعد استعمال قرض سے دوگنا چوگنا سے زائد حاصل ہوتا ہے، اس کو محسوب کرنا لازم ہے۔ کما فی الحدیث، ملاحظہ ہو فتاوی نذیریہ

تشریح

از قلم خطیب الاسلام مولانا عبد الرؤف خانصاحب رحمانی جھنڈے نگری

اسلام میں سود لینا، سود دینا، سود کے کاغذات مرتب کرنا، اور سود کی شہادتیں دینا تک حرام ہے، اور سود خوار کی وہی پوزیشن ہے، جو ایک زانی، شرابی اور قمار باز کی ہوتی ہے، لیکن یورپ سے جب بینک کی بیماری ہندوستان پہنچی، تو ہم مسلمانوں نے بھی اسی طرح اس کا خیر مقدم کیا جس طرح اور قوموں نے کیا، ہم نے بھی دوسری غیر مسلم جماعتوں کی طرح سود کا لین دین شروع کر دیا۔ اقبال ہمارے اس کافرانہ نظام کے قبول کرنے پر لکھتے ہیں ؎

چنیں دور آسمان کم دیدہ باشد　　کہ جبریل امین را دل خراشد
بنا کردند خوش دیرے کہ این جا　　پرستد مومن و کافر تراشد

کافر فاسد نظریات گھڑتا ہے، اور مسلمان اس فاسد نظام زندگی کا عملاً پجاری بنتا ہے، اکثر علماء نے اس نظام کی مخالفت بھی کی، لیکن مسلمانوں نے اپنے زعم میں کسی کی بھی پرواہ نہ کی، اور برابر سود کا کاروبار کرتے رہے، مگر اس میں وہی سیاسی الجھنیں پیدا ہو گئیں، جو دوسرے سیاسی مسائل میں پیدا ہوتی ہیں یعنی مسلمانوں میں سود دینے والے زیادہ ہیں، اور لینے والے کم، اس طرح مسلمانوں کا ادا کیا ہوا سود غیر مسلموں کے پاس جانے لگا، تو اسے صرف مسلمانوں تک محدود رکھنے کے لئے "مسلم بینک" قائم کیا گیا، حالانکہ لفظ مسلم کو بینک سے اتنی ہی ضد ہے، جتنی کہ

لفظ "شمس" کو لفظ "نیس" سے، لیکن ہم نے آج تک "شمس اللیل" کا وجود نہیں دیکھا، اور نہ ہی قیامت تک دیکھ سکیں گے، لیکن "مسلم بینک" کا وجود ضرور دنیا کو دکھا دیا جس کا واحد مقصد مسلم غربائے سود وصول کر کے مسلم امراء کے خزانہ میں بھرنا ہے، اور اس طرح ہم نے کھلم کھلا اسلام اور سود کا ایک خود ساختہ مقدس اتحاد دنیا کو دکھلا دیا، عقلی نقطہ نظر سے اور مشاہدات اور تجربات کے لحاظ سے یہ سود لاکھوں کے لئے مرگ مفاجات ہے، اقبال نے خوب لکھا ہے ؎

سود ایک کا لاکھوں کے لئے مرگ مفاجات ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے

علامہ اقبال اس سود کو لاکھوں کے لئے مرگ مفاجات کا مرادف سمجھتے ہیں، اب سنیئے ایک اور خطرہ بھی اس سلسلہ میں درپیش ہے، اور یہ خطرہ بھی یقینی ہے، شریعت اسلام میں سود شراب زنا، قمار بازی وغیرہ کا مرتبہ بحیثیت حرمت تقریباً برابر ہی ہے لیکن آج جب کہ یورپ نے سود کو عام کر دیا، اور قانوناً اس کے لئے جواز مہیا کر دیا، تو ہم نے فخر کے ساتھ "مسلم بینک" قائم کر دیا، اور اگر کل کو یورپ کے سرمایہ داروں نے اپنی عیاشی اور سرمایہ داری کی افزائش کے لئے شراب نوشی، زناکاری، قمار بازی وغیرہ کے لئے بھی قانونی جواز مہیا کر دیا، تو "مسلم شراب خانہ" "مسلم زناخانہ" اور "مسلم قمار خانہ" کے قیام پر بھی فخر ہونے لگے گا (معاذ اللہ) کیونکہ ہم یورپ کی سرمایہ داری کو قبول کر چکے ہیں، اور اسلام کا لفظ تو ہم کو ورثہ میں مل ہی چکا ہے، اور اس کے استعمال سے ہم کو کوئی روکنے والا نہیں، اکبر الہ آبادی نے ایسے ہی لوگوں کے حق میں لکھا ہے

جو جی میں آئے آپ کے وہ کام کیجئے بس انجمن میں دعویٰ اسلام کیجئے

بہر حال "مسلم بینک" کا واحد مقصد مفلوک الحال غریب لوگوں کو روپیہ قرض دے کر سود ہی وصول کرنا ہے، اور چونکہ ہر مسلم بینک کو بھی ایک مضبوط قانونی طاقت حاصل ہے، جو غریب کاشتکاروں سے وصول کے وقت ہر ممکن طریقہ اختیار کر لیتی ہے، اور مفلس کاشتکار جو دانہ دانہ کو محتاج ہوتا ہے، اپنی زمین، مکان، مویشی وغیرہ گرو رکھ کر یا بیچ کر اس سود کو ادا کرتا ہے، بلکہ بعض اوقات تو وہ یہاں تک مجبور ہو جاتا ہے، کہ وہ اپنی اولاد کو بھی گرو رکھنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے، اقبال نے ایسے ہی مفلوک، غریب اور مظلوم کاشتکاروں کے متعلق لکھا ہے ؎

دہقاں ہے کسی قبر کا اُگلا ہوا مردہ بوسیدہ کفن جس کا ابھی زیر زمیں ہے
جاں بھی گرو غیر بدن بھی گرو غیر افسوس کہ باقی نہ مکاں ہے نہ مکیں ہے

(مصباح بابت رجب و شعبان ۱۳۷۲ھ)

بینک کے سود کے متعلق

مولوی عبدالواحد صاحب غزنوی کا فتوی

قابل غور علمائے کرام

بخدمت ایڈیٹر صاحب اہلحدیث ۔ زاد عنایتکم

السلام علیکم ۔ میں نے ایک استفتار بخدمت مولانا عبدالواحد صاحب غزنوی بھیجا تھا، چونکہ جناب موصوف نے اس فتوی کے اخیر میں خود لکھا ہے، کہ یہ فتوی علماء کے سامنے پیش کرو، چونکہ اخبار اہلحدیث عموماً علمائے اہلحدیث کی نظر سے گذرتا ہے، لہذا مکلف خدمت ہوں، کہ براہ مہربانی اس فتوی کو چھاپ کر ناظرین تک پہنچا دیں

(خاکسار محمد علی سائل)

بخدمت حضرت مولانا مولوی عبدالواحد صاحب غزنوی ادام اللہ فیوضھم ۔ السلام علیکم عرض ہے، کہ آج کل تجارت اور فلاحت وغیرہ میں بینکوں سے لین دین رہتا ہے، عرض ہے، کہ ان بینکوں میں روپیہ اگر رکھا جاوے، تو اس کا نفع جو ملے، وہ نفع لینا جائز ہے ؟

(مستفتی حکیم علی محمد ساکن کرکٹریالہ، ڈاک خانہ ترن تارن، ضلع امرتسر)

الجواب :۔ بھائی جان وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ، بینکوں سے بالکل بچنا لازم ہے لاچاری ہے اگر کوئی آدمی اپنی جان اور اپنے مال پر ڈر کر روپیہ بینک یا ڈاک خانہ میں رکھا لے یا حکام تنخواہ داروں کے ماہواریں بزور کچھ مبلغ رکھتے جاتے ہیں، پھر دیتے وقت کچھ زیادہ بھی دیتے ہیں، چونکہ وہ خود ہی زیادہ دیتے ہیں، نہ ہم نے زیادہ کے واسطے روز اول دیا تھا، اور نہ یہ نیت تھی، نہ یہ عقد نہ یہ اقرار تھا، اور نہ اب ان سے ہم سود طلب کرتے ہیں، اگر وہ برضا ورغبت خود دیتے ہیں، تو چشم سر و دل شاد ہم کیوں نہ لیں ، ہمارے امام مولوی عبدالجبار صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سے قرض لیتے تو ادا کے وقت زیادہ دیا کرتے ، جب روز اول بہ نیت ربا نہ دیا جاوے اس نے ایک مدت تک ہمارے روپوں کو استعمال کیا اب ادا کے وقت وہ اپنی مرضی سے زیادہ دیتا ہے، تو یہ کیوں ربا ہو، یہ بے شک حرام ربا ہے، کہ بینک سے سودی روپیہ لے کر تجارت یا دیگر معاملات کرے یا بینک میں شریک ہو کر حصہ ڈالے ۔ ھذا ما عندی من الجواب واللہ اعلم بالصواب ۔ میں ہوں لاہوری دعاگو عبدالواحد بن عبداللہ الغزنوی عفا اللہ عنہ ۔

(۱۲ رشعبان ۹۲۵ھ)

اہلحدیث: نفس فتوی پر جو صاحب چاہیں رائے دے سکتے ہیں۔ (۲۷ مارچ ۱۹۲۵ء)

تعاقب بر فتویٰ مولوی عبدالواحد صاحب غزنوی لاہوری

اخبار اہلحدیث مجریہ ۲۷ مارچ ۲۵ء میں

بینک اور ڈاک خانے کے سود کے متعلق جناب مولوی عبدالواحد صاحب غزنوی کا جو فتویٰ شائع ہوا ہے وہ میرے دیکھنے میں آیا، میرے ناقص علم میں جناب موصوف کا یہ جواب غیر صحیح اور قابل عمل نہیں، گو مجبوری سے بھی ان جگہوں میں روپے رکھے جائیں، اور ڈاک خانہ یا بینک برضا ورغبت اپنے نفع بھی دیں، تاہم اس کا نفع سود میں داخل ہے، نفع لینا جائز نہیں، کیونکہ ہدیہ تو برضا ورغبت دیا جانا، اور لیا جانا جائز ہے، مگر یہی ہدیہ اگر مدیون (قرض لینے والا) اپنے دائن (جس سے قرض لیا جاوے) کو دے دے، تو دائن کے لئے اس خاص صورت میں ہدیہ لینا جائز نہ ہوگا لقولہ علیہ السلام وعنہ ای عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا اقترض الرجل الرجل فلا یاخذ ھدیۃ (رواہ البخاری فی تاریخہ ھکذا فی المنتقی، مشکوۃ شریف مع ترغیب ترھیب ص ۲۴۸۔ (کتبہ محمد یعقوب البرق البیاپوری العظیم آبادی)

از علامہ قاضی اطہر صاحب مبارکپوری

علماء نے لکھا ہے کہ بینک وغیرہ کا سود لے لیا جائے، مگر اسے نہ خود خرچ کیا جائے، نہ کسی عبادت نہ قربت کے کام میں کیا جائے، بلکہ کسی محتاج اور غریب کو دے دیا جائے اور اس کے لئے ثواب کی امید نہ کی جائے (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۰ فروری ۱۹۵۴ء)

س: اگر کسی شخص کو کچھ نوٹ دستیاب ہوں، تو وہ ان کا اعلان کس طرح کرے، کہ حقدار کو مل جاوے اور اعلان کب تک کرے؟

ج: گم شدہ چیز کا اعلان حسب فرمان نبوی ایک سال تک ہونا چاہیئے، آج کل اعلان کا ذریعہ اخبارات ہیں۔ مگر چیز کا پورا نشان نہ لکھے، جہاں سے دستیاب ہوئی ہو اس جگہ کا نام اور تاریخ دستیابی اور چیز کا نام مثلاً نوٹ وغیرہ ظاہر کر کے اعلان کرے، نوٹوں کی پوری کیفیت، تعداد وغیرہ وہ شخص تحریر کرے، جس کے گم ہوئے ہیں۔ اللہ اعلم (۱۴ اپریل ۱۹۳۹ء)

س: ڈاک خانہ کے کیش سرٹیفکیٹ خریدنے جائز ہیں یا نہیں؟

ج: کیش سرٹیفکیٹ خریدنا گویا سودی قرضہ دینا ہے، اس لئے جائز نہیں ہے، واللہ اعلم

(اہلحدیث، ۳ مارچ ۱۹۳۹ء)

س:۔ ٹھیکیدار شراب کی ملازمت جائز ہے یا نہیں؟ ملازم شراب نہیں پیتا اور اس کو حرام سمجھتا ہے
ج:۔ شراب کی وجہ سے دس آدمیوں پر لعنت آئی ہے، ان میں سے ایک صورت یہ بھی ہے اس لئے جائز نہیں۔ (اہلحدیث، ۱۵ صفر ۶۳ھ)

تشریح حدیث شریف میں آیا ہے۔ لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الخمر عشرۃ عاصرھا ومعتصرھا وشاربھا وحاملھا والمحمولۃ الیہ وساقیھا وبائعھا وآکل ثمنھا والمشتری لھا والمشتری لہ رواہ الترمذی وابن ماجہ (مشکوٰۃ)
یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کی وجہ سے دس آدمیوں پر لعنت فرمائی ہے۔ شراب بنانے والے اور بنوانے والے، پینے والے، اٹھانے والے (مزدور) اور جس کی طرف اٹھا کرلے جاتی جاوے، پلانے والے بیچنے والے، اس کا دام کھانے والے، خریدنے والے اور جس کے لئے خریدی جاوے ان سب پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے، مطلب حدیث مذکور کا یہ ہے، کہ جس کو شراب کے ساتھ ذرا بھی تعلق ہو، بنانے میں ہو یا بیچنے میں، یا بکوانے میں یا ترغیب دینے میں، یہ سب لعنت کے موجب ہیں۔ (اہلحدیث ۱۵ محرم ۵۷ھ)

س:۔ جو شخص زمین کو رہن لیوے، اپنا روپیہ دے کر اور اس سے فائدہ اٹھاوے، خود کاشت کرے، یا دیگر لوگوں کو کاشت کرنے کے واسطے دیوے، نیز زمینداروں اور کاشتکاروں کے گھروں میں جو آلات کاشتکاری کے استعمال میں ہوتے ہیں، ان کو نحوست تصور کرنا جائز ہے یا ناجائز (ایم، خلیل دہلی)
ج:۔ قرآن مجید میں کھیتی باڑی کا ذکر بلکہ ترغیب ہے، ارشاد خداوندی ہے أَفَرَأَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ یہ کھیتی باڑی کا سامان اسباب رزق میں سے ہے، اس کو نحوست کہنا غلطی ہے، اراضی مرہونہ سے فائدہ اٹھانے میں اختلاف ہے، بعض علماء جواز کے بھی قائل ہیں، چوں کہ سرکاری معاملہ مرتہن کے ذمہ ہوتا ہے، اس لئے جواز کی جانب راجح معلوم ہوتی ہے، واللہ اعلم (۲۴ محرم ۶۳ھ)

س:۔ ایک شخص ایک من دھان اس شرط پر دے رہا ہے، کہ ہم اتنے دھان کا آئندہ فصل پر ڈیڑھ من لیں گے، ساتھ ہی ایک آنہ پیسہ دیتا ہے، کہ یہ سود کے لئے دافع ہے، بقیاس نقد، آیا جائز ہے یا نہیں؟
ج:۔ یہ صورت جائز نہیں ہے قیمت مقرر کرکے دے دے، اور وقت پر قیمت ہی وصول کرے، واللہ اعلم (۳ جمادی الاول ۶۳ھ)

س:۔ ایک تاجر کا دعویٰ ہے، کہ اپنی چیز یعنی ایک روپیہ کی چیز کو دو یا تین روپے میں ہم فروخت کریں گے، جس کا دل چاہے لے یا نہ لے، ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے، کہ اگر بازار میں نرخ کسی چیز کا ۲ سیر ہے، اور ہم ۱۰ سیر دیں، تو کوئی گرفت شرعاً نہیں، تو کیا اس کا یہ دعویٰ صحیح ہے یا غلط؟

ج:۔ تجارت میں دغا فریب منع ہے، اپنی چیز کی قیمت جتنی چاہے لے سکتا ہے، خریدار کو منظور ہے تو لے لے، ورنہ اختیار ہے، لیکن مقررہ وزن یا مقدار میں کمی نہیں کرنی چاہیئے، البتہ جن چیزوں کی قیمتوں کا سرکاری نرخ مقرر ہو چکا ہے، ان کی پابندی کرنی بھی ضروری ہے

(اہلحدیث ۶ / شعبان ۱۳۶۳ھ)

س:۔ دباغت سے پہلے چمڑا مردار کی بیع جائز ہے یا نہیں؟

ج:۔ دباغت سے پہلے مردار کے چمڑے کی بیع کرنے میں اختلاف ہے، ایک قول جواز کا بھی ہے (شرح مسلم للنووی) میں بھی اس کو جائز سمجھتا ہوں، البتہ استعمال اس کا دباغت پر موقوف ہے

(اہلحدیث ۱۴ / جنوری ۱۹۳۴ء)

تشریح سوال، کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مردار کا چمڑا ابلا مد بوغ خرید فروخت کرنا اور منفعت و قیمت کھانے اور پینے میں استعمال کرنا جائز ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ جائز نہیں ہے، جواز کے لئے دباغت شرط ہے۔ فی المنتقی ص ۸۔ عن ابن عباس رض قال تصدق علی مولاۃ لمیمونۃ رض بشاۃ فماتت فمر بہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ھلا اخذ تم اھابہا فدبغتموہ فانتفعتم بہ فقالوا انہا میتۃ فقال انما حرم اکلہا رواہ الجماعۃ الا ابن ماجۃ قال فیہ عن میمونۃ جعلہ من مسندھا ولیس فیہ للبخاری والنسائی ذکر الدباغ بحال وفی لفظ لاحمد ان داجنا لمیمونۃ رض ماتت فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا انتفعتم باھابہا الا دبغتموہ فانہ ذکاتہ۔ وعن ابن عباس رض قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ایما اھاب دبغ فقد طہر رواہ احمد ومسلم و ابن ماجہ والترمذی۔ وعن عائشۃ رض ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر ان ینتفع بجلود المیتۃ اذا دبغت رواہ الخمسۃ الا الترمذی۔ وللنسائی سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن جلود المیتۃ فقال دباغہا ذکاتہا وللدارقطنی عنہا

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال طہور کل ادیم دباغہ قال الدارقطنی اسنادہ کلہم ثقات۔ وعن ابن عباس قال ماتت شاۃ لسودۃ بنت زمعۃ فقالت یا رسول اللہ ماتت فلانۃ تعنی الشاۃ فقال فلولا اخذتم مسکہا قالوا نا خذ مسک شاۃ قد ماتت فقال لہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما قال اللہ تعالی قل لا اجد فیما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمہ الا ان یکون میتۃ او دما مسفوحا او لحم خنزیر وانتم لا تطعمونہ ان تدبغوہ تنتفعوا بہ فارسلت الیہا فسلخت مسکہا فدبغتہ فاتخذت منہ قربۃ حتی تخرقت عندہا رواہ احمد باسناد صحیح اھ فان اختلج فی صدرک انہ قد ورد فی روایۃ البخاری ومالک فی المؤطا واحمد فی مسندہ وبعض طرق النسائی وغیرہم ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال فی شاۃ مولاۃ میمونۃ ھلا انتفعتم باہابہا قالوا انہا میتۃ قال انما حرم اکلہا ولم یذکر الدباغ فدل ذلک علی ان جلد المیتۃ یحل الانتفاع بہ من غیر حاجۃ الی دباغۃ اریح ذلک بانہ قد ورد التقیید بالدباغ فی روایات اخری صحیحۃ والاخبار تفسر بعض طرقہا بعضا فوجب الاخذ بہ۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین	محمد بشیر	مدرسہ احمد یہ آرہ	(فتاوی نذیریہ ج ۲ ص ۰۰)

س :۔ کیا مشترکہ سرمایہ سے لمٹیڈ تجارتی کمپنی بنانا شرعاً جائز ہے؟

ج :۔ کمپنی کے اصول شرعاً صحیح ہوں تو کوئی حرج نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے حق میں تجارت میں نفع کی دعا کی تھی، لوگ اس کے ساتھ مل کر تجارت کرتے تھے، آج کل اسی کو کمپنی کہتے ہیں۔ (۲۵ مارچ ۳۸ئ)

س :۔ گائے وغیرہ ادھیارے دیتے ہیں، یہ جائز ہے یا نہیں؟

ج :۔ جائز ہے منع کی کوئی دلیل نہیں (۳۱ مارچ ۱۹۱۶ئ)

تشریح کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، کہ بنگالہ میں دستور ہے، کہ بچھڑا خرید کر دوسرے کو دے دیتے ہیں، جب وہ بڑا ہو جاتا ہے تو خریدنے والا اس کو بیچ کر پوری قیمت کے دو حصے کر کے ایک حصہ خود اور ایک حصہ پالنے والے کو، یا بعد اصل قیمت کے ایک حصہ خود لیتے ہیں، اور ایک حصہ پالنے والے کو دیتے ہیں پس یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ معاملہ مذکورہ جائز ہے، کیوں کہ یہ منجملہ صور شرکت کے ہے، اور شرکت کا جواز نص کی

کثیرہ سے ثابت ہے۔ عن ابی ھریرۃ رض مرفوعاً قال اللہ تعالیٰ انا ثالث الشریکین الحدیث اخرجہ ابوداؤد اور کوئی وجہ اس کی ممانعت کی پائی نہیں جاتی۔ و نیز حدیث المسلمون علی شروطھم الحدیث اخرجہ الترمذی وغیرھا اس کی صحت و جواز پر دال ہے واللہ اعلم۔ سید محمد نذیر حسین (فتاوی نذیریہ ج ۲ ص ۳۳)

س:- قرآن و حدیث پڑھانے کے عوض مزدوری یا تنخواہ لینی جائز ہے یا نہیں؟

ج:- صحیح حدیث میں آیا ہے احق ما اخذ تم علیہ اجرا کتاب اللہ (سب سے اچھی مزدوری کتاب اللہ پر ہے) اس لئے اگر کوئی مزدوری کے لئے پڑھا دے تو جائز ہے۔ ہاں اگر کوئی فی سبیل اللہ پڑھا دے، تو پھر مزدوری مانگنا جائز نہیں، از خود وہ احسان کریں، تو قبول کرنے منع کے متعلق کوئی حدیث نہیں ۳۱ مارچ ۱۹۱۶ء

س:- زید نے اپنا جنگل لاکھ کا ایک شخص کو ٹھیکہ پر دیا جس کا زرثمن زید پا چکا، بعدہ اس کے دو لڑکے ٹھیکیدار مذکور کے یہاں سو روپے پر ملازم ہوئے، اور اس سے تنخواہ لیتے ہیں، مذکورہ بالا جنگل کی حفاظت کے لئے، اور پھر پانچ پانچ من چرا کر توڑ کے فروخت کر ڈالتے ہیں، تو یہ جائز ہے یا نہیں

ج:- ملازم کو سرقہ کرنا جائز نہیں حرام ہے، بلکہ ڈبل حرام ہے، ایک تو سرقہ، دوم خیانت، کیوں کہ مالک اس پر اعتبار کر کے اس کے سپرد کرتا ہے (۱۹ ذی قعدہ ۱۳۴۳ھ)

حضرت انس رض روایت کرتے ہیں، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شاید ہی کوئی خطبہ ایسا ہو جس میں آپ نے یہ نہ فرمایا ہو، کہ لا ایمان لمن لا امانۃ لہ ولا دین لمن لا عھد لہ رواہ البیھقی فی شعب الایمان (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۵) جو امانت میں خیانت کرے، اس کا ایمان نہیں، اور جو اپنے اقرار کی پاسداری نہ کرے، اس کا دین نہیں (راز)

س:- کوئی مسلمان دوکاندار ذیل کے دو قسم کے مال فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں، قسم اول سگریٹ تاش، قسم دوم مورتیں یعنی تصویریں، جو مٹی وغیرہ سے بنائی ہوتی ہیں، جن سے بچے کھیلتے ہیں، اور ایک اور قسم کی بازی جو منہ سے لڑکے بجاتے ہیں، اور یہ سب چیزیں مٹی، کاغذ اور ٹین وغیرہ کی بنتی ہیں،

ج:- تصویر یا بت یا نشہ آور چیز کا بیچنا مسلمان کو جائز نہیں۔ والعلم عند اللہ تعالیٰ (اہلحدیث ۱۰ محرم ۱۳۳۴ھ)

س:- تمباکو، سگریٹ اور حقہ کا سامان فروخت کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

ج:- تمباکو چونکہ مکروہ ہے، اس کی بیع کا بھی یہی حکم ہے، واللہ اعلم (۱۶ فروری ۱۹۴۰ء)

شرفیہ: حقے کو مکروہ بھی کہا گیا ہے، اور حرام بھی، بلکہ مباح بھی، مگر ترجیح حرمت کو معلوم ہوتی ہے، اس لئے کہ اس میں نتور ہے، اور ابوداؤد کی روایت میں مفتر شئے کی نہی وارد ہے، اور اس میں تشبہ باہل النار بھی ہے إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا اور اس میں اسراف وتبذیر بھی ہے جس سے آدمی اخوان الشیاطین میں داخل ہوتا ہے، اور خصوصاً حقہ کے سڑے پانی میں خبث اور تکم وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ الایۃ پ۹ جو حرام ہے، مگر جھوٹ، فریب، وعدہ خلافی وغیرہ وغیرہ کی طرح یہ بلا بھی عام ہے، لوگ برا نہیں جانتے۔　　(ابوسعید شرف الدین، دہلوی)

س: آج کل ہزاروں مسلمان بندگان خدا گوہ اور سانپ کی تجارت میں رات دن مشغول ہیں، اور اسی کا کسب حاصل کر کے کھاتے کھلاتے ہیں، غیر ماکول اللحم جانوروں کے چمڑے کی تجارت از روئے شرع جائز ہے یا نہ؟

ج: حدیث شریف میں ہے کل اھاب دبغ فقد طھر (جو کھال رنگی جائے وہ پاک ہو جاتی ہے) اس حدیث کو جن علماء نے اتنا عام کہا ہے کہ غیر ماکول اللحم خنزیر اور کتے وغیرہ کو بھی شامل کیا ہے، ان کے نزدیک ہر قسم کی بیع وشرا جائز ہو جاتی ہے، گوہ تو ماکول اللحم (حلال) ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستر خوان پر کھائی گئی، سانپ بھی کوئی ایسا نجس العین نہیں، طبی فائدے کے لئے بیع وشرا کی جائے تو منع کی کوئی وجہ نہیں　　(۵ ربیع الاول ۲۶ھ)

شرفیہ: یہ صحیح ہے، کہ "ضب" حلال ہے، اور اس کا بیچنا بھی جائز ہے، مگر "ضب" کا ترجمہ جو (گوہ) مشہور ہے، وہ کتب لغت سے ثابت نہیں ہوتا، منجد میں جو لکھا ہے، اس سے تو سانڈھا معلوم ہوتا ہے، والعلم عند اللہ　　(ابوسعید شرف الدین، دہلوی)

منجد کی عبارت "ضب" کے متعلق یہ ہے۔ حیوان من الزحافات شبیہ بالحرذون ذنبہ کثیر العقد ومن امثالھم" اعقد من ذنب الضب (الی ان) وتقول العرب لا افعلہ حتی یرد الضب لظنھم ان الضب لا یرد الماء مجمع البحار جلد ۲ ص۲۲۷ پر ہے۔ ان الضب لیموت فی جحرہ ھذا لا بن نب ابن آدم ای بحبس المطر عنہ لشومہ وخص الضب لانہ ابعد الحیوان نفسا واصبرھم الخ عام اہل لغت "ضب" کا ترجمہ سوسمار (گوہ) ہی لکھتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب (راز)

س: یہاں افریقہ میں پونڈ کی قیمت دس روپے ہے، اور ہندوستان میں پندرہ روپے جب بھی کوئی آدمی افریقہ سے انڈیا کو روپے روانہ کرتا ہے تو اس کو جتنی کہ اس کی اصل رقم افریقہ

کی ہے، اس سے ڈیڑھ گنا یعنی ایک روپے کا ڈیڑھ روپیہ ہندوستان میں ملتی ہے، یہ قانون
گورنمنٹ کی طرف سے افریقہ میں ہے، اور سب آدمی اسی طرح سے روپیہ روانہ کرتے ہیں، تو
یہ جو ڈیڑھ گنا روپیہ ملتا ہے، یہ لینا مسلمان کے لئے شرعاً جائز ہے یا نہیں، دیگر اگر کوئی آدمی
ہندوستان سے ایک سو روپیہ افریقہ میں لائے، تو اس کو ایک سو ہندوستانی روپے
یہاں افریقہ میں افریقہ کا مبلغ ۶۷ روپے آٹھ آنہ گورنمنٹ منظور کرتی ہے

ج: پونڈ سونے کا اور روپیہ چاندی کا ہے، اس لئے اس میں کمی بیشی جائز ہے، افریقہ میں ایک
پونڈ یا نوٹ دس روپے کا دے کر ہندوستان کے ۱۵ روپے لے سکتا ہے، منع نہیں، افریقہ
میں ایک سو کے مبلغ ۶۷ روپے آٹھ آنے چونکہ سرکار نے مقرر کئے ہیں، جس کا سکہ ہے اس
میں رعیت کو اختیار نہیں، لہٰذا وہ بھی جائز ہے، زیادہ احتیاط مد نظر ہو تو روپے کے بدلے میں
وہاں چلتے ہوئے نوٹ سے لیا کریں (اہلحدیث امرتسر ۸ ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ)

س: اگر کسی شخص پر کسی کا کچھ روپیہ بطور قرض واجب ہو، اور وہ شخص جس کا روپیہ قرض ہے
مر گیا یا لاپتہ ہے، کیا وہ شخص دیندار اس روپے کو خیرات کر دے، تاکہ اس کا مواخذہ نہ ہو، یا کیا
کرے؟ کیونکہ قرضخواہ کے وارثوں کا بھی پتہ نہیں، اور کافر کی طرف سے خیرات قبول نہ ہوگی۔

ج: میرے خیال میں یہ لقطہ (گری پڑی چیز) کے حکم میں ہے، جس کی بابت حکم ہے، کہ ایک
سال تک مالک کا انتظار کرے، اس کے بعد استعمال کر کے اصل مالک کا انتظار کرے، آئے، تو
دے دے، ورنہ نیت ادا کی رکھے اور بس (۱۸ ربیع الثانی سنہ ۴۱ھ)

س: اگر کوئی شخص کوئی جانور بوجہ تنگی خوراک مویشی کو ہنکا دیوے، کہ وہ جہاں چاہے جا کر گزر
اوقات کرے، ان مویشی کو اگر کوئی مسلمان پکڑ کر پرورش کرے، تو اس کا دودھ وغیرہ مسلمان کے
لئے جائز ہے یا نہیں؟ اگر ان مویشی کو مسلمان ذبح کر دیوے، تو مسلمانوں کے لئے اس کا گوشت
کھانا جائز ہے یا نہیں؟

ج: یہ مویشی ملک غیر ہیں، اس لئے بغیر اس کے مالک کے ان کا استعمال کرنا یا کھانا جائز نہیں۔
لَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (اہلحدیث امرتسر ۱۳ ھ ۲۰ مئی ۱۹۳۲ء)

س: اپنے اخبار اہلحدیث مورخہ ۲۰ مئی ۱۹۳۲ء میں سوال نمبر ۶۴ کا جو جواب دیا ہے، کیا
اس کا یہ مطلب ہے کہ تاڑی اتارنے کے لئے درخت کو کرایہ پر چھوڑنا جائز ہے؟ اگر ایسا ہے، تو
وہ اصلی تاڑی ہو جاتی ہے جس کی خرید و فروخت حرام ہے، اور آپ براہ مہربانی اس جواب ۱۲۶

کو بحوالہ قرآن وحدیث سمجھاویں۔

ج:۔ جہاں یہ مسئلہ لکھا ہے وہاں اس کی ساری تفصیل لکھی ہے، مطلب اس کا یہ ہے کہ تاڑی میں نشہ پیدائشی نہیں، بلکہ بعد میں گرمی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، جب تک اس میں نشہ نہیں، اس کا استعمال کرنا حرام نہیں۔

تعاقب برفتوی ۱۸۸ مندرجہ اہلحدیث ۲۲ جولائی ۱۹۳۲ء متعاقب نے نہ سوال نقل کیا نہ جواب، محض تعاقب کی عبارت سے ناظرین کچھ نہیں سمجھ سکتے اس لئے سوال مع جواب مکرر نقل ہے، پھر تعاقب درج ہوگا۔

س ۱۸۸ یہ علاقہ ایک راجہ کے ماتحت ہے، اور یہاں کا ایک طریقہ یہ ہے، کہ عام طور پر مردار چمڑے دیہاتی لاکر فروخت کرتے ہیں، جن کی بین شناخت ہے کہ یہ مردار ہیں، نیز قدرے قلیل ذبیح بھی اس میں شامل ہیں، مگر بہر کیف مردار چمڑے کی مشتری کو پوری شناخت ہے، علاوہ ازیں یہ چیزیں راجہ کی طرف سے نیلام کی جاتی ہیں، جس کا طریقہ یہ ہے، کہ جس کے نام نیلام ختم ہوگا اس کے علاوہ کوئی دوسرا شخص حلقہ اسٹیٹ میں یہ چیزیں نہیں خرید سکتا، زید بائع کو پوری قیمت دے کر چمڑے کو خریدے گا، اور یہ دو ہزار زیدنے راجہ کو گویا اس حق کے حصول کے لئے دیئے، کہ میرے سوا کوئی دوسرا شخص قانوناً چمڑا نہ خریدے۔

ج:۔ اس ٹھیکہ کا مطلب یہ ہے، کہ حکومت اپنا حق منافع اس کے ہاتھ بیچتی ہے، اس میں کچھ مواخذہ ہے، تو حکومت پر ہے ٹھیکیدار پر نہیں، بیع میں کوئی دھوکہ نہیں، بیع میں نہ بائع مجبور ہے اور نہ مشتری۔

تعاقب اہلحدیث مجریہ ۲۲ جولائی ۳۶ء جواب نمبر ۱۸۸ کے متعلق یہ عرض ہے کہ حکومت سے جو حق منافع خریدتا ہے، اس مشتری کے نزدیک مقدار مبیع کس قدر ہے، جس کی وہ ایک متعین قیمت منظور کرتا ہے، سوال ظاہر ہے، کہ مقدار مبیع مجہول ونامعلوم اور غیر متعین ہے، ممکن ہے کہ تعداد مبیع......۵ تک پہنچ جاوے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ......۳ تک بھی نہ پہنچے، اور یہ واقعہ بھی ہے

پس مشتری نے ایک.....ہم کی معین رقم کس قدر تعداد مبیع کے حق نافع کے صلہ میں راجہ کو ادا کی، مزید براں مبیع وحق منافع کی کیفیت وکمیت سے راجہ وٹھیکیدار ہر دو واقف، اگر کیا وجہ کہ مندو راجہ ماخوذ ہوا، اور ایک مکلف شرع مسلمان ٹھیکیدار آزاد وخود مختار یا للعجب! امید کہ تفصیل اور

وضاحت سے تشفی فرمائیں گے۔

جواب حکومت بائع نہیں نہ ہی مشتری ہے، بلکہ ٹھیکیدار اور ٹھیکہ گیر ہے، حکومت محض اپنا حق حکومت لیتی ہے، جو اس کے قانون میں جائز ہے، جیسے انگریزی علاقے میں بندوبست بیس سالہ اراضی پر حکومت کا حق لگان لگایا جاتا ہے، آج کل اس کی امثلہ بکثرت ہیں، یوں سمجھیے، کہ حکومت ایک معنی سے کمیشن یا دلالی لیتی ہے، جو اس کا حق حکومت ہے ایسی ضروریات کے لئے شرعیات سے جزئیات تلاش کرنے کی بجائے صرف اتنا ہی کافی ہے، کہ شریعت کی طرف سے ممنوع منصوص نہیں

(نوٹ) غالباً ٹھیکہ دار کو مشتری سمجھنے سے غلطی لگی ہے، حالانکہ وہ مشتری نہیں ہے۔ بلکہ ٹھیکہ گیر ہے، جو راجہ کو محض حق حکومت دیتا ہے، جس کے یہ معنی ہیں، کہ راجہ اس سے ایک قسم کا ٹیکس وصول کرتا ہے۔　　(اہلحدیث امرتسر ۲۱ر اکتوبر ۱۹۳۲ء)

س:۔ جو اشیاء خاص کر بتوں پر چڑھائی جاتی ہیں، اور دوکاندار کو معلوم ہیں، کہ یہ اشیاء بت پر چڑھائی جائیں گی، اس کا فروخت کرنا شرع میں کیسا ہے؟ اور فروخت کرنے والا کس گناہ کا مرتکب ہے؟

ج:۔ اگر وہ چیز ایسی ہے، جو سوائے چڑھاوے کے کھانے پینے میں بھی آسکتی ہے، جیسے حلوہ وغیرہ تو اس چیز کا بیچنا جائز ہے، چاہے چڑھانے والا اس کو کسی بت پر چڑھاوے، اور اگر ایسی ہے کہ خاص شرک میں کام آتی ہے، تو اس کا فروخت کرنا جائز نہیں لاتعاونوا علی الاثم والعدوان

(اہلحدیث امرتسر ص ۱۳، ۱۶ر دسمبر ۱۹۳۲ء)

س:۔ زید نے کہا بعد تعمیر مکان دعوت ضروری ہے، ورنہ نقصان یا کسی آفت کا اندیشہ ہے بکر برخلاف ہے، اور ایسی دعوت کو ریاکاری کی غرض بتلاتا ہے، نقرا کا ایسی دعوت میں حصہ نہیں ہوتا، صحت پر کون ہے؟

ج:۔ قاضی شوکانی نے نیل الاوطار میں سلف کا قول لکھا ہے، کہ تعمیر مکان کا دعوت بھی دعوت مستحب ہے ریاکاری کو تو ہر جگہ دخل ہے، اور ہر جگہ معیوب ہے۔ واللہ اعلم　　(۲۳ر دسمبر ۱۹۳۲ء)

س:۔ اب میرا ارادہ یہ ہے کہ ٹرام کمپنی کے شیئر پانسو روپے یا زائد کمی سے فروخت ہوتے ہیں، چھ ماہ کے بعد جو آمد کمپنی آتی ہے، اس میں سے حصہ دار پر تقسیم ہوتے ہیں، کوئی وقت پر زائد روپے ملتے ہیں، کوئی وقت پر کمی، روپے ملے، کبھی یا فرڈ یعنی انیٹنل ڈیسی ہو جاتی ہے تو بہت

نقصان ہوتا ہے، گویا سب روپے چلے جاتے ہیں، اس طرح سے کام شریعت میں کچھ نقصان ہے یا نہیں؟

ج:۔ نفع ونقصان میں شرکت ہو تو جائز ہے، شرکت سے کام کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوا ہے، اللہ اعلم (اہلحدیث امرتسر ص ۲۳، ۲۷ جنوری ۱۹۳۳ء)

س:۔ ایک دوکاندار کسی کو آلو، کسی کو مکئی اس وقت اس شرط پر دیتا ہے، کہ ہاڑی کے موقع پر یعنی جب گندم نئی آئے گی، لے لوں گا، یعنی جتنے آلو یا مکئی دی ہے، اتنی ہی گندم یا مکئی لے لوں گا، کیا اس طرح کرنا جائز ہے، جواب مدلل ہو۔

ج:۔ آلو اور مکئی اموال سودیہ میں نہیں ہیں، اس لئے ان کی بیع میں اختلاف ہے، ایک گروہ محدثین صورت مرقومہ کی بیع جائز کہتا ہے، قیاس کرنے والے منع کرتے ہیں۔

(اہلحدیث امرتسر ص ۱۳، ۲۴ مارچ ۱۹۳۳ء)

س:۔ اگر کوئی شخص ماہ پھاگن میں کسی کو ۵ من پختہ گندم اس شرط پر دیوے، کہ جب نئی گندم نکلے گی، تو ساڑھے ۵ من پختہ لے لوں گا، کیا یہ جائز ہے؟ جواب مدلل ہو۔

ج:۔ یہ حدیثوں میں منع آیا ہے، گندم قیمت مقرر کر کے لے لے اور قیمت مقررہ سے بیچے، واللہ اعلم (اہلحدیث امرتسر ص ۱۳، ۲ مارچ ۱۹۳۳ء)

س:۔ ایک شخص کے پاس زید وعمرو نے اپنے والدین کے بعد چند روپے طلب کئے، تب اس نے کہا، والدین کی کل املاک کا فروخت نامہ لکھ دو، اور تجارت کے لئے زیادہ روپیہ قرض دیتا ہوں، قرض ادا کرنے سے املاک واپس کر دینے کا سب لوگوں کے روبرو اقرار کیا تھا رشتہ دار ہونے امانت دار سمجھ کر دونوں نے فروخت نامے لکھ دیئے، تھوڑے روپے قرض دیئے بعدہ ان لوگوں نے وہ تین سال روپے ادا کر دیئے، دونوں کے احسان سے وہ زیادہ مالدار ہوگیا، مگر ہم کو دھوکا دے دیا، زید وعمرو کی ہمشیرہ میں سے بڑی نے عدالت میں ترکہ کے لئے عرضی دائر کر دی تھی، ہوگوں نے زیادہ روپیہ دلا کر فیصلہ کر دیا، چھوٹی ہمشیرہ کا ترکہ نہ ہوا تھا، وہ انتقال کر گئی، مگر اولاد بافضل بہت موجود ہیں، اب تک حیلہ حوالہ کرتے ہوئے املاک واپس نہ کیا، آمدنی اسی کے علاقہ میں تھی، اب چند دشمنی کے باعث ایک ناجائز رشتہ دار عورت پر خدا جانے کیسی محبت ہو گئی، نہ معلوم عورت کے لڑکوں کو بیس بیس ہزار روپیہ دیا تھا، اور لاکھوں روپے دے کر بیوپار لگا کر چلاتا ہے، اب امانت کا مال اس عورت کو بطور تحفہ فروخت کر دیا گیا ہے، جواب طلب یہ ہے، کہ کیا یہ فروخت

ٹھیک کیا گیا ہے، قرآن و حدیث کے مطابق ہے یا نہیں؟ ایسا شخص کیا ہو سکتا ہے؟

ج:۔ قرآن شریف میں ارشاد ہے اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ (وعدہ پورا کرو) اس لئے وہ املاک اس کو واپس کرنی چاہیئے، سوال کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے، کہ املاک کی بیع بطور اعتماد قرض تھی اصلی نہ تھی، لہٰذا وہ مشتری کی ملک نہیں ہوئی، اس لئے دوسری بیع جائز نہیں۔

(نوٹ) جواب سوال پر ہے، واقعہ کا علم خدا کو ہے

(اہلحدیث امرتسر ص ۱۳ ہم ر ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ)

س:۔ سرکاری نیم سرکاری بنکوں ڈاک خانہ پوسٹ آفس سیونگ بنک کا سود اہل اسلام کے لئے شرع محمدی کے مطابق جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے، تو سودی رقوم کا مصرف فتوی شرعیہ کے مطابق کیا ہونا چاہیئے؟ (المستفسر ملک ہدایت اللہ خاں لا ادیب فاضل) سوہدری ازد منگٹن نیگری۔

ج:۔ بارہا بتایا گیا ہے، کہ روپیہ بغرض حفاظت ان بینکوں میں رکھا جائے، تو حسب قاعدہ جو اس پر انٹرسٹ ملے، بعض علماء (مثل دیوبند، مفتی جمعیتہ العلماء دہلی مرحوم، مفتی مسجد چینیاں لاہور وغیرہ) جائز رکھتے ہیں، جمہور علماء ناجائز۔ (اہلحدیث امرتسر ص ۱۱ ۱۴ر اپریل ۱۹۳۳ء)

شرفیہ:۔ جمہور کا قول صحیح ہے، بعض مجوزین کا باطل ہے (ابو سعید شرف الدین دہلوی)

س:۔ ایک شخص کے پاس پچاس بیگھ زمین ہے، سامان کاشتکاری اس قدر موجود نہیں، کہ سب آباد کر سکے، اور کچھ مقروض بھی ہے، یہ زمین مہاجن کے پاس مکفول رکھ کر روپیہ لینا چاہتا ہے تو بغیر سود کے نہیں ملتا ہے۔

ایک مسلمان جس کے پاس زمین تو کم ہے، مگر روپیہ کام سے فاضل موجود ہے، یہ مسلمان اس شرط روپیہ دینا چاہتا ہے، کہ دس بیگھ زمین ہم کو رہن دخلی دے دو، اس کی مالگذاری بھی ہم ادا کریں گے، اور زمین آباد کریں گے، جس سے امید ہے، کہ سینکڑوں من غلہ پیدا ہو اور نفع ہو اور ساتھ ہی یہ بھی احتمال ہے، کہ پیداوار کم ہو، مالگذاری اور آبادی میں جو خرچ ہوا ہے اس سے بھی کم پیدا ہو، اور نقصان ہو، اس طرح روپیہ دے کر زمین رہن رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

ج:۔ صورت مرقومہ میں رہن الارضی بعض علماء کے نزدیک جائز ہے، ان میں سے مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم بھی ہیں، در اصل قیاس ہے، اس حدیث پر جس میں ذکر ہے، کہ جو شخص گھوڑا یا گائے رہن رکھے، وہ نفع کے بدلے میں دودھ اور سواری کا فائدہ لے سکتا ہے۔ اللہ اعلم

(اہلحدیث امرتسر ص ۱۳ ۲۸ر اپریل ۱۹۳۳ء)

شرفیہ دلیل مجوز عام کی عام نہیں خاص ہے، عام کو یا غیر مخصوص کو منصوص مخصوص پر قیاس کیا گیا ہے ملاوہ یہ بھی ایک قاعدہ ہے، کہ جو حکم خلاف قیاس ہو وہ مورد نص پر منحصر رہتا ہے، اس لئے وہ خلاف قیاس ہے، اور بحکم باری تعالیٰ لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل (الآیۃ پ ۲ ع) وقولہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دمائکم واموالکم واعراضکم علیکم حرام الحدیث متفق علیہ (مشکوۃ ص ۲۳۳ ج ۲) اصل اموال میں حرمت قطعی ہے، پس جب اصل اموال میں حرمت ہے، تو جب تک صحیح دلیل سے حلت کی تصریح نہ ہو قیاس سے خصوصًا جو حکم خلاف قیاس ہو، کسی مال کے قیاس سے حلت ثابت نہ ہوگی اور دلیل مجوز انتفاع کی جو تمام اشیائے مرہونہ سے انتفاع کو جائز جانتا ہے، یہ ہے، قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الظہر یرکب بنفقتہ اذا کان مرہونا ولبن الدر یشرب بنفقتہ اذا کان مرہونا وعلی الذی یرکب ویشرب النفقۃ رواہ البخاری (مشکوۃ ص ۲۵۰ ج ۱) اور بنفقتہ میں بار بدل اور عوض کی ہے کما یدل علیہ اثر الذی رواہ البخاری فی ترجمۃ الباب قال باب الرھن مرکوب ومحلوب وقال المغیرۃ عن ابراھیم ترکب الضالۃ بقدر علفھا وتحلب بقدر علفھا والرھن مثلہ انتہی (ص ۳۴۱ ج ۱ مطبوعہ مجتبائی دھلی)

امام بخاری نے حدیث کا معنی یہ بتایا ہے، کہ سواری مرکوب کی اور شرب لبن محلوب بقدر اجرت سواری وقیمت دودھ ہے، اس سے زاید حرام ہے، جیسے کہ اول مذکورہ سے اصل حرمت ثابت ہے، اور چونکہ یہ دونوں چیزیں ہی خلاف قیاس مخصوص ہیں، لہٰذا ان پر کسی اور چیز کو قیاس کرنا جائز نہیں، اور ویسے بھی یہ قیاس مع الفارق ہے، اس لئے کہ جانور مرہون بلا غذا ہلاک ہو جائے گا بخلاف زمین وغیرہ کے، بلکہ زمین بلا جوتنے کے اور عمدہ ہو جائے گی (اگر زمین جوتی بوئی نہ جائے تو بنجر ہو کر کلر ہو جانے کا خطرہ یقینی ہے، جیسا کہ زراعت کرنے والوں پر مخفی نہیں، اگر راہن مرتہن سے ۱۰-۲۰ سال تک بھی زمین واپس نہ لے سکا، اور مرتہن نے اس کو یوں ہی پڑے رہنے دیا، تو وہ یقیناً خراب ہو سکتی ہے) لہٰذا اور اشیاء کا اس پر قیاس مع الفارق ہے، جو باطل ہے، اگر اراضی کو ان پر قیاس بھی کیا جائے، تو پھر بقدر نفقہ لیا جائے گا، پس انتفاع اراضی مرہونہ باطل ہوا، اور اراضی مرہونہ کے بارے میں تو کنز العمال میں احادیث بھی وارد ہیں، ان میں باس امر کی یعنی حسب بقدر نفقہ کی تصریح ہے گو ان میں کچھ کلام بھی ہے، مگر ہیں ادلہ قطعیہ کے موافق، ملاحظہ ہو فتاوی نذیریہ اور فلہ متبتہم

فلکم رؤوس اموالکم الآیۃ (پ ۳ ع ۶) سے قطعی طور پر ثابت ہے، کہ مقرض کو مرتہن ہو یا غیر مرتہن راس المال سے زاید ایک پیسہ و حبہ بھی لینا حرام ہے، ربا ہے، اس کی تصریح ایک حدیث اور اثر سے بھی وارد ہے۔ عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا اقرض فلا یاخذ ھدیۃ رواہ البخاری فی تاریخہ وعن ابی بردۃ بن ابی موسیٰ قال قدمت المدینۃ فلقیت عبد اللہ بن سلام فقال لی انک بارض فیھا الربا فاش فاذا کان لک علی رجل حق فاھدی الیک حمل تبن او حمل قت فلا تاخذ فانہ ربا رواہ البخاری فی صحیحہ فی المناقب فی ترجمۃ عبد اللہ بن سلام (ص ۵۳۸ ج ۱ مطبوعہ مجتبائی دھلی)

اور حدیث کا یغلق الرھن الخ میں واقعی محدثین نے اختلاف کیا ہے، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس حدیث میں محدثین اختلاف کریں، وہ قطعاً غلط ہو، یہ جب ہے، کہ ایک راجح اور بالکل صحیح ہو، دوسری بالکل مرجوح غیر صحیح ورنہ بعض نے تو صحیحین کی بعض روایتوں میں بھی اختلاف کیا ہے، اعتراض کیا ہے، مگر ان کا اعتراض یا اختلاف غلط ثابت ہوا، اور حدیث مبحوث فیہ کی بعض محدثین ابن عبد البر اور عبد الحق نے متصل سند سے تصحیح کی ہے، اور حافظ صاحب نے صرف دار قطنی اور بیہقی کی روایت کو کہا ہے کلھا ای کل طرقھا ضعیفۃ اور اسانید کو نہیں کہا یہ مجیب کو مغالطہ ہوا ہے، باقی رہا مدرج ہونے کا اعتراض تو اس کا جواب یہ ہے، کہ ادراج کا علم چار طریق سے ہوتا ہے بیں ولک الادراج بورود روایۃ مفصلۃ للقدر المدرج مما فیہ او بالتنصیص علی ذلک من الراوی او من بعض الائمۃ المطلعین او باستحالۃ کون النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول ذلک کذا فی شرح نخبۃ الفکر ص ۶۳ اور یہاں تیسری صورت ہو سکتی ہے جس کی بنا اجتہاد پر ہے، جو قطعی نہیں، اور رواۃ کا اس میں اختلاف ہے، کہ آیا یہ لفظ مرفوع ہے یا موقوف و مدرج پس ادراج کی تقدیم ترجیح بلا مرجح ہے، اور اصل حدیث مرفوع میں رفع ہی ہوتا ہے، جب تک کہ عدم رفع صحیح دلیل سے صراحۃً ثابت نہ ہو، جو یہاں سے نہیں، اور پھر یہاں تو یہ روایت نہ بھی ہوتی، تب بھی حدیث صحیح بخاری کا یہی مطلب حرمت کا تھا اس روایت سے اس کی شرح و تفصیل و تصریح تھی اور بس، اصل مطلب خود حدیث بخاری و کتاب اللہ ہی سے ثابت ہے بتایئے لا یغلق الرھن الخ کا معنے وعلیہ غرمہ کے سوا اور ہو ہی کیا سکتا ہے کہ جب وہ مال راہن کا ہے، تو پھر نفع و نقصان کا وہی مالک و ذمہ وار ہے، اور یہ کتنا معقول ہے

کہ اتصال والا بھی ارسال کی نفی کرتا ہے، اور ارسال والا ارسال کا اثبات [illegible] تو محدثین کا یہ اصول بیان کرنا ہی غلط ہو جاتا ہے، جس سے معاذ اللہ ان کی اس امر سے ناواقفی کی طرف اشارہ ہے، یہ خبط الحواشی ہے، اور دار قطنی پر تعارض کا اعتراض بھی صحیح نہیں، ان کی سندیں کئی ہیں، بعض کو متصل بتایا بعض کو ضعیف، اور حاکم یا ترمذی کے تساہل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کی ہر تصحیح غلط ہو، ہاں جب کوئی محدث باقاعدہ اس پر جرح کرے، تو وہ قابل قبول ہے، اور ابوداؤد کے اپنی کتاب میں ارسال کو ترجیح دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اور کتب میں بھی ارسال ہی ہو، اور مختار الصحاح میں ہے، دبا الشئی زاد والضافیہ اربیت اذا اخذت مما اعطیت انتہی پس وہ زیادتی بلا معاوضہ ہی ہوئی، اگر لہ غنمہ وعلیہ غرمہ کو نظر انداز کیا جائے، تو بتایئے گا کہ بھینس یا گھوڑی مرہونہ مرتہن کے پاس بچے دیں، تو وہ کن کے، اور اگر وہ خود ہی مر جائیں تو نقصان کس کا۔ فافہم وتدبر۔

(ابو سعید شرف الدین دہلوی)

فائدہ مرہون

چیز مرہون سے فائدہ لینا مرتہن کو جائز نہیں، کیونکہ یہ سود ہے اور مسلمان بھائی کا مال حرام وجہ سے کھانا ہے قال اللہ تعالیٰ یایہا الذین امنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل وقال اللہ تعالیٰ الذین یاکلون الربوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس۔ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دمائکم واموالکم واعراضکم حرام علیکم کحرمۃ یومکم ھذا وبلدکم ھذا وشہرکم ھذا متفق علیہ۔

اگر مرتہن کھیتی کرے، یا مکان کرایہ پہ دیوے، یا حیوان کو کھلائے، تو جو کچھ خرچ کرے، اس کی آمدنی سے اتنا لے لے، اور باقی اس کے پاس امانت ہے، یا تو رہن کے قرض میں شمار کرے جب اس کا قرض پورا ہو جاوے، تو مرہون کو واپس کر دے، یا وہ باقی فائدہ راہن کو دے دیوے اس کا کھانا مرتہن کو جائز نہیں، اس واسطے کہ وہ حرام اور سود ہے، صحیح بخاری میں ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الظہر یرکب بنفقتہ اذا کان مرہونا ولبن الدر یشرب بنفقتہ اذا کان مرہونا وعلی الذی یرکب ویشرب النفقۃ۔ اس حدیث سے معلوم ہوا، کہ جتنا خرچ کرے اسی قدر سواری کرے، اور دودھ پیئے، اس حدیث کے یہی معنے صحیح بخاری میں ہیں قال المغیرۃ عن ابراہیم ترکب الضالۃ بقدر علفہا وتحلب بقدر علفہا والرہن مثلہ اور مجمع البحار میں ہے۔ الظہر یرکب بنفقتہ ای الدابۃ والظہر

ان المرهون لا يعطل منافعه ينتفع بها بالنفقة كمن هب احمد واسحق قالا ينتفع بحلب وركوب دون غيرهما بقدر النفقة واجيب للاكثر الذاهبين الى ان نفعه ونفقته للراهن وعليه بان ابداً بنفقته للمبيعة فلا يمنع الرهن الراهن من الانتفاع بالمرهون ولا يسقط عنه الانفاق انتهى، اور فتح الباری میں بھی اسی طرح ہے تفصیل تمام مطولوں کے دیکھنے والے متقی پرہیزگار کو اس سے خوب شفا ہو جاتی ہے، اور صحیح بخاری میں ہے

عن سعيد بن ابى بردة عن ابيه قال اتيت المدينة فلقيت عبد الله بن سلام فقال الا تجئ فاطعمك سويقا وتمرا وتدخل فى بيت ثم قال انك بارض الربا بها فاش اذا كان لك على رجل حق فاهدى اليك حمل تبن او حمل شعير او حمل قت فلا تاخذه فانه ربا انتهى (ج ا ص ۵۳۸) اور ابن ماجہ میں ہے عن يحيى بن ابى اسحق الهنائى قال سالت انس الرجل منا يقرض اخاه المال فيهدى له قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا اقرض احدكم قرضا فاهدى له او حمله على الدابة فلا يركبها ولا يقبله الا ان يكون جرى بينه وبينه قبل ذلك، ان سب سے معلوم ہوا، کہ جو کچھ خرچ کرنے کے بعد بچے، وہ راہن کو دیوے یا اس کے قرض میں حساب کرے، خواہ مکان مرہون ہو یا زمین یا باغ یا حیوان، اگر راہن خود خرچ کرے، تو مرتہن کو کوئی چیز لینی جائز نہیں، نہ دودھ پینا نہ سواری کرنا، نہ مکان کے کرایہ کی آمدنی سے لینا، اور نہ زمین کی زراعت اور باغ کے پھل سے لینا جائز ہے۔ اس واسطے کہ یہ حرام ہے، اور سود ہے واللہ اعلم۔ (عبد الرحمن عفی عنہ مدرس مدرسہ حاجی علی جان مرحوم دہلی)

(۲۳ رجادی الثانی ۱۳۳۹ھ)

تعاقب:۔ انتفاع بالمرہون کے بارے میں جمہور علماء رہئے مرہون میں حرمت کے قائل ہیں، اور بعض علماء ظہر اور ابن الدر میں جواز انتفاع اور اس کے ماسوا میں مثل جمہور علماء حرمت کے قائل ہیں۔

فتح الباری میں ہے۔ مع قول احمد واسحق وطائفة قالوا ينتفع المرتهن من الرهن بالركوب والحلب بقدر النفقة ولا ينتفع بغيرهما انتهى (ص ۲۸ ج ۲۶)

سبل السلام میں ہے ذهب احمد واسحق الى العمل بظاهر الحديث وخصوا

ذلك بالركوب والدر فقالوا ينتفع بهما بقدر رقيمة النفقة ولا يقاس غيرهما عليهما انتهى

غرض ماسوائے ظہر دلبن المدر میں سب علماء حرمت کے قائل ہیں، اور خاص ارض مرہونہ کے بارے میں وہ حدیثیں بھی آچکی ہیں جن کا ماحصل یہ ہے، کہ بعد وضع خرچ اخراجات کے جو باقی بچے، وہ قرضہ میں محسوب ہونا چاہیئے۔

یہ مانا کہ یہ ہر دو حدیث اعلیٰ طبقہ کی نہیں ہیں، ادنیٰ کی ہیں لیکن بعض علماء کے قول سے تو ان کی حیثیت کم نہیں ہے، پس اہلحدیث ۲۰ مارچ ۱۹۲۵ء کے جواب ۱۰۱ میں میرے خیال میں دوراندیشی اور غور سے کام نہیں لیا گیا، جو ربوا جیسے نازک معاملے میں ایسا کھلم کھلا فتویٰ جواز کا دے دیا گیا ہے۔ والسلام خیر الختام۔　　حررہ العاجز (مولانا) یوسف عفی عنہ

(یکم مئی ۲۵ء) از زیرہ۔ ضلع فیروزپور (پنجاب)

اراضی مرہونہ کا نفع

گذارش ہے، کہ اخبار اہلحدیث مورخہ ۲۰ مارچ ۲۵ء کے ص ۱۰ کالم ۱ میں سوال ۱۰۱ نظر سے گذرا، جو کہ اراضی مرہونہ سے نفع اٹھانے کے متعلق تھا، آپ نے اس کے جواب میں فرمایا ہے کہ

"زمین کی مالگذاری اگر مرتہن کے ذمے ہے، تو زمین کی پیداوار حاصل کر سکتا ہے"

اس پر مولوی محمد یوسف صاحب ساکن زیرہ فیروزپور نے عدم جواز کا تعاقب فرمایا ہے، جو اخبار یکم مئی ۲۵ء ص ۱ پر درج ہے، میں اس کے متعلق تین اکابر علمائے کرام کا فتویٰ پیش کرتا ہوں، امید ہے، کہ آپ اسے بھی شائع فرمائیں گے۔

مولانا مولوی محمد حسین صاحب مرحوم بٹالوی فرماتے ہیں "اراضی مرہونہ سے مرتہن کو نفع اٹھانا جائز نہیں، بلکہ اس سے نفع لینا راہن کا حق ہے، بموجب حدیث راہن کو رہن رکھنا نفع اٹھانے سے منع کرتا ہے لیکن اراضی مرہونہ سے مرتہن اس وقت نفع اٹھا سکتا ہے، جب کہ وہ تمام مالگذاری ادا کرے، اور راہن اجازت دے بجزاء عن النفقة على الرهون بموجب حدیث الظهر يركب۔ الحديث، گھوڑا وغیرہ جانور اگر گرو ہوں، تو ان کی خوراک کے عوض مرتہن ان پر سوار ہو سکتا ہے، اور دودھ پی سکتا ہے، یہ دونوں روایتیں مشکوٰۃ میں ہیں۔

(ابو سعید محمد حسین)　　(مولانا محمد صاحب دہلوی)　　(مہر)

(مولانا ابو طاہر بہاری مدرسہ احمدیہ آرہ کا رحال مدرسہ رحمانیہ دہلی)

ان حضرات کی دلیل بھی یہی حدیث ہے، مولوی صاحب کے الفاظ یہ ہیں "اگر اراضی مرہونہ پر کل اخراجات مرتہن خود کرے، اور راہن کے ذمے حالت رہن میں کوئی خرچ نہ ہو، تو اغلب مرتہن کو نفع بعوض اپنے نفقہ کے جائز ہوگا۔ جمہور کا مذہب اس کے خلاف ہے"

مولوی ابوطاہر صاحب کے مختصر الفاظ یہ ہیں۔ کلام فی الانتفاع بالارض المرھونۃ اذا کان المئون علیہ من نفقۃ وغیرھا مما تدعوالیہ الحاجۃ الخ

(محمد امین از امرتسر کٹڑہ بھائی)

مدیر۔ مولوی محمد امین صاحب نامہ نگار ہذا نے یہ تینوں فتوے قلمی مجھے دکھائے ہیں واقعی ان تینوں صاحبوں کے دستخطی ہیں (۲۲ / مئی ۲۵ء)

فتوی بابت انتفاع از مرہونہ

جناب مولانا صاحب مہربانی کر کے بغرض فائدہ عام فتوی ہذا شائع فرما دیں

(علیم الدین دلب پوری)

شئے مرہون کے ساتھ نفع لینے میں اجازت راہن کو کچھ دخل نہیں، بلکہ سود ہے، مگر چند اشیاء مرہونہ سے نفع لینا جائز ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الظہر یرکب بنفقتہ اذا کان مرھونا ولبن الدر یشرب بنفقتہ اذا کان مرھونا۔ رواہ البخاری وغیرہ۔ اس حدیث میں بسبب نفقہ کے مرتہن کو اشیاء مرہونہ سے فائدہ درست کہا گیا ہے۔ ان اشیائے مرہونہ کے ساتھ اور بھی بقیاس لاحق ہو سکتی ہے بعلت نفقہ اور کسب بھی مثل نفقہ ہے، اگر زمین رہن رکھ کر خود آباد کی، اپنے نفقہ و کسب میں جواز نکلتا ہے، قال الشوکانی فی النیل فتکون الفوائد المنصوص علیھا فی الحدیث للمرتہن ویلحق غیرھا من الفوائد بھا بالقیاس لعدم الفارق والکسب من جملتھا فلا وجہ للفرق بینہ وبینھا فتکون کلھا للمرتہن والمئون علیہ من نفقۃ وغیرھا مما تدعو الیہ الحاجۃ المرتہن انتہی۔ اور اگر علت نفقہ و کسب اپنا نہ ہو، تو شئے مرہون سے فائدہ لینا سود دینا جائز ہے، لگان و مالگذاری مرتہن ادا کرے، نہ راہن۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

حررہ احمد[1] سلمہ الصمد مدرس مدرسہ حاجی علی جان دھلی)

---

[1] حضرت شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ پرتاب گڈھی ثم الدہلوی رحمۃ اللہ علیہ یکے از مشاہیر و اکابر اہلحدیث ہند کثر اللہ سوادہم۔

وقال فی الفتح وفیہ حجۃ لمن قال یجوز للمرتہن الانتفاع بالرہن اذا قام بمصلحتہ ولو لم یاذن المالک۔ ہاں اگر مرتہن لگان اور مالگذاری اس زمین کی ادا نہ کرے، تو البتہ سود ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔ فقط۔

حررہ ابوطاہر البہاری عفی عنہ البلدی المدرس الاول فی المدرسۃ احمدیۃ الکائنۃ فی البلدۃ آرہ (۲۳ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ)

مرتہن کو اشیائے مرہونہ سے فائدہ اٹھانا لاریب جائز اور درست ہے

اخبار اہلحدیث مورخہ ۲۶ جولائی ۱۹۱۸ء میں کسی صاحب کی طرف سے یہ مضمون نکلا ہے کہ اشیائے مرہونہ کے ساتھ مرتہن کو فائدہ اٹھانا درست ہے یا نہیں؟ جواباً گذارش ہے کہ جائز و درست ہے۔ اخرجہ البخاری بلفظ الظہر یرکب بنفقتہ اذا کان مرہونا ولبن الدر یشرب بنفقتہ واخرجہ ابن ماجۃ عن ابی ہریرۃ مرفوعا وابوداؤد عنہ لبن الدر یحلب بنفقتہ اذا کان مرہونا والظہر یرکب بنفقتہ اذا کان مرہونا وعلی الذی یحلب ویرکب النفقۃ۔ قال ابوداؤد وھو عندنا صحیح انتہی واخرج الترمذی عنہ مرفوعا الظہر یرکب اذا کان مرہونا ولبن الدر یشرب اذا کان مرہونا وعلی الذی یرکب ویشرب نفقتہ قال الترمذی ھذا حدیث حسن صحیح واخرج الحاکم والدارقطنی من حدیث ابی ہریرۃ مرفوعا الرہن مرکوب ومحلوب۔

خلاصہ ان تمام روایات کا یہ ہے، کہ اشیاء مرہونہ سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، مگر بعض عالم یرکب ویشرب کا فاعل راہن کو جانتے ہیں، اور بعض مرتہن کو، فریق ثانی کا قول حق ہے اس لئے کہ بعض روایت میں لفظ مرتہن آچکا ہے، چنانچہ وہ روایت یہ ہے۔ حدثنا احمد بن داؤد حدثنا اسمٰعیل بن ابراھیم الصائغ حدثنا ھشیم عن زکریا عن الشعبی عن ابی ہریرۃ مرفوعا اذا کانت الدابۃ مرہونۃ فعلی المرتہن علفہا ولبن الدر یشرب وعلی الذی یشرب نفقتہ۔ اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ مرتہن ہی یرکب و یشرب کا فاعل ہے، باقی جو احادیث اس کے مخالف ہیں، اول تو وہ ضعیف ہیں، ثانیاً وہ اس کے مخالف نہیں ہیں، بلکہ ان احادیث میں مرتہن کو اشیاء مرہونہ کے ساتھ اور کسی قسم کی شرط جو جر منفعت

یں ہو، اس سے رد کیا گیا ہے، جیسا کہ صاحب سبل السلام وغیرہ نے کہا ہے، صاحب اعلام الموقعین نے اس بحث کو بسط کے ساتھ لکھا ہے (عبدالستار کلانوری، نزیل دہلی)

(۸ ر ذی قعدہ ۱۳۳۶ھ)

کیا اشیائے مرہونہ سے مرتہن کو نفع لینا جائز ہے

اس مضمون پر اہلحدیث[1] میں علماء نے خامہ فرسائی کی ہے، مولوی عبدالستار صاحب و مولوی عبدالجبار صاحب جواز کے قائل ہیں، اور مولوی عبدالوہاب صاحب عدم جواز کے قائل ہیں ناچیز کچھ تفصیل سے دونوں حضرات کے دلائل بیان کر کے اپنا خیال ظاہر کرتا ہے، مولوی عبدالوہاب صاحب یا وہ حضرات جو عدم جواز کے قائل ہیں، ان کی دلیل یہ روایت ہے کا یغلق الرھن من راھنہ لہ غنمہ وعلیہ غرمہ ابن حبان۔

مولوی عبدالجبار صاحب کا یہ فرمانا۔ کہ "یہ روایت ایسی کتابوں کی ہے، جن میں سب قسم کی حدیثیں ضعیف، موضوع، مقلوب، منقطع، مرسل بھری ہوتی ہیں، میرے خیال میں یہ الفاظ مناسب نہیں، کیونکہ علاوہ صحیحین، سنن اربع میں بھی ضعیف، مقلوب، منقطع، مرسل سے لازم آتا ہے کہ سنن اربع کی روایات ناقابل قبول ہیں، اہل فن سے لازمی ہے، کہ وہ کسی طبقہ کی کتاب کیوں نہ ہو، سب کی روایات پر غور کریں، ان کی روایت دیکھیں، علمائے محدثین کے کلام پر غور کریں، کہ انہوں نے کیا خیال ظاہر فرمایا ہے، بہت ممکن ہے، کہ ایسی کتابوں میں صحیح روایات اکثر موجود ہوں، اور جب کہ حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ، علامہ ابن جوزی، حافظ ذہبی ایسے حضرات نے اکثر ایسی موضوع اور ضعیف روایتوں کی تخریج فرما دی ہے، اس لئے ان کی کتب سے ایسی کتابوں

---

[1] حضرت العلام مولانا عبدالوہاب صاحب آروی کا مضمون بر سرخی "اشیائے مرہونہ سے نفع اٹھانا جائز نہیں بلکہ سود ہے" ۲۰ ر ستمبر ۱۹۱۸ء ص ۵ اخبار اہلحدیث امرتسر میں ہے، اس کا جواب حضرت العلام مولانا عبدالجبار صاحب کھنڈیلوی کے قلم سے بر سرخی "اشیاء مرہونہ سے نفع اٹھانا جائز ہے سود نہیں" ۱۱ ر اکتوبر ۱۹۱۸ء کے اہلحدیث ص ۹ پر شائع ہوا ہے، پھر اس کا جواب مولانا آروی صاحب نے ۲۰ ر دسمبر ۱۸ء کے اہلحدیث ص ۶ پر شائع کر دیا ہے فریقین کے مضامین نہایت قیمتی معلومات سے پر ہیں، ان ہی کی طرف جناب مولانا خالد صاحب بھوپالی نے اشارہ فرمایا ہے، افسوس کہ فتاوی کی محدود ضخامت کے پیش نظر ہم ان علمی مقالات کو مکمل طور پر شائع نہ کر سکے شائقین مذکورہ بالا پرچہ جات میں ان تفصیلی مقامات کو ملاحظہ فرما سکتے ہیں (مؤلف)

کے رواۃ کے حالات معلوم ہو سکتے ہیں، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ حدیث متذکرہ بالا کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔ کہ

لا یغلق الرھن من راھنہ لہ غنمہ وعلیہ غرمہ رواہ ابن حبان فی صحیحہ والدارقطنی والحاکم والبیھقی من طریق زیاد بن سعد عن الزھری عن سعید بن المسیب عن ابی ھریرۃ مرفوعا لا یغلق الرھن لہ غنمہ وعلیہ غرمہ واخرجہ ابن ماجۃ من طریق اسحاق بن راشد عن الزھری عن سعید بن المسیب عن ابی ھریرۃ مرفوعا واخرجہ الحاکم من طرق عن الزھری موصولۃ ایضا ورواہ الاوزاعی و یونس وابن ابی ذئب عن الزھری عن سعید مرسلا ورواہ الشافعی عن ابن ابی فدیک وابن ابی شیبۃ عن وکیع وعبد الرزاق عن الثوری کلھم من ابن ابی ذئب کذلک ولفظہ لا یغلق الرھن من صاحبہ الذی رھنہ لہ غنمہ وعلیہ غرمہ قال الشافعی غنمہ بزیادۃ وغرمہ ھلاکہ وصحح ابوداؤد والبزار والدارقطنی وابن القطان ارسالہ ولہ طرق فی الدارقطنی والبیھقی کلھا ضعیفۃ وصحح ابن عبد البر وعبد الحق وصلہ (تلخیص الحبیر ص۲۳۶) ۔

حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بحوالہ ابن حزم ایک روایت اور نقل فرمائی ہے، جو یہ ہے۔ وروی ابن حزم من طریق قاسم بن اصبغ نا محمد بن ابراھیم نا یحیی بن ابی طالب الانطاکی وغیرہ من اھل الثقۃ نا نصر بن عاصم الانطاکی نا شبابۃ عن ورقاء عن ابن ابی ذئب عن الزھری عن سعید بن المسیب وابی سلمۃ بن عبد الرحمن عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یغلق الرھن الخ قال ابن حزم ھذا اسناد حسن قلت اخرجہ الدارقطنی من طریق عبد اللہ بن نصر الاصم الانطاکی عن شبابۃ بہ وصححھا عبد الحق وعبد اللہ بن نصر بن عاصم تصحیف وانما ھو عبد بن نصر الاصم سقط عبد اللہ وصرف الاصم العاصم (تلخیص الحبیر ص۲۳۶)

غرض اس روایت کا مدار حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر ہے، اور کسی صحابی سے یہ روایت معلوم نہیں ہوتی، اور اس پر محدثین کا اتفاق ہے، کہ اس کے اکثر طرق ضعیف ہیں، اور ساتھ ہی مرسل بھی ہے، البتہ اگر اور طریقوں سے بصحت مروی ہوتی، اور اس کے خلاف کوئی اصح روایت نہ ہوتی، تو ضرور

قابل عمل ہو سکتی تھی لیکن اس کے مخالف صحیح روایت موجود ہے۔ عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یقول الظہر یرکب بنفقتہ اذا کان مرھونا ولبن الدار یشرب بنفقتہ اذا کان مرھونا وعلی الذی یرکب ویشرب النفقۃ۔

(نیل الاوطار ص ۱۰۲ بحوالہ ترمذی، ابن ماجہ، ابوداؤد)

پہلا مذہب امام ابوحنیفہ، امام شافعی رضی اللہ عنہم کا ہے، اور دوسرا مذہب امام احمد رضی اللہ عنہ کا ہے، امام احمد کے موافق ایک اور حدیث بھی ہے۔ اذا کان الدابۃ مرھونۃ فعلی المرتہن علفھا ولبن الدر یشرب وعلی الذی یشرب نفقۃ رواہ احمد۔ اس روایت کے متعلق علامہ شوکانی فرماتے ہیں۔

الحدیث لہ الفاظ منھا ماذکرہ المصنف ومنھا بلفظ الرھن مرکوب ومحلوب رواہ الدارقطنی والحاکم وصححہ من طریق الاعمش عن ابی صالح عن ابی ھریرۃ رض مرفوعا قال الحاکم لم یخرجاہ لان سفیان وغیرہ وقفوا علی الاعمش وقد ذکر الدارقطنی الاختلاف فیہ علی الاعمش وغیرہ ورجح الموقوف وبہ جزم الترمذی وقال ابن ابی حاتم قال ابی رفعہ یعنی ابامعاویۃ مرۃ ثم ترک الرفع بعد ورجح البیہقی ایضا الوقف (نیل الاوطار ص ۱۰۲)

غرض اس پر اتفاق ہے، کہ جس میں لفظ مرتہن کی زیادتی ہے، وہ روایت موقوف ہے مرفوع نہیں، علامہ شوکانی نے اس قول کی تائید میں ایک حوالہ حماد بن سلمہ کی روایت کا اور دیا ہے،

ویؤیدہ ما وقع عند حماد بن سلمۃ فی جامعہ اذا ارتھن شاۃ شرب المرتھن من لبنھا بقدر علفھا فان استفضل من اللبن بعد ثمن العلف فھو ربا ففیہ دلیل علی انہ یجوز للمرتھن الانتفاع بالرھن (نیل الاوطار ص ۱۰۳)

لیکن اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ مرتہن بقدر مصارف نفع اٹھا سکتا ہے مگر یہ روایت حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ و علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے استشہادا پیش کی ہے، اور اس میں کہیں لفظ مرفوعا نہیں، قطع نظر اس کے علامہ ذہبی رحمہ اللہ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے، کہ حماد بن سلمہ سے امام بخاری نے احتراز کیا ہے، اور امام مسلم نے بطور شواہد ان کی روایت لی ہے، حافظ صاحب علیہ الرحمۃ نے جو فرمایا ہے، کہ:۔

ترکب الضالۃ بقدر علفھا وتحلب بقدر علفھا وھذا الاثر وصلہ سعید

بن منصور عن ھشیم عن مغیرۃ بہ (یعنی جب کہ امام بخاری نے فرمایا وقال مغیرۃ عن ابراھیم النخعی) تو مغیرہ تک سعید بن منصور نے وصل کیا ہے، اور اسی روایت کی حماد بن سلمہ نے توضیح کی ہے

حافظ صاحب علیہ الرحمۃ اس حدیث مرفوع الظھر یرکب کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں

وفیہ حجۃ لمن قال یجوز للمرتھن الانتفاع بالرھن اذا قام بمصلحۃ ولو لم یاذن بہ المالک وھو قول احمد واسحاق وطائفۃ قالوا ینفع المرتھن من الرھن بالرکوب والحلب بقدر النفقۃ ولا تنتفع بغیرھما المفھوم (فتح الباری ص۱۰۱)

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے، کہ شارع علیہ السلام نے کسی صحیح روایت میں انتفاع کو محدود نہیں فرمایا، اور نہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے، کہ آپ نے علاوہ سواری اور دودھ کے جانوروں کے انتفاع کو ناجائز قرار دیا ہو، بلکہ یہ حکم عام ہے، اور مرتہن کو اختیار ہے، کہ وہ جس قدر چاہے، اس سے نفع اٹھائے، اور ہر شئے مرہونہ سے وہ متمتع ہو سکتا ہے، علامہ وقت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے اس مسئلہ پر نئی روشنی ڈالی ہے، فرماتے ہیں:-

میرے نزدیک ان دونوں حدیثوں میں اختلاف نہیں ہے، اور اس کا سبب یہ ہے، کہ پہلی حدیث میں حکم عام ہے، مگر جس وقت راہن کو شئے مرہونہ کے تلف یا ہلاک کا خوف ہو، اور مرتہن اس کا خرچ اٹھائے، تو ایسی صورت میں لوگ جس قدر انصاف کر دیں، اس شے سے مرتہن نفع اٹھا سکتا ہے"

گو حضرت شاہ صاحب نے دونوں روایتوں میں تطبیق دینے کی کوشش فرمائی ہے مگر پھر بھی اعتراض متذکرہ بالا کا جواب نہیں ہو سکتا، چنانچہ علامہ ابن قیم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:-

المثال الرابع والسبعون وردت السنۃ الثابتۃ الصحیحۃ بجواز رکوب المرتھن الدابۃ المرھونۃ وشرب لبنھا بنفقتہ علیھا کما روی البخاری فی صحیحہ ثنا محمد بن مقاتل انا عبد اللہ انا زکریا عن الشعبی عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الرھن یرکب بنفقتہ اذا کان مرھونا ولبن الدر یشرب بنفقتہ ولھذا الحکم من احسن الاحکام واعدلھا ولا اصلح للراھن منہ وما عداہ ففسادہ ظاھر فان الراھن قد یغیب ویتعذر علی المرتھن مطالبتہ بالنفقۃ التی تحفظ الرھن ویشق علیہ او یتعذر رفعہ الی الحاکم واثبات الرھن

واثبات غیبۃ الراھن واثبات ان قدر نفقتہ علیہ ھی قدر حلبہ ورکوبہ وطلبہ منہ الحاکم لہ بذلک وفی ھذا من العسر والجھد والمشقۃ ما ینافی الحنیفۃ السمحۃ فشرع الشارع الحکیم القیم بمصالح العباد للمرتھن ان یشرب لبن الرھن ویرکب ظھرہ وعلیہ نفقتہ وھذا محض القیاس وھو یخرج علی اصلین احدھما انہ اذا انفق علی الرھن صارت النفقۃ دینا علی الراھن لانہ واجب الاداء علیہ ویتعسر علیہ الاشھاد علی ذلک کل وقت واستیذان الحاکم فجوز لہ الشارع استیفاء دینہ من ظھر الرھن ودرہ (اعلام الموقعین ص ج ۲)

علامہ موصوف نے اس بحث کو نہایت وضاحت سے تحریر فرمادیا۔

تحریر بالا سے تین مذاہب معلوم ہوتے ہیں، ایک مذہب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ وغیرہ کا کہ انتفاع ناجائز ہے، ایک مذہب امام احمد رحمۃ اللہ وغیرہ کا کہ شئے مرہونہ پر جتنا خرچ کیا ہو، اسی قدر انتفاع جائز ہے، تیسرا مذہب جو ظاہر حدیث سے ثابت ہوتا ہے، کہ انتفاع شئے مرہونہ سے جائز ہے، اور اس میں یہ شرط فضول ہے، کہ جس قدر خرچ کرے، اتنا ہی لے، کیونکہ انتفاع کے معنی نفع حاصل کرنا ہے، جب مرتہن نے اس پر صرف کیا، تو اول تو اس کو اس کا حساب کتاب کرنا دشوار ہے، دوسرے وہ اس کی حفاظت بھی کرے گا، تیسرے اگر وہ اسی قدر شئے مرہونہ سے وصول کرے، جس قدر اس نے صرف کیا ہے، تو یہ انتفاع کہاں ہوا، یہ خواہ مخواہ کی دردسری ہے، پس بقول امام ابن القیم و حضرت سید اسمٰعیل امیر یمانی وغیرہ علیہم الرحمۃ شئے مرہونہ سے نفع اٹھانا جائز ہے، اور جب ان دو کا ثبوت بروایت صحیح ثابت ہے تو اور چیزوں کا بھی اسی پر قیاس کر لینا چاہیئے۔

ناچیز کی تحقیق اس مسئلہ میں یہ ہے، اور علماء اس پر روشنی ڈالیں گے، ممکن ہے، کہ انشاءاللہ مفصل اس مسئلہ پر لکھنے کی مجھے ضرورت ہو۔ وصلی اللہ علی محمد وآلہ وسلم

(از قلم) حضرت مولانا خالد (صاحب التصانیف العدیدۃ)

(اہلحدیث امرتسر) ۲۹ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ)

س: - کسی تجارت میں روپیہ بطور مضاربت دیا گیا، مگر اس شرط پر کہ اگر تجارت میں نقصان ہو، تو ہم اس کے ذمہ دار نہ ہوں گے، اور ہمارے راس المال میں کوئی اثر اس کا نہ ہو، کیا ایسا جائز ہے؟ (بانو بیگم بنارس)

ج:۔ عقد مضاربت میں، نفع و نقصان میں شرکت ضروری ہے، صورت مذکورہ میں عقد مضاربت نہیں۔ بلکہ سود ہے (۸؍ صفر ۳۹ھ)

س:۔ زید سوداگر چرم ہے، اور بکر خریدار زید سے کچھ روپے کا سودا ادھار لیتا ہے۔ اور زید بکر سے اپنی بہی پر ایک آنہ کا ٹکٹ لگوا کر اقرار لکھواتا ہے، کہ اگر اقرار پر روپیہ نہ دو گے، تو روپیہ مذکور مع سود ڈیوڑھے لئے جاویں گے لیکن زید کی نیت سود لینے کی نہیں ہے، اب آپ بموجب شرع شریف بیان فرمائیں، کہ زید کو سود لکھوانا جائز ہے یا نہیں؟

ج:۔ جائز نہیں، حدیث شریف میں آیا ہے، کہ جو شخص کفر پر قسم کھالے، چاہے وہ سچا ہو، تو بھی گنہ گار ہے، اس لئے کوئی اور صورت اختیار کرنی چاہیئے، جس سے رقم کو بھی نقصان نہ پہنچے، ناجائز طریق بھی نہ ہو۔ (۲۹؍ اکتوبر ۱۹۲۰ء)

س:۔ کوئی سوداگر پیشہ چند روز میں کسی ساہوکار مسلمان کا روپیہ لے کر دیوالہ نکال کر بیٹھ جاوے یہ جائز ہے؟ حالانکہ روپیہ ادا کرنے کی طاقت ہے۔

ج:۔ مال مردم کسی صورت میں کھانا جائز نہیں، قطعاً حرام ہے (۱۵؍ دسمبر ۳۳ء)

س:۔ ہم اپنا مال برابر دوسرے ملک میں جا کر تاجروں کے ہاتھ فروخت کرتے ہیں، بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے، کہ روپیہ تاجر جلد نہیں دے سکتا جس کے سبب سے پندرہ بیس روز تاجر کے یہاں رہنا پڑتا ہے، اور اس کے یہاں کھانا بھی کھانا پڑتا ہے، مولوی صاحبان کہتے ہیں، کہ ان کے ہاں کھانا سود ہے؟

ج:۔ بعض لوگ اس کو سود کے مشابہ یا شبہ سود کہتے ہیں، مگر دراصل یہ سود نہیں۔ بلکہ اس حدیث کے ماتحت ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض خواہ کو قرض سے زیادہ دیا تھا، اس قسم کا کھلانا تاجروں کے عرف عام میں داخل ہے (۱۷؍ جون ۱۹۲۷ء)

مفتی مرحوم نے جس حدیث کے پیش نظر یہ جواب تحریر فرمایا ہے، وہ یہ ہے۔ عن انس رض انہ سئل عن الرجل یقرض اخاہ المال فیھدی الیہ فقال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقرض احدکم قرضا فاھدی الیہ او حملہ علی الدابۃ فلا یرکبھا ولا یقبلہ الا ان یکون جری بینہ وبینہ قبل ذلک اخرجہ ابن ماجہ۔ حضرت انس رض سے اس شخص کے بارے میں فتویٰ طلب کیا گیا، جو اپنے بھائی کو کچھ مال بطور قرض دیتا ہے، وہ بھائی اس کی طرف کچھ ہدایا و تحائف بھیجتا ہے، اس کے جواب میں حضرت

انس رضؓ نے کہا، کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی شخص کسی کو کچھ قرض دے، اور وہ مقروض اس کی طرف کچھ ہدیہ بھیجے، یا اپنی سواری اس کے لئے پیش کرے، تو وہ قرض دینے والا اس کی سواری پر نہ بیٹھے، نہ اس کا ہدیہ قبول کرے، ہاں اگر پہلے ہی سے ان میں آپس میں ایسا ہدیہ، تحفہ لینے دینے کا دستور ہے، اور اس قرض کی وجہ کو اس میں کچھ دخل نہیں تو پھر کچھ ہرج نہیں ہے، مفتی مرحوم کے لفظ "عرف عام" کا یہی مطلب ہے (مؤلف)

س:۔ اگر دکان میں کوئی اجنبی گاہک مال خریدنے آوے، اور قیمت دے جاوے یا دوسری دوکان سے خرید کر لایا ہو، اور مال بھول کر چلا جاوے، اور یہ نہ معلوم ہو، کہ وہ کہاں کا رہنے والا تھا، تو اب اس کے بھولے ہوئے اور چیز کو کیا کیا جاوے۔

ج:۔ بھولی چیز لقطہ ہے، ایک سال تک اس کے مالک کا انتظار کیا جائے، نہ آئے تو اس کو پہچان کر استعمال کریں، کبھی اس کا مالک آجائے تو قیمت دے دیں۔

(اہلحدیث ۱۷ رجمادی الثانی ۱۳۳۳ھ)

تشریح قیمتی چیزوں کے لئے یہ حکم ہے، الدرالبہیہ میں ہے۔ ولا باس بان ینتفع الملتقط بالشئ الحقیر کالعصا والسوط ونحوهما بعد التعریف بہ ثلاثا (الروضۃ الندیہ ج ۲ ص ۲۴۴) یعنی کوئی چھوٹی موٹی چیز مثل عصا یا کوڑا وغیرہ کے کسی کو مل جاوے، تو اس کو تین دن تک معلوم کرائے، اگر اس کا مالک معلوم نہ ہو سکے، تو پھر اس کے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، جیسا کہ احمد و ابوداؤد میں حضرت جابر سے حدیث مروی ہے۔ قال رخص لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی العصا والسوط والحبل واشباھہ یلتقطہ الرجل ینتفع بہ و فی اسنادہ المغیرۃ بن زیاد وفیہ مقال و قد وثقہ وکیع وابن معین وابن عدی وفی الصحیحین من حدیث انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم مر بتمرۃ فی الطریق فقال لولا انی اخاف ان تکون من الصدقۃ لاکلتھا وقد اخرج احمد والطبرانی والبیھقی من حدیث یعلی بن مرۃ مرفوعا من التقط لقطۃ یسیرۃ حبلا او درھما او شبہ ذلک فلیعرفھا ثلثۃ ایام ان کان فوق ذلک فلیعرفہ ستۃ ایام زاد الطبرانی فان جاء صاحبھا فلیصدق بھا (حوالہ مذکور)

ان روایات کا مفہوم بھی یہی ہے، کہ رسی، عصا، کوڑا یا ایک چھوٹی تک چیزیں تین دن تک

یا پھر زیادہ سے زیادہ چھ دن تک مشتہر کی جاویں، بعد میں ان کو استعمال میں لایا جا سکتا ہے، یا پھر صدقہ کر دیا جائے (مؤلف)

س: زید مبلغ بیس روپے عمرو کو اس شرط پر دیتا ہے، کہ کاتک میں وقت مقررہ پر گیہوں بیس سیر کے بھاؤ لوں گا، حالانکہ اس وقت گیہوں کا بھاؤ پندرہ سیر کا ہے، یہ جائز ہے یا نہیں؟

ج: جائز ہے، اس کا نام بیع سلم ہے (۱۰ ر مئی ۳۵ء)

س: ہمارے ملک میں ایک سال میں دو وقت اناج کی فصل ہوتی ہے، فصل کٹنے کے وقت پر رعیت لوگ اپنے حسب ضرورت اناج رکھ کر بچت اناج کو فروخت کر دیتے ہیں، اس وقت تمام تاجر لوگ اس اناج کو خریدتے ہیں، میں بھی خریدتا ہوں، چند دن بعد جب کچھ نفع سے بھاؤ آتا ہے، تو کچھ نہ کچھ نفع یا اپنا اصل مبلغ وصول ہونے تک اس اناج کو ٹھہرا کر فروخت کر دیتا ہوں، خاص کر قیمت کو بڑھانے کے خیال سے روکتا نہیں، اور اتنے دن ٹھہرا کر فروخت کرنا کر کے کوئی میعاد بھی مقرر نہیں کرتا کبھی نقصان بھی ہو جاتا ہے، یہ تجارت جائز ہے یا نہیں؟

ج: صورت مرقومہ جائز ہے، حدیث شریف میں احتکار سے منع آیا ہے، احتکار اس صورت کو کہتے ہیں جس میں غلہ روکنے سے آبادی میں قحط پڑ کر تکلیف ہو، معمولی موسمی اتار چڑھاؤ سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، اگر یہ نہیں، تو پھر تجارت کون کرے گا (۸ ر فروری ۳۵ء)

س: ایک شخص نے اپنی کچھ جائداد ایک شخص کے نام بچند شروط ہبہ کر دی، کہ فروخت وغیرہ نہ کرنا کہ میرا نام زندہ رہے وغیرہ اس کی آمدنی سے صرف متمتع ہونا ہے۔ (اور دوسری جائداد اپنے ہی نام پر چھوڑ کر مر گیا) اب وہ شخص مر گیا، بعد کو موہوب لہ نے اس ہبہ شدہ جائداد کو فروخت وغیرہ کرنا شروع کر دیا ہے، کیا ایسا کرنے سے وہ منع کیا جا سکتا

ج: سوال ہذا میں فروخت نہ کرنے کی جو شرط ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ ہبہ نہیں بلکہ وقف ہے، اس لئے بیع کرنا جائز نہیں، بیع سے روک دینا چاہیئے، واللہ اعلم

(۹ ر اگست ۱۹۳۵ء)

س: ایک آدمی نے ایک مردہ جانور کو جان بوجھ کر ذبح کیا، اس کے گوشت کو فروخت کرنے والے، اور لینے والے جو کھاتے ہیں، ان کے اوپر کیا حکم ہے؟

ج: مردہ جانور کا گوشت حرام ہے، ایسا شخص جو مردہ جانور کا گوشت بیچتا ہے، لوگوں کو حرام

کھلاتا ہے، جس سے وہ سخت گنہ گار ہے (۲۲ فروری ۱۹۱۸ء)

س:۔ زید نے بکر کو ٹی روپیہ دس سیر گندم طے کر کے چند ماہ معینہ پر دیا، اب بکر نے مدت مقررہ پر لوٹا نہیں کیا، پھر زید نے بعد مدت دراز اس روپے کا جو یا دوسری چیز نرخ بازار سے لینا چاہتا ہے، کیا درست ہوگا؟

ج:۔ بیع اول بیع سلم ہے، اس کے ماتحت وہی لے گا جو لینا کیا ہے، دوسری چیز دوسری بیع سے لے گا (۸ مئی ۱۹۳۱ء)

س:۔ تعلیم علم دین، دینی وعظ، امامت اور اذان پر تنخواہ یا اجرت لینی شرعاً جائز ہے یا نہیں

ج:۔ ایسے کام اجرت کی نیت سے بھی کرنا بہ نسبت دوسری اجرتوں کے اچھا ہے، کیوں کہ اس میں دنیاوی فوائد کے علاوہ دینی اشاعت بھی ہے، حدیث شریف میں ہے احق ما اخذ تم علیہ اجرا کتاب اللہ (۲۱ جولائی ۱۹۱۸ء)

س:۔ الربوا سبعون جزءا ایسرھا ان ینکح الرجل امہ اس کے علاوہ ۶۹ دیں اجزا کیا کیا ہیں۔ لفظ "امہ" کا معنی اخبار اہلحدیث میں ارسال فرمادیں۔

ج:۔ کسی حدیث میں ان اجزاء کی تشریح مجھے نہیں ملی۔ کسی صاحب کو معلوم ہو تو اطلاع دیں (۱۹ جون ۱۹۳۱ء)

س:۔ جھٹکا خور اور جھٹکا کرنے والے سکھ کے ہاتھ کی خشک و تر اشیاء خرید کر کھانے کا کیا حکم ہے؟ (سردار محمد پنڈوری)

ج:۔ اصول تجارت مانع نہ ہوں، تو سکھوں کے ہاتھ سے کوئی چیز خرید کرنا جائز ہے، چاہے وہ جھٹکا کھاتے ہوں، ان کی خوراک کا اثر بیع پر نہیں ہو سکتا (۱۳ صفر ۱۳۴۶ھ)

س:۔ حلال جانوروں مثل، گائے، بیل، بکری وغیرہ کا خشک خون اس کی خرید و فروخت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

ج:۔ جو خون ذبح کے وقت جاری ہو وہ تو ہر حال میں ناجائز ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا، دوسرا کسی قسم کا خون ہو، تو جائز ہے، واللہ اعلم (۱۰ شوال ۱۳۴۷ھ)

س:۔ کسی نے قرضہ دیا جس کو دیا اس کی رضامندی پر زیادہ لیا، یا قرضہ لینے والے شخص نے زیادہ دیا۔ تو لینا کیسا ہے؟

ج:۔ قرضدار بغیر مقرر کرنے کے از خود زیادہ دے دے، تو لینا جائز ہے۔ حدیث میں ایسا آیا ہے (۲۱ محرم ۱۳۳۰ھ)

س:- زید ایک گھوڑا گاڑی کے ذریعہ سے اپنی روزی کماتا ہے، اور اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ سیندھی کے پیپے جس میں سیندھی بھری ہوتی ہے، ایک مقام سے دوسرے مقام کو لے جایا کرتا ہے، جواب طلب صرف یہ بات ہے، کہ از روئے شرع شریف اس کی مزدوری جائز ہے یا ناجائز؟

ج:- سیندھی اگر نشہ آور ہے، تو اس کی حمالی کرنا، یعنی ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانا حرام ہے حدیث شریف میں اس پر لعنت ہے۔ اللہ اعلم (۵ محرم سنہ ۳۹ھ)

س:- تجارت کے اندر منافع کے ساتھ خرید و فروخت از روئے شرع کیا حکم رکھتا ہے، کیا اس قسم کا خرید و فروخت سود کے اندر داخل ہے یا الگ ہے۔

ج:- تجارت میں تو نفع ہی مقصود ہوتا ہے، اگر بائع صاف کہہ دے، کہ یہ چیز ایک روپے سے خریدی ہے، اور اس پر اتنا (۲ر یا ۴ر) نفع لوں گا۔ تو بھی جائز ہے، اس کے سوا سائل کی مراد اگر کچھ اور ہو، تو واضح لفظوں میں بیان کرے۔ (۱۷ر دسمبر ۱۹۳۶ء)

س:- اجارہ پر کھیت دینا یا اس کا غلہ کھانا کیسا ہے، جب کہ مالک کو مال گذاری کھیت کا خود اجارہ دار دیتا ہے، اور خود جوتتا بوتا ہے، تو اس قسم کا اجارہ دیا زمین خریدنے کا کیا حکم ہے؟

ج:- زمین کو اجارہ یا گرو کے طریق پر لینا جس میں مالک کو بھی حصہ دیا جائے، جائز ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایسا ہوا بعض حدیثوں میں جو اجارہ پر زمین دینے سے ممانعت آئی ہے، اس سے مراد بالکلیہ ممنوع یا حرام نہیں، بلکہ یہ مطلب ہے، کہ کسی غریب مسلمان کو استعمال کے لئے زمین مفت دے دے تو افضل ہے (۱۷ر دسمبر ۱۹۳۶ء)

شرفیہ:- اجارہ کا جواب صحیح ہے، گروی کا نہیں، اس میں اجمال ہے اور شبہ حرمت لہٰذا ممنوع ہے (ابو سعید شرف الدین، دہلوی)

س:- کفار سے سود لینا اس زمانے میں جائز ہو سکتا ہے یا نہیں؟

ج:- ہرگز نہیں لقولہ تعالی حرم الربوا ؕ لا یتز سود حرام ہے (۲۴ر دسمبر ۱۹۳۶ء)

س:- نوٹ لے کر روپیہ دینا، اور نوٹ والے شخص سے بٹہ لینا جائز ہو سکتا ہے یا نہیں؟ جب کہ کاغذ لے کر چاندی دے سکے، عوض میں بٹہ لینا کیسا ہے؟

ج:- جائز ہے (۲۴ر دسمبر ۱۹۳۶ء)

س:- کمائی عورت زانیہ اور چور اور سود خوار کی کمائی ان کے تائب ہو جانے کے بعد کیا حکم

رکھتی ہے یعنی حلال ہے یا حرام؟

ج: توبہ کے متعلق قرآن شریف میں آیا ہے۔ الامن تاب وامن وعمل صالحا فاولئک یبدل اللہ سیئاتہم حسنات۔ یعنی سچی توبہ کرکے نیک عمل کرنے والے کی برائیاں خداتعالیٰ نیکیوں سے بدل دیتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے، التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہوجاتا ہے، جیسا کہ اس کا کوئی گناہ نہیں ہے، سود خوار کے متعلق قرآن پاک میں صاف ارشاد ہے۔ فمن جاءہ موعظۃ من ربہ فانتھی فلہ ما سلف۔ جو شخص نصیحت سننے کے بعد رک جائے، تو اس کے لئے ہے جو پہلے ہو چکا، اور اس کا کام سپرد خدا ہے، کہ اس نے سچے دل سے توبہ کی ہے یا محض ریا ہے

ان آیات سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے، کہ زانیہ عورت کی خرچی بعد سچی توبہ کے حلال ہو جاتی ہے، حافظ ابن قیم کا رجحان بھی اسی طرف ہے، اور حافظ عبداللہ غازی پوری مرحوم بھی اسی کے قائل تھے، میری رائے ناقص میں سود خوار کے مال کا یہی حکم ہے، کیوں کہ دونوں صورتوں میں وجہ ایک ہے یعنی اخذ مال برضائے مالک برخلاف حکم شریعت میں اپنی رائے پر اعتماد نہیں کرتا حضرات علمائے کرام کے جواب کا انتظار ہے

چوری کا مال ہرگز جائز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس میں مالک کی رضامندی نہیں ہوتی۔

(۳ رجون ۱۹۳۶ء)

شرفیہ: یہ استدلال کہ سود میں رضائے مالک ہوتی ہے عجیب استدلال ہے یہ کس دلیل سے ثابت ہے، کہ جہاں رضائے مالک ہو، مال حکم جواز ہے۔ زانیہ اپنی رضا سے کراتی ہے، تو کیا زنا جائز ہے، زانیہ حرام کے بچے کو قتل کرائے تو! اور کوئی شخص کسی کو قتل کرنے کے لئے مال دیتا ہے، اس میں بھی، مالک کی رضا ہے، کہ یہ مال حرام بعد توبہ حلال ہو جائے گا۔ ہرگز نہیں، لہٰذا استدلال باطل ہے (شرف الدین۔ دہلوی)

س: چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ اگر مال از کسب زنا و غنا و نیاحت حاصل شود، عند الشرع در مال مذکور چہ حکم است، جواب مطابق مذہب حنفی تحریر کردہ شود۔ بینوا توجروا

ج: در کتب فقہ می نویسند کہ آنچہ مال از کسب زنا و غنا و نیاحت وغیرہ باشد پس سبیل آن است کہ آن را بارباب اموال رد کند اگر معلوم باشند واگر معلوم نہ باشند صدقہ کردہ دہد از ذرات ایشاں تا اگر عین مال بایشاں نرسیدہ ثوابش برسد۔ بجب رده علی اربابہا ان علموا

والا تصدق لیصل ثوابہ ان لم یصل عینہ کذا فی ایضاح الاصلاح شرح امداد الفتاح۔ وفی المنتقی امراۃ نائحۃ او صاحبۃ طبل او صاحبۃ زمارۃ اکتسبت مالا ردتہ علی اربابہ ان علموا والا تتصدق بہ کذا فی الھندیۃ والطحطاوی من کان عندہ مال حرام فھو مامور بتصدقہ علی الفقراء الیٰ آخر ما فی سنح الازھر لا یجوز اخذ الاجرۃ علی الغناء والنوح والملاھی لان الملاھیۃ لا یتصور استحقاقھا بالعقد فلا یجب علیہ الاجر وان اعطاہ الاجر وقبضہ لا یحل لہ ویجب علیہ ردہ کذا فی الزیلعی والعینی وغیرھما من کتب الفقہ واجمعوا علی ان اجرۃ الزنا باطلۃ کذا فی العینی شرح صحیح البخاری والقسطلانی وشرح النووی وغیرہ وسبب رد این ست کہ ہرگاہ گیرندہ مال بوجہ حرام وزنا وغیرہ مالک آن نشد پس آن مال از ملک مالک خارج نگشتہ، درین صورت طریق رسانیدن حقوق عباد ہمین است، کہ آنرا بمالکش برساند اگر معلوم باشند والا از طرف ایشان صدقہ کند ودلیل برین مدعی این آیہ کریمہ را میگردانند ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا الآیۃ قال فی البیضاوی خطاب المکلفین والامانات وان نزلت یوم الفتح فی عثمان بن طلحۃ انتھی ما فیہ وھکذا فی الجلالین والنیشاپوری وغیرھما ودر بنا مسجد ومرمت آن مال حلال طیب ضرور باید چہ مسجد کہ از مال حرام تیار بود باشد خواندن نماز دران مکروہ است ونزد امام احمد حرام ودر چاہ ہم صرف نہ کنند بلکہ بفقراء ومساکین بدہند باین نیت کہ ثواب این مال بمالک آن مال برسد تا از عذاب اخروی رہا شود[1] واللہ اعلم۔ حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

(فتاوی نذیریہ جلد ۲ صفحہ ۳۲)

س: اناج کو فصل سے پیشتر خرید وفروخت کرنا جائز ہے یا کیا؟ یعنی اناج دھان وغیرہ اگنے کے تین چار ماہ پیشتر خرید وفروخت کرنا۔

ج: حدیث شریف میں آیا ہے، کہ کھیت اور باغ کی صلاحیت پیدا ہونے سے پہلے خرید وفروخت نہیں چاہیے۔

حدیث: عن عبد اللہ بن عمر نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن

---

[1] خلاصہ یہ ہے کہ زنا وغیرہ سے حاصل کردہ مال ان کے مالکان کو واپس لوٹائے، یا ان کی طرف سے فقراء ومساکین پر صدقہ کر دے ۱۲ (راز)

بیع الثمار حتی یبدو صلاحہا نھی البائع والمشتری متفق علیہ وفی روایۃ لمسلم نہی عن بیع النخل حتی تزھو وعن السنبل حتی یبیض ویامن العاھۃ (مشکوۃ جلد ا ص ۲۴۷) ترجمہ تقریبًا وہی ہے جو حضرت مفتی مرحوم تحریر فرما چکے ہیں (مؤلف)

س:۔ ایک شخص نے دوسرے کو تجارت کے لئے روپے دے کر ۲ ر ہفتہ وار فائدے میں لینا مقرر کیا، یہ سود ہے یا نہ؟

ج:۔ مقرر کرنا سود ہے، نفع ونقصان میں شریک ہونا جائز ہے (۱۶ ر اپریل ۲۶ء)

س:۔ سودی تمسکات لکھنے کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے، اوران کی لکھائی لینا جائز ہے یا نہیں؟

ج:۔ حدیث شریف میں ممانعت ہے (۱۶ ر اپریل ۲۶ء)

حدیث شریف یہ ہے۔ عن جابر قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکل الربوا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء رواہ مسلم (مشکوۃ شریف جلد اول ص ۲۴۴) یعنی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیاج کھانے والے اور کھلانے والے اور اس کے لکھنے والے اور اس کی گواہی دینے والے سب پر لعنت فرمائی، اور فرمایا کہ گناہ میں یہ سب برابر ہیں۔

س:۔ زید کہتا ہے، کہ شئے واحد کو اس طرح بیچنا کہ ایک من گندم کی قیمت اصلی بازار میں پانچ روپے ہے، اب اگر کوئی نقد قیمت دے کر خریدتا ہے، تو اسی قیمت اصلی پر بیچنا، اور اگر کوئی ادھار پر خریدتا ہے، تو وہ ایک من گندم کو سات روپے پر بیچنا بموافق حدیث ابوہریرہ رض قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیعتین فی بیعۃ وایضا لابی داؤد من باع بیعتین فی بیعۃ فلہ اوکسھما اوالربوا سود وحرام ہے، اور بکر کہتا ہے، کہ یہ بیع وفروخت حلال وجائز ہے، ان دونوں صاحبان میں سے کون حق وصواب پر ہے، بیان مفصل بدلیل مطلوب ہے (سائل ابوعبدالحکیم نسیم الدین نگپوری بنگال)

ج:۔ شئے واحد کو نقد کم قیمت پر اور ادھار زیادہ قیمت پر بیچنا جائز ہے، بشرطیکہ بات قطعی ہو جائے گومگو نہ رہے، یعنی مشتری یہ کہے، کہ قیمت ادھار ہے، فلاں روز دوں گا، بائع اس پر چیز کی قیمت قطعی کہہ دے، ایسا نہ کریں، کہ نقد لے گا، تو ایک روپیہ ادھار لے گا، تو سوا روپیہ، اور مشتری بغیر طے کئے کسی بات کے اٹھا کر لے جائے بیعۃ فی بیعتین کے معنی نہیں، صورت

صاف ہے، تو جائز ہے (نیل الاوطار) (۳۰ر اپریل ۱۹۳۶ء)

(نوٹ) پہلے بھی اس بارے میں مفصل تشریح فتاوی نذیریہ سے نقل کی جا چکی ہے (مؤلف)

س) زید کپڑے کی تجارت کرتا ہے، اور خصوصاً اس کے خریدار سنتال اور پہاڑیے ہیں، یہ لوگ گاہے بگاہے شراب پی کر زید مذکور کی دوکان پر آتے ہیں جس کے باعث زید کو سخت نفرت و کراہت ہوتی ہے، لہذا ایسے لوگوں کے ساتھ خرید و فروخت کرنا تقوی کے خلاف ہے یا نہیں؟

ج:۔ ایسے لوگوں سے خرید و فروخت جائز ہے، ہاں نرمی سے نصیحت کرتا رہے، قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ ما علی الذین یتقون من حسابھم من شیء ولکن ذکری لعلھم یتقون

(۱۹ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ)

بحث سود بحالت اضطراری

(از حضرت العلام مولانا ابو القاسم صاحب بنارسی)

یہ بات تو بدیہی ہے کہ قرآن مجید میں جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے، ان میں سود کی حرمت بھی منصوص ہے۔ احل اللہ البیع وحرم الربوا لیکن سود کی حرمت علیحدہ بیان کرنے میں اور اشیاء محرمات سے کیا حکمت و راز ہے، اور کیوں سود کے بیان میں حالت اضطراری قرآن مجید میں مذکور نہیں، اور خنزیر وغیرہ میں اضطرار کا ذکر موجود ہے، وجہ صاف ہے کہ جو اشیاء محرمات حالت اضطرار میں قدرے قلیل بطور قوت لایموت میں روا رکھی گئی ہے، سود ہرگز ہرگز ان میں نہیں ہے، لہذا کیسی ہی اضطراری ہو، سود کسی حالت میں جائز نہیں، طرہ یہ کہ اشیائے محرمات جو بحالت اضطراری جائز رکھی گئی ہیں، اس کا مقدار نہایت قلیل ہے، تو سود جب بحالت اضطراری جائز ہوگا، تو اس کا مقدار بھی قلیل ہوگا، حالانکہ یہ عرفاً ممکن نہیں، اور اول تو جوازی بحالت اضطرار اور بھی مشکل ہے، قرآن مجید میں ایک صورت اضطرار کی ربوا میں البتہ یوں مذکور ہے وان کان ذو عسرۃ لو اس کے بارے میں فرمایا فنظرۃ الی میسرۃ کہ اس میں بھی اجازت نہیں بخشی فافھم

(۲ر مئی ۱۹۱۳ء)

س):۔ ایک شخص نے دوسرے شخص کے پاس سو روپیہ کے عوض اپنی زمین گرو رکھی اس شرط پر کہ تین برس کے بعد ہم روپیہ دے کر زمین واپس کر لیں گے، اور اس مدت میں جو کچھ

پیداواری کا منافع ہو، وہ اپنے مصرف میں لا دے، اور مالگذاری بھی ادا کرتا رہے؛

ج :۔ بعض علما اس صورت کو گائے والی صورت (لبن الدر یشرب بنفقتہ) پر قیاس کرتے ہیں، کہتے ہیں، زمین کا لگان مرتہن کے ذمے مثل گائے کی خوراک کے برابر ہے، بعض اس سے منکر ہیں، اختلاف سے نکلنے کے لئے مالک کو بھی کرایہ زمین کے طور پر کچھ دے دیا کرے، خواہ تھوڑا ہی ہو، تو جائز ہے (۱۲ر جمادی الثانی ۱۳۳۵ھ)

س :۔ یہاں آگرہ میں پکا چمڑہ فروخت کرنے والوں نے ایک انجمن قائم کی ہے، اس انجمن کے کچھ قواعد ہیں، منجملہ ان کے تین یہ ہیں:۔

(۱) جو کوئی نئی دوکان کھولتا ہے، اس سے سوا سو روپیہ چندہ لیا جاتا ہے، اگر کوئی نہ دے تو ممبران انجمن اس کے ہاتھ فروخت نہیں کرتے۔

(۲) ہر ایک دوکاندار سے چار آنہ ماہوار چندہ لیا جاتا ہے۔

(۳) جو ممبر انجمن کے قواعد کی خلاف ورزی کرے، اس کو جرمانہ کیا جاتا ہے، اور یہ آمدنی ایک ایک جگہ جمع رہتی ہے، جو انجمن کی ضروریات میں خرچ کی جاتی ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے، کہ ایسی انجمن میں شامل ہونا اور چندہ دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں، اور اوپر تینوں قواعد پر شریعت کا کیا حکم ہے، اگر جرمانہ لینا شرعاً ناجائز ہو، تو انجمن کے قواعد کی خلاف ورزی کرنے والے کے لئے کون سی سزا دینی چاہیئے، جو شریعت کے مطابق ہو۔ (محمد صدیق سیکرٹری انجمن اہلحدیث، آگرہ)

ج :۔ بغرض رفاہ عام یا بغرض انتظام یہ شروط ہیں، تو جائز ہے، اور اگر یہ اور کسی ناجائز کام ناچ رنگ وغیرہ میں خرچ ہو، تو ناجائز ہے۔ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

(۶ر شعبان ۱۳۴۷ھ)

س :۔ چوسہ ساگوانی وغیرہ وغیرہ جو بغیر تخم ریزی انسان کے پہاڑوں پر اگے ہوئے ہوتے ہیں اس کے فروخت کرنے کی ملازمت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

ج :۔ کسی شخص نے اگر جائز طرح سے اس پر قبضہ کیا ہے، تو اس کی ملازمت کرنا بھی جائز ہے، ظلم سے ہے، تو جائز نہیں۔ لا تعاونوا علی الاثم والعدوان (۲۸ر جنوری ۱۹۱۰ء)

س :۔ ایک حجام سر مونڈنے کا کام کرتا ہے، جس میں اسے داڑھی بھی مونڈنا پڑتی ہے۔ پہلے تو مونڈتا تھا، اب اس کو ایسے کام سے نفرت ہوگئی ہے، اب وہ کیا کرے داڑھی مونڈے

یا نہ مونڈے، تو کھائے کیا؟

ج:۔ داڑھی منڈانا اور مونڈنا دونوں گناہ ہیں، اللہ سے ڈر کر یہ کام چھوڑے گا، تو خدا اور طرح سے اس کو روزی رزق دے گا من یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب الآیۃ (۲۵ رجون ۱۹۲۰ء)

س:۔ اسامی جس نے چار روپیہ من کے حساب سے لاؤں کپاس لگایا تھا اس کے پاس کپاس ہے نہ روپیہ اس صورت میں بازاری نرخ سے جو سات یا آٹھ روپیہ ہوتے ہیں اس کی گھاس دو من سال آیندہ لینے کا اقرار نامہ لے لیا جائے، تو جائز ہے یا نہیں؟

ج:۔ ایک عقد میں دو عقد کرنے منع ہیں، ایک عقد کا فیصلہ پہلے کر لیا جائے، مبلغ وصول ہو یا اصل رقم اس کے بعد دوسرا عقد کیا جائے (۱۶ ر جمادی الثانی ۳۱ھ)

س:۔ مردار کا چمڑا گیلا خریدنا اور فروخت کرنا جائز ہے یا نا جائز؟

ج:۔ مردار کے چمڑے کی خرید و فروخت دباغت (رنگنے سے پہلے) جائز ہے، بعض سلف سے ایسا ہی منقول ہے، لیکن اس سے فائدہ اٹھانا میرے ناقص علم میں جائز نہیں ہے، واللہ اعلم (۱۷ ر صفر ۶۱ھ)

س:۔ بیع سلم جائز ہے یا نہیں، بیع سلم کیا ہوتی ہے، اس کے شرائط کیا ہیں؟

ج:۔ بیع سلم میں مبیع، وقت، قیمت اور جگہ مقرر ہوتی ہیں، قیمت دی جاتی ہے، اور مبیع وقت مقررہ پر لی جاتی ہے، یہ اب بھی جائز ہے (۱۴ ر جمادی الثانی ۳۵ھ)

(نوٹ) مفصل تشریح پیچھے گذر چکی ہے۔ (مؤلف)

س:۔ کھجور کا کھٹا رس اور تاڑ کا میٹھا رس جسے پینے سے آدمی مدہوش ہو جاتا ہے، اور بھلا، برا تمیز نہیں رہتا، اس کو خمر کہا جائے گا اور اس کا پینا حرام ہے یا نہیں، بصورت حرام اس کا پینے والا، بیچنے والا، رس نکالنے والا، اور رس نکالنے کے لئے درخت اجارہ پر دینے والے کا گناہ برابر ہے یا مختلف، اور شریعت میں ان کے حدود کیا ہیں؟

ج:۔ تاڑ کے رس میں صبح کے وقت نشہ نہیں ہوتا، اس لئے پینا جائز ہے، جس وقت نشہ آور ہو جاوے، تو بحکم کل مسکر حرام اس کا پینا نا جائز ہے، تاڑ کے درخت کی مطلق بیع جائز ہے، کیونکہ بذاتہ مسکر نہیں، (اہلحدیث امرتسر ۱۲ ر جنوری ۱۹۳۰ء)

س:۔ بعض دوکاندار سبزی وغیرہ لوگوں کو اس شرط پر دیتے ہیں کہ فصل کے موقع پر بحساب

سبزی یعنی جتنی سبزی اتنی ہی گندم لیتے ہیں کیا یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

ج: یہ بیع ممنوعہ بیعوں سے نہیں ہے اللہ اعلم (اہلحدیث امرتسر ۲۸ جون ۱۹۳۵ء)

س: ایک مسلمان دوکاندار کے لئے یہ بات جائز ہے کہ ایک چیز کی اصلی قیمت سے ڈیوڑھی (۱½ گنی) قیمت کرے اور چلتے پر گاہک راضی ہو جائے اس سے لے لیوے اور ایک ہی چیز کی رقم ایک آدمی سے ایک روپیہ اور دوسرے سے بارہ آنے اور تیسرے سے آٹھ آنے لے لیوے۔

ج: قیمت میں ردوبدل جائز ہے زیادہ کہہ کر کم کرسکتا ہے مگر گاہک کو دھوکہ نہ دے، یوں نہ کہے کہ میری خرید اتنی ہے حالانکہ اصل میں ایسا نہ ہو۔ (۹ فروری ۱۹۴۰ء)

تعاقب

س: سوال نمبر ۱۰ کا جواب جو آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ صبح صبح جب تاڑی اتارتے ہیں اس وقت نشہ نہیں ہوتا، یہ تجربہ آپ کو کیسے ہوا کہ صبح کی تاڑی میں نشہ نہیں ہوتا، صوبہ بہار میں علی الصباح تاڑی اتارتے ہیں اور پینے والے اسی وقت پینا شروع کردیتے ہیں اور ان میں نشہ بھی ہوتا ہے، اس فتوی کو سنکر عام جہلا خوشی منا رہے ہیں کہ جب صبح کی تاڑی پینا شرعاً جائز ہے، تو اب صبح کی تاڑی پیا کریں گے مہربانی فرماکر تحقیق کرکے اس فتوے کو دوبارہ اہلحدیث اخبار میں شائع کریں۔

(راقم کمترین ماسٹر قطب الدین احمد از بھد بسیر - خریدار نمبر ۱۱۴۶۹)

جواب: ہم نے صوبہ بہار میں خود دریافت کیا تو یہی بتایا گیا کہ صبح سویرے تاڑی نشہ آور نہیں ہوتی، اب جو آپ نے اس کی بابت لکھا ہے، تو صحیح فتوی یہی ہوگا، کہ تاڑی ہر حال میں حرام ہے، مزید تحقیق کے لئے میں مولوی حکیم مولوی عبدالخبیر صاحب کو تکلیف دیتا ہوں کہ صحیح تحقیق سے اطلاع دیں، سوال قابل غور اتنا ہے، کہ تاڑی نچڑنے میں نشہ آور ہو جاتی ہے یا سورج چڑھے اس میں نشہ پیدا ہوتا ہے (۱۲ مارچ ۱۹۳۶ء)

تاڑی کی تحقیق

جناب مولانا صاحب اما بعد! آپ نے کھجور کی تاڑی کی مزید تحقیق کی بابت متعلق جناب مولوی حکیم عبدالخبیر صاحب کو تکلیف دی ہے، مجھ کو جہاں تک تحقیق ہے لکھتا ہوں، بنگال میں خصوصاً ضلع راجشاہی اور ضلع جسر و ضلع ندیہ میں کثرت سے تاڑی ہوتی ہے، ضلع جسر میں لوگوں

کی زبانی سنا ہے، کہ جس کے مکان یا زمین میں ایک سو درخت کھجور کے ہوں، اس کے مکان میں کوئی شادی نہیں کرتا، گویا کھجور کے درخت ان کی جائداد ہے، ماسٹر قطب الدین احمد صاحب نے جو لکھا ہے، کہ یقیناً صبح کی تاڑی میں نشہ ہوتا ہے، یہ کہنا ماسٹر صاحب کا غلط ہے میں نے بخوبی تجربہ کیا ہے، کہ صبح سویرے تاڑی نشہ آور نہیں ہوتی، دن کے دس بجے تک بہت عمدہ رہتی ہے، اگر اس کو دھوپ میں دو گھنٹہ یا چار گھنٹہ رکھا جائے، تو البتہ نشہ آور ہو جاتی ہے، میں تو خاص کر کے اس (شیرہ) کو جسے آپ لوگ تاڑی کہتے ہیں پینے کے لئے جاڑے کے موسم میں ضلع راجشاہی مرشد آباد جاتا ہوں، اور دو ماہ برابر وہاں رہتا ہوں کسی قسم کی نشہ آور نہیں ہوتی۔ (مولوی) محمد عبدالرحیم، موضع البوہا، ڈاک خانہ راج گاؤں بیر بھوم)

(۱۰ اپریل ۳۶ء)

تاڑی کی تشریح

اہلحدیث کے کسی پرچے میں تاڑی کو دو قسم لکھا گیا ہے، ایک بے نشہ حلال، دوسری بانشہ حرام، اس کی مزید تحقیق تاڑی والے علاقے سے دریافت کی تھی، جس کے جواب میں مولانا عبدالجلیل صاحب سامرودی، کا خط آیا ہے، جو درج ذیل ہے۔

پرچہ اہلحدیث میں تاڑ کے ماحصل پینے پر استفسار تھا ہمارے علاقے گجرات میں درخت تاڑ اور درخت خرما ان دونوں سے ایک قسم کا عرق برآمد ہوتا ہے، جو شربت سے بھی زیادہ شیریں ہوتا ہے، اس کو حفاظت سے دن بھر رکھیئے بالکل نشہ نہیں آتا، اس کے نکالنے کا طریقہ یہ ہے، کہ تاڑ یا کھجور کے درخت کو چھید کر شام کو ٹھنڈے پہر ایک برتن مٹی کا باندھ دیتے ہیں، اس درخت میں سے قدرت نے ایک وقت رکھا ہے، اس وقت اس میں وہ عرق اس طرح ٹپکتا ہے، جس طرح شیر دار جانور کا دودھ تھن میں بھر کر ٹپکنے لگتا ہے، فرق اتنا ہے کہ دودھ نکالنا پڑتا ہے، اور یہ قدرتی طور پر اتر پڑتا ہے، اسے علی الصباح اتارا جاتا ہے، یہ سرد اور شیریں ہوتا ہے، اسے ہم لوگ نیرا کہتے ہیں، اس میں نشہ نہیں ہوتا، خواہ دن کو نکلے یا رات کو، کوئی تعلق نہیں، البتہ جس روز برتن باندھا جاتا ہے، اس کے لئے اگر شب کو ابر ہو جاوے تو وہ نیرا پھٹ جاتا ہے، رنگ بھورا ہو جاتا ہے، ترشی آجاتی ہے، اس میں نشہ ہو جاتا ہے لیکن وہ نیرا سرد، صاف، شیریں، اس میں مطلقاً نشہ نہیں ہوتا، بلکہ اس کو دھوپ میں رکھا جاوے

یا آگ پر تو اس میں پھر جوش آجاتا ہے، اور نشہ لاتا ہے، جس درخت سے نیرا اتارا جاتا ہے اس زمانے میں سیندھی نہیں اترتی، اور سیندھی کے زمانے میں یہ نہیں اترتا، ہم لوگ اس سے خوب واقف ہیں، اس کے حلال ہونے میں کسی قسم کا شبہ نہیں، الا نشہ کے زمانے میں۔

(عبدالجلیل)

دوسرے صاحب پٹنہ سے لکھتے ہیں جنہوں نے اپنا نام نہیں لکھا، ان کی تحریر یہ ہے

جناب حضرت مولانا صاحب رحمہ الرحمٰن، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں نے اہلحدیث اخبار میں بابت تاڑی یہ مضمون پڑھا، بعدہ اس پر تعاقب کیا، اس پر آنجناب نے مولوی پٹنوی سے دریافت کیا، واللہ اعلم مولانا موصوف نے کیا جواب دیا، کمترین بہ حیثیت مسلمان ہونے کی وجہ سے تجربہ کی بنا پر تحریر کرتا ہوں، کہ برتن صاف بعد غروب آفتاب درخت سے شاخ دھو کر باندھ دیں، طلوع آفتاب سے پیشتر اتار کر استعمال کریں، اگر برتن غیر صاف یا گرمی پہنچنے سے ذرہ برابر جھاگ آجاوے، تو بوجہ جھاگ نشہ آور، خواہ تھوڑی یا زیادہ مقدار ہو جاوے گی۔ (اہلحدیث یکم مئی ۱۹۳۶ء)

س، ٹھیکہ تاڑی اور خمر کا درست ہے یا نہیں، اور جو شخص کہ ٹھیکہ لیوے اس کی دعوت اور امامت جائز ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

ج، تاڑی اور خمر کا ٹھیکہ مثل خرید و فروخت اس کے ہے شرعاً مایصلح ثمنا یصلح اجرۃ کذا فی کتب الفقہ جاز اخذ دین علی کافر من ثمن خمر لصحۃ بیعہ بخلاف دین علی المسلم لبطلانہ کذا فی المتون والشروح الحنفیۃ لانہ مال متقوم فی حق الکافر فملکہ البائع فیحل الاخذ منہ۔ قولہ لبطلانہ لان الخمر لیس بمال متقوم فی حق المسلم فبقی الثمن علی ملک المشتری فلا یحل لہ اخذہ من البائع کذا فی الطحطاوی وھکذا فی الھدایۃ وغیرھا۔ پس اس صورت میں مال اور طعام تاڑی و شراب کے ٹھیکہ لینے والے کا حرام اور لینا مال اس کا اور کھانا کھانا اس کا اور دعوت اس کی قبول کرنی حرام ہے شرعاً اگر بذریعہ تاڑی اور خمر یا بوجہ اور حرام کے حاصل کیا ہو و لا یجیب دعوۃ الفاسق المعلن لیعلم انہ غیر راض بفسقہ وکذا دعوۃ من غالب مالہ حرام ما لم یخبر انہ حلال وبالعکس یجیب ما لم من انہ حرام و اکل الربوا

ﻪ کھجور یا تاڑ کا وہ قدرتی رس ہے جس کو نشہ آور بنا لیا جاتا ہے۔ (مولف)

وکاسب الحرام یواھدی الیہ اواضافہ وغالب مالہ حرام لایقبل ولایاکل الیٰ اخرمافی الطحطاوی والعالمگیریۃ وغیرھما من کتب الفقہ۔ اور ایسے شخص مذکور کو امام نہ بنا دے، اس لئے کہ یہ فاسق قابل اہانت کے ہے لایقدم الفاسق للامامۃ کذا فی المستملی وغیرہ من کتب الفقہ واللہ اعلم

سید محمد نذیر حسین عفی عنہ (فتاوی نذیریہ ج ۲ ص ۵)

س :۔ مہوا جو ایک بڑے درخت کا پھل ہے، علاقہ بہار میں بہت ہوتا ہے مثل کشمش کے بہت میٹھا اور سستا ہوتا ہے، وہاں کے غریب لوگ کھاتے ہیں، بکثرت اس سے شراب بنتی ہے، پانی میں پھلا کر مویشی کو کھلایا جاتا ہے، دو چار روز پانی میں رکھنے سے اس میں کچھ نشہ لانے کا اثر بھی ہو جاتا ہے، مویشی کے مانڈے میں چارے کے ساتھ مہوا کھلی وغیرہ ملا کر رکھ دیا جاتا ہے، جو اکثر دو چار روز تک کھلایا جاتا ہے، اس طرح جانور کو کھلانے میں کچھ شرعی ممانعت ہے یا نہیں؟ (سائل مذکور)

ج :۔ مہوا کی جو کیفیت لکھی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ گیہوں، انگور اور گڑ وغیرہ کی طرح ہے، گیہوں اور انگور سے بھی شراب بنتی ہے، تو جس طرح گیہوں اور انگور کی غذا جائز ہے مہوا کی بھی جائز ہے۔

س :۔ مہوا جس کا اوپر ذکر ہوا، اس کی خریداری شراب کے ٹھیکہ داروں کی طرف سے ہوتی ہے، یہ مہوہ شراب میں بھی خرچ ہوتا ہے، اور غذا میں بھی، شراب کے ٹھیکہ دار سے فروخت کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ (سائل مذکور)

ج :۔ جس حالت میں کوئی چیز بیچی جاتی ہے، اس حالت میں وہ نشہ آور نہیں ہے، تو اس کا بیچنا جائز ہے، فقہاء نے صاف لکھا ہے، کہ شراب ساز کے پاس انگور بیچنا جائز ہے

س :۔ گڑ، راب کی بھی یہی حالت ہے ایسی حالت میں اس کا فروخت کرنا کیسا ہے (سائل مذکور)

ج :۔ جواب بشرح صدر

س :۔ شراب بیچنے والے کو اسی کی تجارت کے واسطے مکان کرایہ پر دینا جائز ہے یا نہیں؟ (سائل مذکور)

ج :۔ شراب کی وجہ سے دس آدمیوں پر لعنت آئی ہے، مکان کرایہ پر دینے والا ان میں نہیں

لیکن معین اور مجیز ہے، اس لئے مکان دینا جائز نہیں، لا تعاونوا علی الاثم الآیۃ
(۴ر دسمبر ۱۹۳۱ء)

س:۔ زید درمے چند بہ بازی لاٹری یافت او خواہد در جہاد در کار خیر صرف کند چون مسجد مسافر خانہ، لنگر خانہ شرعاً جائز است یا نہ؟

ج:۔ لاٹری از قسم قمار است، قرآن مجید بنص صریح قمار را حرام قرار دادہ است "انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون" (۲۹ر جنوری ۱۹۳۲ء)

س:۔ رجسٹری آفس میں دستاویز لکھنے والا کاتب اور دفتر میں سرکاری رجسٹر پر دستاویز مذکور کو نقل کرنے والا نقل نویسی پر سودی کاغذ کے متعلق کیا حکم ہے؟

ج:۔ رجسٹری کا محکمہ اس حدیث کے ماتحت نہیں ہے، جس میں محرر ربا کے لئے وعید آئی ہے، یہ انشائے فعل نہیں نقل تحریر ہے (۲ر شوال ۱۳۶۵ھ)

س:۔ کیا بوجہ مجبوری بلیک مارکیٹ سے خریدنے والا بھی گنہ گار ہے؟

ج:۔ بلیک مارکیٹ سے خریدنے والا اگر مجبور ہے، تو وہ بحالت اضطراری مردہ خور کے حکم میں ہے، بلیک کرنے والا گنہ گار ہے، اللہ اعلم (۲ر شوال ۱۳۶۵ھ)

س:۔ دو تین سال قبل باغات کے ثمر خریدنے جائز ہیں یا نہیں؟

ج:۔ جس حدیث میں ثمر پختہ ہو جانے سے پہلے بیع کرنا منع آیا ہے امام بخاری نے اس کو مشورہ قرار دیا ہے، میں بھی اس سے تجاوز نہیں کر سکتا (۱۹ر جمادی الاخریٰ ۱۳۶۴ھ)

شرفیہ: امام بخاری نے اس کو مشورہ قرار نہیں دیا، صحیح میں باب یہ ہے۔ باب بیع الثمار قبل ان یبدو صلاحہا انتہی پھر حدیث زید بن ثابت لائے ہیں عن زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان الناس فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتبایعون الثمار فاذا جذ الناس وحضر تقاضیہم قال المبتاع انہ اصاب الثمر الدمان اصابہ مرض اصابہ قشام عاہات یحتجون بہا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما

۱؎ المراد بهذه المشورة ان لا تشتروا شيئا حتى يتكامل صلاح جميع هذه الثمرة لئلا تجري منازعة (عینی شرح بخاری)

کثرت عندہ الخصومۃ فی ذلک فاما لا فلا تبتاعوا حتی یبدو صلاح الثمر کالمشورۃ یشیر بہا لکثرۃ خصومتہم انتہی (ج ۱ ص ۲۹۲) حدیث مرفوع نہیں زید بن ثابت راوی کا قول و اجتہاد اور اپنا فہم ہے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور مشورہ یہ فرمایا آپ نے فرمایا، کہ یہ بیع نہ کرو، مشورے کے طور پر کہا ہے، اور شرعی حکم ہی خصوصاً جو حکم نہی کا ہو جس کا اصل حرمت ہے، اور قرینہ حرمت قطعی کا دوسری حدیث میں ہے۔ عن انس قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو بعت من اخیک ثمرا فاصابتہ جائحۃ فلا یحل لک ان تاخذ منہ شیئا بما تاخذ مال اخیک بغیر حق رواہ مسلم (مشکوۃ ج ۲ ص ۲۴۷)

یہ سب حدیثیں حرمت کی صریح دلیل ہیں، مشورہ کا فہم صحیح نہیں، اور نہ ہی امام بخاری نے اسے مشورہ قرار دیا ہے، ورنہ وہ ترجمۃ الباب میں اس کی طرف اشارہ کرتے واذلیس فلیس۔

(ابو سعید شرف الدین دہلوی)

س :۔ یاایہا الذین آمنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم۔ اس آیت شریفہ کی تفسیر و شان نزول کا خلاصہ بیان فرمایئے۔

ج :۔ دنیا کے لوگ ایک دوسرے کا مال بے وجہ کھاتے تھے، اور اب بھی کھاتے ہیں، ان کی اصلاح کے لئے یہ آیت اتری ہے، کہ جائز طریق سے کھاؤ، جو تجارت ہے۔

(۵ / جولائی ۱۹۰۸ء)

س :۔ تاڑی کے خمیر سے ڈبل روٹی یا بسکٹ وغیرہ بنا کر اس کی تجارت کرنا جائز ہے، یا ناجائز، اور ان کے کھانے کا کیا حکم ہے؟ کیوں کہ بعض کارخانوں میں بعض دفعہ تاڑی کے خمیر سے روٹی، بسکٹ وغیرہ تیار ہو کر انگریزوں وغیرہ کو فروخت ہوتے ہیں، اس کی تجارت کا کیا حکم ہے؟

ج :۔ ایسے بسکٹوں کی بابت میں نے علمائے پورب کا طرز عمل دو اصولوں پر پایا ہے، مولانا حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری رحمۃ اللہ علیہ تو نہیں کھاتے تھے، یہ تو اس اصول پر تھے کہ تاڑی بذات خود چونکہ منشی چیز ہے، اس کے بسکٹ بھی ناقابل اکل ہیں مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کھاتے تھے، یہ اس اصول پر تھے، کہ خمیر کے بعد جو آٹا تیار رہتا ہے، اس مجموعہ میں نشہ نہیں، اس لئے حرام نہیں، یہ ہیں دو مختلف اصول، جس سے جس پر عمل ہو سکے کر لے

(۱۹ / جمادی الاولیٰ ۴۲ھ)

ثنائی فیہ: میں کہتا ہوں، کہ دوسرا اصول بالکل غلط ہے، کہ مجموعہ میں نشہ نہیں، لہذا جائز یہ اصل حدیث نبوی کے خلاف ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام رواہ الترمذی وابوداود وابن ماجہ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما اسکر منہ الفرق فملأ الکف منہ حرام رواہ احمد والترمذی وابوداود (مشکوۃ ج ۲ ص ۳۱۷) یہ امر بدیہی ہے، کہ جب فرق اسکر ہے، تو ملأ الکف مسکر نہیں اور حرام ہے، اس سے قلیل میں شرط نشہ باطل ہے۔

س: ایک گاؤں میں پانچ روپے من گڑ فروخت ہوتا ہے، اور اسی گاؤں میں ایک آدمی زمیندار سے پانچ روپے فی من سے کر چھ روپے فی من فروخت کرتا ہے، لیکن پانچ روپے فی من عام بکتا ہے، اور وہ چھ روپے ایک من کے لیتا ہے، اور کہتا ہے، کہ جس کی مرضی ہو لیوے، جس کی مرضی ہو نہ لیوے، اور دیگر اجناس بھی مثلاً لیتے وقت فی روپیہ دس سیر لیتا ہے، اور دیتے وقت فی روپیہ نو سیر دیتا ہے، یہ لین دین جائز ہے یا ناجائز؟

ج: جائز ہے، تجارت ہے کاسب کے لئے، صرف نفع کمانے کے لئے، اس میں دھوکہ فریب نہیں (۲۳ر رجب ۱۳۴۵ھ)

س: آڑہت کرنی جائز ہے یا ناجائز، یعنی کسی کی گندم فروخت کر دینی، اور اس سے فی روپیہ ایک پیسہ وصول کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

ج: جائز ہے، اس کو دلالی کہتے ہیں (۲۳ر رجب ۱۳۴۵ھ)

س: جس چیز کا نرخ زمانہ گذشتہ میں ارزاں تھا، اور اب موجودہ زمانے میں نرخ گراں ہے، تو کیا مشتری کو یہ حق شرعاً حاصل ہے، کہ بائع کو مجبور کریں، کہ بموجب نرخ زمانہ گذشتہ ارزاں فروخت کرو، اگر بائع اس کو نامنظور کرے، تو اس کو ہر طرح سے ضرر پہنچانے کی کوشش کریں گے۔

ج: حدیث شریف میں آیا ہے، کہ صحابہ رضی نے عرض کیا حضورؐ آپ نرخ مقرر کر دیں لوگ کم و بیش دیتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں کسی پر ظلم کرنا نہیں چاہتا، اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، گذشتہ بھاؤ پر بیچنے کے لئے نہ کوئی مجبور کر سکتا ہے، نہ ہو سکتا ہے، جو کرے وہ بموجب حدیث سراسر ظلم ہے (۱۷ر دسمبر ۱۹۱۵ء و ۵ر جولائی ۱۹۰۸ء)

س: سودی معاملات میں سود خوار سے سود وصول ہونے کے لئے مدد کرنا کیسا ہے؟

جب کہ دونوں مسلمان ہوں، اور اگر کوئی شخص بقیہ سود چھوڑ دینے کا مشورہ دے، تو مستحق ثواب ہے یا نہیں؟

ج:۔ جو کام گناہ ہے، اس میں مدد کرنا بھی گناہ ہے، سود چھوڑ دینے کا مشورہ دینے والے کو ثواب ہے۔ (۱۷ر دسمبر ۱۹۱۵ء)

س:۔ زید نے بکر سے اس کے حصہ کی زمین رہن اس شرط پر لی ہے، کہ جب زر اصلی بکر ادا کر دے، تو اپنی زمین پر قبضہ کر لے، زید اس مرہونہ زمین میں کاشت کرتا ہے۔ اور مالگذاری سرکاری جو بکر ادا کرتا تھا، وہ اب زید اپنے پاس سے ادا کرتا ہے، اور جو زمین آسامیوں کے قبضہ میں ہے، ان سے مالگذاری وصول کر کے سرکاری لگان ادا کر کے بقیہ اپنے تحت و تصرف میں لاتا ہے، کوئی مقررہ منافع نہیں ہے، زید کو کبھی فائدہ ہوتا ہے کبھی نقصان لہٰذا سوال یہ ہے، کہ اس طرح زمین رہن لینا جائز ہے یا نہیں؟

ج:۔ صورت مرقومہ سود ہے (۱۷ر دسمبر ۱۹۱۵ء)

س:۔ زید کہتا ہے، کہ جو شخص کسی کی زمین ظلماً ایک بالشت دبا لے گا، قیامت میں اس کے سر پر ساتوں زمینوں کا بوجھ رکھا جاوے گا، یہ مضمون حدیث شریف کا ہے یا نہیں؟

ج:۔ یہ حدیث شریف کا مضمون ہے، حدیث یہ ہے۔ عن سعید بن زید قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من اخذ شبرا من الارض ظلما فانه یطوقه یوم القیامة من سبع ارضین متفق علیه (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۵۴) ترجمہ وہی ہے، جو سائل نے نقل کیا ہے (۵ر جولائی ۱۹۰۸ء)

تعاقب آپ نے اپنے اخبار ۲۳ رجب کے صفحہ فتاویٰ پر ایک سوال کا جواب دیا ہے، کہ مہوہ جس کی شراب بنتی ہے، اس کو شراب ساز ٹھیکہ دار کے پاس فروخت کرنا جائز ہے، اور اس پر آپ نے دلیل صرف یہ دی ہے کہ جس حالت میں کوئی چیز بیچی جاتی ہے، اس حالت میں نشہ آور نہیں، تو اس کا بیچنا جائز ہے اور اس پر فقہاء کا قول بھی پیش کیا، کہ شراب ساز کے پاس انگور بیچنا جائز ہے۔

ہمیں اس پر اعتراض ہے، کیونکہ اس پر حدیث دال ہے، کہ شراب ساز کے پاس انگور بالکل نہ بیچے جائیں۔

من حبس العنب ایام القطاف حتی یبیعه ممن یتخذه خمرا نقد

تقحم النار علی بصیرۃ (الطبرانی فی الاوسط باسناد حسن)

یعنی جو شخص انگوروں کو بند رکھتا ہے، اس نیت پر کہ شراب ساز کے پاس بیچے، تو اس نے سمجھ سوچ کر اپنے آپ کو جہنم میں گرایا۔ (عطاء الرحمن طالب علم از امرتسر)

الجواب :۔ معترض نے نہ حدیث پر پوری نظر کی، نہ اس کی شرح پر جلدی میں تعاقب لکھ مارا۔ سنیے! حدیث میں "حتی" کا لفظ ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ جو بیچنے والا شراب ساز کی تلاش میں رہے، اس کے حق میں یہ حدیث ہے، نیز اس کو یقین ہو کہ وہ اس چیز سے ضرور شراب بنائے گا، لیکن اگر یہ دونوں قیود نہ پائی جائیں، تو یہ وعید بھی نہیں۔

معترض نے اس حدیث کو بلوغ المرام میں پڑھا ہوگا، اس لئے بلوغ المرام ہی کے حواشی میں اسے دیکھنا چاہیے۔ ھو یدل علی اعتبار القصد الی من یتخذہ خمرا

(حاشیہ مولانا سید احمد حسن دهلوی)

سبل السلام میں بھی قریبا یہی ہے، اخباری سوال پر ایسا نہیں بلکہ اس کے الفاظ یہ ہیں "مہوہ شراب کے ٹھیکہ دار کی طرف سے ہوتی ہے، یہ مہوہ شراب میں بھی خرچ ہوتا ہے اور غذا میں بھی، اور جانوروں کے چارے میں بھی، شراب کے ٹھیکہ دار سے فروخت کرنا جائز ہوگا یا ناجائز؟

پس اس کی صورت بعینہ گیہوں کی ہوئی، جو بازار میں بکتی ہے، جو عام انسانوں کی غذا ہے، اور شراب بھی اس سے بنتی ہے، کوئی شراب ساز گیہوں خریدے، تو کیا اس کو گیہوں دینا منع ہے، بجائے گیہوں غذا بھی ہے (۱۴ مارچ ۳۲ء)

س :۔ بیع سلم سونا چاندی میں جائز ہے یا نہیں؟

ج :۔ بیع سلم میں دام پہلے دے کر چیز پیچھے لی جاتی ہے اور سونے چاندی میں ایسا کرنا جائز نہیں، کیونکہ وہ بیع صرف ہے، بیع صرف میں دست بدست لیا جاتا ہے۔

(۳۰ ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ)

س :۔ ایک شخص نے ایک مکان ناجائز روپے سے تعمیر کرایا، اب جس شخص کو یہ علم ہو کہ یہ مکان ناجائز روپے سے تعمیر کرایا گیا ہے، اس کو اس مکان میں کرایہ دے کر رہنا، اور اس میں نماز پڑھنا جائز ہے کہ نہیں؟

ج :۔ مالک مکان متغلب ہے، اس کا حکم یہ ہے، کہ کرایہ دار بالعوض رہے، تو اس کو جائز

ہے، مالک گنہ گار ہے، یہ مضمون حدیث هل ترك لنا عقيل شيئًا سے ماخوذ ہے
واللہ اعلم (۱۲ر شوال ۱۳۳۵ھ)

س:۔ زید نے اپنی ضرورت کو ایک ہزار روپیہ بکر سے لیا، جس کے عوض میں اپنا دو ہزار روپے کا مکان لکھ دیا، اور اقرار نامہ بکر سے علیحدہ لکھ لیا، کہ اگر تین سال میں یہ مبلغ تم کو واپس کردوں، تو اسی مبلغ پر اپنا گھر میرے نام واپس کر دینا، پھر زید نے بکر کو اسی مکان کا ایک کرایہ نامہ بھی لکھ دیا، کہ مکان مذکور کا کرایہ میں دس روپیہ دیا کروں گا، تین سال تک (ایک روپیہ فی سینکڑہ کا حساب دل میں ہے) کیا بکر کا ایسا سلوک زید سے از روے قرآن وحدیث حلال ہے یا حرام؟ (محمد عبد الرزاق خریدار نمبر ۴۴۴۲)

ج:۔ بکر کی نیت تو یہ ہے، کہ سود سے بچے، اور فائدہ بھی اٹھائے، مگر صورۃً بیع ہے اس لئے بیع کے تمام حکم اس پر مرتب ہوں گے یعنی جائز ہے۔ واللہ اعلم (۷ر رجب ۱۳۳۹ھ)

س:۔ ایک شخص زید، عمرو کا ملازم ہے، عمرو نے اس کو سفر میں بھیجا اور کہا، کہ ریل کے سفر کا ڈیوڑھے درجے کا ٹکٹ لینا، اور آگے گاڑی کرایہ کر لینا، زید نے تیسرے درجے کا ٹکٹ لیا اور گاڑی کے سفر میں پیدل گیا، عمرو یعنی مالک سے کرایہ ڈیوڑھا مجرا لیا، اور کرایہ گاڑی کا جو پیدل گیا تھا لیا، چونکہ حکم تو آقا کا یہی تھا، جو مجرا لیا، مگر خرچ اتنا نہیں کیا، کہتا ہے، کہ میں نے پیدل تکلیف خود اٹھائی ہے، میرا حق ہے، اب شرع شریف کا کیا حکم ہے؟

(راقم عبد اللہ، ساکن راولپنڈی)

ج:۔ مالک نے کرایہ کا مالک اس کو نہیں بنایا، بلکہ اس کرایہ کو استعمال کے لئے دیا ہے، تاکہ وقت پر کم ملے، اور بعض صورتوں میں مالک کی عزت بھی اسی میں ہوتی ہے، کہ اس کا نوکر عزت سے جائے، اس لئے نوکر اگر اس کرایہ کو بچا کر اپنا لے، تو مالک کی مرضی کے خلاف ہے ہاں اگر مالک اجازت دے، تو جائز ہے، ورنہ نہیں۔ (۱۳ر جنوری ۱۹۱۲ء)

س:۔ اگر کوئی حکیم یا ڈاکٹر طوائف کا علاج کرے، تو اس کو فیس اور قیمت دوا کی لینا جائز ہے یا نہیں، اور فیس و دوا کی قیمت میں کچھ فرق ہے یا برابر ہے، اور اسی طرح جو عطار نسخہ باندھتا ہو یا اور کوئی مسلمان دوکاندار جو ان کے ہاتھ سودا کرے، تو اس کی قیمت لینی کیسی ہے، اور اس دوکاندار یا حکیم، ڈاکٹر میں کچھ فرق ہے یا برابر ہیں، اگر فرق ہو تو وجہ بھی ضرور بیان فرمائی جاوے ورنہ ان کے علاج وغیرہ کی کیا صورت ہے؟

ج:۔ طوائف کا مال جو زنا وغیرہ ناجائز طریقوں سے کمایا ہو، چونکہ از روئے شریعت ان کی ملک نہیں ہے، اس لئے علاج کی فیس یا کسی چیز کی قیمت پر لینا جائز نہیں، قیمت اور جنس میں کوئی فرق نہیں، دونوں برابر ہیں۔ (۲۸ رشوال ۲۷ھ)

س:۔ ایک شخص نے سود کے ساتھ بہت سا روپیہ جمع کیا ہے، بعد ازاں سود سے توبہ کی کہ آگے سود نہ لوں گا، سابقہ روپیہ سودی جمع شدہ کھانا جائز ہے یا نہیں؟

ج:۔ سود کی بابت قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ فمن جاءہ موعظۃ من ربہ فانتہی فلہ ماسلف۔ سود کے بارے میں خدا کی طرف سے جس کو نصیحت آ پہنچے، پھر وہ باز آئے تو جو گذر چکا وہ اس کا ہوا۔ اور جو رقم ابھی مقروض کے ذمہ ہے، اس کی بابت ارشاد ہے۔ فان تبتم فلکم رءوس اموالکم الآیۃ۔ اگر تم توبہ کرو تو تم اصل مال کے مالک ہو گے، سود تم کو نہیں ملے گا۔ (۱۰ رشوال ۱۳۳۴ھ)

تشریح

از مولانا عبد السلام صاحب شیخ الحدیث ریاض العلوم۔ دھلی

س:۔ زید دس سال سے سودی لین دین کر رہا ہے، آج خدا سے ڈر کر توبہ کرتا ہے اور اپنے کل مال کی زکوٰۃ نکالتا ہے، لوگوں کے ذمے باقی ماندہ سود کو چھوڑ دیتا ہے، لیکن جو مال اس نے سود سے کر جمع کیا ہے، اس میں اصل بھی ہے، آیا یہ مال پاک ہے یا ناپاک؟

ج:۔ سود کا لینا دینا ہر صورت میں حرام ہے، توبہ کرنے سے معاف ہو جائے گا، قبل از توبہ حلال و مخلوط از سود مال توبہ کے بعد پاک ہو جائے گا، توبہ کرنے سے شرک و کفر تک معاف ہو جاتے ہیں، انہیں گناہ کبائر میں سے سود بھی ہے، وہ بھی معاف ہو جائے گا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ (گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے، گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں)

مسئلہ مذکور میں قرآن اپنے ان الفاظ میں ناطق ہے۔ الذین یاکلون الربوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس ذلک بانہم قالوا انما البیع مثل الربوا واحل اللہ البیع وحرم الربوا فمن جاءہ موعظۃ من ربہ فانتہی فلہ ما سلف وامرہ الی اللہ ومن عاد فاولئک اصحب النار ھم فیھا

خالدون ہ (البقرۃ)

(ترجمہ) جو لوگ سود کھاتے ہیں، نہیں اٹھتے ہیں، مگر جیسے وہ شخص جس کو شیطان نے اچک لیا ہو (یعنی مجنون) یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے خرید و فروخت اور سود کو ایک کہا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے خرید و فروخت کو حلال کیا، اور سود کو حرام، تو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیحت آجانے کے بعد باز رہے، تو وہ مال اسی کا ہے، جو اس نے پہلے لیا، اس کا امر خدا کے سپرد ہے، لیکن جو باز نہ آئے، وہی اہل نار ہیں سے ہے، جو اس میں ہمیشہ رہیں گے،

اللہ تعالیٰ کے قول فلہ ما سلف سے معلوم ہوتا ہے، کہ جو مال توبہ سے پہلے اور حرمت سے پہلے لے چکا ہے، اس کا رکھنا اس کے لئے جائز ہے، اس کے واپس کرنے کا صراحۃ حکم نہیں ہے، چنانچہ حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر میں اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ فمن جاءہ موعظۃ من ربہ فانتھی فلہ ما سلف وامرہ الی اللہ الآیۃ

ای من بلغہ نھی اللہ عن الربوا فانتھی حال وصول الشرع الیہ فلہ ما سلف من المعاملۃ لقولہ عفا اللہ عما سلف وکما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم فتح مکۃ وکل ربا فی الجاھلیۃ موضوع تحت قدمی ھاتین واول ربا اضع ربا العباس ولم یامرھم برد الزیادات الماخوذۃ فی الجاھلیۃ بل عما سلف کما قال اللہ فلہ ما سلف وامرہ الی اللہ الخ

اور تفسیر مواہب الرحمن میں آیت کریمہ کا ترجمہ اس طرح لکھا ہے "یعنی جس شخص کے پاس آگئی نصیحت اس کے رب عزوجل کی طرف سے پس وہ باز رہا یعنی بیاج کھانے سے تو جو گذر چکا ہے وہ اس کے حصے ہے۔

(فائدہ) یعنی وہ بیاج اس سے واپس نہیں لیا جائے گا، جو حکم الٰہی کے پہنچنے سے پہلے وہ جمع کر چکا ہے الخ اور اگر توبہ کے وقت اصل رقم اور سود کے مال سے لوگوں کے ذمے باقی ہے، تو توبہ کے بعد اپنی اصل رقم کو لے لے، اور سود کو چھوڑ دے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مؤمنین فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ وان تبتم فلکم رءوس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون (البقرۃ)

(ترجمہ) اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے، اور چھوڑ دو جو رہ گیا ہے سود سے، اگر تم کو یقین ہے، پھر اگر نہ کرو گے تو خبردار ہو جاؤ لڑنے کو اللہ اور اس کے رسول سے، اور اگر توبہ کرو گے، تو تم کو پہنچتے ہیں اصل مال، نہ تم کسی پر ظلم کرو، اور کوئی تم پر ظلم کرے۔

(اہلحدیث دہلی ۱۵ مئی ۱۹۵۴ء)

س: ایک عورت نے ہاتھ کی چوڑی بنوانے کے لئے بکر کو ساڑھے تالیس روپے تین کنے گنی وزن کا سونا دیا، بکر اس سونے کو سنار کے ہاں لے کر گیا، اور کہا، کہ اس سونے کی فلاں عورت کے لئے چوڑی بنا دے، سنار نے وہ سونا بکر کے ہاتھ سے چوڑی بنانے کے لئے لے لیا، اور بحفاظت لوہے کے ٹرنک میں رکھ لیا، اس کے چند روز بعد سنار مذکور کے ہاں چوری ہو گئی، جس میں علاوہ دیگر گاہکوں کی اشیاء کے عورت مذکورہ کا بکر کے ہاتھوں بھیجا ہوا سونا بھی چوری ہو گیا، جس کی اطلاع سنار نے پولیس کو کی، پولیس کی تفتیش و تحقیق پر شہر کے باہر میدان میں دیگر گاہکوں کی چیزوں میں سے چند چیزیں دستیاب ہوئیں نیز جس ٹرنک میں عورت مذکور کا سونا بحفاظت رکھا ہوا تھا وہ ٹرنک بھی شکستہ حالت میں وہیں سے دستیاب ہوا، لیکن بالکل خالی تھا، پولیس کے روزنامچے میں یہ رپورٹ محفوظ ہے کہ اب تک چور گرفتار نہیں ہوا۔

عورت مذکورہ نے بعد اطلاع بکر سے دعویٰ کیا، اور اپنا سونا طلب کیا، اس پر بکر نے انکار کیا اور کہا، کہ تمہارے کہنے کے مطابق سنار کو سونا چوڑی بنوانے کے لئے میں نے دے دیا تھا، اب جب کہ اس کے ہاں چوری ہو گئی جس میں تمہارا سونا بھی، باوجود حفاظت تمام چوری گیا، تو مجھے کیا، میں اس کا ذمہ دار نہیں۔

لہٰذا غور طلب امر یہ ہے، کہ سونے مذکور کا شرعاً ذمہ دار کون ہے، بکر یا سنار؟ یا دونوں میں سے ایک بھی نہیں۔ بینوا توجروا۔

ج: عورت مذکور نے بکر کو بنوانے کا وکیل کیا تھا، تو بکر پر تاوان نہ آئے گا، صرف سنار پر آئے گا، اور بکر خود سنار ہے یا ٹھیکہ دار ہے، اور کام بنانے یا بنوانے کا ذمہ دار ہے، تو بکر تاوان آئے گا، اور وہ سنار سے لے گا، بہرحال تفصیل طلب ہے، اللہ اعلم۔

س: اس سنار کے متعلق کہ جس کے ہاں سے اپنے گاہکوں کا سونا باوجود حفاظت و نگہداشت کے چوری گیا تھا، اس کو گاہک یا وکیل گاہک جس کا کہ سونا سنار کے ہاں سے

چوری گیا تھا، یوں سمجھا دے اور جھوٹ کہے، کہ تو نے اگر میرے چوری شدہ سونے کی قیمت ادا کردی، تو میں بہت سی اشیاء تجھ سے بنواؤں گا یعنی آرڈر دلواؤں گا، بایں طور سنار مذکور سے اپنے چوری شدہ سونے کے دام وصول کرنا جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا

ج:۔ شریعت میں اجیر (کارکن) دو قسم کے ہیں، ایک اجیر خاص، دوم اجیر مشترک مثلاً کسی شخص نے ایک دھوبی خاص اپنے لئے نوکر رکھا ہے، دوسری قسم یہ ہے، کہ دھوبی بہت سے لوگوں کے کپڑے دھوتا ہے، قسم اول سے کوئی نقصان اس کی لاپرواہی یا بددیانتی کے بغیر ہو جائے۔ تو اس پر تاوان نہیں ہوتا قسم دوم پر ہوتا ہے، پس صورت مرقومہ میں سنار سے دجو مشترک اجیر ہے) گم شدہ سونے کا عوض لینا جائز ہے۔ ہاں اس کو آرڈر کا طمع دینا، دو وجہیں رکھتا ہے، ایک تو یہ کہ اس کو نیت سے کہتا ہے، کہ معاملہ صاف رہے گا، تو کام بھی ملے گا ورنہ نہیں، یہ بھی جائز ہے، اور اگر محض دھوکہ دے کر اصل چیز وصول کرنا مقصود ہے تو ایسا کرنا ناجائز ہے، بہرحال نیت پر موقوف ہے، اس قسم کے معاملات کی بابت ایک ہی اصول ہے۔ اللہ یعلم المفسد من المصلح اور حدیث شریف میں ہے انما الاعمال بالنیات۔ اللہ اعلم۔

س:۔ زید نے بکر کی گائے چرالی، اور کسی دوسرے گاؤں میں لے جاکر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرلی، اس وقت بکر بھی چور کو تلاش کرتا ہوا آگیا، جس وقت بکر آیا، اس کو گاؤں کے لوگوں نے بتا دیا، کہ زید نے تیری گائے چرا کر یہاں لاکر ذبح کرلی ہے، جھٹ بکر نے زید کو جاکر پکڑ لیا ابھی تک گائے کا گوشت پڑا فروخت ہو رہا تھا، جب بکر آیا، زید نے اقرار چوری کا کرلیا، اور بکر کو قیمت گائے دے کر خوش کرلیا، آیا اب یہ گائے مسلمانوں کو کھانی حلال ہے یا حرام؟ اور ذابح کا کیا حکم ہے؟ (حافظ فضل الرحمن از علیکا، ضلع حصار)

ج:۔ گوشت کی حرمت مالک کی حق تلفی کی وجہ سے تھی، جب اس نے اپنا حق لے لیا، تو اب گوشت حلال ہے، مگر ذابح کا فعل چونکہ ایسے وقت میں ہوا ہے، جس وقت گائے مسروقہ تھی، اور اس کے مالک کا حق اس سے متعلق تھا، اس لئے ذابح گنہ گار ہے، اس کو توبہ نصوح کرنی چاہیئے۔

س:۔ ایک شخص کو واسطے چاندی خریدنے کے روپیہ دیا گیا، بعدہ اس شخص نے دہلی سے واپس آکر یہ بیان دیا، کہ چاندی میں نے کچھ اپنے واسطے خرید کی تھی، اور کچھ چاندی دوسرے

شخص کے واسطے خریدی تھی، وہ بھول میں کسی جگہ گم ہو گئی، اس صورت میں اس چاندی کے روپے مطابق شرع کے لینے چاہئیں یا نہیں؟

(صوفی عبداللہ مہتمم مدرسہ اہلحدیث از قصبہ ٹانڈہ بادلی)

ج:۔ جس کو روپیہ دیا تھا وکیل بنا کر دیا تھا، یا بطور بیع سلم دیا تھا، وکیل بنانے کا مطلب یہ ہے، کہ جس بھاؤ سے چاندی اس کو ملے، وہ مالک کی ہوگی، اس میں نفع و نقصان کا سارا ذمہ مالک پر ہوگا، یہ صورت ہے، تو نقصان کا عوض اس پر واجب الادا نہ ہوگا، اور بطور بیع سلم دینے کا مطلب یہ ہے، کہ خرید کردہ چاندی اس شخص کی ہے، روپے والا اس سے بھاؤ کر کے لے گا، یعنی دہلی میں مشتری تھا، تو یہاں بائع، ایسی صورت میں نقصان اس کا ہے، روپیہ دینے والے کا نہیں، اللہ اعلم　　(بحوالہ ۲۷، محرم ۱۳۴۷ھ)

س:۔ اکثر لوگ کہتے ہیں، کہ مسلمان کو غلہ کی تجارت نہ کرنی چاہیئے، اس سے ایمان بدل جاتا ہے، یہ قول صحیح ہے یا غلط؟ اور مسلمان غلہ فروشی کرنے کے شرعاً مجاز ہیں یا نہیں؟

ج:۔ مسلمانوں کو غلہ کی تجارت جائز ہے، منع ہوتی، تو طبقہ اولیٰ کے مسلمان کیوں کرتے، حدیث شریف میں احتکار منع ہے، احتکار کہتے ہیں غلہ بند رکھنا، جس سے لوگوں کو تکلیف ہو اور گراں بکے، قدرتی موسمی کمی بیشی سے فائدہ اٹھانا منع نہیں۔

تشریح مفید

س:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ تجارت غلہ کی عموماً حرام ہے یا نہیں، زید کہتا ہے، کہ تجارت غلہ کی عموماً حرام ہے، کیوں کہ وہ احتکار ہے، اور احتکار حرام ہے، آیا یہ قول زید کا صحیح ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب (رب زدنی علما۔ قول زید کا بدیہی البطلان ہے، کیونکہ تجارت غلہ کی عموماً ہرگز حرام نہیں، اور نہ وہ احتکار ہے، البتہ خریدنا غلہ وغیرہ کا جو قوت ہو آدمیوں کا یا بہائم کا گرانی میں تجارت کے لئے اور روک رکھنا اس کا تاکہ گرانی میں فروخت کی جائے، احتکار ممنوع اور حرام ہے، امام نووی منہاج و شرح صحیح مسلم بن الحجاج ص۳۱ میں فرماتے ہیں:۔

قال اھل اللغۃ الخاطی بالھمزۃ ھو العاصی الاثم وھذا الحدیث صریح

صریح فی تحریم الاحتکار قال اصحابنا الاحتکار المحرم هو الاحتکار فی الاقوات خاصۃ
وهو ان یشتری الطعام فی وقت الغلاء للتجارۃ ولا یبیعه فی الحال بل یدخره
لیغلوا ثمنه انتهی اور طیبی مرحوم شرح مشکوۃ المصابیح میں لکھتے ہیں۔ الاحتکار المحرم
هو فی الاقوات خاصۃ بان یشتری الطعام فی وقت الغلاء ولا یبیعه فی الحال
بل یدخره لیغلوا انتهی اور مجالس الابرار میں مرقوم ہے۔ قال رسول الله صلی الله علیه
وسلم من احتکر فهو خاطئ هذا الحدیث من صحاح المصابیح رواه معمر بن عبد الله
ومعناه ان من یجمع الطعام الذی یجلب الی البلاد یحبسه لیبیعه فی وقت
الغلاء فهو اثم لتعلق حق العامۃ به وهو بالحبس والامتناع عن البیع یرید
ابطال حقهم وتضییق الامر علیهم وهو ظلم عام وصاحبه ملعون کما روی
انه علیه السلام قال الجالب مرزوق والمحتکر ملعون فانه علیه السلام بین
فی هذا الحدیث ان الذی یجیء الی البلاد ویحبسه لیبیعه فی وقت الغلاء
فهو ملعون بعید من الرحمۃ ولا یحصل له البرکۃ ما دام فی ذلک الفعل
انتهی وفی مجمع البحار من احتکر طعاما ای اشتراه وحبسه لیقل فیغلوا
والحکر والحکرۃ الاسم منه وفی موضع اخر من احتکر فهو خاطئ بان هذا المحرم
من الاحتکار ما هو فی الاقوات وقت الغلاء للتجارۃ ویدخر لیغلو انما نهی
وفی الفتح فیه اشعار بان الاحتکار انما یمنع فی حالۃ مخصوصۃ انتهی

اور اگر بازار سے خرید نہ کرے، بلکہ اس کی زمین کا ہو، یا ارزانی میں خرید کرے، لیکن اس
کو روکے نہیں، بلکہ فوراً بیچ ڈالے یا گرانی تک اس کو روکے لیکن تجارت مقصود نہ ہو بلکہ مصارف
روزمرہ کے لئے اس نے مول لیا ہو، یا جنس قوت بشر اور بہائم سے خارج ہو تو ان سب
صورتوں میں تجارت مذکور حرام نہیں، بلکہ جائز اور درست ہے، باتفاق حنفیہ اور شافعیہ الخ

(فتاوی نذیریہ ص ۲۶ ج ۲)

س: مندید اور اس کی زوجہ ہندہ نے بحالت ذات وثبات عقل بخوشی کل اپنی جائداد کو بدست
اپنی دو لڑکیوں کے مبلغ ۵ ہزار روپیہ پر بیع کیا اور بیع نامہ مطابق قانون انگریزی کے لکھ
دیا، ایک ماہ کے بعد زید کا انتقال ہو گیا، اب زید کے دونوں بھائی حقیقی دادخواہ ہیں، کہ ہم

لہ یعنی احتکار ممنوعہ اقوات کے ساتھ خاص ہے، غیر اقوات میں احتکار منع نہیں ۱۲

کو جائداد زید سے شرعاً حصہ ملنا چاہیئے، کیونکہ یہ بیع فرضی واسطے عدم مقدمہ کے زید نے کی ہے، ورنہ لڑکیوں کو اتنی مقدرت نہیں جو پندرہ ہزار دیں، اور نہ زید اور ہندہ کی بجز ان دو لڑکیوں کے اور کوئی اولاد ہے، مگر زوجہ زید جس نے اپنی بھی جائداد بیع کی ہے، اور اقرار کرتی ہے، کہ مجھ کو اور میرے شوہر کو روپیہ مل گیا، چنانچہ اسی وجہ سے میں نے مہر کا دعویٰ نہیں کیا، مگر عقلاً یہ کہ زید اور ہندہ نے بیع تو ضرور کی ہے، مگر روپیہ نہیں لیا، بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ معاف کر دیا، پس بحالت مذکور برادر حقیقی زید حصہ پا سکتے ہیں یا نہیں، اور مورث اعلیٰ کو اپنی جائداد کا اختیار ہے یا نہیں، کہ جس کو چاہے وہ دے دے، اور اگر یہ بیع ناجائز ہو، تو زوجہ مہر پا سکتی ہے یا نہیں؟ (خریدار اخبار اہلحدیث نمبر ۱۵۲۵ موضع مونال، ضلع آرہ)

ج:۔ یہ بیع واقعی ہے یا فرضی، اس کا فیصلہ کرنا حاکم وقت کا کام ہے، جو واقعات کی تحقیق کر سکتا ہے، مسئلہ یہ ہے، کہ کسی وارث کو محروم کرنے کی نیت سے نہ بیع جائز ہے نہ ہبہ، درصورت بیع ناجائز ہونے کے سبب اور وارث حق پا دیں گے، عورت بھی پا دیگی۔

(۲۸ رجمادی الاول ۱۳۳۰ھ)

س:۔ اگر کوئی شخص اپنی گائے دودھ والی، دس روپے کے بدلے گرو رکھے، اور کہے کہ جب میں روپیہ دے دوں گا، تب گائے واپس لے لوں گا، اور دودھ مرتہن لے لے اور وہی خوراک دیوے، تو یہ درست ہے، یا نہیں؟ (رنگون گلی ۲۵ مکان ۲۱ محمد عمر)

ج:۔ حدیث میں اس کا خاص ذکر آیا ہے، اس لئے جائز ہے۔

س:۔ ایک شخص نے دوسرے شخص کے پاس سو روپے کے عوض اپنی زمین گرو رکھی اس شرط پہ کہ تین برس کے بعد ہم روپیہ دے کر زمین واپس کریں گے، اور اس مدت میں جو کچھ پیداواری کا منافع ہو، وہ اپنے مصرف میں لا دے، اور مالگزاری ادا کرتا رہے۔

ج:۔ بعض علماء اس صورت کو گائے والی صورت پر قیاس کرتے ہیں، کہتے ہیں، کہ زمین کا لگان مرتہن کے ذمے مثل گائے کی خوراک کے برابر ہے، بعض اس سے منکر ہیں، اختلاف سے نکلنے کے لئے مالک کو بھی کرایہ زمین کے طور پہ کچھ دے دیا کرے، خواہ تھوڑا ہی ہو جائز ہے

س:۔ ایک شخص نے کچھ روپیہ لیا، اور دینے والا اس شرط پر دیوے، کہ فصل پر کچھ ہی بھاؤ ہو، میں ایک روپیہ من کے حساب سے غلہ لوں گا، اس نے منظور کر لیا، تو کیا یہ جائز ہے۔ یا نہیں؟

ج:۔ یہ صورت بیع سلم کی ہے، اگر اس میں جنس اور اوصاف جنس اور مکان کی تعین کر دی گئی ہے، تو بحکم حدیث جائز ہے۔

س:۔ ایک شخص نے تیس روپے کا غلہ دیا۔ تین روپے من کے حساب سے، اور لینے کا بھاؤ مقرر نہیں کیا، اور نہ وقت اور جب لینا چاہا تو اس وقت بھاؤ دو روپے من کا ہے اور وہ اسی وقت کے بھاؤ سے لینا چاہتا ہے، یعنی دو روپے من کے حساب سے تو اس طرح لینا درست ہے یا نہیں؟

ج:۔ اگر اس کی صورت یہ ہے، کہ پہلے تیس روپے والے غلے کے عوض میں یہ سودا ہے تو جائز نہیں، اس سودے کو بالکل الگ سمجھنا چاہیئے، اور یہ سودا بالکل الگ تو جائز ہے مگر جب مقرر نہیں، تو جو بھاؤ بازار کا ہوگا، اسی سے لے سکے گا۔ (۶ اپریل ۱۷ء)

س:۔ بنک میں روپیہ رکھ کر سود سے بچ نہیں سکتے، سود کا روپیہ ہم اپنے مصرف میں نہیں لاتے، اور لوگوں کو یوں ہی دے دیتے ہیں، بغیر بنک کے ہمارا کاروبار نہیں چل سکتا، ایسی صورت میں بنک میں روپیہ رکھنا کیسا ہے؟ (عاجزہ محمد اسمٰعیل)

ج:۔ غریب غرباء کو یا قومی کاموں میں دے دیا کریں (۲۲ مارچ ۱۹۳۹ء)

س:۔ نوٹ کی کمیت میں کمی بیشی لینا دینا جائز ہے یا نہیں؟ (محمد ابراہیم جھاجھا مونگیر)

ج:۔ نوٹ نہ چاندی ہے نہ سونا، بلکہ دراصل ایک سرکاری رسید قرضہ ہے، اور عرف عام میں ایک مبیعہ چیز ہے، اس کی کمی بیشی جائز ہے۔

اطلاع:۔ فتووں کی غلطی پر ہر ایک صاحب اطلاع دے سکتے ہیں

(خاکسار ابوالوفا ثناء اللہ)

س:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نوٹ کرنسی میں جس کو چلنی بولتے ہیں بمنزلہ روپے کے جاری ہیں، اور اکثر ان کے نرخ میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے، اگر کوئی مسلمان اس کو بحصول منفعت ارزانی میں خریدے، اور بروقت گرانی وغیرہ کے اس کو بحصول منافع فروخت کرے، تو از روئے شرع شریف ایس میں کمی بیشی جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

ج:۔ درصورت مرقومہ اولاً معلوم کرنا چاہیئے، کہ سرکاری نوٹ دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک قسم کے نوٹ کا سود سرکاری بینک سے ملتا ہے، دوسری قسم کا نوٹ بحکم سرکار انگریزی واسطے معاملات روزمرہ رعایا کے کہ وہ اسے خرید و فروخت کریں، رواج دیا گیا، پس ہر دو

قسم نوٹ حکم روپیہ کا انگریزی عملداری میں رکھتے ہیں، چنانچہ اہل تجارت نوٹ کو بمنزلہ روپے کے سمجھتے ہیں، اور اس سے مال خریدتے ہیں، اور نیز باہم اس کی بیع و شرا کرتے ہیں۔

ثانیاً بیع و شرا ہر دو قسم نوٹ سے مقصود متعاقدین کا صرف کاغذ کی بیع و شرا نہیں ہے بلکہ بیع و شرا اس زر کی مقصود ہے، جو اس میں مرقوم ہے، اور ثمنیت اس میں بحکم ترویج حاکم وقت قرار پائی ہے، سو خرید و فروخت کمی اور بیشی کے ساتھ بمقابلہ روپیہ کے یا بیع و شرا النقدین کے بالنسیا اور تملیک الدین من غیر من علیہ الدین حرام اور ناروا ہوگا شرعاً، اور اس کو از قسم سفتجہ یعنی ہنڈوی ورشتنی قرار دیجیے، اور یہ بات اس پر صادق ہے، کہ مثل ہنڈوی ورشتی جس مہاجن اور تاجر اور سرکاری بنک والوں کو دیا جاوے، تو وہ بلا تامل زر مرقوم اس کا یا اسباب بالعوض اس کے حوالے کر دے گا، پس سفتجہ کہ اولا قرض اور ثانیاً حوالہ ہے بدول کمی بیشی کے مکروہ، اور کمی بیشی کے ساتھ حرام ہے کان کل دین د قرض جر نفعا فھو ربوا کما یستفاد من الھدایۃ وغیرھا، معہذا اگر نوٹ مثل ہنڈوی کے قرار دیا جاوے تو یہ بھی ممکن نہیں، اس لئے کہ ہنڈوی کے تلف سے روپیہ تلف نہیں ہوتا، اور اس کے عوض میں مہاجن ثمنے دیتا ہے، جیسے منی آرڈر یعنی سرکاری ہنڈوی کے تلف ہونے سے سرکاری خزانے سے ثمنے ملتا ہے، غرض روپیہ اس کا کسی نہج سے تلف نہیں ہوتا، بخلاف نوٹ کے کہ اس کے تلف ہونے سے سرکار ہرگز ثمنے نہیں دیتی، اور جب وہ تلف ہو جاوے گا، تو روپیہ بھی اس کا تلف ہو جاوے گا، اور جو کوئی نوٹ کو اسٹامپ و ٹکٹ پر قیاس کر کے اس کی بیع و شرا میں جواز کمی بیشی کا سمجھے، تو یہ قیاس کرنا اس کا قیاس مع الفارق ہے، اس واسطے کہ واضع اسٹامپ و ٹکٹ نے اس کو واسطے ثمنیت کے وضع نہیں کیا، بلکہ خاص اپنی عدالتوں میں اس کو رواج قرار دیا ہے، کہ بذریعہ اس کے دعوے مدعی یا مدعی علیہ کا عند السرکار مسموع ہوگا والا لا، چنانچہ عرفاً یہ بات ثابت ہے، کہ تمام تجاروں میں خرید و فروخت مال کی اسٹامپ و ٹکٹ سے نہیں ہوتی، اور نہ کوئی ان کو خرید کر اپنے پاس سرکاری بنک میں رکھتا ہے، اور نہ کوئی فائدہ ان سے سوائے عدالت انگریزی کے حاصل کرتا ہے، بس اس سے معلوم ہوا، کہ اسٹامپ و ٹکٹ بحکم سرکار روپیہ قرار نہیں دیا گیا، اور نوٹ قرار دیا گیا ہے چنانچہ تفصیل اس کی اوپر بیان ہو چکی۔ حاصل کلام حکم نوٹ کا مثل دراہم متعین کے ہوگا، اور نیز بیع و شرا اس میں مثل دراہم کے جاری ہوگی۔ کما لا یخفی علی العالم الماہر بالفقہ

واللہ اعلم بالصواب۔ حررہٗ السید شریف حسین عفی عنہ۔

(سید محمد نذیر حسین)

درحقیقت کمی بیشی اس میں جائز نہیں ہے، واللہ اعلم۔ کتبہ ابوالاحیار محمد نعیم عفی عنہ (۱۸ ذیقعدہ ۱۲۸۹ھ)

ھوالمصوب: فی الواقع بیع و شرا نوٹ کی مثل بیع و شرا اثمان کے ہے، کیونکہ مقصود متعاقدین کا صرف بیع کاغذ کی نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ بیع دراہم و دنانیر کی والعبرۃ فی العقود للمعانی لا للالفاظ پس زیادتی و کمی ممنوع ہوگی۔ واللہ اعلم۔ حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی وحفظہ عن موجبات الغی۔ (ابوالحسنات محمد عبدالحی)

ھوالموفق:۔ فی الحقیقت کرنسی نوٹ کی بیع و شرا مثل بیع و شرا دراہم و دنانیر کے ہے، اس میں کمی بیشی درست نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ نمقہ خادم الاولیاء الکرام محمد ابراہیم غفرہ اللہ الکریم ابن مولانا محمد علی مرحوم (محمد ابراہیم ۱۲۸۴)

(فتاوی نذیریہ ج ۲ ص ۲۲ و ۲۳)

س:۔ زید نے بکر کو روپیہ دیا، کہ اس سے تم تجارت کرو، ایک مہینہ تک، اس روپیہ سے جس قدر مال خرید و گے، اس کو اسی مہینے میں فروخت کر دینا، مگر ایک مہینہ کے اندر سب کارروائی کر لینا، دوسرے مہینے میں بھی اسی طرح کرنا، غرض ہر ماہ یہ سلسلہ جاری رہا، پس ایسی تجارت جائز ہے کہ نہیں؟

ج:۔ جائز ہے، مالک کو ہر ایک۔ جائز شرط لگانے کا اختیار ہے، گماشتہ کو منظور نہ ہو تو نہ مانے۔ (۲۹ شعبان ۳۲ھ)

س:۔ ایک شخص مسلمان سور کا گوشت بیچتا ہے، جو ولایت سے ٹین میں رکھ کر خوبصورت لیبل سے مزین ہو کر آتا ہے، اور یوں بھی وہ گوشت بقر وغیرہ ماکول اللحم جو وہاں سے ٹینوں میں ہو کر آتا ہے خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں؟

ج:۔ سور کے گوشت کا اگر یقین ہے، تو مسلمان کو اس کی بیع جائز نہیں، مشکوک حالت میں بھی پرہیز واجب ہے۔ حدیث شریف میں ہے من اتقی الشبہات فقد استبرأ لدینہ جو شبہات سے بچے گا۔ وہ اپنا دین بچا لے گا

س:۔ ایک شخص معازف و مزامیر کے پرزے بیچتا ہے، آیا یہ بیع و شرا جائز ہے یا حرام؟

ج:۔ معازف و مزامیر چونکہ خود جائز نہیں، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، کہ مجھے ان کے توڑنے کا حکم ہے، اس لئے ان کے پرزوں کی بیع و شرا بھی جائز نہیں (۱۵ر جنوری ۱۵ء)

س:۔ بیع بالمضاربت کی تعریف کیا ہے، اور اس کے انعقاد کے مکمل شرائط کیا ہیں، ہمارے یہاں غریب طبقہ کے لوگ مہاجن سے اس شرط پر ادھار لاتے ہیں، کہ تیار کردہ مال پر فی تھان آنہ یا دو آنہ کمیشن دیں گے، پھر اپنا کاروبار کرتے ہیں، مال کا مالک اپنی اصلی رقم کے ساتھ باہم معینہ منافع لیتا ہے، گھاٹے اور نقصان سے اس کا کوئی مطلب نہیں کیا یہ صورت جائز اور بیع بالمضاربہ ہے، یا نہیں (حمید اللہ محمدی گوپا گنج ضلع اعظم گڈھ)

ج:۔ بیع مضاربت کی تعریف یہ ہے، کہ ایک شخص کی رقم ہو، اور دوسرے کی محنت ہو، صورت مرقومہ بیع مضاربت نہیں ہے، بلکہ دلالی ہے (۲۶ر مارچ ۱۳ء)

مسئلہ: کوئی شخص کسی مفلس شخص سے یہ بات کہے، کہ میں تجھ کو سو روپے اپنے پاس سے دیتا ہوں، اس شرط پر کہ تو تجارت کر، اور چار آنے فی روپیہ مجھ کو نفع دینا، اور کسی سے اسی شرط پر دلوا دے، تو صورت اولیٰ میں دو حال سے خالی نہیں، کہ یا قرض کے طریق سے دیا ہو، سو روپیہ پھر اس میں چار آنے یا کم و بیش اپنے واسطے نفع ٹھہرا لے تو یہ ربا و سود ہے، کل[1] قرض جر نفعا فھو ربوا کذا فی الہدایۃ وغیرھا۔ اور یہ جو

---

[1] قولہ کل قرض جر نفعا الخ حاصل ما قال الزیلعی انما اخرجہ الحارث عن ابی اسامۃ فی سندہ ابو الجھم فی جزءہ المعروف عن علی مرفوعا و ابن عدی فی الکامل عن جابر وسند ھما ضعیف وروی ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ حدثنا ابو خالد الاحمر عن حجاج عن عطاء قال کانوا یکرھون کل قرض جر منفعۃ انتہی نصب الرایۃ جلد ۲ ص ۱۹۸ وفی التلخیص حدیث ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن قرض جر منفعۃ وفی روایۃ کل قرض جر منفعۃ فھو ربا قال عمر بن بدر فی المغنی لم یصح فیہ شیء واما امام الحرمین فقال انہ صح وتبعہ الغزالی وقد رواہ الحارث بن ابی اسامۃ فی مسندہ من حدیث علی باللفظ الاول وفی اسنادہ سوار بن مصعب وھو متروک ورواہ البیہقی فی المعرفۃ عن فضالۃ بن عبید موقوفا بلفظ کل قرض جر منفعۃ فھو وجہ من

بطور شرکت مضاربت کے سو روپے دیئے ہوں، تو اس صورت میں نفع باخود ہا نصفا نصف مقرر کرلے، یا دو ثلث رب المال اور ایک ثلث مضارب یعنی روپیہ لینے والا، اور محنت تجارت میں کرنے والا لے، تو اس طرح سے عقد مضاربت صحیح اور درست ہے، اور جو صاحب مال اپنے واسطے نفع معین کرے کہ پانچ روپے یا دس روپے مثلاً میں نے لیا کرونگا باقی نفع تم لے لیجیو، تو یہ صورت مضاربت فاسد کی ہے، اور قاطع شرکت ہے، روا نہیں چنانچہ تمام کتب فقہ ہدایہ وغیرہ میں مذکور ہے، اور صورت ثانیہ دلوا دینے میں غیر سے اپنی معرفت سے، تو اس صورت میں دلوا دینے والا محض اجنبی ہے، اور جو شخص متوسط کسی طرح سے مستحق نفع کا نہیں ہوسکتا۔ کما لا یستحق الاجنبی نفعا والمعقد کما فی العنایۃ وغیرھا۔ سید محمد نذیر حسین (فتاوی نذیریہ ج ۲ ص)

س:- آج ایک شخص کو مکئی دے کر ہاڑی کو جو، چنے یا گندم مکئی کے برابر مقرر کر لینی جائز ہے یا نہیں؟ (سید عبدالعزیز جالندھری)

ج:- برابر ہو یا کم و بیش ہو، دونوں حالتوں میں جائز ہے، کیوں کہ جنس مختلف ہے۔ (۳۰ ربیع الاول ۱۳۶۴ھ)

تعاقب مفتی صاحب اہلحدیث نے ۳۰ ربیع الاول کے پرچے اہلحدیث میں لکھا ہے، کہ آج (چیت کے مہینے) میں ایک شخص مکئی دے کر ہاڑی کے موقع پر گندم برابر ہو یا کم و بیش ہر دو صورتوں میں لے سکتا ہے، غالباً مفتی صاحب نے

وجوہ الربا و رواہ فی السنن الکبری عن ابن مسعود و ابی بن کعب۔ و عبد اللہ بن سلام موقوفا علیھم انتہی تلخیص، ج ۲ ص ۲۴۵۔

وقال الحافظ فی بلوغ المرام بعد ذکرہ عن علی مرفوعا ولہ شاھد ضعیف عن فضالۃ بن عبید عند البیہقی و اخر موقوف عن عبد اللہ بن سلام عند البخاری انتہی اقول اخرجہ البخاری فی مناقب عبد اللہ بن سلام من طریق سلیمان بن حرب حدثنا شعبۃ عن سعید بن ابی بردۃ عن ابیہ قال اتیت المدینۃ فلقیت عبد اللہ بن سلام فقال الا تجیٔ فاطعمک سویقا و تمرا و تدخل فی بیت ثم قال انک بارض الربا بھا فاش اذا کان لک علی رجل حق فاھدی الیک حمل تبن او حمل شعیر او حمل قت فلا تاخذہ فانہ ربا انتہی (بخاری مصری ج ۲ ص ۱۹۴) (ابو سعید محمد شرف الدین مصحح)

مسلم کے الفاظ فاذا اختلفت ھذہ الاصناف فبیعوا کیف شئتم پر سارا دار و مدار رکھا ہے، اور فتویٰ دیا ہے، جس میں انہوں نے مسامحت کی ہے، کیونکہ مختلف اجناس کی صورت میں جہاں کہیں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع کرنے کی اجازت فرمائی ہے وہاں "یدا بید" نقد بیع کرنے کی تاکید کی ہے، اور ادھار کو ناجائز قرار دیا[1] ہے، چنانچہ دیگر مقامات پر مختلف الفاظ نقل کرکے "یدا بید" کے ساتھ مقید فرمایا ہے، مسند امام شافعی میں عبادہ بن صامت سے مرفوع حدیث ہے لاتبیعوا الذھب بالذھب الحدیث کے آخر میں ہے، کہ گندم کو جو سے اور نمک کو کھجور سے (مختلف اجناس) جس طرح چاہو، بیچو، مگر نقد کی صورت ہونی چاہیئے، حتی کہ بخاری شریف اصح المطابع صفحہ ۲۹۰ جلد اول کے الفاظ بیعوا الذھب بالفضۃ والفضۃ بالذھب کیف شئتم کی شرح میں علامہ کرمانی اور علامہ عینی فرماتے ہیں۔ متساویا و متفاضلا بشرط التقابض فی المجلس صرف ایک مجلس میں نقد کی صورت میں جائز ہے، چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ باب بیع الدینار بالدینار نسیئا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ لا ربٰو الا فی نسیئۃ کی تشریح میں لائے ہیں ھذا عند تغایر الذھب بالورق والحنطۃ بالشعیر متفاضلا ولا باس بہ یدا بید ولا خیر فیہ نسیئۃ نقد ا تفاضل جائز ہے اور (مذکورہ سوال کی صورت میں) ادھار میں قطعاً جائز نہیں، اگرچہ اجناس میں اختلاف ہی کیوں نہ ہو، علی ہذا القیاس مولوی عبدالرحمن صاحب شرح ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۳۹ باب ما جاء ان الحنطۃ بالحنطۃ مثلا بمثل وکراھیۃ التفاضل فیہ) عبادہ بن صامت کی حدیث کے لفظ بیعوا الذھب بالفضۃ کیف شئتم یدا بید وبیعوا البر بالتمر کیف شئتم ید بید کی شرح میں فرماتے ہیں۔ حالا مقبوضا فی المجلس قبل افتراقھما عن الاخر اسی وقت مجلس ہی میں جدا ہونے سے پہلے ایک دوسرے سے کم و بیش چیز لے سکتا ہے ادھار کی صورت میں جائز نہیں، چنانچہ اسی پر امام ترمذی کا فہ اہل علم کا عمل ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے فاذا اختلف الاجناس فلا باس ان یباع متفاضلا اذا کان یدا بید مکئی کو جو سے نقداً بیچنے کی صورت میں کم و بیش جائز ہے، اور ادھار جیسا کہ مفتی صاحب نے فرمایا ناجائز ہے ان ارید الا الاصلاح (راقم محمد داؤد ارشد عثمان والہ ضلع لاہور، ۵ اربیع الآخر ۱۳۶۷ھ)

---

[1] جو شخص بھوکا مر رہا ہو، اور نقد لینے کی اس کو طاقت نہ ہو، وہ کیا کرے اس کو متعاقب نے حل نہیں کیا (مؤلف)

اضافہ تشریح مفید

(از حضرت العلام مولانا عبد السلام (مولوی فاضل) بستوی)

س:- آج جب کہ عام طور سے مسلمانوں کی معاشی حالت بہت ہی مایوس کن ہے، غریب کسانوں کے پاس اساڑھ اور کاتک کے مہینوں میں بونے کے لئے بیج نہیں رہتا ہے، مالدار مسلمان ان غریبوں کے حال زار پر توجہ نہیں کرتے، مجبوراً مسلمان ہندؤوں کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے، ہندو اس شرط پر بیج دیتے ہیں، کہ فصل تیار ہونے پر ایک سیر کا سوا سیر لیں گے، کسان چار و ناچار ہندو کے ہاں سے سوائی پر بیج لاتا ہے ایسے نازک موقع پر اگر مسلمان ہندوؤں سے سوائی پر بیج نہ لیں، تو کھیت پرتی پڑ جائے یعنی خالی رہ جائے، نیز خود فاقہ کریں، اور لگان کی عدم ادائیگی میں کھیت سے بیدخل ہو جائیں،

ج:- یہ سود ہے، سود کا لینا دینا حرام ہے۔ احل اللہ البیع وحرم الربوا حدیث میں ہے۔ لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکل الربوا وموکلہ الحدیث (مسلم) الذھب بالذھب والفضۃ بالفضۃ یدا بید الخ اضطراری حالت میں (جس وقت خنزیر کھانا جائز ہو جاتا ہے) جائز ہے، جیسا کہ سوال سے پتہ چلتا ہے۔

واللہ اعلم بالصواب (اہلحدیث دہلی ۱۵ر جنوری سنہ ۱۹۵۲ء)

س:- آج کل سلامی[1] کا رواج عام ہے، مکان کا مالک اپنے کرایہ داروں سے ہزار دو ہزار پہلے وصول کر لیتا ہے، اور بعد میں ستر اسی روپے ماہوار کرایہ پر مکان دیتا ہے، جو روپیہ سلامی کے طور پر پہلے وصول کر لیتا ہے، اس کو کرائے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، یہ سلامی کا روپیہ شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ (سائل ابو نعیم عبد الحکیم قصوری جامع اہلحدیث رنگون)

ج:- اس قسم کا سودا ناجائز ہے، کیوں کہ یہ رشوت کے حکم میں ہے۔

(۱۸ر جولائی سنہ ۱۹۳۷ء)

تشریح مفید: رشوت کے معنی ہیں، کسی شخص کو کچھ مال اس غرض سے دینا، کہ وہ شخص امر باطل اور ناحق پر اس کی اعانت کرے، اور اس غرض سے جو مال دیوے، وہ راشی ہے، اور جو مال لیوے وہ مرتشی ہے، اور جو شخص دونوں

[1] عرف عام میں اس کو آج کل پگڑی کہتے ہیں ۱۲

کے درمیان اس لین دین کی بات چیت کرے، وہ رائش ہے، اور حدیث میں ان تینوں پر لعنت آئی ہے، اور امر حق کے حاصل کرنے کے لئے یا ظلم ظالم کے دفع کرنے کے لئے مال دینا رشوت نہیں ہے، مجمع البحار میں ہے۔ والرشوۃ بالکسر والضم وصلۃ الی الحاجۃ بالمصانعۃ من الرشاء التوصل بہ الی الماء ومن یعطی توصلا الی اخذ حق او دفع ظلم فغیر داخل فیہ روی ان ابن مسعود اخذ بارض الحبشۃ فی شئ فاعطی دینارین حتی خلی سبیلہ وروی عن جماعۃ من ائمۃ التابعین قالوا لا باس ان یصانع عن نفسہ ومالہ اذا خاف الظلم انتہی۔

(فتاوی نذیریہ جلد ثانی ص۳۱)

ایضاً از حضرت العلام مولانا عبد السلام دہلوی۔

امر حق کے حصول کے لئے یا ظالم کے ظلم کے دفعیہ کے لئے مال دینا رشوت سے خارج ہے (اہلحدیث دہلی یکم نومبر ۱۹۵۱ء)

س:۔ یہاں کشمیر میں بیع دو طرح سے ہوتی ہے، پہلی صورت یہ ہے، کہ ایک ہی وقت بروئے تحریر کئی کئی سالوں کے لئے فصل خرید لیتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟

(خریدار اہلحدیث نمبر ۱۲۸۴۵)

ج:۔ صورت مرقومہ کا نام اجارۃ الارض ہے، آج کل سرکاری بندوبست کے کاغذوں میں اس کو مستاجری کہتے ہیں، یہ جائز ہے، اس کی صورت یہ ہوتی ہے، کہ زمین نقدی معاوضے پر لی جاتی ہے، جس کو کرایۃ الارض کہتے ہیں، اس کے ثبوت میں حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں امر بالمواجرۃ وقال لا باس بہا رصحیح مسلم د مشکوۃ باب الاجارۃ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کرایہ پر دینے کی اجازت فرمائی، اور فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

س:۔ بصورت دیگر فصل ابھی بالکل تیار نہیں ہوئی، بعض اوقات شگوفہ ہی ہوتا ہے، اور بسا اوقات کچھ بھی نہیں، غرض یہ کہ نادیدہ سودا ہوتا ہے، کیا یہ جائز ہے یا ناجائز؟

(سائل مذکور)

ج:۔ اس صورت کی ممانعت کے لئے جتنے الفاظ آتے ہیں، ان کے ساتھ لفظ کا لمشورۃ (بخاری شریف جلد اول مطبوعہ ہند ص۲۹۲) بھی آیا ہے، اس لفظ نے ساری حدیثوں کی تشریح کر

کالمشورۃ پر حضرت محشی کے قلم سے تشریح پہلے گذر چکی ہے۔

دی، کہ ممانعت بطور مشورہ کے ہے، حرمت شرعی کے طور پر نہیں، اس لئے یہ صورت جائز ہے۔ واللہ اعلم (۷ رجمادی الاخری ۱۳۶۳ھ)

س:- پنجاب یا دیگر علاقوں میں جو آدمی عورتوں کو (خواہ مسلمات ہوں یا غیر مسلمات) اغوا کر کے فروخت کر دیتے ہیں یا مسلمان کر کے خود نکاح کر لیتے ہیں، اس مسئلہ میں کیا حکم ہے، اغوا کرنے والا گنہ گار ہے یا نہیں؟ اور وہ روپیہ جو اس نے فروخت کر لیا ہے، وہ حرام ہے، یا حلال؟ اور غیر مسلمہ کو اغوا کر کے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے، تو اس کی علت کتنی ہے؟ (خادم سنت پوری، شیخوپورہ)

ج: کسی آزاد انسان کا فروخت کرنا کسی طرح جائز ہے مسلم ہو یا غیر مسلم، اغوا سے ہو یا رضامندی سے، اس کے دام بھی حرام ہیں۔ اغوا کردہ عورت کو مسلمان کرنا بھی منع ہے، برضائے خود مسلمان ہو تو جائز ہے۔ ایک ماہ عدت گذار کر اس کا نکاح بھی جائز ہے (۱۸ محرم ۱۳۶۶ھ)

س: کیا اسلام مسلمانوں کو شراب اور خنزیر کا گوشت فروخت کرنے کی کسی حالت میں اجازت دیتا ہے؟ یہاں پر ایک مسلمان نے خوردونوش کی دکان کھول رکھی ہے جس میں وہ شراب اور خنزیر کا گوشت بھی فروخت کرتا ہے۔ اعتراض کرنے پر جواب دیتا ہے کہ میں نے یہ دو چیزیں صرف غیر مسلم گاہکوں کو ہاتھ میں رکھنے کے لئے رکھی ہیں۔ (خواجہ ضیاء الدین گنائی زانا فریقہ)

ج:- جو چیز حرام ہے، اس کی بیع بھی قطعی حرام ہے، چاہے یہ کافروں کے پاس ہی فروخت کی جائے، حدیث شریف میں آیا ہے، عن جابر انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول عام الفتح وھو بمکۃ ان اللہ ورسولہ حرم بیع الخمر والخنزیر والاصنام الخ (مشکوٰۃ شریف باب الکسب وطلب الحلال) (۲ر شوال ۱۳۶۵ھ)

س:- زید امام مسجد ہے اور پابند شریعت ہے، وہ اپنا کوٹہ (کھانڈ، تیل یا کپڑا وغیرہ) اپنے کارڈ پر حاصل کر کے زیادہ قیمت پر فروخت کر دیتا ہے۔ جب لوگوں نے اس سے کہا، کہ ایسا کرنا قانون مروجہ کی رو سے جرم ہے، تو اس نے کہا، کہ جرم ہے تو ہو، لیکن شریعت نے تجارت کو جائز قرار دیا ہے، اور یہ بھی تجارت ہے، اب سوال یہ ہے، کہ زید کا یہ جواب کہاں تک درست ہے؟

ج:۔ قانون مروجہ کے خلاف بلیک کرنا حرام ہے، حدیث شریف میں مذکور ہے الاثم ما حاک فی نفسک وکرهت ان یطلع علیہ الناس، یعنی گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے، اور تو برا سمجھے کہ لوگوں کو خبر ہو، یہ حدیث بلیک پر صادق آتی ہے، مگر بلوہ عام ہے۔

(۱۵ ر رمضان ۱۳۶۵ھ)

تشریح

(از حضرت العلام مولانا ابوسعید شرف الدین صاحب محدث دہلوی)

سوال:۔ جب اپنے مال کا ہر شخص کو اختیار ہے، کہ جس قیمت سے چاہے، بیچے، تو پھر بلیک بیچنا کیوں ناجائز ہوا، جب کہ تراضی طرفین بھی ہو، اور کنٹرول کا کیا اعتبار ہے، یہ تو حکومت غیر مسلمہ کا ہے، اور تسعیر تو جائز نہیں، اور واحل اللہ البیع وحرم الربوا الآیۃ میں بلیک کیوں نہ داخل ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ اقول بحول اللہ وتوفیقہ وھو الہادی الی الصواب۔ بیع بلیک یعنی چور بازاری جائز نہیں قطعاً حرام ہے اور واحل اللہ البیع الآیۃ میں ہرگز داخل نہیں ہو سکتی، اس لئے کہ بیع شرعی میں کسی شخص کا اور کے مال میں کسی قسم کا تصرف مطلقاً جائز نہیں تاوقتیکہ اس بیع یا دیگر تصرفات میں شرعی اجازت نہ ہو، اس لئے کہ از روئے شرع ہر قسم کے تصرف خصوصاً بیع میں اس کے ارکان وشروط وترک موانع کا ہونا بھی لازم ہے اور تراضی طرفین تو اشیاء ستہ منصوصہ فی الربا کی بیع میں بصورت عدم مساوات بھی عہد نبوی میں ہوتی تھی، مگر پھر بھی حدیث نبوی میں اس کی حرمت کتب صحاح ستہ میں موجود ہے ایسے ہی اور بھی کئی ایک قسم کی بیوع میں باوجود تراضی طرفین کے حرمت ثابت ہے، جو علماء ربانیین پر مخفی نہیں، اور تراضی طرفین تو قمار یعنی جوئے میں بھی ہوتی ہے، مگر وہ قطعی حرام ہے اور عہد نبوی کی عدم تسعیر پر حال کے کنٹرول کو قیاس کرنا غلط ہے، اس لئے عہد نبوی میں قدرۃً جو قحط سالی ہوئی تھی، وہ عرف عام ہو گیا تھا، اور ظاہر وعلانیہ تھا، چور بازاری نہ تھی، اس پر صحابہ رضوان اللہ علیہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ارزانی کی درخواست کی، یعنی تسعیر وکنٹرول کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قدرتی عرف عام کو نہ توڑا، نرخ مقرر نہ کیا، آپ کا نہ توڑنا بالکل صحیح تھا، در زمانہ حال میں جو حکومت غیر مسلم نے کنٹرول کیا ہے، وہ عرف عام کے درہم برہم ہونے

کے بعد کیا ہے، اور اب مجبوراً یہی عرف عام ہو گیا ہے، اس لئے کہ عرف عام قدیم ارزانی کا تو رہا نہیں، پھر اگر اس پر بھی عمل نہ کیا جائے گا، تو بلیک والوں کا ظلم حد سے زائد گرانی، عوام الناس کی حق تلفی و محرومی اور تکلیف شدید ہوگی، جس سے نظام صالح کے درہم برہم ہونے کا اندیشہ ہے، لہٰذا یہی حکومت کا مقرر کردہ نرخ مجبوراً عرف عام قرار پائے گا، اور نسبتاً بلیک سے اس میں رفاہ عام بھی ہے، اور نسبتاً عرف عام کے قدرے قریب بھی ہے، لہٰذا اسی کا اعتبار ہوگا، اور عرف عام وہ ہوتا ہے، جو ہر شخص مسلم، غیر مسلم، صالح، غیر صالح سب میں بلا کسی اعتراض کے مروج ہوتا ہے، اور ظاہر و علانیہ ہوتا ہے، چوروں اور ڈاکوؤں کے معاملہ کی طرح چھپ کر نہیں ہوتا، جیسے کہ بلیک والے کرتے ہیں، لہٰذا بلیک عرف عام نہیں ہو سکتی، پس ناجائز و حرام ہوگی، اب بلیک یا چور بازاری کے موانع یا اس کے ابطال کے دلائل ملاحظہ ہوں۔

دلیل اول یہ کہ اس میں چوری ہوتی ہے، اور اس کا نام ہی چور بازاری ہے، جو گناہ کبیرہ و حرام ہے، اور بلیک والے حکومت کے بھی چور اور قانون شکن ہیں، اگرچہ وہ بعض اہل کاروں کو رشوت دے کر دن دہاڑے بلیک کرتے ہیں، وہ اہل کار بھی حکومت کے چور ہیں، اور رعایا و عوام الناس کے بھی چور کہ ان کا حق کاٹ کر گرانی شدید سے دوسروں کو دیتے ہیں، اور غربا بے چارے محروم رہ جاتے ہیں، ان کو کہا جاتا ہے، کہ مال ہی نہیں آیا، اور ردی مال کتے کا کفن ان کو دکھاتے اور دیتے ہیں، حالانکہ اچھا مال دکان میں بکافی ہوتا ہے، اور چوری کرنا حرام و ممنوع ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لا تسرقوا (صحیح بخاری و مسلم و مشکوۃ ص۹) نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لا یسرق السارق حین یسرق وھو مؤمن (صحیح بخاری و مسلم و مشکوۃ ص۹) یعنی چور چوری کرتے وقت ایماندار نہیں رہتا۔

دلیل دوم یہ کہ اس میں جھوٹ بولا جاتا ہے، کہ حکومت سے کنٹرول نرخ پر بیچنے کے لئے مال لاتے ہیں، اور پھر اس کے مطابق نہیں بیچتے، تو ایک جھوٹ تو حکومت کے سامنے بولا، دوسرا یہ کہ جب غربا، و عوام الناس کنٹرول نرخ پر مال لینے آتے ہیں، تو ان کو کہہ دیتے ہیں، کہ مال نہیں آیا، یا بک گیا، حالانکہ مال دوکان میں کافی ہوتا ہے، جس کو وہ بلیک کرتے ہیں، تیسرا جھوٹ یہ کہ جب کوئی تفتیش کے لئے آتا ہے، تو کہہ دیتے ہیں، کہ ہم بلیک نہیں کرتے، کنٹرول ریٹ پر ہی بیچتے ہیں۔ اور جھوٹ بولنا گناہ کبیرہ اور حرام ہے

اور بحکم قول اللہ تعالیٰ اتقوا اللہ وقولوا قولا سدیدا (پ ۲۲ ع ۵) اللہ سے ڈرو، اور بات پکی سچی کہو، سچ بولنا فرض اور جھوٹ بولنا حرام ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اصدقوا اذا حدثتم رواہ احمد والبیہقی (مشکوۃ ص ۴۰۷) جب بولو، سچ بولو صیغہ امر وجوب کے لئے ہے، لہذا سچ بولنا فرض اور ترک فرض حرام قطعی ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا، کہ جھوٹ بدکاری اور بدمعاشی کا راستہ دکھاتا ہے، اور بدکاری وبدمعاشی دوزخ کی راہ دکھاتی ہے (صحیح بخاری ومسلم مشکوۃ ص ۴۱۲) پس بلیک والے دوزخ کی طرف چلتے ہیں۔

دلیل سوم بیع بلیک میں عہد شکنی بھی ہوتی ہے، کہ حکومت سے کنٹرول نرخ کا عہد کرکے مال لاتے ہیں، اور پھر عہد توڑ کر کنٹرول نرخ پر نہیں بیچتے، اور بلیک بیچتے ہیں، یعنی ایسی شدید گرانی سے بیچتے ہیں، جس سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے مال کیا بیچتے ہیں، لوگوں کو لوٹتے ہیں، اور بحکم قول باری تعالیٰ اوفوا بالعہد ان العہد کان مسئولا الآیۃ (پارہ ۵) عہد کو پورا کرنا فرض ہے، اور ترک فرض اور عہد شکنی ممنوع اور حرام قطعی ہے، بلکہ بحکم حدیث نبوی گناہ کبیرہ ونفاق وبے ایمانی ہے (صحیح مسلم مشکوۃ)

دلیل چہارم اس میں خیانت وعوام الناس کی حق تلفی ہے، کہ حکومت نے عوام و افراد وغیرہ کے لئے کنٹرول نرخ پر بیچنے کے لئے ان کو مال دیا تھا اور بلیک والے ان کا حق کنٹرول نرخ پر ان کو نہیں دیتے، دوسروں کو بلیک بیچتے ہیں، یہ کام بھی حرام وناجائز اور نفاق وبے ایمانی کا ہے، جیسا کہ حدیث نبوی میں ہے (صحیح بخاری ومسلم)

دلیل پنجم اس میں رشوت کا لین دین بھی ہوتا ہے، بلیک والے حکومت کے اہل کاروں کو رشوت دے کر مال زائد لاتے ہیں، یا بسبب رشوت دینے کے بے دھڑک بیچتے ہیں، یا پکڑے جانے پر رشوت دے کر چھوٹتے ہیں، اور رشوت سے بھی بعض فرضی پرمٹ بنا کر بلیک کرتے ہیں، اور رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا بحکم حدیث شریف نبوی دونوں ملعون ہیں۔ لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الراشی والمرتشی رواہ ابوداؤد والترمذی وابن ماجۃ وغیرہم (مشکوۃ ص ۳۲۸) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت لینے والے اور رشوت دینے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔

دلیل ششم

اس میں احتکار ہے، جس کا معنی مطلقاً اشیائے خوردنی ونوشیدنی وپوشیدنی وغیرہ ضروریات زندگی ومدار زندگی جن کے عدم یا قلت شدید وگرانی شدید سے انسان کی زندگی تلخ وبرباد ہو جائے، اور ان کو بوقت ضرورت گراں بیچنا ہے، اور مویشی وغیرہ جانوروں کی زندگی کی ضروریات چارہ وغیرہ بھی اس میں شامل ہے، بلکہ ایسے زمانے میں کاغذ بھی اس میں داخل ہے، جو قرآن مجید وحدیث شریف اور دیگر کتب دینیات، تفاسیر وشرح احادیث وغیرہ کے کام آتا ہے، وہ بھی اس میں داخل ہے، کہ دین پر روحانی زندگی کا دار ومدار ہے، اور دین کا قرآن وحدیث ودیگر کتب دینیہ پر، اور وہ کاغذ پر چھپتے ہیں، قاموس میں ہے۔ الحکر الظلم واساءۃ المعاشرۃ احتکر ای احتبس انتظار الغلاء انتہی

حاصل یہ کہ حکرہ یا احتکار کا معنی ظلم (کسی کی حق تلفی یا حق کی کمی) ومعاشرت وبرتاؤ میں بدمعاملگی ہے، اور آگے جو حدیث میں بدمعاملگی ہے، اور آگے جو حدیث میں اس کا ذکر ہے، اس میں مطلب یہ ہے، کہ اشیاء مذکورہ کو روک کر شدید گرانی سے بیچنا جس سے انسانی زندگی تلخ وبرباد ہو جائے، اور احتکار مذکور فی الحدیث طعام کے ساتھ مخصوص نہیں، جیسا کہ بعض علماء کا خیال[1] ہے، اس لئے کہ حدیث نبوی عام ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احتکر فہو خاطئ رواہ مسلم وفی روایۃ سنن ابن ماجۃ المحتکر ملعون انتہی (مشکوٰۃ ص ۲۴۲ و ۲۴۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ احتکار کرنے والا یعنی اشیائے ضروریہ انسانی زندگی کو روک کر گرانی سے بیچنے والا گنہ گار وملعون ہے، دوسری حدیث اس سے بھی عام ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من دخل فی شیئ من اسعار المسلمین لیغلیہ علیہم کان حقا علی اللہ ان یقعدہ فی معظم من النار انتہی اخرجہ ابوداؤد الطیالسی والامام احمد فی مسندیہما والطبرانی فی الکبیر والحاکم فی المستدرک والبیہقی فی سنن الاقوال والافعال (جلد ۲ ص ۲۱۳)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص مسلمانوں کی اشیاء کی خرید وفروخت کے

[1] قال اصحابنا الاحتکار المحرم ھو الاحتکار فی الاقوات خاصۃ واما غیر الاقوات فلا یحرم الاحتکار فیہ بکل حال (نووی ص ۳۱)

نرخوں میں دخل دے گا، تاکہ ان پر گرانی کرے، مقرر اللہ تعالیٰ اس کو الٹا کرکے دوزخ میں ڈالے گا اسعار المسلمین میں اضافۃ الجمع الی الجمع المحلی باللام ہے، جو مفید استغراق ہے، نیز "شیئے" بھی نکرہ ہے، جس سے عموم کی تاکید ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے، کہ ہر قسم کی مسلمان کی اشیار ضروریہ زندگی کی خرید و فروخت کے نرخوں میں دخل دے کر گرانی کرنے والا خواہ وہ اشیار از قسم طعام ہوں یا غیر طعام ان کرکے دوزخ میں ڈالا جائے گا یعنی بلیک بیچنے والا۔

ایسے ہی ایک اور حدیث بھی عام ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احتکر حکرۃ یرید ان یغالی بہا علی المسلمین فہو خاطیٔ انتہی رواہ الحاکم فی المستدرک ذکرہ الحافظ وسکت عنہ (تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۲۵۴) جو شخص اشیار ضروریہ کو مسلمانوں پر گرانی کرنے کے ارادے سے روکتا ہے وہ گنہ گار ہے

یہ تمام حدیثیں ہر قسم کی اشیار کے احتکار میں عام ہیں، اور قاموس سے بھی احتکار کا معنی عام ثابت ہو چکا ہے، تو اب بعض علماء کا احتکار کو طعام کے ساتھ خاص کرنا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ ان کا استدلال بعض روایات میں طعام کے ذکر سے ہے، تو اس کا جواب یہ ہے، کہ وہ احتکار کے ایک فرد کی تنصیص ہے تخصیص نہیں، جس کی تحقیق نیل الاوطار جلد ۵ ص ۲۰ میں ہے، کہ اس قسم کی تنصیص و تصریح سے تخصیص و تنقید کا خیال مفہوم لقب ہے جو جمہور محدثین کے نزدیک معتبر نہیں، جیسا کہ اصول حدیث میں مصرح ہے انتہی، نیز اگر طعام کے ساتھ احتکار کو خاص کیا جائے، تو پھر اوپر کی اسعار المسلمین والی حدیث کے ساتھ تعارض واقع ہوگا، لہٰذا تطبیق یا توجیہ یہی ہے، کہ وہ احتکار کے ایک فرد کی تنصیص ہے تخصیص نہیں کما فی نیل الاوطار۔

پس ثابت ہوا، کہ طعام کے ساتھ احتکار کو مخصوص کرنا حدیث نبوی و جمہور محدثین و اصول حدیث کے خلاف ہے، اور بلیک بالکل احتکار ہی ہے، جو آج کل چاول، چینی، گیہوں اور اس کے آٹے، سوت، کپڑے اور کاغذ وغیرہ میں ہو رہا ہے، بالکل حرام ہے، شریعت کا اصل منشار احتکار سے منع کرنے کا یہ ہے کہ عوام الناس کو زندگی کی ضروریات کے عدم یا قلت سے تکلیف نہ ہو، کہ جس سے ان کی زندگی برباد یا تلخ ہو جاوے، اور نظام صالح کے درہم برہم ہونے کا اندیشہ ہو، چنانچہ اس امر کا ذکر دلیل مقتم میں آئے گا، اور جیسے کہ طعام کی بندش یا قلت و گرانی میں لوگوں کو سخت تکلیف ہوتی ہے، ایسے ہی سوت، کپڑے، کاغذ، ادویہ وغیرہ

ضروریات زندگی کے عدم یا قلت میں ہوتی ہے، لہٰذا ان کل اشیاء میں بلیک حرام ہے،

دلیل ھفتم ہر قسم کی اشیاء ضروریات زندگی کی بلیک میں مسلمانوں کو مشقت اور تکلیف میں ڈالنا ہوتا ہے، جو بحکم حدیث نبوی ناجائز و حرام ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یشاقق یشقق اللہ علیہ یوم القیمۃ انتہی (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۵۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جو شخص لوگوں پر مشقت ڈالے گا، اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کو مشقت میں ڈالے گا، یہ وعید شدید بلیک کی حرمت میں بین دلیل ہے۔

دلیل ھشتم بلیک میں فریب، دغا بازی، جعل سازی اور دھوکہ بازی بھی ہوتی ہے کہ فرضی پرمٹ بنا کر دھوکہ دے کر مال وصول کر کے بلیک کرتے ہیں جو بحکم حدیث نبوی حرام و ناجائز ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من غش فلیس منا اخرجہ الترمذی فی جامعہ و قال حسن صحیح (ترمذی ص ۱۶۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے، وہ ہم میں سے نہیں ہے، یعنی مجھ سے، اور میری امت سے الگ ہے، پس یہ بھی بلیک کی حرمت کی دلیل ہے، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ملعون من ضار مؤمنا او مکر بہ رواہ الترمذی (مشکوۃ ص ۴۲۰) یعنی جو شخص کسی مومن کو ضرر پہنچاتا ہے، یا اس کے ساتھ مکر و فریب کرتا ہے اور دھوکہ دیتا ہے، وہ ملعون ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ المؤمن غر کریم و الفاجر خب لئیم رواہ ابوداؤد و الترمذی و الحاکم (جامع صغیر ص ۸۳) مومن بھولا اور شریف الطبع ہوتا ہے، سخی با مروت ہوتا ہے، اور بدمعاش دھوکہ باز بخیل، یہ حدیثیں بھی بلیک کی حرمت کی دلیل ہیں، کہ بلیک کرنے والا دھوکہ بازی کرتا ہے۔

دلیل نہم بلیک میں حدیث نبوی الدین النصیحۃ للہ و لرسولہ و لائمۃ المسلمین و عامتہم انتہی (صحیح بخاری ص ۱۳ جلد ۱) کی بھی مخالفت ہے، کہ حدیث میں مسلمانوں کی خیر خواہی و بھلائی کی تعلیم ہے، اور بلیک میں مسلمانوں کی بدخواہی و تکلیف اور حق تلفی ہے، لہٰذا حرام ہے۔

دلیل دھم بلیک میں حدیث نبوی لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ

ما یحب لنفسہ (صحیح بخاری ص ۶ ج ۱) کی بھی مخالفت ہے۔ کہ حدیث سے ثابت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں سے کوئی شخص ایماندار نہیں ہو سکتا تا وقتیکہ وہ مسلم بھائی کے لئے وہ امر پسند نہ کرے، جو اپنے لئے پسند کرتا ہے، اور بلیک والا اپنے لئے بھلائی و سرمایہ داری چاہتا ہے، اور دوسرے مسلم بھائی کے لئے بدخواہی، اور اس کا مال لوٹنا، لہٰذا ناجائز و حرام ہے۔

دلیل یازدہم حدیث نبوی میں ہے۔ الاثم ما حاک فی صدرک وکرھت ان یطلع علیہ الناس رواہ مسلم (مشکوۃ ص ۴۲۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، گناہ وہ ہے، جس کا تیرے سینے میں کھٹکا و شبہ گذرے اور لوگوں کا اس پر مطلع ہونا تجھ کو ناگوار گذرے، اور اسلام کے مدعی کو اس کے عدم جواز کا شبہ ضرور ہوتا ہے، اور اگر بالفرض یہ بھی نہ ہو، تو لوگوں کا اس پر مطلع ہونا جن سے کہ وہ بلیک والا چھپاتا ہے، خصوصاً تفتیش کرنے والوں سے تو ضرور ہی اس کو ناگوار ہوتا ہے، اس سے تو انکار ہو ہی نہیں سکتا، لہٰذا یہ گناہ اور ناجائز و حرام ہے۔

دلیل دوازدہم یہ کہ شریعت اسلامیہ میں بیع و شراء میں کتاب و سنت کے عموم یا خصوص کا اعتبار ہے، یا عرف عام کا قال اللہ تعالیٰ وأمر بالمعروف الآیۃ (پ ۹ ع ۱۴) اور صحیح بخاری میں ہے باب من اجری امر الامصار علی ما یتعارفون بینہم فی البیوع والاجارۃ والکیل والوزن وسننہم علی نیاتہم ومذاھبہم المشھورۃ۔ وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لہند خذی ما یکفیک وولدک بالمعروف وقال اللہ تعالیٰ من کان فقیرا فلیأکل بالمعروف انتہی ملخصا (ج ۱ ص ۲۹۴) خلاصہ یہ کہ بیع و شراء وغیرہ معاملات کا مدار و اعتبار کتاب و سنت یا عرف عام پر ہے اور بہ سبب او مذکورہ بالا بلیک نہ کتاب و سنت کے مطابق ہے نہ عرف عام کے بلکہ ان کے مخالف ہے، اس لئے کہ عرف عام قدیم ارزانی کا تو قطعاً نہیں، اور نہ ہی عرف عام حال کا ہے، جو بہ سبب کنٹرول حکومت کے مجبوراً عرف عام ہو گیا ہے اس لئے صرف عرف عام اعلانیہ و ظاہر ہوتا ہے۔ اور بلیک چھپ کر چوری سے ہوتی ہے لہٰذا یہ عرف عام نہیں ہو سکتی ہے، پس حکومت کا نرخ مجبوراً عرف عام ہو گا، اس لئے اگر یہ بھی نہ ہو گا۔ تو پھر اور کیا عرف عام ہو گا، اور پھر بلیک حرام ہو گی۔

دلیل سیزدھم قال اللہ تعالیٰ لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الآیۃ (پ۲) لوگو! ایک دوسرے کے مال کو آپس میں باطل طریقے سے نہ کھاؤ، باطل کا طریقہ بڑا وسیع ہے، اور اوپر ثابت ہو چکا ہے، کہ بلیک امر باطل ہے لہذا ناجائز و حرام ہے۔

دلیل چہاردھم ادلہ مذکورہ بالا یعنی براہین شرعیہ سے ثابت ہو چکا ہے، کہ بلیک ناجائز و حرام ہے، تو بحکم حدیث نبوی م دع ما یریبک الی ما لا یریبک اخرجہ الترمذی ج ۲ ص ۸۴ و صححہ النسائی ج ۲ ص ۲۹۱ وغیرہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس امر میں تم کو شک اور قلق ہو اس کو چھوڑ کر یقینی امر پر عمل کرو اب کوئی بالکل ہی سیاہ قلب ہوگا، کہ جس کا دل مسخ ہو گیا ہوگا، وہی بلیک میں شبہ نہ کرے گا کہ شیطان کا اس پر پورا قبضہ ہے، ورنہ مسلم کو ضرور کم از کم وہ دل میں کھٹکتی ہے، لہذا حرام ہے اور اس کا چھوڑنا فرض و واجب ہے۔ ھذا واللہ اعلم　　(۲۵ رجولائی ۱۹۴۷ء)

س:۔ کیا جو شخص سنٹرل بنک قانون گورنمنٹ کا ممبر ہو، اور خود بھی بنک کے ذریعے روپیہ سودی بوجہ استقراضاً لیتا ہو، اور عوام الناس کو بھی اس سنٹرل بنک کی طرف رغبت دیتا ہو، اور ایسے سود دینے کو جائز کہتا ہو، اور رشوت وغیرہ اعلانیہ کھاتا ہو، اور صد درجہ کا غیبت ہو، کسی شخص حتیٰ کہ علمائے کرام موجودہ کی بھی سخت سے سخت غیبت کرنے میں دریغ نہیں کرتا، اور نہایت قبیح مخش اور فضیح ہو، ورا نحالیکہ شخص موصوف چند کتب حدیث بھی پڑھا ہو، اس کے پیچھے نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟ امامت اس کی اتفاقیہ ہو یا مقررہ　　(ابو سعید از نیچہ کلاں)

ج:۔ شخص مذکور میں اگر واقعی یہ صفات قبیحہ پائی جائیں، تو امام نہ بنایا جائے، حدیث شریف میں ہے۔ اجعلوا ائمتکم خیارکم (اپنے میں سے اچھے شخص کو امام مقرر کیا کرو) اور اگر اتفاقیہ پڑھا رہا ہے، تو مل جانا چاہیئے بحکم وارکعوا مع الراکعین۔　　(۱۱ مارچ ۱۹۲۷ء)

تشریح بنک وغیرہ سے تعلق رکھنا کیسا ہے؟ سود کے حکم میں ہے یا نہیں؟ بس واضح ہو کہ:۔

(۱) سیونگ بنک قائم کرنے کا مقصد یہ ہے، کہ وہ لوگ جو تجارت پیشہ نہیں ہیں، اور ان کی رقم ان کے پاس فاضل پڑی ہے اس بنک میں جتنا روپیہ چاہیں جمع کریں، اور سرکار اسے جس مصرف میں چاہے صرف کر کے فائدہ حاصل کرے، اور اس نفع میں سے بحساب سالانہ فی صدی انہیں بھی

کچھ نہ دے، اس حالت میں روپیہ جمع کرنے والے کو بلا مشقت نفع ملتا ہے یعنی وہ روپیہ دے کر روپیہ بڑھاتا ہے، جو یقینی ربوٰا کی صورت ہے، جیسا صحیح حدیث سے صاف ظاہر ہے۔

لا تبیعوا الذھب بالذھب الا مثلا بمثل ولا تشفوا بعضھا علی بعض ولا تبیعوا الورق بالورق الا مثلا بمثل ولا تشفوا بعضھا علی بعض ولا تبیعوا منھا غائبا بناجز (متفق علیہ)

اور صحیح مسلم میں یوں ہے۔ الدینار بالدینار لا فضل بینھما والدرھم بالدرھم لا فضل بینھما۔ دوسری روایت میں اور بھی صاف کر دیا ہے۔ الذھب بالذھب وزنا بوزن مثلا بمثل والفضۃ بالفضۃ وزنا بوزن مثلا بمثل فمن زاد او استزاد فھو ربا

لیکن شراکت فی التجارت تو اس کی شکل ہی جدا ہے، کیوں کہ اس میں نفع و نقصان پر حصہ لگتا ہے، اور بنک میں یہ شرط نہیں پائی جاتی، لہٰذا اس مد میں روپیہ لگانا تجارت کے تحت سے خارج ہو گیا۔

ربوٰا کا اصول ہے، کہ اس سے ایک شخص بے محنت فائدہ حاصل کرتا ہے، اور دوسرا مفت میں نقصان اٹھاتا ہے، اور یہ جزو لا تظلمون ولا تظلمون قابل غور ہے، اور یہ دیکھنا چاہیے کہ بنکوں میں اس کی مثال کہاں تک ملتی ہے، ظاہر ہے، کہ سرکار روپیہ جمع کرنے والے کو انٹرسٹ دے کر اپنا نقصان نہیں کرتی ہے، بلکہ اس رقم سے نفع اٹھا کر کچھ دیتی بھی ہے۔

اب یہ جاننے کی ضرورت ہے، کہ گورنمنٹ کو ہمیشہ فائدہ ہی ہوتا ہے یا کبھی نقصان بھی اس پر صاحب علم اور وہ اشخاص جو اس معاملے سے واقف کار ہیں روشنی ڈالیں، اگر گورنمنٹ کو نقصان بھی ہوتا ہے، تو وہ اس کی تلافی کی کوئی نہ کوئی صورت اختیار کرتی ہوگی، یا روپیہ جمع کرنے والوں پر اس کا بار آتا ہوگا، یا رعایا پر اس کا بوجھ ڈال کر اپنا نقصان پورا کرتی ہوگی، واللہ اعلم۔ اور یہ جبر و تشدد ہمارے روپیوں کی بدولت ہو غرض یہ کہ ایسے بنکوں میں شرکت کسی طرح درست نہیں۔

(۲) ایک بنک وہ بھی ہیں، جو مہاجنی اصول پر چلتے ہیں، امانت دار نہیں بلکہ سود خوار اس میں روپیہ جمع کرتے ہیں (بغرض حاصل کرنے سود) اور تجارت پیشہ والے اس سے سودی قرض حاصل کرتے ہیں، گویا اس کے قائم کرنے کا خاص منشا یہی ہوتا ہے، کہ سود لیں، اور دیں، اور اس کی حرمت ظاہر ہے، اب اس کے دیکھنے کی ضرورت نہیں، کہ اس کا استعمال کہاں ہوتا ہے، اچھے کاموں میں، یا برے میں، کیونکہ اس کی بنا ہی سود پر ہے، جس طرح کہ شراب کہ اس کی حرمت میں کچھ

شک وشبہ نہیں، اس کا سرکہ بنانا، دوا میں استعمال کرنا وغیرہ سب ممنوع۔

دوسری بات یہ کہ امانت (یعنی روپیہ) جو بنک میں جمع رہتا ہے، اس کا ذمہ دار بنک خود ہے، اور خسارہ صرف حصہ داروں کو ہونا چاہیئے، لیکن چونکہ روپیہ جمع کرنے والے کو بنک سے سود ملتا ہے، لہذا دیوالہ نکل جانے پر اس کا خسارہ امانت داروں پر بھی پڑتا ہے، یہ یک طرفہ ڈنڈ ہے، اور آخرت کا عذاب خدا کی پناہ سخت ہے، امانت کی اگر سچ پوچھئے تو یہ صورت ہی نہیں، امانت اصل میں اسے کہتے ہیں، کہ جو چیز جس حالت میں اور جس قدر بطور امانت رکھی جائے وہ اسی حالت میں اور اسی قدر واپس بھی لیا جاوے، اب اظہر من الشمس ہو گیا، کہ کسی حالت سے اس میں بھی شرکت جائز نہیں۔

(۳) بعض بنکوں میں یہ بھی دستور ہے، کہ امانت دار جو ان سے سود نہ لے، تو وہ اس سودی رقم کو عیسائی مشن کے سپرد کر دیتے ہیں، اس میں شک نہیں، کہ آج کل کے جتنے قسم کے بنک اور دیگر کمپنیاں طریقے مروج ہیں، سب میں شرکت کرنا قطعی ناجائز ہے، لیکن جو لوگ اس میں گرفتار ہیں، ان کے لئے مناسب تو یہ ہے، کہ باز آئیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مؤمنین فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ وان تبتم فلکم رءوس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون ۰ (اے ایمان والو! اللہ سے ڈر کر سودی کاروبار چھوڑ دو، ورنہ پھر اللہ سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ)

اس آیت کے آخری حصہ لا تظلمون ولا تظلمون پر نظر کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ موجودہ صورت پر چسپاں نہیں ہوتی، کیونکہ خود سود دینے پہ مجبور کرتے ہیں، اور نہ لینے پر عیسائی مشن کے سپرد کر دیتے ہیں، جو مذہب اسلام کے لئے مہلک ہے، اس کے متعلق اخبار اہلحدیث میں فتوی بھی نکل چکا ہے، واللہ اعلم بالصواب (خلیل احمد ناظم انجمن اہلحدیث، مرزاپور)

(۲۶ صفر ۱۳۴۳ھ)

س:- رنڈی کا مال توبہ کرنے کے بعد حلال ہے یا نہیں؟

(محمد اسحاق خریدار نمبر ۲۰۷۲ اور احسان اللہ خریدار نمبر ۴۲۴۱)

ج:- خاکسار کی ناقص تحقیق میں رنڈی کا مال جو زنا سے پیدا کیا ہے، بعد توبہ کے پاک نہیں ہوتا۔

(۲۳ جون ۱۹۱۱ء)

ے کاروبار میں جو مشکلات ہیں، ان کو بھی حل کر دیتے تو اچھا تھا (اہلحدیث)

س:- زید پیشہ وکالت کو انجام دیتا ہے، بکر اس پر یہ الزام دیتا ہے، کہ پیشہ وکالت کی مذہبًا بسخت ممانعت ہے، بلکہ حرمت کی حد تک پہنچ جاتی ہے، لہٰذا ترک کر دیا جائے۔

پس ایسی صورت میں بروئے قرآن وحدیث شریف آیا فی الواقع پیشہ وکالت بموجب قول بکر مذہبًا ناجائز وقابل ترک ہے؟ اگر ہے تو کس شرط کے ساتھ، اگر نہیں ہے، تو کس طرح؟ بصراحت وتفصیل اس فتوے کو اخبار اہلحدیث میں شائع فرما کر آپ عند اللہ ماجور وعند الناس مشکور ہوں　　(خریدار نمبر ۶۹۲۲)

ج:- پیشہ وکالت کی دو حیثیتیں ہیں، اصل منصب وکیل، دوم طریق عمل منصب، وکیل تو یہ ہے، کہ عدالت کو صحیح قانونی مشورہ دے، اس منصب کے لحاظ سے تو جائز کاموں میں وکالت جائز ہے، الا ان مقدمات میں جن میں قانون کی خلاف شریعت ہے، مثلاً دیوانی میں میعاد قرضہ یا فوجداری میں شراب، خمر اور زنا کا جواز ایسے مقدمات میں بپابندی قانون پیروی کرنا بھی خلاف شریعت ہے، حق یہ ہے، کہ طریق عمل نے اس پیشہ کو بہت کچھ مورد الزام بنایا ہے، جس کی تفصیل کی ضرورت نہیں، نہ مناسب ہے ؎ اگر در خانہ کس است ٭ یک حرف بس است۔

(۲۴ مئی ۱۹۲۹ء)

س:- جو مسلمان مال رکھ کر کسی مسلمان کی عزت نہیں بچاتا، حالانکہ وہ مسلمان زیور، قرآن وحدیث ضمانت دگر دیں دیتا ہے، وہ مالدار خدا کے نزدیک کیسا ہے (علی حسن خان از برہٹہ)

ج:- قرض خواہ کو قرض دینا، دینے والے کی رائے پر ہے، اس لئے اس امر میں فتوی شرعی یہی ہے، کہ حتی الوسع مسلمان مسلمان کی اعانت کرے تو اجر عظیم کا حقدار ہوگا، لیکن سوال سے یہ معلوم نہیں ہوا، کہ قرضخواہ کیسا ہے، ادا کرنے والا ہے، یا نے کر کھا ہی جاتا ہے، اس لئے جب تک اس کا حال معلوم نہ ہو، فتوی مکمل نہیں ہو سکتا، اللہ اعلم　　(۹ ستمبر ۱۹۳۸ء)

س:- سود کے پیسے سے زراعت کی زمین لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور زراعت کی پیداوار جائز ہے یا نہیں؟ اور پیداوار کے پیسے سے صدقہ وخیرات وغیرہ کرنے سے ثواب ہوگا، یا نہیں؟ از روئے قرآن وحدیث کیا ثابت ہے؟

ج:- سود حرام ہے، جو خریدا جائے گا، وہ بھی حرام ہوگا، اللہ اعلم　　(۳۱ مئی ۱۹۲۰ء)

س:- زید بیوپار کرتا ہے اپنے حسب منشا، مثلاً عمرو کو ایک چیز پانچ روپے میں دی، وہی چیز بکر کو (۴ صر) کو دی، ایسا ہی خالد کو (۳ صر) کو دی، زید نے عمرو وبکر وخالد کو مذکورہ بالا صدر مال صاف

گونی کے ساتھ دیا ہے، عمرو وبکر وخالد خوشی کے ساتھ لے گئے، زید اپنی دی ہوئی چیز اسی وقت ناپسند ہو، تو لینے کو بھی تیار ہے، تو زید کی ایسی تجارت کو شرع میں کیا حکم ہے؟

(سید حسن علی محرر پولیس، چیتاپور جاگیر)

ج:۔ جائز ہے۔ الاان تکون تجارۃ حاضرۃ تدیرونھا بینکم میں داخل ہے۔

(۲ رجب سنہ ۴۲ھ)

س:۔ ایک چینا قوم کافر نے ایک شخص کا حقہ ایک دفعہ منہ میں ڈال دیا، اور اس چینا کی بولی دوسری تھی یعنی نہ وہ کسی کی بات سمجھتا تھا، اور نہ اس کی زبان کوئی سمجھتا تھا، جس شخص کا وہ حقہ تھا اس نے ۱۲ آنے میں وہ حقہ خرید کیا تھا، لیکن اب اس چینے کا فر کو ڈرا کر اور دھمکی دے کر مبلغ دو روپیہ بالعوض اس حقہ کے لئے، اور وہ حقہ اسی کے حوالے کر دیا، اس چینے نے اس حقہ کو اسی وقت توڑ ڈالا، کیونکہ چینے لوگ اس حقہ کو استعمال نہیں کرتے، اب سوال یہ ہے، کہ پھر جو قیمت خرید سے زیادہ لئے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور پھر وہ شخص لے سکتا ہے، اس وقت اس چینے سے جتنا چاہتے ڈرا کر لے سکتے تھے

(منشی علی حسن خان شہر نجینہ)

ج:۔ اصل قیمت سے جتنا زیادہ لیا ظلم ہے، اس کو واپس کرنا چاہیئے، واپس نہ کریں گے، تو خدا کے نزدیک وہ دعوے دار رہے گا۔

س:۔ اگر دکان میں کوئی اجنبی گاہک مال خریدنے آئے، اور قیمت دے جائے یا دوسری دوکان سے خرید کر لایا ہو، اور مال بھول کر چلا جاوے، اور یہ نہ معلوم ہو، کہ وہ کہاں کا رہنے والا تھا، تو اب اس کے بھولے ہوئے مال اور چیز کو کیا کیا جائے؟

ج:۔ بھولی ہوئی چیز لقطہ ہے، ایک سال تک اس کے مالک کا انتظار کیا جائے، نہ آئے، تو اس کو پہچان کر استعمال کریں، کبھی اس کا مالک آ جائے، تو قیمت دے دیں۔

(۷ رجمادی الثانی سنہ ۳۳ھ)

تعاقب ہمارے ہاں تازہ تاڑی بھی نشہ دیتا ہے، آپ کے پنجاب میں ایسا تاڑ ہے جو نشہ نہ دے، آپ نے اس کے جواز کا فتوی کیوں دیا (راقم مہارنپور)

جواب پنجاب میں تاڑ نہیں دیکھا، پٹنہ وغیرہ میں سنا تھا کہ تازہ میں نشہ نہیں ہوتا، مدار حرمت نشہ پر ہے۔ لہذا جو تاڑ ایسا ہو، کہ اس کے تازہ اور باسی، دونوں میں نشہ ہوتا ہو، ہر حال میں حرام ہے، بحکم کل مسکر حرام۔

(۱۰ ربیع الاول سنہ ۵۱ھ)

س: مستورات کو تھیٹر سینما وغیرہ دکھلانا جائز ہے یا نہیں؟

ج: مستورات کو ایسی مجالس میں لے جانا، ان کی ذہنیت پر برا اثر ڈالتا ہے۔

(۱۰؍ربیع الاول ۱۳۵۱ھ)

(نوٹ) سینما بائیسکوپ فلم آج کل بڑے وسیع پیمانے پر بطور تجارت و روزگار کے اپنایا جا رہا ہے، جس میں بے شمار منکرات ہیں، ان کی تفصیل کے لئے مندرجہ ذیل تشریح ملاحظہ کیجیے۔

تشریح

(از قلم حضرت العلام مولانا ابوالفضل عبد الحنان صاحب دہلوی)

مغربی دنیا فخر کرتی ہے، اور اسے ناز ہے، کہ وہ اپنے علوم و فنون اور ایجادات سے تمام بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچا رہی ہے، لیکن اہل مغرب نے کبھی اس پر غور کیا ہے، کہ ان کے علوم و فنون سے دنیا کو نقصان کس قدر پہنچ رہے ہیں۔

یورپ کے علوم و فنون اور اس کی ایجادات و اختراعات کی منفعت بخشی کے ہم معترف اور قائل ہیں، اس نے بری و بحری دشوار گذار راستوں کو آسان سے آسان تر کر دیا، انسان آسمان پر اڑنے لگا، زمین کی طویل مسافتیں چند دنوں اور گھنٹوں میں طے کی جانے لگیں، چند منٹوں بلکہ لمحوں میں دنیا کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک دم بدم کی خبریں اور تقریریں سن سکتا ہے، یہ سب کچھ صحیح اور بجا، مگر ان علوم و فنون کی ایجاد و اختراع کی روز افزوں ترقی ہی نے یورپ کی جوع الارضی کو اس قدر تیز کر دیا ہے، کہ اسے کسی طرح قناعت نہیں ہوتی، اہل یورپ نے تقریباً تمام مشرقی قوموں کو اپنا غلام اور محکوم بنا لیا ہے۔ اور اگر کوئی قوم خوش نصیبی سے اب تک ان کی گرفت سے بچی ہوئی ہے، تو نہیں کہا جا سکتا، کہ ان کی آزادی بھی کب تک برقرار رہے،

بہادر حبشیوں کی دردناک تباہی کا جگر پاش منظر بھی ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ حبشیوں کو اطالیوں کی تہذیب و شائستگی اور ان کی شجاعت و مردانگی نے نہیں، بلکہ تباہ کن ایجادات و اختراعات نے غارت کیا، جنگیں پہلے بھی ہوا کرتی تھیں، لیکن پہلے نہ اس درجہ ہوس ملک گیری تھی، نہ ایسے تباہ کن حالات تھے، کہ آناً فاناً میں ساری دنیا میں امن و امان درہم برہم ہو جاتے۔ یہ سب یورپ کے علوم و فنون اور اس کی ایجاد و اختراع سے صرف امن و امان ہی کو

نقصان نہیں پہنچ رہا ہے، بلکہ مذہب واخلاق اور تہذیب وشرافت کی وہ تباہی ہو رہی ہے کہ الامان والحفیظ۔

سینما یورپ کی ایک عالم فریب مخرب اخلاق ایجاد ہے، پہلے تو تصویریں جانداروں کی طرح صرف نقل وحرکت ہی کرتی تھیں، لیکن سنا ہے، کہ اب وہ باتیں کرنے اور گانے بھی لگی ہیں، اس سے اس کی دلآویزی میں بیش از بیش اضافہ ہوگیا ہے، یہ ایجاد بھی اپنے اندر بہت سی تباہیوں، اور بربادیوں کا سامان رکھتی ہے، جہاں یورپ اور امریکہ سے بہت سی وبائیں ہندوستان میں آئیں سینما بھی آیا، یورپ اور امریکہ کی خوش حالی، دولت مندی، فارغ البالی کی انتہا نہیں ہے، وہاں مال ودولت کی بارش ہوتی ہے، اس کے برعکس ہندوستان مفلس وقلاش ہے، نوے فی صدی آدمیوں کو بھی دونوں وقت پیٹ بھر کر روٹی نہیں ملتی لیکن سینما کی دلچسپیوں کا یہ حال ہے، کہ دن بھر مزدوری کر کے تین چار آنے پیسے کمانے والا بھی سینما دیکھے بغیر نہیں رہتا، خواہ اس کے اہل وعیال رات کو بھوکے سو جایا کرتے ہوں، سینما نے جہاں ہندوستان کو مالی تباہی وبربادی کے گڑھے میں دھکیل دیا ہے، وہاں ہندوستانی شرافت وتہذیب کا جنازہ بھی نکال دیا ہے، بداخلاقی وبے حیائی عام کر دی ہے، اب سینما کی تباہ کاریاں وبرق پاشیاں مردوں سے گذر کر عورتوں تک پہنچ چکی ہیں، ہزاروں شریف گھرانوں کی بہو بیٹیاں سینما میں جاتی ہیں، اور نہایت دیدہ دلیری اور ڈھٹائی سے سینما کے حیاسوز اور مخرب اخلاق مناظر دیکھتی ہیں اور صد نفرین ولعنت ہے ان کے شوہروں پر کہ وہ انہیں روکتے تو کیا، بلکہ خود لے جاتے، اور ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔

سینما کی ترویج سے پہلے عصمت فروش وآبرو باختہ عورتوں کی مجلس میں کوئی وقعت وحیثیت نہ تھی، لیکن سینما کی برکتوں میں سے ایک یہ بھی ہے، کہ اس نے آبرو باختہ عورتوں کو ایک خاص پوزیشن دے دی ہے، اب لوگ علانیہ رنڈیوں کی شان میں قصیدے لکھ رہے ہیں، اور مدیران اخبار ان کی تصویریں اپنے پرچوں میں شائع کر رہے ہیں، ان تصویروں کے نیچے جہاں آرا بیگم، زبیدہ بانو، مختار بیگم اور اسی طرح کے دوسرے معزز نام درج ہوتے ہیں، جن گھروں میں ان ذلیل فاحشہ عورتوں کا نام لینا بھی گناہ اور موجب شرم سمجھا جاتا تھا، اب ان گھروں میں ان کی تصویریں آویزاں ہیں، اور جن مجلسوں میں ان کا تذکرہ مکروہ خیال کیا جاتا تھا ان ہی مجلسوں میں اب فخریہ ان کے تذکرے کئے جاتے ہیں، ان سے اندازہ کیا جا سکتا ہے، کہ سینما نے ہمارے ملک

کی اخلاقی حالت کو کس طرح تباہ و برباد کر دیا ہے، سینما سے ملک کے نوجوان جس طرح برباد ہو رہے ہیں، وہ ایک ناقابل برداشت مصیبت ہے، وہ سینما میں ایکٹرسوں کو دیکھتے ہیں، اور اپنی زندگی کو بھی انہی کی زندگی کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے بے اختیار ہو جاتے ہیں، پھر ان کو اس کا خیال مطلق نہیں رہتا، کہ ان کا گھر برباد ہو گا، تجارت ملیامیٹ ہو گی، تعلیم ادھوری رہ جائے گی، اور وہ سب سے بے پرواہ رہ کر نگار خانوں کا طواف شروع کر دیتے ہیں، ملک کے دور دراز مقامات کے نوجوان کلکتہ اور بمبئی کا سفر کرتے ہیں، اور ایکٹر بننے کے لئے طرح طرح کے نقصانات اور مصائب و آلام میں مبتلا ہو جاتے ہیں، ان تمام والہانہ ایثار و قربانی سے ان کی غرض یہ ہوتی ہے، کہ انہیں خوبرو اور خوش ادا عورتوں کے ساتھ کام کرنے اور رہنے سہنے کا موقع مل جائے۔

یہ تو ہمارے ملک کے نوجوانوں کا حال ہے، لیکن ملک کی عورتوں میں بھی یہ جذبہ تیزی سے پیدا ہو رہا ہے، چنانچہ وہ بھی اسٹیج پر آنے اور اپنے حسن و شباب اور ناز و ادا کی نمائش کرنے کے لئے بے تاب و بیقرار ہو رہی ہیں، ان حالات میں ہندوستان کی شرافت کا خدا ہی حافظ ہے۔

اخلاق و کردار اور عزت و شرافت کی بربادی کے ساتھ غریب ہندوستانیوں کی محنت و مزدوری کے پیسے جس بے دردی سے ضائع ہو رہے ہیں، اس کے اندازے کے لئے فلم ایکٹروں اور ایکٹرسوں کی تنخواہوں پر نظر ڈالئے، کسی کی چار ہزار روپے ماہوار، کسی کی تین ہزار روپے ماہوار، کسی کی ڈھائی ہزار روپے ماہوار، کسی کے دو ہزار، فلموں کی تیاری کے دوسرے گرانقدر مصارف وہ اس کے علاوہ ہیں، اس سے اندازہ کیجئے، کہ فلموں پر ماہانہ کتنا خرچ ہوتا ہو گا، پھر جو سرمایہ دار فلم سازی پر اتنا سرمایہ خرچ کرتے ہیں، وہ اس سے کتنا فائدہ حاصل کرتے ہوں گے، اس سے اندازہ لگائیے، کہ مفلس ہندوستان کے لئے سینما کس قدر غارت گر اور تباہ کن ہے۔

ضرورت ہے، کہ علماء کا طبقہ اس طرف توجہ کرے، اور اخبارات، مقررین، واعظین اپنے اپنے حلقہ اثر میں سینما کے نقصانات سے پبلک کو مطلع کر کے اس سے روکنے کی کوشش کریں،

(اہلحدیث گزٹ بابت اکتوبر ۱۹۳۶ء)

(نوٹ) جو مسلمان سینما بائیسکوپ کا کاروبار کرتے ہیں، وہ ذرا اسلام کی تعلیم کی روشنی میں اپنے اس دھندے پر غور کریں، اور انصاف کی عینک لگا کر دیکھیں، کہ ان کا یہ دھندا حلال ہے یا حرام؟ فاتقوا الله ایها المسلمون لعلکم ترحمون۔

س:۔ ہر قسم کی آتش بازی (مثلاً انار، پٹاخے، پھلجھڑی اور رنگین دیا سلائی وغیرہ وغیرہ) کا روزگار

کرنا کیسا ہے؟ اور جب کہ اس شے کا استعمال مسلمانوں کے لئے داخل اسراف ہوکر ممنوع ٹھہرا تو ایک متقی مسلمان بیوپاری اگر شب برات یا ہندوؤں کی دیوالی وغیرہ کے وقت فروخت کرے، تو ایک ممنوع شئ کی تائید ہوگی یا نہیں؟ (سائل محمد سلیمان از ملکر دھرپور)

ج:۔ آتشبازی چلانا منع ہے، لہٰذا بنانا اور بیچنا بھی منع ہے۔ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان

س:۔ پتنگ بازی کی تجارت جائز ہے یا ناجائز؟

ج: پتنگ بازی فی نفسہ لہو ولعب ہے، اس کی تجارت بھی اسی حکم میں ہے، واللہ اعلم (یکم ستمبر ۱۹۳۹ء)

س:۔ ایک شخص خود مسلمان ہے، اور اس نے کارندہ منشی اہل ہنود کر رکھا ہے، ملازم کر تم روپیہ سود پر دے کر سود لو، اور وہ شخص مسلمان اپنے آپ کو منشیٰ رکھتا ہے، بروئے شریعت کیا حکم ہے

ج:۔ کسی ناجائز کام پر ملازم رکھنے سے گناہ سے نہیں بچ سکے گا، کام تو اسی کا ہے، یہ محض فریب ہے، خدا نیات پر مطلع ہے۔

س:۔ ایک شخص نے ایک زمیندار کو سات روپے دے کر اسٹامپ تحریر کرایا ہے اس اقرار پر روپیہ دیا ہے، سوم حصہ غلہ ہر فصل کا لیتا رہوں گا، اور روپیہ دینے والا کچھ کام نہیں کرتا تو یہ سوم حصہ غلہ اس پر لینا حرام ہے یا حلال؟

ج:۔ یہ ایک قسم کی شراکت ہے، چونکہ یہ پیداوار میں شرکت ہے۔ جس قدر بھی پیدا ہو، اس لئے جائز ہے، ہاں اگر تعین کرلے، کہ اتنے من غلہ ضرور لوں گا چاہے پیداوار کم ہو یا زیادہ تو جائز نہیں ہے (۹/۱۶ دسمبر ۱۹۱۰ء)

س:۔ تجارت کے لئے ایک شخص نے روپیہ مانگا، ساہوکار نے سود تو طلب نہیں کیا، مگر یہ کہا، کہ تجارت میں جو کچھ منافع ہو، اس میں آٹھواں حصہ میرا، اس شرط پر قرض دیا، یہ سود میں داخل ہوا یا نہیں، اس طرح کا قرض جائز ہے یا نہیں! قرآن وحدیث سے جواب فرمادیں۔

ج:۔ صورت مرقومہ میں شرکت ہے، جو جائز ہے، واللہ اعلم (۱۳ر فروری ۱۹۲۰ء)

س:۔ چند اشخاص نے ایک شخص سے ناراض ہوکر آپس میں یہ طے کیا۔ کہ اس شخص کے کارخانے کا بنا ہوا مال فروخت نہ کیا جائے، اور اس بات کو مستحکم کرنے کے لئے سب نے متفق اللفظ ہوکر یہ کہا کہ ہم میں سے جو کوئی بھی شخص مذکور کے کارخانے کا مال فروخت کرے گا اس کے نطفہ میں فرق سمجھا جائے گا، چار چھ ماہ بعد ان اشخاص میں سے بعض نے اپنے عہد کے خلاف عمل کرنا شروع کر دیا۔

سوال یہ ہے، کہ اس عہد کے خلاف کرنے والے عند الشرع گنہ گار ہیں یا نہیں؟ اگر گنہ گار ہوئے، تو اس گناہ سے پاک ہونے کی ان کے لئے کوئی صورت ہے یا نہیں؟ جو لوگ اب تک اپنے عہد کے پابند ہیں، اگر خلاف کرنا چاہیں، تو کیوں کر کریں، کہ گناہ سے بچیں (ایک سائل)

ج:۔ سوال میں بنا معاہدہ درج نہیں، اس کو ضرور دیکھنا ہے، اگر وہ جائز ہے، تو معاہدہ صحیح ہے اس کی پابندی لازم ہے، اور اگر وہ صحیح نہیں، تو معاہدہ بھی جائز نہیں۔ (۱۱ صفر ۱۳۳۸ھ)

س:۔ ایک طرف تو یہ کہا جاتا ہے، کہ اسلام تمدن اور دنیوی ترقی کا مانع و مزاحم نہیں ہے اور مال دنیا کی فراہمی کوئی گناہ نہیں ہے، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور نیز دیگر صحابہ رضہ مالدار اور ہزاروں لاکھوں درہم ان کے پاس تھے، اور بڑی بڑی تجارتیں بھی کیا کرتے تھے، مسلمان کے حق میں مسکنت ایک بڑی ذلت ہے، جس سے دین و ایمان بھی قائم و برقرار نہیں رہتے۔

اس کے برخلاف یہ بھی بیان کیا جاتا ہے، کہ دنیا میں مسافرانہ طور سے زندگی بسر کرو، مال دنیا جمع نہ کرو، مسکین بن کر رہو، متمول لوگوں کی صحبت سے پرہیز اور گریز کرو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ سے دعا مانگی، اور التجا کی تھی، کہ بار خدایا مجھ کو دنیا میں مسکین رکھ، اور دنیا سے مسکین ہی اٹھا اور عقبیٰ میں بھی مجھ کو مساکین کے زمرہ میں حضور کر۔ بس ان ہر دو قولوں کی تطبیق کیونکر ہو سکتی ہے یہ تو الضدان لا یجتمعان کا معاملہ ہے۔

ج:۔ ان دونوں باتوں میں تطبیق ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اللھم انی اعوذ بک من غنی یطغینی و من فقر ینسینی (اے خدا میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں، ایسے غنا سے جو مجھ کو سرکش کر دے، اور ایسے فقر سے جو مجھ کو مارے تکلیف کے سب کچھ بھلا دے)

ورنہ محض مال جمع کرنا منع نہیں، بلکہ منع یہ ہے، کہ اس میں سے زکوۃ نہ دے، اور اس کی مستی میں موت کو بھول جائے، چنانچہ فرمایا عددہ یحسب ان مالہ اخلدہ۔ مسکین کے دو معنے ہیں، ایک مال سے مسکین، دوم طبیعت سے مسکین، جس کو متواضع کہتے ہیں

(۲۵ ربیع الاول ۱۳۳۸ھ)

س:۔ زید کی دوکان کریانے کی ہے، اس میں ہر قسم کی چیز فروخت ہوتی ہے، اس میں ہنود کی پوجا کا سامان بھی فروخت کیا جاتا ہے، از قسم کافور، گلال، عود، ناریل وغیرہ یہ سب چیزیں از روئے شرع زید (مسلم) کو فروخت کرنی چاہئیں یا نہیں، یہ چیزیں اہل ہنود خرید کر بتوں کی نذر کرتے ہیں، اس کا جواب قرآن و حدیث سے عنایت فرماویں، مشکور ہوں گا۔

ج:۔ جو چیز فی نفسہ حرام ہے، اس کا بیچنا کسی طرح جائز نہیں، جیسے خمر اور خنزیر، اور جو چیز فی نفسہ حرام نہیں، بلکہ وہ استعمال کرنے والے کے فعل سے حرام بن جاتی ہے، اس کا بیچنا حرام نہیں جیسے انگور یا گیہوں وغیرہ، شراب ساز جن سے شراب بناتے ہیں، ان کی بیع جائز ہے، فعل ناجائز یہ مسئلہ آیت مرقومہ ذیل سے استنباط ہو سکتا ہے۔ ومن ثمرات النخیل تتخذون منہ سکرا ورزقا حسنا ان فی ذلک لآیۃ لقوم یعقلون ٥ (پ ۱۴ ع ۱۵)

(۹ / اگست ۱۹۳۵ء)

س:۔ بکر غریب آدمی ہے، اس نے زید سے مبلغ دس روپے نقد لئے، اور ماہ جیٹھ حال کو ۱۲ آثار نخیتہ چنے فی روپیہ کے حساب سے زید کو دینے مقرر کر لئے، اگر بکر کے چنے بوجہ ژالہ باری یا بارش کے خراب ہو جائیں، تو زید نے مبلغ دس روپے اصل ماہ جیٹھ کو واپس لینے ہیں، اور شرط یہ ہے، کہ بکر نے چنے زید کے گاؤں میں لے جا کر دینے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟

ج:۔ یہ صورت بیع سلم کی ہے، یہ جائز ہے، چنے نہ ملنے کی صورت میں اصل مال لے سکتا ہے حدیث شریف میں ہے۔ لاتاخذ الا سلمك اورأس مالك۔ (۲۹ / شعبان ۵۴ھ)

الحمد للہ کہ کتاب البیوع ختم ہوئی

باب دہم

کتاب الفرائض

افتتاحیہ

نوشتہ ماہر فرائض حضرت العلام مولانا ابوالخطاب عبدالرحمن بن الامام عبداللہ البجوادی دام فیضہ الجاری

الحمد لولیہ والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ محمد وآلہ وصحبہ

اما بعد! واضح ہو کہ حضرت علامہ ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری نور اللہ مرقدہ کے فتاوی دربارہ فرائض سمجھنے کے لئے علم فرائض کی ضرورت ہے، اس وجہ سے فرائض کا جاننا ضروری سمجھ کر مختصر طریقہ سے سراجیہ کا مطلب پیش کیا جاتا ہے۔

مقصود سے پہلے تعریف علم، غرض، موضوع جاننا بہتر ہے۔

علم الفرائض یا علم المیراث وہ علم ہے، کہ جس کی وجہ سے کسی میت کا ترکہ صحیح طریقہ سے تقسیم کیا جا سکے۔ وغرضہ حق والوں کا حق دلانا۔ موضوعہ۔ ترکات کا صحیح مصارف میں لانا۔ مرنے والے کو میت کہتے ہیں، اور جو چیزیں چھوڑیں اس کو ترکہ کہتے ہیں، رشتہ داروں کو وارث یا ورثاء کہتے ہیں۔

ورثاء کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) ذوی الفروض (۲) عصبہ (۳) ذوی الارحام۔

ذوی الفروض ان لوگوں کو کہتے ہیں، کہ جن کے حصے اللہ کی کتاب قرآن مجید میں مقرر ہیں جیسے زوجہ کہ اس کے لئے اگر اولاد نہ ہو تو چوتھائی، اور اولاد ہو، تو آٹھواں حصہ مقرر ہے، کل ذوی الفروض بارہ شخص ہیں، جن کی تفصیلات آگے آتی ہیں۔

عصبہ: اس کو کہتے ہیں، کہ جو کچھ ذوی الفروض نے چھوڑا لے لیوے، اگر ذوی الفروض نہ ہوں، تو سب ترکہ لے لیوے

عصبہ کی دو قسمیں ہیں، نسبیہ اور سببیہ، عصبہ نسبیہ اسے کہتے ہیں جس کو عصوبت بسبب

قرابت کے حاصل ہوئی ہو، جیسے بیٹا پوتا وغیرہ۔ عصبہ نسبیہ کی تین قسمیں ہیں، عصبہ بنفسہ، عصبہ بغیرہ، عصبہ مع غیرہ۔ عصبہ بنفسہ، وہ عصبہ مذکر ہے، جو میت سے بے واسطہ مؤنث کے علاقہ رکھتا ہو، جیسے بیٹا، پوتا وغیرہ، عصبہ بغیرہ، وہ عصبہ مؤنث جو اپنے بھائیوں کی جہت سے عصبہ ہو جائیں، جیسے بیٹی، پوتی وغیرہ، عصبہ مع غیرہ، وہ عورت ہے، جو دوسری عورت کے ہوتے عصبہ ہو جاوے، جیسے اخت خواہ عینی ہو، خواہ علاتی، بنت یا بنت الابن کے ہوتے عصبہ ہو جاتی ہے عصبہ سببیہ وہ ہے، جس کو عصوبت بسبب آزاد کرنے کے حاصل ہوئی ہو، اس کو معتق یا مولے العتاقہ کہتے ہیں۔

ترکہ کے ساتھ چار چیزیں ترتیب وار لگا ؤ رکھتی ہیں (۱) پہلی تجہیز و تکفین (۲) دوسرے قرض ادا کرنا (۳) تیسرے وصیت ثلث ⅓ یعنی تہائی تک جاری کرنا (۴) چوتھے ورثاء کے درمیان کتاب وسنت واجماع امت کے مطابق تقسیم کرنا، پہلے ذوی الفروض، اس کے بعد عصبہ نسبیہ، اس کے بعد عصبہ سببیہ، پھر رد ذوی الفروض نسبیہ پر ان کے حقوق کے مطابق، پھر ذوی الارحام، پھر مولی الموالاۃ، پھر مقرلہ، پھر موصی لہ، پھر بیت المال۔

وراثت سے چار چیزیں روکنے والی ہیں (۱) غلامی کامل ہو یا ناقص (۲) وہ قتل جس سے قصاص یا کفارہ لازم ہو (۳) اختلاف دین (۴) اختلاف دارین، جب دونوں حکومتوں میں عصمت باقی نہ رہے ، جیسے ملک جن کے بادشاہ آپس میں لڑنے والے ہوں اور امن مفقود ہو)

اللہ کی کتاب قرآن مجید میں کل فروض یعنی سہام چھ ہیں، نصف (آدھا) ربع (چوتھائی)، ثمن (آٹھواں)، ثلثین (دو تہائی) ثلث (تہائی) سدس (چھٹا)

کل ذوی الفروض، بارہ شخص ہیں، از انجملہ چار مرد ہیں، اَب یعنی باپ، جد صحیح یعنی باپ کا باپ، باپ کے باپ کا باپ یعنی دادا، پردادا، جہاں تک اوپر ہو لیں نانا یعنی ماں کا باپ جد صحیح نہیں، اخ لام (یعنی اخیافی بھائی) زوج (یعنی شوہر)

اور آٹھ عورتیں، زوجہ، بنت (یعنی بیٹی) بنت الابن (یعنی پوتی پڑپوتی جہاں تک نیچے ہوں) اخت لاب وام (یعنی عینی بہن جو ایک ماں باپ سے ہو) اخت لاب (یعنی علاتی بہن) اخت لام (یعنی اخیافی بہن) اُم (یعنی ماں) جدہ صحیحہ (یعنی دادی، نانی جو میت سے بے واسطہ جد فاسد یعنی نانا کے علاقہ رکھتی ہوں۔

ا؎ باب معرفۃ الفروض ومستحقیہا۔

بہن بھائی کی تین قسم ہے، اخیافی، عینی، علاتی،
اخیافی اس کو کہتے ہیں، کہ جس کی ماں ایک ہو باپ دو ہوں، اخت لام، اخیانی، اخت لابوین، اخت لاب وام۔ عینی (حقیقی) اس کو کہتے ہیں، جس کے ماں باپ ایک ہوں، اخت لاب، علاتی اس کو کہتے ہیں جس کی ماں دو ہوں، باپ ایک ہو۔
جد صحیح اس کو کہتے ہیں، کہ جب میت کی طرف نسبت کیا جاوے، تو درمیان میں عورت نہ آوے، جد فاسد اس کو کہتے ہیں، کہ جب میت کی طرف نسبت کیا جاوے، تو درمیان میں عورت آوے، جدہ صحیحہ اس کو کہتے ہیں، کہ جب میت کی طرف نسبت کیا جاوے تو درمیان میں جد فاسد نہ آوے، جدہ فاسدہ اس کو کہتے ہیں، کہ جب میت کی طرف نسبت کیا جاوے تو درمیان میں جد فاسد آوے، سہام کی تقسیم مطابق تفصیل ذیل ہے
نصف۔ ۵ نفر کے لئے (۱) زوج، جب کہ ولد ولد الابن لڑکا لڑکی، پوتا پوتی نہ ہوں (۲) بنت جب کہ ایک ہو، ابن (لڑکا) نہ ہو (۳) بنت الابن، جب کہ ایک ہو، ولد وابن الابن پوتا نہ ہو (۴) اخت لاب وام، جب کہ ایک ہو، ولد ولد الابن، اخ لاب وام اب جد نہ ہوں (۵) اخت لاب جب کہ ایک ہو، ولد ولد الابن، اخ لاب وام، اخ، لاب اب وجد نہ ہوں
ربع ($\frac{1}{4}$) ۲ نفر کے لئے (۱) زوج جب کہ ولد، ولد الابن ہوں (۲) زوجہ جب کہ ولد، ولد الابن نہ ہوں۔
ثمن ($\frac{1}{8}$) انفر۔ زوجہ کے لئے، جب کہ ولد ولد الابن ہوں۔
ثلثان ($\frac{2}{3}$) ۴۔ نفر کے لئے (۱) بنت جب کہ دو ہوں یا زیادہ ابن نہ ہوں (۲) بنت الابن جب کہ دو ہوں یا زیادہ صلبی ولد وابن الابن نہ ہوں (۳) اخت لاب وام، جب کہ دو ہوں یا صلبی ولد، ولد لابن اب جد نہ ہوں (۴) اخت لاب جب کہ دو ہوں یا زیادہ صلبی ولد ولد الابن اب، جد، اخ لاب وام، اخت لاب وام، جب کہ عصبہ ہو، اب جد نہ ہو،
ثلث ($\frac{1}{3}$) ۲ نفر کے لئے (۱) اخ لام (۲) اخت لام، جب کہ دو ہوں یا زیادہ، ولد ولد الابن، اب جد نہ ہوں۔
سدس ($\frac{1}{6}$) ۹ نفر کے لئے (۱) اخت لام، (۲) اخ لام، جب کہ ولد ولد الابن اب جد نہ ہوں، مذکر و مؤنث قسمت داستحقاق میں برابر ہیں (۳) اب جب کہ ولد ولد الابن ہوں (۴) جد صحیح جب کہ ولد ولد الابن ہو، اب نہ ہو (۵) بنت الابن جب کہ ایک بنت ہو، ابن ابن الابن

نہ ہو (۶) اخت لاب، جب کہ عینی بہن ایک ہو، عینی و علاتی بھائی اب وجد نہ ہوں (۷) ام، جبکہ ولد ولد الابن دو بھائی بہن عینی یا علاتی یا اخیافی ہوں (۸) ام الاب (۹) وام الام، جبکہ ام نہ ہو۔

اَبْ (باپ) کی تین حالتیں ہیں (۱) فرض مطلق ۱/۶ سدس (چھٹا حصہ) جب کہ ابن ابن الابن ہو (۲) فرض مع عصبہ، جب کہ بنت (بیٹی) یا بنت الابن (پوتی) موجود ہے (یعنی جب میت باپ کو چھوڑے، اور بیٹی یا پوتی کو چھوڑے، اور کوئی بیٹا یا پوتا نہ ہو، تو باپ کو بطور فرض کے چھٹا حصہ ملے گا، اور بعد دینے دوسرے ذوی الفروض کے جو بچ رہے، بطور عصوبت کے ملے گا، پس اس صورت میں باپ ذی فرض و عصبہ دونوں ہے) (۳) محض عصبہ، جب کہ ولد (لڑکا) یا ولد الابن (لڑکے کی اولاد) نہ ہوں، یعنی میت باپ کو چھوڑے اور بیٹا یا پوتا، یا بیٹی یا پوتی میں سے کسی کو نہ چھوڑے، تو باپ کو محض تعصیب ملے گی (یعنی در صورت ہونے ذوی الفروض کے کل مال اور بحالت نہ ہونے ان کے جو ان سے بچ رہے پس باپ اس صورت میں محض عصبہ ہے)

اَبُ الاَبْ۔ جد صحیح (سگا دادا) کی تین حالتیں ہیں (۱) جب کہ میت کا باپ زندہ نہ ہو، اور میت کا بیٹا یا پوتا موجود ہو، تو اس صورت میں اس کو فرض مطلق ۱/۶ سدس۔ یعنی چھٹا حصہ ملے گا (۲) فرض مع عصبہ، جب کہ میت کی بیٹی یا پوتی موجود ہو (۳) محض عصبہ، جب کہ ولد (لڑکا) یا ولد الابن نہ ہو۔

اخ لام و اخت لام (اخیافی بہن بھائی یعنی جو ایک ماں سے اور دوسرے باپ سے ہوں) کی تین حالتیں ہیں (۱) سدس، جب ایک ہو (یعنی جب میت ایک اخیافی بھائی یا بہن چھوڑے تو اس بھائی یا بہن کو چھٹا حصہ ملے گا (۲) جب میت اخیافی بھائی یا بہنوں میں سے دو یا زیادہ کو چھوڑے، خواہ سب بھائی ہوں یا سب بہنیں ہوں یا ملے جلے ہوں، تو ان کو ثلث یعنی تہائی ملے گا، اس تہائی کو آپس میں برابر برابر بانٹ لیں، یعنی اخیافی بھائی بہنوں کو حصہ برابر ملتا ہے، نہ یہ کہ بھائی کو دوگنا بہن کا، جیسا کہ عینی یا علاتی بھائی بہن میں، پس جب اخیافی بھائی بہن دو یا زیادہ ہوں، تو اس ثلث کو آپس میں بانٹ لیں گے (۳) جب میت کا بیٹا بیٹی یا پوتا پوتی یا باپ یا دادا موجود ہو، تو اخیافی بہن بھائی محروم ہو جاتے ہیں۔

زوج (شوہر) کی دو حالتیں ہیں (۱) جب میت عورت کو اور صرف شوہر چھوڑے، اور کوئی بیٹا یا پوتا نہ چھوڑے، تو شوہر کو آدھا ملے گا (۲) جب ولد یا ولد الابن میں سے کوئی موجود ہو

تو چوتھائی ملے گا۔

زوجہ یا زوجات (بیویوں) کی دو حالتیں ہیں (۱) ربع جب میت مرد ہو، اور زوجہ کو چھوڑے، اور اپنے بیٹے یا پوتے کو نہ چھوڑے، تو زوجہ کو صرف ربع ملے گا، اگر کئی ہوں تو اسی ربع کو آپس میں برابر بانٹ لیں (۲) ثمن یعنی آٹھواں حصہ، جب کہ ولد یا ولد الابن موجود ہو۔

بنت (لڑکی) کی تین حالتیں ہیں (۱) جب ایک لڑکی کو چھوڑے، اور اس کے ساتھ کوئی لڑکا نہ چھوڑے، تو لڑکی کو آدھا ملے گا (۲) جب لڑکی دو یا زیادہ ہوں، اور کوئی لڑکا موجود نہ ہو، تو ان کو دو تہائی (ثلثین) ملے گا، اسی کو آپس میں خواہ کتنی ہی ہوں برابر برابر بانٹ لیں (۳) جب میت بنت کو چھوڑے، اور اس کے ساتھ ابن بھی موجود ہو، تو اس صورت میں بنت عصبہ ہو جائے گی، ابن کی جہت سے، پس در صورت نہ ہونے ذوی الفروض کے کل مال اور بحالت ہونے ان کے جو کچھ ان سے بچ رہے، وہ سب ان ہی ابن اور بنت پر کتنے ہی ہوں، اس طرح پر تقسیم ہوگا، کہ ایک ابن کو دگنا ہر ایک بنت کا دیا جائے گا، مثلاً میت اگر ایک ابن اور ایک بنت چھوڑے، تو اس مال کے تین حصہ کر کے دو حصے ابن کو اور ایک حصہ بنت کو دیا جائے گا، اور اگر دو لڑکے اور دو لڑکیاں چھوڑے، تو مال مذکور کے دو، دو حصے ہر ایک لڑکے کو اور ایک ایک حصہ ہر ایک لڑکی کو دیا جائے گا، اسی طرح کتنے ہی ہوں، جتنا ہر ایک لڑکی کو، اس کا دوگنا ہر ایک لڑکے کو دیا جائے گا۔

بنت الابن (پوتی) کی چھ حالتیں ہیں (۱) نصف، جب کہ پوتی ایک ہو، اور کوئی صلبی اولاد موجود نہ ہو (۲) ثلثان، جب کہ یہ دو ہوں، اور کوئی بیٹا یا پوتا یا بیٹی موجود نہ ہو، اگر پوتی دو سے زیادہ بھی ہوں، تو بھی اتنا ہی ملے گا۔ اسی ثلثین کو آپس میں برابر بانٹ لیں (۳) جب بیٹا نہ ہو صرف پوتا موجود ہو، تو اس وقت بنت الابن عصبہ ہوگی، اس صورت میں مذکر کے لئے دوہرا اور مؤنث کے لئے اکہرا ہے، یہاں مراد ابن الابن سے عام ہے، خواہ بنت الابن کے درجہ کا ہو یا اس سے نیچے کا یعنی بنت الابن کا بھائی ہو یا بھتیجا یا اور اس سے نیچے (۴) سدس یعنی چھٹا حصہ، جب کہ ایک بیٹی موجود ہو اور بیٹا یا پوتا نہ ہو، اسی سدس کو آپس میں جب کئی ہوں برابر برابر بانٹ لیں، اس صورت میں سدس اس لئے ملتا ہے، کہ حق بنات (بیٹیوں) کا ثلثین سے زیادہ نہیں ہے، پس جب بنت نے نصف لے لیا، تو حق بنات میں سے فقط سدس

باقی رہ گیا، لہٰذا وہ سدس واسطے تکملہ ثلثین کے بنت الابن کو دیا گیا، یہی حال ہے بہر تلے والیوں کا، جب ایک اوپر والی موجود ہو، مثلاً جب میت پڑدوتی چھوڑے، اور ایک پوتی، تو پوتی نصف لے لے گی، اور سدس جو حق بنات میں سے باقی رہا ہے۔ تکملۃ الثلثین پڑدوتی پائے گی (۵) جب دو صلبی بنت ہوں اور ابن الابن (پوتا) موجود نہ ہو، تو پوتی محروم ہو گی (۶) جب بیٹا موجود ہو، تو پوتی محروم ہو گی۔

اخت لاب وام (یعنی بہن جو ماں جائی اور باپ جائی ہو) کے پانچ حال ہیں۔ (۱) نصف، جب وہ صرف ایک ہو، اور اخ لاب وام و بنت یا بنت الابن یا اب وجد صحیح موجود نہ ہو (۲) ثلثان جب دو یا زیادہ موجود ہوں، اور اخ لاب وام یا بنت یا بنت الابن یا ابن یا ابن الابن یا اب یا جد صحیح موجود نہ ہو (۳) اخ لاب وام (یعنی عینی بھائی عصبہ کر دیگا، مذکر کے لئے دوہرا، مؤنث کے لئے ایک، بشرطیکہ بنت یا بنت الابن یا ابن یا ابن الابن یا اب یا جد صحیح موجود نہ ہو (۴) باقی جب بنت یا بنت الابن موجود ہو، یعنی جو کچھ ذوی الفروض کو دے کر بچ رہے، یعنی جب میت اخت لاب وام چھوڑے، اور بنت یا بنت الابن بھی موجود ہو اور ابن یا ابن الابن یا اب یا جد صحیح موجود نہ ہو، تو اخت لاب وام عصبہ ہو جاتی ہے، اور جو کچھ ذوی الفروض کو دے کر بچ رہے وہ پاتی ہے (۵) محروم جب ابن یا ابن الابن یا اب یا جد صحیح موجود ہوں

(ف) اس حالت میں حقیقی بھائی بھی محروم ہو جاتا ہے۔

اخت لاب (وہ بہن جو ایک باپ سے ہو اور دوسری ماں سے) کی سات حالتیں ہیں (۱) نصف، جب ایک ہو، ثلثین جب دو یا زیادہ ہوں، سدس جب ایک اخت لاب و ام موجود ہو، محروم جب دو اخت لاب وام موجود ہوں۔ للذکر مثل حظ الانثیین، جب اخ لاب موجود ہو، باقی جب بنت یا بنت الابن موجود ہو، محروم جب ابن یا ابن الابن یا اب یا جد صحیح یا اخ لاب وام یا اخت لاب وام مع البنت موجود ہوں۔

(ف) اخ لاب بھی اس حالت میں محروم ہے۔

ام (ماں) کی تین حالتیں ہیں (۱) جب ولد یا ولد الابن یا کسی طرح کے یعنی عینی یا علاتی یا اخیافی دو یا زیادہ بھائی بہن موجود ہوں، تو ماں کو چھٹا حصہ ملے گا (۲) جب میت ماں کو چھوڑے اور ولد یا ولد الابن یا کسی طرح کے دو یا زیادہ بھائی بہن موجود نہ ہوں، اگرچہ ایک بھائی یا ایک بہن

موجود ہو، تو اس صورت میں ماں کو کل مال کا تہائی ملتا ہے (۳) اگر زوجین ہوں، تو ان کے حصہ کے بعد ماں ثلث پاوے گی، اس کی دونوں صورتیں یہ ہیں۔

(۱) میت مسئلہ ۶

زوج	ام	اب
۳	۱	۲

اس صورت میں کل مال کے چھ حصے ہوئے، اس میں سے نصف یعنی ۳ زوج کو پہنچے، اور باقی یعنی ۳ میں سے ثلث یعنی ایک ماں کو، اور ۲ باقی باپ کو۔

(۲) میت مسئلہ ۴

زوجہ	ام	اب
۱	۱	۲

اس صورت میں کل مال کے چار حصے ہوئے اس میں سے چوتھائی زوجہ کو اور باقی تین میں سے ثلث یعنی ایک ماں کو، اور باقی ۲ باپ کو ملے گا۔

جدہ صحیحہ (دادی، نانی) باپ کی جانب سے ہو (دادی) یا ماں کی جانب سے (نانی) ان کی دو حالتیں ہیں (۱) سدس یعنی چھٹا حصہ، خواہ کتنی ہی ہوں، اور کیسی ہی ہوں بشرطیکہ ایک درجہ کی ہوں (۲) دور والیاں، جیسے پردادی و پرنانی، نزدیک والیوں یعنی دادی و نانی کے ہوتے ہوئے محروم ہوں گی، اور سب دادیاں اور نانیاں ماں کی موجودگی میں محروم ہوں گی اور صرف دادیاں باپ کی موجودگی میں محروم ہوں گی، نیز دادا کی موجودگی میں بھی، اور جد صحیح سے اوپر والیاں جد صحیح کے ہوتے محروم ہوں گی۔

عصبہ کی دو قسمیں ہیں (۱) عصبہ سببیہ یعنی مولی العتاقہ (۲) عصبہ نسبیہ۔ عصبہ نسبیہ کی تین قسم ہیں، عصبہ بنفسہ، عصبہ لغیرہ، عصبہ مع غیرہ، جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے، عصبہ بنفسہ وہ مرد ہے، کہ جب میت کی طرف نسبت کیا جاوے، تو درمیان میں عورت نہ آوے، عصبہ لغیرہ وہ عورت ہے، جو اپنے بھائی کے ساتھ عصبہ ہو جاتی ہے، وہ چار ہیں، بنت، بنت الابن اخت لاب وام، اخت لاب، عصبہ مع غیرہ وہ عورت ہے، جو عورت کے ساتھ عصبہ ہو جاتی ہے، وہ دو ہیں، اخت لاب وام، اخت لاب ، بنت بنت الابن کے ساتھ عصبہ بنفسہ کی چار قسم ہیں (۱) جزء المیت ابن، ابن الابن وان سفلوا (۲) اصلہ، اب، اب الاب وان علا (۳) جزء ابیہ ای الاخوۃ ثم بنوھم وان سفلوا (۴) جزء جدہ ای الاعمام ثم بنوھم وان سفلوا، الاقرب فالاقرب۔ جو میت سے زیادہ قریب ہوگا، وہی وارث ہوگا، عصبات میں جزء المیت مقدم ہے، اس کے بعد اصل المیت اس کے بعد جزء ابیہ و بنوھم۔ اس کے بعد جزء جدہ

باب الحجب۔ یعنی کوئی وارث کسی وارث کی وجہ سے پورا حصہ نہ پاوے، یا کچھ نہ پاوے حجب کی دو قسمیں ہیں، حجب نقصان، حجب حرمان، حجب نقصان جو پورا حصہ نہ پاوے، پانچ نفر کے لئے ہے، زوجین (یعنی زوج و زوجہ کہ زوج کو نصف ملتا ہے، اور اولاد کے ہونے سے کم یعنی ربع ملتا ہے، اسی طرح زوجہ کو ربع ملتا ہے، اور اولاد کے ہونے سے کم یعنی ثمن ملتا ہے) ام، بنت الابن، اخت لاب (یعنی ام کو ثلث ملتا ہے اور اولاد کے ہونے سے مثلاً سدس پاتی ہے، اور بنت الابن کو نصف ملتا ہے، اور بنت کے ہونے سے سدس پاتی ہے، اور اخت لاب کو نصف ملتا ہے، اور ایک اخت عینیہ کے ہونے سے سدس پاتی ہے

حجب حرمان، جو کچھ نہ پاوے، چند نفر کے لئے حجب حرمان نہیں ہے، ولدان، زوجان ابوان، بقیہ کے لئے حجب حرمان ہے، مگر اس کے لئے دو قاعدہ کی ضرورت ہے، قاعدہ اول، جو شخص میت کی طرف کسی واسطہ (ذریعہ) سے منسوب ہو، تو واسطہ کے ہوتے ہوئے وہ شخص محروم ہوگا، جیسے زید کا لڑکا عمرو۔ عمرو کا لڑکا خالد، خالد کی نسبت زید کی طرف عمرو کے واسطے سے ہے، جب تک عمرو زندہ رہے گا، خالد زید کے ترکہ سے کچھ نہیں پاوے گا، دوسرا قاعدہ الاقرب فالاقرب، میت سے جو زیادہ قریب ہوگا، وہی وارث ہوگا، مثلاً پہلے قاعدہ کے رو سے زید کے دو لڑکے بکر و عمرو۔ عمرو کا لڑکا خالد۔ بکر و عمرو کی نسبت زید کی طرف بلا واسطہ ہے، اور خالد کی باواسطہ ہے، جب تک واسطہ قائم رہے گا، خالد زید کے ترکہ سے محروم، مگر جب واسطہ نہ رہے، تو نسبت خالد کی زید کی طرف بلا واسطہ پائی جاتی ہے، تو جس طرح بکر کی نسبت زید کی طرف بلا واسطہ ہے، زید کے ترکہ کا حقدار ہے، اسی طرح خالد کی نسبت زید کی طرف بلا واسطہ پائی جاتی ہے، تو خالد ہی زید کے ترکہ کا حقدار ہونا چاہیئے، مگر جب دوسرے قاعدہ کا لحاظ کیا، تو خالد زید کا ترکہ نہیں پائے گا

باب مخارج الفروض۔ مخرج جس سے مسئلہ نکالا جاتا ہے، سات عدد ہیں، کیونکہ کل حصہ ۶ ہے۔

نوع اول۔ نصف، ربع، ثمن۔ نوع ثانی۔ ثلثان، ثلث، سدس، اگر تنہا تنہا ہو، تو۔

۲۔ نصف کا مخرج ہے ۲ ۶ سدس یا نصف اور نوع ثانی کا کل یا بعض۔

۳۔ ثلث، ثلثان کا

۴- ربع کا | ۱۲ نوع اول کا ربع، نوع ثانی کا کل یا بعض

۸- ثمن کا | ۲۴ نوع اول کا ثمن، نوع ثانی کا کل یا بعض

باب العول[1]:۔ مخرج کا بڑھا دینا۔ کل مخرج ۷ ہے۔ ۴ کا عول نہیں آتا ہے۔ ۲-۳-۴-۸-ان کا عول نہیں آتا ہے۔ ۶- کا عول دس تک، طاق و جفت دونوں آتا ہے، یعنی سہام ۶ سے طاق اور جفت دونوں طرف سے بڑھتے ہیں، دس تک، پس کبھی سات ہو جاتے ہیں، کبھی آٹھ، کبھی ۹، کبھی ۱۰۔ اس سے زیادہ نہیں بڑھتے۔ مثالیں یہ ہیں

میت مسئلہ ۶ عہ ۷

زوج	اخت
۳	۴

میت مسئلہ ۶ عہ ۸

زوج	ام	اخت
۳	۱	۴

میت مسئلہ ۶ عہ ۹

زوج	اخت عینی	اخت اخیافی
۳	۴	۲

میت مسئلہ ۶ عہ ۱۰

زوج	ام	اخت عینی	اخت اخیافی
۳	۱	۴	۲

۱۲ کا عول ۱۷ تک طاق ہی آتا ہے، چنانچہ مثالوں سے ظاہر ہے۔

میت ۱۲ عہ ۱۳

زوجہ	اختین	ام
۳	۸	۲

میت ۱۲ عہ ۱۵

زوجہ	اختین	اخوین لام
۳	۸	۴

میت ۱۲ عہ ۱۷

زوجہ	اختین	اخوین لام	ام
۳	۸	۴	۲

۲۴ کا عول ۲۷ تک ایک ہے جیسے   اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے نزدیک ۳۱ تک جیسے

میت ۲۴ عہ ۲۷

زوجہ	بنتان	اب	ام
۳	۱۶	۴	۴

میت ۲۴ عہ ۳۱

زوجہ	اختین	اخوین لام	ام
۳	۱۶	۸	۴

باب تماثل، تداخل، توافق، تباین کے معلوم کرنے کا طریقہ

دو عدد اگر مساوی ہوں، تو نسبت تماثل کی ہے، جیسے ۲-۲، ۳-۳ یا ۶-۶۔ تداخل جیسے ۳-۹، اقل اکثر کو فنا کر دے، یا اکثر اقل پر منقسم ہو جا دے، یا اقل پر اس کے مثل یا امثال زیادہ کرنے سے اکثر کے مساوی ہو، یا اقل اکثر کا جز ہو، توافق اقل کو فنا نہ کر سکے، بلکہ تیسرا عدد دونوں کو فنا کر دے، جیسے ۸-۲۰-۴ دونوں کو فنا کر دیتا ہے، تباین نہ اقل فنا کر سکے، نہ تیسرا فنا کر سکے، جیسے ۹ × ۱۰۔ خلاصہ یہ کہ دو عددوں کو دیکھو ایک دوسرے کے مساوی ہے یا نہیں، اگر مساوی ہے، تو نسبت تماثل کی ہے اگر مساوی نہیں ہے، تو ایک دوسرے کو فنا کر سکتا ہے یا نہیں، اگر فنا کر سکتا ہے تو نسبت تداخل

[1] سہام کا مخرج سے بڑھ جانا یا بڑھا لینا اس کو عول کہتے ہیں۔

کی ہے، اگر فنا نہیں کر سکتا ہے، تو دو حال سے خالی نہیں، تیسرا عدد فنا کر سکتا ہے، تو نسبت توافق کی ہے، اگر تیسرا عدد فنا نہیں کر سکتا ہے، تو نسبت تباین کی ہے، چونکہ تماثل و تداخل کا جاننا ظاہر ہے، توافق تباین ظاہر نہیں، اس لئے اس کے معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے، کہ اکثر کو اقل کے مقدار دونوں جانب سے کم کیا جاوے، جس عدد پر متفق ہوں، وہی عدد دونوں کا وفق ہے، دو پر متفق ہوں، تو توافق بالنصف ۳ پر توافق بالثلث دس تک، اگر دس سے زیادہ اور متفق ہوں تو بجزء من کا لفظ بڑھا دینا، جیسے ۱۱ کے لئے بجزء من احدی عشر ۱۲ کے لئے بجزء من اثنا عشر، اور تیرہ ہو، تو توافق بجزء من ثلاثة عشر، علی ہذا القیاس

تصحیح کے بیان میں

جب کبھی وارثوں کے سہام میں کسر پڑتی ہے، اس کسر کو صحیح بنا ڈالتے ہیں، جس سے سہام وارثوں پر پورے تقسیم ہو جاتے ہیں اس صحیح بنا ڈالنے کو تصحیح کہتے ہیں، تصحیح کے سات قاعدے ہیں، ۳ قاعدے سہام (حصہ) و رؤس (وارثان) میں جاری کئے جاتے ہیں، ۴ قاعدے، رؤس، رؤس میں جاری ہیں۔

پہلا قاعدہ:- اگر سہام رؤس میں کسر واقع نہ ہو، تو تصحیح کی ضرورت نہیں، اور یہ دو صورتوں میں ہوتا ہے، ایک یہ کہ سہام و رؤس میں تماثل ہو، دوسرے یہ کہ دونوں میں تداخل ہو، اور سہام رؤس سے بڑے ہو، مثال میت مسئلہ ۶

۲ بنت	اب	ام
۴	۱	۱

دوسرا قاعدہ:- اگر سہام رؤس میں کسر ایک فریق پر واقع ہو (سہام سے عدد سہام اور رؤس سے عدد وارثان مراد ہیں) تو اگر رؤس و سہام میں موافقت ہے، تو رؤس کے وفق کو اصل مسئلہ میں، اور اگر عول ہو، تو عول میں ضرب دیں۔ جیسے۔

میت مسئلہ ۶ تصحیح ۳۰

اب	ام	۱۰ بنت
۱	۱	۴
۵	۵	۲۰

میت مسئلہ ۱۲ عول ۱۵ تصحیح ۴۵

زوج	اب	ام	۶ بنت
۳	۲	۲	۸
۹	۶	۶	۲۴

تیسرا قاعدہ:- اگر ایک فریق پر کسر واقع ہو، تو اگر رؤس و سہام میں مباینہ ہے تو رؤس کے کل عدد کو اصل مسئلہ میں، اور اگر عول ہو، تو عول میں ضرب دو، جیسے۔

میت مسئلہ ۶ تصحیح ۳۰

اب	ام	بنات ۵
۱	۱	۴
۵	۵	۲۰

میت مسئلہ ۶ عول ۷ تصحیح ۳۵

زوج	اخوات ۵ لابوین
۳	۴
۱۵	۲۰

وہ چار قاعدے جو رؤس رؤس میں جاری کئے جاتے ہیں، اس کے علاوہ قاعدہ سابقہ کا

بھی لحاظ رکھا جاتا ہے۔

اول قاعدہ:۔ اگر کسر دو فریق پر یا زیادہ پر واقع ہو، لیکن ان کے رؤس کے عدد کے درمیان مماثلت ہے، ایک فریق کے رؤس کے عدد کو اصل مسئلہ میں ضرب دیں جیسے

میت مسئلہ ۶ — ۱۸

بنات ۶	جدات ۳	اعمام ۳
۴/۱۲	۱/۳	۱/۳

دوسرا قاعدہ۔ اگر رؤس کے عدد کے درمیان مداخلہ ہے، تو اس کے اکثر عدد کو اصل مسئلہ میں ضرب دو، جیسے

میت مسئلہ ۱۲ — ۱۴۴

زوجات ۴	جدات ۳	اعمام ۱۲
۳/۳۶	۲/۲۴	۷/۸۴

تیسرا قاعدہ:۔ اگر رؤس کے عدد کے درمیان موافقہ ہو، تو ایک کا کل عدد دوسرے کے وفق میں ضرب دو، جو حاصل ہو اس کو، اور تیسرے رؤس کے عدد کو دیکھو، اگر موافقہ ہو تو ایک کا وفق دوسرے کے کل میں ضرب دو، جو حاصل ہو، اس کو اور چوتھے رؤس کے عدد کے درمیان دیکھو اگر موافقہ ہو، تو ایک کا وفق دوسرے کے کل عدد میں ضرب دو، جو حاصل ہو اس کو اصل مسئلہ میں ضرب دو۔

میت ۲۴ — ۴۳۲

زوجات ۴	بنات	جدات	اعمام ۶
۳/۵۴	۹ ۱۶/۲۸۸	۱۵ ۴/۷۲	۱/۱۸

رؤس ۴-۶-۹-۱۵-۶+۱۵-۹-۶ ۲/۴ ۶ ۴/۱۲ ۹ ۳/۳۶ ۱۵ ۱۸/۲۴ ۷۲/۴۳۲ ۱۳۵ ۱۶۰ ۴۸ ۳۰

چوتھا قاعدہ:۔ اگر رؤس کے عدد کے درمیان میاینہ ہو، تو ایک رؤس کے عدد کو دوسرے رؤس کے عدد میں ضرب دو، جو حاصل ہو اس کو تیسرے رؤس کے عدد میں ضرب دو، جو حاصل ہو، اس کو چوتھے رؤس کے عدد میں ضرب دو، جو حاصل ہو، اس کو اصل مسئلہ میں ضرب دو، جو حاصل ہو، وہی مسئلہ کا مبلغ ہے۔ جیسے

میت ۲۴ — ۵۰۴۰

زوجہ ۲	زوجہ	جدات ۳/۶	بنات ۵/۷ ۱۶	اعمام ۷
۶۳۰		۴/۸۴۰	۳۳۶۰	۱/۲۱۰

۲-۳-۷-۵ ۶-۳۰ - ۲۱۰/۲۴ ۸۴۰/۵۰۴۰

فصل۔ حصہ معلوم کرنے کا طریقہ۔ تصحیح سے جس فریق کا حصہ معلوم کرنا چاہو، تو اس کا جو حصہ اصل مسئلہ سے ملا تھا، اس حصہ کو مبلغ میں (جس کو مخرج (مسئلہ) میں ضرب دے کر تصحیح

کی تھی) ضرب دو، جو حاصل ہوگا. وہی اس فریق کا تصحیح سے حصہ ہوگا. اگر کسی فریق کے ہر ایک کا حصہ معلوم کرنا چاہو، تو تین طریقہ سے معلوم کر سکتے ہو۔

(۱) اس فریق کو جو حصہ اصل سے ملا تھا، اس کو اس فریق کے عدد رؤس پر تقسیم کرو، جو حاصل ہو، اس کو مبلغ میں (جس کو مخرج (مسئلہ) میں ضرب دے کر تصحیح کی تھی) ضرب دو جو حاصل ہوگا وہی اس کا حصہ ہے۔

(۲) مضروب (مبلغ) کو جس فریق پر چاہو تقسیم کرو، جو حاصل ہو، اس کو اس فریق کے اصل مسئلہ سے جو حصہ ملا تھا، اس میں ضرب دو، جو حاصل ہوگا، وہی اس کا حصہ ہے

(۳) ہر فریق کے سہام (حصہ) کو جو اصل مسئلہ سے ملا تھا، اس فریق کے عدد رؤس کو تنہا دیکھو، کہ کیا نسبت ہے، جو نسبت ہو، وہی نسبت مضروب (مبلغ) میں ہوگی۔

فصل:- ورثاء کے درمیان ترکہ کس طرح تقسیم کیا جائے:- اگر ترکہ و تصحیح میں مباینہ ہو تو ہر وارث کے سہام کو جو تصحیح سے ملا تھا، ترکہ میں ضرب دو، جو حاصل ہو اس کو تصحیح سے تقسیم کرو، جو حاصل ہو، وہی اس کا حصہ ہے، اگر ترکہ و تصحیح میں موافقت ہے، تو ہر وارث کے سہام کو (جو اصل مسئلہ سے ملا تھا) ترکہ کے وفق میں ضرب دو، جو حاصل ہو، اس کو تصحیح کے وفق سے تقسیم کرو، جو حاصل ہو، وہی اس کا حصہ ہے۔

غرماء کے درمیان کس طرح تقسیم کیا جائے:- ہر غریم کا دین (قرض) سہام کے مرتبہ میں ہے اور جملہ دیون تصحیح کے مرتبہ میں ہے، جس طرح عمل پہلے کیا تھا، اسی طرح اس پر عمل کیا جائے۔

فصل:- تخارج کے بیان میں:- جب کوئی وارث اپنے سہام کے بدلے جو تصحیح سے ملتے ہیں، کوئی چیز ترکہ سے لے کر صلح کرلے، اور اپنے حصہ سے دستبردار ہو جائے، تو اسی کو تخارج کہتے ہیں، پس مسئلہ نکالنے میں اس کو شامل کیا جائے، جب مسئلہ ٹھیک ہوگیا اس کے حصہ کو خارج کر کے جو سہام دیگر ورثاء کو ملا ہے، اسی کے مطابق ہر وارث ترکہ سے لیوے جیسے

میت ۶

زوج	ام	عم
۳	۲	۱

شوہر مہر کے بدلہ ترکہ سے دست بردار ہوگیا، مل بالا سے ام کو $\frac{۲}{۳}$ عم کو $\frac{۱}{۳}$ ملے گا

دوسری مثال { میت

زوجہ	ابن	ابن	ابن	ابن
۴	۷	۷	۷	۷

ایک لڑکا کسی چیز کے بدلے میں ترکہ سے دست بردار ہوگیا۔ اس کا سہام ۷ خارج کر دیا ۲۵ باقی مسئلہ کی تصحیح ہوگا۔

باب الرد:- رد عول کا ضد ہے، جو کچھ ذوی الفروض سے بچے، اور عصبات کسی قسم کے ہوں، اس کو ذوی الفروض نسبیہ پر ان کے حقوق کے مطابق لوٹانا۔

رد کے مسائل چار قسم پر ہیں۔

(۱) زوجین نہ ہوں، مسئلہ میں من یرد علیہ ایک جنس ہیں، تو مسئلہ ان کے عدد رؤس سے کیا جاوے

جیسے میت ۲: بنت ۱، بنت ۱ — میت ۳: اخت ۱، اخت ۱، اخت ۱ — میت ۴: جدہ ۱، جدہ ۱

(۲) (زوجین نہ ہوں) مسئلہ میں صرف ذوی الفروض نسبیہ ۲ جنس یا ۳ جنس ہو، تو مسئلہ ان کے سہام سے کیا جائے، جیسے

میت ۲: اخ لام ۱، ام ۱ — میت ۳: اخوین لام ۲، ام ۱ — میت ۴: بنت ۳، ام ۱ — میت ۵: بنت ۲، بنت ۲، ام ۱

میت ۵: بنت ۳، ام ۱، بنت الاخوین ۱ — میت ۵: اختین لام ۲، اخت لاب ۳ — میت ۵: اخت لاب وام ۳، اخت لاب ۱، ام ۱

(۳) زوجین ہوں، زوجین کے اقل مخارج سے مسئلہ کیا جاوے جیسے میت ۴: زوج ۱، بنات ۳

اگر سہام در رؤس میں کسر ہو، مگر دونوں کے درمیان وفق ہے جیسے میت ۴ ہہ ۸: زوج ۱/۲، بنات ۶ ۳/۶

توافق بالنصف ہے ۲ کو مسئلہ میں ضرب دیا حاصل ہوا ۸۔ اور سہام میں ضرب دیا۔ جیسے زوج ۲، بنات ۶ ۳

اگر سہام و رؤس میں مباینہ ہے جیسے میت ۴ ۲۰: زوج ۱ ۵، بنات ۳ ۱۵

تو عدد رؤس ۵ کو اصل ۴ میں ضرب دیا، حاصل ہوا ۲۰۔ ۵ کو سہام میں ضرب دیا زوج ۱ ۵، بنات ۳ ۱۵

(۴) زوجین ہوں، دو جنس کے ہوں، زوجین کے فرض کے بعد جو بچا، وہ دو جنس پر تقسیم کیا جاوے جیسے۔ میت ۴: زوجہ ۱، اخت لام ۳ (؟)، جدہ ۱

اگر کسر واقع ہو جیسے میت ۸ ۱۰۴: زوجات ۱ ۵، بنات ۲۸، جدات ۷

من یرد علیہ کا سہام اصل مسئلہ میں ضرب دیں، جو حاصل ہو، وہی تصحیح ہے، رد کے مخارج حسب ذیل ہیں ۲-۳-۴-۵-۸۔ کل ۵ ہیں

باب المناسخہ: ترکہ تقسیم ہونے سے پہلے کسی وارث کے مرجانے کے سبب اس کے حصہ کا وارثوں کی طرف منتقل ہو جانا، اس کو مناسخہ کہتے ہیں۔ جیسے ایک عورت مرگئی، اس کے وارث شوہر، لڑکی، ماں ہیں، ابھی ترکہ تقسیم نہیں ہوا، کہ شوہر مرگیا، اس کے ورثار زوجہ اب ام ہیں پھر لڑکی مرگئی، اس کے ورثار ابن ابن بنت جدہ ہیں، پھر ماں مرگئی، اس کے ورثار زوج اخ اخ ہیں، اب پہلے میت اول کی تصحیح کی جاوے، اس کے بعد میت ثانی کی تصحیح کی جاوے، پھر دیکھو بنت ثانی میں نبت اول سے کیا سہام پایا، اس کو "مافی الید" کہتے ہیں، اور مافی الید اور تصحیح ثانی میں اگر مساوات ہے، تو ضرب دینے کی ضرورت نہیں، اگر موافقت ہے، تو تصحیح ثانی کے وفق کو اصل میں ضرب دو، جو حاصل ہو، وہی دونوں تصحیح کا مسئلہ ہے اگر تصحیح ثانی اور مافی الید میں مباینہ ہو، تو تصحیح ثانی کے کل عدد کو تصحیح اول میں ضرب دو، جو حاصل ہوگا، وہی دونوں تصحیح کا مخرج (مسئلہ) ہے، پس میت اول کے سہام کو مضروب (تصحیح ثانی) میں ضرب دو، اگر وفق ہے، تو وفق میں ضرب دو، اور میت ثانی کے ورثار کے سہام کو مافی الید میں ضرب دو، اگر وفق ہو تو وفق میں ضرب دو، دو بطن ہو یا تین چار الی غیر النہایۃ، دوسرے تصحیح کو اول کے قائم مقام اور تیسرے تصحیح کو دوسرے کے قائم مقام، بہر حال پچھلی تصحیح ثانی کے قائم مقام ہوگی، اور پہلی سب تصحیح اول کے قائم مقام ہوگی۔

مناسخہ کی مثال

میت المسئلہ بالرد ۳۲ ۱۶ ۱۲۸ — میت زید من ۴ بینہما مماثلۃ فاستقام مافی الید ۲ کو عمر من ۹ بینہما توافق بالثلث مافی الید ۹

زوج	بنت	ام	زوجہ	اب	ام	بنت	ابن	ابن	جدہ
زید	کریمہ	عظیمہ	حلیمہ	عمر	رحیمہ	رقیہ	خالد	عبداللہ	عظیمہ
[illegible]	۹	۳	۱ / ۲ / ۸	۲ / ۴ / ۱۶	۲ / ۸	۱ / ۳ / ۱۲	۲ / ۶ / ۲۴	۲ / ۶ / ۲۴	[illegible]

میت — الاحیاء — المبلغ

زوج	اخ	اخ
عبدالرحمن	عبدالرحیم	عبدالکریم
۲ / ۱۸	۱ / ۹	۱ / ۹

حلیمہ	عمر	رحیمہ	رقیہ	خالد	عبداللہ	عبدالرحمن	عبدالرحیم	عبدالکریم
۸	۱۶	۸	۱۲	۲۴	۲۴	۱۸	۹	۹

فصل فی الحمل:۔

حمل کی اکثر مدت میں بہت اختلاف ہے، کم میں بلا اختلاف چھ ماہ ہے، حمل میں دو تصحیح کی جاوے، ایک حمل کو مذکر مان کر، دوسری مؤنث مان کر، جو حصہ دونوں تصحیح میں کم ہو، وہ ورثار کو دے دیا جاوے، باقی روک لیا جاوے، جب حمل پیدا ہو جاوے اس کے مطابق عمل کیا جاوے۔ جیسے:۔

میت ۸ / ۲۴ مص ۲۱۶			
زوجہ حاملہ	بنت	اب	ام
۳	۱۳	۴	۴
۲۷	۱۱۷	۳۶	۳۶

حمل علی تقدیر مذکر

میت ۲۴، ۹ / ۲۷ مص ۲۱۶			
زوجہ حاملہ	بنت	اب	ام
۳	۱۶	۴	۴
۲۴	۱۲۸	۳۲	۳۲

حمل علی تقدیر مؤنث

دونوں تصحیح کے درمیان اگر موافقہ ہے، تو ایک کا وفق دوسرے کے کل میں ضرب دو، جو حاصل ہو، وہی دونوں کا مسئلہ مخرج ہے، جیسے پہلے تصحیح ۲۴-اور دوسری تصحیح ۲۷ دونوں میں توافق بالثلث ہے۔ ۹ کو ۲۴ میں ضرب دیا ۲۱۶ حاصل ہوا، یہی دونوں کا مخرج ہے، فریق اول کے سہام کو تصحیح ثانی کے وفق میں ضرب دو، اور فریق ثانی کے سہام کو تصحیح اول کے وفق میں ضرب دو، یعنی دونوں تصحیح کو ہم مخرج بنانا، جس تصحیح سے وارث کا حصہ کم ہو، وہ دے دیا جاوے، باقی روک لیا جاوے، جب حمل ظاہر ہو، اس کے مطابق عمل کیا جاوے، اور حمل و بنت کا حصہ جیسا مناسب سمجھا جاوے، کیا جاوے، آئندہ چل کر جھگڑا و فساد نہ ہو، اگر دونوں تصحیح میں مباینہ ہے، تو کل تصحیح کو دوسرے تصحیح میں ضرب دو، جو حاصل ہو، وہی دونوں کا ہم مخرج ہے، فریق اول کے سہام کو تصحیح ثانی میں ضرب دو، اور تصحیح ثانی کے فریق کے سہام کو تصحیح اول میں ضرب دو۔

قلبی تاثر: -فتاوی ثنائیہ کتاب الفرائض کو میں نے از اول تا آخر گہری نظر سے دیکھ لیا ہے، جہاں کہیں ضرورت معلوم ہوئی، وہاں تشریحات و تصحیحات حوالۂ قلم کر دی گئی ہیں اس دیباچہ میں سراجی کو بقدر ضرورت، یعنی جو مسائل اکثر پیش آتے ہیں، بطور خلاصہ لکھ دیا ہے، حضرت العلام جناب مولانا ابوالوفا ثناء اللہ مرحوم کے تحریر کردہ مسائل میراث دیکھنے سے معلوم ہوا، کہ حضرت مرحوم نہ صرف فرائض میں ید طولی رکھتے تھے، بلکہ علم الحساب میں بھی ماہر کامل تھے، کیونکہ مرحوم کے تحریر کردہ مناسخہ کے تحت جانی مسائل بھی بالکل درست نظر آئے خداوند کریم نے موحوم کی ایک عجیب معنی ہم کو عنایت کی تھی، جس کی واحد ذات میں طرح طرح کے کامل الفن اشخاص کی قابلیتیں و صلاحیتیں جمع تھیں، مرحوم کی قابل قدر شخصیت پر غور و فکر کرنے سے فوراً یہ شعر زبان پر آتا ہے ؎

لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی الواحد

فجزاہ اللہ عنا باحسن الجزاء و عاملہ باحسن الاکرام۔

مجھے خوشی ہے، کہ حضرت العلامہ مولانا عبدالغفور صاحب ملا فاضل بسکوہری و حضرت

محترمی مولانا عبدالرؤف صاحب رحمانی جھنڈے نگری کی پرخلوص تحریک محب محترم مولانا محمد داؤد راز زید مجدہم مرتب فتاوی ثنائیہ نے مجھے بھی اس تقریب سے فتاوی ثنائیہ کی علمی خدمت میں شریک فرمایا، اللہ تعالیٰ اس یادگار جاوداں کو درجہ قبولیت عطا فرمائے، آمین وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

کتبہ ابوالخطاب عبدالرحمن بن الامام عبداللہ البجوادی

۱۰/ ذی قعدہ سنہ ۱۳۷۲ھ

س:۔ زید کے پسر عبدالرشید نے اپنے ماموں کے پاس پرورش پائی، اور شادی بھی ماموں نے ہی کی، اور تجارت بھی کرائی، عبدالرشید کے والد نے کوئی حبہ عبدالرشید کو کبھی نہیں دیا اب عبدالرشید کا انتقال ہوا تو اس نے ایک بیوی اور ایک لڑکی اور ماموں حقیقی چھوڑے ہیں، اب مرحوم کا مال کس طرح تقسیم کیا جائے گا؟ (محمد ادریس از رچھا بریلی)

ج:۔ صورت مرقومہ میں باپ یقیناً وارث ہے، کیونکہ اس کا تعلق بیٹے سے نطفہ کی وجہ سے ہے، کوئی شرعی حکم باپ کو محروم نہیں کر سکتا، عبدالرشید کا ترکہ بعد ادائے قرض و مہر اور وصیت کل آٹھ حصوں پر تقسیم ہوگا، ایک حصہ بیوی کو چار حصے لڑکی کو تین حصے باپ کو بوجہ عصبہ ہونے کے دیئے جائیں گے، ماموں محروم رہے گا (اہلحدیث جلد ۲ ۴ھ)

س:۔ زید مر گیا، اپنے پیچھے ایک بیوی چھوڑ گیا ہے، ایک والدہ، ایک چچازاد بھائی، ایک تایازاد بھائی، شرعاً ہر ایک کا حصہ کیا ہے، زید کی بیوی کو مہر کے سوا اور کیا ترکہ ملتا ہے؟

ج: میت مسئلہ ۱۲ تصحیح ۲۴

بیوی	والدہ	چچازاد بھائی	تایازاد بھائی
۳ / ۶	۴ / ۸	۵	۵

الاحیاء

بیوی	والدہ	چچازاد بھائی	تایازاد بھائی	میزان
۶	۸	۵	۵	۲۴

صورت مذکورہ میں زید نے اگر بیوی کا مہر ادا نہیں کیا، تو واجب ادا ہے، مہر وغیرہ ادا کرنے کے بعد باقی زید کا ترکہ شمار کر کے مندرجہ بالا صورت کے مطابق ہر وارث کو اس کا حصہ دیا جائیگا واللہ اعلم (اہلحدیث جلد ۴۴ نمبر ۴۴)

واضح ہو کہ باپ کے بڑے بھائی کو تایا اور چھوٹے بھائی کو چچا بعض لوگ کہتے ہیں (عبدالرحمن، بجوادی)

س:۔ ایک شخص گذر گیا، اب اس کے دو بھائی اور دو بہنیں اور تین لڑکیاں ہیں، اس نے مرتے وقت کہا ہے، کہ میرے مال کا تیسرا حصہ خیرات کر دینا، اور باقی موافق شریعت کے

بانٹ لینا، اب سوال یہ ہے، کہ لڑکی کو کیا دینا، اور بھائی کو کیا دینا ہے؟

ج:۔ لڑکیوں کو دو تہائی اور بہن بھائیوں کو ایک تہائی ملے گا (۲۳ر جنوری ۱۹۳۲ء)

تشریح:۔ اس کی تصحیح یہ ہے میت مسئلہ ۶ (۱۸)

بنت	بنت	بنت	اخ	اخ	اخت	اخت
۴	۴	۴	۲	۲	۱	۱

س:۔ زید نے کچھ جائداد چھوڑ کر رحلت کی، اور پس ماندہ، ایک ماں، ۲ بھائی، اور ۲ بیویاں چھوڑیں، ہر ایک کو کتنا ملے گا۔

ج:۔ ترکہ میں سے ماں کو چھٹا حصہ، بیوی کو آٹھواں حصہ، باقی دونوں بھائیوں کا ہے
(اہلحدیث ۱۲ر جون ۱۹۳۱ء)

تصحیح میت مسئلہ ۲۴ (۴۸)

زوجہ	زوجہ	ام	اخ	اخ
۳	۳	۸	۱۷	۱۷

(عبد الرحمن بجوادی)

س:۔ ایک بزرگ انتقال فرما کر چار لڑکیاں، ایک لڑکا چھوڑ گیا، اب کل ملک پر لڑکا قبضہ کئے ہوئے ہے، التماس یہ ہے، کہ میراث میں لڑکا اور لڑکیاں کتنے حصے کے حقدار ہیں؟
(شکر اللہ بنگلور)

ج:۔ بھائی بہنوں کو محروم نہیں کر سکتا، وہ بھی حصہ دار ہیں، کل جائداد کے ۶ حصے کر کے بھائی کو ۲ حصے، چاروں بہنوں کو ایک ایک حصہ ملے گا، بحکم قرآن مجید وللذکر مثل حظ الانثیین۔ واللہ اعلم۔ (۲۱ر جمادی الاخری ۱۳۶۵ھ)

س:۔ زید نے انتقال کیا، چھوڑے اس نے ۲ پوتے ۲ پوتی، ایک بیٹی ورثہ کیسے تقسیم ہو۔

ج: میت مسئلہ ۱۲ زید

پوتا	پوتا	پوتی	پوتی	دختر
۲	۲	۱	۱	۶

صورت مذکورہ میں زید کا ترکہ مندرجہ بالا طریقہ پر تقسیم کیا جائے گا، بعد ادائے قرضہ، اور وصیت کل مال کے ۱۲ حصے کئے جائیں گے۔ ۶ حصے دختر کو، ۲ حصے پہلے پوتے کو، ۲ حصے دوسرے پوتے کو، ایک حصہ ایک پوتی کو، اور دوسرا ایک حصہ پوتی کو، واللہ اعلم
(اہلحدیث امرتسر ۲۵ر ذی الحجہ ۱۳۶۲ھ)

س:۔ ایک عورت مسلمان ہوتی، اور کچھ امانت اپنی ایک مسلمان کے پاس رکھ گئی، اس کا ایک لڑکا بھی ہے، مگر وہ کافر ہے، اب اس کا انتقال ہوگیا، اب اس امانت کو مسجد میں لگا سکتے ہیں، یا نہیں؟

ج:۔ مسلمان کا وارث کافر نہیں ہو سکتا، اس لئے مرحومہ کا ترکہ کسی کارخیر میں لگا دیں تو جائز ہے (اہلحدیث ص ۱۲ ۶ صفر ۱۳۳۸ھ)

س:۔ زید کے دو لڑکے ہیں، ایک لڑکا اپنے دو لڑکے زید کی زندگی ہی میں چھوڑ کر مر گیا سوال یہ ہے، کہ ان لڑکوں یعنی پوتوں کو زید کی جائداد سے حصہ ملے گا یا نہیں؟

ج:۔ زید کا حقیقی بیٹا اگر ہے، تو ان پوتوں کو نہیں ملے گا، اگر حقیقی بیٹا نہیں ہے، تو ان کو ملے گا۔ للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون، پوتے کی نسبت سے بیٹا بہت قریب ہے، اس لئے اس کے ہوتے ہوئے پوتا نہیں[1] لے سکتا۔ اللہ اعلم

(اہلحدیث ص ۱۲ ۷ مارچ ۱۹۱۹ء)

س:۔ ایک عورت، ایک خاوند ایک لڑکا مہینہ بھر کا، ماں، باپ اور دو بہنیں، دو بھائی جو اپنی ماں سے ہیں، اور تین بہن ایک بھائی، دوسری ماں سے ہیں چھوڑ کر مر گئی (بعد دو ماہ کے لڑکے کا بھی انتقال ہو گیا) اس کے مال کا شرعاً کیونکر فیصلہ ہو؟

ج:۔ سارے مال سے خاوند کا حصہ چوتھائی ہے، اور باقی شیر خوار لڑکے کا، بعد انتقال کرنے لڑکے کے اس کا وارث اس کا باپ ہوگا، واللہ اعلم (۷ مارچ ۱۹۱۹ء)

تعاقب اس پر تعاقب یہ ہے۔ ولابویہ لکل واحد منهما السدس ان کان له ولد فان لم یکن له ولد وورثه ابواه۔ الآیۃ۔ براہ مہربانی تصحیح فرمائیے۔ الراقم احمد الفاروقی۔

ج:۔ تعاقب صحیح ہے، مرحومہ کے والدین بھی چھٹے چھٹے حصے کے حقدار ہیں، بلکہ مرنے شیر خوار کے حصہ سے اس کی نانی بھی حصہ کی وارث ہے (۲۵ شعبان ۱۳۳۷ھ)

تصحیح مسئلہ ۱۲

زوج	ام	اب	ابن	اخوین	داختین لام	ثلث اخوات	واخ لام
۳	۳	۲	۵	۲	۲	۲	۲

جواب میں اجمال تھا، ماں باپ کا حصہ نہیں لکھا تھا، اس لئے تصحیح کر دی ہے۔

س:۔ زید ایک عورت، ایک لڑکی اور تین لڑکے چھوڑ کر مر گیا، کوئی املاک نہیں تھے بعد وفات زید، عورت اور بچے سب اپنے ننہال کے گھر پر ورش ہوئے، بعد چند سال کے زید کے بڑے لڑکے نے کسی شہر میں جا کر بود و باش کی، اور نوکری پیشہ اختیار کیا، یہ دوسرا لڑکا

[1] اس حالت میں پوتا محجوب ہوتا ہے، اس پر مذاکرہ علمیہ آئندہ صفحات پر دیکھئے۔

بھی اگر چند سال اپنے بھائی کے پاس رہا، وہ بھی کچھ کما کر لا کر دیتا رہا، کمائی تو ایسی قلیل کہ اس کے خرچ کو بھی کافی نہ تھی، بڑے بھائی نے رعایتاً اپنے چھوٹے بھائی کو سنبھال لیا، بعد چند ماہ کے چھوٹے بھائی نے علیحدگی اختیار کی، پھر آ کر مل گیا، پھر علیحدہ ہو گیا، اب نوکری چھوڑ دی بے کار ہے، اور الگ بھی ہے، بڑے بھائی نے چند سال سے نوکری چھوڑ کر کچھ معاملہ کر لیا ہے، اور کچھ مالداروں کی شکل میں ہے، لہٰذا مذکور بھائی لوگوں میں بول رہا ہے، کہ بھائی کے مال میں اپنا حصہ ہے، لے لوں گا، حالانکہ بڑے بھائی کے دو عورت، دو مرد بچے بھی ہیں، اب تصفیہ طلب یہ بات ہے، کہ بڑے بھائی کے مال میں، بڑے بھائی کے حین حیات اپنے چھوٹے بھائی کو شرعاً کوئی حصہ ہے یا نہیں؟ اور بعد وفات بھی کوئی حصہ ہے

ج:۔ زندہ باپ بھی ہو، تو اس کے مال سے ورثہ نہیں ملتا، بھائی کا تو کیسے ملے گا، خاص کر بھائی کی اولاد جب ہے، تو چھوٹا بھائی بالکل وارث نہیں (۳ رجب ۱۳۳۷ھ)

واضح ہو، کہ وارث حین حیات مورث کے مستحق ترکہ کا نہیں ہو سکتا، کہ تقسیم ترکہ کی مورث پر واجب ہو لیکن بطریق اباحت کے روا ہے (فتاوی نذیریہ جلد ۲ ص ۴۲۷)

تشریح مفید کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے انتقال کے بعد زید کے چھوٹے لڑکوں نے بڑے لڑکے کو متروکہ پدری کا منتظم قرار دیا، اب اگر بڑا لڑکا یہ کہے، کہ میرے عرصہ کثیر کے قبضہ ہونے کے سبب ترکہ کی تقسیم کو تمادی عارض ہے، اور تقسیم نہیں ہو سکتا، میں مالک ہوں، تو کیا شرعاً وہ مالک ہو سکتا ہے اور تقسیم ترکہ کی کوئی میعاد تیس برس رکھی گئی ہے، یا نہیں، بینوا توجروا

الجواب۔ ھو الموفق للحق والصواب۔ عرصہ کثیر تک کسی کے ترکہ پر قابض رہنا اور ترکہ کا مدت مدید تک تقسیم نہ ہونا مبطل جواز تقسیم ترکہ نہیں، اور نہ رافع حق ارث ہے، ترکہ پر مدت مدید تک قابض رہنا اسباب ملک سے نہیں ہے، کہ قابض مالک ہو جاوے اور ترکہ کی تقسیم جائز نہ ہو، شرع میں تقسیم ترکہ کے لئے کوئی مدت مقرر نہیں ہے، کہ اس مدت کے گذرنے سے پہلے تو تقسیم جائز ہو، اور اس کے گذرنے کے بعد جائز نہ ہو، امتداد مدت حق ثابت کی رافع نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ محمد اسحاق۔

(فتاوی نذیریہ جلد ۲ ص ۴۱۹)

س:۔ زید کی عورت ایک لڑکا عمر چھوڑ کر مر گئی، زید نے دوسری شادی ہندہ سے کی جب

کے پاس بہت سی جائداد تھی، چند دن کے بعد زید آ گئے اور ہندہ پیچھے انتقال کر گئے، ہندہ کو کوئی اولاد نہیں ہوئی لیکن اس کے کچھ خویش و اقارب بہن، بھائی، پھوپھی وغیرہ ہیں، اب عمر ہندہ کی تمام جائداد کا اپنے آپ کو واحد وجائز مالک بتاتا ہے، سوال یہ ہے، کہ عمر کا یہ دعوے کہاں تک صحیح ہے، اور اس کو ہندہ کی جائداد میں سے کچھ حصہ ملے گا یا نہیں، اگر ملے گا، تو کتنا ملے گا؟

ج:۔ صورت مرقومہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ ہندہ عمر کی سوتیلی ماں ہے، سوتیلی ماں سے سوتیلی اولاد کو کوئی حصہ نہیں پہنچتا، ہندہ کے ورثا اس کے حق دار ہیں۔

(اہلحدیث امرتسر ۱۳ / ۱۲ / شوال ۱۳۳۷ھ)

س:۔ ایک شخص کی عورت کا انتقال ہوا اس کی ایک چھوٹی سی لڑکی ہے، کیا وہ ننہیال کے گھر میں پرورش پائے، یا والد کے نزدیک پرورش پائے، پرورش کرنے کے لئے کس کا حق ہے

ج:۔ بحکم حدیث شریف نانی کو حق پرورش ہے (اہلحدیث ۲۵ / جمادی الاول ۱۳۳۹ھ)

تشریح مفید کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، کہ جو لڑکا صغیر سن ڈھائی یا تین برس کا ہو، اور اس کا باپ، دادا فوت ہو گیا ہو، اور ماں و دادی و نانی و نانا اور دادا کا بھائی موجود ہو، تو ایسی صورت میں ولایت پرورش کا حق کس کو ہے اور ولایت مال کی کس کو ہے، اور ولایت نکاح کی کس کو ہے؟

الجواب:۔ در صورت مرقومہ حق پرورش لڑکے صغیر سن کا ماں کو ہے، اگر ماں قبول نہ کرے، تو نانی کو ہے، اور نانی قبول نہ کرے، تو دادی کو ہے، اور اس کے مال کی ولایت حاکم ہو، چاہے اپنے پاس اس کے مال کو رکھے، اور بقدر اس کے خرچ کے دے دیا کرے یا کسی دیانت دار کے پاس رکھوا دے، کہ امانت دار بقدر ضرورت کے اس کی ماں کو دے دیا کرے، اور ولایت نکاح دادا کے بھائی کو پہنچتی ہے شرعاً، چنانچہ کتب شریعت میں ایسا ہی مرقوم ہے، واللہ اعلم۔ الراقم سید نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

(فتاوی نذیریہ جلد ۲ صفحہ ۳۷۰)

س:۔ ایک عورت انتقال کرنے سے پیشتر وصیت کر گئی، کہ میرا مہر میرے والد کو دینا، کیا اس کے مہر میں مرد کا، اور اس کی ایک موجودہ چھوٹی لڑکی کا حق نہیں ہے؟

ج:۔ وصیت مذکورہ غلط ہے، حدیث شریف میں آیا ہے، وارث کے لئے وصیت جائز

نہیں، ماں کو چھٹا حصہ، خاوند کا چوتھا، اور لڑکی کو نصف ملے گا۔ تقسیم ہو گی گیارہ عدد حصص سے، جن میں ۶ لڑکی کے، تین مرد کے، اور ۲ ماں کے، واللہ اعلم۔

(اہلحدیث امرتسر ص۱ ۲۵ رجمادی الاول ۱۳۳۹ھ)

دریافت:- اہلحدیث میں بجواب نمبر ۴ ۵ (مذکورہ بالا) آپ نے ارقام فرمایا ہے، کہ ماں کو چھٹا، خاوند کو چوتھا، لڑکی کو نصف حصہ، اور اس کے بعد آپ نے گیارہ سے تقسیم کرنے کو لکھا ہے، سو گیارہ کے نصف $5\frac{1}{2}$ ہوتے ہیں، آپ نے ۶ حصے لڑکی کو کیسے دلائے کیا لڑکی کو ۶ حصے دینے سے اور کسی کی حق تلفی تو نہ ہو گی، اور گیارہ حصہ کی کیا ضرورت ہے، اس کو آپ قرآن و حدیث سے مدلل فرمایئے۔

جواب:- ایسے مسئلہ کو علم میراث میں ردیہ کہتے ہیں، اس کی تقسیم اسی طرح ہوتی ہے کہنے میں یہی آتا ہے، کہ لڑکی کو نصف، خاوند کو چوتھائی، مگر دراصل اس سے کچھ زائد ہوتا ہے، اہل علم اس کی وجہ جانتے ہیں۔ العلم عند اللہ　　(اہلحدیث ۹ رجمادی الاخری ۱۳۳۹ھ)

تشریح[1] اس کی تشریح مطابق بیان سراجی یوں ہے میت مسئلہ ۴ / ۱۶
سولہ سے مسئلہ کیا جائے چار شوہر کو

زوج	بنت	ام
$\frac{1}{4}$	۹	۳

و لڑکی کو ۹، ۳ ماں کو دیا جائے　　(عبدالرحمن بجوادی)

س:- آج کل پیری مریدی کا جو طریقہ یہاں سندھ میں مروج ہے، وہ ایک قدیمی رسم پشت بپشت چلی آتی ہے، مرید باوجود اصل وارث ہونے کے بھی اپنی نفسانی غرض کے درپے ہو کر اپنی جائداد منقولہ، غیر منقولہ مرشد کو وقف کر دیتے ہیں، اور وہ مرشد جائداد وقف والی کو اپنے ذاتی عیش و عشرت میں شرعی مصارف کے خلاف بے دریغ اڑاتے ہیں، ایسی صورت میں وقف جائز ہو سکتا ہے یا نہ؟ مرید خواہ مرشد دونوں کے لئے شرعی حکم کیا عائد ہوتا ہے

ج:- یہ نفس پرستی ہے، ایسے وقف کو وارث توڑ سکتے ہیں، قرآن مجید میں ارشاد ہے فمن خاف من موص جنفا او اثما فلا جناح علیہ، جو کوئی ظلم یا گناہ کی وصیت کو بدل دے

---

[1] تشریح مطابق سراجی اس قول کی بنا پر جو زوجین کے رد کے قائل نہیں ہیں، میں نے لکھی ہے، مگر حقیقت میں زوجین کے رد کا کوئی مانع نہیں ہے، اگر رد کا مسئلہ صحیح ہے، تو زوجین پر بھی صحیح ہے۔ مولانا مرحوم کے جواب سے معلوم ہوتا ہے، کہ زوجین کے رد کے قائل ہیں، میں بھی اس سے موافقت کرتا ہوں، اس بنا پر مولانا کا مسئلہ ۱۱ سے قائم کرنا صحیح ہے (عبدالرحمن بجوادی)

اس پر گناہ نہیں ہے، ایسے وقف کرنے والے وارثوں کے حق تلف کرنے والے ہیں اور پیر ظالم ہیں　(اہلحدیث صفا ۲۱؍رجب ۳۹ھ)

س:- اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کو کوئی چیز مثلاً باغیچہ، باڑی، مکان وغیرہ وقف کردے اور وہ اس کو کئی سال اپنے قبضہ میں رکھ کر اس سے فائدہ اٹھائے، تو از روئے شریعت وہ چیز کس کی ملکیت ہوئی، اور جس کو وہ چیز دی گئی ہے، اس سے واپس لینا از روئے شریعت کیا جائز ہے؟

ج:- وقف شدہ چیز واقف واپس نہیں لے سکتا، جو اس سے فوائد حاصل ہوں، ان کا بھی واقف حقدار نہیں، ان کو اسی مصرف میں خرچ کرے، جس کے لئے وہ چیز وقف کی گئی ہے۔ قال اللہ تعالیٰ۔ اوفوا بالعقود　(اہلحدیث امرتسر ۱۲/۵ ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ)

اضافۂ مفید

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے مسماۃ ہندہ اہلیہ سابقہ کو کہ جس کے عقد کو عرصہ چھتیس سال کا ہوا، اور اس سے ایک بیٹا اور بیٹی اور پوتا پوتی دنواسہ وغیرہ پیدا ہوئے ہیں، اور اب زید نے مسماۃ ہندہ اہلیہ سابقہ کے پاس و دوسرے مکان میں آنا جانا اور خدمت لینا، اور حق شب داری وغیرہ واسطے لگانے الزام عدم اطاعت ونافرمانی کے ترک کیا، اور اس مدت دراز زمانہ موافقت میں (یعنی چھتیس سال میں) جو کچھ زید نے تھوڑی یا بہت جائداد منقولہ یا غیر منقولہ اپنی رضامندی سے اہلیہ سابقہ اپنی کو ہبہ کر کے دے دی اور قابض کر دیا۔ اب بوجہ طمع نفسانی یا کسی کے اغوائش یا اہلیہ جدیدہ کی آسائش کے خیال سے وہ ہبہ کی ہوئی جائداد کو عدم اطاعت ونافرمانی کا الزام اہلیہ سابقہ کو لگا کر واپس لینا چاہتا ہے، حالانکہ اہلیہ سابقہ کو اطاعت وفرمانبرداری میں بموجب حکم شرع کے زید شوہر اپنے سے بالکل انکار نہیں، پس ایسی حالت واقعہ میں زید کا جائداد موہوبہ کو اہلیہ سابقہ سے واپس لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:- درصورتے کہ زید نے اپنی جائداد منقولہ یا غیر منقولہ برضا و رغبت اپنی زوجہ اولیٰ کو ہبہ کر دی، اور قابض بھی کر دیا، تو بلاشبہ جائداد موہوبہ ملک زوجہ اولیٰ کی ہو گئی، اب زید کو جائداد موہوبہ کو واپس لینا شرعاً جائز نہیں

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العائد فی ھبتہ کالکلب یقئ ثم یعود فی قیئہ (متفق علیہ) عالمگیریہ میں ہے

اذا وھب احد الزوجین لصاحبہ لا یرجع فی الھبۃ وان انقطع النکاح بینھما انتہی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ السید عبد السلام عفی عنہ ۱۷ محرم ۱۳۱۷ھ

سید محمد نذیر حسین

ھوالموفق:۔ فی الواقع صورت مسئولہ میں زید کو ہرگز جائز نہیں ہے، کہ جائداد موہوبہ کو اپنی زوجہ اولے سے واپس لیوے، بلوغ المرام میں ہے۔ عن ابن عمر وعن ابن عباس رضی اللہ عنہم عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یحل لرجل ان یعطی العطیۃ ثم یرجع فیہا الا الوالد فیما یعطی ولدہ رواہ احمد والاربعۃ وصححہ الترمذی وابن حبان والحاکم۔ قال فی سبل السلام قولہ لا یحل ظاھر فی التحریم والقول بانہ مجاز عن الکراھۃ الشدیدۃ صرف لہ عن ظاھرہ وقولہ الا الوالد دلیل علی انہ یجوز للاب الرجوع فیما وھبہ لابنہ کبیرا کان او صغیرا وخصہ الھدویۃ بالطفل وھو خلاف ظاھر الاحادیث۔ انتہی۔ وقال فیہ تحت حدیث العائد فی ھبتہ کالکلب الخ نید دلالۃ علی تحریم الرجوع فی الھبۃ وھو مذھب جماھیر العلماء وبوب البخاری باب لا یحل لاحد ان یرجع ھبتہ وصدقتہ الخ واللہ تعالی اعلم۔ کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

(فتاوی نذیریہ ج ۲ ص ۱۰۳)

س:۔ زید کی سابقہ عورت سے ایک لڑکا ہے اور ایک لڑکی، کچھ دنوں بعد عورت مذکورہ فوت ہوگئی، ازاں بعد زید نے نکاح ثانی کیا، اس سے ایک لڑکا ہوا مشیت ایزدی سے زید بھی راہی ملک عدم ہوا، زید کے ایک سال بعد زوجہ ثانی کا لڑکا بھی فوت ہوگیا، اب استفسار یہ ہے، کہ زوجہ ثانیہ کے لڑکے کا حصہ اس کی ماں کو دیا جائے، یا اس سے ورثہ میں سے بہن بھائی کو بھی پہنچتا ہے، تو کس نوع سے، اس کا خلاصہ بحوالہ کتاب اللہ ترقیم فرما کر اخبار گوہر بار کے کسی گوشہ میں جگہ دے کر ملتمس کو مشکور اپنا کریں گے۔

ج:۔ صورت مرقومہ میں زید کے دوسرے لڑکے کے حصہ میں سے چھٹا حصہ اس کی ماں کو ملے گا، باقی اس کے بہن بھائی علاتیوں کو، یعنی روپیہ میں سے اڑھائی آنہ ۲ پائی ماں کو۔ اللہ اعلم

(اہلحدیث ص ۱۱ ۱۹ جمادی الاول ۱۳۴۲ھ)

س:۔ ماں، حقیقی ایک بہن، سوتیلی ایک بہن، سوتیلے دو بھائی، ایک بیوی، ایک لڑکی،

ایک بھانجا، لڑکی نابالغ تین چار برس کی ہے، اس کے حصہ کی جائداد کا حق تولیت متوفی کی والدہ کو ہے یا متوفی کی بیوی کو؟ اور کیا اس جائداد کے متولی کو یہ بھی اختیار ہو سکتا ہے، کہ وہ لڑکی کی نابالغی ہی میں اس جائداد کو فروخت کر دے؟

ج:۔ لڑکی کی جائداد کے متولی بھائی ہوں گے، اگر ان پر اعتماد نہ ہو، تو سرکار کی طرف سے گارڈین مقرر کرایا جائے، جائداد ایسی قسم سے ہو، جو رکھنے سے خراب ہوتی ہو، تو متولی بیچ سکتا ہے۔ واللہ یعلم المفسد من المصلح۔ اللہ اعلم (اہلحدیث ۲۹ محرم ۱۳۳۵ھ)

تشریح مفید کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ فوت ہوئی، اس کے وارث تین بچے خورد سال اور خاوند ہے، اور مال متروکہ متوفیہ ہندہ کا بحیثیت ولایت خاوند کے قبضہ میں ہے، چونکہ خاوند مذکور مقروض اور بد نیت ہے، مال متروکہ اس کے پاس محفوظ نہیں رہے گا، لہذا دوسرے رشتہ دار یعنی ماموں بچوں کے چاہتے ہیں، کہ مال جو بحق بچوں کے آوے، کسی امین کے پاس رکھ دیا جاوے تاکہ بوقت بلوغ ان بچوں کو مل جاوے، نیز ان دیگر رشتہ داروں کو اس ولی سے تفہیم حساب کا حق ہے یا نہیں، اور ولی نے دوسری شادی بھی کر لی ہے، اور اس سے اولاد بھی ہے، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ صورت مرقومہ میں معلوم ہوا، کہ مقصود اور غرض ولایت سے شفقت و خیر خواہی و نگہبانی جان و مال صغیرین ہے، پس جب کہ خاوند مذکور مقروض و بد نیت ہے، اور مال متروکہ ہندہ اس کے پاس محفوظ نہیں رہے گا، تو اس صورت میں وہ ہندہ کے خرد سال بچوں کا ولی نہیں رہا، بوجہ بد نیتی کے اس کی ولایت جاتی رہی۔ الاب ولی اشفق مالم یکن مفسدا وخاشا ومتهتکا کما فی الفتاوی الغیاثیۃ پس ان بچوں کے مال کی حفاظت و نگہبانی کی صورت یہ ہے، کہ وہ مال حفاظت میں اس شخص کے پاس تا بلوغ رکھا جائے جس کو حاکم وقت یا وہاں کے پنچ امین و محافظ تجویز کریں، اور حاکم وقت یا پنچ کے ذریعہ سے حساب فہمی کا بھی حق ہے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب، حررہ ابو الحسن عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین (فتاوی نذیریہ جلد ۲ ص ۳۷۱)

س:۔ ایک غریب الوطن عالم فی اللہ شخص نے لوگوں کو ہدایت و سیدھی راہ دکھلاتے ہوئے، ان لوگوں کی تعلیم و تہذیب کے لئے ایک مدرسہ قائم کیا، جس کی تائید اہل اطراف نے

ہر قسم کی خیرات سے کی، اب سوال یہ ہے، کہ وہ عالم شخص اپنی آخری عمر میں ایسا انتظام کرتا ہے کہ مدرسہ کی آمدنی سے جو جائداد ہے، وہ ان کے بعد ان کے ورثاء تقسیم کر کے نہ لینے پائیں، بلکہ ان کی اولاد میں سے یکے بعد دیگرے اس مدرسہ کے متولی ہوں، اور مدرسہ با انتظام چلا دیں اور یہ بھی ان کا قول ہے، کہ اگر ہمارے بعد ہمارے ورثاء میں سے کوئی مدرسہ چلانے کے قابل نہ ہو، تو دوسرا غیر آدمی جو قابل ہو، مدرسہ چلا دے، مگر ورثاء ہرگز نہ بانٹ لیں، کیونکہ ہم نے یہ جائداد میراثاً نہیں پائی، اور اس سے لئے ہمارے ورثاء بھی نہ پائیں، جس طرح مدرسہ چلتا ہے، چلتا رہے، ورثاء کو محروم کر کے ایسا کرنا از روئے شرع شریف جائز ہے یا نہیں؟

ج: صورت مرقومہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ مدرسہ وقف ہے، لہذا اس کا کوئی مالک نہیں، اور وقف میں وراثت نہیں، اللہ اعلم (اہلحدیث امرتسر ص ۱۳ ۳ اپریل ۱۹۳۱ء)

تشریح اس حد تک تو ٹھیک ہے، مگر بعض پیروں، اماموں، مولویوں کو دیکھا گیا ہے کہ خاصی جائداد پیدا کر کے مرتے وقت اسے وقف بنا کر اپنے کسی خاص بیٹے کے نام یا کسی خاص چہیتے مرید کے نام رجسٹرڈ کر جاتے ہیں، اور دیگر ورثاء کو محروم کر دیتے ہیں، یہ سخت ظلم ہے، اگر وہ مال فی الحقیقت وقف ہے، تو اسے کسی شخص معین کے نام رجسٹرڈ کر دینا کہاں روا ہے، بلکہ اسے مسلمانوں کی جماعت کے حوالے کرنا چاہیئے، اور اگر وہ ذاتی چیز ہے، تو پھر دوسرے ورثاء کو محروم کر کے بہانہ سازی سے کسی خاص فرزند یا مرید کے نام اس کو رجسٹرڈ کرا دینا محض حیلہ ہے، ایسے حیلوں سے شرعی وارثوں کو محروم کرنا سراسر ظلم ہے، ومن یتعد حدود اللہ فاولئك هم الظلمون (محمد داؤد راز)

س: میرا حقیقی تایا عرصہ پندرہ سال کا ہوا کہ فوت ہو گئے ہیں، مگر وہ اپنی تمام جائداد، زمین اور مکان، وغیرہ جس کا میں حقدار تھا، وہ اپنی لڑکی کو دے گیا، یعنی ہبہ کر گیا جس کا اصلی وارث میں ہوں، اب وہ لڑکی مذکورہ اس زمین کو چھوڑتی ہے، اور کہتی ہے، کہ مولانا ابو الوفا ثناء اللہ صاحب ہمیں شریعت محمدیہ کے مطابق حکم دیں، کہ کتنی زمین خود رکھ سکتی ہوں، اور کتنی اصلی وارث کو چھوڑ سکتی ہوں، لہذا التماس خدمت میں ہے، کہ وراثت تقسیم کر کے بذریعہ اخبار اطلاع دیں، عین نوازش ہوگی

ج: جائداد متروکہ میں نصف حصہ لڑکی کا تھا، اور نصف حصہ بطور عصبہ بھتیجے کا، لڑکی قابض اگر چاہے، تو نصف آپ کو دے دے، اس کا باپ مواخذہ سے بری ہو گا (۷ تجیم ذیقعدہ ۱۳۴۹ھ)

تشریح مفید:۔ سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ اپنی جائداد منقولہ وغیرمنقولہ کو بنام اپنی اولاد ذکور واناث کے ہبہ کرنا چاہتی ہے، آیا اس کو یہ حق شرعًا پہنچتا ہے، یا نہیں، کہ اپنے بیٹے اور بیٹی کو برابر مساوی حصہ دے، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں ہندہ کو شرعًا یہ حق ہے، کہ اپنے بیٹے اور بیٹی کو برابر مساوی حصہ دے، کیونکہ ظاہر فیصلہ نبوی یہی ہے، کہ جب کوئی شخص اپنی زندگی میں اپنی اولاد کو کچھ ہبہ کرے، تو بیٹے اور بیٹی کو مساوی حصہ دے، جیسا کہ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے واضح ہوتا ہے۔

عن نعمان بن بشیران اباہ اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال انی نحلت ابنی ھذا غلاما کان لی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکل ولدک نحلت مثل ھذا فقال لا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فارجعہ وفی لفظ فانطلق ابی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیشھدہ علی صدقتی فقال افعلت ھذا بولدک کلھم قال لا قال فاتقوا اللہ واعدلوا بین اولادکم فرجع ابی فرد تلک الصدقۃ۔ متفق علیہ۔ وفی روایۃ لمسلم قال فاشھد علی ھذا غیری ثم قال ایسرک ان یکونوا لک فی البر سواء قال بلی قال فلا اذن۔ کذا فی بلوغ المرام۔

اس حدیث سے ظاہر یہی ہے، کہ ہبہ اور عطیہ میں بیٹا اور بیٹی کو برابر مساوی حصہ دینا چاہیئے، اور بعض اہل علم کہتے ہیں، کہ جب باپ اپنی اولاد کو کچھ ہبہ کرے یا کچھ عطیہ دیوے تو بیٹے کو دو حصہ دے، اور بیٹی کو ایک حصہ دے، جیسا کہ باپ کے مرنے کے بعد بیٹا اور بیٹی میں اس کا ترکہ تقسیم کیا جاتا ہے، مگر ظاہر الفاظ حدیث نعمان بن بشیر سے یہی ثابت ہوتا ہے، کہ جب باپ اپنی زندگی میں اولاد کو کچھ ہبہ کرے، تو بیٹا اور بیٹی کو برابر حصہ دے، اور زندگی کی حالت میں باپ کے ہبہ وعطیہ کو تقسیم ترکہ پر قیاس کرنا ٹھیک نہیں، علامہ محمد بن اسماعیل الامیر سبل السلام میں نعمان بن بشیر کی حدیث کے تحت میں لکھتے ہیں:۔

الحدیث دلیل علی وجوب المساواۃ بین الاولاد فی الھبۃ وقد صرح بہ البخاری وھو قول احمد واسحق واخرین وانھا باطلۃ مع عدم المساواۃ وھو الذی یفیدہ الفاظ الحدیث من امرہ صلی اللہ علیہ وسلم بارجاعہ من قولہ

ومن قولہ اتقوا اللہ وقولہ اعدلوا بین اولادکم وقولہ فلا اذن وقولہ لا اشہد علی جور واختلف فی کیفیۃ التسویۃ فقیل بان تکون عطیۃ الذکر والانثی سواء وھو ظاھر قولہ فی بعض الفاظہ عند النسائی الا سویت بینھم وعند ابن حبان سووا بینھم ولحدیث ابن عباس سووا بین اولادکم فی العطیۃ فلو کنت مفضلا احدا لفضلت النساء اخرجہ سعید بن منصور والبیہقی باسناد حسن وقیل التسویۃ ان یجعل للذکر مثل حظ الانثیین علی حسب التوریث انتہی۔ حررہ السید محمد عبد الحفیظ عفی لہ سید محمد نذیر حسین

(فتاوی نذیریہ جلد ۲ ص ۱۰۰)

س:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، کہ بکر کو ایک نیم سال کا عرصہ ہوا، جو اپنی خاص املاک منقولہ، غیر منقولہ کثیر تعداد میں چھوڑ مرا ہے، اور پسماندگان حسب تفصیل ذیل وارث ہیں۔

بکر مرحوم کا ایک برادر خورد ہے، اور اس برادر کی ۳ دختران شادی شدہ، اور ۳ فرزندان بھی شادی شدہ ہیں، اور بکر مرحوم کی ایک دختر بیوہ، اور اس بیوہ کی ایک لڑکی شادی شدہ اور ایک لڑکا ناکتخدا ہے، بکر کی پہلی بیوی کی نواسی ۳ لڑکیاں ناکتخدا اور ایک لڑکا ناکتخدا ہے صرف مطلب یہ ہے، کہ ازروئے شرع تقسیم ترکہ کے کون کون حق دار ہیں، اور ہر ایک حقدار کو موافق شرع کیا پہنچتا ہے، مثلاً اندازاً بکر مرحوم کی جائداد غیر منقولہ زمین اور گھر وغیرہ قیمتاً دس ہزار ہے، اور منقولہ روپیہ زر، زیور وغیرہ بیس ہزار کی تعداد ہے

ج:۔ بکر مرحوم کا ترکہ یوں تقسیم ہوگا، کل تقریباً پندرہ ہزار ہیں سے نصف یعنی ساڑھے سات ہزار لڑکی کو ملے گا، اور باقی اس کے بھائی کو ملے گا، اس کے سوا باقی تمام محروم ہوں گے (اہلحدیث امرتسر ۱۳ ۱۹ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ)

س:۔ زید نے ایک عورت کو اسلام قبول کرا کر اپنے عقد میں لیا، اس عورت کے اس وقت دو لڑکے بھی تھے، ایک کی عمر ۱۲ سال کی اور دوسرے کی عمر ۹ سال کی، ان کو بھی اسلام قبول کرایا، اب سوال یہ ہے، کہ زید ان دونوں لڑکوں کا قرآن شریف یا حدیث شریف کی رو سے باپ کہلانے کا مستحق ہے کہ نہیں، اس کا جواب بذریعہ اخبار اہلحدیث شائع کیا جاوے۔

ج:۔ باپ وہی ہے، جس کے نطفہ سے وہ لڑکے ہیں، زید ان کا حقیقی باپ نہیں ہے
مربی ضرور ہے۔ قال اللہ تعالی۔ ادعوھم لاٰبائھم الایۃ۔ واللہ اعلم
(اہلحدیث امرتسر ۱۹ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ)

شجرہ

حاجی منور صاحب

فقیر محمد — پیر محمد — محمد خواجہ — عبدالرحمن

لاولد (فقیر محمد) — عبدالمجید فرزند (پیر محمد)

حاجی منور صاحب کے چار فرزند تھے، چاروں کی کمائی جائداد مشترکہ ہے، نمبر ۱-۲ انتقال کر گئے، اس کے بعد حاجی منور صاحب کا انتقال ہو گیا ہے۔
نمبر ۳-۴ بقید حیات ہیں، اور نمبر ۲ کا فرزند عبدالمجید بقید حیات ہے، اس کو یہ کہا جا رہا ہے، کہ دادا کے سامنے اس کے والد کا انتقال ہو گیا ہے، اس لئے از روئے شریعت محروم الارث ہے، یہ از روئے شریعت کہاں تک صحیح ہے، یعنی عبدالمجید کو کیا ترکہ ملنا چاہیئے

ج:۔ عبدالمجید کو اس کے باپ کا ترکہ ملے گا، دادا کے حقیقی بیٹوں کی موجودگی میں پوتا وارث نہیں، فقیر محمد کی متروکہ جائداد میں سے ایک روپیہ سے ۴ر آنہ وارث اس کی بیوی ہوگی۔
(اہلحدیث امرتسر ص ۱۳ ۱۹ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ)

تشریح:۔ جواب میں فقیر محمد کی بیوی کا حصہ مرقوم ہے، مگر سوال میں ذکر نہیں، اور روپیہ میں سے ۱۲ر آنے کس کو ملے گا، یہ بھی مذکور نہیں، لہذا ۱۲ر آنے جو بیوی سے بچا ہے، وہ فقیر محمد کے دونوں بھائیوں کو نصفا نصف (آدھوں آدھ) بطور عصبہ ملے گا۔
(عبدالرحمن بجوادی)

س:۔ کیا کوئی ایسی حدیث ہے، جس سے ولدالزنا (حرامی بچہ) باپ کا وارث ہو سکتا ہے
زید کی بیوی نے گذارہ دینے کو بھی گناہ خیال کیا، کیونکہ اس میں گذشتہ گناہوں کی معاونت (مدد) سمجھی گئی ہے، اور اب جب کہ زید تائب ہو گیا ہے، اور آئندہ بھی اس نے عہد کر لیا ہے تو ان بچوں کی پرورش چھوڑ دینا ضروری ہے یا نہیں، جب کہ وہ گناہ کا نتیجہ ہیں۔

ج:۔ ولد الزنا وراثت میں حقدار نہیں، ہاں حنفی مذہب میں وراثت ثابت ہو جاتی ہے
(اہلحدیث امرتسر ص ۱۳ ۱۷ جون ۱۹۳۸ء)

تشریح مفید سوال:۔ ولد الزنا اپنے والد زانی کا وارث ہو سکتا ہے یا نہیں، اور اس سے اس کا نسب قائم ہو سکتا ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ ولد الزنا نہ اپنے والد زانی کا وارث ہو سکتا ہے، اور نہ اس سے اس کا نسب قائم ہو سکتا ہے۔ قال انہ منی من الزنا لا یثبت نسبہ ولا یرث منہ کذا فی الفتاوی العالمگیریہ: وقال فی زاد المعاد واما اذا کان من امة لم یملکہا او من حرة عاھر بہا فانہ لا یلحق ولا یرث وان ادعاہ الواطی وھو ولد زنیة من امة کان او من حرة۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ عین الدین عفی عنہ
(سید محمد نذیر حسین) (فتاوی نذیریہ ج ۲ ص ۳۶۸)

س:۔ زید کی پہلی زوجہ سے دو لڑکے، اور دوسری زوجہ سے چار لڑکے موجود ہیں زید کا انتقال ہوا، زید کا متروکہ مال کل لڑکوں میں مساوی طور پر ہوگا یا کم و بیش، بینوا توجروا۔

ج:۔ ہر ایک کو مساوی تقسیم ہوگا، کیونکہ تمام لڑکے زید کے نطفہ سے ہیں، اللہ اعلم
(اہلحدیث امرتسر ص ۱۳ ۵ اگست ۱۹۳۸ء)

س:۔ میری ہمشیرگان نے مجھے اپنا حق باپ کی وراثت والا تقسیم سے پہلے خود معاف کر دیا ہے، آیا جائز ہے یا نہیں؟

ج:۔ فمن عفی لہ من اخیہ شیء فاتباع بالمعروف واداء الیہ باحسان معاف کرنے والی بہنوں کا احسان مانو، اور ان سے حسن سلوک رکھو۔ اللہ اعلم۔
(اہلحدیث امرتسر ۱۶ ستمبر ۱۹۳۸ء)

تشریح:۔ حق وراثت کی معافی اگر بطور رواج ہے، تو معافی نہیں ہو سکتی، چونکہ لڑکیاں ملکی رواج سے محروم سمجھی جاتی ہیں، اس بنا پر وہ حق وراثت کو معاف کر دیتی ہیں، ورنہ تجربہ اس کے خلاف ہے۔
(عبد الرحمن بجوادی)

س:۔ زید جس وقت سخت بیمار تھا، اور کبھی کبھی بے ہوش بھی ہو جاتا تھا، اس وقت زید کی بی بی مسمات زینب اور ایک لڑکی ہندہ تھی، اور پھر ہندہ کا ایک لڑکا بکر تھا، اور ایک لڑکی زیب النساء خاتون تھی، اور بکر اور زیب النساء خاتون کے چچا وغیرہ ۴-۵ اشخاص سے

ایک ساتھ مل کر مشورہ کرکے زید کا تمام مال کچھ حصہ زید کی بی بی زینب کو دے دیا، باقی سب مال زید کی لڑکی ہندہ کو محروم کرکے بکر کو لکھ دیا، ہندہ سخت غصہ ہوتی ہے، اس لئے کہ اس کی لڑکی زیب النساء خاتون محروم ہو جاتی ہے، اب سوال یہ ہے، کہ ایسا کام کرنا از روئے شریعت جائز درست ہے یا نہیں؟

ج:۔ عبارت سوال سے معلوم ہوتا ہے، کہ زید کی بیٹی کو محروم کیا گیا ہے، اور اس کے نواسے بکر کے نام تمام جائداد کی گئی ہے، جو شرعاً جائز نہیں، بہت بڑا ظلم ہے، جن لوگوں نے ایسا کیا ہے، ان کو اللہ سے ڈر کر فوراً ایسے فیصلے کو منسوخ کرکے شریعت کے مطابق تقسیم کرنی چاہیئے، اللہ اعلم (اہلحدیث امرتسر ص۱۳ ۳۰ ستمبر ۱۹۳۸ء)

تشریح لڑکیوں کو جائداد سے محروم کر دینا سخت ترین ظلم ہے، یہ اسلام کا صنف نازک پر اہم ترین احسان ہے، کہ اس نے بیٹیوں کو باپ کی میراث میں حصہ دار قرار دیا، اب اگر کوئی شخص مسلمان کہلوانے کے باوجود اپنی لڑکیوں کو حصہ سے محروم کر دے، تو وہ عند اللہ ضرور جوابدہ ہے، خدانخواستہ اگر کوئی ملکی قانون بیٹی کو حصہ دینے سے مانع ہو، تو اپنی زندگی میں لڑکی کے حصہ کی قیمت لگا کر باپ ادا کر جائے، تو امید ہے کہ عند اللہ مواخذہ سے بری ہو جائے۔ انما الاعمال بالنیات۔ بہرحال لڑکی کا حصہ دینا ضروری ہے، اور اس کو غصب کرنا ظلم ہے (راز)

س:۔ ایک شخص ہے، جس کی منکوحہ فوت ہو گئی، اور موت ایسی واقع ہوئی، کہ شوہر متوفیہ سے دین مہر معاف نہ کرا سکا، اس کو کیا کرنا چاہیئے، بڑی تردد و فکر ہے۔

ج:۔ متوفیہ کے ورثاء کو دے، یا معاف کرائے، اولاد اس کی نہیں ہے، تو نصف کا مالک خود خاوند ہے، اولاد ہو، تو ربع کا مالک ہے، باقی ورثاء کا، ان سے بات چیت کرے اگر وارث کوئی نہ ہو، تو سب خاوند کا ہے (اہلحدیث امرتسر ص۱۳ ۲۹ جنوری ۱۹۳۲ء)

س:۔ زید کی عمر چھ ماہ اور ہندہ کی عمر اڑھائی سال، جب ان کا والد بکر شروع سال ۱۹۰۳ء میں فوت ہو گیا، بالغ ہونے تک ہر دو دراخت بکر پر پرورش پاتے رہے، ۱۹۲۱ء کو ہندہ کی شادی کر دی، بموجب رواج پارچات، زیور بطریقہ جہیز دیا، بعد ازاں ہندہ ۱۹۲۱ء سے ۱۹۳۱ء تک اپنے خاوند کے گھر پر تمام اخراجات، خرچ، خوراک حاصل کرتی رہی، ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۸ء تک زید نے ہندہ کو وارث شرعی قرار دے کر ثلث حصہ اس کو دیدیا

قابل دریافت یہ امر ہے، کہ زید نے جو ۱۹۲۱ئہ دسمبر ۱۹۳۱ئہ کے درمیان اس کو حصہ شرعی کے مطابق جائداد والد بکر سے حصہ نہیں دیا، اس عرصہ میں زید نے جائداد بھی پیدا کی، آیا زید اس جائداد میں سے بھی ہندہ کو ثلث حصہ دے یا بکر ہی کی جائداد سے جو چھوڑ مرا تھا، یا ہندہ اتنے عرصہ کی آمدنی مع جائداد پیدا کردہ معاف کر دے، یا والد کی جائداد سے پورا حصہ لے لے۔

ج:۔ ہندہ اسی دن سے وارثہ ہے، جس دن اس کا والد فوت ہوا، اس لئے زید کو چاہیئے کہ اس روز کے حساب سے جو ترکہ والد چھوڑ گیا تھا، اس میں سے تیسرا حصہ ہندہ کو دے مثلاً زید و ہندہ کا والد تین ہزار روپیہ چھوڑ گیا تھا، اور متوفی پر کوئی قرضہ نہ تھا، اور نہ ہی اس نے وصیت کی تھی، تو ہندہ ایک ہزار روپے کی وارث ہے، جب کبھی زید ہندہ کو دے گا ایک ہزار روپیہ دے گا، اگر زمین و مکان ہے، تو ان کی آمدنی بھی مطابق حصہ ہندہ کے اتنے سالوں کی دی جائے گی، یا ہندہ معاف کرے، یا زید ادا کرے، اللہ اعلم

س:۔ جمیلہ اپنے شوہر کے بعد از وفات شوہر کی جائداد کی مالکہ بن چکی، جمیلہ نے اس وقت دار فانی سے کوچ کیا، اس کی جمیلہ کی غیر منقولہ جائیداد کا وارث قرار دے کر مقامی مالگذاروں نے کسی بھی طریقہ کا رشتہ لگا کر آپس ہی میں تقسیم کر لی، مگر جمیلہ کی سگی بہن نسیمہ بھی موجود ہے، تو کیا جمیلہ کی جائداد (سگی بہن) نسیمہ کو ورثہ میں پہنچ سکتی ہے یا نہیں؟ اگر نسیمہ (جمیلہ کی سگی بہن) حقدار ثابت ہو چکنے پر بھی ملکیت کے لینے سے انکار کرتی ہے، تو کیا اس حالت میں نسیمہ کے (یعنی جمیلہ کے بھی) چچا اور تایا کی اولاد حقدار ثابت ہو سکے گی، یا نسیمہ کی اولاد حقدار ثابت ہو گی؟ اور اس طرح حق دار جو بھی ثابت ہو، تو نسیمہ کی زندگی میں یا بعد از وفات؟

ج:۔ جمیلہ کی وفات کے بعد اس کی سگی بہن نصف کی وارث ہو گی، باقی نصف ترکہ جمیلہ کی چچا زاد اولاد ذکور کو ملے گا (اہلحدیث امرتسر ص ۱۳۔ ۱۰ نومبر ۱۹۳۹ئہ)

س:۔ فضل حسین حسب ذیل ورثا چھوڑ کر مر گیا، باپ، بیوی، پانچ لڑکے، ایک لڑکی ان کو کیا کیا حصہ شرعاً؟

(نوٹ) اللہ دتا۔ احمد دین، سراج الدین کی شادی نہ ہوئی تھی، اللہ دتا کی شادی بڑے بھائی نور محمد نے کر دی، مگر احمد دین، سراج دین ابھی کنوارے ہیں، کیا ان کی شادی کے

لئے بھی جائداد متروکہ کچھ مل سکتا ہے یا نہیں؟

ج: ۔کل جائداد سے غیر شادی شدگان کے لئے بمشورہ دیگر ورثاء مناسب رقم وضع کر کے امانت رکھی جائے، پھر اس کے بعد حصص اس طرح تقسیم ہوں گے

المیت ۲۴ (۲۶۴ فضل دین

لڑکی	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا	بیوی	باپ
غلام فاطمہ	نور محمد	سراج دین	احمد دین	اللہ دتہ	ظہور دین		
۱۷	۳۴	۳۴	۳۴	۳۴	۳۴	۳/۳۳	۴/۴۴

بیوی کو کل ترکہ ۲۶۴ میں سے آٹھواں (۳۳) اور باپ کو چھٹا حصہ (۴۴) باقی ترکہ اولاد میں اس طرح تقسیم ہوگا، کہ لڑکی کو روپیہ میں سے ۸ / اور ہر ایک لڑکے کو ایک روپیہ ملے گا (یعنی ۳۴ حصے) غیر شادی شدہ لڑکوں کو بھی شادی کے لئے کچھ مزید ملنا چاہیئے بحکم حدیث اعدلوا بین اولادکم (اہلحدیث امرتسر ۳ ص ۲۶ فروری ۱۹۴۰ء)

س: ۔قاضی بری میاں مرحوم نے دو شادیاں کی تھیں، جن کے بطن سے حسب ذیل اولاد ہوئی۔

(۱) پہلی بیوی کے بطن سے چار لڑکیاں ہوئیں، جن میں سے صرف ایک لڑکی شہیدن زندہ ہے، تین بقیہ لڑکیاں باپ کی موجودگی میں انتقال کر گئیں۔

(۲) دوسری بیوی کے بطن سے تین اولاد ہوئے، جن میں سے ایک لڑکا مسمی محمد رفیق دو لڑکیاں مسمات نبیہن و زمیرن، محمد رفیق زندہ ہے، نبیہن باپ کی موجودگی میں تین اولاد مع شوہر چھوڑ کر قضا کر گئی، زمیرن باپ کے انتقال کرنے کے بعد صرف دو لڑکیاں مع شوہر چھوڑ کر انتقال کر گئی، لہذا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

ج: ۔صورت ہذا میں ایک لڑکا اور تین لڑکیاں مرحوم کی زندہ ہیں، ترکہ انہیں چاروں کو تقسیم ہوگا، پانچ حصص کر کے، ان میں سے دو حصے محمد رفیق کو، اور باقی تین تینوں لڑکیوں کو تقسیم کر دیں، اس کے بعد زمیرن دختر بری میاں فوت شدہ کا حصہ شوہر اور دو لڑکیوں کو ملے گا

صورت مسئولہ

المیت مسئلہ ۱۱ ردیہ زمیرن

لڑکی	لڑکی	خاوند
۴	۴	۳

یہ تقسیم بعد اجرائے وصیت اور ادائے قرضہ ہوگی، واللہ اعلم
(اہلحدیث امرتسر ص ۱۳ ۸ اکتوبر ۱۹۴۰ء)

تشریح:- جواب میں ایک لڑکا اور تین لڑکیاں مرحوم کی زندہ ہیں، حالانکہ سوال میں صاف مذکور ہے، کہ مرحوم کی پہلی بیوی سے صرف شہیدن اور دوسری بیوی سے ایک لڑکا محمد رفیق، دو لڑکیاں نبیہن، وزمیرن، نبیہن مرحوم کی زندگی میں تین لڑکیاں وشوہر چھوڑ کر انتقال کر گئی، تو دوسری بیوی سے صرف ایک لڑکا محمد رفیق وزمیرن لڑکی مرحوم کے انتقال کے وقت زندہ ہے، اس سے صاف ظاہر ہے، کہ مرحوم کے ورثار ایک لڑکا، دو لڑکیاں و نواسے ہیں، نواسے محروم رہیں گے۔ ترکہ ایک لڑکا دو لڑکیوں میں اس طرح تقسیم ہوگا

میت مسئلہ ۴

ابن	بنت	بنت
۲	۱	۱

دوسرا حصہ لڑکے کو اور ایک ایک لڑکیوں کو ملے گا۔ یعنی شہیدن کو ایک، زمیرن کو ایک اور محمد رفیق کو دو حصہ ملے گا، زمیرن کا ترکہ اس طرح تقسیم ہوگا۔

میت مسئلہ ۱۲ مافی الید

زوج	بنت	بنت
۳	۴	۴

یہ مسئلہ بھی ردیہ ہے، جس کی تقسیم اس طرح ہوگی:۔

میت ۴ لہٗ

زوج	بنت	بنت
۲	۳	۳

آٹھ حصہ میں دو حصہ شوہر کو، اور ۳ حصہ ایک لڑکی کو، اور ۳ حصہ دوسری لڑکی کو ملے گا۔

(عبد الرحمٰن البجوادی)

س:- زید اہل حدیث، متدین حاجی ہے، مگر کوئی اولاد نہیں، پوتے ہیں، مگر وہ شرع کے پابند نہیں ہیں، بے نمازی وغیرہ ہیں، دریں صورت زید اپنی جائداد راہ خدا میں دینا چاہتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟

ج:- زید اپنی زندگی میں مختار ہے، اپنی جائداد کو راہ خدا میں خرچ کر سکتا ہے، جیسا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا مال خدا کی راہ میں دے دیا تھا۔ اللہ اعلم

(اہلحدیث امرتسر ص ۱۳ ۲۵ اکتوبر ۱۹۴۰ء)

تشریح:۔ بے شک زید اپنی زندگی میں مختار ہے، چاہے تو اپنی زندگی میں سارا مال خرچ کر دے، ایسا کرنا اگر جذبہ للہیت کے ماتحت ہے، تو ٹھیک ہے، اور اگر جائز وارثوں کو محض محروم الارث کرنے کی نیت سے ہے، تو قطعاً ٹھیک نہ ہوگا، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ انک ان تذر ورثتك اغنیاء خیر من ان تذرهم عالة یتکففون الناس۔ الحدیث (متفق علیہ) تم اپنے ورثاء کو غنی چھوڑ کر جاؤ، یہ بہتر ہے اس سے کہ تم ان کو محتاج چھوڑ کر جاؤ، کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔

مذاکرہ علمیہ بابت مسئلہ توریث

(مجریہ ۱۵ / نومبر سنہ ۱۹۳۵ء)

ماہرین علم فرائض کا مذاکرہ ہذا پر دل سے متوجہ ہونا ضروری ہے کیونکہ یہ حقوق کے متعلق ہے

میت ــــــــــــــــــــــــ زید

لڑکی ہمشیرہ چچازاد بھائی

لڑکی ذات الفرض ہے، نصف کی مالکہ ہمشیرہ ہے، اور چچازاد بھائی کے لئے دو حدیثیں اصحاب الفرائض نقل کیا کرتے ہیں، پہلی حدیث اجعلوا الاخوات مع البنات عصبة دوسری حدیث ما ابقته الفرائض فلاولی رجل ذکر۔ پہلی حدیث کے مطابق نصف باقی کی وارثہ ہمشیرہ ہونی چاہیئے، دوسری حدیث کے مطابق مابقی (نصف) چچازاد بھائی کا ہے، اس صورت تقسیم کیسے ہوگی، اصحاب العلم توجہ فرمائیں۔

(اہلحدیث امرتسر ص۱۲ ۱۷ / شعبان سنہ ۱۳۵۴ھ)

۱۵ / نومبر کے اہلحدیث میں ایک مذاکرہ علمیہ متعلقہ فرائض لکھا تھا جس کا مضمون تھا، کہ علمائے فرائض نے دو حدیثیں نقل کی ہیں (۱) ما ابقته الفرائض فهو لاولی رجل ذکر (۲) دوسری حدیث ہے۔ اجعلوا الاخوات مع البنات عصبة اب ہمارے سامنے یہ صورت آئی ہے:۔

ایک لڑکی ایک بہن ایک چچازاد بھائی، اس صورت میں تقسیم کس طرح ہو۔

(اہلحدیث امرتسر ۱۰ / جنوری سنہ ۱۹۳۶ء)

بات جو مستفسر نے دریافت فرمائی ہے، وہ یہ ہے۔

(ا) ما بقتہ الفرائض فھو لاولی رجل ذکر (ب) اجعلوا الاخوات مع البنات عصبۃ۔ ان دونوں شرعی قواعد کے مطابق صورت ذیل میں ترکہ کی تقسیم کس طرح ہوگی؟

میت

بنت　　اخت　　چچازاد بھائی

الجواب: - دونوں شرعی قواعد اپنے اپنے محل پر چسپاں ہیں، اس واسطے ان میں کسی قسم کا تعارض نہیں ہے۔

ذوی الفروض ورثاء کے علاوہ اگر میت کا کوئی یک جدی ایسا مرد ہو، جو میت کے نزدیک ترین ہو، اور ذوالفروض کو حصص دیئے جانے کے بعد کچھ بچ رہے، تو وہ اس یک جدی کو دیا جائے گا، اور باقی سب محروم کئے جاویں گے، اور اگر ذوی الفروض کے حصص دیئے جا چکیں، اور میت کا کوئی یک جدی جو نزدیک ترین ہو، موجود نہ ہو اور صرف اناث ہی اناث ہوں، تو اس وقت دوسرا قاعدہ جاری ہوگا یعنی بنات کے ساتھ ہمشیرہ میت کو عصبہ بنایا جاوے گا۔ صورت مسئولہ کا حل یہ ہوگا۔

بنت	اخت	چچازاد بھائی
$\frac{1}{2}$	صفر	$\frac{1}{2}$

کیونکہ یہاں رجل موجود ہے، اور بنت صاحب فریضہ کو اس کا حصہ مل چکا ہے یعنی نصف× اس لئے باقی نصف حق چچازاد بھائی ہے، ہاں اگر رجل ذکر موجود نہ ہوتا، تو بنت $\frac{1}{2}$ اور اخت $\frac{1}{2}$ لے لیتی، دوسری قاعدہ شرعی کے مطابق۔

(الراقم الآثم مولوی ابوالمسیح عرف احمد دین محلہ میانہ پورہ، شہر سیالکوٹ)

(اہلحدیث امرتسر ۱۰ ۶ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ)

مذاکرہ علمیہ در بارہ مسئلہ فرائض

(از قلم جناب حضرت مولوی عبیداللہ صاحب صدر بازار دہلی)

صورت مسئولہ یہ ہے، بیٹی - بہن - چچازاد بھائی، مضمون کا خلاصہ یہ ہے، کہ بیٹی ذات الفروض کے بعد اقرب الی المیت کو ملے گا (مدیر)

مذاکرہ علمیہ دربارہ مسئلہ فرائض کا اعلان اخبار اہلحدیث مورخہ ۱۵ر نومبر ۱۹۳۵ء میں میری نظر سے گذرا تھا، جس میں علماء کو متوجہ کیا گیا تھا، کہ اس پر قلم اٹھائیں، مذاکرہ واقعی قابل توجہ تھا، میں اخبار اہلحدیث برابر دیکھتا رہا، لیکن وائے افسوس برحال ما کہ لذت کش انتظار ہی رہا، کسی نے اس طرف عنان توجہ منعطف نہ کی، پھر اخبار اہلحدیث مورخہ ۱۰ جنوری ۳۶ء میں پر زور لفظوں کے ساتھ علماء کو متوجہ کیا گیا، کہ اس پر ضرور قلم اٹھائیں۔

مذاکرہ کی صورت یہ تھی، کہ ایک حدیث ہے۔ ما ابقتہ الفرائض فلاولی رجل ذکر۔ دوسری حدیث ہے۔ اجعلوا الاخوات مع البنات عصبۃ۔ حدیث اول کی رو سے عصبہ صرف مرد ہی ہو سکتا ہے، عورت نہیں، اور حدیث دوم کی رو سے عورت (بہن) عصبہ ہو سکتی ہے، اب مسئلہ یہ ہے، کہ ایک شخص نے بیٹی، بہن، چچیرا بھائی چھوڑا، تو دونوں حدیثوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے تقسیم مال کس طرح ہوگی۔

میں عالم شخص نہیں، مگر دیکھا، کہ ہمارے اکابر خاموشی سے کام لے رہے ہیں، اس پر قلم اٹھانے کا نام نہیں لیتے ہیں، تو بمصداق "بدنام کنندہ نکو نامے چند" محض اس خیال سے اللہ کا نام لے کر خامہ فرسائی کی جرأت کر بیٹھا، کہ ممکن ہے، کہ مجھ سے کم علم کے اقدام کرنے پر ہمارے اکابر قلم اٹھانے کی زحمت گوارا فرمائیں۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت وھو حسبی ونعم الوکیل۔

مذکورہ بالا حدیثوں میں قابل غور حدیث اول ہے، کیونکہ اس میں عام حکم ہے، کہ اہل فرض کو ان کا حصہ دینے کے بعد باقی ماندہ اس عصبہ کا ہے، جو مذکر ہو، چنانچہ اس میں صحابہ کرام اور علماء کے دو گروہ ہیں، ایک حضرت عباس رضی اللہ عنہما جو حدیث مذکو کے راوی بھی ہیں، اور اہل ظاہر ان لوگوں کا یہی مذہب ہے، کہ اصحاب فرائض کو دینے کے بعد باقی ماندہ عصبہ مذکر کو ملے گا، ابن عباس رضی اللہ عنہما حدیث مذکور کے اس آیت شریفہ سے بھی حجت پکڑتے ہیں۔ ان امرء ھلک لیس لہ ولد ولہ اخت فلھا نصف ما ترک یعنی اگر کوئی مر جائے، اور اس کی اولاد نہ ہو، اور اس کی بہن ہو، تو اس کے واسطے مال متروکہ کا نصف ہے، اور یہ بھی کہتے ہیں، کہ بہن کو بیٹی کے ساتھ جو شخص کچھ دلائے، وہ ظاہر قرآن کا مخالف ہے، صحابہ رضوان اللہ علیہم کی ایک جماعت اور علماء جمہور کا یہ مسلک ہے، کہ بہن بیٹی کے ساتھ عصبہ ہو جاتی ہے، بیٹی کو دینے کے بعد جو باقی بچے، وہ بہن کو ملے گا،

امام المحدثین امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ باب باندھتے ہیں باب میراث الاخوات مع البنات عصبۃ اس باب کی شرح کے تحت میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں

قال ابن بطال اجمعوا علی ان الاخوات عصبۃ البنات فیرثن ما فضل عن البنات۔ یعنی ابن بطال کہتے ہیں، کہ لوگوں کا اس پر اجماع ہے، کہ بہنیں بیٹیوں کی بنائی ہوئی عصبہ ہیں، پس بیٹیوں سے جو فاضل بچے گا اس کی وارث ہوں گی

نیل الاوطار جزو ششم کے صفحہ ۷۱ میں حدیث اول کے تحت میں علامہ شوکانی لکھتے ہیں:۔

والحدیث یدل علی ان الباقی بعد استیفاء اھل الفروض المقدرۃ لفروضھم یکون لاقرب العصبات من الرجال ولا یشارکہ من ھو ابعد منہ وقد حکی النووی الاجماع علی ذلک وقد استدل بہ ابن عباس ومن وافقہ علی ان المیت اذا ترک بنتا واختا واخا یکون للبنت النصف والباقی للاخ ولا شیئ للاخت انتہی۔ یعنی حدیث (الحقوا الفرائض الخ) اس پر دال ہے، کہ "قرآن مجید میں مقررہ فرض والوں کو ان کا فرض دینے کے بعد باقی ماندہ قریب کے عصبہ مذکر کا ہوگا۔

اور جو عصبہ بعید ہے، وہ اس کا شریک نہ ہوگا، اور امام نووی رحمۃ اللہ حکایت کرتے ہیں، کہ اجماع اس پر ہے، ابن عباس رضؓ اور ان کے موافقین نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے، کہ میت جب بیٹی، بہن اور بھائی کو چھوڑے، تو آدھا بیٹی کا ہوگا، اور باقی بھائی کا، بہن کو کچھ نہ ملے گا، بظاہر علامہ شوکانی نے بھی حضرت ابن عباس رضؓ ہی کے مسلک کو ترجیح دی ہے

لیکن امام نووی رحمہ اللہ مسلم شریف کی شرح میں، اس حدیث کے تحت میں لکھتے ہیں:۔

"یہ حدیث عصبہ[1] کی وراثت کے متعلق ہے، اور مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے، کہ فروض کے بعد جو باقی بچ رہے عصبہ[2] کا ہے، قریبی عصبہ مقدم کیا جائے گا، پھر اس کے بعد کا قریبی، تو عصبہ قریب کے ہوتے عصبہ بعید وارث نہیں ہو سکتا پس اگر کسی نے بیٹی، بھائی اور چچا چھوڑا، تو آدھا بیٹی کا فرض کے مطابق ہوگا، اور باقی بھائی کا، چچا کو کچھ نہیں ملے گا"

آگے فرماتے ہیں، کہ میرے اصحاب نے کہا، کہ عصبہ کی تین قسمیں ہیں، ایک عصبہ بنفسہ

---

[1] عصبہ کے معنی لڑکوں اور قرابت داروں نرینہ کے جو باپ کی طرف سے ہوں (تعمیر اللغات جلد ۳ ص ۳۷)

[2] بہن عصبہ نہیں بنتی، بلکہ بحکم حدیث مذکور عصبہ منصوصہ ہے، اور یہی صحیح ہے (اہلحدیث)

دوسرے عصبہ لغیرہ، تیسرے عصبہ مع غیرہ، اگر کوئی بیٹی حقیقی بہن، اور سوتیلا بھائی چھوڑے تو ہمارا اور جمہور کا مذہب ہے، کہ بیٹی کو آدھا ملے گا، اور باقی بہن کو، سوتیلے بھائی کو کچھ بھی نہ ملے گا حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری جزء ۲۷ ص۲۹۵ میں حدیث ما ابقتہ الفرائض الخ کے تحت میں لکھتے ہیں

کرمانی نے کہا، کہ ذکر صفت لفظ اولی کی ہے رجل کی نہیں ہے، اور اولی معنے میں قریب کے لئے، تو گویا یوں کہا، کہ باقی ماندہ میت کے قریبی مذکر کے لئے ہے، جو صلب کی جانب سے ہو نہ کہ اس کے لئے جو بطن کی جانب سے ہو، پس اولی باعتبار معنی کے میت کی طرف مضاف ہے، اور اگر رجل کو ذکر کرکے اولویۃ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، تو اس سے یہ فائدہ نکلا، کہ میراث کی نفی اس اولیٰ سے کی گئی ہے، جو ماں کی جانب سے ہو، مثلاً ماموں اور لفظ ذکر سے میراث کی نفی عورت عصبہ سے ہے، اگرچہ وہ میت کی جانب باعتبار صلب کے منسوب ہو۔

پھر اسی جزء ۲۷ کے ص۲۹۶ میں اسی حدیث کے تحت میں طحاوی کا قول نقل کرتے ہیں۔

طحاوی کہتے ہیں، کہ ایک جماعت یعنی ابن عباس رض اور ان کے متبعین ابن عباس رض کی حدیث سے اس مسئلہ پر استدلال کرتے ہیں، کہ کسی نے بیٹی اور حقیقی بھائی بہن چھوڑا تو بیٹی کا آدھا، باقی بھائی کا ہو، بہن کا کچھ نہ ہو گا، اگرچہ وہ حقیقی ہی کیوں نہ ہو، اور اسی کا لحاظ اس میں کیا ہے، کہ حقیقی بہن کے ساتھ اگر کوئی عصبہ ہو، تو بہن کا بیٹی کے ساتھ کچھ نہ ہو گا، بلکہ بیٹی کے بعد جو بچے وہ عصبہ کا ہے، اگرچہ وہ عصبہ بعید ہو، اور ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے قول ان امرؤ ھلک لیس لہ ولد ولہ اخت فلھا نصف ماترک سے بھی حجت پکڑی اور کہتے ہیں، کہ جو شخص بیٹی کے ساتھ بہن کو دلائے، وہ ظاہر قرآن کا مخالف ہے۔

طحاوی نے کہا، ان لوگوں پر بالاتفاق استدلال پیش کیا گیا، اس بات پر کہ کسی نے بیٹی اور پوتا، پوتی مساوی درجہ کے چھوڑا، تو آدھا بیٹی کا ہو گا، اور باقی پوتا پوتی کے درمیان تقسیم ہو گا، پوتے کو مذکر ہونے کے سبب سے باقی کے ساتھ مختص نہیں کیا، بلکہ اس کے ساتھ اس کی بہن کو بھی وارث قرار دیا، حالانکہ وہ مؤنث ہے، اس سے معلوم ہوا، کہ ابن عباس رض کی حدیث اپنے عموم پر نہیں، بلکہ کسی خاص بارے میں ہے، اور وہ یہ ہے، کہ جب کوئی بیٹی اور پھوپھی چھوڑے تو بے شک آدھا بیٹی کا، اور باقی ماندہ چچا کا ہو گا، نہ کہ پھوپھی کا۔

طحاوی نے حضرت ابن عباس رض وغیرہ کے آیت سے حجت پکڑنے کا جواب دیا، کہ لوگوں کا اس پر اجماع ہے، کہ میت اگر بیٹی اور سوتیلا بھائی چھوڑے، تو آدھا بیٹی کا، اور باقی بھائی کا ہوگا، اور اللہ تعالیٰ قول لیس لہ ولد کا مطلب یہ ہے، کہ ولد سے وہ ولد مراد ہے جو کل کا مالک ہو سکے، نہ وہ ولد جو کل کا مالک نہ ہو سکے۔

حاصل کلام یہ کہ حدیث اول سے معلوم ہوا، کہ اصحاب فروض کو مفروضہ حق دینے کے بعد باقی ماندہ عصبہ کو ملنا چاہیئے، علماء کی تصریح کے مطابق عصبہ کی تین قسمیں ہیں، ایک عصبہ بنفسہ، کہ اگر اصحاب فروض نہ ہوں، تو کل مال کا مالک بذات خود ہو جائے

دوسرے عصبہ بغیرہ، کہ بذات خود تو عصبہ نہ ہو، مگر بذات خود عصبہ بننے والے کے ساتھ عصبہ بن جائے، جیسے بیٹی اور پوتی وغیرہ کہ اپنے بھائی کے ساتھ عصبہ ہو جاتی ہے۔

تیسرے عصبہ مع غیرہ، جو بذات خود عصبہ نہ ہو بننے والے کے ساتھ مل کر عصبہ بنے جیسے جیسے بہن کہ بیٹی کے ساتھ مل کر عصبہ بن جاتی ہے

جب عصبہ کی تین قسمیں ہوئیں، تو بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے، کہ کئی کئی عصبے جمع ہو جاتے ہیں، جیسے عصبہ بنفسہ قریبی، عصبہ بغیرہ، عصبہ مع غیرہ، یا صرف عصبات بنفسہ، یا عصبہ بنفسہ بعید اور عصبہ مع غیرہ، تو ان صورتوں میں باقی ماندہ کا مستحق کون ہوگا، اگر پہلی صورت پیش آجائے، تو عصبہ بنفسہ قریبی باقی ماندہ کا مستحق ہوگا، مگر اپنے اس حق میں اس کو بھی شامل کرے گا، جسے وہ عصبہ بناتا ہے، مثلاً بیٹا، بیٹی، بہن اور ماں کو کوئی چھوڑے، تو ماں کا فرض مقرر کر دینے کے بعد باقی ماندہ کو بیٹا، بیٹی تقسیم کر لیں گے، بہن کو کچھ نہ ملے گا۔

اور اگر دوسری صورت پیش آجائے، تو جو میت سے زیادہ قریب ہوگا، وہ کل باقیماندہ کو لے گا، جیسے ماں، بیٹا، بھائی، چچا یا ان کے لڑکے جمع ہو جائیں، تو ماں کے دینے کے بعد باقی ماندہ کا مالک بیٹا یا اس کا لڑکا ہوگا، بھائی، چچا یا ان کے لڑکوں کو کچھ نہیں مل سکتا۔

اور اگر تیسری صورت پیش آجائے، یعنی عصبہ بنفسہ بعید اور عصبہ مع غیرہ جمع ہو جائیں، تو بھی اقرب کا لحاظ کیا جائے گا، جیسے بیٹی، بہن، اور سوتیلا بھائی کو کوئی چھوڑے، تو بیٹی کو آدھا بقدر فرض دینے کے بعد باقی ماندہ کی مالک بہن ہوگی، سوتیلا بھائی نہیں ہو سکتا، کیونکہ بہن سوتیلے بھائی سے زیادہ قریب ہے، اول اور دوم صورت میں حدیث اول ما بقتہ الفرائض فلاولی رجل ذکر پر عمل کیا جائے گا، اور تیسری صورت میں حدیث اجعلوا

الاخوات مع البنات عصبۃ پر
اس قدر تفصیل کرنے کے بعد مسئلہ مذاکرہ کے اندر دیکھا تو یہی تیسری صورت پائی جاتی یعنی بیٹی، بہن، چچازاد بھائی، بہن اگرچہ عصبہ مع الغیر ہے، اور چچازاد عصبہ بنفسہ ہے، مگر بہن میت سے زیادہ قریب ہے، اور چچازاد بھائی بالکل بعید ہے، اسی لئے بیٹی کو آدھا دینے کے بعد باقی ماندہ آدھے کی مالک بہن ہوگی، چچازاد کو کچھ نہیں ملے گا، یہی علماء کا متفق علیہ اور معمول بہ ہے، حدیث ما ابقتہ الفرائض فلاولی رجل ذکر۔ طحاوی کی تحقیق کے مطابق عموم پر محمول کی جائے گی۔ اور اگر عموم پر ہی محمول کی جائے، پھر بھی بہن کے ہوتے چچازاد کو کچھ نہیں مل سکتا، کیونکہ اس عموم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص کردہ ہے، علاوہ ازیں اگر بیٹی کے ساتھ بہن نہ ہو، تو ما ابقتہ الفرائض فلاولی رجل ذکر پر عمل ہوگا، اور اگر بہن ہو تو اجعلوا الاخوات مع البنات پر عمل کیا جائے گا۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم وعلمہ اتم

اہل حدیث
قابل مجیب نے بہن کو اقرب ہونے کی وجہ سے اسی کو عصبہ بنایا ہے مولوی احمد دین صاحب سیالکوٹی کا جواب سابقہ پرچہ میں درج ہوچکا ہے، موصوف نے چچازاد بھائی کو عصبہ بنا کر بقیہ کا وارث بنایا ہے، دونوں جوابوں میں اختلاف ہے مسئلہ ضروری ہے، اہل علم بالضرور توجہ کریں (اہلحدیث امرتسر ص ۸۰۹ ، ۷ فروری ۱۹۳۶ء)

ذوی الفروض
دو لڑکیاں، ایک بہن، ایک چچیرا بھائی، حدیثی جھگڑا۔
(۱) لڑکیاں حقدار دو ثلث، باقی کے لئے بہن عصبہ۔
(۲) بہن کے بجائے چچازاد عصبہ ہے، جاہل ہو کر دخل در معقولات گستاخی ہے ؎
رموز مملکت خویش خسرواں دانند
مدعا مذاکرہ سے مقصود تخالف حدیث کو رفع کرنا ہے، غرض کئے بغیر نہیں رہ سکتا، دین میں حسب مواقع عقل کو بھی دخل ہے۔ بظاہر بہن عصبہ اول ہے، چچازاد درجہ دوم ہے، اگر یہ قضیہ برپسندیدگی لڑکیاں چھوڑا جاوے، تو کیا گناہ ہے؟ ایک حدیث پر عمل ہوگا، اصحاب خرد نے بھی آخر اپنی ذاتی رائے سے کام لیا ہے۔ واللہ اعلم
جب دونوں حدیثیں صحیح ہیں، تو ایک پر ہی عمل ہو سکتا ہے، جس میں موقع شناسی کی ضرورت ہے (احقر قاسم علی اوورسیر پنشنر، بہاولپور)
(اہلحدیث امرتسر ص ۱ ، ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ)

مذاکرۂ علمیہ بابت میراث

بعض مسائل ایسے ہوتے ہیں جن میں خواہ مخواہ اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، جیسا کہ اسی مسئلہ میراث میں کہ بہن کو محروم الارث قرار دیا، حالانکہ فن میراث کی کتاب سراجی میں الاقرب فالاقرب بھی آیا ہے، اس میں شک نہیں، کہ بہن کو محروم الارث ثابت کرنے والے فاضل نگار نے لاولی رجل ذکر لکھ کر حجت پکڑی ہے، جس کا جواب مولانا عبید اللہ صاحب رحمانیؒ نے دیا، جو ایک مطول اور مدلل ہونے کے باعث اپنے مضمون میں کامل ہے، مگر بطور تائید کے یہ چند سطور حوالۂ قلم کر رہا ہوں، اور مختصر طریق پر الاقرب فالاقرب سے حجت پکڑتے ہوئے بہن کو نہ صرف وارث بلکہ اجعلوا الاخوات مع البنات عصبۃ کی بنا پر عصبہ سمجھتا ہو، اور اس مسئلہ میں جو مرد ہے، وہ بہن کے اعتبار سے ابعد ہے، لہٰذا نہ وہ وارث اور نہ عصبہ ہے۔ امید ہے۔ کہ اس مطول مضمون پر علماء اکابر غور فرماتے ہوئے، اس تتمہ کو بھی منظور نظر رکھیں گے (عبد الوکیل خطیب رحمانی، مولوی فاضل، منشی فاضل) ناظم ریاض توحید نواب گنج دہلی (۱۰ محرم ۱۳۵۵ھ)

جواب مذاکرہ میراث

۱۵ نومبر ۳۵ء کے پرچہ اہلحدیث میں مذاکرہ علمیہ متعلقہ فرائض لکھا تھا جس کا مضمون یوں مرقوم تھا، علمائے فرائض نے دو حدیثیں نقل فرمائی ہیں۔

(اول) ما بقیتہ الفرائض فھو لاولی رجل ذکر (دوم) اجعلوا الاخوات مع البنات عصبۃ، اور صورت مستفسرہ یوں ہے۔ کہ ایک شخص مر گیا جس کے ورثاء میں سے حسب ذیل موجود ہیں، ایک لڑکی، ایک بہن، ایک چچا زاد بھائی، ورثہ کیسے تقسیم ہو۔

اس کا حل بندہ مختصر لکھتا ہے، مہربانی فرما کر اپنے جریدہ، گوہر فریدہ میں درج کر کے ممنوں ہوں۔ اقول وباللہ التوفیق

میت

لڑکی	بہن	چچا زاد بھائی
۱	۱	محروم

یعنی تمام مال کے دو حصص کئے جائیں، ایک لڑکی اور دوسرا بہن کو دیا جائے، چچا زاد بھائی

محروم رہے گا کیونکہ تقسیم میں ہمیشہ قرب کا زیادہ لحاظ رکھا جاتا ہے، اور بہن اقرب ہے، چچا زاد بھائی سے، نیز ما ابقتہ الفرائض والی حدیث سے اجعلوا الاخوات والی حدیث خاص ہے، جب بہن سے کوئی عصبہ قریبی نہ ہو، تو بہن حقیقی لڑکی کے ساتھ عصبہ بنے گی، جیسا کہ احادیث اور فیصلہ صحابہ رضؓ شاہد ہے، اور ایسا ہی کتب میراث میں منقول ہے والباقی فی مطولات۔

نیز اخبار اہلحدیث ۲۰ مارچ ۱۹۳۶ء میں ایک سوال کا حل غلط لکھا گیا ہے، اس کی تصحیح فرمالیں، اور اخبار میں درج کردیں، تاکہ مستفتی غلطی میں نہ پڑے، صحیح یوں ہے۔

س نمبر ۱۴۱ ۔ زید کے ورثار حسب ذیل ہیں، حصص شرعی کیسے ہوں گے ؟

ورثاء

زوجہ	ام	اب	اخ	اخت

ج نمبر ۱۴۶ ۔ مسئلہ

زوجہ	ام	اب	اخ	اخت
۳	۲	۷	محروم	محروم

باپ کی موجودگی میں، سب بھائی بہن محروم ہوتے ہیں، واللہ اعلم

(ابو اسحٰق عبداللہ عفی عنہ، مدرس مدرسہ عربیہ ازویروال)

(اہلحدیث امرتسر ۱۰ محرم ۱۳۵۵ھ)

فیصلہ بابت مذاکرۂ علمیہ بابت مسئلہ توریث

میت مسئلہ ۲

بنت	اخت	ابن العم
۱	۱	م

بہن عصبہ بنص حدیث ہے، اور اقرب الی المیت ہے، ابن العم اگرچہ عصبہ ہے، مگر عصبہ بعید ہے، اس وجہ سے محروم ہے، چونکہ علماء نے کوئی فیصلہ نہیں لکھا تھا، اس لئے قول فیصل میں نے درج کردیا ہے (عبدالرحمٰن بجواوی)

س: ۔ زید فوت ہوا، دو لڑکے اور ایک لڑکی ورثار سے ہے، لڑکے بہن کو حصہ شرعی دراثہ کا اس بنار پر دینا نہیں چاہتے، کہ دونوں بھائی مشترکہ کاروبار جاری رکھنا چاہتے ہیں، ہر دو رست تقسیم کی ضرورت نہیں، اور یہ بھی کہتے ہیں، کہ ان کی بہن شادی شدہ ان سے زیادہ امیر ہے اور عرصہ دراز سے خانہ آباد ہے، صحیح مسئلہ کس طرح ہے، بطور حجت یہ بھی کہا، کہ لڑکی کو شرعی

حصہ وراثت دینے کی اصلی غرض یہ ہے، کہ لڑکی مال پر قابض رہے، اور اپنی ضروریات کو پورا کر سکے، خاوند یا خسر جبراً مال پر قابض نہ ہوں، جیسے نصاریٰ لیکن فی زمانہ مسلمانوں میں یہ بات پائی نہیں جاتی، خاوند منکوحہ کے مال پر جبراً قبضہ کر لیتا ہے، ایسی حالت میں حصہ شرعی دے، یا نہ دے، جب کہ اصل مقصود مفقود ہے

(قاسم علی اوورسیر پنشنر بہاولپور)

ج:۔ لڑکی کا حصہ منصوص شرعی ہے، ایسی دیسی حجتوں سے کسی طرح ضائع نہیں ہو سکتا ہاں دوکان کو یکجا رکھنا چاہتے ہیں، تو بہن کو بھی شریک دوکان رکھیں، اور اس کے حصہ کے مطابق نفع تقسیم کریں، اپنی کارکردگی کا معاوضہ حسب دستور نصف یا کم و بیش لے کر باقی نفع رسدی ہمشیرہ کو دیں، اور اس کے حصہ کی رقم درج بہی کھاتہ بھی کریں، اللہ اعلم

(اہلحدیث امرتسر ص ۱۳ ۲۵ ستمبر ۱۹۳۶ء)

تشریح:۔ لڑکی بہر صورت اپنے حصہ کی حقدار ہے، کوئی حیلہ اس کو محروم الارث قرار نہیں دے سکتا، اس قسم کی سب حجتیں بے کار ہیں، اگر وہ مالدار ہے، بھائی غریب یا زیادہ حاجت مند ہیں، تو اس صورت میں وہ خود اپنے بھائیوں پر رحم کھا کر اپنا حصہ محض اپنی رضامندی سے معاف کر دے، تو یہ بات پھر الگ ہے، فمن عفی له من اخيه شیٔ فاتباع بالمعروف واداء اليه باحسان (ر ا)

س:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ (۱) ایک شخص نے اپنے انتقال کے وقت چار لڑکے اور ایک لڑکی چھوڑی، مرحوم کی جائداد سکنی وزرعی ہے، ان میں کس طرح شرعی طور پر تقسیم ہونی چاہیئے

(۲) مرحوم کے دو لڑکے ایک ماں سے، اور دو لڑکے ایک لڑکی دوسری ماں سے ہیں، اب پہلے دو لڑکے جو ایک ماں سے تھے، ان میں سے بڑے لڑکے کا انتقال ہوا اس نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی، اس کی بیوہ زندہ موجود ہے، اس لڑکے کی جائداد کے شرعی درثار کون کون ہیں، اور ان میں سے اس کی جائداد شرعاً کس طرح تقسیم ہونی چاہیئے۔

(عبد الحمید خان از مظفر نگر)

ج:۔ مرحوم کی جائداد اس طرح تقسیم ہوگی:۔

مسئلہ ۹ / ۱۲۶

المیت

ابن	ابن	ابن	ابن	بنت
۲	۲/۲۸	۲/۲۸	۲/۲۸	۱/۱۴

(۲) المیت مسئلہ ۴ (۲۸ صف ۲

زوجہ	اخ	اخ	اخ	اخت
۱/۷	۶	۶	۶	۳

(اہلحدیث امرتسر ص۱۳ ۱۶ اکتوبر ۱۹۳۶ء)

تشریح:- میت مسئلہ ۱۹ (۱۲۶

ابن	ابن	ابن	ابن	بنت
۲	۲	۲	(۲)	۱
۲۸	۲۸	۲۸		۱۴

میت مسئلہ ۴ (۲۸ مافی الید ۲

زوجہ	اخ	اخ	اخ	اخت
۱/۷	۶	۶	۶	۳

الاحیاء

زوجہ	اخ	اخ	اخ	اخت
۷	۳۴	۳۴	۳۴	۱۷

(عبد الرحمن البجوادی)

س:- زید دعوی اسلام کا کرتا ہے، صوم وصلوٰۃ وغیرہ ارکان اسلام بجالاتا ہے، صرف نص قرآنی بابت وراثت انثی (لڑکی) سے قطعی منکر ہے، جب ذوی الفروض انثی میں سے کوئی حصہ دار حصہ وراثت زید سے طلب کرتا ہے، تو حکومت حاضرہ میں تقریر و تحریر سے مقرر و مصر ہوتا ہے، کہ ہمارے یہاں ہندوؤں کا قاعدہ ہے، شرع محمدی نہیں، اور ہندو قاعدہ پر لڑکی کو حصہ نہیں مل سکتا، اگر ہم اسلامی قاعدے پر ہوتے، تو البتہ لڑکی مستحق وراثت ہوتی، اسی قاعدے پر کئی پشتیں گذر چکی ہیں، اور زندہ بھی اسی قاعدہ پر ہیں، پس جو اس قاعدہ پر مر گئے ہیں، یا جو زندہ ہیں، شرع شریف ان کو مسلمان کہتی ہے یا نہیں؟ (سیٹھ عبد الکریم ابن محمد یعقوب، کراچی)

ج:- سوال کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ زید شرع محمدی کے حکم کو تسلیم کرتا ہے، مگر نہ دینے کا بہانہ کرتا ہے، اس صورت میں وہ حق تلفی کرنے کی وجہ سے ظالم ہے کافر نہیں، دوسری صورت یہ ہے، کہ یہ مانتا نہیں، کہ شرع میں لڑکیوں کو حصہ دینے کا حکم ہے، اس صورت میں وہ منکر قرآن ہے، کیونکہ قرآن مجید میں صاف ارشاد ہے۔ للذکر مثل حظ الانثیین الایۃ

(اہلحدیث امرتسر ص۹ ۱۵ فروری ۱۹۲۹ء)

س:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا انتقال ہوا اس نے ایک بیوی اور ایک لڑکی اور ایک لڑکا اور دو بھائی چھوڑے، اس کے بعد اس کی لڑکی کا انتقال ہوا، اس نے ایک لڑکا، اور دو دیور چھوڑے، اس کے بعد زید کے لڑکے کا انتقال ہوا، اس نے

ایک بیوی اور ایک چچا چھوڑا، اب ورثہ از روئے شرع کس طرح اور کتنا کتنا وارثوں کو ملے گا

بینوا توجروا۔

ج: مرحوم مورث اعلیٰ کی وراثت اس طرح تقسیم ہوگی۔

المیت مسئلہ ۸/۲۴/۷۲/۱۴۴ — زید متوفی

زینب	ابن	فاطمہ	اخ	اخ
زوجہ	بکر	بنت	اللہ دتہ	خداداد
۱/۸ ۳	۱۴/۴۲	۷	م	م

المیت مع فاطمہ

زینب	اخ حقیقی	اخ	اخ[1]
ام	بکر	اللہ دتہ	خداداد
۱/۶	۲/۱۴	م	م

المیت ۱۶ — معہ ۱۶ زینب — المیت ۴ — توافق بالربع — ۱۸ معہ ۲ بکر

ابن	دیور خداداد	دیور اللہ دتہ	امینہ	عم خداداد
بکر ۱۲	م	اللہ دتہ	زوجہ ۱/۶	۳/۱۰۸

الاحیاء

امینہ زوجہ بکر	عم بکر خداداد
۳۶	۱۰۸

(نوٹ) یہ تقسیم بعد ادائے قرض اور وصیت وغیرہ کے ہوگی، واللہ اعلم۔

(اہلحدیث امرتسر ص ۱۳ ۲۷ نومبر ۱۹۳۶ء)

تعاقب

بخدمت شریف جناب مولانا ثناء اللہ صاحب ادام اللہ بقاؤکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مؤدبانہ گذارش خدمت ہے، کہ آنجناب نے اخبار اہلحدیث مجریہ ۲۹ رجب ۱۳۵۵ھ میں سوال کا جو جواب تحریر فرمایا ہے، اس میں آپ نے خیال نہیں فرمایا کہ عینی (حقیقی) بھائی علاتی بھائی کے ترکہ پانے یا نہ پانے میں فرق نہ کرتے ہوئے، سب کو مساوی اور یکساں قرار دے دیا ہے، سوال یہ ہے کہ شخص متوفی کے دو لڑکے ایک ماں (یعنی متوفی کی بیوی) سے ہیں اور دو لڑکے ایک لڑکی اس کی دوسری بیوی سے ہیں، صورت مسئولہ میں جواب حسب ذیل ہوگا۔

---

[1] مرحوم نے ہر دو جگہ اخ اخ لکھا ہے، جو غالباً سہو کاتب ہے، عم عم ہونا چاہیئے۔

شخص متوفی مسئلہ ۹ — تصحیح ۱۸

المیت ابن زوجہ اولی				از زوجہ ثانی
ابن کلاں	ابن	ابن	ابن	بنت
۲	۲/۴	۲/۴	۲/۴	۱/۲

میت ابن کلاں	مسئلہ ۴	توافق بالنصف		معہ ۲
زوجہ	اخ حقیقی	اخ علاتی	اخ علاتی	اخت علاتیہ
۱	۳	۴	۴	۴

یعنی بعد تقدیم ماتقدم علی الارث در فع موانعہ ترکہ شخص متوفی مسئول عنہ کا اٹھارہ سہام پر تقسیم ہو کر سات سہام اس کے بڑے لڑکے کے حقیقی بھائی کو اور ایک سہم اس کی بہو یعنی بڑے لڑکے کی بیوی کو، اور چار چار سہام اس کے دوسرے دو بیٹوں کو، اور دو سہام اس کی لڑکی کو ملیں گے حقیقی بھائی کی موجودگی میں علاتی بھائی اور علاتیہ بہن کو کچھ نہیں ملے گا۔

(الراقم العاجز ابو الطیب عبد الصمد مبارکفوری عفی عنہ ۲ شعبان ۵۵ھ)

(اہلحدیث امرتسر ص ۱۳ ۴ دسمبر ۱۹۳۶ء)

تشریح: ۔ تناذب شعہ جواب صحیح ہے، مگر آخر میں یہ لکھنا چاہیئے۔

المبلغ ۱۸				
الاحیاء				
زوجہ	اخ عینی	اخ علاتی	اخت علاتی	اخ علاتی
۱	۷	۴	۲	۴

(عبد الرحمن البجوادی)

س: ۔ زید کے ایک لڑکا اور تین لڑکیاں ہیں، لڑکا دس گیارہ سال کی عمر میں باپ سے ناراض ہو کر کہیں چلا گیا، بعد ایک مدت کے زید یعنی باپ اس کا پتہ پا کر کسی دوسرے شہر میں اس سے جا ملا، اور اس کو اپنے ساتھ مکان پر لانے کی کوشش کی، لڑکے نے انکار کر دیا اور اپنے اہل و عیال سے وہیں رہ گیا، اس واقعہ کے بعد باپ ۸ - ۹ سال زندہ رہا، اور اس عرصہ میں باپ اور بیٹے میں کسی طرح کا تعلق نہ رہا، اور یہ بھی نہ معلوم ہوا، کہ آیا وہ زندہ ہے یا مر گیا، اور اس کے بال بچے زندہ ہیں یا نہیں، زید نے مرتے وقت اس نافرمان لڑکے کو وراثت سے محروم کر کے اس کے حصہ کو آپس میں تقسیم کر لینے کے لئے اپنی تینوں لڑکیوں کو وصیت کی، زید کا انتقال ہوئے تین چار سال ہو گئے ہیں، ابھی تک لڑکا مذکور لاپتہ ہے، اب سوال یہ ہے، کہ،

(۱) اس لڑکے کے حصہ کو جو بطور امانت سرکار کے پاس ہے، کیا کیا جائے

(۲) زید کا ایک حقیقی بھائی یعنی لڑکیوں کا چچا زندہ ہے آیا اس کو بھی اس میں سے کچھ ملنا ہے یا نہیں؟

(۳) زید کی وصیت پر عمل کرنے سے شریعت کا خلاف ہوگا یا نہیں ؟

ج: - کچھ شک نہیں، کہ زید کا لڑکا بے فرمان ہے، سخت مجرم ہے، جس نے باپ کا حکم نہ مانا، مگر جب تک کلمہ اسلام پڑھتا ہے، وراثت سے محروم نہیں کیا جائے گا، اس لئے زید کی وصیت ناجائز ہے، لڑکیاں اپنا حصہ لے لیں، اور لڑکے کا حصہ داخل خزانہ سرکار رہے، جب وہ یا اس کی اولاد ملے، وہ لے لے گی، اللہ اعلم (اہلحدیث امرتسر ص ۱۲، ۶ شعبان ۱۳۴۷ھ)

س: - وہاب خاں کے فرزند عبدالکریم خاں کو شیخ رحمان صاحب کی دختر امینہ بی بی کے ساتھ نکاح کیا گیا، چند روز کے بعد ایک لڑکا پیدا ہوا، نام غفور خاں، بعد ۲ سال کے امینہ بی بی کا انتقال ہوگیا، بعد تھوڑے دنوں کے غفور خاں کا بھی انتقال ہوگیا، عبدالکریم خان زندہ ہے اس وقت امینہ بی بی کے والدین مہر کے دعویدار ہیں، مہر سات سو پچیس روپے ہے اس مہر میں کتنے حصے تقسیم ہوں گے، عبدالکریم خان کو کتنا حصہ، غفور خان کو کتنا حصہ، غفور خان کے حصہ کے وارث کون ہیں، امینہ بی بی کے والدین اور بھائیوں کا کتنا حصہ، اور کون کون لوگ حصہ کے حقدار ہیں، جواب مفصل و مدلل ہو۔

ج: - صورت مسئولہ میں ترکہ اس طرح تقسیم ہوگا: -

المیت مسئلہ ۱۲ (۲)

خاوند	ماں	باپ	لڑکا	بھائی
عبدالکریم	ہندہ	زید	غفور خاں	م
۳/۱۲	۲/۱۲	۲/۱۲	۵	

بعد ادائے قرض وصیت وغیرہ کل سہام[1] ۷۲ میں سے حسب ذیل حصص تقسیم ہوں گے۔

الاحیاء

عبدالکریم	ہندہ	زید
۳۸	۱۷	۱۷

(اہلحدیث امرتسر ص ۱۳، ۹ مارچ ۱۹۳۷ء)

متفقہ فتویٰ بابت توریث بنات

(از قلم مولانا حکیم عبدالشکور صاحب شکراوی)

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ

[1] بکسر اول و تخفیف ہ تیر کے معنی میں بھی آتا ہے، یہاں بمعنی حصہ ہے۔

اَلْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا

یعنی مردوں کا حصہ ہے، اس میں سے جو ماں باپ اور نزدیک کے رشتہ داروں نے چھوڑا اور عورتوں کے لئے بھی حصہ ہے، اس میں سے جو چھوڑا ہے ماں باپ نے اور قریبی رشتہ داروں نے ترکہ کم ہو یا زیادہ، سب میں سے حصہ مقرر کیا ہوا (چاہے ترکہ جائداد صحرائی یا مکان دکان وغیرہ ہو، چاہے نقد یا برتن کپڑے وغیرہ ہو، اور خواہ نقد موجود ہو، خواہ کسی پر میت کا قرض آتا ہو سب میں مردوں کی طرح عورتیں بھی حقدار ہیں) اس آیت سے صراحۃً معلوم ہوا، کہ مردوں کی طرح عورتوں کا بھی حصہ ہے، یعنی جیسا کہ بیٹا، پوتا وغیرہ اپنے ماں، باپ، دادا، دادی وغیرہ کا وارث ہوتا ہے ایسا ہی بیٹی، پوتی وغیرہ بھی حقدار اور وارث ہیں، اور جیسا کہ بھائی وارث ہوتا ہے بھائی بہن کا، جب کہ کوئی حاجب نہ ہو، ایسا ہی بہن بھی اس ورثہ میں شریک ہے، اور جیسا کہ خاوند بیوی کا وارث ہوتا ہے، ایسا ہی بیوی بھی ہر حال میں وارث ہے۔

اور اس آیت میں تو مردوں اور عورتوں کا مستحق میراث ہونا ارشاد فرمایا ہے، آیندہ رکوع میں ان کے حصص بیان فرماتا ہے۔ یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین یعنی اللہ تعالیٰ تم کو تمہاری اولاد کے بارے میں وصیت (اور حکم) کرتا ہے، کہ مرد (یعنی بیٹے) کے لئے دو عورتوں (یعنی بیٹیوں) کے حصہ کے برابر ہے، پس اگر ایک بیٹا اور ایک بیٹی وارث ہو تو ایک تہائی بیٹی کو اور دو تہائیاں بیٹے کو ملیں گی، اور اگر دو بیٹیاں اور ایک بیٹا ہو، تو آدھا بیٹے کو، اور آدھے میں سے دونوں بیٹیوں کو برابر ملے گا، اور اگر دو بیٹے اور ایک بیٹی ہوں، تو پانچواں حصہ بیٹی کا ہے، اور باقی دونوں بیٹے تقسیم کرلیں، غرض بیٹی کا اکہرا اور بیٹے کا دوہرا حصہ ہے یہ نہیں کہ تہائی میں بیٹیاں شریک اور دو تہائی میں بیٹے، جیسا کہ بعض کو خیال ہو جاتا ہے، اور یہ جب ہے، کہ بیٹی بیٹا دونوں وارث ہوں، اور اگر فقط بیٹا ہو تو (جو اولاد کا حق ہو وہ) کل اس کو ملے گا اور اگر فقط بیٹی ہو، تو اس کا بیان آگے آتا ہے۔

فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ۔ یعنی پس اگر عورتیں (یعنی بیٹیاں) ہی ہوں (دو خواہ) دو سے زیادہ تو ان کے لئے دو تہائیاں ہیں کل ترکہ میں سے، اور اگر ایک ہی بیٹی ہو، تو اس کے لئے آدھا ترکہ ہے، پس یہ جو رواج ہے، کہ بیٹی کو حصہ نہیں دیا جاتا، تو یہ ظلم ہے، اور بعض لوگ بیٹا نہ ہونے کی حالت میں تو بیٹی کو حصہ دے دیتے ہیں، اور بیٹا موجود ہو، تو بیٹی کو حق نہیں دیتے، یہ بھی ظلم ہے، دونوں حال

میں بیٹی کا حق دار ہونا اس آیت میں موجود ہے۔

وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ یعنی میت کے ماں باپ کے لئے ہر ایک کے واسطے چھٹا حصہ ہے ترکہ میں سے اگر میت کی کوئی اولاد (لڑکا یا لڑکی) بھی ہو، اور اگر اس کی اولاد نہ ہو اور اس کے ماں باپ ہی وارث ہوں، تو اس کی ماں کے لئے تہائی ہے، اور دو تہائی باپ کے لئے ہے، اور اگر میت کی بیوی بھی موجود ہو، تو اس کو چوتھائی دینے کے بعد یہ تقسیم ہوگی، اسی طرح اگر میت عورت ہے، اور اس کے ماں باپ، اور خاوند موجود ہوں، تو خاوند کو نصف دے کر باقی نصف کے تین حصے کر کے ایک ماں کو اور دو باپ کو دیئے جائیں، اور اگر اس کے بہن بھائی بھی ہوں (یعنی کم از کم دو بہن یا دو بھائی، یا ایک بہن یا ایک بھائی ہوں) تو اس کی ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے۔ بعد اس وصیت پوری کرنے کے جو اس نے کی ہو، اور شریعت میں معتبر ہو، یا قرض (ادا کرنے) کے (جو شرعاً اس کے ذمہ ہو)

اس آیت میں صاف موجود ہے، کہ اگر کسی کا بیٹا اور باپ دونوں وارث ہوں، تب بھی باپ کو حق پہنچتا ہے، پس یہ جو رواج ہے، کہ بیٹا کل ترکہ لے لیتا ہے، یہ ظلم ہے۔ اس صورت میں چھٹا حصہ والد کو دے کر باقی بیٹے کا ہے، اس طرح ماں ہر حال میں وارث ہے، اس کو کسی حال میں وارث قرار نہیں دیا جاتا، یہ بھی خلاف شریعت اور حرام ہے بعض لوگوں کو اس حکم میں وسوسہ ہو سکتا تھا، اور جو ان میں عام رسم ہے، اس میں کچھ خوبی کا خیال ہو سکتا تھا، اس کو دفع کرنے کے لئے ارشاد فرمایا ہے۔

اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ یعنی تمہارے اصول و فروع (ماں، باپ، بیٹا، بیٹی) جو ہیں تم پورے طور پر یہ نہیں جان سکتے ہو، کہ ان میں کون سا شخص تم کو (دنیوی یا اخروی) نفع پہنچانے میں نزدیک تر ہے، یہ حکم من جانب اللہ مقرر کیا گیا، اور یہ امر بالیقین مسلم ہے، کہ اللہ تعالیٰ بڑے علم والے اور حکمت والے ہیں (پس جو حکمتیں انہوں نے اپنے علم سے اس میں ملحوظ رکھی ہیں، وہ ہی قابل اعتبار ہیں، اس لئے تمہاری رائے پر نہ رکھا۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ

فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوْصِيْنَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ اور تمہارے لئے آدھا ہے اس کا جو چھوڑا ہے تمہاری بیویوں نے اگر ان کی اولاد نہ ہو، پس اگر ان کی اولاد ہو، تو تمہارے لئے چوتھائی ہے، اس میں سے جو چھوڑا انہوں نے بعد اس وصیت (جائز پوری کرنے) کے جو وہ کریں، یا قرض (ادا کرنے) کے اور ان (بیویوں) کے لئے چوتھائی ہے جو چھوڑا تم نے اگر تمہاری اولاد نہ ہو، اگر تمہاری اولاد (بیٹا بیٹی، پوتا پوتی) ہو، تو ان (بیویوں) کے واسطے آٹھواں حصہ ہے، اس میں سے جو چھوڑا ہے، تم نے بعد اس (جائز) وصیت کے جو تم کرو یا قرض کے۔

اس آیت سے معلوم ہوا، کہ خاوند کے ترکہ میں بیوی کا آٹھواں حصہ ہے، اور لاولد خاوند کے ترکہ میں سے چوتھائی ہے، وہ کسی صورت میں کل ترکہ کی وارث نہیں ہو سکتی، اور نہ بالکل محروم ہو سکتی ہے، پس یہ رواج ہے، کہ بعض صورت میں بیوی سب کی مالک بن بیٹھتی ہے، باطل ہے اس کو چاہیے، کہ اپنے حصہ مذکورہ سے زائد شوہر کے دیگر ورثا بیٹا بیٹی، بھائی یا بہن وغیرہ کو دے دے، اسی صورت یہ دستور کہ عورت اگر نکاح ثانی کرے، تو اس کے خاوند کے ترکہ میں سے کچھ نہیں ملتا ظلم اور حرام ہے، اسی طرح بیٹوں کا سب ترکہ پر قابض ہو جانا، اور بیوی کو محروم کرنا بھی ناجائز ہے، نیز یہ رواج کہ خاوند بیوی کا کل مال خود لے لیتا ہے، خلاف شرع ہے اس کو اپنا حصہ مقررہ لے کر بقیہ دیگر شرعی وارثوں کو دینا لازم ہے۔

وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَّلَهٗ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ فَإِنْ كَانُوْا أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ یعنی اگر وہ شخص جس کی میراث لی جاتی ہے، کلالہ ہو یعنی نہ تو اس کا باپ ہو، اور نہ اس کی کوئی اولاد ہو) یا عورت (ایسی ہی) ہو اور اس کے (ماں شریک) بھائی یا بہن ہوں، تو ہر ایک بھائی بہن کے لئے چھٹا حصہ ہے، پس اگر وہ (ماں شریک بھائی بہن) اس سے (یعنی ایک سے) زیادہ ہوں، تو وہ تہائی میں شریک ہیں، بعد وصیت کے جو کی جاوے، یا قرض کے، بشرطیکہ کسی کو ضرر نہ پہنچاوے، یہ حکم کیا گیا ہے اللہ کی طرف سے، اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا تحمل والا ہے۔

اور آخر سورت میں ہے۔ يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ إِنِ امْرُؤٌ

هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا إِن لَّمْ يَكُن لَّهَا وَلَدٌ فَإِن كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ وَإِن كَانُوا إِخْوَةً رِّجَالًا وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۗ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَن تَضِلُّوا وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ۔ یعنی حکم دریافت کرتے ہیں آپ سے، فرما دیجیے کہ کلالہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ تم کو یہ حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی مرد (یا عورت) مر جاوے، اور اس کی کوئی اولاد (پسری) نہ ہو اور (نہ باپ ہو) اور اس کی ایک بہن (سگی یا باپ شریک ہے) تو اس کے لئے نصف ہے (اور اگر اولاد دختری موجود ہو، تو اس کا حصہ مقررہ دے کر بقیہ بھائی یا بہن کو دیا جاوے) اور بھائی بھی وارث ہوتا ہے بہن (اور بھائی) کا۔ اگر اس بہن (یا بھائی) کی اولاد نہ ہو) اور بھائی بہن (دونوں وارث ہوں) تو مرد کے لئے دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے (احکام) بیان کرتا ہے، تاکہ تم گمراہ نہ ہو اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا، کہ بیٹا اور باپ نہ ہونے کی حالت میں جیسا کہ بھائی وارث ہے، ایسا ہی بہن کو حق وراثت پہنچتا ہے، بہن کو محروم قرار دینا صریح ظلم ہے، اور یوصیکم اللہ اور فریضۃ من اللہ اور وصیۃ من اللہ میں ان احکام کی بہت بڑی تاکید فرمانے کے علاوہ ارشاد ہے۔

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۚ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۔ یعنی یہ اللہ کی حدیں ہیں، اور جو کوئی اللہ، اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے۔ اس کو اللہ بہشتوں میں داخل کرے گا، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہیں گے، اور یہ بڑی کامیابی ہے، اور جو اللہ اور اس کے رسول کے نافرمانی کرے، اور اس کی حدول سے (بالکل ہی) نکل جاوے، اس کو خدا دوزخ کی آگ میں داخل کریگا، اس میں ہمیشہ رہے گا، اور اس کے واسطے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔

اس سے زیادہ کیا تاکید ہو سکتی ہے، کہ مخالفت کرنے والے کے واسطے ہمیشہ کا عذاب ہے، خدا ہم سب کو بچا دے، اور اس مقام پر گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے یہ مختصر بیان کیا گیا ہے، مفصل بیان فرائض کی کتابوں سے معلوم ہو سکتا ہے، اس مختصر اور مجمل بیان ہی سے یہ معلوم ہو گیا، کہ رواج عام میں کتنے حقداروں کی حق تلفی کی جاتی ہے، اور یہی مقصود مقام ہے،

اور حق تلفی کی ممانعت میں مذمت میں آیت بالا کے علاوہ دوسری آیات و احادیث بھی وارد ہوئی ہیں، چنانچہ ارشاد ہے۔

وَاٰتُوا الْیَتٰمٰی اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ وَلَا تَاْکُلُوْا اَمْوَالَهُمْ اِلٰی اَمْوَالِکُمْ اِنَّهٗ کَانَ حُوْبًا کَبِیْرًا۔ اور تم یتیموں کو ان کا مال دے دو، اور پاک (مال) سے ناپاک (مال) مت بدلو، اور یتیموں کا مال اپنے مال میں ملا کر مت کھاؤ بے شک وہ بڑا گناہ ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ حلال میں حرام مل جائے، تو اس کا کھانا حرام ہے، اس میں حرام کم ہو، یا زیادہ (کما ہو الظاہر من العموم) اور ارشاد ہے۔

یٰاَیُّهَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا۔ یعنی اے لوگوں جو چیزیں زمین میں ہیں ان میں سے حلال پاک چیزوں کو کھاؤ، اور ارشاد ہے:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا (یعنی بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں، اور عنقریب وہ لوگ آتش دوزخ میں داخل ہوں گے، اور ارشاد ہے:۔

وَتَاْکُلُوْنَ التُّرَاثَ اَکْلًا لَّمًّا وَتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا۔ یعنی اور تم میراث کا سارا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو (یعنی دوسروں کا حق بھی کھا جاتے ہو) اور مال سے بہت ہی محبت رکھتے ہو، ان آیات سے معلوم ہوا، کہ حرام مال آگ ہے، جو کسی کا مال ناحق کھاتا ہے، وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہا ہے۔

(عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الظلم ظلمات یوم القیمۃ رواہ البخاری ومسلم وترمذی (ترغیب ص ۳۸۹) ظلم کرنا قیامت کے دن کئی اندھیریاں (یعنی اندھیروں کا سبب) ہے (جو کہ انسان کو جنت میں جانے سے روکنے والی ہیں)

وعن سعید بن زید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اخذ شبرا من الارض ظلما فانہ یطوقہ یوم القیمۃ سبع ارضین (متفق علیہ) مشکوٰۃ شریف ص۳۱۵) یعنی جس نے ایک بالشت بھر زمین بھی ناحق لے لی، ضرور وہ اس کے گلے میں طوق کر کے پہنائی جاوے گی، سات زمینوں تک۔

وعن سالم عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اخذ من الارض شیئا بغیر حقہ خسف بہ یوم القیمۃ الی سبع ارضین رواہ البخاری

(مشکوۃ ص۲۵۶) یعنی جس نے کچھ زمین ناحق لے لی، اس کو قیامت کے دن سات زمینوں تک دھنسا دیا جاوے گا۔

وعن یعلی بن مرۃ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ایما رجل اظلم شبرا من الارض کلفہ اللہ عزوجل ان یحفرہ حتی یبلغ بہ اخر سبع ارضین ثم یطوقہ یوم القیمۃ حتی یقضی بین الناس رواہ احمد والطبرانی وابن حبان فی صحیحہ (ترھیب ص۳۳۵) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جس نے بالشت بھر (یعنی بہت تھوڑی سی) زمین بھی از رہ ظلم لے لی، اللہ عزوجل اس کو قبر میں تکلیف دے گا، کہ (اس ظلم سے لی ہوئی زمین) کو کھودے، یہاں تک کہ سات زمینوں کے آخر تک پہنچ جاوے، پھر وہ اس کے گلے میں پہنائی جاوے گی، جب تک کہ لوگوں میں فیصلہ کیا جاوے (خدا محفوظ رکھے) آمین۔

وعن ابی بکر الصدیق رض ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یدخل الجنۃ جسد غذی بالحرام رواہ ابو یعلی والبزار والطبرانی فی الاوسط والبیہقی وبعض اسانیدھم حسن (ترغیب ص۳۱۱) یعنی حضرت صدیق اکبر سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جنت میں وہ جسم داخل نہ ہوگا، جس کو حرام غذا دی گئی، اور اگر حرام مال سے زکوۃ وصدقہ دیا جاوے، یا نماز، روزہ اور حج میں خرچ کیا جاوے، تو وہ قبول نہیں ہوتے، کیونکہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْهِ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ؕ یعنی اے ایمان والو! اپنی کمائی میں سے عمدہ (یعنی حلال پاک) چیز کو اور جو ہم نے زمین سے تمہارے لئے پیدا کیا ہے، اس میں سے خرچ کیا کرو، اور ردی چیز کی طرف خیال مت لے جایا کرو، کہ اس میں سے خرچ کرو، حالانکہ تم کبھی اس کے لینے والے نہیں، ہاں مگر چشم پوشی کر جاؤ، اور یہ یقین رکھو، کہ اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں ہے، تعریف کے لائق ہے، اس آیت میں مال طیب خرچ کرنے کا حکم ہے، اور خبیث سے منع فرمایا ہے، اور حرام سے بڑھ کر کیا خبیث ہوگا، اور حدیث شریف میں ہے

لا یقبل اللہ الا الطیب رواہ البخاری ومسلم والنسائی والترمذی وابن ماجۃ

وابن خزیمۃ فی صحیحہ عن ابی ھریرۃ (ترغیب۔ ص ۴۸۴) یعنی اللہ تعالیٰ حلال کے علاوہ کوئی چیز قبول نہیں کرتا ہے۔

وعنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا ادیت زکوٰۃ مالک فقد قضیت ما علیک ومن جمع مالا حراما ثم تصدق بہ لم یکن لہ فیہ اجر وکان وزرہ علیہ رواہ ابن حبان وابن خزیمۃ فی صحیحھما والحاکم (ترغیب ص ۳۰۹) یعنی جب تونے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر دی، تو جو تیرے ذمہ (حکم) تھا، وہ پورا کر دیا، اور جس نے حرام مال جمع کیا، پھر وہ صدقہ کر دیا، تو اس میں اس کو کچھ ثواب نہیں ہوا، اور اس (مال حرام) کا گناہ اس کے ذمہ رہے گا (صدقے سے نہ اس کو صدقہ کا ثواب ملے گا، اور نہ ظلم کا گناہ معاف ہوگا، بلکہ جب صاحب حق کو دے دے گا، تب سبکدوش ہوگا۔

ان آیات واحادیث سے معلوم ہوا کہ اس رواج کی وجہ سے حق تلفی کا گناہ ہونے کے علاوہ عبادات مالیہ (صدقہ وغیرہ) اور بدنیہ (نماز وغیرہ) بھی قبول نہیں ہوتیں، اس سے زیادہ کیا خسارہ ہو سکتا ہے، اے میرے پیارے مسلمان بھائیو! فرقہ اناث کو ترکہ سے محروم کرنا بہت بڑا ظلم ہے اب ظالم کا بیان سنیئے:۔

وعن سلمان الفارسی وسعد بن مالک وحذیفۃ بن الیمان وعبد اللہ بن مسعود حتی عد ستۃ او سبعۃ من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالوا ان الرجل لترفع لہ یوم القیمۃ صحیفۃ حتی یری انہ ناج فما تزال مظالم بنی آدم تتبعہ حتی ما یبقی لہ حسنۃ وتحمل علیہ من سیئاتھم رواہ البیھقی فی البعث باسناد جید (ترغیب ص ۳۹۰) یعنی حضرت سلمان فارسی اور سعد بن مالک، حذیفہ بن الیمان وعبداللہ بن مسعود وغیرہ چھ یا سات صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا ہے، کہ (بعض) آدمی کے لئے اعمال نامہ اٹھایا جائے گا (اور اس میں بہت نیکیاں ہوں گی) یہاں تک کہ وہ (اس کو دیکھ کر نجات کا یقین کرے گا، پھر لوگوں پر کئے ہوئے ظلم (مطالبہ کے لئے) اس کے پیچھے لگے رہیں گے (اور ان کا بدلہ دیا جائے گا) یہاں تک کہ اس کی کوئی نیکی باقی نہ رہے گی، اور ان (مظلوموں) کی خطائیں (حسب پورا کرنے کی مقدار) اس پر ڈالی جاویں گی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:۔

من کانت لہ مظلمۃ لاخیہ من عرضہ او شیء فلیتحلل منہ الیوم قبل ان لا یکون دینار ولا درھم ان کان لہ عمل صالح اخذ منہ بقدر مظلمتہ وان لم یکن

لہ حسنات اخذ سیئات صاحبہ فحمل علیہ رواہ البخاری عن ابی ھریرۃ (مشکوۃ ص ۴۳۵) یعنی جس پر کسی بھائی کی آبروریزی یا کسی قسم کا (جانی، مالی) حق ہو اس کو چاہیئے کہ اس سے آج ہی سبکدوشی حاصل کرے، اس (دن) سے پہلے کہ نہ دینار ہوگا، اور نہ درہم (بلکہ) اگر اس کے پاس نیک عمل ہوں گے، تو ان میں سے اس کے ظلم کے موافق (یعنی جو اس کا عوض ہو جائیں وہ) لئے جاویں گے، اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی، تو اس کے فریق کے گناہوں میں سے لے کر اس پر ڈال دی جائیں گی۔

وعن ابی امامۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لیملی الظالم حتی اذا اخذہ لم یفلتہ ثم قرأ وکذلک اخذ ربک اذا اخذ القری وھی ظالمۃ متفق علیہ (مشکوۃ ص ۴۳۵) یعنی بے شک اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے یہاں تک کہ جب پکڑے گا، تو چھوڑے گا نہیں، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ وکذلک اخذ ربک الآیۃ۔ یعنی اسی طرح تیرے رب کا پکڑنا ہے جس وقت بستیوں کو (یعنی بستی والوں کو) پکڑتا ہے، اس حال میں کہ وہ (بستی والے) ظالم ہوں

غرض وہاں ذرہ ذرہ کا حساب ہوگا، اور سب حقداروں کے حق ادا کرنے ہوں گے، اور اس حرام کھانے کا مزا معلوم ہو جائے گا۔ قال اللہ تعالیٰ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ، پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی، وہ اس کو دیکھے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی وہ اس کو بھی دیکھے گا۔

وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لتؤدن الحقوق الی اھلھا یوم القیمۃ حتی یقاد للشاۃ الجلحاء من الشاۃ القرناء رواہ مسلم (مشکوۃ ص ۴۳۵) یعنی قیامت کے دن حقداروں کے حقوق ضرور بالضرور ادا کئے جائیں گے یہاں تک سینگ والی بکری سے بے سینگ بکری (کے مارنے کا) بھی بدلہ لیا جاوے گا، ان آفتوں کا خطرہ لیتے ہوئے حرام کھانا، اور ظلم کرنا کون عقلمند پسند کر سکتا ہے قال اللہ تعالیٰ قُلْ لَّا یَسْتَوِی الْخَبِیْثُ وَالطَّیِّبُ الآیۃ۔ اس کے علاوہ اور بہت سی آیتیں اور حدیثیں ہیں بوجہ اختصار کے انہیں پر اکتفا کیا گیا

(مضمون مولوی عبدالکریم گمتھلوی کے رسالہ غصب المیراث سے ماخوذ ہے)

اس رواج کا باطل و منکر ہونا اور توریث بنات وغیرہا نص قطعی سے ثابت ہے، اس کی

مخالفت اگر اعتقاداً ہے تو کفر ہے، اور عملاً ہے، تو اشد درجہ کا فسق ہے۔ پس اس باب میں عقیدہ کی درستی اور عمل کی اصلاح تو یقیناً فرض ہے۔ در ابطال باطل وازالہ منکر قادر پر فرض ہے، لہذا سکوت بھی حرام ہوگا۔ اور تسلیم کرنا تو اس سے اشنع ہے، اور حمایت کرنا سب سے بڑھ کر اشنع و اقبح ہے۔ وہذا کلہ ظاہر۔ (کتبہ اشرف علی تھانوی)

ہر مسلمان پر فرض ہے، کہ اس باطل و حرام رواج کے قلع قمع میں کوشش کرے، امید ہے کہ علمائے کرام اس فریضہ اسلامی کی طرف تقریراً و تحریراً ضرور توجہ دلائیں گے

(حررہ احقر ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ۔ تھانہ بھون، ضلع مظفر نگر)

اگر کوئی صاحب میراث کے (قانون شرعی) کا انکار کرے، تو نصوص قطعیہ کا انکار ہوگا، اور معلوم ہے، کہ قرآن پاک اور احکام قطعیہ کا منکر کون ہوتا ہے، اس سے زاید کیا کہا جاسکتا ہے

(کتبہ الاحقر عبد اللطیف عفا اللہ عنہ مدرس اول مدرسہ موصوفہ)

اس قانون کی مخالفت واجب ہے۔ رقمہ ضیاء احمد — الجواب صحیح خلیل احمد عفی عنہ (ناظم مدرسہ موصوفہ)

صح الجواب۔ عنایت الٰہی، مہتمم مدرسہ

الجواب صحیح۔ بندہ عبد الرحمٰن (کامل پوری) عفی عنہ (مدرس مدرسہ)

اس باطل و حرام رواج عام کے مرتکب اور مجوز اور معاون اور باقی رکھنے والے، اور اس پر (عملاً) اصرار کرنے والے ظالم و عاصی ہیں۔ اور اس فرض قطعی کے انکار کا کفر ہونا اظہر ہے، اور مواخذہ حق العباد کا ان کی گردن پر رہے گا، تا وقتیکہ وہ صاحب حقوق کے حقوق ادا نہ کریں گے

(کتبہ مسعود احمد)

الجواب صحیح، بندہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ، مدرسہ دیوبند

الجواب صواب، محمد انور عفا اللہ عنہ — الجواب صحیح۔ بندہ مرتضیٰ حسن عفی عنہ

یہ رواج شریعت غرا کے صریح منصوص احکام کے مخالف ہے، اور اولاد دختری (وغیرہ) کے ساتھ کھلا ہوا ظلم ہے، جو لوگ اس رواج کو جائز اور تقسیم میراث کے شرعی اصول سے بہتر سمجھیں، وہ مسلمان نہیں رہ سکتے، اور جو لوگ ناجائز اور خلاف شریعت یقین کرتے ہوں، مگر اس پر عمل کرتے ہوں وہ بھی ظالم اور فاسق ہیں۔ محمد کفایت اللہ غفر اللہ لہ، مدرس مدرسہ امینیہ، دہلی۔

احمد سعید (ناظم جمعیۃ العلماء) — حمد اللہ (پانی پتی) — عبد الرحمٰن رروڑ ضلع انبالہ

حشمت اللہ (مفتی پٹیالہ) — عبد الخالق، جہاں خیلاں — جماعت علی (علی پوری) بقلم خود۔

غلام مرشد مدرسہ نعمانیہ لاہور۔ عبد العزیز گوجرانوالہ، ثناء اللہ امرتسری۔ غلام مصطفیٰ (مفتی امرتسری)

اللہ و رسول نے جو حقوق مال میں مقرر فرما دیئے ہیں، اس میں فرق کرنا سخت گناہ ہے، اس کے واسطے اللہ پاک نے خود جس قدر اہتمام فرمایا ہے، اور جس قدر اس کے خلاف پر وعید اور دھمکی فرمائی ہے، وہ پتہ کو پانی کرنے کے لئے بہت کافی ہے، ذرا رسالہ غصب المیراث کو سب صاحب غور سے دیکھ لیں، اس سے بہت کچھ آپ پر کھل جاوے گا۔

(فقط بندہ ناچیز محمد الیاس عفی عنہ)

صورت مسئولہ میں واضح و لائح ہو کر لڑکیوں کو حصہ شرعی میراث سے نہ دینا صریح ظلم و رسم کفار پر عامل بننا ہے، پس مسلمانوں کو اسلام میں پورے طور پر داخل ہونا چاہیئے۔ لقولہ تعالیٰ یا ایہا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافۃ ولا تتبعوا خطوات الشیطان الآیۃ، یہ نہیں کہ بعض باتیں اسلام کی قبول کریں، اور بعض رسمیں کفار پر عامل نہیں، چونکہ لڑکیوں کو حصہ نہ دینا صریح قرآن مجید کے خلاف کرنا ہے، کما لا یخفی، واللہ اعلم

(کتبہ ابو محمد عبد الجبار، مدرس مدرسہ حمیدیہ عربیہ۔ دہلی، صدر بازار)

الجواب صحیح والرای نجیح:۔ (عاجز ابو محمد عبد الوہاب المہاجری، امام جماعت غرباء اہل حدیث)

جو رسوم کہ خلاف شرع محمدیہ ہیں، ان کی بیخ کنی اہل اسلام پر فرض ہے، اللہ پاک مسلمانوں کو نیک توفیق دے، کہ وہ اس کی طرف توجہ کریں۔

(العبد ابو یحییٰ عبد اللطیف، مدرس مدرسہ حمیدیہ، موری دروازہ دہلی)

یہ جابرانہ رسم یعنی لڑکی کو حصہ نہ دینا، انہیں چند رواجوں میں سے ہے، جو فی الحقیقت زمانہ جاہلیت سے منتقل ہو کر ہماری قوم میں آ گئے، اے مسلمانو! ڈرو اللہ سے، اور اس ظلم سے باز آؤ، یہ حق العباد ہے جو توبہ سے بھی معاف نہ ہوگی، قیامت کے دن سے ڈرو جس کی شان ہے کلکم اتیہ یوم القیمۃ فردا۔ یعنی ہر ایک بندہ خدا کے پاس اکیلا آوے گا۔

(ابو محمد عبد الجبار، مہتمم مدرسہ اشاعت القرآن والسنۃ سوہدرہ)

بے شک یہ غلط رسم ہے، ہر مسلمان کو شرعی تقسیم کر کے حصہ دینا لازم ہے، جو اس کے خلاف کریں گے، وہ غاصب اور ظالم ہوں گے۔ اللہم احفظنا۔ آمین۔

(راقم محمد داؤد، رہیوا۔ ابو اسحاق عبد الرزاق رہیوہ، خبر الصدر رہیوا)

بے شک یہ رواج یعنی لڑکی حصہ نہ دینا رسم جاہلیت ہے، اس سے بچنا چاہیئے اور مسئلہ شرعی پر عمل کرنا فرض ہے، اس پر کار بند ہونا چاہیئے، تصریح اس مسئلہ کی اوپر علمائے کرام

فرما چکے ہیں، زیادہ ضرورت نہیں (العبد عبد الغفار غفر لہ الستار اوتہوی)
(بندہ عبد الرحمٰن عفی عنہ) (ملخص از اصلاح میوات ۱۵ از سنہ ۱۹ تاماہ ۲۹)

س: زید عمرو دو حقیقی بھائی تھے عمرو کا انتقال ہو چکا ہے، زید و عمرو کے والد کا ایک مکان جو اس نے اپنے عالم حیات میں خریدا تھا موجود ہے، نیز زید و عمرو کی شراکت سے پیدا کردہ ایک مکان اور ایک دکان ہے مرحوم عمرو کی دو لڑکیاں، اور زوجہ موجود ہے تقسیم شرعی کس طرح ہو بینوا توجروا

ج: عمرو کو والد کی جائداد سے نصف ملے گا اسی طرح مشترک خریدکردہ میں سے بھی نصف اس کا ہے اس ساری متروکہ جائداد کی تقسیم یوں ہو گی

مسئلہ ۲۴ صورت مسئولہ عمرو مرحوم

زوجہ	بنت	بنت	اخ زید
۳	۸	۸	۵

یعنی کل جائداد سے آٹھواں حصہ بیوی کا اور تہائی ۲/۳ لڑکیوں کو ملے گا، اور باقی کا مالک عمرو کا بھائی زید ہو گا (نوٹ) یہ تقسیم ادائے قرض (قرضہ عمرو) مہر وغیرہ اور اجرائے وصیت کے بعد ہو گی، واللہ اعلم (اہلحدیث امرتسر ۲۳ ص ۲ راکتوبر ۱۹۳۵ء)

س: زید نے اپنا مکان اپنے چچا عمرو کو ہبہ کر دیا، اور قبضہ مالکانہ بھی دے دیا، عرصہ آٹھ سال کے بعد عمرو (موہوب لہ) نے مکان بحق خالد بیع رجسٹری کر دیا، اس کے بعد زید نے بھی مکان موہوبہ کسی اور کے حق میں بیع کر دیا، از روئے شرع شریف مکان موہوبہ کا مالک زید ہے یا عمرو، اور کس کی بیع صحیح ہو گی،

ج: مکان کا مالک موہوب لہ ہے، جب کہ وہ باقبضہ مالک بھی ہو چکا ہے، اب واہب کو کوئی اختیار نہیں کہ اس مکان کو بیع وغیرہ کرے، اور نہ واپس لے سکتا ہے، حدیث میں آیا ہے، ہبہ کو واپس لینے والا کتے کی طرح ہے جو قے کر کے کھاتا ہے، اللہ اعلم۔

(اہل حدیث امرتسر ص ۱۳ ا ر نومبر ۱۹۳۵ء)

(یہ حدیث بخاری شریف میں بایں الفاظ مروی ہے۔ العائد فی ھبتہ کالکلب یعود فی قیئہ۔) (راز)

س: آپ براہ مہربانی اخبار اہلحدیث میں تحریر فرمائیں۔ کہ قرآن پاک و حدیث شریف کے بموجب لڑکیوں کا حصہ وراثت نہ دینے والوں کا نذرانہ لینا، اور ان کا کھانا کھانا مولویوں کو، اور ان کی دعوتوں

میں شریک ہونا عام مسلمانوں کو جائز ہے یا نہیں؟

ج:۔ باپ جب تک زندہ ہے، اس پر حصہ نہ دینے والا لفظ صادق نہیں آتا، ہاں اگر وہ وصیت لکھ دے، کہ میرے ترکہ میں سے میری لڑکیوں کو نہ دینا، تو ظالم ہے، اس کی کمائی جائز طریق سے ہے، تو نذرانہ اور اس کی دعوت جائز ہے، حرام کی کمائی ہے، تو حرام ہے، لڑکیوں کو حصہ سے محروم کرنا ظلم ہے۔

(اہلحدیث امرتسر ص ۱۲، ۲۸ رجادی الاولی ۱۳۴۸ھ)

س:۔ کیا شوہر اپنی زندگی میں اپنی بیوی کو کوئی رقم ہبہ کر سکتا ہے، اور ایسا کرنے کے لئے کتنے گواہوں کی ضرورت ہے؟

ج:۔ اس کی خدمت اور اطاعت پر بطور انعام دے سکتا ہے۔

(اہلحدیث امرتسر ص ۱۲، ۲۸ رجادی الاولی ۱۳۴۸ھ)

س:۔ خالد فوت ہو گیا، ایک بیوی ۲ لڑکے ۴ لڑکیاں ہیں، ترکہ کیسے تقسیم ہو۔

ج:۔ ترکہ میں فی روپیہ ۲ ر زوجہ کو، فی لڑکا ساڑھے تین آنہ، فی لڑکی سات پیسے

(اہلحدیث امرتسر۔ ۱۵ صفر ۱۳۶۳ھ)

س:۔ زیدنے چند وارثان چھوڑ کر انتقال کیا، جو درج ذیل ہے، ایک زوجہ، دو لڑکیاں، ایک برادر، ایک بہن، ترکہ کس کو کتنا ملنا چاہیئے؟

ج:۔ مسئلہ ۲۴ تصحیح ۷۲

میت زید

زوجہ	لڑکی	لڑکی	بھائی	ہمشیرہ
۳/۹	۸/۲۴	۸/۲۴	۱۰	۵

صورت مرقومہ میں زید کا ترکہ بعد ادائے قرض، وصیت اور مہر ۷۲ حصوں پر تقسیم ہو گا، ۹ حصے زوجہ کو، ۲۴ ۲۴ حصے ہر ایک لڑکی کو۔ ۱۰ حصے بھائی کو، ۵ حصے ہمشیرہ کو دیئے جائیں گے

(اہلحدیث امرتسر ص ۲۔ ۹ ربیع الاول ۱۳۶۵ھ)

س:۔ زید کا باپ بد چلنی میں اپنی جائداد خراب کرتا ہے، ایک زانیہ عورت اور اس کے رشتہ داروں سے اسی ناجائز تعلق میں اس حد تک سلوک کرتا ہے، اور کرنا چاہتا ہے، کہ اپنی حقیقی اولاد کے لئے کچھ چھوڑنا نہیں چاہتا، ایسی حالت میں اولاد اس کے ایسا کرنے میں مانع ہو، تو نافرمانی کی وجہ سے گنہ گار تو نہیں؟

ج:۔ صورت مرقومہ میں زید کا والد ظالم اور گمراہ ہے، اور اس کو ایسے ظلم اور کجروی سے نیک نیتی کے

ساتھ روکن گناہ نہیں، بلکہ ثواب ہے، حدیث شریف میں ہے انصر اخاک ظالما او مظلوما
(جو کوئی ناجائز کام کرتا ہو، اس کو روک دو) مگر باپ کے مرتبہ کا لحاظ اور ادب رکھ کر بے ادبی نہ کرے
صرف اس ناجائز حرکت سے روکے (اہلحدیث امرتسر ص ۱۲ ۲۱ صفر المظفر ۱۳۳۶ھ)

س: - ایک لڑکا اور لڑکی کے ماں باپ صغر سنی میں انتقال کر گئے، اور ماموں نے پرورش
کئے، ان بچوں کے والدین کے پاس کسی قدر زیور اور مویشی بھی تھے، جب لڑکی بالغ ہوئی، اس
کے ماموں نے شادی کر دی، اور اپنے گھر سے چند مویشی بھی بطور ہبہ کے دیئے، جب لڑکا بالغ
ہوا، مویشی اور زیور اپنے ماموں سے لے کر بہن کے پاس رہنے لگا، امسال اس کا انتقال ہو گیا، ماموں
نے وہ رقومات جو اس کے والد کی تھیں، اس کی بہن سے لے کر کہا، کہ میں اس کا چہلم کروں گا، بہن
اس کے خلاف ہے، اور کہتی ہے، میں چہلم کروں گی، غرض یہاں تک نزاع ہوئی، کہ اس لڑکی کو
شادی میں دیئے ہوئے مویشی بھی واپس لینے کا ماموں ارادہ کرتا ہے، لہذا دریافت طلب امور یہ ہیں
کہ آیا ماموں کا ان رقومات و مویشی پر جو ان بچوں کے ماں باپ کے تھے، کوئی حق پہنچتا ہے یا نہیں
اور وہ مویشی جو شادی میں لڑکی کو دیئے تھے، ماموں واپس لینے کا مجاز ہے یا نہیں؟

ج: - والدین کی رقوم اور مویشی کا حق ان کی اولاد لڑکے لڑکی کو ہے، ان کے ماموں کو کوئی حق نہیں
پہنچتا۔ یوصیکم اللہ فی اولادکم الایۃ ماموں نے جو مویشی ہبہ کئے ہیں، ان کا واپس لینا منع
ہے (ہدایہ وغیرہ) اہلحدیث امرتسر ص ۱۲ ۲۳ جمادی الاولی ۱۳۳۶ھ

س ۳: - حاجی محمد قاسم کے دو وارث تھے، ایک لڑکا محمد ہاشم، دوسری لڑکی خدیجہ، ان دونوں
نے مورث ترکہ سے حصے پالئے، اس کے بعد ہاشم مر گیا، اس کے بعد اس کی بیوی اور ہمشیرہ
اور ہمشیرہ زادی ریزابی رہے، اس کے بعد ہاشم کی ہمشیرہ خدیجہ بھی فوت ہو گئی، اور اس کی بیٹی
ریزابی زندہ رہی، ان دونوں کا حصہ کس طرح تقسیم ہو گا۔

ج: - ہاشم کا حصہ یوں تقسیم ہو گا، ایک ثلث اس کی بیوی کو، اور دو ثلث اس کی ہمشیرہ کو ملیں گے
خدیجہ کا ترکہ اس کی لڑکی ریزابی کو ملے گا، واللہ اعلم۔

(اہلحدیث امرتسر ص ۱۲ ۱۲ اپریل ۱۹۱۸ء)

تشریح: س نمبر ۳ کا جواب، ہاشم کا ترکہ (حصہ) یوں تقسیم ہو گا، ایک ثلث اس کی بیوی
کو، اور دو ثلث اس کی ہمشیرہ کو ملے گا جس کی تصحیح یوں ہونی چاہیے، ایک ربع بیوی
کو، اور بطور رد بقیہ ہمشیرہ کو ملے گا (عبدالرحمن الجوادی)

قابل توجہ علماء اہلحدیث

مسئلہ رد

رد کے معنی لوٹانا، اور اہل فرائض کی اصطلاح میں جو مال ذوی الفروض کو دے کر باقی رہے بصورت عدم موجودگی عصبہ، پھر ذوی الفروض پر تقسیم کر دینا، رد کی صحت میں علماء کا سخت اختلاف ہے، علماء احناف رد کے قائل ہیں، اور علمائے محدثین محققین فرماتے ہیں، کہ رد بچند دلیل صحیح نہیں، بلکہ شرعی حد سے تجاوز کرنا ہے۔ لان اللہ تعالی قد ر نصیب اصحاب الفروض بالنص الظاهر فلا یجوز ان یزاد علیہ فمن قال بالرد تعدی عن حد الشرعی وقد قال اللہ تعالی۔ من یعص اللہ ورسولہ ویتعد حدودہ یدخلہ نارا خالدا فیہا ولہ عذاب مہین، اقول ان الرد اما بالفرضیۃ او العصوبۃ او الرحم لا یجوز ان یکون باعتبار الفرضیۃ لانہ وصل بذوی الفروض فروضہم ولا باعتبار العصوبۃ لان باعتبارہا یقدم الاقرب فالاقرب وهو منتف ولا باعتبار الرحم لا منافی معنی الاستحقاق لا لعصوبۃ واذا بطلت هذہ الوجوہ بطل الرد۔

الحاصل مسئلہ رد نہ قرآن سے ثابت نہ حدیث سے اور نہ قیاس صحیح سے۔ ومن ادعی فعلیہ البیان بالبیان اور یہی مذہب ہے، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا جو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرائض زیادہ جانتے تھے، خود حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افرضہم زید بن ثابت رض اسی کے قائل ہیں عروہ اور زہری، اور امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ ونقل عن بعض اصحاب الشافعی انہم یفتون بتوریث ذوی الارحام مع ذوی الفروض لهذا المعنی کذا فی المستصفی۔ اور صاحب درمختار نے جو لکھا ہے یرد علیہم بقدر سہامہم اجماعا لفساد بیت المال یہ ان کا تسامح ہے صحت رد پر دعوی اجماع صریح باطل ہے، اس مسئلہ کی زیادہ تحقیق فقیر کے رسالہ تصحیح الفرائض عربی میں جو عنقریب انشاء اللہ تعالی طبع ہو کر شائع ہوگا، ناظرین ملاحظہ کرینگے۔

تنبیہ: سابتدائے عالم سے یہ بات دیکھی جاتی ہے، کہ ہر امر کی ابتدا بقوت ہوتی ہے اور بمرور دہور ومضی سنین وشہور اس کی قوت کم ہو جاتی ہے، اور ضعف بڑھتا جاتا ہے، چنانچہ

ہر شریعت اور ہر ملت کی قوت جو ابتدا میں تھی، اوسط یا آخر زمانہ میں نہ رہی، اسی بنا پر اس ملت بیضا جس کا دن اور رات یکساں روشن ہے، اس کے قرن اولٰے اور ثانی میں جو قوت تھی، آج وہ قوت بالکل سلب ہوگئی، اور ضعف شدید پیدا ہوگیا، لوگوں میں تقلید کا مادہ یک دم نہ تھا، ہر ہر قدم پر کتاب وسنت کی اتباع کرتے، مسائل شرعیہ میں کسی کا قول اگرچہ علامہ دوراں ہوتا، بلادلیل نہیں مانتے تھے، آج وہ قوم جس کا دعوٰی ہے، کہ ہم متبع قرآن وسنت ہوں، ان کی حالت یہ ہورہی ہے کہ بہتیرے مسائل میں فقہائے مقلدین کے اقوال پر اعتماد کرکے فتوی دیتے ہیں، اور تحقیق سے کام نہیں لیتے، چنانچہ علمائے اہلحدیث نے درباب فرائض بہت کچھ تساہل اختیار کرلیا ہے جہاں استفتار آیا، اور قلم برداشتہ مذہب فقہار حنفیہ کے موافق جواب تحریر فرمادیا، چنانچہ من جملہ مسائل فرائض ایک ردہی کا مسئلہ ہے، عدم توجہ کے باعث بعض صورت میں مستحق محروم کر دیا جاتا ہے، مثلاً زید نے انتقال کیا، اور چھوڑا ذوی الفروض اور ذوی الارحام، پس جب مسلک فقہار احناف ذوی الارحام یک دم محروم رہیں گے، حالانکہ مابقی از ذوی الفروض ذوی الارحام کو ملنا چاہیئے۔ کما حققتہ فی رسالتی تصحیح الفرائض۔ علاوہ ازیں اور مسائل بھی محققین اہلحدیث کے خلاف ہیں کما لا یخفی علی اھل العلم۔

حضرات علمائے کرام اہلحدیث پر لازم ہے، کہ اس امر کی جانب ضرور توجہ مبذول فرمائیں

(ابوطاہر بہاری عفاعنہ الباری، مدرس مدرسہ احمدیہ)

ایک مسئلہ ردہی پر کیا موقوف ہے، فرائض کی بہت سی صورتیں قابل توجہ ہیں (اڈیٹر)

(اہلحدیث امرتسر ۱۹ ۱۱ اپریل ۱۹۱۸ء)

محجوب پوتا

عرصہ ہوا امرتسر سے ایک آواز اٹھی تھی، کہ کسی محروم کے ترکہ میں جس طرح اس کا زندہ بیٹا وارث ہے، اس کی زندگی میں متوفی لڑکے کا بیٹا یعنی اس کا پوتا بھی وارث ہونا چاہیئے، اس کا جواب اہلحدیث مورخہ ۱۸ مئی ۱۹۱۸ء میں دیا گیا، اس پر امرتسری اہل علم میں مباحثہ چلا، مباحثہ ہوتے ہوتے قریب ہاتھا پائی کے نوبت پہنچی، جس کو خاکسار الگ بیٹھا دیکھا کیا، جب یہ ہاتھا پائی ختم ہوئی، تو ہمارے عزیز دوست حافظ محمد اسلم صاحب جیراج پوری کا ایک مضمون رسالہ معارف بابت جولائی ۱۹۱۸ء میں نکلا، جس میں موصوف نے عالمانہ رنگ میں اپنے خیالات کا اظہار کیا

حافظ صاحب نے یتیم پوتے کی تائید میں بڑے زور سے لکھا، کہ یتیم پوتے کو دادا کے ترکے سے محروم کرنا سراسر ظلم ہے، اس نے جواب میں امرتسری حنفی اخباروں میں سلسلہ مضامین شروع ہوا تو خاکسار پھر خاموش رہا، کہ بغیر ہمارے دخل دیئے اگر کام نکل سکے، تو دخل دینے کی ضرورت کیا، مگر افسوس کہ سلسلہ باوجود مدت دراز گذرنے کے کسی معقول حد تک نہیں پہنچا

ہمیں اعتراف کرنا چاہیئے، کہ حافظ صاحب جیراج پوری کا مضمون علم کی شان لئے ہوئے ہے، اس کے جواب میں حنفی اخبارات کا رویہ ذاتیات تک پہنچنا اچھا نمونہ نہیں، کسی میں راقم مضمون حافظ صاحب پر کسی میں ان کی لاگ لپیٹ میں بدیں خیال کہ حافظ صاحب بھی اہلحدیث ہوں گے، کیونکہ ایسی موشگافیاں (بحسن ظن فریق ثانی) اہلحدیث ہی کے حصہ میں ہیں، تمام فرقہ اہلحدیث پر نظر عنایت کی گئی، حالانکہ سب سے اول مخالف اس خیال کا امرتسر میں اہلحدیث ہی تھا، اس لئے مایوس ہو کر آج اس کار میں دخیل ہونے کو نہایت اختصار سے مضمون ہذا نذر ناظرین کرتے ہیں:۔

مسئلہ متنازعہ کی صورت یہ ہے

زید
میت

بیٹا پوتا

اس صورت میں باتفاق علمائے اسلام بیٹا وارث ہوگا، اور پوتا محروم۔

بس یہ ہے صورت متنازعہ، فاضل جیراج پوری نے مسئلہ ہذا پر بحث کرتے ہوئے علم وراثت کے بہت سے مسائل پر ضمناً نکتہ چینی کی ہے، ہم اس سے منکر نہیں، کہ علم فرائض میں جو قواعد تقسیم وراثت کے یا بعض ورثار کے حصے لکھے گئے ہیں، ان پر نکتہ چینی ہو سکتی ہے، لیکن سر دست ہم صرف اس مسئلہ پر بحث کو محدود کر کے اپنا روئے سخن صرف اسی طرف رکھتے ہیں، جو اصل متنازعہ ہے۔

حافظ صاحب موصوف نے یوں تو بڑی قابلیت سے مضمون کو ادا کیا ہے، مگر ہمارے خیال میں (معاف فرمائیں) آپ کا مضمون آداب مناظرہ کے خلاف ہے، کیونکہ جارحانہ پہلو سے کام لیا ہے، برہان سے اثبات مدعا نہیں کیا

صورت متنازعہ ہم بتا آئے ہیں، بات بالکل صاف ہے، کہ صورت مرقومہ میں پوتے کو بھی وراثت دلوانے کے لئے کوئی نقلی دلیل (آیت یا حدیث) پیش کرنی چاہیئے تھی ہو صورت عدم

نقلی کے عقلی دلیل سے ثابت کرنا تھا جو افسوس نہیں کیا گیا۔

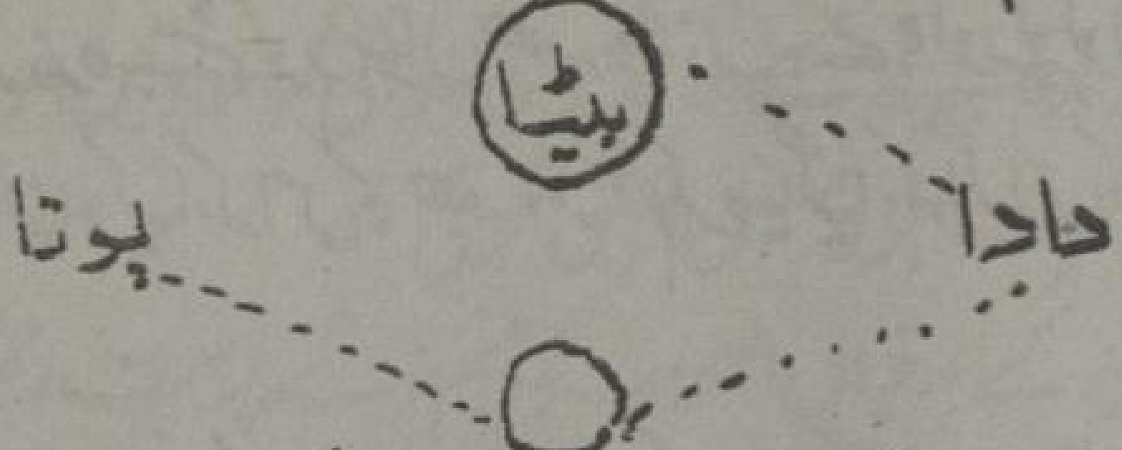
ہم اس سے غافل نہیں، کہ حافظ صاحب نے آیت اولاد کو لکھی ہے، یعنی یوصیکم اللہ فی اولادکم میں پوتے کو داخل کیا ہے۔ آیت کا ترجمہ یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ تم کو تمہاری اولاد کے بارے میں تقسیم ترکہ کا حکم دیتے ہیں، حافظ صاحب کہتے ہیں، کہ جس طرح بیٹا اولاد ہے پوتا بھی ہے، بہت خوب! لیکن سوال یہ ہے، کہ بیٹا بلا واسطہ اولاد ہے، کیا پوتا بھی بلا واسطہ اولاد ہے؟ بلا واسطہ کہتے ہوئے، اس سوال کا جواب بھی سوچ لینا مقدم ہے، کہ جس لڑکی کا باپ اور دادا زندہ ہیں، اس کے نکاح کا ولی کون ہوگا؟ باپ یا دادا، ہم اس سوال کا جواب مختلف فیہ نہیں جانتے، اس لئے باتباع قرآن شریف خود ہی دیتے ہیں، کہ باپ کے ہوتے ہوئے دادا ولی نکاح نہیں ہوگا، حافظ صاحب کو اس میں اختلاف ہو، تو ان کا حق ہے کہ انکار کر دیں، اور دادا کو ولی ظاہر کریں، پس اگر باپ کے ہوتے ہوئے دادا کو حق ولایت نہیں، تو ثابت ہوا، کہ پوتا دادا کی اولاد بالواسطہ ہے بے واسطہ نہیں، لہٰذا اولاد کا لفظ صلبی اولاد کے لئے حقیقت اور غیر صلبی کے لئے مجاز ہوا، اور یہ تو علم اصول میں ثابت شدہ بات ہے، کہ ایک ہی لفظ سے حقیقت اور مجاز آن واحد میں مراد لینا جائز نہیں، پس اولادکم میں بیٹا ہونے کی صورت میں پوتا کیونکر مراد ہو سکے گا۔

عقلی دلیل بھی حافظ صاحب کے مدعا کے خلاف پائی جاتی ہے، کیونکہ اہل فلسفہ اس بات پر متفق ہیں، کہ علت بعیدہ کا اثر معلول پر نہیں پہنچتا، بلکہ علت متوسطہ سے معلول پیدا ہوتا ہے، اس کی دلیل یہ ہے، کہ بعض اوقات معلول ایسے وقت میں وجود پذیر ہوتا ہے، کہ علت بعیدہ خود موجود نہیں ہوتی، حالانکہ علت و معلول میں انفکاک جائز نہیں، لہٰذا ثابت ہوا، کہ دادا پوتے کے لئے بیٹے کی طرح علت قریبہ نہیں ہے، بلکہ اگر کچھ ہے، تو علت بعیدہ ہے، جس کو معلول اول سے بہ نسبت ثانی کے بعد ہے۔

علاوہ اس کے مسئلہ وراثت اور مسئلہ وجود کی بنا ایک نہیں، مسئلہ وجود کی بنا وجود ہے، اور مسئلہ وراثت کی بنا عدم (موت) ہے، کیونکہ وارث محض وجود پذیر ہوتے ہی اپنے مورث کا وارث نہیں ہو جاتا، بلکہ اس کی موت کے بعد ہوتا ہے، بسا اوقات وجود کے برعکس وراثت کا ظہور ہوتا ہے، مثلاً ایک شخص کے ہاں بیٹا پیدا ہوا، بالغ ہوا، الگ ہو کر کماتا رہا، مالک جائداد ہوا۔ وجود کی حیثیت سے وہ باپ کا وارث ہونا چاہیئے، لیکن ایسا ہوا، کہ وہ مر گیا، اور بجائے اس کے کہ وہ بحسب خیال و گمان ہمارے وہ باپ کا وارث ہوتا، باپ اس کا وارث ہوتا ہے، کیوں؟

اس لئے کہ محض سلسلہ وجود علت وراثت نہیں، بلکہ موت کو بھی دخل ہے۔

پس دادا کے مرنے پر جب جائداد کا انتقال ہوا، تو اس کے سامنے دو اسٹیشن آئے، ایک بیٹا دوسرا پوتا، بیٹا قریب تھا، اور پوتا بعید، اس لئے ترکہ قریب کے اسٹیشن پر ٹھہر کر رہ گیا، اس لئے اس تقریر کو واضح کرنے کے لئے ہم ذرا اور تفصیل کرتے ہیں، اور اس تفصیل کے لئے ایک نقشہ بتاتے ہیں جو یہ ہے:۔



اس نقشہ کو ہم بجلی کی روشنی سے تشبیہ دیں، تو یوں کہہ سکتے ہیں، کہ دادا سے روشنی کا کرنٹ چلا، تو بیٹے پر پہنچا، بیٹے کے ذریعہ سے پوتے پر آنا تھا، مگر وہاں پر اتصال نہ پاکر کرنٹ رک گیا، دوسری طرف بیٹے سے اتصال ہوا، اس نے روشنی کو قبول کر لیا، میرے خیال میں یہ مثال ایسی واضح ہے کہ اس سے اچھی کوئی مثال نہیں۔

ایک اور طرح بھی ہم اپنا مدعا عرض سکتے ہیں

اس میں کوئی شک نہیں، کہ پوتا اپنے باپ کا وارث ہے، اس لئے اگر اس کا مرحوم باپ اگر کچھ چھوڑ گیا ہے، تو اس کے چچا کو اس میں کوئی حصہ نہیں ہوگا، بلکہ وہی اپنے باپ کا وارث ہوگا، پھر جس صورت میں یہ یتیم پوتا اپنے باپ کا وارث ہے، تو زندہ بیٹا اپنے باپ کا سارا وارث کیوں نہ ہو؟

علاوہ اس کے حافظ صاحب کی نقلی دلیل پر ایک اعتراض اور بھی ہے، جو یہ ہے، کہ اولاد کا لفظ اگر پوتوں کو بھی شامل ہے، تو جس صورت میں ایک شخص کے دو بیٹے زندہ اور انہیں دو بیٹوں کے دو، دو بیٹے زندہ ہیں، اور مرحوم بیٹے کے دو بیٹے زندہ ہیں، جس کی صورت یہ ہے:۔

دادا

بیٹا، بیٹا (پوتا پوتا پوتا پوتا) (پوتا پوتا)

(زندہ بیٹوں کے بیٹے) (مرحوم بیٹے کے بیٹے)

کیا اس صورت میں دادا کی جائداد آٹھ اولادوں پر تقسیم ہوگی، حافظ محمد اسلم صاحب نے اسے تسلیم نہیں کیا، فرمایا ہے، کہ زندہ بیٹے اپنے بیٹوں تک حصہ پہنچنے کو مانع ہیں، کیونکہ وہ خود وارث ہیں، مگر مرحوم بیٹے کی اولاد وارث ہوگی، کیونکہ ان کا مانع باپ تھا، وہ نہیں ہے، لہٰذا میں کہتا ہوں،

کچھ ہی ہو، ہم آپ کے اس اصول پر اعتراض نہیں کرتے، بلکہ یہ دریافت کرتے ہیں، کہ اولاد کا لفظ بقول آپ کے جب ان پوتوں کو بھی شامل ہے، تو زندہ بیٹوں کے بیٹوں کو نہ سہی مردہ بیٹے کے دو بیٹوں کو آپ بھی اولاد مانتے ہیں، تو کیا پھر اس دادا مرحوم کے ترکہ کو چار اولادوں پر تقسیم کریں گے دو زندہ بیٹوں کو، اور دو یتیم پوتوں کو؟ اس صورت میں ایسا کریں گے، تو ممکن ہے، کہ کوئی صورت آپ کو ایسی بھی پیش آجائے، کہ زندہ بیٹے کو دسواں حصہ دلائیں گے؟ اور پوتوں کو نو؟ تو کیا آپ بتا سکتے ہیں، کہ زندہ بیٹے نے کیا گناہ کیا، کہ اس کا حصہ اتنا کم کر دیا گیا، کہ اگر اس کا حقیقی بھائی زندہ رہتا، تو اتنا کم نہ ہوتا۔

غالباً حافظ صاحب اور ان کے ہم خیال ایسا نہ کہیں گے، اس لئے ہم بھی اس پر زیادہ زور نہیں دیتے، بلکہ حافظ صاحب یہ کہیں گے، کہ مرحوم بیٹے کی اولاد اپنے باپ کا حصہ لیں گے، تو اس صورت میں آپ کو ماننا پڑے گا، کہ اولاد کا لفظ پوتوں کو اصلی معنی سے شامل نہیں، اور مجازی سے ہمیں بحث نہیں، اس مسئلہ کے حامیوں نے انہی دلائل میں ایک اور آیت قرآنی بھی لکھی ہے جو مع ترجمہ یہ ہے:۔

واللہ جعل لکم من انفسکم ازواجا وجعل لکم من ازواجکم بنین وحفدۃ۔

(ترجمہ) خدا نے تمہاری جنس سے تمہاری بیویاں بنائیں، اور تمہاری بیویوں میں سے بیٹے اور پوتے بنائے کہتے ہیں، کہ پوتوں کو خدا نے نعمت قرار، تو پھر ان کو محروم کیوں کیا جائے؟

میں کہتا ہوں، کہ آپ خود اس آیت کا خلاف کرتے ہیں، اگر نہیں، تو ہماری پیش کردہ صورت ہیں (جس میں دو بیٹے اور چھ پوتے ہیں) آٹھ پر تقسیم کیوں نہیں کرتے، وہاں کیوں چار پوتوں کو محروم کر کے صرف دو کو دیتے ہیں، اگر کسی وجہ سے ایسا کر کے بھی اس نعمت کے قائل رہ سکتے ہیں، تو ہم بھی اس آیت کے یہ معنی کرتے ہیں، کہ بیٹے نعمت ہیں (یعنی بقول آپ کے وارث) اور بیٹوں کے بعد پوتے نعمت ہیں یعنی بقول آپ کے بیٹوں کے نہ ہونے کی صورت میں پوتے وارث ہیں، جیسے آپ نے زندہ بیٹوں کی اولاد پوتوں کو باوجود نعمت ماننے کے محروم کیا، ہم نے بھی زندہ بیٹا ہونے کی صورت میں پوتوں کو باوجود نعمت ماننے کے ترکہ سے محروم سمجھا، تو دونوں برابر ہوئے یا کم و بیش؟

حافظ صاحب نے ایک اور دلیل عقلی نہیں، بلکہ فرضی پیش کی ہے، فرماتے ہیں، کہ اگر پوتوں کو معلوم ہوگا، کہ چچا کی زندگی میں ہم دادا کی جائداد سے محروم ہیں، تو طبعی جوش میں چچا کو قتل کر ڈالیں گے

اور مالک بن جائیں گے، اس کا جواب یہ ہے، کہ یہ بھی ممکن ہے، کہ دو بھائیوں کی صورت میں ایک بھائی عیاش ہو، اور وہ جوش مستی میں بھائی کو قتل کر ڈالے، کہ میں ساری جائداد کا واحد مالک بن جاؤں تو کیا ایسی صورت کا بھی کوئی انتظام جناب نے سوچا ہے؟

مختصر یہ کہ یتیم پوتا اپنے باپ کا قائم مقام ہے، تو زندہ بیٹا بھی اپنے باپ کا قائم مقام ہے پھر کوئی وجہ نہیں ہے، کہ زندہ بیٹے کے ساتھ پوتا دادا کی جائداد میں اس کا شریک ہو سکے بحالیکہ وہ جائداد اس کے باپ کی طرف ہنوز منتقل نہیں ہوئی۔

حافظ صاحب اور ان کے ہم خیال اصحاب کو یتیم پوتے پر بہت رحم آتا ہے، جس رحم میں ہم بھی ان کے شریک حال ہیں، بلکہ یوں کہئے کہ خدا تعالیٰ کے علم میں بھی اس یتیم بچے کا حال قابل رحم ہے اس لئے اس نے دادا کو اجازت دی ہے، کہ پوتے کے حق میں مناسب وصیت کر کے فائدہ پہنچائے، مگر اسلامی مسائل چونکہ قانون قدرت پر مبنی ہیں، اور قانون قدرت یہ ہے، کہ بالواسطہ اتصال رکھنے والا بے واسطہ کے برابر نہیں ہو سکتا۔ اس لئے بیٹے کے ساتھ پوتا وارث نہ ہوگا، مگر دادا اس کے حق میں وصیت کر سکتا ہے، اور اگر دادا بھی اپنے پوتے کے حق میں وصیت کر کے فائدہ نہ پہنچائے تو بحکم وعلی الوارث مثل ذلک دیگر اقربا پر فرض ہے، کہ یتیم لڑکوں کی خبر گیری کریں، امید ہے کہ اس مسئلہ کے حامی ہماری مختصری گذارش پر غائر نظر سے غور کریں گے ؎

اند کے باتو بگفتم وبدل ترسیدم　　کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

(اہلحدیث امرتسر ص۳ ۲۴ صفر ۱۳۳۷ھ)

س، مسماۃ معصومہ کا کل اثاثہ ہے، اور اس کی تین لڑکیاں، بڑی مصری، منجھلی مریم، چھوٹی زینب، ایک بھائی امید علی اور ایک بہن سہورہ ہیں، اول مصری کا انتقال ہوا، مصری نے ایک زوج عبد الحلیم دو لڑکے حبیب الرحمن و عبد اللہ و ایک لڑکی سائرہ و والدہ معصومہ و دو بہنیں مریم و زینب و ایک ماموں امید علی و ایک خالہ سہورہ چھوڑے، اس کے بعد معصومہ کا انتقال ہوا، اس نے دو نواسے حبیب الرحمن و عبد اللہ و ایک نواسی سائرہ و ایک بیٹی مریم و ایک بھائی امید علی، و ایک بہن سہورہ چھوڑے، اس کے بعد حبیب الرحمن کا انتقال ہوا، اس نے والد عبد الحلیم و ایک بھائی عبد اللہ و ایک بہن سائرہ و ایک خالہ مریم وغیرہ وغیرہ چھوڑے، اس کے بعد سائرہ کا انتقال ہو گیا، اس کے بعد جو وارث چھوڑے، وہ اوپر کے سوالات سے ظاہر ہے۔

(سائل عطار الحق زوج مسماۃ مریم از مقام بھجول، ضلع گونڈہ)

ج، رسارا اثاثہ آپ معصومہ کا لکھتے ہیں، تو معصومہ مورث اعلیٰ ہوئی، پھر جو اس سے پہلے مرے ہیں مصری وغیرہ ان کو اس تقسیم میں دخل نہ ہوگا، اسی لئے ہم نے معصومہ کو مورث اعلیٰ مالک اثاثہ قرار دے جواب دیا ہے۔

مسئلہ ۶ معصومہ

نواسے			بہن	بھائی	بیٹی
عبداللہ	الرحمن	حبیب	سہورہ	امید علی	مریم
م	م	م	۱	۲	۳/۱

اس کے بعد جن کی وفات دکھائی ہے، ان کو اس ترکہ میں حصہ نہیں، اس لئے وہ اس مناسخہ میں نہیں آسکتے۔ یہ جواب آپ کو کافی نہ ہو، تو مورثِ مالک اثاثہ کے بعد اموات کو بالترتیب لکھ کر سوال بھیجیں، اس سوال کا جواب یہی ہوگا۔ واللہ اعلم۔

(اہلحدیث امرتسر ۱۲؍۱۴ ربیع الآخری ۱۳۳۷ھ)

محجوب پوتا

مکرم و مخدوم قوم دام فیضکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کے اخبار اہلحدیث مؤرخہ ۲۴ صفر المظفر ۱۳۳۷ھ میں حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری سلمہ اللہ تعالیٰ کے مضمون محجوب الارث کے متعلق جو تحریر فرمایا ہے، اس کی بابت خدمت عالی میں یہ عرضداشت بھیجنا ضروری سمجھتا ہوں، امید ہے، کہ اس تحریر کو اخبار مذکور میں شائع فرمادیں گے۔

حافظ صاحب موصوف کا جو مضمون رسالہ معارف کے جولائی اور اگست کے نمبر میں نکلا ہے خوش قسمتی سے مجھے اس کے پڑھنے کا موقع ملا ہے، حافظ صاحب کا دعویٰ یہ ہے، کہ قرآن و حدیث تو خیر خود فقہ بھی اصولاً یتیم اولاد کو محجوب نہیں کر سکتی، اس دعویٰ کا اثبات ایسی خوبی کے ساتھ ادا کیا گیا ہے، کہ اس میں کچھ شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی، آپ سے اتنی شکایت ضرور ہے کہ اس مضمون کو اپنے اخبار میں بلا چھاپے ہوئے آپ نے اس کے خلاف لکھا، وہ مضمون بھی ناظرین اہل حدیث پڑھ لیتے، تو پھر اس کے بعد آپ کی رائے کا وزن ان کو اچھی طرح معلوم ہوتا۔

دوسری شکایت یہ ہے، کہ خود آپ نے بھی اس مضمون کو سرسری نگاہ سے دیکھا، اور شاید اس کا بقیہ حصہ جو اگست میں چھپا ہے، آپ نے غور سے ملاحظہ نہیں فرمایا، جس میں ان تمام باتوں کا مفصل جواب موجود ہے، جو آپ نے تحریر فرمائی ہیں[1]۔

---

[1] جواب تھا تو بجائے اتنا لمبا لکھنے کے آپ وہی نقل کر دیتے، کس نے منع کیا تھا (ایڈیٹر)

آپ نے حافظ صاحب سے اختلاف فرماتے ہوئے ایسی جزئی اور سرسری باتیں لکھی ہیں جن پر تعجب ہوتا ہے، حالانکہ حافظ صاحب نے ایک نہایت لطیف اصولی بحث کی ہے۔

پہلی بات جو آپ نے تحریر فرمائی ہے، وہ یہ ہے، کہ اولاد کے لفظ کو صلبی اولاد پر آپ حقیقت اور بالواسطہ اولاد پر مجاز قرار دیتے ہیں، چنانچہ آپ فرماتے ہیں:۔

"اولاد کا لفظ صلبی اولاد کے لئے حقیقت اور غیر صلبی کے لئے مجاز ہوا، اور یہ تو علم اصول میں ثابت شدہ بات ہے، کہ ایک ہی لفظ سے حقیقت اور مجاز آن واحد میں مراد لینا جائز نہیں"

اس کے جواب میں یہ عرض ہے، کہ صحیح بخاری کی حدیث آن واحد میں بیٹی اور پوتی، دونوں کو حصہ دلاتی ہے، یعنی بقول آپ کے حقیقی اور مجازی دونوں آن واحد ہی میں مراد ہیں، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اولاد کے لفظ کو آپ نے ابن و بنات پر قیاس کیا ہے، کہ ان الفاظ کا اطلاق حقیقۃً صلبی پر ہوتا ہے، اور غیر صلبی پر مجازاً، لیکن اولاد کا لفظ ایسا نہیں ہے، وہ ان سے عام ہے، علت و معلول کی جو بحث آپ نے فرمائی ہے، وہ سب سے زیادہ حیرت انگیز ہے،

بہن، بھائی، چچا اور بھتیجے میت کے وارث ہوتے ہیں، یہاں کہاں علت اور معلول کا سلسلہ ہے، حقیقت یہ ہے، کہ وراثت اقربیت کے محور پر گردش کرتی ہے، اور اقربیت میں یتیم اولاد شامل ہے۔

حافظ صاحب نے اس بات کو خصوصیت کے ساتھ اپنے مضمون میں واضح اور نمایاں طور پر ثابت کیا ہے[1]

بجلی کے کرنٹ کی جو مثال آپ نے لکھی ہے، اور جس کی بابت آپ نے فرمایا ہے، کہ اس سے اچھی کوئی مثال نہیں، آیئے ہم اس سے بھی واضح اور صاف مثال پیش کرتے ہیں، وہ یہ کہ میت نے باپ اور پرنانی کو چھوڑا، ظاہر ہے، کہ اس صورت میں آپ کے قول کے مطابق وراثت کی برق کا جو کرنٹ چلے گا، وہ قریب کے اسٹیشن یعنی باپ پر رک جانا چاہیئے، لیکن قانون وراثت اس کرنٹ کو

---

[1] عام ہے، تو ہماری پیش کردہ مثال میں پوتوں کو بھی حصہ دلانے سے کون مانع ہے، یعنی کسی مرحوم کے ۲ بیٹے ہیں، ایک بیٹا لاولد ہے، اور ایک کے ۲ بیٹے ہیں، سب ملا کر چار ہوئے، کیا آپ یا حافظ صاحب چار پر تقسیم کریں گے یا دو پر؟ غالباً چار کی ہاں نہ کریں گے، دو پر کریں گے، تو ثابت ہوا، کہ پوتے حقیقۃً اولاد نہیں۔ (اڈیٹر)

[2] محجوب پوتا دادا کی طرف چچا کے ہوتے ہوتے دوسروں کے قریب ہے، مگر اقرب نہیں، اقرب اس کا چچا ہے پس: صولا چونکہ ہم آپ متفق ہیں، کہ الاقرب فالاقرب لہٰذا مسئلہ کا یہی فیصلہ ہے (اڈیٹر)

پر نانی تک پہنچتا ہے، اور باپ ہی تک محدود نہیں رکھتا، اس سے صاف ظاہر ہوا، کہ آپ کی یہ دلیل بے کار ہے۔[1]

پھر اس کے بعد آپ لکھتے ہیں، کہ یتیم پوتا اپنے باپ کا وارث ہے، تو زندہ بیٹا اپنے باپ کا سارا وارث کیوں نہ ہو؟ اس سے انکار نہیں، کہ زندہ بیٹا اپنے باپ کا وارث کیوں نہ ہو، لیکن سارا کا لفظ جو آپ نے لکھا ہے، یہی بحث طلب ہے، اور منطقی طور پر نتیجہ میں یہ الفاظ نہیں آیا، پھر اس کے بعد دو بیٹوں اور چھ پوتوں کا دریافت طلب مسئلہ جو آپ نے لکھا ہے، اس متعلق حافظ صاحب کے مضمون میں صاف جواب لکھا ہے، کہ یتیم اولاد اپنے باپ کے قائم مقام ہو کر وہی حصہ لے گی جو اس کے باپ کا تھا، قائم مقالم کا اصول نظر انداز کر دینے سے یہ غلط فہمی آپ کو پیدا ہو گئی، اور غلط فہمی کی بنیاد پر آگے چل کر آپ اس بات پر اصرار کرتے ہیں، کہ زندہ بیٹوں کے بیٹیوں کو بھی حصہ کیوں نہیں جاتا، حالانکہ جب ان کے باپ زندہ ہیں، تو ابھی وہ بیٹے ان کے قائم مقام کیوں کر ہو سکتے ہیں، بعینہ اسی طرح جس طرح کہ باپ کی موجودگی میں دادا باپ کا قائم مقام نہیں ہو سکتا، اسی لئے وارث نہیں ہوتا۔[2]

حافظ صاحب کی فرضی دلیل پر آپ نے جو آپ کے معارضہ کیا ہے، کہ :- دو بھائیوں کی کی صورت میں ایک بھائی عیاش ہے، اور وہ جوش مستی میں بھائی کو قتل کر ڈالے، کہ میں ساری جائداد کا واحد مالک بن جاؤں، تو کیا ایسی صورت کا بھی کوئی انتظام جناب نے سوچا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے، کہ اس کا شریعت نے خود مکمل بندوبست کر دیا ہے، کہ قاتل کو وراثت نہیں ملتی، اور وہ قصاصاً قتل کر دیا جاتا ہے، جو صورت حافظ صاحب نے پیش کی ہے، اس کو پھر ذرا بغور ملاحظہ فرمایئے، وہ اس نوعیت سے ہرگز نہیں ہے، جس نوعیت پر آپ نے پیش کی ہے اوس صورت میں قاتل کو محروم کرنے، اور اس سے قصاص کے بعد بھی اس کے دوسرے محجوب بھائی وارث ہوتے ہیں، اور اسی لئے محجوب الارث کا مسئلہ یقیناً قطع رحم اور قتل کا محرک ہو

[1] بے کار نہیں، خود طلب ہے، مرحوم سے کرنٹ دو مختلف لائنوں کی طرف جاتا ہے، ایک ددھیال دوسرے ننھیال، ان دونوں میں کوئی لائن دوسرے کے لئے ذریعہ یا حاجب نہیں، برخلاف صورت متنازعہ کے کہ مورث کا مرحوم بیٹا پوتے کے لئے ذریعہ اور زندگی میں بالاتفاق حاجب (مانع) ہے۔ فافترقا فافہم ولا تعجل (ایڈیٹر)

[2] بس یہی جواب فیصلہ کن ہے، اس سے ثابت ہوا، کہ پوتا اولاد کو میں حقیقۃً داخل نہیں، بلکہ بحیثیت قائم مقامی ہے یعنی اولاد کی اولاد ہے، لہذا یوصیکم اللہ فی اولادکم میں حقیقی اولاد کے ساتھ درجہ نہیں پائے گا (ایڈیٹر)

سکتا ہے، پھر آپ نے جو یہ لکھا ہے:۔

"کوئی وجہ نہیں ہے، کہ زندہ بیٹے کے ساتھ پوتا، دادا کی جائداد میں اس کا شریک ہو سکے، بحالیکہ وہ جائداد اس کے باپ کی طرف ہنوز منتقل نہیں ہوئی"

اس پر آپ سے یہ سوال کیا جا سکتا ہے، کہ محجوب پوتے کا وارث پھر آپ اس کے دادا کو کیوں قرار دیتے ہیں، جب کہ اس کے مردہ باپ کی طرف ہنوز اس کی جائداد منتقل نہیں ہوئی تھی، اصلیت یہ ہے، کہ قائم مقامی کے اصولوں کو نظر انداز کرنے کی یہ سب خرابیاں ہیں۔

آخر میں محجوب محروم اور مظلوم پوتے کی بابت آپ لکھتے ہیں:۔

"خدا تعالیٰ کے علم میں بھی اس یتیم بچے کا حال قابل رحم ہے"

بیشک قابل رحم ہے، لیکن ویسا ہی جیسا زندہ گاڑی ہوئی لڑکیوں کا جس کے بارے میں قرآن پاک میں ارشاد ہے۔ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۙ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۙ

از چشم خود بپرس کہ مارا کہ می کشد　جاناں گناہ طالع و جرم ستارہ نیست

(احقر العباد احمد حسین خاں، پنشنر خریدار اخبار اہلحدیث)

(اہلحدیث امرتسر ص۶- ۲۱ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ)

س:۔ ہماری طرف رواج ہے، کہ چھوکری کو حصہ نہیں دیا جاتا، باپ کی جائداد سے، اور میرے

۱؎ کس قدر جلدی میں آپ نے یہ بات تحریر فرمائی ہے، جناب! دادا پوتے کا وارث اس صورت میں ہوتا ہے، کہ لائن میں دادا اور پوتے کے درمیان کوئی اقرب وارث نہیں، صرف باپ تھا سو وہ میان سے اٹھ گیا، اب پوتے اور دادا میں کوئی روک نہیں، اس کے مقابل کی مثال اگر ہے، تو یہ ہے، اور یقیناً یہی ہے، کہ کسی مرحوم کا صلبی بیٹا نہیں صرف پوتا ہے، تو بے شک وہ اسی طرح بے مانع وارث ہے، جس طرح دادا (باپ کے عدم پر) پوتے کا وارث ہے لیکن جس صورت میں دادا کا صلبی بیٹا موجود ہے، جو پوتے سے اقرب ہے، تو پھر قریب اقرب کے برابر کیوں کر ہو سکتا ہے، بس یہی ایک اصول ہے، جو ہم آپ میں متفق علیہ ہے، اور یہی فیصلہ کن ہے۔

(نوٹ) اس مسئلہ کے امرتسری حامیوں نے بھی ایک ٹریکٹ شائع کیا ہے، گو انہوں نے اہلحدیث کی تردید میں لکھا ہے، مگر خوش قسمتی سے میں اس کو تائید سمجھتا ہوں، اس کا ذکر آئندہ کسی نمبر میں ہوگا، انشاء اللہ زبانی گفتگو اس سے ہو چکی ہے، جس میں بہت سے مراتب طے ہو چکے ہیں (ایڈیٹر)

۲؎ الحمد للہ جملہ مراتب طے ہو کر بحث اب مرکز پر آگئی ہے، کہ پوتا اپنے مرحوم باپ کا قائم مقام ہو کر چچا کے ساتھ وارث ہے، اس کا ثبوت نقلی یا عقلی دینا فریق ثانی کا فرض، ہم سبکدوش ہیں (ایڈیٹر)

چچا صاحب سے اولاد نرینہ نہیں ہے، اور ان کے تین چھوکری ہیں، میرے چچا کی وفات پر ان لڑکیوں کا رواج کے موافق کوئی حصہ نہیں ہے، اور ہمارے چچا صاحب کے چار بھائی ہیں، چچا کی وفات پر یہ زندہ بھائی اس کی جائداد کو آپس میں تقسیم کر لیتے، مگر میرے چچا نے مجھ کو گود لے لیا ہے، جیسا کہ ہمارے رواج ہے، کہ اگر اولاد نہ ہو، تو اپنے بھائیوں کی اولاد سے ایک کو اپنا بنا لیوے، جس کو اچھا سمجھے اپنے مزاج کے موافق بالکل اپنے بیٹے کی طرح رکھتے ہیں، اور اپنی کل جائداد اسی کے نام کرا دیتے ہیں، پھر اس جائداد پر نہ تو مرحوم کے بھائی قبضہ کر سکتے ہیں، نہ اس کی چھوکری قبضہ کر سکتی ہے، وہ بالکل اسی کی ہو جاتی ہے، اور میرے چچا نے مجھ کو گود لے رکھا ہے، اب ان کی وفات پر کل جائداد سے پھر حصہ اپنا لوں گا، اب آپ سے یہ دریافت کرتے ہیں، کہ آیا یہ جائز ہے یا کہ نہیں؟ اور نہیں ہے تو لکھیں کہ کس کس کا حق ہے، اور کتنا کتنا، اس زمین میں ماموں یا بہن یا چچا، آپا، کون کون حق دار ہیں، آپ پہلے مضمون کو پڑھ کر سوچ کر پورا تفصیل سے جواب دیں، پھر دوبارہ دریافت کرنے کی ضرورت نہ پڑے، اور میرے چچا نے زمین بہت سی گروی رکھی ہے اوروں کی، اور زمین والے مرحوم کی وفات پر روپیہ ادا کر کے اپنی زمین واپس لیویں، رواج کے موافق، تو میں روپیہ کا مالک ہوں، آپ سے دریافت ہے، کہ شرع کے موافق اس میں بھی سب کا حق ہے یا نہیں؟ روپیہ کچھ تو میری کمائی کا ہے، اور کچھ چچا صاحب کی کمائی کا، امید ہے، کہ جواب سے جلد مطلع فرماویں گے

(المرسل فیروز خاں سوار برکس ایجنٹ کابل)

ج متبنی بنانا شریعت میں منع ہے، جس کو اپنا بیٹا بنایا جائے، قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ "تمہارے لے پالک خدا کے نزدیک بیٹے نہیں ہیں" اس لئے لے پالک کو مثل وارث کے ترکہ نہیں ملتا، آپ کے چچا کے ترکہ کے وارث اس کے بھائی ہیں، ہاں آپ کے حق میں زیادہ سے زیادہ وصیت کی صورت ہو سکتی ہے، کہ اگر مرحوم آپ کے حق میں کچھ لکھ گیا ہے، تو ایک ثلث تک بطور وصیت کے آپ حقدار ہو سکتے ہیں، باقی میں سے لڑکیوں کے دو ثلث، باقی بھائیوں کا، جو آپ کی کمائی تھی، وہ آپ کا حق ہے۔

(اہلحدیث امرتسر ص ۱۲ ۲۴ رجنوری سنہ ۱۹۱۹ء)

مجھوت ہوتا اس عنوان پر مفصل بحث اور سوال و جواب پہلے کئی بار اہلحدیث میں ہو چکے ہیں سب سے اخیر دفعہ ۲۴ رجنوری کو ایک مراسلہ درج ہوا، اب پھر اسی مضمون کے مختلف مضامین آئے ہیں، جو طوالت میں حد اعتدال سے متجاوز ہیں، ہمارے رائے میں بات

بالکل مختصر ہے، جو درج ذیل ہے۔ دونوں فریق اس پر متفق ہیں، کہ بحکم آیت کریمہ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ قریب کی نسبت اقرب کا حق ہے، اس اتفاق کے بعد اب دیکھنا یہ ہے، کہ ایک شخص کے مرنے پر اس کی اولاد دو ہیں، ایک صلبی بیٹا، دوسرے بیٹے کا بیٹا یعنی پوتا، ان دونوں میں میت کی طرف اقرب کون ہے، فریق اول (یعنی جو لوگ صورت مرقومہ میں پوتے کو محروم کہتے ہیں) یہ کہتے ہیں، کہ صلبی بیٹا اقرب ہے، اس لئے وہی وارث ہوگا، دوسرا فریق کہتا ہے، پوتا بھی وارث ہوگا پس اس مختصر عنوان پر جو صاحب لکھیں گے، درج کیا جائے گا، اور کسی مزید قال اقول کی سامعین کو ضرورت نہیں ہے

(اہلحدیث امرتسر ۲ مئی ۱۱ رجمادی الاخری ۱۳۳۷ھ)

اہل سنت والجماعت کا متفقہ فیصلہ ہے، کہ ایسی صورت میں متوفی کے بیٹے وارث ہونگے اور پوتا محروم رہے گا، تاریخ کی متفقہ شہادت ہے، کہ صحابہ کرام بھی اس پر متفق تھے، ہاں بیٹوں کی عدم موجودگی میں پوتے کی وراثت میں کوئی خلجان نہیں (از مولانا حافظ محمد صاحب گوجرانوالہ)

(الاعتصام ۱۹ فروری ۵۴ء)

س:۔ زید نے نکاح کیا، جس سے ایک لڑکا ہوا، عورت انتقال کرگئی، زید نے دوسرا نکاح کیا، جس سے تین لڑکے اور دو لڑکیاں ہوئیں، پھر زید انتقال کرگیا، پھر زید کے انتقال کے بعد زید کا مال چار لڑکے اور دو لڑکیوں میں تقسیم ہوگیا، اور عورت کا حصہ بھی دیا گیا، زید کی دوسری عورت بھی انتقال کرگئی، اس کا مال متنازع ہے، اس صورت میں از روئے شرع زید مذکور کی پہلی عورت اور دوسری عورت کے لڑکے اور لڑکیوں کا دوسری عورت کے مال میں حصہ ہے، یا فقط دوسری عورت کے لڑکے اور لڑکیوں کا حصہ ہے۔

ج:۔ جو عورت فوت ہوئی ہے، اس کی اولاد وارث ہوگی، اس کی سوکن کی اولاد اس کی وارث نہ ہوگی۔ یوصیکم الله فی اولادکم　　(اہلحدیث امرتسر ۱۲ مئی ۲ جمادی الاول ۱۳۳۷ھ)

س:۔ زید کی عمر ۶ ماہ اور ہندہ کی عمر اڑھائی سال، جب ان کا والد بکر شروع سال ۱۹۰۳ء میں فوت ہوگیا، بالغ ہونے تک ہر دو وارثت بکر پر پرورش پاتے رہے، ۱۹۲۱ء کو ہندہ کی شادی کردی، بموجب رواج پارچات، زیور بطریقہ جہیز دیا، بعد ازاں ہندہ ۱۹۲۱ء سے ۱۹۳۱ء تک اپنے خاوند کے گھر پر تمام اخراجات، خرچ خوراک حاصل کرتی رہی، ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۸ء تک زید نے ہندہ کو وارث شرعی قرار دے کر ثلث حصہ اس کو دے دیا، قابل دریافت یہ امر ہے، کہ زید نے جو ۱۹۲۱ء

و ۱۹۳۱ء کے درمیان اس حصہ شرعی کے مطابق جائداد والد بکر سے حصہ نہیں دیا، اس عرصہ میں زید نے جائداد بھی پیدا کی، آیا زید اس جائداد میں سے بھی ہندہ کو ثلث حصہ دے، یا بکر ہی کی جائداد سے جو چھوڑ مرا تھا، یا ہندہ اتنے عرصہ کی آمدنی مع جائداد پیدا کردہ معاف کر دے، یا والد کی جائداد سے پورا حصہ لے لے۔

ج: ہندہ اسی دن سے وارث ہے، جس دن اس کا والد فوت ہوا، اس لئے زید کو چاہیے، کہ اس روز کے حساب سے جو ترکہ والد چھوڑ کر مر گیا تھا، اس میں سے تیسرا حصہ ہندہ کو دے، مثلاً زید و ہندہ کا والد تین ہزار روپیہ چھوڑ گیا تھا، اور متوفی پر کوئی قرضہ نہ تھا، اور نہ ہی اس نے وصیت کی تھی، تو ہندہ ایک ہزار روپیہ کی وارث ہے، جب کبھی زید ہندہ کو ایک ہزار روپیہ دے گا، اگر زمین و مکان ہے، تو ان کی آمدنی بھی مطابق حصہ ہندہ کے اتنے سالوں کی دی جاوے گی، یا ہندہ معاف کرے، یا زید ادا کرے، اللہ اعلم (اہلحدیث امرتسر ۱۳ مئی ۱۸ نومبر ۱۹۳۶ء)

س: اب مسماۃ ہندہ کا بھی انتقال ہو گیا، اور ہندہ لاولد ہے، ایک حقیقی خالہ اور دو حقیقی خالہ زاد بہنیں، اور ہی دونوں بہنیں حقیقی چچا زاد بہنیں ہوتی ہیں، اور دو حقیقی پھوپھی کی اولاد جن میں ایک پھوپھی کی اولاد میں ایک لڑکا ہے، دوسری پھوپھی کی اولاد میں دو لڑکے ایک لڑکی ہے، اور جس قدر نقدی و زیور ہندہ نے چھوڑا ہے، وہ عمر سے پہلے خاوند کا مہر ہے

ج: حسب فتوی علم وراثت ہندہ کے مال کے پانچ حصے ہوں گے، ایک حصہ حقیقی خالہ کو ملے گا، چار (دو، دو) ہر ایک پھوپھی کو ملیں گے، خالہ زاد بہنیں محروم (ملاحظہ ہو سراجی)

(اہلحدیث امرتسر ۷ مئی ۱۳/۲۰ جون ۱۹۱۳ء)

س: سوال ترکہ کے لئے ہے، رحیم بخش نے وفات پانے کے بعد دو لڑکے اور دو لڑکیاں چھوڑیں، تفصیل یہ ہے:

علی بخش ۱ نبی بخش ۲ ص ۳ (لڑکی) ح ۴ (لڑکی)

اس حادثہ کے بعد نبی بخش نے انتقال کیا، اور بعد انتقال بیوی و بڑی لڑکی و چھوٹی لڑکی مریں، نبی بخش کا حصہ کس کس کو تقسیم ہوگا، اور کس طور سے تقسیم ہوگا، مع ثبوت کے اپنے اخبار میں طبع کریں۔

ج: نبی بخش کے وارث، اس کی بیوی، دو لڑکیاں، بھائی اور بہن ہوں گے، آٹھواں حصہ بیوی کا، دو ثلث لڑکیوں کے، باقی بھائی علی بخش اور بہنوں کا، صورت درج ذیل ہے۔

مسئلہ ۲۲ / ۹۶

میت ــــــــــــ نبی بخش

بیوی	لڑکیاں	بھائی	بہن	بہن
۱۲/۱۲	۶۴/۱۶	۱۰	۵	۵

(اہلحدیث امرتسر ص ۲۵ ۲۲/۲۹ اگست ۱۹۱۳ء)

س:- ایک شخص نے اپنی بیٹی و داماد کو ترکہ کی صورت میں کچھ زمین دے کر راضی کیا تھا، دونوں بیٹی و داماد کھاتے رہے تھے، لیکن دینے والا انتقال کر گیا، اس وقت اس لڑکی کے بھائی نے وہی زمین اس کے ہاتھ سے چھین لی، اب وہ زمین صرف لڑکی کا حق ہو گا، یا بھائی کا بھی ہو گا؟

ج:- صورت مرقومہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ باپ نے لڑکی کو اراضی ہبہ کر دی تھی، اور قبضہ بھی کرا دیا، اس لئے وہ لڑکی کی ملکیت ہو گئی، اور اگر محض فائدہ اٹھانے کو دی تھی، اور ہبہ نہیں کی، تو باپ کے سارے ترکہ میں داخل رہ کر تقسیم ہو گی۔ (اہلحدیث ص ۹ ۳۰ مارچ ۳۴ء)

س:- خالد کی عین حیات میں اس کا لڑکا ملازم ہو گیا، اور اپنی کمائی خاص سے بہت سی جائداد خریدی، بعد وفات خالد کے لڑکی اپنے بھائی سے موجودہ جائداد سے اپنا پورا حق طلب کرتی ہے اور بھائی صرف اس قدر حصہ دینا چاہتا ہے، جو اس کی ملازمت سے پیشتر مال و متاع اور جائداد تھی، صحیح مسئلہ کیا ہے؟

ج:- رجسٹری پر فیصلہ ہو گا، باپ کے نام کی ہے، تو سب اولاد شریک ہو گی۔

(اہلحدیث امرتسر ص ۱۳ ۷ ستمبر ۱۹۳۴ء)

س:- چند اشخاص متفق ہو کر کیا کسی شخص کی خاص ملک زمین وغیرہ کو جبراً قہراً ظلماً از روئے شرع وقف کرا سکتے ہیں، اور اگر کوئی ظلم و زیادتی وغیرہ سے مجبور تنگ ہو کر یہ جبری وقف کر بھی دے، تو شرعاً ایسا وقف جائز ہے، یا ناجائز؟ اور ایسا کرنے والے از روئے شرع کس جرم کے مرتکب ہیں؟

ج:- دین کے کسی کام میں جبر جائز نہیں، لقولہ تعالیٰ لا اکراہ فی الدین۔

(اہلحدیث امرتسر ص ۱۳ ۱۰ مارچ ۳۹ء)

س:- کوئی شخص کسی خاص چند شروط کی بنا پر بغرض دفعیہ قضیہ فساد اپنی کوئی خاص ملک مسجد کے سوا جو احاطہ مسجد سے ملحق ہو، اگر وقف کر دے، اور اس کے بعد جن جن شروط کی بنا پر وقف تھا اس کا خلاف باطل عہد شکن ہو جائے، یعنی وہ فریق جو شرط کر چکا تھا، اپنے عہد کو توڑ دے تو وقف منسوخ یا باطل ہو جائے گا، یا بحال رہے گا؟

ج:- وقف کال اور محفوظ رہے گا، موقوف لہم حقدار نہ ہوں گے تا وقتیکہ شروط کی

پابندی نہ کریں (اہلحدیث امرتسر ص ۱۳، ۱۷ مارچ ۱۹۳۹ء)

س:۔ ایک چیز ایک مسجد خاص کے نام سے وقف اور رجسٹر بھی ہو گئی ہے، اگر کوئی شخص کہ جس کے پاس اس ملک وقف شدہ کے کاغذات وغیرہ اس کو معتمد سمجھ کر رکھ دیئے جائیں، اور پھر وہ شخص معتمد اس میں خائن ہو، یا ایسی ملک کو کسی دوسری مسجد یا مدرسہ وغیرہ میں اپنی خود غرضی، نام آوری ریاکاری کی غرض سے خرچ کرے، اور جس مسجد کے نام سے رجسٹر ہے جب اس مسجد کے والی اس سے اس ملک وقف شدہ کا حساب آمد و خرچ طلب کریں، تو حیلے حوالے کرے، اور اس کے غبن کی وجہ سے نت نئے فتنے برپا کرے، تو ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟

ج:۔ ایسے شخص کو تولیت سے علیحدہ کیا جا سکتا ہے، اس کی جگہ کوئی دیانتدار مقرر کیا جائے، اس کا فیصلہ کوئی منتظمہ جماعت ہو، تو کرے، یا جج سے کرایا جائے۔ اس کے سوا ناطق نہ ہو گا۔

(اہلحدیث امرتسر ص ۱۳، ۱۷ مارچ ۱۹۳۹ء)

س:۔ عمر نے انتقال کیا، اور ایک مکان اور ایک جوڑی کڑوں کی طلائی اور جو جائداد منقولہ غیر منقولہ چھوڑی، اور وارث دو لڑکے، ایک لڑکی پہلی بیوی کی چھوڑی، اور ایک زوجہ یعنی دوسری بیوی لاولد مسماۃ مذکورہ کو عمر متوفی نے اپنی حین حیات میں ایک وصیت نامہ بدیں مضمون تحریر کیا، کہ تاحین حیات مسماۃ ہندہ اس مکان میں رہے، اور بعد انتقال مسماۃ مذکورہ بالا کے دونوں لڑکے و لڑکی مالک مکان کے ہوں، تاحین حیات مسماۃ مذکورہ کسی وارث کو اختیار بیع و رہن کا نہ ہو گا، یہ وصیت نامہ جائز ہے یا نہیں؟ اور مسماۃ ہندہ زوجہ عمر کو اس مکان میں جو کہ لاولد ہے، حصہ وراثۃً مل سکتا ہے یا نہیں؟

ج:۔ مرحوم کو ایسی وصیت کرنی جائز نہیں، لہٰذا اس کی پابندی بھی ضروری نہیں، مسماۃ ہندہ کو اس مکان میں سے سولھواں حصہ یعنی فی روپیہ ایک آنہ ملے گا۔

(اہلحدیث امرتسر ص ۱۲/۳۰ جون ۱۹۱۳ء)

تشریح:۔ ورثار کی تعداد، ایک لڑکی، دو لڑکے پہلی بیوی سے اور ایک بیوی لاولد جس کی تصحیح

میت مسئلہ ۸ ن ۴۰

ابن	ابن	بنت	زوجہ
۱۴	۱۴	۷	۱/۵

عورت کا آٹھواں حصہ ہونا چاہیئے، روپیہ میں ۲ ر سولہواں حصہ روپیہ میں ۱ ر ٹھیک نہیں ہے

(عبدالرحمٰن البجوادی)

س:۔ زید نے اپنے لڑکے کو اس جرم میں گھر سے نکال دیا، کہ اس نے روزہ نماز ترک کی اور ہر قسم کے نشہ کا عادی تھا، بدفعلی اس کا ادنیٰ کرشمہ تھا، غرض جملہ خرابیوں کا مجموعہ تھا، اب عرض یہ ہے کہ ایسا لڑکا اپنے باپ کے مال کا وارث ہو سکتا ہے؟ والد اپنی زندگی میں بطور وصیت لکھ سکتا ہے؟ کہ جب تک ان فعلوں سے توبہ نہ کرے، اور نیک چلن اختیار نہ کرے، تب تک میرے مال کا وارث نہیں ہو سکتا، از روئے شرع شریف و قانون گورنمنٹ موجودہ کیا حکم ہے؟

ج:۔ اولاد جب تک مسلمان ہے باپ کی وارث ہے، بدفعلی یا فرمانی سے باپ کے انعامات خاصہ سے محروم ہو جائے گی، مگر وراثت سے نہیں، کیونکہ قرآن شریف میں وراثت کی بنا تعلق نسلی پر ہے، اگر احد الفریقین کافر ہوں، تو تعلق نسلی بمنزلہ معدوم کے ہو جاتا ہے، گورنمنٹ کا قانون مسئلہ وراثت میں شریعت کے ماتحت ہے　　(اہلحدیث ۲۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۶ھ صفحہ ۱۲)

س:۔ کسی نے سولہ برس سے پہلے ایک جامع مسجد کی عمارت کے لئے اندازاً پانچ بیگہ زمین کچھ رقم دے کر زمیندار سے لاخراج بنا کر خالصاً للہ ایک مسجد پختہ بنائی تھی، اور زمین مذکورہ متصل مسجد میں میوہ دار درختوں سے ایک باغ بنا کر مصلیوں اور مسافروں کے لئے للہ وقف کیا تھا، اس وقت نواسہ وقف کنندہ کہتا ہے، کہ سوائے مسجد پختہ کے جتنی زمین اور باغ ہے میرے قبضہ میں ہے، یہ سب وقف شدہ ہیں، دریں صورت نواسہ وقف کنندہ گنہ گار ہے؟ یا مصلیوں کا حق زائل ہو جائے گا؟ جواب از قرآن و حدیث ہو۔

ج:۔ وقف کا ثبوت اگر ہے، تو وقف ہے، تحریری ہو یا زبانی، پھر کسی کا انکار چنداں مضر نہیں،
(اہلحدیث امرتسر ۶؍ جمادی الاخریٰ ۱۳۴۶ھ صفحہ ۱۲)

تشریح:۔ کسی واقف نے یہ وصیت کی ہو، کہ آمدنی فلاں مکان موقوف یا فلاں دکان موقوف کی فلاں مسجد کے مصرف میں خرچ ہوتی رہے، تو کیا کسی وارث واقف یا حاکم یا متولی کو جائز ہے، کہ اس مکان یا دکان موقوف کی آمدنی کسی دوسری مسجد کے مصرف میں صرف کرے، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ ہرگاہ نص صریح واقف کی طرف سے یہ پائی گئی، کہ فلاں مکان موقوف یا فلاں دوکان موقوف کی آمدنی فلاں مسجد کے مصرف میں خرچ ہوتی رہے، تو بعدازاں کسی وارث واقف یا حاکم یا متولی کو یہ روا نہیں، کہ آمدنی اس مکان موقوف یا دکان موقوف کی کسی دوسری مسجد کے مصرف میں صرف کرے۔ شرط الواقف یجب اتباعه لقولهم شرط الواقف کنص الشارع کذا فی الاشباه والقنية والدر المختار وغيرها من كتب الفقه، وان اختلف

احدھما بان بنی رجلان مسجدین او رجل مسجدا ومدرسۃ ووقف علیھما اوقافا لا یجوز لہ ذلک کذا فی المختار یعنی اگر مختلف ہو اس طرح پر کہ دو شخصوں نے دو مسجدیں بنائیں، یا ایک شخص نے مسجد اور مدرسہ بنایا، اور دونوں پر اوقاف وقف کئے، تو حاکم کو یہ جائز نہیں کہ ایک کا محصول دوسرے پر صرف کرے، پھر جو کوئی خلاف نص موصی واقف کے کرے گا، وہ وعید میں اس آیت کریمہ کے فمن بدلہ بعد ما سمعہ فانما اثمہ علی الذین یبدلونہ داخل ہوگا، واللہ اعلم بالصواب - سید محمد نذیر حسین

(فتاوی نذیریہ جلد ۲ صفحہ ۱۲۳-۱۲۵)

س: - چار آدمی مسجد کے پاس بیٹھ کر تاش کھیلتے تھے، ایک پرہیزگار متقی نے انہیں منع کیا، کہ یہاں مت کھیلو، انہوں نے جواب دیا، یہ تو مسجد نہیں، جاؤ اس میں تمہارا کام نہیں، مسجد کے متولی نے بھی کھلاڑیوں کی تائید کی، درانحالیکہ وہ جگہ متصل مسجد ہے، یہ بھی ظاہر ہے، کہ متولی از وارث وقف کنندہ مرحوم متولی ہے، کیا یہ سب کھلاڑی اور متولی صاحب مجرم ہیں؟

ج: - تاش، جوا وغیرہ ہر جگہ منع ہے، مسجد کے پاس ہو یا دور، کھیلنے والوں کی تائید کرنا بھی گناہ ہے

(اہلحدیث امرتسر ص ۱۲ ۶ جمادی الاخریٰ ۱۳۴۶ھ)

س: - زید کے پاس تین قطعہ مکان ہے ایک قطعہ وہ وقف فی سبیل اللہ کرنا چاہتا ہے، کہ اس آمدنی اللہ کے کاموں، اور مسافروں اور فقیروں میں خرچ کی جائے، اور اس کا متولی یعنی منتظم اپنی اولاد میں سے کسی کو بنا دے، تو بنا سکتا ہے یا نہیں؟

اگر وہ اولاد یعنی جس کو متولی بنایا گیا ہے، خود محتاج ہے، تو وقف شدہ مکان کی آمدنی اپنے مصرف میں لا سکتا ہے یا نہیں؟

اگر زید قرضدار ہے، تو ایسی حالت میں یہ وقف جائز ہے یا نہیں، کہ بعد وفات زید کے زید کا قرضہ اسی مکان مذکورہ سے (یعنی جس کو وقف کرنا چاہتا ہے) ادا کیا جاوے، بعدہ وہ مکان وقف فی سبیل اللہ ہو۔

حدیث لا وصیۃ لوارث کے خلاف تو نہیں ہے، اور حدیث ترمذی ونسائی وغیرہ متعلق وقف لا جناح علی من ولیھا ان یاکل بالمعروف او یطعم صدیقہ غیر متمول فیہ کا کیا مطلب ہے، نیز زمانہ نبوی یا خلافت کے زمانہ میں وقف کا متولی یا منتظم کون ہوا کرتا ہے کیا حدیث میں اس کا کہیں ذکر ہے، کہ کسی نے اپنے بیٹے کو وقف کا متولی بنایا ہو، صاف صاف

تحریر فرمائیں۔

ج:۔ جتنا قرض ہے، اس کی ادائیگی مقدم ہے، قرض کے بعد جو بچے اس میں سے ثلث فی سبیل اللہ وقف کر سکتا ہے، اس وقف کا متولی اس کا بیٹا ہو سکتا ہے، اس کی نگرانی اور اصلاح کرے، تو اپنی محنت کا حق الخدمت لے سکتا ہے، بغیر اس کے وقف میں اس کا حق نہیں ہے سب سے مقدم قرض ہے، قرض وقف میں نہیں آئے گا، واللہ اعلم۔

(اہلحدیث امرتسر ص ۱۷، ۲۷ جنوری سنہ ۱۹۲۸ء)

س:۔ زید نے گاؤں سے باہر مگر قریب ایک قطعہ زمین عیدگاہ کے ارادہ سے وقف کیا اب وہ آبادی بڑھ جانے کے سبب وہ زمین بالکل گاؤں میں آگئی ہے، اور چاروں طرف اس کے آبادی ہے، اب عیدگاہ دوسری مقرر ہو گئی ہے، جو کہ پہلے بھی عیدگاہ تھی، یہ مستفسرہ عیدگاہ ایک نزاع کی صورت میں بنی تھی، وہ نزاع اٹھ جانے کے بعد پھر وہ پہلی عیدگاہ مقرر ہو گئی۔

اب سوال یہ ہے، کہ آیا وہ عیدگاہ جو آبادی میں آگئی ہے، وہ ویران ہے، مسجد بنائی جا سکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر بنالی گئی ہو، تو آیا اسے گرادیا جائے، یا بصورت مسجد استعمال کی جائے۔

ج:۔ عیدگاہ جو برائے نماز وقف ہو، وہ خود ایک مسجد ہے، اس کا مسجد بنانا یقیناً اپنے مصرف میں استعمال کرنا ہے۔ إِنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ ۔ اگر وہ حالت موجودہ میں استعمال کے لائق نہ ہو، تو گرا بھی سکتے ہیں جیسے اور مساجد حتی کہ خانہ کعبہ کو گرا کر بنایا گیا۔ اللہ اعلم

(اہلحدیث امرتسر ص ۱۳، ۲۷ ذیقعدہ سنہ ۱۳۴۶ھ)

س:۔ زید کے پاس تین قطعہ مکانات ہیں، وہ چاہتا ہے، کہ ایک ثلث یعنی ایک قطعہ مکان جس کی شرع نے اجازت دی ہے، اس شرط پر وصیت کرے، کہ اس کی وفات پر اس کی اولاد میں سے جو نادار، متبع شریعت اور پابند صوم وصلوٰۃ ہو اس مکان کا متولی ہو، اور کرایہ مکان سے زید کا قرضہ ادا کرنے کے بعد اپنے صرف میں لاوے، لیکن غنی اس سے مستثنیٰ ہے، پس شرعاً وقانوناً کیا ایسا وصیت نامہ بعد وفات زید قائم رہے گا یا نہیں؟ جواب مدلل ہو۔

ج:۔ حدیث شریف میں ہے، کہ وارث کے حق میں وصیت کرنا جائز نہیں، صورت مرقومہ میں وارث کے حق میں وصیت ہے، البتہ وصیت کا مضمون یوں بدل دے، کہ قرضہ زید ادا کرنے کے بعد باقی کوئی سبیل اللہ صرف کرے، تو جائز ہے، واللہ اعلم

(اہلحدیث امرتسر ص ۱۰، ۸ ذی الحجہ سنہ ۱۳۴۲ھ)

س: زید متوفی نے دو اولاد چھوڑیں، ایک دختر مسماۃ ہندہ اور ایک فرزند مسمی عمر، ان دونوں بچوں کی کفالت ان کی خالہ نے کی، ان دونوں بچوں کا ایک بھائی اخیافی ہے، مسمی بکر، پہلے مسماۃ ہندہ کی منگنی اس کے بھائی حقیقی عمر اور اخیافی بھائی بکر کی رضامندی سے ہوگئی، جب ہندہ کا نکاح جس شخص سے منگنی ہوئی تھی، ہونے لگا، تو اس کا اخیافی بھائی جو بوقت منگنی رضامند تھا، خارج ہوا، اب دریافت طلب یہ ہے، کہ اس کا حقیقی بھائی عمر اس کا نکاح کرا سکتا ہے یا نہیں؟ اور اس کو حق تولیت ہے یا نہیں، یا بکر کو حق تولیت حاصل ہے؟

ج: عمر کا حق تولیت مقدم ہے، کیونکہ وہ ہندہ کا عینی بھائی ہے، واللہ اعلم

(اہلحدیث امرتسر ص ۱۳ ۲۴ شعبان ۱۳۲۶ھ)

س: عید کی نماز بدوں بارش یا بدوں کسی عذر شرعی کے مسجد میں پڑھنے کا ثبوت اور عید کی نماز کے بعد چندہ کر کے، یا وقف کردہ زمین کے اخراجات سے کھانا تیار کر کے کھانا اور کھلانا، اور اس کو لازم و ضروری جاننا شرع میں جائز ہے یا نہیں؟

ج: بغیر عذر کے نماز عید بستی میں پڑھنی خلاف سنت ہے، چندہ اگر کھانے کے لئے ہے، تو اس کا کھانا کھلانا جائز ہے، اور اگر اور غرض کے لئے ہے، تو اسی غرض میں لگانا ضروری ہے، ایسا ہی وقف زمین بھی اگر دعوت مسلمین کے لئے موقوفہ ہے، تو اس کا کھانا کھلانا جائز ہے، اور اگر وہ کسی خاص غرض کے لئے وقف ہے، تو اسی غرض میں اس کو استعمال کرنا چاہیئے، اللہ اعلم

(اہلحدیث امرتسر ص ۱۲ ۴ ذی الحجہ ۱۳۲۶ھ)

مذاکرہ فی تحقیق المیراث

علمائے کرام! ہمارے سچے نبی کی سچی خبریں کتنی وہ ہیں جو پوری ہو چکیں، جن کو ہمارے کانوں نے سنا، اور کتنی ایسی ہیں جن کو ہماری آنکھیں دیکھ رہی ہیں، کچھ ایسی بھی باقی ہیں، جن کے وقوع کا لازوال یقین ہمارے دلوں میں مضمر ہے، آج سے تقریباً ساڑھے تیرہ سو برس پیشتر ہمارے ہادی صادق فداہ ابی وامی نے فرمایا تھا۔ یوشك ان یاتی علی الناس زمان لا یبقی من الاسلام الا اسمہ ولا یبقی من القران الا رسمہ مساجدھم عامرۃ وھی خراب من الھدی علمائھم شر من تحت ادیم السماء من عندھم تخرج الفتنۃ وفیھم تعود۔ جس کا صحیح نقشہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے، کتنے فتنے ہیں جن کو دنیا کی اس بدترین جماعت نے

اپنے حرص دہوا کے ایجاد کرکے عالم اسلام میں پھیلا کر مسلمانوں کے ایمان کو تباہ وبرباد کر ڈالا۔ سب سے بڑا فتنہ جس نے مسلمانوں کی اصل پونجی توحید اور تفقہ فی الدین میں آگ لگائی، علماء کا اپنے اسلاف کے اقوال کی تقلید کرنا ہے، یہی وہ اصل فتنہ ہے، جس سے مسلمانوں میں وہ غیر متزلزل مخالفت ومعاندت پیدا ہوئی، جو تمام مہلک بیماریوں، کمزوریوں اور ذلتوں کی مورث اور تحقیق معنی کی ہلاکت کے لئے کافی ہوئی۔

لیکن حسب فرمان نبی صادق صلی اللہ علیہ وسلم لا یزال طائفۃ من امتی ظاہرین علی الحق وبمقتضائے کلام الٰہی وقلیل من عبادی الشکور کے ہر زمانہ میں ایک تھوڑی جماعت ایسی قائم رہی جو حقیقی اسلام کی حلقہ بگوش ہو کر دین کی تجدید اور سنن نبویہ کا احیاء کرتی رہی الحمد للہ کہ ہندوستان کی قسمت بھی اس ربانی جماعت سے محروم نہیں۔

ہم آج اسی ربانی جماعت کے سامنے جو تحقیق حق والطال باطل کے دلدادہ ہیں، اس بات کے پیش کرنے کی جرأت کرتے ہیں، کہ بحمد اللہ اس جماعت کے تحقیق مسائل کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا ہے، لیکن باوجود اس کے علم الفرائض (جس کی شان نصف العلم ہونے کی ہے) کی تحقیق میں ہندوستان کے اندر کسی نے بھی قدم نہ رکھا، ذیل کی تحریر اس غرض سے پیش کی جاتی ہے، کہ یہ حقانی جماعت اس شاندار علم کی تحقیق کی برکت سے بھی محروم نہ رہے، اور کچھ افراد اس طرف بھی قدم بڑھائیں یہ ایک بڑے شرم کی بات ہے، کہ سراجیہ جیسی کتاب کو، جس کے مصنف نہ تو مستند محدث اور نہ اس کے مضامین مدلل بدلائل شرعیہ ہیں، ہم اس کو اپنے میراث کے فتووں کا مدار بنالیں، ہمارا خیال ہے، کہ اگر علمائے حقانی کی توجہ اس طرف نہ ہوئی، بلکہ وہی سراجیہ بلا تحقیق وتنقید مدار عمل رہا، تو شاید اتخذوا احبارھم الآیۃ سے خروج حاصل نہ ہو۔

اب ہم اصل مضمون کو اس امید کے ساتھ پیش کرتے ہیں، کہ حضرات علماء اس کو تحقیق وتنقید کی نظر سے دیکھیں گے، اور ان شاء اللہ اسی ذریعہ سے حق وصداقت کا ظہور ہو جائے گا، ہم اس عظیم الشان کو اسی لفظ سے شروع کرتے ہیں، جس لفظ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس علم کو شروع کیا،

قولہ تعالیٰ۔ یُوْصِیْکُمُ اللّٰهُ فِیْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَیْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ یعنی، مسلمانو! تمہارا اللہ اولاد کے حصوں کے بارے میں تم سے کہتا ہے، کہ لڑکے کو دو لڑکیوں کے حصے کے برابر دیا کرو، پھر اگر اولاد صرف لڑکیاں ہوں، اور وہ (دو یا) دو سے زیادہ ہوں، تو ترکہ میں ان کا حصہ دو تہائی ہوگا، اور اگر

ایک ہو تو آدھا ہے۔

نبیہ سے ہم اس بات پر بحث کرنا چاہتے ہیں۔ کہ آیت مذکورہ میں لفظ اولادِ کم کن افراد کو شامل ہے، ہمارے خیال میں چند دلائل مندرجہ ذیل ایسے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے، کہ پوتا پوتی کی طرح نواسہ، نواسی بھی اس آیت کے لفظ اولاد کم میں داخل ہیں۔

دوسری دلیل:۔ قولہ تعالیٰ وَحَلَائِلُ اَبْنَائِکُمْ اس آیت کے لفظ ابناء میں نواسہ بھی داخل ہے، یہی وجہ ہے، کہ پوتوں کی بیویوں کی طرح نانی کی بیوی بھی حرام ہے، جیسا کہ امام الائمہ امام بخاری نے اس طرف اشارہ کیا ہے، کیونکہ امام موصوف نے بعد بیان حلائل الابناء کے وسمی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابن ابنتہ ابنا لکھا ہے۔

تیسری دلیل:۔ قولہ تعالیٰ لَا جُنَاحَ عَلَیْهِنَّ فِیْ اٰبَآئِهِنَّ وَلَا اَبْنَآئِهِنَّ الخ باتفاق علماء لفظ "ابناء ھن" میں پوتا، نواسہ دونوں داخل ہیں۔

چوتھی دلیل:۔ امام بخاری کی وہ حدیث جو ابوبکرہ سے مروی ہے۔ ان ابنی ھذا حسن لعل اللہ یصلح بین فئتین عظیمتین بین المسلمین

پانچویں دلیل:۔ ابوداؤد کی وہ روایت جس کو بریدہ رضہ نے روایت کیا ہے۔ قال خطبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاقبل الحسن والحسین علیہما قمیصان احمران یعثران ویقومان فاخذھما فصعد بھما المنبر ثم قال صدق اللہ۔ انما اموالکم واولادکم فتنۃ۔ الحدیث۔

چھٹی دلیل:۔ قولہ تعالیٰ وَوَالِدٍ (آدم) وَمَا وَلَدَ (ذریۃ) اس آیت کے لفظ "ماولد" میں حضرت عیسیٰ داخل ہیں، جو آدم کے نواسہ ہیں۔

ساتویں دلیل:۔ حدیث مسلم کی انا سید ولد آدم ہے، اس حدیث میں بھی لفظ "ولد آدم" میں حضرت عیسیٰ داخل ہیں۔

تنبیہ:۔ پہلی چار دلیلوں سے یہ بات ثابت ہوئی، کہ لفظ ابناء و بنات (جو آیات مذکورہ بالا میں واقع ہے) نواسے دنواسیاں ہیں، اور یہ ظاہر ہے، کہ لفظ "اولاد" لفظ "بنات و ابناء" سے اعم واشمل ہے، اس لئے نواسے نواسیاں لفظ اولاد میں بطریق اولیٰ داخل ہوں گے، پچھلی تین دلیلوں سے صراحۃً نواسے نواسیاں کا لفظ اولاد میں داخل ہونا معلوم ہوتا ہے۔ پس اب ہم یہ دعوے کر سکتے ہیں کہ آیات میراث کے لفظ "اولاد" اور "ولد" میں بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسہ، نواسی یہ سب داخل ہیں۔

چند سوالات علمائے کرام سے

(۱) کیا کوئی ایسی مرفوع حدیث ہے، جو آیات میراث کے لفظ "ولد" سے نواسہ نواسی کی تخصیص پر دلالت کرتی ہو؟

(۲) کیا اقوال صحابہ وتابعین سے عموم قرآن کی تخصیص کی جا سکتی ہے؟

(۳) کیا بر تقدیر حدیث مخصص نہ ہونے، اور اقوال صحابہ وتابعین سے عموم قرآن کی تخصیص جائز نہ ہونے کے آیات میراث کے لفظ "اولاد" و "ولد" میں نواسہ نواسی کو داخل جاننا مسلمانوں پر فرض نہیں ہے؟

انشاء اللہ وراثت اولاد کی ترتیب مدلل بدلائل شرعیہ لفظ اولاد کی بحث ختم ہونے کے بعد پیش کی جائے گی۔ (حررہ محمد ایوب ملا مارکوئیس لین، مصری گنج۔ کلکتہ)

اڈیٹر آپ کے سوالوں میں ایک دو سوالوں کا اضافہ[1] میں بھی کرتا ہوں ایک شخص کی اولاد میں لڑکا، لڑکی، اور اس لڑکی کے بیٹے چار نواسے، کیا ان پر تقسیم حسب اولاد یوں ہوگی، کہ لڑکا اور چار نواسے ملا کر پانچ لڑکے، اور لڑکی ملا کر چھ اولادیں سمجھی جائیں گی تقسیم گیارہ پر ہو کر یوں تقسیم ہوگی۔

مسئلہ ۱۱

میت ——— زید

نواسہ	نواسہ	نواسہ	نواسہ	لڑکی	لڑکا

دوسری صورت یہ ہوگی، کہ ایک لڑکی، ایک لڑکا، اور اس لڑکے کے بیٹے چار پوتے، کیا ان سب کی نسبت یہ کہنا جائز ہے، کہ مرحوم کی اولاد چھ ہے، اور تقسیم یوں ہے۔

میت ——— زید

پوتا	پوتا	پوتا	پوتا	لڑکا	لڑکی
۲	۲	۲	۲	۲	۱

یہ سوال اس اصول پر ہے، کہ پوتے اور نواسے مثل بیٹے اور بیٹیوں کے اولاد سمجھے گئے، اگر یہ فرمادیں، تو نواسے ماں کی عدم موجودگی میں اولاد کی طرح وارث ہوں گے، تو عرض ہوگا، کہ پھر تو ان دو میں حقیقت مجاز کی نسبت ہے، تو چنداں اختلاف بھی نہیں، کیونکہ حقیقت کے وجود میں مجاز کو دخل نہیں ہے۔ فافہم۔ (اہلحدیث امرتسر ۲۶ مئی ۱۹۳۹ء ۱۸ شعبان المکرم ۱۳۳۲ھ)

س:۔ زید کی شادی ہو چکی ہے، ابھی برسر روزگار نہ تھا، سکول میں تعلیم پاتا تھا، کہ زید کے والد

[1] صرف اضافہ ہی نہیں، بلکہ سوالات بالا کا بہترین جواب ۱۲ (راز)

کا انتقال ہوگیا، اور انہوں نے مع زید پانچ لڑکے، تین لڑکیاں، ایک بیوی چھوڑی، تھوڑے عرصہ بعد زید کا بھی انتقال ہوگیا، زید نے اپنے بھائیوں، بہنوں، والدہ اور بیوی کے سوا کوئی اولاد نہیں چھوڑی، بعد انتقال زید اس کی بیوی اپنے والد کے ہمراہ برضا و رغبت برادران زید وغیرہ اپنے میکے چلی آئی، بوقت رخصت زید کے بھائیوں وغیرہ نے جو زیورات کہ زید کی بیوی کو اس کے سسرال میں ملے تھے، زید کی بیوی کے حوالے کردیئے،

اب سوال یہ ہے، کہ جو زیورات زید کی بیوی کو اس کے سسرال میں ملے تھے، زید کی بیوی اس کی واحد مالکہ ہے، یا زید کے بھائی بہن والدہ بھی اس میں حقدار ہیں؟

ج:۔ بوقت نکاح جو کچھ منکوحہ کو دیا جاتا ہے، شرع شریف میں وہ منکوحہ کی ملک ہے، وہ اس کی واحد مالکہ ہے، لیکن اگر ناکح کی برادری میں دستور ہے، کہ زیور وغیرہ محض استعمال کرنے کے لئے دیا جائے، جیسے امرت سر کی شیخ برادری میں دستور ہے، تو منکوحہ کی ملک نہیں ہوگا، اس صورت میں منکوحہ مالک نہ ہوگی، بہرحال برادری کے عرف عام کا اس میں لحاظ ہے، کیونکہ وہ بمنزلہ تنصیص کے ہے۔ (اہلحدیث امرتسر ۱۳ ۱۴ / جون ۱۹۳۵ء)

س:۔ دوسرا سوال یہ ہے، کہ زید متوفی کی بیوی اگر عقد ثانی کرلے، تو وہ اپنے خسر کی جائداد متروکہ سے (جس میں کہ ایک حقدار اس کا شوہر زید بھی تھا) اپنے دین مہر و نیز ترکہ پانے کی مستحق ہوگی، یا کہ نہیں؟ اگر ہوگی، تو کس قدر؟

ج:۔ زید متوفی کی بیوی نکاح ثانی کرے یا نہ کرے، اپنے خاوند کے حصہ پدری سے دین مہر اور ربع ترکہ لینے کی حقدار ہے۔ (اہلحدیث امرتسر ۱۳ ۱۴ / جون ۱۹۳۵ء)

اصلاح:۔ ۵ / محرم الحرام سنہ رواں فتوی غلط چھپ گیا ہے، صحیح یوں ہے (جزی اللہ المنبہ)

صورت مسئلہ

المیت مسئلہ ۱۲ / ۳ ۔۔۔ امینہ

خاوند	ماں	باپ	لڑکا	بھائی
عبدالکریم	ہندہ	زید	غفورخاں	محروم
	۲/۱۲	۲/۱۲	۵	

المیت مسئلہ ۶ ۔۔۔ معہ ۵ غفورخاں

نانی	باپ	نانا
۱/۵	۵/۲۵	زید محروم

الاحیاء

عبدالکریم	ہندہ	زید
	۱۷	۱۲

(اہلحدیث امرتسر ۱۳ / اپریل ۳۰ء)

س:۔ مسمیان محمد شریف و محمد حسین وولی محمد برادر حقیقی ہیں، مگر عرصہ سے الگ الگ ہیں، ساری چیزیں بجز کھیت کے منقسم ہو چکی ہیں، ایک کھیت کے متعلق مسمی ولی محمد بغیر رائے و مشورہ اپنے بھائیوں کے اسامی سے قبضے کا مقدمہ لڑے، ولی محمد ہار گئے، اور اسامی جیت گیا، ولی محمد بعدہ گھر سے اپنے سسرال چلے گئے، جہاں تقریباً ۱۴ برس رہے، ولی محمد نے سسرال پہنچ کر ایک معتبر شخص کی زبانی کہلا بھیجا، کہ محمد حسن بھائی اگر اپنا کچھ فائدہ دیکھیں، تو آگے مقدمہ لڑیں، ہم کو اب اس کھیت سے کوئی تعلق نہیں ہے، بعدہ محمد حسن نے کھیت مذکور کا مقدمہ بعدالت کمشنری تا ہائی کورٹ بعد خرچ زر کثیر کے جیت لیا، اور کھیت پر قبضہ دخل حاصل کر لیا، ولی محمد اب اپنے سسرال سے بعد ۱۴ برس کے آگئے ہیں، اور دعوے دار ہیں، کہ ہمارے مقدمہ کا خرچہ (جس کو ہار گئے تھے) دونوں بھائی دیں، مگر محمد حسن و محمد شریف عذر دار ہیں، کہ تم مشترکہ کھیت کا مقدمہ دائر کر کے بلا ہم لوگوں کے مشورہ کے ہماری ملکیت کھو بیٹھے تھے، اور بلا ہم لوگوں کی رائے کے تم کو مقدمہ داخل کرنے کا کوئی حق نہ تھا ہم دونوں ہرگز خرچہ دینے کے ذمہ دار نہیں، بلکہ مطابق تمہارے کہلا بھیجنے کے اس کھیت پر تمہارا کوئی حق نہیں ہے، اب سوال یہ ہے، کہ ولی محمد ہارے ہوئے مقدمہ کا خرچہ پانے کا مستحق ہے یا نہیں، حالانکہ دوران مقدمہ میں بھی کبھی تذکرہ نہیں کیا، اور اب کھیت پر اس کا حق بحال رہا یا نہیں؟

ج:۔ شراکتوں میں دو قسم کا طریقہ رائج ہے، ایک طریقہ تو یہ ہے، کہ ایک شخص جو مختار ہو یا شرکا میں سے بڑا ہو، وہ جو کام کرے، عدالتی اور عرفی طور پر دوسرے سب اس کے ذمہ دار سمجھے جاتے ہیں، دوسرا طریقہ یہ ہے، کہ ایک شریک کوئی کام کرتا ہے، دوسرے خاموش رہ کر اپنی رضامندی ظاہر کر دیتے ہیں، ان تینوں بھائیوں کا برتاؤ اگر ایسا ہی ہے، تو تینوں خرچ میں شریک سمجھے جائیں گے، اگر ان کا دستور العمل مشورے سے کام کرنے کا ہے، تو اکیلا ولی محمد خرچے کا ذمہ دار ہے، بہر حال ان کے سابقہ طرز عمل کو دیکھا جائے گا (اہلحدیث امرتسر ص ۱۳ ۲ اپریل ۱۹۳۷ء)

س:۔ زید کی بیوی ہندہ بیمار ہو کر اپنے ماموں کے مکان پر گئی، اس کی بیماری میں ہر قسم کا خرچ زید نے اٹھایا، لیکن کچھ عرصہ کے بعد ہندہ نے انتقال کیا، اس کی تجہیز و تکفین وغیرہ بھی سب زید نے کی، زید کا زیور جو ہندہ مرحومہ کے پاس تھا، اور کچھ پہنے ہوئے تھی، وہ سب کا سب ہندہ کے ماموں پاس رہا، اب زید ہندہ کے ماموں سے اپنا زیور طلب کرتا ہے، تو ہندہ مرحومہ کا ماموں کو جہیز طلب کرنے کا شرعاً حق ہے یا نہیں؟

ج:۔ ہندہ کی تمام ملکیت جہیز ہو یا مہر یا زیور بعد وفات ہندہ اس کا ترکہ ہے، جو شرعاً تمام ورثا میں

تقسیم ہوگا، اگر اولاد ہے، تو خاوند چوتھے حصہ کا مالک ہے، اولاد نہیں تو نصف کا وارث خاوند باقی دیگر وارثوں کو ملے گا جو شرعاً حقدار ہوں گے، ماموں کا مطالبہ صحیح نہیں ہے۔

(اہلحدیث امرتسر ص ۱۳ ۹ جولائی ۱۹۳۷ء)

س:۔ زید و بکر علاتی بھائی ہیں، والد فوت ہوا۔ جب کہ بکر خورد سال تھا، زید نے اس کی پرورش کی، اور شادی کی، مکان پدری کو زید نے اپنی کمائی سے پختہ تعمیر کیا، بلوغت پر بکر پختہ مکان کی حیثیت سے نصف قیمت اپنے حصہ کی طلب کرتا ہے لیکن زید قیمت اس قدر دینا چاہتا ہے، کہ جتنی حیثیت والد مرحوم کی وفات پر تھی، بکر نے اپنی کمائی سے کبھی ایک پیسہ زید کو نہیں دیا، شرعی فیصلہ کیا ہے؟

ج:۔ زید کا قول صحیح ہے، آیت قرآنی لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ الآیۃ میں والدین کے اس مال سے اولاد کو حصہ قرار دیا ہے، جو بوقت موت مورث چھوڑ جائے۔ اللہ اعلم

(اہلحدیث امرتسر ص ۱۳ یکم جنوری ۱۹۳۲ء)

س:۔ زید و بکر دو حقیقی بھائیوں کا ایک مکان ہے، وہ دونوں لاولد ہیں (یعنی اولاد نہیں) اب زید و بکر اپنی زندگی ہی میں اس مکان کو فروخت کر کے اپنی عورتوں کو اس میں سے جو کچھ ترکہ پہنچتا ہے دے دینا چاہتے تھے، لہٰذا از روئے شرع محمدی (موافق قرآن و حدیث) زید و بکر کی عورتوں کو کتنا پہنچتا ہے؟ مفصل جواب دیں۔

ج:۔ صورت مرقومہ میں دوسرے ورثا، نہیں بتلائے گئے یعنی باپ کے طرف سے یا ماں کی طرف سے کون کون ہیں یا نہیں، بہر حال اگر یہی صورت ہے، تو زید و بکر کی عورتوں کو مقررہ مہر کے علاوہ چوتھا حصہ ترکہ میں حق ہے

(اہلحدیث امرتسر ص ۱۳ ۲۶ اگست ۱۹۳۲ء)

س ۲۰۱:۔ زید و بکر کی مرحومہ بہن کے چھ یتیم بچے ہیں، ان کو تین تین کر کے ہر ایک بھائی نے متبنے کر لیا ہے، ان بچوں کو اس مکان کے ترکہ سے کتنا ملے گا، لڑکی اور لڑکے کو برابر حصہ ملے گا، یا لڑکی کو ایک حصہ اور لڑکے کو دو حصے؟

س ۲۰۲:۔ اگر زید و بکر کی وفات کے بعد مکان رہ جائے، تو اس میں سے مذکورہ یتیم بچوں کو کتنا حصہ پہنچے گا، اور زید و بکر کی عورتوں کو کتنا حصہ ملے گا؟

ج ۲۰۱ و ۲۰۲: متبنی ہونے کی وجہ سے تو ورثہ نہیں ہوتا، البتہ بہن کی اولاد ہونے کی وجہ سے ذوی الارحام میں بیویوں کو دے باقی ان کو ملے گا، لڑکی کو لڑکے سے نصف

(اہلحدیث ۲۶ اگست ۳۲ء)

س:۔ زید بکر اپنی عورتوں کے مہر کو اسی مکان کے روپیہ سے ادا کر دینا چاہتے ہیں، تو جتنا مہر نکاح کے وقت مقرر ہوا، اسی کو ادا کرنا پڑے گا، یا مہر میں کمی بیشی جائز ہے؟

ج:۔ مہر مقررہ میں اگر بتراضی فریقین کمی نہیں، تو مہر جو بوقت نکاح مقرر ہوا تھا، اللہ اعلم

(اہلحدیث امرتسر ۱۳ ۲۶ ر اگست ۱۹۳۲ء)

س:۔ زید نے اپنی وفات کے بعد تین لڑکے، ایک لڑکی اور ایک بیوی چھوڑی، اب اس کی جائداد اس کے وارثوں میں کیونکر تقسیم کی جائے؟

ج:۔ بیوی کو آٹھواں حصہ کل ترکہ سے ملے گا، باقی ترکہ کو سات حصص میں تقسیم کرکے دو دو حصے ہر ایک لڑکے کو، ایک حصہ لڑکی کو دیا جائے گا

المیت زید مسئلہ ۸

بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی
۱	۲	۲	۲	۱

(اہلحدیث امرتسر ۱۳ ۴ ار فروری ۱۹۴۱ء)

س:۔ زید نے اپنی وفات کے بعد تین لڑکے اور ایک بیوی چھوڑی، اب اس کی جائداد کس طرح اس کے وارثوں میں تقسیم کی جائے؟

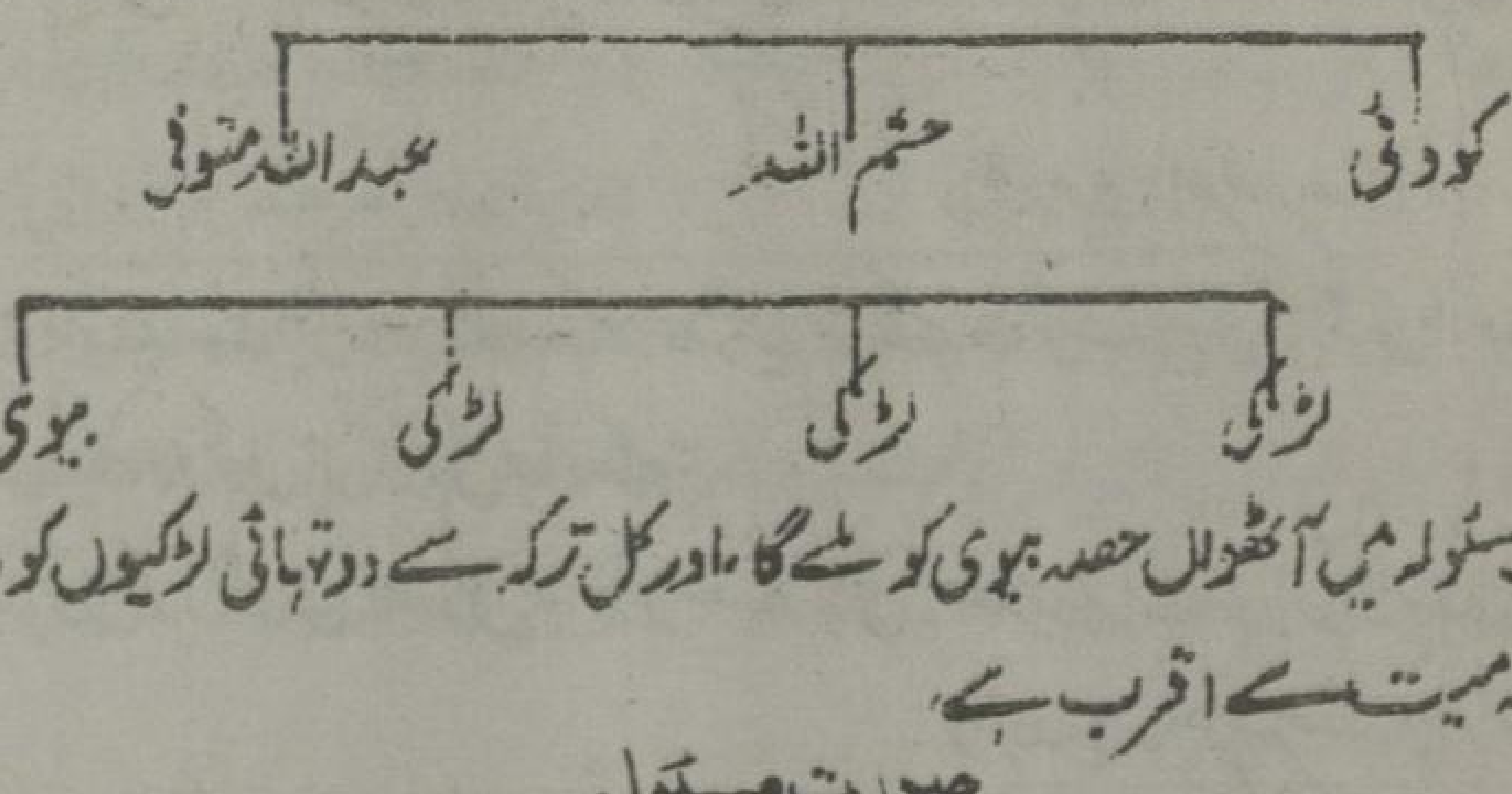
ج:۔ بیوی کو آٹھواں حصہ کل جائداد سے، باقی بحصہ برابر لڑکوں میں تقسیم ہوگی، اللہ اعلم

(اہلحدیث امرتسر ۱۳ ۴ ار فروری ۱۹۴۱ء)

س:۔ محبوب بخش نے پانچ اولاد چھوڑیں، عبدالحفیظ، ایک ہندہ، عبدالغنی، عبدالرحمٰن، محمد یاسین یہ چاروں بھائی ہمیشہ شامل شرکت میں رہے، اور وہ اپنے والد مرحوم کی رقم سے کاروبار کرتے رہے اور ابھی کر رہے ہیں، وہ مال اب تک تقسیم نہیں، اب ان میں سے عبدالحفیظ اور ان کی بیوی کا انتقال ہوا، اس نے ایک لڑکا چھوڑا، وہ اب تک لاپتہ ہے پچیس تیس سال سے، اس کے بعد ہندہ کا انتقال ہوا، اس نے ایک لڑکا اور شوہر چھوڑا۔ وہ اب تک حیات ہے، اس کے بعد عبدالغنی کا انتقال ہوا، بیوی اور ایک لڑکی چھوڑی، اس کے بعد بیوی کا انتقال ہوا، لڑکی حیات موجود ہے اس کے بعد عبدالرحمٰن کا انتقال ہوا، انہوں نے دو شادیاں کیں، پہلی بیوی نے ایک لڑکی چھوڑی، بیوی کا عبدالرحمٰن کی حیات میں انتقال ہوا، دوسری بیوی سے دو لڑکیاں چھوڑیں، اور بیوی حیات ہیں، اور محمد یاسین حیات موجود ہیں، اب مال کی تقسیم ورثا میں کس طرح ہوگی خط کشیدہ یعنی دختر عبدالغنی کی موجودہ ورثہ کی مستحق ہے یا نہیں، اگر ہے تو کتنا ہے؟

ج:۔ عبدالغنی کی وفات کے بعد اس کی بیوی کو مرحوم کے ترکہ کا آٹھواں حصہ ملے گا، اور زوجہ عبدالغنی کی وفات کے بعد اس کی وارث اس کی لڑکی یا دیگر ورثاء اگر ہوں تو عبدالغنی کے ترکہ سے نصف کی وارث ہوگی، اللہ اعلم (اہلحدیث امرتسر ۱۳ ۲۱ فروری ۱۹۳۱ء)

س:۔ عبداللہ اپنی جائداد چھوڑ کر مر گیا، ایک بیوی اور تین لڑکیاں، اور دو بھائی حشم اللہ، کودنی لیکن حشم اللہ، عبداللہ متوفی کا سگا بھائی جو ایک ماں باپ سے ہے، اور کودنی دوسری ماں سے ہے لیکن باپ تینوں کا ایک ہے، اب عبداللہ متوفی کی جائداد میں بہت سخت تنازعہ ہے، حشم اللہ کہتا ہے کہ میراث میں کودنی کا حق نہیں ہے کیونکہ وہ دوسری ماں سے ہے، باپ ہم تینوں کا ایک ہونے سے کیا ہوتا ہے، اور کودنی دعویدار ہے، کہ میراث میں میرا حق ہوتا ہے، کیونکہ ہم تینوں بھائی ایک باپ سے ہیں، ایسی صورت میں کودنی کو حق میراث پہنچتا ہے یا نہیں؟



ج:۔ صورت مسئولہ میں آٹھواں حصہ بیوی کو ملے گا، اور کل ترکہ سے دو تہائی لڑکیوں کو باقی ترکہ حشم اللہ کو ملے گا کیونکہ میت سے اقرب ہے۔

صورت مسئولہ

المیت ۲۴ عبداللہ مرحوم

بیوی	لڑکی لڑکی لڑکی	بھائی حشم اللہ	بھائی علاتی
۳	۱۶	۵	م

(اہلحدیث امرتسر ۱۳ ۲۵ اپریل ۱۹۳۱ء)

س:۔ بکر کے پاس مبلغ پانچ صد روپیہ نقد موجود ہے، وہ تقسیم کرنا چاہتا ہے، اور اس کی اولاد تین لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں، اور کوئی کسی قسم کا وارث نہیں، اور نہ ہی اپنا حصہ رکھنا چاہتا ہے، تو مبلغ مذکورہ سے تین لڑکوں کو کتنا ملتا ہے، اور دو لڑکیوں کو کتنا، جواب تحریر فرمایئے۔

ج:۔ جملہ جائداد کے آٹھ حصے کرکے چھ حصے لڑکوں کو، اور دو حصے لڑکیوں کو دیئے جائیں، اللہ اعلم

(اہلحدیث امرتسر ۱۳ ۲۳ مئی ۱۹۳۱ء)

س:۔ ایک شخص نے اپنی بیٹی و داماد کو ترکہ کی صورت میں کچھ زمین دے کر راضی کیا تھا، دونوں بیٹی داماد کھا رہے تھے، لیکن دینے والا انتقال کر گیا، اس وقت لڑکے کے بھائی نے وہی زمین

اس کے ہاتھ سے چھین لی، اب وہ صرف لڑکی کا حق ہوگا، یا بھائی کا بھی ہوگا؟

ج:۔ صورت مرقومہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ باپ نے لڑکی اراضی ہبہ کر دی تھی، اور قبضہ بھی کرا دیا، اس لئے وہ لڑکی کی ملکیت ہوگئی، اور اگر محض فائدہ اٹھانے کو دی تھی، اور ہبہ نہیں کی، تو باپ کے سارے ترکہ میں داخل ہو کر تقسیم ہوگی۔ (اہلحدیث امرتسر ص۹ ۳ مارچ ۱۹۳۴ء)

س:۔ زید فوت ہوا، اور تین لڑکے چھوڑ گیا، دو بھائیوں نے ایک کے ساتھ بے انصافی کی اور پورا حق نہ دیا، وہ ناراض ہو کر دوسری جگہ چلا گیا، اور وہاں جا کر کسب حلال سے شادی بھی کرائی، جائداد بھی پیدا کی، پھر دو عورتیں اور تین لڑکیاں چھوڑ کر مر گیا، اب وہ دونوں بھائی اپنے فوت شدہ بھائی کی وراثت طلب کرتے ہیں، کیا متوفی کی جائداد میں بھائیوں کو حق پہنچتا ہے، جب کہ اس کی دو بیویاں، اور تین لڑکیاں موجود ہیں۔

ج:۔ متوفی کی جائداد میں سے آٹھواں حصہ دونوں بیویوں کو، اور دو ثلث تینوں لڑکیوں کو تقسیم ہو کر باقی جائداد کے وارث اس کے بھائی ہیں (اہلحدیث امرتسر ص۱۳ ۸ جون ۱۹۳۴ء)

س:۔ زید کی بیوی دو ماہ کا بچہ چھوڑ کر مر گئی، زید نے لڑکا بغرض پرورش اپنے بھائی کو دے دیا اب وہ لڑکا ۹ سال کا ہے، اور زید کا بھائی فوت ہو گیا ہے، زید کہتا ہے، کہ میرا لڑکا میرے بھائی کا وارث ہے کیا از روئے شریعت وہ لڑکا حقدار ہے؟

ج:۔ زید کا لڑکا اس کے بھائی کا وارث نہیں ہو سکتا، متوفی کی صلبی اولاد نہیں ہے، تو زید اس کا عصبہ وارث ہے، زید کا بیٹا وارث نہیں، اللہ اعلم (اہلحدیث امرتسر ص۱۳ ۸ جون ۱۹۳۴ء)

س:۔ خالد کی عین حیات میں اس کا لڑکا ملازم ہو گیا، اور اپنی کمائی خاص سے بہت سی جائداد خرید کی بعد وفات خالد کے لڑکی اپنے بھائی سے موجودہ جائداد سے اپنا پورا حق طلب کرتی ہے، اور بھائی صرف اس قدر حصہ دینا چاہتا ہے، جو اس کی ملازمت سے پیشتر مال و متاع اور جائداد تھی، صحیح مسئلہ کیا ہے

ج:۔ رجسٹری پر فیصلہ ہوگا، باپ کے نام کی ہے، تو سب اولاد شریک ہوگی،

(اہلحدیث امرتسر ص۱۳ ۷ ستمبر ۱۹۳۴ء)

س:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین، از روئے شرع شریف،

(۱) عبدالرحیم فوت ہوا، اس نے زوجہ اولیٰ سے صرف ایک دختر مسماۃ فاطمہ، اور زوجہ ثانیہ سے پسر عبدالصمد و پسر عبدالرشید، دختر مسماۃ سونا، و دختر مسماۃ زینب عرف انجیاں وارث چھوڑے۔

(۲) عبدالصمد کا انتقال ہو گیا، اس نے ہمشیرہ مسماۃ فاطمہ، جو کہ دوسری ماں سے پیدا ہے، اور عبدالرشید

برادر حقیقی و مسماۃ سونا حقیقی و مسماۃ زینب عرف انجیاں ہمشیرہ حقیقی اور ایک زوجہ مسماۃ سکینہ لاولد وارث چھوڑے

(۳) عبدالرشید کا انتقال ہوگیا، اس نے فاطمہ ہمشیرہ جو کہ دوسری والدہ سے ہے، مسماۃ سونا ہمشیرہ حقیقی و مسماۃ زینب عرف انجیاں ہمشیرہ حقیقی اور زوجہ اولیٰ مسماۃ خاتون بعہد طفولیت بلا خلوت صحیحہ، اور زوجہ ثانیہ مسماۃ سکینہ، اور دختر مسماۃ ہاجرہ اور نذیر احمد برادر تایازاد و علی محمد برادر تایازاد، و مسماۃ مریم ہمشیرہ تایازاد و مسماۃ سکینہ ہمشیرہ تایازاد وارث چھوڑے، مگر وجوہات یہ ہیں، کہ عبدالرشید کا نکاح مسماۃ خاتون سے ہوا تھا، اس وقت دونوں زوج و زوجہ نابالغ تھے، وقت نکاح زیور دیا گیا تھا جو اب تک مسماۃ خاتون کے قبضہ میں ہے، مسماۃ خاتون اب تک نابالغ اور وہ اپنے مکان والدین پر ہے، اس سے خلوت صحیحہ نہیں ہوئی، اور جب عبدالرشید بالغ ہوگیا، تب اس نے مسماۃ زوجہ مسماۃ سکینہ کے ساتھ عقد ثانی کر لیا، اور از نکاح تا وفات زیور بالکل نہیں دیا تھا۔

سوال:- جس قدر زیور مسماۃ خاتون کو دیا تھا، اس قدر مالیت متروکہ عبدالرشید سے پہلے لینا واجب ہے یا نہیں؟

سوال:- مسماۃ خاتون کے زیور کی قیمت مسماۃ خاتون کے مہر میں کم کرنا واجب ہے یا نہیں؟

سوال:- مسماۃ خاتون کا دین مہر ایسی حالت میں واجب ہے یا نہیں، اگر واجب ہے تو کس قدر؟

سوال:- جملہ ورثاء کو ترکہ شرعی کس قدر پہنچا، بلحاظ واقعات

تقسیم ترکہ

میت عبدالرحیم متوفی — مسئلہ ۸/ ۳۲/ ۶۴ / ۲۵۶

زوجہ زوجہ	بیٹا عبدالصمد	بیٹا عبدالرشید	بیٹی فاطمہ	بیٹی سونا	بیٹی زینب
۱/۸ — ۳۲	۲	۲/۶	۱/۸ — ۳۲	۱/۸ — ۳۲	۱/۸ — ۳۲

(۲) میت عبدالصمد متوفی۲ — مسئلہ ۴/ ۱۶

زوجہ سکینہ	اخ عبدالرشید	سونا بہن	زینب بہن	فاطمہ علاتی بہن
۱/۴ — ۱۶	۶	۳/۱۲	۳/۱۲	محروم

(۳) میت عبدالرشید متوفی۲۲ — مسئلہ

زوجہ ۲ زوجہ	لڑکی ہاجرہ	اخت حقیقی آنکس سونا۔ زینب	فاطمہ اخت علاتی	چچازاد بھائی	بھتیجی
۱/۱۱	۲/۴۴	۳/۳۳	م	م	م

الاحیاء — المبلغ

فاطمہ	سونا۔ زینب	۲ زوجہ عبدالرحیم	سکینہ زوجہ عبدالصمد	سکینہ خاتون دو زوجہ عبدالرشید	ہاجرہ
۳۲	(ہر)	۳۲	۱۶	۱۱	۴۴

(اہلحدیث امرتسر ۳ اکتوبر سنہ ۱۹۳۲ء)

تشریح مسئلہ ۸ | ٦٤ | ٥١٢

میت عبدالرحیم

زوجہ	زوجہ	ابن	ابن	بنت	بنت	بنت
		عبدالصمد	عبدالرشید	فاطمہ	سونا	زینب
١/٨			٢	١/٦٤	١/٦٤	١/٦٤
٣٢	٣٢	٢	١٦	٦٤	٦٤	٦٤

مسئلہ ٤ | ١٦ توافق بالنصف

میت عبدالصمد مافی الید ٢

زوجہ سکینہ	اخ عبدالرشید	اخت سونا	اخت زینب	اخت لاب
١/٤	(٦)	٣	٣	فاطمہ
٣٢		٢٤	٢٤	م

مسئلہ ۸ | ٤ | ١٦ توافق بالنصف

میت عبدالرشید مافی الید ٢٢

زوجہ	زوجہ	بنت	اخت	اخت	اخت علاتی	چچازاد بھائی	بھنیں
		ہاجرہ	سونا	زینب	فاطمہ		
١/٢		١/٢	٣	٣			
١١	١١	٨٨	٣٣	٣٣	م	م	م

المبلغ

الاحیاء

زوجہ عبدالرحیم	زوجہ عبدالرحیم	فاطمہ	زینب	سونا	سکینہ زوجہ عبدالصمد
٣٢	٣٢	٦٤	١٢١	١٢١	٣٢
زوجہ عبدالرشید	زوجہ عبدالرشید	ہاجرہ			
١١	١١	٨٨			

واضح ہو، کہ سکینہ کو پہلے شوہر عبدالصمد سے ٣٢ دوسرے شوہر عبدالرشید سے ١١ جملہ ٤٣ تیتالیس۔ (عبدالرحمٰن البجوادی)

س:۔ ایک قطعہ اراضی جامع مسجد کے ساتھ وقف ہے، اور مدت سے اس کی آمدنی مسجد پر خرچ ہوتی چلی آئی ہے، اب ایک شخص اس کو ایک غیر مسلم کے قبضہ میں دینا چاہتا ہے، ایک شخص نے روکا تو اسے بھی زد و کوب کیا، ایسے شخص اور اس کے معاونین کے لئے کیا حکم ہے؟

ج:۔ سوال میں صرف یہ ذکر کیا ہے، کہ آمدنی مسجد پر صرف ہوتی ہے، یہ نہیں بتایا، کہ زمین مذکورہ اصل مالک نے وقف کی تھی یا نہ؟ جب تک وقف کا ثبوت نہ ہو، محض آمدنی کا مسجد پر خرچ ہونا ثبوت وقف نہیں، سوال کا یہ فقرہ یہ زمین فی الواقع مسجد کی ہے تشریح طلب ہے، اس سے مراد اگر موقوفہ للمسجد ہے، تو شخص مذکور ظالم و غاصب ہیں، اور اگر اس کے یہ معنی ثابت ہوں، کہ منافع کے لحاظ سے مسجد کی ہے، تو پھر اور حکم ہوگا، بہر حال ثبوت وقف ہونا چاہیئے۔ اللہ اعلم

(اہلحدیث امرتسر ١٣ ١٢ اکتوبر ١٩٣٤ء)

س:۔ مسجد کے لئے اپنی جائداد کو کوئی مسلمان وقف کر سکتا ہے یا نہیں؟

ج:۔ جائداد وقف کرنا مسجد کے لئے ہو، یا کسی اور غرض کے لئے جائز ہے، اللہ اعلم۔
(اہلحدیث امرتسر ص ۱۳، ۱۵ر ذی قعدہ ۱۹۳۳ء)

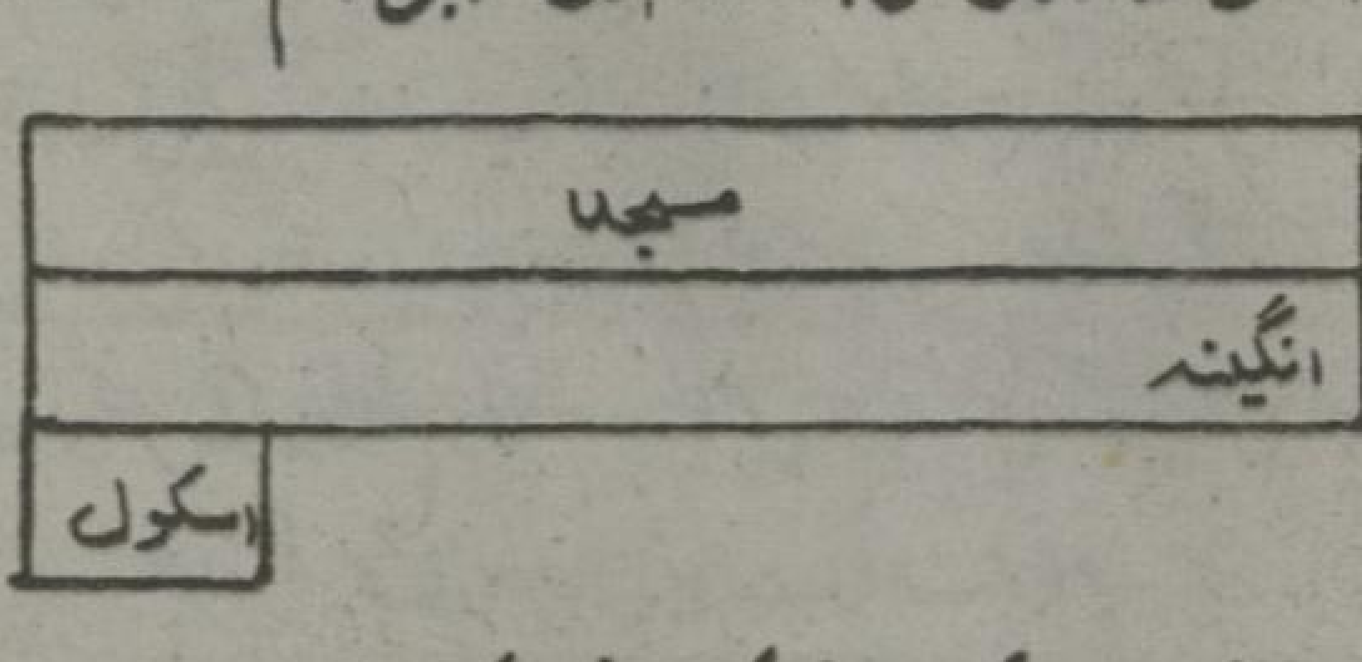
س:۔ پرانی مسجد جو کبھی مسلمانوں کے زمانہ آبادی میں آباد تھی، اور اب کھنڈر دکھائی دیتی ہے اور سرکاری قبضہ میں ہے، اس کے گرد ونواح میں اب ہندو آباد ہیں، مسلمانوں کو اگر سرکار مسجد موصوف دے دے، تو کیا مسلمان اس جگہ کو فروخت کرکے اس کی قیمت سے اپنے محلہ میں مسجد بنوا سکتے ہیں یا کہ نہیں؟

ج:۔ مسجد وقف چیز ہے، اس کی فروخت جائز نہیں، سرکار بطور خود اس کے عوض کوئی زمین دے دے، تو اسے کرلے مسجد بنالیں لیکن اس پرانی مسجد پر بیع کا لفظ نہ آئے، کیونکہ مسجد کی بیع، رہن جائز نہیں
(اہلحدیث امرتسر ص ۱۳ یکم جون ۱۹۳۴ء)

س:۔ اولیاء اللہ کے نام پر کوئی زمین سرکار سے ملی ہے، اور ہر سال کچھ نہ کچھ غلہ آتا ہے، تو اس میں سے کھانے کے لئے کیا حکم ہے؟ مدلل جواب فرمائیں۔

ج:۔ یہ زمین اگر کسی ولی یا قبر کے نام پر وقف ہے، تو بحکم ما اھل لغیر اللہ بہ حرام ہے، اور اگر آنے[1] جانے والوں کے فائدہ کے لئے وقف ہے، تو متولی یا محافظ اپنی خدمت کا عوض لے سکتا ہے۔
(اہلحدیث امرتسر ص ۱۳، ۱۸ر مئی ۱۹۳۴ء)

س:۔ زید نے بقدر مسجد تھوڑی سی جگہ مسجد کے لئے وقف کی تھی، اور مسجد بھی بنالی گئی، اور جمعہ اور وقتیہ نمازیں ادا ہو رہی ہیں، فی الحال مسجد کے شمالی انگینہ کے کچھ حصہ اور باہر کے کچھ اسکول بنایا گیا اور بنگالہ، انگریزی تعلیم دیا جاتا ہے، زید کہتا ہے، کہ اسکول دوسری جگہ لے جاؤ، کیونکہ یہاں جگہ تنگ ہے اور بچوں کے پڑھنے کے شور وغل سے مصلیوں کی نمازیں نقصان ہوگا، البتہ اگر دینی تعلیم ہو تو میں راضی ہوں، اب بکر کہتا ہے، کہ جب تم نے جگہ کا دعوے کیا، تو نماز نہیں ہوگی، زید نے جواباً کہا، کہ ہم نے جگہ کا دعوے نہیں کیا، بلکہ نگران اور خواہاں اس بات کا ہوں، کہ جس کام کے لئے وقف کیا گیا ہو وہی کام اس میں ہو۔



ج:۔ سوال سے معلوم ہوتا ہے، کہ وقف کنندہ نے سکول بننے کے وقت اعتراض نہیں کیا، اس لئے

[1] آنے جانے والوں کو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تشد الرحال الخ بھی محفوظ رکھنی چاہیے ۱۲

اب وہ شور وغل سے منع کر سکتا ہے، مگر اسکول اٹھانے کا مجاز نہیں، اللہ اعلم۔

(اہلحدیث امرتسر ۱۳ ۹ر اگست ۱۹۴۰ء)

س:۔ زید پانچ بھائی تھے، مگر تین بھائی فوت ہوگئے، اس وقت دو بھائی موجود ہیں، ہر ایک بھائیوں میں جدائی سے اوقات بسر ہوا، ہر ایک الگ الگ مکان میں رہتے تھے، اور الگ الگ ہی کماتے اور اوقات بسر کرتے تھے، اس وقت فوت شدہ بھائی کے دو دو لڑکے ہیں، وہ بھی الگ ہی کماتے اوقات بسر کرتے ہیں، اور زید کے اس وقت کوئی اولاد نہیں ہے، صرف ایک بی بی اور دو لڑکی ہیں، زید کا منشا ہے، کہ جتنی جائداد ہے، بالکل میری حاصل کردہ ہے، وہ سب جائداد ہم اپنے والدہ یا لڑکی کے نام سے ہبہ کر دیں، تو ایسا کرنا زید کو چاہیئے یا نہیں، یا یہ کہ ہر ایک کا حق پہنچتا ہے، تو کس کو کتنا دینا چاہیئے، ہر ایک کا حصہ تفصیل وار بیان کریں۔

ج:۔ زید کے وارث لڑکیاں، بیوی اور بھائی بھی ہیں، لڑکیاں دو ثلث اور بیوی ثمن (آٹھواں) ایک روپیہ میں سے قریبا ساڑھے بارہ آنہ ان کے ہیں، باقی ساڑھے تین آنہ بھائیوں کے۔

(اہلحدیث امرتسر ۱۳ ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ)

س:۔ زید بکر برادران حقیقی ۔ زید .... بکر

خالد ۔ عمرو ۔ فاطمہ ۔ زینب ۔ کلثوم   شیرو

پسر   پسر   پسر

مونا   بتول   ہاجرہ   علی

زوجہ   زوجہ   دختر   پسر

واضح ہو کہ پہلے زید مرا، بعدہ خالد مرا، بعدہ مونا مری لاولد و لاوارثہ بعدہ بکر مرا، بعدہ شیرو مرا بعدہ فاطمہ و زینب و کلثوم دختران زید کے بعد دیگرے فوت ہوگئیں، لیکن ان کے ورثاء موجود ہیں لہذا اب زید کا ترکہ کس قدر فاطمہ و زینب و کلثوم کے ورثاء کو، اور کس قدر بتول و ہاجرہ و علی کو پہنچے گا

(راقم یکے از خریدار اہلحدیث)

ج:۔ زید کے وارث زید کی اولاد اور بکر کے وارث بکر کی اولاد۔ زید کے بعد زید کا ترکہ اس کی اولاد خمسہ میں تقسیم ہوگا۔ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ، خالد پسر زید کا ترکہ اس کے بھائی بہنوں اور بیوی پر تقسیم ہوگا، بیوی کو چوتھا حصہ، باقی بھائی بہن کا ہوگا، باقی جس کا کوئی وارث ہوگا، وہ لے گا، جس کسی شخص کا حصہ معلوم کرنا ہو، اس کا سلسلہ تقدیم و تاخیر تفصیل سے تبلایا چاہیئے۔ (۲۳ رجادی الاخری ۱۳۲۸ھ)

س:۔ ایک شخص بہت مالدار اور جائداد والا ہے، اور اس کی اولاد نہایت خراب یعنی لچے و بدکار،

ہیں، اب وہ شخص اپنی جائداد وقف علی الاولاد کرنا چاہتا ہے، اس خوف سے کہ جائداد مذکورہ میری اولاد تقسیم نہ کرے (خلیل الرحمٰن بنگالی)۔

ج:۔ وقف علی الاولاد کر سکتا ہے، ہر وارث کے لئے منافع میں اس کے حصہ کے مطابق حصہ رکھے، مگر سرکاری قانون میں یہ وقف نافذ نہ ہوگا، مسلمانوں نے سرکار کو اس کے متعلق توجہ دلائی ہے امید ہے، منظور ہو جائے گا۔ (اہلحدیث ۳۱ جنوری ۱۹۱۳ء)

س:۔ زید دو زوجہ و شش پسر و پنج دختر نہادہ انتقال کرد، اکنوں تقسیم مورث مذکور چہ باشد بالتفصیل فرض ہر یک ممنون و مشکور فرمائید۔

ج:۔ زوجہ بر دو ثمن یعنی فی روپیہ دو آنہ خواہند گرفت باقی پسرہا و دخترہا باہمی للذکر مثل حظ الانثیین گیرند یعنی یک یک فلوس دختر را بمقابلہ آں دو فلوس پسر را بطریق علم الفرائض صورت مسئلہ چنیں باشد۔

میت ــــ زید

زوجہ ۲	پسر ۶	دختر ۵
فی کس ۵۱	فی کس ۸۴	فی کس ۴۲

(اہلحدیث ۸ رسوال ۱۳۳۰ھ)

س:۔ عمر نے انتقال کیا، اور ایک مکان اور ایک جوڑی کڑوں کی طلائی اور جو جائداد منقولہ غیر منقولہ چھوڑی، اور وارث دو لڑکے، ایک لڑکی پہلی بیوی کی چھوڑی، اور ایک زوجہ یعنی دوسری بیوی لاولد مسماۃ مذکور کو عمر متوفی نے اپنی حین حیات میں ایک وصیت نامہ بدیں مضمون تحریر کیا، کہ تاحین حیات مسماۃ ہندہ اس مکان میں رہیں، اور بعد انتقال مسماۃ مذکورہ بالا کے دونوں لڑکے و لڑکی مالک مکان کے ہوں، تاحین حیات مسماۃ ہندہ کسی وارث کو اختیار بیع درہن کا نہ ہوگا، یہ وصیت نامہ جائز ہے یا نہیں اور مسماۃ ہندہ زوجہ عمر کو اس مکان میں جو کہ لاولد ہے حصہ وراثۃً مل سکتا ہے یا نہیں؟

(راقم نیاز الدین، از آگرہ)

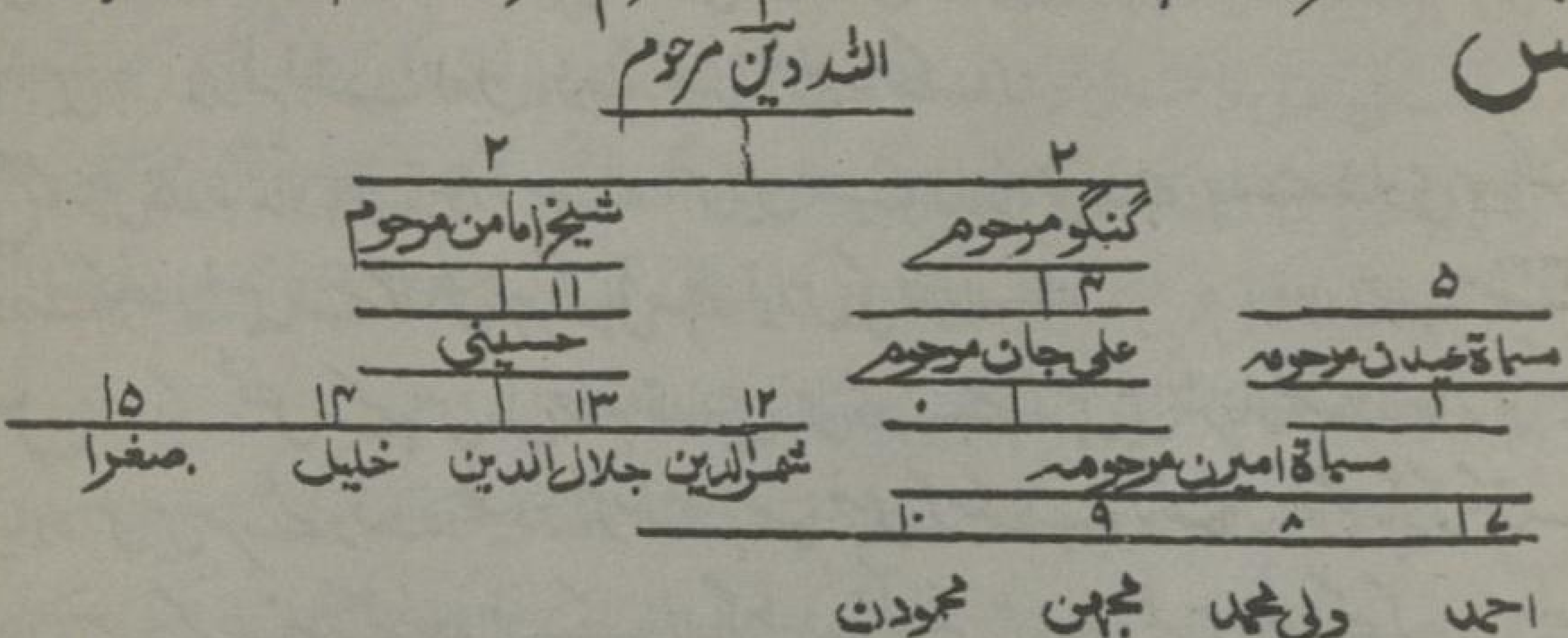
ج:۔ مرحوم کو ایسی وصیت کرنی جائز نہیں مسماۃ ہندہ کو اس مکان میں سے سولہواں حصہ یعنے فی روپیہ ایک آنہ ملے گا

س:۔ اب مسماۃ ہندہ کا بھی انتقال ہوگیا، اور ہندہ لاولد ہے، ایک حقیقی خالہ اور دو حقیقی خالہ زاد بہنیں موتی ہیں، اور دو حقیقی پھوپھی کی اولاد جن میں ایک پھوپھی کی اولاد میں ایک لڑکا ہے، دوسری پھوپھی کی اولاد میں سے دو لڑکے ایک لڑکی ہے، اور جس قدر نقدی و زیور ہندہ نے چھوڑا ہے، وہ عمر سے

خاوند کے مہر کا ہے؟

ج:۔ حسب فتوی علم وراثت ہندہ کے مال کے پانچ حصے ہوں گے، ایک حصہ حقیقی خالہ کو ملے گا چار (دو، دو) ہر ایک پھوپھی کو ملیں گے. خالہ زاد بہنیں محروم (سراجی ملاحظہ ہو) (۱۳ رجون ۱۹۱۳ء)

س



احمد ولی محمد مجہن محمودن

مرحوم جان علی، اور شیخ امامن مرحوم دونوں نے مل کر مشترکہ روپیہ سے ایک جائداد خریدی، کچھ زمانہ گذرنے کے بعد جان علی مرحوم نے شیخ امامن مرحوم کا روپیہ ادا کر دیا، اور جائداد تمام وکمال بلا شرکت غیرے اپنے قبضہ میں کر لی، جان علی مرحوم کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی، لہذا انہوں نے مسماۃ امیرن دختر خود کے نام وہ جائداد ہبہ کر دی، جان علی مرحوم کی موت کے بعد مسماۃ عیدن بیوہ جان علی مرحوم نے پٹہ یعنی کاغذات ہبہ مسمی حسینی کے پاس بطور امانت رکھ دیئے، کیونکہ مسماۃ امیرن کا شوہر قمار باز تھا مسماۃ امیرن کی موت کے بعد مسماۃ عیدن اکثر حسینی سے کاغذات مانگتی تھی، لیکن حسینی موصوف بلطائف الحیل ٹال دیتا تھا، مسماۃ عیدن کی وفات کے بعد احمد پسر امیرن نے مالک جائداد ہونے کی حیثیت سے حسینی سے کاغذات طلب کئے، جس کا جواب حسینی نے یہ دیا، کہ اس جائداد میں میرا بھی حصہ ہے احمد از روئے شریعت مالک جائداد نہیں بن سکتا، مہربانی فرما کر از روئے شرع اس کی تقسیم کر دیجئے،

(خاکسار احمد)

ج:۔ حسینی، جان علی مرحوم کا چچا زاد بھائی ہونے کی وجہ سے عصبہ ہے، اس لئے جان علی اگر ساری جائداد لڑکی کو ہبہ نہ کر جاتا، تو لڑکی کا حصہ نصف ترکہ نکال کر باقی حسینی کو پہنچتا، مگر جان علی کے ہبہ کر دینے سے وہ سارا مال مسماۃ امیرن کی طرف منتقل ہو گیا، اس کے بعد اس کے بیٹے احمد کی طرف انتقال ہوا، اب حسینی کا کوئی حق نہیں، اللہ اعلم (اہلحدیث ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۳۸ھ)

س:۔ ایک آدمی کے تین بیٹے ہیں، جن میں سے ایک کی شادی دو دفعہ ہو گئی ہے، ان کے والد کی جائداد تخمیناً تین ہزار روپیہ کے قریب ہے، جس میں بڑے بیٹے کی شادی کی بابت کچھ کم ایک

ہزار کے قریب خرچ ہو گیا، اور وہ باپ کی جائداد میں حصہ برادری کا طالب ہے، تو اس کو حصہ دینا چاہیے یا نہیں، اور وہ باقی ماندہ جائداد کا حقدار ہے یا نہیں، حالانکہ وہ مطلقہ ہے، اور یہ تین بیٹے جو ہیں جن کا ذکر مندرجہ بالا مذکور ہے، وہ پچھلی شادی عورت کی اولاد ہیں، اب وہ مطلقہ عورت کا کیا حق ہے یا نہیں؟ (راقم قطب الدین از جائی کھیڑا، ضلع ناسک)

ج:۔ جس قدر جائداد باپ چھوڑ کر مرے، اس میں سب اولاد کا حق ہے، چاہے شادی ہو یا کنوارا مطلقہ عورت کو حصہ نہیں ملے گا، حق مہر اگر باقی ہے، تو اس کی حقدار ہے (۲۸ رجب ۱۳۲۸ھ)

س:۔ ایک شخص کے پاس مال حرام مقدار میں اس قدر ہے، کہ جس میں شرعاً وصیت جائز ہو سکتی ہے کیا وہ اس میں مرتے وقت وصیت کر سکتا ہے یا نہیں کر سکتا ہے، تو گنہ گار نہ ہو گا، اگر کر سکتا ہے، تو کیوں اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثا، اگر حسب حکم شرع باوجود علم اس امر کے کہ یہ مال حرام ہے تقسیم کریں، تو وہ گنہ گار ہوں گے یا نہیں؟ (سید علی سردیر از پشاور)

ج:۔ حرام مال شریعت میں قابض کی ملک نہیں ہوتا، لہذا اس میں نہ وصیت جائز ہے نہ ہبہ نہ خیرات وارث باوجود علم کے اس پر قبضہ کریں گے، تو وہ بھی گنہ گار ہوں گے (۹ محرم ۱۳۲۸ھ)

س:۔ مسماۃ ہندہ دو ہزار کا زیور وغیرہ جائداد چھوڑ کر فوت ہو گئی ہے، وارث اس کے حسب تفصیل ہیں، خاوند، ماں، باپ، ایک لڑکا، ایک لڑکی، بہنیں سات، ساس، سسر، بھتیجا، بھائی اس کا فوت شدہ ہے، مہربانی کر کے اس کا جواب پرچہ میں تفصیل وار دے دیجیے، کہ ہر ایک کو کیا حصہ میں آئیگا علاوہ اس جائداد کے تین سو اس کا مہر ہے، اس مہر کا فتوی بھی دے دیں، کہ ہر ایک کو مہر کا کیا حصہ آئے گا (ش۔ ا۔ ۵۔ امرتسری)

ج:۔ مہر وغیرہ کل مرحومہ کی جائداد میں داخل سمجھ کر چوتھا حصہ خاوند کا، چھٹا حصہ ماں کا، اور چھٹا ہی باپ کا، باقی لڑکے اور لڑکی کا، لڑکے کو لڑکی سے دگنا، صورت یہ ہو گی:۔

میت ۳۶

خاوند	ماں	باپ	لڑکا	لڑکی
۹	۶	۶	۱۰	۵

(اہلحدیث ۲۸ شوال ۱۳۲۷ھ)

س:۔ ایک شخص مر گیا، اس کے وارث اس کی ماں، بہن اور چچازاد بھائی اور پھوپھی ہیں، اس کا مال کس کس کو پہنچتا ہے؟ (حافظ عبداللہ از لال پور، ریاست رامپور)

ج:۔ ماں کو چھٹا حصہ، لڑکی کو نصف، باقی چچازاد بھائی کو (۲۵ جون ۲۰ء)

س:۔ ایک مسجد میں روپے جمع پڑے ہوئے ہیں، اور ہمیشہ مسجد کی آمدنی مسجد کے خرچ سے زیادہ آتی ہے، لہذا ایسی مسجد کے روپے کسی اور للہی کام مثلاً کوئی مدرسہ وغیرہ جاری کرنے یا کسی اور مسجد کی تعمیر وغیرہ میں صرف کرنے جائز ہیں یا نہیں؟

ج:۔ وقف کی آمدنی واقف کی نیت سے خرچ ہونی چاہیئے، واقف کی نیت اگر کسی مسجد کے لئے تھی، تو اسی پر خرچ ہو، اس کے علاوہ دوسری جگہ نہ ہو، اور اگر عام تھی، تو اس کے علاوہ بھی ہو سکتی ہے، اور اگر اس کی نیت کا کسی طرح علم نہیں، تو جہاں کے ساتھ وقف ہے، وہاں ہی رہنی چاہیئے، تاوقتیکہ عموم ثابت نہ ہو، یہ عام اصول ہے، جو شرع سے ثابت ہے

س:۔ ایک مسجد ہے، جس میں لوگوں نے کھیت وقف کئے ہوئے ہیں، لیکن کھیت کی آمدنی بہت تھوڑی ہے، لہذا ان کھیتوں کو فروخت کر کے کوئی اور جائداد جس کی آمدنی کھیتوں کی آمدنی سے زیادہ ہو خرید کر سکتے ہیں یا نہیں؟

ج:۔ وقف چیز کی بیع درست نہیں، لہذا کھیت کو بیچنا جائز نہیں (۲ رصفر ۳۴ھ)

س:۔ زید کے والدین اپنی اولاد ذکور و اناث میں مساوی طریق پر محبت نہ رکھیں، یعنی والدین میں سے والد بالخصوص، والدہ اپنی اولاد اناث سے بے حد محبت و شفقت کا اظہار کرے، حتی کہ کل دولت یا اثاث البیت بخلاف ذکور دے دینا چاہے، اور بطریق مخالفت اولاد ذکور کو بالکل محروم رکھنا چاہے اور بے وجہ ہمدردی و محبت کا مستحق نہ سمجھے، اور بہ تبعیت والدہ والد بھی اس قسم کے برتاؤ پر مجبور ہو جائے اور اس دائمی بغض و عناد کی وجہ سے اولاد ذکور بھی رنجیدہ ہو کر حقوق والدین کی پرواہ نہ کرے، تو عند الشرع ایسی اولاد اور والدین کے لئے کیا حکم ہے؟

ج:۔ حدیث میں دونوں فریق کے لئے ہدایت آئی ہے۔ من لم یوقر کبیرنا ولم یرحم صغیرنا فلیس منا یعنی جو بڑے کی عزت نہ کرے، اور چھوٹے پر رحم نہ کرے، وہ ہم میں سے نہیں ہے نیز فرمایا اعدلوا فی اولادکم۔ اپنی اولاد کے حق میں انصاف کیا کرو، اس لئے اولاد کو فائدہ پہنچانے میں عدل و انصاف کا خیال رکھنا چاہیئے لیکن حصص میں فرق ہونے سے اولاد کا حق نہیں، کہ جس کو نہ ملے یا کم ملے، وہ ماں باپ کا مقابلہ کرے، بلکہ ہمیشہ ادب ملحوظ رکھے، کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے انت ومالک لابیك تو اور تیرا مال سب تیرے باپ کا ہے (۲۴ محرم ۳۴ھ)

س:۔ حاجی محمد حسن صاحب کے چار لڑکے ہیں، عبد الرحمٰن، عثمان، عبد المجید اور اسحاق اور ایک لڑکی مسماۃ آمنہ حیات ہیں، عثمان ناخلف ہے، ہر طرح سے ایذا رسانی پر کمر بستہ، حاجی محمد حسن کی

تابعداری نہیں کرتا ہے، بلکہ وہ باپ کی مخالفت کر کے مکان سے بھی علیحدہ ہوگیا ہے، وقت علیحدہ کرنے کے اس کو ایک رقم دے دی ہے، مگر کاشتکاری کے کام میں شریک ہے، تجارت کا کام عبدالرحمن و عبدالمجید ہی کرتے ہیں، وہ خوب محنت کر کے روپیہ پیدا کرتے ہیں، مگر ہیں سب باپ کے ساتھ شامل، ایک جگہ کھانا وغیرہ کھاتے اور رہتے ہیں، اور عثمان علیحدہ ہے، اب بعد فوت ہو جانے حاجی محمد حسن صاحب کے عثمان کو حصہ تجارتی مال میں ملے گا یا نہیں، دوسرے یہ کہ باپ ان لڑکیوں کا تینوں (عبدالرحمن، عبدالمجید، اسحاق) پر خوش ہے، اور عثمان سے سخت ناراض، والدین بیماری میں مبتلا ہے، مگر عثمان اور اس کی زوجہ نے کسی قسم کی خدمت نہیں، اور پاس تک نہیں آئے، ایسی حالت میں بقیہ مال میں جو بعد حاجی محمد حسن صاحب کے رہے گا (عثمان) ترکہ پانے کا مستحق ہوگا یا نہیں؟

ج۔ عثمان مثل اور بھائیوں کے باپ کی کل جائداد میں سے اپنے حصہ کا وارث ہوگا، باپ نے جو کچھ اس کو دیا تھا، اگر اس تصریح کے ساتھ دیا تھا، کہ تیرے نام ڈالا جائے گا، تو اتنا کٹ جائے گا، ورنہ نہیں۔

س۔ حاجی محمد حسن و عبدالرحیم دونوں حقیقی بھائی تھے، عبدالرحیم کا انتقال ہوگیا، عبدالرحیم نے زوجہ اول سے ایک لڑکا سلیمان اور دوسری زوجہ سے ایک لڑکا محمد یحییٰ اور تیسری سے لڑکا محمد یعقوب چھوڑے، محمد یحییٰ کا انتقال ہوگیا، مال متروکہ کیونکر تقسیم ہوگا، اور محمد یعقوب نابالغ بچہ ہے، اس کے حصہ کا مال سلیمان کے قبضہ میں ہے، اور محمد یعقوب بچہ حاجی محمد حسن کے پاس رہتا ہے، اور محمد یعقوب کی والدہ بھی نہیں ہے، اور سلیمان اس مال کو اپنے تصرف میں لا کر سب اڑائے دیتا ہے، اور یا چوری سے علیحدہ جمع کرتا ہوگا، مگر محمد یعقوب کے خرچ کے واسطے ایک پیسہ بھی نہیں دیتا ایسی حالت میں ولی حاجی محمد حسن کا ہونا لازمی ہے، یا اس کے بھائی سلیمان کا، جو کچھ جواب ہو اخبار میں درج فرمادیں (خریدار نمبر ۲۰۰۰)

ج۔ عبدالرحیم کے مال کے سب بیٹے وارث ہوں گے، محمد یحییٰ اگر باپ کے سامنے مرا ہے، تو اس کا حصہ نہ ہوگا، اگر پیچھے مرا ہے، تو اس کا حصہ ہوگا، مگر مرنے کے بعد پھر اس کے بھائیوں کو مل جائے گا، محمد یعقوب کا ولی اقرب اس کا بھائی ہے، لیکن اگر وہ خیانت کرتا ہے، تو دوسرے بھائی ولی ہوں گے، اگر ان کی بھی خیانت ثابت ہو، تو چچا کے سپرد کیا جائے گا، واللہ اعلم

(اہلحدیث، یکم شوال ۳۳ھ)

س ،۔ زید اپنے مرنے کے وقت اپنی زوجہ مسماۃ جنت بی بی و یک لڑکی مسماۃ محی الدین بی نامی چھوڑ گیا۔ بعد مدت جنت بی بی نے لڑکی محی الدین بی کا نکاح کر دیا چند روز کے بعد محی الدین بی اپنی ماں کے روبرو انتقال کر گئی، اب محی الدین بی کا خاوند جو محی الدین بی کے باپ کی زندگی میں سے اپنا حق طلب کرتا ہے، اب زید کی زندگی میں سے اس کی بی بی، اور اس کی بیٹی محی الدین بی اور محی الدین بی کے خاوند کو فی روپیہ کتنا حصہ دینا چاہیے۔ زید کی بی بی اپنے خاوند کی زندگی میں سے مہر کے سوا کتنی زندگی لینا، اور بیٹی کو کتنی دینا، اور بیٹی کے حصہ میں سے اس کے خاوند کو کیا دینا چاہیے، جنت بی بی اپنی بیٹی کا مہر اپنے داماد سے لینے کی مستحق ہے، یا نہیں۔

(عبد الغنی سیکرٹری مدرسہ نسواں، از مقام گدگ یچ)

ج ،۔ زید کے مال سے جنت بی بی کو علاوہ مہر کے آٹھواں حصہ، باقی لڑکی کو، لڑکی کے حصے میں سے نصف اس کے خاوند کو (اگر خاوند کے ذمے مہر ہو تو وہ بھی ملایا جائے گا) باقی اس کی والدہ کو ملے گا، یعنی فی روپیہ بعد مہر ۹ر جنت بی بی کو، اور ۷ر لڑکی کے خاوند کو، یہ تقسیم کل مال کی ہوگی۔

(اہلحدیث ۲۷ رجب ۱۳۳۳ھ)

سوال ،۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین صورت مسئولہ میں کہ ایک شخص نے اپنا مکان مسجد بنانے کے لئے وقف للہ کر دیا، تاکہ احاطہ مکان جہاں تک ہے، اس میں مسجد بنائی جائے، اور ذکر اللہ سے وہ موضع آباد ہو، اور لوگوں میں اعلان کر دیا، کہ میں نے اس مکان کو مسجد بنانے کے لئے وقف کر دیا، اب اس وقف کو توڑ سکتا ہے یا نہیں، اور فروخت کر سکتا ہے یا نہیں، بینوا توجروا

الجواب ،۔ امام ابو یوسف کی روایت کے مطابق وقف بالقول صحیح ہے، پس صورت مسئولہ میں یہ وقف صحیح ہو گیا، اور اب اسے جائز نہیں، کہ اسے فروخت کرے۔ واذا کان الملک یزول عندھما یزول بالقول عند ابی یوسف وھو قول الائمۃ الثلاثۃ وھو قول اکثر اھل العلم وعلی ھذا مشائخ بلخ وفی المنیۃ وعلیہ الفتوی کذا فی فتح القدیر وعلیہ الفتوی کذا فی السراج الوھاج انتہی (عالمگیری) وفی الدر المنتقی وقدم فی التنویر والدرر والوقایۃ وغیرھا قول ابی یوسف وعلمت ارجحیتہ فی الوقف والقضاء (رد المحتار) واللہ اعلم۔ کتبہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ مدرس مدرسہ امینیہ دھلی

الجواب صحیح ۔ سید محمد عبد السلام غفر لہ۔

الجواب صحیح ،۔ سید محمد ابو الحسن

الجواب صحیح والرای نجیح :۔ ابو محمد عبد الوہاب

ملتانی صدر بازار دھلی الجواب صحیح:۔ بندہ محمد قاسم غفی عنہ، مدرس مدرسہ امینیہ دھلی الجواب صواب:۔ بندہ ضیاء الحق، عفی عنہ، مدرسہ امینیہ دھلی الجواب صحیح:۔ عبد العزیز رحیم آبادی الجواب صحیح:۔ احقر سیف الرحمن عفی عنہ مدرس مدرسہ فتحپوری دھلی لاشک ان الوقف صحیح:۔ حررہ عبید الرحمن کفاہ المنان مقیم دھلی الجواب صحیح:۔ محمد کرامت اللہ عفا عنہ دھلوی۔ الجواب صحیح:۔ محمد ابراہیم دھلوی الجواب صحیح:۔ کتبہ محمد عبد اللہ ۹ شوال سنہ ۳۱ھ الجواب صحیح:۔ عبد الرحمن مدرس مدرسہ سید نذیر حسین واقع پھاٹک حبش خاں دھلی المجیب مصیب:۔ ابو محمد عبد الجبار کھیروی مقیم دھلی (۳۰ رجادی الاولی سنہ ۳۳ھ)

اڈیٹر اس فتوی کے اول مفتی حنفی علماء ہیں، دلیل میں کتب فقہ کا حوالہ ہے، نہ آیت ہے نہ حدیث مگر چونکہ اہلحدیث علماء کے نزدیک یہی حق تھا، اس لئے اہلحدیث عالم نے دستخط کرنے سے انکار نہیں کیا، یہی میری مراد ہے، کہ جو کام مجھ میں اور میرے مخالف میں متفق ہے اس میں شریک ہونے سے مجھے ہٹنا نہیں چاہیئے (از قلم مفتی مرحوم)

وراثتِ نبی کا سوال

قرآن شریف پارہ ۵ رکوع ۱۔ آیت ۸ کا جناب حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا عمل فرمایا، اور کون وارث اقرباء سے قرار دیا، یا اس آیت کریمہ سے مستثنی تھے، جواب کافی و شافی سے ممنون فرمادیں (عبد الکریم معمار، ضلع سیالکوٹ)

جواب:۔ یہ سوال آیت میراث سے ہے مطلب اس سوال کا یہ ہے، کہ قرآن مجید میں جو حکم ہے۔ یُوْصِیْکُمُ اللّٰهُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ، آنحضرت کا وارث کون ہوا تھا، جواب اس کا یہ ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے حکم میں داخل نہیں تھے، کیونکہ حضور نے خود فرمایا ہے، کہ لانورث ما ترکناہ صدقۃ (صحیح بخاری) یعنی ہم پیغمبر لوگ کسی کو اپنا وارث نہیں بنایا کرتے بلکہ ہم جو چھوڑ جائیں، وہ فی سبیل اللہ صدقہ ہوتا ہے، یہی روایت شیعوں کی معتبر کتاب اصول کلینی میں بھی ملتی ہے (اہلحدیث امرتسر ۱۰ دسمبر سنہ ۱۵ء)

س:۔ ایک شخص فوت ہوگیا ہے، اس کی ایک بیوی، اور ایک حقیقی بھائی، اور ایک حقیقی بھتیجا، اور ایک چچازاد بھائی، اور ایک چچازاد بھائی کا بیٹا، اور ایک بھانجی، اور ایک بھانجا موجود ہیں، اس متوفی

کے مال میں سے بروئے شرع شریف کتنے کتنے حصے پانے کا کون کون مستحق ہے ؟

ج:۔ بیوی چوتھے حصہ کی وارث ہے، باقی کا حقیقی بھائی، ان کے سوا سب محروم ہیں۔
(اہلحدیث امرتسر، ۴ ر رمضان المبارک ۳۶ھ)

س:۔ ایک شخص مسمی زید فوت ہوگیا، اس کے بعد اس کے تین وارث ہیں، ایک زوجہ ہندہ، دوسری دختر جمیلہ، تیسرا بھائی عمر، متوفی کی زوجہ ہندہ نے کل مال اسباب وجائداد وغیرہ سب کا سب دختر جمیلہ کو دے دیا، اور زید کے بھائی عمر کو کچھ نہیں دیا، اور اس کے نام باضابطہ رجسٹری کرادی کچھ عرصہ کے بعد مسمات جمیلہ دختر متوفی فوت ہوگئی، اب اس کے فوت ہونے کے بعد دختر جمیلہ کے وارثان ذیل باقی رہ گئے، والدہ مسمات ہندہ، چچا مسمی عمر، شوہر مسمی بکر، اب یہ مال واسباب وغیرہ اس کا کس طرح تقسیم ہوگا　　(منیر الدین از کلکتہ)

ج:۔ خاوند کو نصف، والدہ کو ثلث، باقی چچا کو، جس کی صورت یہ ہے:۔

میت

خاوند	والدہ	چچا
(۳)	(۲)	(۱)

(اہلحدیث امرتسر ۲۱ ر شوال ۳۵ھ)

س:۔ ایک عورت فوت ہوگئی، اس کے وارث، خاوند، ماں، دو مادری بہنیں، دو پدری بھائی، دو حقیقی بھائی ہیں، ان میں تقسیم کس طرح ہوگی ؟　　(مولا بخش از امرتسر)

ج:۔ فرائض والے عام طور پر اس کی تقسیم یوں کرتے ہیں، کہ خاوند کو نصف، ماں کو سدس، دو مادری بہنوں کو ثلث، باقی ندارد، اس کی بنا آیت کلالہ پر ہے، جس کے الفاظ یہ ہے۔ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ (پ ۴ ع ۱۳) اصحاب الفرائض بتائید مفسرین کہتے ہیں کہ اس اخ اور اخت ہے، ان سے مادری بہنیں مراد ہیں، اس لحاظ سے مادری بہنوں کو ذوی الفروض شمار کیا گیا ہے، اور حقیقی اور پدری بھائیوں کو عصبہ، اس لئے مادری اولاد مقدم ہوگی، مگر ایسا کرنے کے لئے ان کے پاس کوئی آیت یا حدیث نہیں، میرے نزدیک تو یہ تقسیم یوں ہونی چاہیئے، کہ بحکم قرآن شریف خاوند کو نصف، ماں کو سدس (چھٹا حصہ) باقی ثلث (بحکم قرآن فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ) بہن بھائیوں کا ہے، کیوں کہ قرآن مجید میں حرمت کے موقع پر وَاَخَوٰتُكُمْ جو آیا ہے، اس سے بالاتفاق حقیقی پدری اور مادری تینوں قسم کی بہنیں مراد ہیں، یہاں بھی وہی لفظ ہے، پھر یہ کیوں نہ تینوں قسموں کو شامل ہو، اللہ اعلم　　(۲۷ ر ربیع الاول ۱۳۳۶ھ)

س:۔ ایک لڑکا اور لڑکی کے ماں باپ صغر سنی میں انتقال کر گئے، اور ماموں نے پرورش کیے ان بچوں کے والدین کے پاس کسی قدر زیور اور مویشی تھے، جب لڑکی بالغ ہوئی، اس کے ماموں نے شادی کر دی، اور اپنے گھر سے چند مویشی بھی بطور ہبہ کے دیئے، جب لڑکا بالغ ہوا، مویشی اور زیور اپنے ماموں سے لے کر بہن کے پاس رہنے لگا، امسال اس کا انتقال ہو گیا، ماموں نے وہ رقومات جو اس کے والدین کی تھی، اس کی بہن سے لے کر کہا، کہ میں اس کا چہلم کروں گا بہن اس کے خلاف ہے، اور کہتی ہے، میں چہلم کروں گی، غرض یہاں تک نزاع ہوئی، کہ اس لڑکی کو شادی میں دیئے ہوئے مویشی بھی واپس لینے کا ماموں ارادہ کرتا ہے، لہذا دریافت طلب امور یہ ہیں، کہ آیا ماموں کا ان رقومات و مویشی پر جو ان بچوں کے والدین کے تھے کوئی حق پہنچتا ہے یا نہیں، اور وہ مویشی جو شادی میں لڑکی کو دیئے تھے، ماموں واپس لینے کا مجاز ہے، یا نہیں؟

(محمود الحسن خان و فقیر محمد از سرون)

ج: سو والدین کی رقوم اور مویشی کا حق اس کی اولاد لڑکے لڑکی کا ہے، ان کے ماموں کا کوئی حق نہیں پہنچتا ہے۔ یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ الآیۃ، ماموں نے جو مویشی ہبہ کئے ہیں، ان کا واپس لینا منع ہے (ہدایہ وغیرہ) (۸ رمارچ سنہ ۱۸ء)

پوتے کا حق وراثت

پوتے کو دادا کی جائداد کا مستحق قرار دینے کا سوال آج کل خاصہ زور پکڑ گیا ہے، بعض لوگوں پر تو یہ خیال اتنا مستولی ہو گیا ہے، کہ وہ اسے قانونی شکل دینے کے در پے ہیں

صورت مسئلہ یہ ہے، کہ اگر کوئی ایسا شخص انتقال کر جائے جس کا مثلاً ایک لڑکا موجود ہے اور ایسا پوتا بھی موجود ہے، جس کا باپ متوفی کی زندگی میں وفات پا چکا ہے تو کیا یہ پوتا دادا کی جائداد کا مستحق وراثت ٹھہرتا ہے؟

کتاب و سنت کی روشنی میں اس مسئلہ پر غور کرنے والوں بلکہ پوری امت کا آج تک کا متفقہ فیصلہ یہ ہے، اور عقل سلیم بھی اسی کی مؤید ہے، کہ صورت مذکور میں اس پوتے کو دادا کی جائداد کا حق وراثت نہیں پہنچتا اور متوفی کی جائداد کا مستحق وراثت اس کا موجودہ بیٹا ہے، امت کے اس متفقہ فیصلے کی بنیاد صحیح بخاری کی وہ حدیث ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ الحقوا الفرائض باھلھا فما بقی فھو لاولی رجل ذکر۔ یعنی متوفی کی جائداد کے مقررہ حصے

حصہ داروں کو دے دو، جو بچ جائے، اس پر ان مردوں کا حق ہے، جو متوفی سے نسبتاً زیادہ قریب ہوں، واضح رہے، کہ یہ فرمان نبوی قرآن سے کوئی الگ شئے نہیں، بلکہ اس کے اس بیان کردہ قانون ارث پر مبنی ہے، اور قرآن اور حدیث نے اس امر کی وضاحت کر دی، کہ میت کی جائداد سے جو جو حصے جن جن کو پہنچتے ہیں، وہ ان میں ٹھیک مقدار پر بانٹ دینے ضروری ہیں، اور بقیہ جائداد کا مستحق وہ مرد ہوگا، جو متوفی سے زیادہ قریب ہو، متوفی سے زیادہ قریب کے لئے حامل قرآن صلی اللہ علیہ وسلم نے "اولیٰ" کا لفظ استعمال فرمایا ہے، جسے اسلامی قانون میراث میں "اقرب" سے تعبیر کیا جاتا ہے، بالفاظ دیگر یوں سمجھیے، کہ متوفی سے جو زیادہ قریب ہوگا، وہی اس کی وراثت کا صحیح حق دار ہوگا، اس اصول کی روشنی میں امت کا اس پر بلا استثناء اجماع ہے، کہ اگر کوئی ایسا شخص فوت ہو جائے، جس کے بیٹے بھی ہوں، اور ایسا پوتا بھی جس کا باپ وفات پا چکا ہو، تو وہ اپنے دادا کی جائداد سے مستحق وراثت نہیں ہوگا، اور جائداد متوفی کے دیگر مستحق ورثاء میں تقسیم کر دی جائے گی، اس لئے کہ میراث کی رو سے ایسا پوتا مستحق وراثت نہیں، بلکہ مستحق وراثت متوفی کی موجود صلبی اولاد ہے، اس ضمن میں خاص طور پر قابل غور لفظ "اولیٰ" یا "اقرب" ہے، جو اس مفہوم کو واضح کرتا ہے، کہ متوفی کا وارث وہ شخص ہے، جو اس سے قریب تر ہو، ظاہر ہے، کہ اس سے قریب تر پوتا نہیں، بلکہ بیٹا ہی ہوسکتا ہے، اور یہ اس لئے کہ پوتا اور دادا کا رشتہ براہ راست نہیں ہے، بلکہ درمیان میں بیٹے کا واسطہ حائل ہے، جو کہ "اقرب" ہے، اور اس درمیانی واسطے نے پوتے کو "اولیٰ" یا "اقرب" نہ رہنے دیا، جب صورت یہ ہوئی، تو دادا کی وراثت کا پوتے کی نسبت صلبی بیٹا ہی حق دار ٹھہرا، اور اس کی جائداد کا اصل وارث قرار دیا، اور پوتا قرابت کے اس اصول کی روشنی میں خود بخود ہی محروم ہو گیا یہاں یہ بات صاف ہو جانا ضروری ہے، کہ علمائے امت نے بالاجماع اب تک جن چیزوں کو استدلال کا ماخذ اور احکام کی عمارت کا بنیادی پتھر قرار دیا ہے، وہ یہ ہے:۔

کتاب اللہ — سنت رسول اللہ — اجماع — اور قیاس مجتہد

علماء کا طریق استدلال یہ ہے، کہ اگر کسی مسئلہ کے بارے میں ان کو تحقیق کرنا ہو تو وہ اولاً کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں، اگر کتاب اللہ سے اس کی وضاحت نہ ہوتی ہو، تو سنت رسول اللہ کی طرف لوٹتے ہیں، اگر اس میں بھی ناکام رہیں، تو اجماع امت کو دیکھتے ہیں، اگر اس میں بھی کامیاب نہ ہوں، تو قیاس مجتہد کو حجت تسلیم کرتے ہیں۔

یہ چار مراحل ہیں جنہیں استدلال کا سفر کرتے وقت عبور کرنا پڑتا ہے، دیکھنا یہ ہے، کہ آیا زیر

بحث مسئلہ پوتے کی وراثت سے متعلق ان چاروں میں سے کسی میں یہ ثابت ہوتا ہے، کہ ایسا پوتا دادا کی جائداد کا مستحق قرار پاتا ہے، ہرگز نہیں، کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع امت، اور قیاس آپ ان چاروں کو خوب کھنگال ڈالئے، ان کی مقررہ حدود میں بار بار اشہب فکر کو دوڑایئے، اور اپنی نظر عمیق کو وسیع سے وسیع تر کیجیئے، مگر آپ یقین جانیئے، کہ آپ کو ایسا پوتا محروم الارث ہی نظر آئے گا

(الاعتصام ۵ مارچ ۱۹۴۵ء)

قانون وراثت اور رواج

عرصہ سے ملک کی بہت سی مسلمان قوموں میں ایسے مقدمات وراثت کے متعلق عدالتوں میں پیش ہوتے رہے ہیں، جن میں فریقین میں سے ایک شرع شریف پیش کرتا ہے، تو دوسرا رواج، رواج پیش کرنے والے عموماً وہ لوگ ہوتے ہیں، جو لڑکیوں کو حصہ نہیں دیتے، خاص امرت سر میں بھی اس قسم کے مقدمات کثرت سے ہوتے ہیں جن کا فیصلہ اس طرح ہوتا ہے، کہ جن قوموں میں شریعت کے رواج کی ایک دو مثالیں مدعی پیش کر سکتا ہے، تو شریعت پر فیصلہ ہو جاتا ہے، اور جس قوم میں رواج کا ثبوت ہوتا ہے، رواج پر ہو جاتا ہے، اس سے عدالتوں میں بڑی دقتیں پیش آتی تھیں، اس کے فیصلہ کے لئے عنقریب سرکاری کانفرنس بیٹھنے والی ہے، مسلمانوں کے امتحان کا موقع ہے، کہ دنیائے دنی کو پسند کرتے ہیں یا ایمان قوی کو، اگر انہوں نے صاف صاف لفظوں میں اظہار خیال کر دیا، کہ ہم کو شریعت منظور ہے، تو دین اور دنیا دونوں بچ جائیں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں مسلمانوں کے امتحان کا موقع یہی قرار دیتا ہے، غور سے سنیئے۔ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ مسلمانوں کو جب اللہ اور رسول کی طرف فیصلہ کے لئے بلایا جائے، تو وہ بجز اس کے کچھ نہیں کہتے، کہ ہم نے سنا اور مانا، بس یہی لوگ کامیاب ہونگے اس آیت نے فیصلہ کر دیا ہے، کہ جو لوگ اپنے نزاعات میں عموماً اور مسئلہ وراثت میں خصوصاً شریعت سے روگرداں ہوتے ہیں، وہ خدا کے نزدیک ایمان سے خارج ہیں۔

ایسے لوگ جو مقدمات میں شریعت کے مقابلہ میں رواج کو ترجیح دیتے ہیں، پنجاب میں تو بہت کم ہیں، جمہور اہل اسلام برابر شریعت کے مطابق تقسیم کرتے ہیں، اس لئے سرکاری کانفرنس سے ہمیں توقع رکھنی چاہیئے، کہ وہ اس امر میں جمہور مسلمانوں کے جذبات کا خیال فرما کر گمراہ مسلمانوں کو راہ راست پر لانے کا قانون بنا دے گی۔

خدا کرے، کہ ہماری آرزو پوری ہو، اور گورنمنٹ کے دل میں خدا کی طرف سے یہی ڈالا جائے کہ جدید قانون سے حسب الوعدہ مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو صدمہ نہ پہنچے۔

(اہلحدیث ۲۸ ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ مطابق ۸ اکتوبر ۱۹۱۵ء)

پوتے کی وراثت میں مرزائی غلطی

مرزا صاحب اور ان کے اتباع قسم کھائے بیٹھے ہیں، کہ جائز و ناجائز ہر امر میں علماء اور فقہاء کی مخالفت کریں گے، قادیانی جماعت تو اس بارے میں اعلیٰ معراج پر ہے، لاہوری جماعت کے ارکان بھی اس امر میں ان سے کچھ کم نہیں، لطف یہ ہے، کہ اپنا دعوی ثابت کرنے سے پہلے ہی علماء اور فقہاء پر جارحانہ حملے شروع کر دیتے ہیں، مولوی محمد علی صاحب کی ساری تفسیر میں یہی طرز عمل ملتا ہے، اس جماعت کے دوسرے بڑے رکن ڈاکٹر بشارت احمد صاحب ہیں، جو عربی میں ناکافی قابلیت رکھنے کے باوجود فقہ میں امام ابو حنیفہ سے، حدیث میں امام بخاری سے، اور تفسیر میں امام رازی سے اعلیٰ ہونے کا (زعم) گمان رکھتے ہیں، چنانچہ پیغام صلح مورخہ ۸ اکتوبر میں یتیم پوتے کی وراثت کے متعلق آپ کا مضمون نکلا ہے جس کے الفاظ مع سرخی یہ ہیں۔

پوتے کی وراثت میں اجتہادی غلطی

ان مسائل میں سے جن میں بعض فقہاء کو غلطی لگی ہے، پوتے کی وراثت کا بھی مسئلہ ہے، ان کے نزدیک کسی شخص کے دادا کی زندگی میں اگر اس کا باپ مر جائے، تو چچا کی موجودگی میں دادا کے ترکے سے وہ پوتا محروم ہو جائیگا مثلاً زید کے دو بیٹے بکر اور عمر ہیں، اگر عمر اپنے باپ زید کی زندگی میں مر جائے، تو عمر کا بیٹا خالد اپنے دادا زید کے ترکے سے محروم ہو جائے گا۔ اور سارا ترکہ اس کے چچا بکر کو مل جائے گا

جہاں تک میں نے غور و فکر اور تحقیقات کی ہے، پوتے کی محرومی غلط ہے، قرآن کریم میں صاف لفظوں میں ارشاد ہے: یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین (النساء) اللہ تمہیں وصیت کرتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں، کہ مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ دو جس کے صاف معنی ہیں، کہ زید کی جتنی بھی اولاد ہو، لڑکے ہوں یا لڑکیاں، سب کو زید کے ترکہ میں سے حصہ دیا جائے، کوئی وجہ نہیں، کہ ایک باپ کی اولاد میں سے ایک شاخ کو حصہ ملے، اور دوسری کو نہ ملے۔

(پیغام صلح لاہور ۸ اکتوبر ۱۹۴۱ء)

اہلحدیث:۔ طریقہ تحقیق یہ ہے، کہ اس مسئلہ پر بحث کرنے سے پہلے یہ دیکھا جائے، کہ قرآن مجید

کے ارشاد یوصیکم اللہ فی اولادکم میں اولاد کا لفظ بیٹوں اور پوتوں کو یکساں شامل ہے، یعنی کلی متواطی ہے، یا حقیقت و مجاز کی قسم سے ہے، ڈاکٹر صاحب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ بیٹوں اور پوتوں دونوں کو اولاد کا حقیقی مصداق جانتے ہیں، اسی بناء پر ان کا سارا مضمون مبنی ہے پس وہ ہمارا سوال حل کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔

سوال:۔ زید کے دو بیٹے بکر اور خالد ہیں، پھر بکر کے دو بیٹے ہیں، عبداللہ اور عبدالرحمن، زید کے مرنے کے وقت اس کے دونوں بیٹے اور دونوں پوتے زندہ ہیں، اب ڈاکٹر صاحب بتائیں، کہ زید کا ترکہ کتنے رؤس پر تقسیم ہوگا، بقول آپ کے چار افراد پر تقسیم ہونا چاہیئے، کیونکہ چاروں حقیقی اولاد ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوگا، کہ ایک بیٹا دو پوتوں کے ساتھ مل کر روپے میں سے بارہ آنے لے جائے گا، اور دوسرا صرف چار آنے۔

علی ہذا القیاس اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں، جن میں صلبی اولاد کو سراسر نقصان ہے، کیا یہ صورت حال صحیح ہے؟ اگر اس کو غلط کہیں، تو چاروں کے مدارج تجویز کر کے بتائیں، حقیقی اولاد کون ہیں، اور مجازی کون؟ اگر دو پوتوں کی بجائے بارہ پوتے ہوں، تو کیا ترکہ چودہ پر تقسیم ہوگا، بینوا توجروا۔ ڈاکٹر صاحب جواب میں کہیں، کہ چونکہ اصل (باپ) زندہ ہے، اس لئے وہی حقدار ہے، تو یہ ہمارا عین مقصد ہے کہ اولاد کا لفظ پوتے کو حقیقۃً شامل نہیں ہے، بلکہ مجازاً ہے، جیسا کہ آج کل ہم انسانوں کو یا بنی آدم کا لفظ شامل ہے، پس نتیجہ صاف ہے، کہ جو لڑکا بلا واسطہ اولاد کا مصداق ہے، وہ بالواسطہ اولاد سے مقدم ہوگا، کیونکہ وہ حقیقت ہے، اور یہ مجاز ہے۔

دوسرا سوال:۔ پوتی کے نکاح کے موقع پر پوتی کا باپ اور دادا دونوں زندہ ہیں، نکاح کا ولی کون ہوگا، باپ کا دادا؟ دونوں میں اختلاف رائے ہونے کی صورت میں ترجیح کس کو ہوگی،

اطلاع:۔ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب سمجھتے ہوں گے، کہ ہم نے فقہاء کی بڑی غلطی نکالی ہے، اور یتیم پوتے کو وارث بنا دیا ہے، اس لئے ہم ان کو بتاتے ہیں، کہ یہ آواز دراصل پہلے امرتسر سے اٹھی تھی، مولوی احمد الدین صاحب امرتسری منکر حدیث نے سب سے پہلے یہ آواز اٹھائی تھی، جس کا جواب اہلحدیث میں بارہا دیا گیا، اس لئے آپ اولیت کا دعویٰ کرتے ہوئے اگر یہ کہیں تو غلط ہے۔ ؎ ہم پیروی قیس نہ فرہاد کریں گے ہم طرز جنوں اور ہی ایجاد کریں گے۔

(اہلحدیث امرتسر ۳۰ رشوال ۱۳۶۰ھ ۲۱ نومبر ۱۹۴۱ء)

باب یازدہم

کِتَابُ الاَمارَتْ

افتتاحیہ

(از علامہ جلیل حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب گوجرانوالہ)

اسلامی نظام کے ضروری اجزاء اسلامی نظام کے ضروری اجزاء، امارت، شوریٰ اور انتخاب ہیں، اسلامی نظام میں یہ تین چیزیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں، امارت ایک ایسا عہدہ ہے، جسے خلافت کا قائم مقام سمجھنا چاہیئے، خلیفہ دنیا میں احکام الٰہی کا نفاذ کرتا ہے، مخلوق کے حقوق کی حفاظت کا ذمہ دار ہے، سرحدوں کی حفاظت، نظام مملکت کی اصلاح اور نگہداشت اس کا فرض ہے، اس لئے ضروری ہے، کہ زور و یا بدیر اسے اس قدر قوت حاصل ہو جس سے وہ یہ جملہ انتظامات کر سکے، زکوٰۃ، صدقات، اور مختلف اموال کی تحصیل کا حق امام اور امیر کو حاصل ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافت راشدہ کے دور میں زراعت اور جانوروں کی زکوٰۃ جبراً حکومت وصول کرتی تھی، البتہ نقود کی زکوٰۃ میں اہل خیر پر اعتماد کیا گیا ہے، کہ وہ خود ادا کریں[1]۔ قال ابو عبید کل ھذہ الآثار التی ذکرناھا فی دفع الصدقۃ الی ولاۃ الامر و من تفریقھا ھو معمول بہ وذلک فی زکاۃ الذھب والورق خاصۃ ای الامرین فعلہ صاحبہ کان مؤدیا للفرض الذی علیہ وھذا عندنا ھو قول اھل السنۃ والعلم من اھل الحجاز والعراق وغیرھم فی الصامت لان المسلمین مؤتمنون علیہ کما ائتمنوا علی الصلوۃ واما المواشی والحب والثمار فلا یلیھا الا الائمۃ ولیس لولیھا ان یغیبھا عنھم وان ھو فرقھا ووضعھا مواضعھا فلیست قاضیۃ عنہ وعلیہ اعادتھا الیھم فرقت بین ذلک السنۃ والآثار اھ۔ ابو عبیدہ فرماتے ہیں، کہ مذکورہ آثار کا مطلب یہ ہے

[1] قالہ ابو عبید قاسم بن سلام ۲۲۳ھ فی کتاب الاموال ص۵۷۳

کو سونے اور چاندی کی زکوٰۃ خلیفہ کو دے دے، یا خود بانٹ دے، فرض ادا ہو جائے گا، عراق و حجاز میں ائمہ سنت کا یہی مذہب ہے، اس مسئلہ میں مسلمانوں کو امین سمجھا گیا، جیسے وہ نماز کے متعلق امین ہیں، لیکن یہ اختیار اموال صامتہ میں ہے، جانور، غلہ اور پھلوں کی زکوٰۃ امیر ہی کو دی جائے گی، اگر مالک خود تقسیم کرے، تو ادا نہیں ہو گی،

معلوم ہوتا ہے، کہ ظاہر اموال جن کا تعلق ہماری نظروں سے ہے، اور سرسری طور پر ان کا محاسبہ کیا جا سکتا ہے، ان کے لئے مصدق اور محصل بھیج کر زکوٰۃ وصول فرمائی گئی، اور لا جلب ولا جنب ارشاد فرما کر تاکید فرمائی گئی، کہ زکوٰۃ سے بچنے کے لئے کوئی حیلہ اور بہانہ نہ کیا جائے، اور مخفی اموال کے متعلق اعتماد فرمایا گیا، زکوٰۃ نہ دینے پر جو وعید اور سزا شارع جل شانہ نے مقرر فرمائی ہے، اسے واضح فرما کر دیانت پر چھوڑ دیا گیا، محاسبہ کی گرفت سے بچنے کے لئے جو اخلاقی برائیاں عموماً دولتمند کرتے ہیں جیسے آج کل ہم دیکھتے ہیں محکمہ انکم ٹیکس، اور پراپرٹی ٹیکس سے بچنے کے لئے عوام اور سرمایہ دار کس قدر کمزوریاں ظاہر کرتے ہیں، شارع نے عامۃ الناس کو اس سے بالکل سبکدوش فرما دیا، اور اسے انسان اور خدا کا معاملہ قرار دے دیا گیا، جو شخص اپنے مال کی پوری زکوٰۃ ادا نہیں کرتا وہ عند اللہ مجرم ہے قیامت کے دن ان کی جلی ہوئی پیشانیاں اور جھلسے ہوئے پہلو ان کی اس بدعملی کے شاہد ہوں گے لیکن ان پر حساب کی ذمہ داری ڈال کر انہیں جھوٹ اور بددیانتی پر مجبور نہیں کیا گیا، سخت قوانین کا یہ پہلو بڑا ہی خطرناک ہے، کہ انسان ان کی گرفت سے بچنے کے لئے جھوٹ کا عادی ہو جاتا ہے، تاجر دو دو حساب رکھنا شروع کر دیتے ہیں، رشوت دے کر بچنے کی کوشش کرتے ہیں، عمال حکومت اور ملازم رشوت کے عادی ہو جاتے ہیں، حکومت سخت گیری سے ایک چور دروازہ بند کرتی ہے لیکن بیس چور دروازے خود بخود کھل جاتے ہیں، اس لئے دنیا بداخلاقی کے جہنم میں گرتی چلی جاتی ہے یہ مقام حکومت اور رعایا دونوں کے لئے خطرناک ہے، اموال ظاہرہ اور باطنہ میں تفریق فرما کر شارع حکیم نے قریباً تمام چور دروازے بند کر دیئے، اور سرمایہ دار کو ایک ایسی سطح پر لا کھڑا کیا ہے کہ اگر وہ تباہی سے بچنا چاہے، تو بچ سکے، اگر بخل کرے، اور نقد مال کی زکوٰۃ نہ خود ادا کرے نہ حکومت کو دے، تو یہ عند اللہ مجرم ہے حکومت اس معاملہ میں مداخلت کی مجاز نہیں، جب تک یقینی طور پر ثابت نہ ہو، کہ وہ شخص زکوٰۃ نہیں دیتا، اگر یہ ثابت ہو جائے، کہ فلاں شخص زکوٰۃ ادا نہیں کرتا، تو امیر کو حق ہے، کہ وہ دگنا رقم وصول کرے۔

امارت کا جو تخیل میں نے ذکر کیا ہے، قرآن حکیم نے اسے تمکن فی الارض سے تعبیر فرمایا ہے، جو ان

تمام ضروریات کا جامع ہے، جس کا ذکر ہم نے فرائض امارت میں کیا ہے، علی الفور اس نظام کا بام عروج پر پہنچ جانا ضروری نہیں، آخری منزل تدریج ہی سے سامنے آئے گی لیکن تاسیس میں ان ارتقائی مدارج کے آثار نمایاں ہونا ضروری ہے۔

حکومت کا اسلامی تخیل

اسلام نے عوامی حکومت کی نہ صرف حمایت کی ہے، بلکہ یہاں حکومت کے لئے ضروری ہے کہ عوامی ہو، لیکن عوامی حکومت کے عام مفہوم اور اسلامی مفہوم میں بہت زیادہ فرق ہے، "عوامی حکومت" کا عام مفہوم وہی ہے، جسے کمیونسٹ اور اختراکیت زدہ حضرات عموماً استعمال فرماتے ہیں، کہ وہ عوام کی رائے سے بنائی گئی ہو، اگر عوام کی رائے اسی قدر مستند ہو جائے۔ کہ وہ سیاسی معموں کو حل کر سکیں، اور ایسے آدمی کو انتخاب کر سکیں، جو ان سیاسی ذمہ داریوں کو نباہ سکے، جو بحیثیت امیر مملکت اس پر عائد ہوتی ہیں، تو ایسے لوگوں کو عوام کہنا ان پر ظلم ہے۔ اسی لئے عوامی حکومت کی اصطلاح اس مفہوم کے لحاظ سے محض جذباتی ہے، اور عوام ہی کے جذبات کو اپیل کے لئے بنائی گئی ہے، ہم انتخابات میں دیکھتے ہیں، کہ کچھ پڑھے لکھے اصحاب غرض، خود ہی عوام کو رائے بتاتے ہیں۔ اور ان کی رائے کو اپنی ذاتی اغراض کا انجکشن دے کر عوام کو دھوکا دیتے ہیں، اسلام کے نقطہ نظر سے ایسے اہم امور میں ارباب بست وکشاد کی رائے اصل فیصلہ کن رائے ہے حکومت کی تشکیل میں اساسی چیز عوام کی نصحت (خیر خواہی) ہے، یہی دین کا اصل مقصد ہے الدین النصیحۃ للہ ولرسولہ ولائمۃ المسلمین وعامتھم، دین خدا اور اس کے رسول کی خیر اندیشی، اور حکام اور عامۃ المسلمین کی خیر خواہی کا نام ہے۔

قرون خیر میں انتخابات کی مختلف صورتیں سامنے آئی ہیں لیکن آئینی طور پر انتخاب کو نہ ان چار صورتوں میں حصر فرمایا گیا ہے، اور نہ کسی ایک ہی کو پسند کیا گیا ہے، بلکہ کوشش کی گئی ہے، کہ کوئی ایسا آدمی اس بوجھ کو اٹھائے، جو مساکین کو اونچا کر سکے، اور خود مساکین کی سی زندگی بسر کرے سقیفہ بنی ساعدہ میں سب سے پہلا انتخابی اجتماع ہوا، جو بالکل اتفاقی اور اصطلاحی طور پر غیر آئینی تھا لیکن ارباب حل وعقد کی جو تعداد یہاں جمع ہوئی، وہ شاید کسی بڑے سے بڑے اجتماع میں جمع نہ ہوئی ہوگی، مختلف تجویزوں کے بعد دو نام خلافت کے لئے پیش ہوئے، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت سعدؓ دوسرا امیدوار انصار کی طرف سے تھا۔ مگر حضرت ابوبکرؓ کے نام آنے کے بعد ہی اس کے سامنے ایک ایسی مبارک شخصیت آگئی، جس پر انصار اور مہاجر سب خوش ہو گئے، اور مزید

غور اور بحث و تنقید ہی ضرورت ہی نہ رہی حضرت سعد رضہ کو شاید دو ووٹ نہ مل سکے، گویا ارباب بست و کشاد کا یہ گروہ پارٹی بازی سے ذہن کو خالی کر کے جمع ہوا، کہ کوئی ایسا آدمی منتخب ہو جائے، جو اس نظام اور اس خدمت کی ذمہ داریوں کو اٹھانے کا پوری طرح اہل ہو، جب وہ سامنے آگیا، تو دوسرے امیدوار کا سوال ہی ختم ہو گیا۔

حضرت ابوبکر رضہ کی خلافت ڈھائی سال رہی، معلوم ہے، کہ حضرت ابوبکر رضہ نے عوام کی کس قدر خدمت فرمائی، جہاں تک تاریخ کی شہادت ہے، کوئی معتمد آواز بھی خلافت مآب کے خلاف بلند نہ ہوئی، بلکہ فتوحات کے لئے زمین کو اس طرح ہموار کر لیا، کہ خلیفہ ثانی سرپٹ دوڑتے گئے، اور یکے بعد دیگرے ممالک پر اسلامی پرچم لہرا گیا، یقیناً یہ فتوحات حضرت عمر رضہ کے زمانہ میں ہوئیں، لیکن ان کے لئے زمین ہموار خلیفہ اول ہی نے فرمائی، فتنہ ارتداد کو کس صفائی اور کس عجلت سے ختم فرمایا، مانعین زکوۃ کو کس حسن تدبر سے ہموار فرمایا اللھم ارض عنہ وارفع درجتہ فی اعلیٰ علیین۔

دوسرا انتخابی اجتماع ڈھائی سال کے بعد جب حضرت ابوبکر رضہ نے محسوس فرمایا، کہ وقت قریب ہے، تو مدینہ اور اس کے قرب و جوار کے ارباب بست و کشاد کی رائے معلوم کرنا شروع کیا، معتمد صحابہ سے مشورہ فرمایا، اس کے بعد ایک تحریری اعلان کے ساتھ حضرت عمر رضہ کا نام پیش فرمایا، یہ نامزدگی خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کی کئی دنوں کی محنت کا نتیجہ تھی، علالت کے ایام میں حضرت ابوبکر رضہ کا یہ بہترین مشغلہ رہا، یہ نامزدگی کئی دنوں کے گہرے غور و خوض، اور ارباب حل و عقد کے مخلصانہ مشوروں کا نتیجہ تھی اسے انتخاب کہئے یا نامزدگی، لیکن اس کے پیچھے شوریٰ کی مقدس قوتیں پنہاں تھیں، اور اس مقدس شورائی نامزدگی سے امت کو بے حد فائدہ پہنچا۔ تاریخی شواہد سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس نامزدگی کے لئے حضرت ابوبکر نے بچوں اور عورتوں تک کی رائے دریافت فرمائی، حضرت عمر رضہ کی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کتنا ہی نیک دل کیوں نہ ہو، دنیا کی بدگمانیوں سے نہیں بچ سکتا، حضرت عمر رضہ کو زخم لگنے کے بعد جلد ہی معلوم ہو گا، کہ وہ جانبر نہیں ہو سکیں گے، اور حضرت ابوبکر رضہ کی طرح رائے عامہ معلوم کرنے پر قادر نہیں ہو سکیں گے۔

تیسرا انتخابی اجتماع۔ عوام کی حالت کے متعلق حضرت عمر رضہ کو بہت کچھ معلوم تھا، ایسا آدمی جس پر پورا اطمینان ہو، کوئی نظر میں نہیں تھا، اس لئے چھ بزرگوں کے متعلق معاملہ سپرد کر کے

اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئے، اور اس وقت یہی کچھ ممکن تھا اس سے مزید ذمہ داری ممکن ہی نہ تھی اور ان چھ آدمیوں کا آخری فیصلہ حضرت عثمان کی خلافت پر ہوا، حضرت عثمان رضہ کی خلافت کے ابتدائی سال بڑے اطمینان سے گذرے، اواخر خلافت میں عبداللہ بن سبا کی فتنہ انگیزی سے بہت بڑا فساد ہوا، جس کا نتیجہ حضرت عثمان رضہ کی دردناک شہادت تھی، ارباب بست وکشاد اس فساد کو روکنے میں ناکام رہے۔

حضرت علی رضہ اور طلحہ رضہ وزبیر رضہ ایسے مقتدر حضرات مدینہ منورہ میں موجود تھے، مگر فساد نہ رک سکا، ان میں سے کوئی بھی حضرت عثمان رضہ کی شہادت کو پسند نہیں کرتا تھا، مگر شرارت پسند عنصر کو کوئی بھی لگام نہ دے سکا، اور بے شعوری میں وہ ظلم بپا گیا جس کا وہم وگمان نہ تھا، حضرت عثمان رضہ کا پورے چالیس دن پانی روکا گیا، حضرت حسن رضہ اور حضرت علی رضہ کسی وقت چھپ چھپا کر پانی پہنچا دیتے، ان حالات میں حضرت عثمان کوئی انتظام نہ کر سکے، اور ایسے ناخوشگوار حالات میں شریف آدمی کر ہی کیا سکتا ہے۔

چوتھا انتخاب — حضرت علی رضہ نے یہ بوجھ بڑی ہچکچاہٹ سے اٹھایا، وہ خوب سمجھتے تھے کہ جو لوگ اس وقت اس مہم کی سربراہی کر رہے ہیں، وہ درحقیقت اس کے اہل نہیں ہیں، نہ ہی ان کو ارباب حل وعقد شمار کیا جا سکتا ہے، نہ ہی ان کی رائیں درست ہیں، نہ ہی ارادے صحیح، یہ شرارت کے سرغنہ ہیں، ان سے کسی صلاحیت کی امید نہیں کی جا سکتی، لیکن اگر کوئی سنجیدہ آدمی اس وقت نظام حکومت اپنے ہاتھ میں نہ لے، تو نہ معلوم امت کی تباہی کے لئے کتنے اور چور دروازے کھل جائیں گے، مفسدین کے ہاتھ میں اگر نظام چلا گیا، تو نہ شرفاء کی جان سلامت ہو گی نہ آبرو، اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، کہ جس طرح بھی ممکن ہو سکے نظام اپنے ہاتھ میں لے لیا جائے، تاکہ اصلاح کی راہ میں رکاوٹیں کم سے کم حائل ہو سکیں۔

چنانچہ یہ حقیقت تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں، کہ حضرت علی رضہ کی بیعت ارباب حل وعقد نے نہیں کی، ان چار طرق میں سے پہلے تین یقیناً انتخاب کہلانے کا حق رکھتے ہیں، ان میں ممکن طور پر ارباب حل وعقد کے مشورہ کی کوشش کی گئی، حضرت علی رضہ کا معاملہ نہ انتخابی ہے نہ شورائی وہ حالات کا ناگزیر تقاضا ہے، جس میں جہاں تک حضرت علی رضہ اور اہل بیت نبوت کا تعلق ہے وہاں خلوص کے سوا کوئی چیز نہیں ہے۔

شوریٰ:۔ اسلامی نظام میں شوریٰ کو بڑی اہمیت حاصل ہے، حضرت عمر رضہ معمولی معمولی

حوادث میں مشورہ کے لئے عامۃ المسلمین کی طرف رجوع فرماتے، اس کی مثالیں ان کے دور خلافت میں بڑی کثرت سے ملتی ہیں، معمولی مسائل کے لئے مشورہ طلب فرماتے، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر حباب بن منذر رض کے مشورہ سے اپنے جنگی موقف کو بدل لیا، غزوہ احد میں عامۃ المسلمین کی خواہش کے مطابق شہر سے باہر تشریف لے گئے، اور میدان جنگ جبل احد کے دامن میں تجویز فرمایا، بریرہ رض نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورے کو مسترد کر دیا، آنحضرت م نے اس پر قطعی ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا، حضرت ابوہریرہ رض فرماتے ہیں. ما رایت قط احدا اکثر مشورۃ لاصحابہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معالم التنزیل للخطابی ص۶۴ سنن دارمی میں ہے۔ ماندم من استخار ولا خسر من استشار. استخارہ کرنے کے بعد ندامت نہیں ہوتی، اور مشورہ کے بعد خسارہ نہیں ہوتا، صلح حدیبیہ کی پوری سکیم حضرت ابوبکر رض کے مشورہ سے طے پائی تھی، معالم السنن وغیرہ۔

قرآن اور شوریٰ

قرآن عزیز نے شوریٰ کا تذکرہ دو مقام پر فرمایا ہے، سورہ شوریٰ میں جہاں اہل ایمان اور اصحاب توکل کے خواص اور خوبیوں کا تذکرہ فرمایا ہے، وہاں استجابت للرب، اقامت صلوۃ اور انفاق فی سبیل اللہ کے ساتھ امرھم شوریٰ بینھم فرما کر مشورہ کرنا بھی مومن کی ایک خاص خوبی بتایا گیا ہے، معلوم ہے کہ سورہ شوریٰ مکی سورہ ہے جہاں ابھی نظام امارت اور دستور حکومت کی تشکیل کا کوئی خاص تصور سامنے نہیں تھا، اسی لئے اس کا تذکرہ ایمان کی خصوصیات میں مخصوص انداز سے آگیا، اس سے آپ اندازہ فرما سکتے ہیں، کہ اسلامی زندگی میں مشورہ کو اتنی ہی اہمیت حاصل ہے، جس قدر نماز کو حاصل ہے، سورہ شوریٰ میں آیت ۳۷ تا ۳۹ غور سے پڑھیں، اس سے شوریٰ کی اہمیت واضح ہو جائے گی

سورہ آل عمران مدینہ منورہ میں نازل ہوئی، جہاں نظام جہانداری اور جہانبانی کا آغاز ہو چکا تھا، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج اور اس کے شورائی انداز کا تذکرہ جچے تلے الفاظ میں اس طرح فرمایا فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ (۳۔۱۵۹) یہ اللہ کی رحمت ہے، کہ تمہاری طبیعت نرم ہے اگر تند خو اور سخت دل ہوتے، تو عامۃ الناس آپ کے قریب تک نہ آتے، آپ ان کی لغزشیں معاف فرمائیں، اور ان کے لئے اللہ سے بخشش طلب فرمائیں، اور اپنے ضروری امور میں ان سے

مشورہ طلب فرمائیں، اور جب معاملہ طے ہو جائے، تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ فرما کر اسے کر گذریئے اللہ توکل کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

فَاِذَا عَزَمْتَ میں عزم سے پہلے فار تعقیب کا مفاد یہ معلوم ہوتا ہے، کہ عزم مشورہ کے بعد ہی ہو گا، گویا مشورہ عزم کا جزء ہے، اس سے مشورہ کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے، مشورہ شرعاً ضروری ہے، امیر پر واجب ہے، کہ وہ اپنے رفقار سے مشورہ کرے، حضرت ابوبکرؓ نے مرتدین سے قتال اور مانعین زکوٰۃ کی سزا کے متعلق اپنے ساتھیوں سے مشورہ فرمایا، جیش اسامہؓ کے متعلق مشورہ کیا، مشورہ کے رد و قبول میں امام کے اختیارات کیا ہیں، اور ان اختیارات کے استعمال کی حدود کیا ہیں، یہ ایک دستوری مسئلہ ہے، جسے ہر دور میں ارباب فکر کی صوابدید کے مطابق طے ہونا چاہیئے، نصوص میں نہ اس کی تصریح ہے، اور نہ ہی ایسی چیزیں نصوص میں آنا ضروری ہیں، البتہ ایسے واقعات ضرور ملتے ہیں، جہاں امیر نے شوریٰ کو مسترد کر دیا، یہ دستوری مسائل ہر دور اور ہر ملک کے دانش مندوں کی رائے سے طے ہونے چاہئیں۔

اسلام میں شوریٰ کی اہمیت قرآن اور سنت سے ظاہر ہے، ابتداءً امرائے بنو امیہ نے استبدادی حکومت کی داغ بیل ڈالی، اور خلافت موروثی ہو گئی، اس وقت علماء نے اس کی مخالفت کی، استبداد اور وراثت کو ناپسند کیا، لیکن عباسی حکومت میں یہ استبداد بڑھا، اور پرانا ہو گیا، کہ علمار کی زبانیں بند ہو گئیں، اور عام طور پر یہی سمجھا جانے لگا، کہ اسلام میں آمریت اور ملوکیت ہے، شوریٰ اور رائے عامہ کی اہمیت ذہنوں سے ناپید ہو گئی فصارت بلیۃ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور آج تک ذہن اس غلطی میں مبتلا ہے، کہ اسلام کے نظام میں ملوکیت اور شخصی اقتدار کو اہمیت حاصل ہے۔

انتخاب انتخاب کا لفظ جب کان سنتے ہیں، تو ذہن فوراً اسی ہنگامہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جسے الیکشن کہا جاتا ہے، حالانکہ مقاصد کے لحاظ سے انتخاب اور الیکشن کے ہنگامہ میں فرق ہے، موجودہ الیکشن میں آرار کو ماؤف کیا جاتا ہے، پروپیگنڈہ کے بعد ذہن اس قدر تباہ ہو جاتا ہے، کہ اس کی سوچ اور فکر کو رائے سے تعبیر کرنا یقیناً غلط ہو گا، بلکہ الیکشن اور آج کے انتخابات میں قوت فکر پر فالج گرتا ہے، اور عقل پر لقوہ کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور کیفیت اس وقت نہ ہو گی، جب دھاندلی نہ ہو، اور عوام کی قیادت غنڈوں کے ہاتھ میں نہ ہو، اور اگر پروپگنڈہ کے بعد قیادت کے فرائض غنڈہ ازم انجام دینا شروع کر دے، تو حالات

کا رخ بالکل ہی بدل جاتا ہے، جس شورائی مزاج کی نشأۃ کے لئے یہ ڈھونگ رچایا گیا تھا، نتائج اس کے بالکل برعکس ہوں گے، اس میں رائے عامہ بیداری کی بجائے معطل ہو جاتی ہے زندگی کی بجائے اس پر موت طاری ہو جاتی ہے ان حالات میں ایک عقلمند کی حیثیت ایک چلتے پھرتے فتنہ کی ہو جاتی ہے۔ تری الناس سُکٰرٰی وما هم بسُکٰرٰی (دیکھے گا تو لوگوں کو مست اور نہیں وہ مست)

پھر آئینی طور پر بعض وقت اصطلاحی اکثریت فیصلہ کن ہوتی ہے، دو چار رائیں ہزاروں لاکھوں آراء کو شکست دے کر بالکل نئی دنیا تعمیر کر دیتی ہے، رائے میں نہ اہلیت کا اعتبار ہے نہ دیانت کا، اشخاص کا وزن تو ہو جاتا ہے، گنتی بھی صحیح یا غلط طور پر ہو جاتی ہے لیکن رائے کی اصابت کا خیال بھی نہیں ہوتا۔ اچھے اچھے اور مخلص صاحب فکر کی رائے کی اہمیت اسی قدر ہے، جس قدر جاہل اور سفیہ کی۔

اسلام اور انتخاب اس قسم کے انتخاب کا اسلامی تعلیم میں کوئی ذکر نہیں، اور ایک دیانت داخلاق کا داعی مذہب اسے گوارا بھی نہیں کر سکتا۔ انتخاب کا مفہوم لغوی تو یہ ہے، کہ نخبہ اور بہترین شئے کو چن کر اس سے استفادہ کا موقع بہم پہنچایا جائے لیکن ردی اور حثالۃ الشئ کی ہمرسانی کو انتخاب کا نام دیا ہے، اسلام اس قلب حقیقت کا نہ داعی ہے نہ مؤید۔

قرآن عزیز سے معلوم ہوتا ہے، کہ کوئی امر بھی آپ تفویض کریں، اس میں اہلیت کا لحاظ ضروری ہے، کسی نا اہل آدمی کو کتنے بھی ووٹ مل جائیں، وہ معاشرہ کی نا اہلیت کی دلیل ہوں گے، عوام جب تک تدین اور تعلیم سے پوری طرح آشنا نہ ہوں، ان کی رائے کو کوئی دینی اہمیت نہیں دی جا سکتی، اسلام میں عامۃ المسلمین کی نصحت اور ان کے معاشرہ کی بہتری کو نظام حکومت میں اساسی مقام دیا گیا ہے، لیکن عوام کی رائے خواص کی قسمت کا فیصلہ کرے، یہ راہ اختیار نہیں فرمائی گئی، عوام کی رائے کی یہ اہمیت تخریبی اصول ہے جسے اشتراکیت ایسے تخریبی آئین ہی پسند کر سکتے ہیں۔ اسلام میں عوامی حکومت کلمہ بی معنے ہے، کہ اس میں ان کی نصحت ملحوظ ہے اسلام کا مقصد یہ ہے، کہ انتخاب میں شخصی صلاحیت، حسن عمل، حسن نیت، اور اہلیت کار کا زیادہ سے زیادہ خیال رکھا جائے، ارشاد ہے:۔ وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ

مِنْهُمْ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا (۴-۸۳) یعنی عوام جب کوئی امن یا خطرہ کی بات سنتے ہیں، تو اسے پھیلانا شروع کر دیتے ہیں، اگر وہ ایسے معاملات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل امر کی طرف لے جائیں، تو جو لوگ عواقب اور نتائج پر نظر رکھتے ہیں اس پر پوری طرح غور کریں گے، اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا، تو تم شیطان کی ہمنوائی کر گذرتے۔

(۱) آیت سے ظاہر ہے، کہ عوام کی رائے عموماً صائب نہیں ہوتی۔

(۲) عوام کو آنحضرت اور اولی الامر اور اصحاب استنباط کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

(۳) اگر ایسا نہ کیا جائے، تو شیطان کی گرفت کا خطرہ ہے

يٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ اس آیت میں اجیر کے لئے دو شرطوں کا لحاظ رکھا گیا ہے، قوت اور امانت، نظام حکومت کے لئے خائن، خویش پرور رشوت خور اور مریض کا انتخاب کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔

حضرت طالوت کا نام جب بحیثیت امیر الحرب پیش کیا گیا، تو آل اسرائیل نے اعتراض کیا کہ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ۔ (سورہ بقرہ۔ پارہ سیقول، رکوع ۱۶) ان کی مالی حالت اچھی نہیں اس لئے انہیں یہ ذمہ داری نہیں ملنی چاہیئے۔

اس کے جواب میں فرمایا، قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ۔ خدا تعالیٰ نے اسے چنا ہے، اور اس کی جسمانی صحت اور علمی وسعت تم سے کہیں زیادہ ہے۔

قرآن عزیز کا مقصد یہ ہے، کہ امارت کے لئے مال کی فراوانی کو کوئی اہمیت نہیں، اس کے لئے صحت اور علم کی ضرورت ہے، حضرت ابراہیم نے جب خواہش فرمائی، کہ ان کی اولاد کو بھی اقوام کی امامت عطا فرمائی جائے، تو جواب دیا۔ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ، یہ مقام ظالموں کو نہیں دیا جاتا۔

ظلم کا اطلاق حقوق العباد، حقوق اللہ، حقوق النفس اور عام معاشرتی اعمال میں حق تلفی پر ہوتا ہے اس لئے کوئی خائن، کنبہ پرور، رشوت خور، بے انصاف اور ظالم اس ذمہ داری کا اہل نہیں ہو سکتا رائے کی تحصیل اور امیدوار کے خصائص اور اس کے شخصی احوال کا احتساب اس کے متعلق

تفصیلی احکام دستور کا ایک ضروری حصہ ہے جس کی تشریحات ہر زمانے میں وقت کے ارباب فکر مرتب کر سکتے ہیں، اسلام نے یقیناً جماعتی نظم کو برکت کا موجب قرار دیا ہے، جماعت کی اہمیت کو پوری طرح ملحوظ رکھا ہے، مگر شخصی اخلاق اور ذاتی کیریکٹر کو ایک لمحہ کے لئے بھی نظر سے اوجھل نہیں ہونے دیا ہے، اور جب تک مسلم خلفاء اور امراء میں یہ خوبی رہی کسی شریر کو فساد کا موقع نہیں مل سکا، جب شخصی اخلاق سے چشم پوشی کی گئی، دنیا جہنم کا نمونہ ہو گئی، خلفاء بنو امیہ، خلفاء عباسیہ وغیرہم کے احوال آپ کے سامنے ہیں، اس لئے اسلام نے اخلاق کے لئے تقویٰ اور دیانت، احسان اور مروت کو بنیادی حیثیت دی ہے، اگر دیانت نہ ہو تو کوئی قانون انسان کو ظلم سے نہیں روک سکتا، اور کوئی لادینی تحریک، روس کی اشتراکیت ہو، یا امریکہ کی جمہوریت امن عالم کی کفیل نہیں ہو سکتی۔ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ۔ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا یُصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا والسلام (ملخص) (مصباح بابت ماہ ربیع الاول و ربیع الثانی ۱۳۷۱ھ)

رسالت اور امامت

اہل اسلام میں سب سے پہلا اختلاف شیعہ سنی کا ہوا تھا، جو افسوس ہے، کہ باوجود بعد زمانہ آج تک نہ مٹا، بلکہ بڑھتا گیا، شیعہ سنی کے درمیان بہت سے مسائل میں اختلاف ہے مگر اصل الاصول مسئلہ امامت ہے جس کا ہم آج ذکر کرتے ہیں، کیونکہ شیعوں کے نئے اخبار ذوالفقار لاہور نے اسے چھیڑا ہے

مقام شکر ہے، کہ گو اہل اسلام کے فرقوں میں اختلاف ہے، مگر اسلام کی جڑ بنیاد جو کتاب ہے، اس پر سب کا اتفاق ہے یعنی ہر فریق قرآن مجید برابر عزت اور توقیر کرتا ہے، اس لئے بہترین دلیل کسی اختلافی مسئلہ میں وہی ہے، جو قرآن مجید سے ملے، قرآن مجید ایمانیات کا مفصل ذکر کرتا ہے، چنانچہ ارشاد ہے۔ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَی الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (پ۲ ع ۶) جو لوگ اللہ پر، پچھلے دن (قیامت) پر فرشتوں پر، الہامی نوشتوں پر اور نبیوں پر ایمان لائیں، اور اللہ کی محبت میں قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، مانگنے والوں، اور غلاموں کے آزاد کرانے میں مال خرچ کریں، اور نماز پڑھیں، زکوۃ دیں، جب وعدہ کریں، پورا کریں، تکلیفوں اور تنگیوں میں اور خاص کر دشمنوں کی جنگ میں صبر کریں، ایسے ہی لوگ ایمان میں سچے، اور یہی لوگ متقی اور پارسا ہیں۔

یہ آیت مسلمانوں کے جملہ ایمانیات اور فرائض کا بیان کرتی ہے، اس میں کوئی لفظ نہیں جو اس بات کی طرف اشارہ بھی کرے، کہ مسئلہ امامت بھی ایک مسلمان کے اعتقادیات میں ہے اس موقعہ پر علامہ ابن تیمیہ کی شہادت برمحل یاد آئی، جو فرماتے ہیں:۔

فقد كان يجب بيانها من النبى صلى الله عليه وسلم لامته الباقين من بعده كما بين لهم امور الصلوٰة والزكوٰة والصيام والحج وعين امر الايمان بالله وتوحيده واليوم الآخر ومن المعلوم انه ليس بيان مسئلة الامامة فى الكتاب والسنة ببيان هذا الاصول (منهاج السنة ص۱۷ ج اول)

جیسے نماز، روزہ اور زکوۃ وغیرہ کے مسائل بیان کئے گئے ہیں، ایسے ہی امامت کے مسائل بیان کرنے بھی ضروری تھے، حالانکہ قرآن و حدیث میں مسئلہ امامت اس طرح نہیں آیا اس میں کچھ شک نہیں، کہ جو کام اصول دین میں ہو اس کی بابت ضروری ہے، کہ خدا، اور رسول بیان کریں، حالانکہ مسئلہ امامت کو جس طرح شیعہ لوگ کہتے ہیں، قرآن و حدیث میں کہیں اس کا ثبوت نہیں ملتا، اخبار ذوالفقار میں ایک نوٹ نکلا ہے، جو درج ذیل ہے لکھتا ہے جس سے شیعوں کا اس مسئلہ میں خیال معلوم کیا جا سکتا ہے

"در اصل منصب خلافت و امامت بھی منصب نبوت ہے، کیوں کہ جس غرض کے پورا کرنے کے لئے نبی آتا ہے، اسی غرض کے پورا کرنے کے لئے امام علیہ السلام بھی منصوب ہوتا ہے، پس اسی وجہ سے خلافت و امامت کو بھی نبوت کی طرح اصول دین میں قرار دیا گیا ہے، جمہور اہل سنت جماعت نے بھی مسئلہ خلافت و امامت کو اصول دین میں تسلیم کیا ہے، ازالۃ الخفا میں شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں، لاجرم نور توفیق الٰہی در دل ایں بندۂ ضعیف را مشروح و مبسوط گردانید تا کہ بعلم الیقین دانستہ شد کہ اثبات ایں خلافت بزرگوارانؔ اصلی است از اصول دین تا دستے کہ ایں اصل را محکم

؎ حضرات خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم مراد ہیں، جن کی خلافت راشدہ کو تسلیم کرنا اصول دین سے شاہ مرحوم فرماتے ہیں (راز)

نہ گیرند، ہیچ مسئلہ از مسائل شریعت محکم نہ شود، ہر کہ در شکستن ایں اصل سعی می کند، در حقیقت ہدم جمیع فنون دینی می نماید، کتاب الملل والنحل علامہ شہرستانی صفحہ ۱۵ مطبوعہ بولاق مصر میں فرماتے ہیں، ومن المعلوم ان الدین اذا کان منقسما الی معرفۃ وطاعۃ والمعرفۃ اصل والطاعۃ فرع فمن تکلم فی المعرفۃ والتوحید کان اصولیا ومن تکلم فی الطاعۃ والشریعۃ کان فروعیا فالاصول هو موضوع علم الکلام والفروع هو موضوع علم الفقہ، یعنی معلوم ہوتا ہے، کہ دین جب کہ معرفت وطاعت میں منقسم ہوا، تو معرفت اصل ہے، اور طاعت فرع ہے، پس جو شخص کہ معرفت اور توحید میں کلام کرتا ہے، وہ اصولی ہے، اور جو شخص کہ طاعت اور شریعت میں کلام کرے، وہ فروعی ہے، اور اصول علم کلام کا موضوع ہے، اور فروع علم فقہ کا موضوع ہے، پس توحید عدل نبوت امامت معاد چونکہ علم کلام کا موضوع ہے تو ثابت ہوا، کہ یہ پانچوں اصول دین ہیں فروع دین"

(ذوالفقار - ۵ رمئی ص۱)

اہلحدیث اس دعوی کی تشریح یہ ہے، کہ بقول شیعہ نبی کی طرح امام وقت گناہوں سے پاک اور تبلیغ شریعت میں معصوم ہوتا ہے، اس سے تبلیغ شریعت میں غلطی نہیں ہوتی، اس دعوی پر جو دلیل پیش کی گئی ہے، وہ حیرت افزا ہے، حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے جو لکھا ہے، خاص خلافت راشدین کی بابت لکھا ہے، آپ کا مطلب یہ ہے، کہ خلافت راشدہ میں چونکہ اسلام پوری ترقی اور جلال کو پہنچا تھا، اس لئے وہ گویا ایک محکم اصول ہے دین کے سمجھنے کے لئے، یہ مطلب نہیں، کہ مطلق امامت وخلافت چاہے کسی زمانہ میں ہو، اصول دین میں ہے، علامہ شہرستانی کا قول تو بالکل بے تعلق ہے، نہ اس میں خلافت کا ذکر ہے نہ نبوت کا، علاوہ اس کے علامہ موصوف کی عبارت کو کاٹ کر نقل کیا گیا ہے، شروع اس کا یوں ہے،

قال بعض المتکلمین الاصول معرفۃ الباری تعالی بوحدانیتہ وصفاتہ ومعرفۃ الرسل بایاتہم وبیناتہم وبالجملۃ کل مسئلۃ یتعین الحق فیها بین المتخاصمین فهی من الاصول (شہرستانی برابن حزم ج ۱ ص ۱۵) بعض متکلمین کہتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور صفات کی معرفت اور انبیاء کی پہچان اصول ہیں، اور اس کے سوا جس مسئلہ میں فریقین کے مابین حق متعین ہو جائے، وہ اصول سے ہے۔

اس عبارت کا مطلب صاف ہے، کہ دین کے اصل الاصول تو وہی ہیں، خدا تعالیٰ کی وحدانیت، اور رسالت کی معرفت، ان کے علاوہ مخالف فریقین جس امر کو اپنے میں حد فاصل

سمجھیں، وہ اس مباحثہ کی حیثیت سے اصول ہوگا، مثلاً شیعہ سنی میں امامت اور خلافت، یا خلافت راشدہ کی بحث ہے، یا مقلدین اور غیر مقلدین (اہلحدیث) میں مسئلہ تقلید شخصی حد فاصل ہے وغیرہ، تو یہ اصول، اصول دین نہیں ہونے، بلکہ اصول مذہب، کہنے سے ان کا یہ مطلب ہوتا ہے، کہ اس اصول پر بحث ہو، تو دونوں مذاہب کی فروعات پر پہنچ سکیں، اثر مثبت کی جانب، نفی کا اثر منکر کی جانب، اس کو تنازعہ خلافت یا امامت سے تو کوئی تعلق نہیں، نہیں معلوم اس کو کیوں نقل کیا گیا، اصل مسئلہ (ضرورت امام) کی وجہ بقول شیعہ یہ ہے، کہ احکام شرع کی تبلیغ اور تفسیر کی چونکہ ضرورت ہے، اس لئے کسی ایسے آدمی کی ہر وقت ضرورت ہے جو بلا کم و کاست احکام شرع ہم کو بتا دے، اور وہ بتلانے میں غلطی سے محفوظ ہو، ورنہ اس کی غلطی سے تمام دنیا میں غلطی پھیل جائے گی، بقول شیعہ ہر زمانے میں امام زمان ہوتا رہا ہے، اس زمانے کا امام مہدی ہے، جو پیدا ہو کر نظروں سے غائب ہے، اور ہم اس کے آنے کے منتظر ہیں، علامہ ابن تیمیہ اس کے متعلق لکھتے ہیں:۔

فصاحب الزمان الذی یدعون الیہ لا سبیل للناس الی معرفتہ ولا معرفۃ ما یامرھم بہ وما ینھاھم عنہ وما یخبرھم بہ فان کان احد لا یصیر سعیدا الا بطاعتہ ھذا الذی لا یعرف امرہ ولا نھیہ لزم ان لا یتمکن احد من طریق النجاۃ و السعادۃ وطاعۃ اللہ وھذا من اعظم تکلیف ما لا یطاق وان قیل بل ھو یامر بما علیہ الامامیۃ قیل فلا حاجۃ الی وجودہ ولا شھودہ فان ھذا معروف سواء کان حیا او میتا وسواء کان شاھدا او غائبا واذا کان معرفۃ ما امر اللہ بہ الخلق ممکنا بدون ھذا الامام المنتظر علم انہ لا حاجۃ الیہ ولا یتوقف علیہ طاعۃ اللہ ولا نجاۃ احد و لا سعادۃ وحینئذ یمتنع القول بجواز امامۃ مثل ھذا فضلا عن القول بوجوب امامۃ مثل ھذا وھذا امر بین لمن تدبر۔ فانہ لیس فی الارض من یدعی دعوی صادقۃ انہ رای ھذا المنتظر وسمع کلامہ وان لم یکن موقوفا علی ذلک امکن فعل الواجبات العقلیۃ والشرعیۃ وترک القبائح العقلیۃ والشرعیۃ بدون ھذا المنتظر فلا یحتاج الیہ ولا یجب وجودہ ولا شھودہ (منہاج السنۃ ج ۱ ص ۳۰)

امام الزمان جس کی طرف (شیعہ) لوگوں کو بلاتے ہیں، لوگ اس کو پہچان نہیں سکتے (کیونکہ وہ آنکھوں سے غائب ہے) نہ اس کے حکم اور منع کو معلوم کر سکتے ہیں، پھر اگر کسی مسلمان کی سعادت اور

نجات اس پر موقوف ہے، کہ غائب امام وقت کو معلوم کرلے، تو لازم آئے گا، کہ کوئی شخص بھی نجات اور سعادت اور اللہ کی اطاعت کی راہ پر نہ پہنچ سکے، اور یہ تکلیف محال لازم آئے گی، اگر یہ کہا جائے، کہ وہ امام مہدی جو غائب ہے وہی حکم کرتا ہے، جو شیعہ تبلاتے ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے، کہ پھر ایسے امام کی حاجت نہیں، کیونکہ یہ تو ہمیں پہلے ہی معلوم ہے، جب اللہ کے احکام کی معرفت اس کے بغیر بھی ممکن ہے، تو ثابت ہوا، کہ اس کی حاجت نہیں، اور خدا کی اطاعت اور اخروی نجات اور سعادت اس پر موقوف نہیں، پس ایسے امام کے وجود کی ضرورت نہ ہوگی، بجایہ کہ اس کے وجوب کی ضرورت ہو، جو شخص غور کرے اس کے لئے یہ بات بالکل کھلی ہے، کیوں کہ کوئی شخص دنیا بھر میں یہ دعویٰ نہیں کرتا، کہ اس نے امام غائب (مہدی) کو دیکھا ہے، یا اس کا کلام سنا ہے، اور اگر شرعی علوم امام غائب پر موقوف نہیں، تو احکام شرعیہ کی تعمیل بغیر اس کے ہو سکتی ہے، ایسا ہی عقلی اور شرعی قبائح ترک ہو سکتے ہیں، پس امام غائب کی حاجت نہیں، نہ اس کا وجود ضروری ہے نہ شہود۔

اس عبارت نے فیصلہ کر دیا، کہ اہل سنت کا یہ خیال نہیں، کہ امام وقت یا خلیفہ وقت کا اعتقاد اصول دین سے ہے، امام زمان کے مسئلہ پر ایک روایت کو بطور دلیل لایا جاتا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاھلیۃ. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا جو شخص مرجاوے، اس حال میں کہ اس نے اپنے زمانے کے امام کو نہ پہچانا ہو، وہ کفر کی موت مرتا ہے

اس روایت کا جواب علامہ ابن تیمیہ یوں دیتے ہیں:۔

فیقال اولا من روی ھذا الحدیث بھذا اللفظ واین اسنادہ وکیف یجوز ان یحتج بنقل عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من غیر بیان الطریق الذی یثبت ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ھذا لو کان مجھول الحال عند اھل العلم بالحدیث بھذا اللفظ لا یعرف انما الحدیث المعروف مثل ما روی مسلم فی صحیحہ عن نافع عن ابن عمر قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من خلع یدا من طاعۃ لقی اللہ یوم القیامۃ لا حجۃ لہ ومن مات ولیس فی عنقہ بیعۃ مات میتۃ جاھلیۃ. فعلم ان ھذا الحدیث علی ما دل علیہ سائر الاحادیث الآتیۃ من انہ لا یخرج علی ولاۃ امور المسلمین بالسیف (منہاج السنۃ ج ا ص ۲۷)

پہلے یہ بتاؤ، کہ اس حدیث کو کس نے روایت کیا ہے، اور اس کی سند کہاں ہے اور بغیر بیان کرنے سند کے جس سے ثابت ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے، دلیل میں اس کو کیسے لا سکتے ہیں یہ بھی اس صورت میں ہے، کہ سند کا حال معلوم نہ ہو، پھر جس حال میں یہ حدیث ان لفظوں سے معلوم ہی نہیں، تو کیا ہو سکتا ہے، جو حدیث محدثین میں معروف ہے وہ یہ ہے، جس کو امام مسلم نے نافع اور ابن عمر رضی سے روایت کیا ہے، اس نے کہا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے، کہ جو کوئی حاکم کی اطاعت سے ہاتھ کھینچے قیامت کے اللہ تعالیٰ کے سامنے آئے گا، تو اس کے پاس نجات کے لئے کوئی حجت اور دلیل نہ ہوگی اور یہ بھی فرمایا، کہ جو شخص مرجائے اس حال میں کہ اس نے امام وقت کی طاعت کا وعدہ نہ کیا ہو، تو وہ جاہلیت کی موت مرگیا، یہ حدیث بھی وہی معنی بتاتی ہے، جو باقی احادیث بتلاتی ہیں، کہ مسلمانوں کے انتظامی امور کے والیوں سے مخالفت نہ کرنی چاہیے

(اہلحدیث امرتسر یکم جون ۱۹۱۷ء)

امامِ وقت کا سوال

(۱) کیا حدیث من مات ولیس فی عنقہ بیعتہ مات میتۃ جاہلیۃ (مسلم) فی زماننا قابل عمل ہے یا نہیں؟

(۲) اگر نہیں تو کیوں اور کیا وجہ؟

(۳) اگر حدیث مسطورہ بالا قابل عمل ہے، تو امام و سردار مومنین کا تعین حتمی ہے یا نہیں؟

(۴) امام و سردار کے لئے محض شرط قریشیت ہی ہے یا ما اقاموا الدین پر مشتمل ہے

(۵) اگر قریش ما اقاموا الدین، نہ ہو تو دوسری قوم میں باعتبار ما اقاموا الدین سردار و امام بنایا جا سکتا ہے یا نہیں؟

(۶) اگر کوئی قریش یا عوام الناس حدیث مندرجہ بالا کے بوجہ تغافل، تجاہل، عامل نہ ہوں، اور حدیث مذکورہ مردہ ہو چکی ہو، پر چند افراد حدیث مردہ کو دوبارہ زندہ کرنے کی غرض سے غیر قریش جو ما اقاموا الدین کرتا ہو، امام و سردار مان لیویں، اور یوفوا فیوما خاومان شریعت محمدی متبعین مسلک احمدی جوق در جوق محض حدیث مذکور پر عمل کرنے کی غرض سے اور اپنے آپ کو حدیث مذکور پر کاربند ہونے کی وعید شدید سے بچانے کی وجہ سے عامل ہو رہے ہوں،

اس کو نیک کام سمجھنا عند اللہ وعند الرسول جائز ہے یا نہیں؟

(شیخ احمد دین صدر بازار دہلی، خریدار نمبر ۵۷۰۱)

الجواب قرآن و حدیث ہر زمانے میں واجب العمل ہے۔ جواب کے لئے تفصیل کی ضرورت ہے، پس سنیے:۔

امام وقت سے مراد ہے خلیفہ با سیاست، مسلمانوں پر فرض ہے، کہ اپنے دینی اور دنیاوی انتظام کے لئے اپنا کوئی امیر بنائیں، جو ان کی ملکی اور مذہبی امور میں راہ نمائی کرے اگر نہ کریں گے، تو سخت گنہ گار ہوں گے، لیکن ایسے وقت میں جب کہ ان کا کوئی امام نہ ہو، تو پھر یہ اس کا قائم مقام نہیں ہو سکتا، کہ وہ کسی امام نماز سے بیعت کر کے خوش ہو جائیں، کہ ہم نے اس حکم پر عمل کر لیا۔ اس کا ثبوت اس حدیث سے ملتا ہے جس کو امام بخاری لائے ہیں۔ اذا لم تکن جماعۃ، حذیفہ صحابی رضی اللہ عنہ نے پوچھا حضور جب امام نہ ہو، نہ جماعت ہو، تو میں کیا کروں، فرمایا سب سے الگ ہو کر اللہ اللہ کیجیو، اس وقت ہم ہندوستانیوں کی یہی حالت ہے، ہم افراد کثیرہ ہیں جماعت نہیں ہیں، مثلاً ایک مسجد میں ہزار آدمی اکیلا اکیلا نماز پڑھتا ہو، اس کو جماعت نہیں کہیں گے، ہاں دو کس بھی کسی کو امام بنا کر پڑھتے ہیں، تو جماعت ہوگی، جماعت کے لئے ایک مرکز کا ہونا ضروری ہے، بس آج کل ہم ہندوستانی اسی حالت میں زندگی گذار رہے ہیں، جو شریعت کو ناپسندیدہ ہے، مگر اس ناپسندیدہ زندگی کے وقت کے لئے بھی حکم مذکور جاری فرمایا ہے، امام سے مراد اگر کوئی امام مسجد یا امام صلوۃ ہوتا جس کو سیاسی قوت نہ ہوتی، تو صحابی مذکور نہ سوال کرتا، نہ آنحضرت کا یہ جواب صحیح ہوتا کیونکہ ایسے امام تو ہر وقت مل سکتے ہیں، جو سیاست سے خالی اور بیعت کے دل دادہ ہمارے ملک پنجاب بلکہ کل ہندوستان میں گدی نشین لوگوں سے بیعت کرتے پھرتے ہیں، اور ان کے مریدان کی اطاعت بھی کرتے ہیں، تو کیا یہ جماعت ہے؟ ہرگز نہیں۔ بس اب نمبروار جواب سنیے:۔

(۱) امام با سیاست ملے، تو حدیث موصوف واجب العمل ہے۔

(۲) آج کل کوئی با سیاست امام نہیں، اس لئے حدیث موصوف کا دوسرا ٹکڑا واجب العمل ہے۔ اعتزل الفرق کلھا۔

(۳) ہم پہلے کہہ چکے ہیں، کہ نصب امام فرض ہے۔

(۴) قریشیت ہو تو افضل ہے، نہ ہو تو غیر قریشی قابل بھی ہو سکتا ہے۔

(۵) بنایا جا سکتا ہے، باسیاست ہو، تو اس حدیث کے ماتحت ہوگا، باسیاست نہ ہو، تو حدیث سفر کے ماتحت سمجھا جائے گا، بہرحال سردار اور امیر ہونا مفید ہے

(۶) اس کا جواب نمبر ۵ میں آچکا ہے، کہ بے شک جتنا بھی انتظام ہو سکے نہ ہونے سے بہتر ہے، مگر حدیث مذکور کے ماتحت امیر سیاست ہوگا، وگر ایسچ، ہاں حدیث سفر کے ماتحت موجب ثواب ہے، مگر ایسی صورت میں کسی باہر رہنے والے پر ایسا امیر کوئی کسی قسم کا شرعی فتویٰ (کافر، فاسق یا باغی وغیرہ) نہیں لگا سکتا، بلکہ جتنے آدمی اس کے ماتحت ہونے ان پر مناسب حکم جاری کر سکتا ہے، اور بس۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ اللہم وفقنا للجماعة

(اہلحدیث امرتسر یکم فروری ۱۹۲۷ء)

توجہ سے سنیئے

بعض الفاظ قرآن وحدیث میں متعدد معانی پر آئے ہیں، وہ معانی متعدد وہ بعض دفعہ کلی مشکک کے ماتحت ہوتے ہیں، بلکہ بعض دفعہ انواع مختلفہ کی صورت اختیار کر لیتے ہیں جس سے ناواقف یا غیر مسائل کو دھوکہ لگ جاتا ہے، مثال کے طور پر لفظ "طہارت" ہے، جس کے مجمل معنی پاکیزگی ہے، غور فرمائیے، کہ یہ کتنے معانی پر آتا ہے۔

(۱) طہارت سے مراد توحید ہے۔ اس کے مقابلہ میں نجاست شرک ہے۔ چنانچہ فرمایا، فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ

(۲) دوسرے معنی طہارت کے غسل بعد جنابت ہیں، چنانچہ فرمایا۔ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا (اگر تم جنبی ہو، تو طہارت حاصل کر لو، یعنی غسل کر لو)

(۳) تیسرے معنی طہارت کے غسل بعد حیض ہے، جیسے فرمایا۔ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ (عورتیں جب حیض سے پاک ہو لیں)

(۴) چوتھے معنے وضو ہیں۔

(۵) پانچویں معنی ہیں۔ ظاہری نجاست پاخانہ، پیشاب سے پاکی، جیسے فرمایا طہور اناء احدکم (حدیث شریف)

اسی طرح "امام" کا لفظ قرآن وحدیث میں متعدد معانی پر بولا گیا ہے، اصل مشترک معنی اس لفظ کے صرف "مقتدا" ہیں، مگر مقتدا کا لفظ کلی مشکک کی صورت میں مختلف اقسام

پر آیا ہے۔

(۱) سب سے اول حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بولا گیا ہے، چنانچہ فرمایا۔ اِنِّی جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ ان انبیاء کی اقتدار کمال درجہ کی ہوتی ہے، یعنی یہ حضرات مذہبی احکام میں تمام دنیا کے لئے اسوۂ حسنہ ہوتے ہیں، ان کی اقتدار کے ذریعہ نجات ہوتی ہے، حکومت دنیاوی یعنی سیاست ان معنی کے لئے لازم نہیں، ہو یا نہ ہو غرض منفک ہے جس کی مثال حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کافی ہیں۔

(۲) دوسرے معنی امام کے ہیں، ان انبیاء کی تعلیم پہنچانے والے علماء جن کو ائمہ ہدیٰ کہا جاتا ہے، جیسے اماماں مشہور ہیں، امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام بخاری وغیرہ۔ اس درجہ امامت میں بھی وہ اصل معنی مقتدا، والے پائے جاتے ہیں۔ مگر ان کی اقتدا استقلالاً نہیں، جس طرح انبیاء کی تھی، بلکہ بشرط موافقت انبیاء (علیہم السلام) انہیں کے حق میں فرمایا وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا۔ اسی درجہ کے حصول کے لئے ہم مسلمانوں کو دعا سکھائی گئی ہے وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا، ورنہ امامت نبوت کے لئے بعد ختم نبوت کوئی مسلمان دعا نہیں کر سکتا ہے

(۳) تیسرے معنی امام کے ہیں امام صلوٰۃ، جس کی بابت ارشاد ہے۔ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ۔

(۴) چوتھے معنی امام کے ہیں، مسلمان حاکم وقت، جس کی بابت ارشاد ہے۔ اَلْاِمَامُ جُنَّةٌ يُّقَاتَلُ مِنْ وَّرَائِهٖ (امام ایک ڈھال ہے) اسی امام کو دوسری حدیث میں سلطان سے ذکر کیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے۔ السلطان ظل اللہ یاوی الیہ کل مظلوم (الحدیث) یعنی سلطان زمین پر خدا کا سایہ ہے، اس کے پاس مظلوم آتے ہیں، عدل کرے تو اس کے لئے اجر ہے، اور رعیت پر شکر واجب ہے (مشکوٰۃ کتاب الامارۃ)

قرآن و حدیث کو بغور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ چار قسمیں باہمی انواع مختلفہ تحت جنس نہیں، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں، کہ بعض مواد میں ان میں سے دو قسمیں ایک مادہ میں جمع ہو جاتی ہیں، مثلاً بعض انبیاء محض مذہبی مقتدا، بلا سیاست ہیں جیسے حضرت ابراہیم، حضرت عیسےٰ علیہم السلام وغیرہ اور بعض باسیاست بھی ہیں، جیسے حضرت موسیٰ، حضرت داؤد حضرت سلیمان اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، یہ حضرت مذہبی مقتدا باسیاست تھے،

اسی طرح امام ہلاسیاست امام صلوۃ بھی ہوسکتا ہے، حالانکہ قاعدہ کلیہ ہے، کہ انواع متخالفہ قسیم ہونے کی وجہ سے ایک مادہ میں جمع نہیں ہوسکتے۔

ان اقسام اربعہ کے احکام

حسب قانون محصلین تعریف کے بعد ہر ایک قسم کا حکم بتانا بھی ضروری ہے، گو ضمناً معلوم ہوتا ہے تاہم تصریح کے ساتھ بتانا زیادہ مفید ہوگا۔

قسمِ اول یعنی امامت انبیاء کا حکم یہ ہے، کہ بلاچون وچرا ان کی پیروی کی جائے انکار کرنے والے پر کفر عائد ہو، جیسا کہ مسلمہ فریقین بلکہ مسلمہ کل اہل اسلام ہے

قسمِ دوم یعنی ائمہ ہدیٰ کی امامت کا یہ حکم ہے، کہ اس کی پیروی کی جائے بشرط موافقت تعلیم انبیاء، والا۔ لا

قسمِ سوم امام صلوۃ کا حکم یہ ہے، کہ خاص حالت صلوۃ میں امام کی پیروی فرض ہے چنانچہ فرمایا۔ اِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا وغیرہ، مگر سوائے نماز کے باقی اوقات میں امام کی اطاعت فرض واجب نہیں۔

قسمِ چہارم کا حکم یہ ہے، کہ ہر حال میں اس کی اطاعت کی جائے، ملکی انتظام اس کے حکم کے ماتحت ہو، جہاد اس کے حکم سے ہو، مظلوم اس سے فریاد کرے۔ وہ ظالم سے مظلوم کا انتقام لے، چنانچہ ارشاد ہے۔ بایعنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی السمع والطاعۃ فی العسر والیسر والمنشط والمکرہ وعلی اثرۃ علینا۔ الحدیث یعنی ہم (صحابہ) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی، کہ امام وقت کی بات سنا کریں گے، اور تابع داری کیا کریں گے تنگی، آسانی، خوشی اور ناخوشی سب میں، اسی امام کی بابت ارشاد ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من خرج من الطاعۃ وفارق الجماعۃ فمات میتۃ الجاھلیۃ۔ الحدیث یعنی جو شخص امام کی اطاعت سے نکل جائے، اور جماعت سے جدا ہو جائے، وہ جاہلیت کی موت مرے گا

ان سب مراتب کی جامعہ قرآن مجید کی یہ آیت ہے۔ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ یعنی اللہ کا کہا مانو، رسول کا حکم مانو، اور اپنے میں سے حکومت والوں کی اطاعت کرو، یاد رہے، کہ امامت قسم چہارم ہی وہ امامت ہے، جس پر اسلام کی ترقی کا دارومدار ہے، اسی کے ایک فعل کی بابت فرمایا ہے۔ ذروۃ سنامہ الجہاد (اسلام کی بلندی اور

برتری جہاد میں ہے) یہی نرہ عالی قدر نقل ہے، جس کی بابت ارشاد ہے الامام جُنّۃ یقاتل من ورائہ (امام مثل ڈھال کے ہے، جس کے حکم سے جہاد کیا جاتا ہے، یہی وہ امامت ہے جس کی بابت ارشاد ہے۔ الجہاد ماض مع بر و فاجر (جہاد جاری رہے گا، چاہے امام نیک ہو یا برا) کچھ شک نہیں، کہ مسلمانوں کے تفرق انفصال کو دیکھ کر یقیناً ضرورت محسوس ہوتی ہے، کہ کوئی جامع شخص پیدا ہو، تاکہ ان کو یک جا کرے، مگر آج تک ہندوستان میں اس جامعیت کے مدعی جتنے ہوئے ہیں، انہوں نے بجائے جمع کرنے کے تفرق میں شگاف زیادہ کر دیا، معاف فرمایئے، مسلمانوں کو کسی جامع امام کی ضرورت ہے، محض مدعی کی نہیں ؎

یہ مان لیا ہم نے کہ عیسےٰ سے سوا ہو — جب جانیں کہ دردِ دل عاشق کی دوا ہو

(اہلحدیث امرتسر ۱۷ جون ۱۹۲۷ء)

تشریح

(از جناب مولانا محمد ابوالقاسم صاحب سیف بنارسی)

من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاھلیۃ (یعنی جو شخص اس حال میں مر جائے، کہ اس نے اپنے زمانے کے امام کو نہیں پہچانا، تو اس کی موت مثل موت اہل جاہلیت ہوگی) یہ حدیث ان لفظوں سے حدیث کی کسی معتبر اور مشہور کتاب میں موجود نہیں شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ منہاج السنۃ میں لکھتے ہیں۔ ھذا الحدیث بھذا اللفظ لا یعرف (ص ۲۷ ج ۱)

یعنی یہ حدیث ان لفظوں سے نہیں پہچانی جاتی،

تعجب تو یہ ہے کہ آج کل ہر سردار اپنے کو "امام" کہنے لگا ہے، اسے یہ بھی پتہ نہیں، کہ اصطلاح شارع میں "امام" سے مراد کون سی ہستی ہے، حدیث متفق علیہ میں وارد ہوا ہے، الامام راع وھو مسئول عن رعیتہ (یعنی امام حاکم ہوتا ہے، جس کی رعیت ہو جس کا وہ مسئول عنہ ہے اسی کو دوسری حدیث متفق علیہ میں یوں فرمایا گیا ہے۔ انما الامام جنۃ یقاتل من ورائہ ویتقی بہ (بخاری شرح پارہ ۱۲ مسلم ص ۱۲۶ ج ۲۔ نسائی ص ۱۴۶ ج ۲) وفی ابن ابی شیبۃ الامام جنۃ یقاتل بہ (کنز الحقائق ص ۹ ج ۲) (یعنی امام وہ ہے، جو رعیت کے لئے سپر ہے اس کے ساتھ ہو کر کافروں سے قتال کیا جائے، اور مسلمان اپنی مصیبتوں میں اس کو آڑ بنائیں" اسی امام کو (جس کی بیعت کے بغیر جاہلیت کی سی موت ہوگی) دوسری متفق علیہ حدیث میں "سلطان"

کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، ارشاد ہے۔ لیس احد من الناس یخرج من السلطان شبرًا فمات علیہ الامات میتۃ جاھلیۃ (مسلم ص۱۲۸ ج ۲ بخاری، شرح ۶ پارہ ۲۹) آنحضرت صلی اللہ علیہ وبارک وسلم نے فرمایا، کہ جو شخص سلطان اسلام کی اطاعت سے ایک بالشت بھی الگ ہو کر مر جائے گا، اس کی موت مثل موت اہل جاہلیت ہوگی، یہی سلطان کا وصف مسند بزار و شعب الایمان للبیہقی وغیرہ کی روایات میں یوں مذکور ہے۔ السلطان ظل اللہ فی الارض یاوی الیہ کل مظلوم من عبادہ وفی روایۃ یاوی الیہ الضعیف وبہ ینتصر المظلوم (جامع صغیر ص۳۱ ج ۲ و منتخب کنز العمال ص ۱۳۱-۱۳۲ ج ۲) یعنے سلطان زمین پر خدا کا ظل و نائب ہے، ہر کمزور مظلوم اس کی طرف پناہ لیتے ہیں، اور ہر مظلوم کا وہ بدلہ لیتا ہے۔

خدا کے لئے کوئی بتلائے تو سہی کہ برٹش حکومت میں ہندوستان کے اندر کون ایسا امام ہے؟ اور جب کوئی ایسا نہیں ہے، تو مدعیان امامت کو ایک اور حدیث بھی سن لینی چاہیے، عن ابن عمر قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الامام الضعیف ملعون رواہ الطبرانی (جامع صغیر ص۱۰۳ ج ۱ و کنوز الحقائق ص۸۰ ج ۲) یعنی ملعون ہے، وہ امام جو کمزور ہو یعنی احکام حدود و حرب نافذ نہ کر سکے، جیسا کہ شعرانی کشف الغمہ میں اس حدیث کو نقل کر کے لکھتے ہیں۔ وھو الذی یضعف عن تنفیذ الامور الشرعیۃ واقامتھا (ص۲۰۰ ج ۲) یعنی جو امور شرعی کو نافذ کرنے اور قائم رکھنے سے عاجز ہو، شیخ عزیزی سراج المنیر میں، اور شیخ حفنی اس کی شرح میں لکھتے ہیں۔ الامام الضعیف عن اقامۃ احکام الشرعیۃ ملعون ای مطرود فعلیہ عزل نفسہ ان اراد الخلاص فی الدنیا والاخرۃ انتہی (ص۱۳۳ ج ۲) یعنی وہ امام جو احکام شرعیہ کے قائم کرنے سے عاجز ہے راندہ بارگاہ ہے، ایسے کو اس منصب سے خود الگ ہو جانا چاہیے، اگر وہ اپنی جان کی مخلصی دنیا اور آخرت میں چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وجعلناھم ائمۃ (الی قولہ) واتبعناھم فی ھذہ الدنیا لعنۃ الخ (پ۲۰)

آخر میں امام زمان کے لئے ایک اور بھی شرط سن لیجئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے الائمۃ من قریش (مسند ابی داؤد الطیالسی ص۲۸۴ منتخب کنز العمال ص۱۴۲ ج ۲ کنوز الحقائق ص۱۰ ج ۲ فتح الباری انصاری ص۳۲۷ پ ۲۸ و ص ۵۸۹ پ ۲۹) یعنی امام کا قریش سے ہونا ضروری ہے ولعل فیہ کفایۃ۔ (اہلحدیث گزٹ دہلی۔ اکتوبر ۱۹۵۱ء)

الجواب جاننا چاہیئے، کہ امام اکبر یعنی امیر المؤمنین جس کے اختیار میں انتظام سارے مومنوں کا ہوتا ہے۔ اس کی اطاعت فرض ہے۔ اس میں کئی شرطیں ضرور ہیں کہ جب وہ شرطیں پائی جائیں گی۔ وہ امام وقت شرعاً ہو گا، ورنہ نہ ہو گا۔

شرط اول یہ ہے۔ کہ وہ قریشی ہو یعنی قریش میں سے ہو۔ جیساکہ کتب عقاید میں ہے کیونکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، کہ امامت قریش کے ساتھ مختص ہے۔ ان شاء اللہ تفصیل اس کی آگے آتی ہے۔

دوسری شرط یہ ہے۔ کہ وہ زندہ اور حاضر ہو، اور عاقل ہو۔ مردہ و غائب قابل امامت کے نہیں، اس کا ثبوت بھی انشاء اللہ تعالیٰ ذکر کروں گا

تیسری شرط یہ ہے، کہ اس کے پہلے اور کسی امام کے ہاتھ پر مومنین نے بیعت نہ کی ہو اور وہ امام اول اب تک زندہ ہو۔

چوتھی شرط یہ ہے۔ کہ مومن اور دیندار ہو۔ انشاء اللہ ان دونوں شرطوں کا بھی ثبوت ذکر کیا جاوے گا۔

ثبوت شرط اول کا یہ ہے۔ عن ابن عمر رض ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یزال ھذا الامر فی قریش مابقی منھم اثنان رواہ البخاری ومسلم (ترجمہ) روایت ہے عبداللہ بن عمر رض سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ رہے گا، یہ امر یعنی خلافت و امامت قریش میں جب تک باقی رہیں گے ان میں سے دو شخص، اس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا، قال السید جمال الدین فی شرح المشکوٰۃ تحت ھذا الحدیث دل ھذا الحدیث ونظائرہ علی ان الخلافۃ مختصۃ بقریش لا یجوز عقدھا بغیرھم وعلی ھذا انعقد اجماع الصحابۃ ومن بعدھم ومن خالف فھو محجوج بالاجماع (ترجمہ) فرمایا سید جمال الدین شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کے تحت میں، دلالت کرتی ہے یہ حدیث اور جو مثل اس کے ہے اس بات پر کہ خلافت قریش کے ساتھ خاص ہے، دوسروں کو اس کا اختیار نہیں ہے۔ اور اس پر منعقد ہوا اجماع صحابہ کا، اور ان کے بعد کا، جو خلاف کرنے اس کا وہ مردود ہے اجماع سے۔

وعن معاویۃ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان ھذا الامر فی قریش لا یعادیھم احد الا کبہ اللہ علی وجھہ ما اقاموا الدین رواہ البخاری فی

صحیحہ (ترجمہ) روایت ہے، امیر معاویہ رضہ سے، کہا سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ فرماتے تھے تحقیق یہ امر یعنی خلافت قریش میں ہے، نہیں جھگڑے گا کوئی ان سے، مگر اللہ اس کو منہ کے بل گرا دے گا، یعنی دنیا میں مغلوب کرے گا۔ اور آخرت میں عذاب کرے گا جب تک وہ لوگ یعنی قریش دین کو ٹھیک رکھیں گے۔ قال الحافظ فی الفتح (قولہ) ان ھذا الامر الخ ای لاینازعھم احد فی الامر الا کان مقھورا فی الدنیا معذبا فی الاخرۃ انتھی (ترجمہ) کہا حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں، قول میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیشک یہ امر خلافت آخر حدیث تک جس کا خلاصہ یہ ہے، کہ نہ جھگڑے گا ان سے کوئی مگر قہر ہو گا۔ اس پر دنیا میں اور عذاب پا دے گا آخرت میں، تمام ہوا قول حافظ ابن حجر کا۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الناس تبع لقریش فی ھذا الشان مسلمھم تبع لمسلمھم وکافرھم تبع لکافرھم رواہ مسلم (ترجمہ) روایت ہے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے لوگ تابع ہیں قریش کے اس امر میں یعنی خلافت میں، مسلمان ان کے تابع ہیں مسلمان کے، اور کفار انکے تابع ہیں کفار کے، روایت کیا اس کو مسلم نے۔ قال الامام النووی فی شرح مسلم تحت ھذا الحدیث وفی روایۃ الناس تبع لقریش فی الخیر والشر وفی روایۃ لایزال ھذا الامر فی قریش مابقی منھم اثنان وفی روایۃ البخاری مابقی منھم اثنان ھذہ الاحادیث واشباھھا دلیل ظاھر علی ان الخلافۃ مختصۃ بقریش لایجوز عقدھا لاحد من غیرھم وعلی ھذا انعقد الاجماع فی زمن الصحابۃ وکذلک من بعدھم ومن خالف فیہ من اھل البدع او عرض بخلاف من غیرھم فھو محجوج باجماع الصحابۃ والتابعین فمن بعدھم بالاحادیث الصحیحۃ قال القاضی وقد عدھا العلماء فی مسائل الاجماع ولم ینقل عن احد من السلف فیھا قول ولا فعل بخلاف ماذکرنا وکذلک من بعدھم فی جمیع الاعصار انتھی۔

وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الملک فی قریش والقضاء فی الانصار والاذان فی الحبشۃ والامانۃ فی الازد یعنی الیمن رواہ الترمذی (ترجمہ) روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضہ سے کہا، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت قریش میں، اور قضاء انصار میں، اور اذان حبش میں، اور امانت یمن میں روایت کیا

اس کو ترمذی نے قال الشیخ فی اشعۃ اللمعات شرح المشکوٰۃ تحت ھذا الحدیث لعل المراد ان یراعی ھذہ المناصب فیھم فھو خبر فی معنی الامر انتہی۔

یہ حدیثیں صراحۃً دلالت کرتی ہیں اس بات پر کہ امر خلافت وامامت مخصوص ومنحصر ہے قریش میں ہے، انصار وغیرہ کو اس میں کچھ دخل نہیں ہے، جیساکہ اوپر گذرا، کہ جو ان سے اس امر میں جھگڑے گا، اللہ تعالیٰ اس کو منہ کے بل گرادے گا، اور بعض حدیث میں آیا ہے، کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو فرمایا، کہ میرے بعد تم پر قریش امیر ہوں گے تم صبر کیجیو، اور ان کی اطاعت کیجیو۔

عن انس بن مالک رضہ یقول قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم للانصار انکم ستلقون بعدی اثرۃ فاصبروا حتی تلقونی موعدکم الحوض رواہ البخاری (ترجمہ) روایت ہے حضرت انس بن مالک سے کہ کہتے تھے، کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو تحقیق تم پاؤ گے میرے بعد حکومت دوسرے کی پس صبر کیجیے، یہاں تک کہ ملو مجھے اور جگہ وعدے تمہارے کی حوض ہے، روایت اس کو بخاری نے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو مخصوص کرکے فرمایا، کہ تم پر دوسرے حاکم ہوں گے، اس سے معلوم ہوا کہ خلافت قریش کے ساتھ خاص ہے، انصار کو کچھ حصہ اس میں نہیں ہے، چنانچہ کہا حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں ولما کان الامر مختصا بقریش ولاحظ للانصار فیہ خوطب الانصار بانکم ستلقون اثرۃ انتہی۔ اور یہ حدیث چند طرق سے بخاری میں مروی ہے۔

اب بوجہ اتم واکمل ثابت ہوا، کہ امام قریشی ہونا چاہیے، انصاری وغیرہ کو اس سے کچھ سروکار نہیں، اور یہی شرط اول تھی کما لایخفی، اب یہاں پر ایک شبہ ہوتا ہے، اس کا ذکر کرنا اور دفع کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے، وہ یہ کہ حدیث میں آیا ہے۔

عن انس رضہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اسمعوا واطیعوا وان استعمل علیکم عبد حبشی کان راسہ زبیبۃ رواہ البخاری (ترجمہ) روایت ہے انس رضی اللہ عنہ سے، کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سنو اور تابعداری کرو، اگرچہ حاکم بنایا جائے تم پر غلام حبشی کہ سر اس کا مانند انگور خشک کے ہو، تو یہاں پر قریش کی خصوصیت نہ فرمائی بلکہ فرمایا جو حاکم ہو، اس کی تابعداری کرو، تو اب قریش کی خصوصیت جاتی رہی، پس اس حدیث میں اور احادیث سابقہ میں تطبیق کیونکر ہوگی۔ دفعیہ اس کا یہ ہے کہ یہاں حاکم سے مراد وہ عامل ہے

کہ جس کو امام وقت کسی شہر یا کسی گاؤں یا کسی لشکر پر مقرر کرے، امام وقت مراد نہیں ہے کیونکہ لفظ حدیث ان استعمل ہے جس کا ترجمہ ہے، عامل بنا جاوے، اور عامل امام وقت کو نہیں کہتے ہیں، اور احادیث سے ثابت ہوا، کہ امامت خاص ہے قریش کے ساتھ تو ضرور ہوا، کہ حدیث سے وہ عامل مراد لیا جائے، جس کو امام وقت مقرر کرے۔

قال الحافظ فی الفتح ونقل ابن بطال عن المهلب قال قوله اسمعوا واطيعوا يوجب ان يكون المستعمل للعهد الامام قريشی لما تقدم ان الامامة لا تكون الا فی قريش واجمعت الامة علی انها لا تكون للعبيد انتهی قال ايضا فی المقام الاخر، واوله ابن الجوزی بان المراد بالعامل هذا من يستعمل الامام لا من يلی الامامة العظمی انتهی وقال فی المقام الاخر وقيل ان الامام الاعظم اذا استعمل عبدا حبشيا علی امارة بلد مثلا وجبت طاعته وليس فيه ان العبد الحبشی يكون هو الامام الاعظم انتهی۔ اور یہی مطلب بیان کیا ہے اس حدیث کا ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوۃ میں۔ قوله وان استعمل الخ ای وان استعمل الامام الاعظم فان الائمة من قريش انتهی۔ اب یہ شبہ بھی دفع ہو گیا پس دعوی ثابت ہوا کہ سوائے قریش کے کوئی امام اور خلیفہ نہیں ہو سکتا۔

ثبوت شرط دوم کا سنیئے۔ شرح عقائد نسفی میں ہے۔ ينبغی ان يكون الامام ظاهرا ليرجع اليه فيقوم بالمصالح ليحصل ما هو الغرض من نصب الامام لا مختفيا من اعين الناس خوفا من الاعداء وما للظلمة من الاستيلاء ولا منتظرا خروجه عند صلاح الزمان وانقطاع مواد الشر والفساد وانحلال نظام اهل الظلم والعناد لا كما زعمت الشيعة خصوصا الامامية منهم انتهی۔ اور اسی میں ہے ويشترط ان يكون من اهل الولاية المطلقة الكاملة ای مسلما حرا ذكرا عاقلا بالغا اذ ما جعل الله للكافرين علی المؤمنين سبيلا انتهی اور ظاہر ہے کہ امام غیب کی امامت ہوتی، تو بعد حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نصب امام کی ضرورت نہ ہوتی، بلکہ ناجائز ہوتا، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ وان[1] احد يصلی علی الا عرضت علی صلوته حتی يفرغ منها قال قلت وبعد الموت قال وبعد الموت ان الله حرم

[1] قال السندی وفی الزوائد هذا الحديث صحيح الا انه منقطع فی الموضعين لان عبادة رواه عن ابی الدرداء مرسلة قاله العلاء وزيد بن ايمن عن عبادة مرسلة قاله البخاری انتهی والله اعلم ۱۲

علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حی یرزق رواہ ابن ماجۃ. غرض کہ امام غائب نہیں ہوتا ہے، کیونکہ امامت کا مقصود فوت ہو گیا۔ یہ عقیدہ شیعوں کا ہے، نہ کہ اہل سنت وجماعت کا، اور نابالغ بھی نہیں۔

ثبوت شرط سوم کا یہ ہے، کہ حدیث میں آیا ہے، کہ جب امام کی بیعت مومنین کر لیں تو اگر دوسرا امام بیعت چاہے، تو اس کو قتل کر دو۔ عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا بویع الخلیفتین فاقتلوا الاخر رواہ مسلم تو اس سے معلوم ہوا، کہ بیعت امام ثانی کی بعد بیعت ہو جانے امام اول کے ناجائز ہے، اور یہی میں نے کہا تھا۔

شرط چہارم کا ثبوت ضمن میں ثبوت شرط اول ودوم کے گذر چکا، وہ حدیث بخاری کی جس میں ما اقاموا الدین ہے یعنی جب تک دین ٹھیک رکھیں گے، قابل امامت رہیں گے اور جب بے دین ہوں گے، تب نہیں، اور عبارت شرح عقاید نسفی کی یہ ہے، ای مسلما حرا ذکرا عاقلا بالغا اذ ما جعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا الخ

سید محمد نذیر حسین (فتاوی نذیریہ ج ۲ ص ۲۷۴)

تشریح حدیث من لم یعرف امام زمانہ الخ کی مولانا شاہ عبد العزیز صاحب لکھتے ہیں، کہ حدیث من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاھلیۃ۔ صحیح الاسناد است ومنقول جناب نبوی است صلی اللہ علیہ وسلم ومعنی معرفت وجوب اطاعت است درصورت وجود امام وتحذیر از منازعت ومخالفت، چنانکہ از لفظ مات میتۃ جاھلیۃ ظاہر است، کہ اہل جاہلیت اتباع رئیس واحد نداشتند، وہر فرقہ برائے خود رئیس می کردند (فتاوی عزیزی صفحہ ۷ جلد دوم)

شاہ صاحب نے اس حدیث کو صحیح الاسناد فرمایا ہے، مگر حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی نسبت منہاج السنۃ میں لکھتے ہیں۔ ھذا الحدیث بھذا اللفظ لا یعرف انما المعروف مثل ما روی مسلم فی صحیحہ عن نافع قال جاء عبد اللہ بن عمر الخ ثم ذکر حدیث ابن عمر رض من مات ولیس فی عنقہ بیعۃ مات میتۃ جاھلیۃ۔ اور یہ حدیث بہت صحیح ہے، امام مسلم نے اس کو اپنی صحیح میں حضرت ابن عمر رض سے روایت کیا ہے، یہ حدیث صحیح مسلم کے کتاب الامارۃ صفحہ ۱۲۸ جلد ۲ میں مذکور ہے۔

پوری حدیث اس طرح پر ہے۔ من خلع یدا من طاعۃ لقی اللہ یوم القیمۃ لا حجۃ لہ ومن مات ولیس فی عنقہ بیعۃ مات میتۃ جاھلیۃ۔ اس حدیث کے جملہ اخیرہ یعنی ومن مات ولیس فی عنقہ الخ کا مطلب ومنشا یہ ہے، کہ جو شخص امام وقت کے ہوتے ہوئے اس کی بیعت نہ کرے، اور بلا بیعت کے مرجائے، تو وہ جاہلیت کی موت مرا یعنی گمراہی پر مرا، یا اہل جاہلیت کی موت مرا، کہ جیسے ان کا کوئی امام مطاع نہیں، اس کا بھی کوئی امام مطاع نہیں، مجمع البحار میں ہے۔ وفی ح الفتن فقد مات میتۃ ھی بالکسر حالۃ الموت ای کما یموت اھل الجاھلیۃ من الضلال والفرقۃ ک من خرج من السلطان مات میتۃ جاھلیۃ ای کموت اھل الجاھلیۃ حیث لم یعرفوا اماما مطاعا ولا یرید انہ یموت کافرا بل عاصیا۔ امام نووی شرح صحیح مسلم لکھتے ہیں۔ بکسر المیم ای علی صفۃ موتھم من حیث ھم فوضی الامام لھم انتہی۔

جناب نواب صدیق حسن خاں صاحب بغیۃ الرائد فی شرح العقائد صفحہ ۹۷ میں لکھتے ہیں "مراد بمردن جاہلیت آن است، کہ باوجود امام دست بیعت باو ندہند ومتابعت او نکند واگر زمانہ آید کہ امامے دراں موجود نہ باشد ونصب امام صورت نہ بندد، امید آن است، کہ داخل دریں وعید نباشد انتہی۔

شاہ عبد العزیز صاحب لکھتے ہیں، وآنچہ از ابن عمرؓ نقل کردہ کہ من مات ولیس فی عنقہ بیعۃ مات میتۃ جاھلیۃ صحیح است، لیکن مراد آن ست، کہ بعد از انعقاد امامت امام باجماع اہل حل وعقد اگر عادل باشد در تسلط واستیلاء بلا منازع اگر جائز باشد توقف در بیعت روا نیست انتہی (فتاوی عزیزی جلد دوم صفحہ ۷۷) واللہ اعلم بالصواب

حررہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری، عفی عنہ،

سید محمد نذیر حسین

(فتاوی نذیریہ جلد ثانی صفحہ ۴۳۱)

تشریح

(از قلم حضرت خطیب الہند مولانا محمد جونا گڈھی رحمہ اللہ دہلوی)

امامت وخلافت وامارت کیا چیز ہے، اور اسے یہاں کے ان جلال خور اماموں نے کیا سمجھ رکھا ہے؟ یہ سلطان نجد وحجاز کے اس جواب سے ظاہر ہوتا ہے، جو آپ نے اس وقت

سلطنتوں اور مسلمانوں کی درخواست پر انہیں دیا ہے، اس بے طمع سچے مسلم بادشاہ کو خدا پاک دن دونی رات چوگنی ترقیاں عطا فرمایئے، آمین۔ سلطان المعظم کا یہ جواب عربی اردو اخبارات میں چھپ چکا ہے، ہم اپنے ہاں کے مقامی اخبار "ملت" سے نقل کرتے ہیں۔

انگریزوں نے یہ کوشش بھی کی تھی، کہ کسی طرح جلالۃ الملک ابن سعود منصب خلافت کو قبول کر لینے پر آمادہ ہو جائیں، مگر آپ نے صاف صاف کہہ دیا، کہ خلیفہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ زبردست اور ناقابل مقابلہ طاقت کا مالک ہو، جب دنیائے اسلام کے کسی حصہ کو غیر مسلموں کے ہاتھوں تکلیف پہنچے، تو خلیفہ کے لئے یہ ضروری ہو جاتا ہے، کہ وہ مبتلائے مصیبت مسلمانوں کی مدد کو نکلے، اس زمانے میں جب تک کسی مسلمان حکمران کے قبضہ میں اس قدر بحری بری اور فضائی قوت نہ ہو، کہ وہ کسی بڑی سے بڑی سلطنت کا مقابلہ کر سکے وہ خلیفہ نہیں ہو سکتا چونکہ میں اس قدر طاقت کا مالک نہیں ہوں، اس لئے اس منصب کو قبول نہیں کر سکتا"

کہاں ہیں ہندوستانی برسات کے کیڑے جو چپہ چپہ پر امامت کا دعوی کئے بیٹھے ہیں الخ "محمد" (اخبار محمدی ص ۱۲ یکم ستمبر ۳۸ ؁ء)

تشریح

(از حضرت علامہ جلیل مولانا محمد اسمٰعیل صاحب ناظم اعلیٰ آل پاکستان اہل حدیث کانفرنس)

معقل بن یسار فرماتے ہیں۔ مامن امیر یلی امر المسلمین ثم لا یجھد لھم ولا ینصح الا لم یدخل معھم الجنۃ (صحیح ابوعوانہ ج ۱ ص ۳۲) یعنی مسلمانوں کا امیر یا بادشاہ اگر ان کے معاملات میں خیر خواہی اور نصیحت کی کوشش نہ کرے، تو وہ ان کے ساتھ جنت میں نہیں جائے گا، ایسے کمزور حضرات جو محض شوقیہ امارت کے خواہش مند ہیں، ان کو خدا سے ڈرنا چاہیئے، زکوۃ کے چند پیسوں کے لئے جنت سے دائمی محرومی دانش مندی نہیں ہے اللھم انی اعوذ بک من ھمزات الشیاطین واعوذ بک رب ان یحضرون، بعض احادیث میں کمزور امراء کو لعنت کا مستحق ٹھہرایا ہے، سند کے لحاظ سے یہ احادیث ضعیف ہیں، مگر مفہوم کے لحاظ سے درست ہیں، جو شخص مفوضہ حقوق العباد کی حفاظت پر قدرت نہیں رکھتا، اور عامۃ الناس سے زکوۃ وصول کر لیتا ہے، وہ یقیناً عوام کو دھوکہ دے رہا ہے، ایسا

شخص یقیناً اس کی رحمت کو نہیں پا سکتا، حقوق العباد کا اتلاف ایسا جرم ہے، جس کی معافی کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ نہیں فرمایا، سنت کی محبت اور شرعی نظام کی آرزو میں اتنا بدحواس نہیں ہونا چاہیئے، کہ حق و باطل میں امتیاز ہی ناپید ہو جائے۔ (مصباح۔ ربیع الثانی ۱۳۷۱ھ)

سوال:۔ ہندوستان میں بعض جگہ پر امام اور بعض جگہ نبی، مسیح وغیرہ بنے ہوئے ہیں اور ان لوگوں کو ماننے والے بالکل اسی طرح مانتے ہیں، جس طرح حضورؐ کے زمانہ میں صحابہ کرام رضہ مانتے تھے، اس سے میری غرض یہ ہے، کہ ایک شخص معمولی پڑھا لکھا ہو، اور مذہبی علم اس کو نہ ہو، تو ایسے شخص کو کسی امام سے ملنے کا اتفاق ہو، تو دس پانچ آئتیں، اور دس بیس حدیثیں بیان کر دیتے ہیں، اور اس طرح یقین دلاتے ہیں، کہ امام کے بغیر زندگی بے کار ہے، نجات ہی نہیں ہو گی، اور اسی طرح ہر ایک کا ماننے والا کرتا ہے، معمولی لکھے پڑھے آدمی کو شبہ ہو جاتا ہے، کہ یہ سچ ہی کہتے ہوں گے، ایک گروہ وہ بھی ہے، جو یہ کہتا ہے، کہ اس فرنگی حکومت میں امام ہو ہی نہیں سکتا ان کا کہنا یہ ہے کہ جو امام حد نہ لگا سکے، شرعی قانون جاری نہ کر سکے، اور معمولی بات کے لئے بھی انگریزی قانون کی مدد لے، تو ایسے کمزور امام کی ضرورت نہیں، اب شرعی حکم فرمایئے ایسے کم علم شخص کے لئے بھی حکم خدا و فرمان رسول ہے، یا نہیں، ایسا آدمی حق و باطل کو کس طرح سمجھے، یا آنکھ بند کر کے مان لے۔

جواب:۔ سائل بڑا ہشیار ہے، وہ خود ہی کسوٹی پیش کرتا ہے، اور خود ہی سوال کرتا ہے، آج کل کے پیغمبروں کی پہچان ان کی پیشین گوئیوں سے ہو سکتی ہے۔ اگر وہ جھوٹی ہیں، تو وہ بھی جھوٹے ہیں، چاہے ہزار آیتیں پڑھیں، بس یہی پہچان ہے، امام کا لفظ شریعت میں چند معنوں میں آیا ہے (۱) امام ہدایت یھدون بامرنا (۲) اور امام نبوت انی جاعلک للناس اماما (۳) امام سیاست یعنی بادشاہ الامام جُنۃ یقاتل من ورائہ (۴) امام صلوٰۃ۔

ان چاروں قسموں کے حکم الگ الگ ہیں، امام نبوت کا منکر کافر ہے، امام سیاست کا مخالف بشرطیکہ اس کی رعیت میں داخل ہو، باغی ہے، امام ہدایت کا مخالف ہدایت پا کر، اور سمجھ کر مخالفت کرنے والا گمراہ ہے، امام صلوٰۃ کا حکم حالت نماز میں موافقت کرنا ہے، بیرون نماز ضروری نہیں، ان چاروں قسموں کے اماموں کے احکام الگ الگ ہیں، سائل کو جس قسم کے امام سے معاملہ پڑا ہے، اس سے اس کی امامت کی تعیین کرائے، پھر اس پر غور کیجیئے مثلاً اگر وہ امام، ہدایت کرنے کا مدعی ہے، تو اس سے سیاست کے اجراء کا سوال نہیں ہو گا، اور نہ وہ مذمۃ وار

ہے جیسے امام ابوحنیفہ وامام شافعی وغیرہ رضی اللہ عنہم تھے، اگر وہ سیاست کا مدعی ہے، تو پھر اس کے متعلق سوال ہوگا، حدیث بھی اسی کے متعلق ہے، سائل ان شعبوں کو الگ الگ سمجھے جیسے علم نحو میں اسم، فعل، حرف کی تعریفیں اور حکم الگ الگ ہیں، اسی طرح علم شریعت میں امام کے اقسام اور حکم الگ الگ ہیں، ایک کو دوسرے کے ساتھ ملانے سے مقصد خبط ہو جائے گا

(اہلحدیث امرتسر جلد ۴۴ ۲۸)

تشریح:۔ شرعاً مسئلہ امارت کا قطعاً یہ مطلب نہیں، کہ کسی امام مسجد یا کسی مدرس کو اگر امیر المومنین کہہ دیا جائے، تو امارت شرعیہ کا مقصد پورا ہو جاتا ہے، یا محض اس منتر کے پڑھ دینے سے فوراً انسان میتۃ جاہلیۃ سے بچ جاتا ہے، بلکہ جاہلیت کی موت کے لئے ضروری ہے، کہ ایک صحیح اور فعال نظام ہو، اور عامۃ المسلمین اس سے وابستگی پیدا کریں گے، ایسی کمزور، اور بے مقصد امارتوں کو شرعی امارت کہنا، مفہوم امارت کی تضحیک ہے، اور اس کے مقاصد کی توہین، ان کمزور امارتوں کا شاہکار صرف زکوۃ کی وصولی ہے (ماہنامہ مصباح، ربیع الثانی ۱۳۸۳ھ) (از قلم حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب گوجرانوالہ)

سوال:۔ امام کے ماننے والوں میں یہ حدیث بہت زور کے ساتھ بیان کی جاتی ہے کہ جہاں امام نہ ہو نہ جماعت، تو جنگلوں کو نکل جاؤ، جڑیں چباؤ، پتے کھاؤ، وغیرہ وغیرہ، اس حدیث کا صحیح مطلب کیا ہے؟ (عبدالعزیز آزاد دہلی)

جواب:۔ بخاری شریف میں یہ حدیث ہے، اور امام بخاری نے اس پر باب باندھا ہے اذا لم یکن امام ولا جماعۃ اس موقع پر ارشاد نبوی یہ ہے۔ فاعتزل تلک الفرق کلھا۔ ان مختلف ٹولیوں سے الگ ہو جاؤ، چاہے تم کو درختوں کی چھال کھا کر گذارہ کرنا پڑے، یہ مطلب نہیں ہے، کہ تم خواہ مخواہ جنگلوں میں چلے جاؤ، بخاری شریف کے اس باب کو غور سے پڑھیئے، اور نتیجہ پایئے

(اہلحدیث امرتسر جلد ۴۴ نمبر ۹)

سوال:۔ امام غیر قریش بھی ہو سکتا ہے، یا نہیں، اگر ہو سکتا ہے، تو ان حدیثوں کا کیا مطلب ہے؟ (۱) لا یزال ھذا الامر فی قریش ما بقی منھم اثنان (بخاری، مسلم) یعنی یہ امر امارت وخلافت قریش ہی میں رہے گا، جب تک ان میں سے دو بھی باقی رہیں، (۲) عن ابن عباس قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول الامام الضعیف ملعون وھو الذی یضعف عن تنفیذ الامور الشریعۃ واقامتھا

(کشف الغمہ ج ۲ ص ۲۰۸) یعنی کمزور امام لعنتی ہے، وہ کمزور جو شریعت کے قائم و جاری رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو، مندرجہ بالا دونوں حدیثیں صحیح ہیں یا نہیں (محمد سلطان خیر پخے)

جواب:- ان حدیثوں میں امامت سے مراد سیاست ہے، جس کو خلیفہ وقت کہا جاتا ہے، پہلی حدیث کا مطلب یہ کہ میرے نزدیک یہ پیش گوئی ہے، حکم نہیں ہے، یعنے قریشیوں میں امامت، سیاست رہے گی، چنانچہ ایسا ہی ہوتا رہا، لیکن اگر کوئی شخص غیر قریش بھی ایسا ہے، کہ اس کے حق میں یہ کہنا جائز ہے۔ زادہ بسطۃ فی العلم والجسم، تو اس کا امام بنا لینا اس حدیث کے خلاف نہیں ہے، لیکن جو شخص امام سیاست نہیں ہے اس کے حق میں یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کیوں کہ وہ شخص اصل معنی میں امام نہیں ہے، اصل معنی میں امام وہی ہے، جس کے حق میں فرمایا الامام جنۃ یقاتل من ورائہ اس لئے ایسے اماموں کو اس حدیث کا مصداق بنانا غلطی ہے، اور جو امام سیاست ہو کر بھی تنفیذ احکام شرعیہ نہ کر سکے، وہ واقعی حدیث ثانی کا مصداق ہے، باقی رہے آج کل امام جو بستی بستی میں بنتے پھرتے ہیں، وہ امام جماعت تو ہو سکتے ہیں، امام وقت نہیں، واللہ اعلم۔

(اہلحدیث امرتسر ۲ رجادی الاخری ۱۳۶۲ھ)

شرفیہ:- اس امر میں احادیث یہ ہیں۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یزال ھذا الامر فی قریش ما بقی منھم اثنان متفق علیہ وایضا قال ان ھذا الامر فی قریش لا یعادیھم احد الا کبہ اللہ علی وجھہ ما اقاموا الدین رواہ البخاری و ایضا لا یزال الاسلام عزیزا الی اثنی عشر خلیفۃ علیھم من قریش وفی روایۃ لا یزال امر الناس ماضیا ما ولیھم اثنا عشر رجلا کلھم من قریش وفی روایۃ لا یزال الدین قائما حتی تقوم الساعۃ او یکون علیھم اثنا عشر خلیفۃ کلھم من قریش متفق علیہ (مشکوۃ ص ۵۵۰) حاصل یہ ہے، کہ قریش میں دوام امارت مشروط باقامت دین ہے، جب نہ رہے خود کسی وجہ سے ہو، تو غیر قریش سے بھی ہو سکتا ہے، بارہ خلیفوں تک اسلام کا غلبہ بھی اس پر دال ہے، کہ غلبہ قریش میں بارہ تک ہوگا، لبعد ازاں امکان غیر قریش کا بھی ہے، اور واقعات سے بھی یہ ثابت ہے، ورنہ خبر میں معاذ اللہ کذب لازم ہوگا وذا باطل، یہ توجیہ خبر کو خبر پر محمول کرنے کی صورت میں ہے، اور اگر یہ اخبار بمعنی انشاء ہو، تو پھر کوئی اشکال نہیں، اور قرائن و دلائل حمل بر انشاء ہیں،، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قدموا قریشا

ولا تقدموھا وتعلموا منہا ولا تعلموھا رواہ الشافعی والبیہقی فی المعرفۃ من ابن شہاب بلاغا وابن عدی فی الکامل عن ابی ہریرۃ وصححہ فی الجامع الصغیر و اخرجہ البزار وصححہ ایضا فی الجامع۔ خلاصہ یہ کہ جب تک قریش قابل اقامت دین و قابل سیاست موجود ہوں، تو تم یعنی اور لوگوں میں سے خلیفہ نہ بنے۔ والا من یقیم الدین والسیاسۃ الصحیحۃ الحقۃ بالکتاب والسنۃ لا بالاختراع والبدعۃ

(ابو سعید شرف الدین دہلوی)

تشریح

(از قلم علامہ دوران حضرت نواب صدیق حسن خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

انعقاد خلافت وامامت کا کئی طرح پر ہوتا ہے، ایک یہ کہ بندوبست والے لوگ جیسے اہل علم وافسران لشکر واہلکار دانش مند جو خیر خواہ مسلمین واسلام ہیں، جمع ہو کر کسی سے بیعت کر لیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت اسی طرح قائم ہوئی تھی، دوسری صورت یہ ہے، کہ ایک خلیفہ دوسرے خلیفہ کے لئے وصیت کر جائے، جس طرح صدیق رض فاروق رض کے لئے کہہ گئے تھے، کہ میرے بعد ان کو خلیفہ کرنا، تیسری صورت یہ ہے، کہ مشورت پر چھوڑ جائے جس طرح کہ فاروق نے خلافت عثمان میں کہا تھا، کہ چھ شخصوں کو بتا گئے تھے، کہ ان میں سے جس کو سب لوگ پسند کریں، وہی خلیفہ ہو، بلکہ علی مرتضیٰ نے بھی ایسا ہی کیا تھا، چوتھی صورت یہ ہے کہ خود کوئی شخص جامع شروط امامت لوگوں پر مسلط ہو جائے جس طرح سارے خلفائے اسلام بعد خلافت نبوت کے خلیفہ بن بیٹھے تھے، پھر اگر کوئی ایسا آدمی ملک پر مستولی ہو گیا جس میں شروط امامت کے جمع نہیں ہیں، تو ایسی حالت میں بھی اس کی مخالفت نہ کرے، اس لئے کہ خلع اس کا بغیر لڑائی، بھڑائی، ترشی، تنگی، دھینگا مشتی کے نہ ہو سکے گا، سو مصلحت خلع کی تو الگ رہی یہ مفسدہ اس مصلحت سے زیادہ تر سخت و درشت ہو جاوے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا، کہ بھلا ہم ان کو چھوڑ نہ دیں، فرمایا نہیں جب تک کہ یہ نماز قائم رکھیں، یا تم ان کا کوئی کفر صریح دیکھو، تمہارے پاس خدا کی طرف سے برہان موجود ہو۔

تنبیہ:۔ خلافت امامت بنص صحیح الائمۃ من قریش منحصر ہے اسی قوم شریف میں، ہرگز یہ بات درست نہیں ہے، کہ غیر قریش کے آدمی کو باختیار خود امام بنایا جاوے گو وہ

کیسا ہی لائق فائق کیوں نہ ہو، جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ سخت گنہ گار، نابکار، مخالف حکم خدا اور رسول مختار ہیں، ہاں جس جگہ عامہ مسلمین کا زور نہیں چلا، کوئی ترک، مغل، پٹھان، پارسی غلام بزور تلوار، بقوت ضرب دبیکار حاکم بن بیٹھا ہے، تو اب چار و ناچار اس کی طاعت کرنا، جب تک کہ وہ تارک عمدہ نماز، مرتکب کفر بواح نہیں ہے، شرعاً واجب ہے، پھر اگر وہ یہ کام کرتا ہے، تو اس کی طاعت واجب نہیں رہتی، اگر کوئی اس پر خروج کرے گا، تو عاصی ہوگا، (عقائد اولی الالباب ص ۱۰۰)

شرائط:۔ اعلم انہ یشترط فی الخلیفۃ ان یکون عاقلا بالغا حرا ذکرا شجاعا ذارای و سمع و بصر و نطق و ممن سلم الناس شرفہ و شرف قومہ لا یستنکفون عن طاعتہ قد عرف منہ انہ یتبع الحق فی سیاستہ الملۃ بیتہ ھذا کلہ یدل علیہ العقل و منہا الاسلام و العلم و العدالۃ و منہا کونہ قریش و ان یقیم الحدود و یناضل دون الملۃ و ینفذ الاحکام الی آخرہ (ماخوذ از حجۃ اللہ البالغہ)

خلاصہ یہ کہ خلیفۃ المسلمین، امیر المؤمنین کے لئے یہ شرائط ہیں، کہ وہ عاقل بالغ ہو، آزاد ہو (کسی غیر مسلم حکومت کا ماتحت نہ ہو) ہوشیار، سمجھ دار اور صاحب بصیرت ہو، شریف النسب و شریف الحسب ہو، امر حق کی جستجو و اتباع میں کوشاں رہنے والا، مسلمان ہو اور صاحب علم ہو، عادل، منصف ہو اور خاندان قریش سے ہو، حدود الٰہی قائم کرتا ہو، ملت اسلامیہ کا محافظ ہو، احکام الٰہی و قوانین قرآنی کا جاری کرنے والا ہو، وغیرہ وغیرہ مزید تفصیلات کے لئے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی حجۃ اللہ البالغہ کا مطالعہ کیجیئے۔

سوال:۔ بعض لوگ بیعت پیری مریدی کے ثبوت میں بعض آیات قرآن سے پیش کرتے ہیں، جن سے بیعت عورتیں وغیرہ پارہ اٹھائیس سے اور ید اللہ فوق ایدیہم وغیرہ پیش کی جاتی ہیں، نیز آیت وابتغوا الیہ الوسیلۃ سے مراد مرشد پر لیتے ہیں، کہ توسل کسی بزرگ کی بیعت سے کرنا چاہیئے، اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب شفاء العلیل وغیرہ میں بھی اس آیت کو اسی کے متعلق فرمایا ہے، اور بیعت کو سنت کہا ہے، یہ کہاں تک صحیح ہے، اور ان آیات سے کون سی بیعت مراد ہے، اور عورتوں سے کیوں بیعت ہوتی ہے؟ (سائل مذکور)

جواب:۔ بیعت برائے حصول رشد و ہدایت جائز ہے، مگر ان آیتوں کے معنی

نہیں ہیں، پہلی بیعت جس میں ذکر ہے ید اللہ فوق ایدیھم وہ تو جنگ کے متعلق ہے، دوسری آیت کا ترجمہ یہ ہے، کہ نیک اعمال سے خدا کا قرب تلاش کرو، چنانچہ شاہ ولی اللہ قدس سرہ اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں "بطلبید قرب بسوئے او" (۱۸ رفروری ۳۵ء)

سوال:۔ خطبہ جمعہ میں کسی بادشاہ کا اپنے یا کسی دوسرے بادشاہ کا نام لے کر دعا مانگنا شرع شریف میں آیا ہے؟ خلفائے راشدین کے زمانہ میں والیان خلفاء جو کہ اپنے ضلع کے حاکم یا خطیب بھی ہوا کرتے تھے، وہ اپنے زمانے کے خلیفہ کا نام لے کے دعا کیا کرتے تھے؟ (سائل مذکور)

جواب:۔ کسی حدیث میں یہ نہیں آیا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہو یا کسی خلیفہ راشد نے کیا ہو، ہاں جب متغلبہ کا قبضہ اور تصرف ہوا جو بجبر حکومت کرتے تھے، تو انہوں نے یہ رواج دیا، کہ خطبوں میں ہمارا نام لے کر دعا کیا کرو جس سے غرض ان کی یہ تھی، کہ ہماری حکومت کا تذکرہ اور رعب دلوں میں بڑھتا رہے، اور قائم رہے، ورنہ کوئی دینی حکم یا مذہبی رسم نہیں، ہاں دعا کرنی ہو، تو اس طرح کریں۔ اللھم انصر من نصر دینک یا اللہ تو اس کی مدد کر جو تیرے دین کی مدد کرے) (۱۱ رجمادی الاخری ۱۳۴۵ھ)

سوال:۔ زکوۃ اگر اپنے مقامی امیر یا سردار یا اپنے پیر صاحب کو نہ دے، بلکہ خود ہی مستحقین کو دے دیا کرے، تو کیا اس کی زکوۃ ادا ہو جائے گی

(سائل خریدار نمبر ۹۰۶۶۔ از پٹنہ)

جواب:۔ سردار قوم اگر ہے، اور وہ باقاعدہ مصارف میں خرچ کرتا ہے، تو اسی کے سپرد کرنا چاہیئے، اور جن لوگوں کو معطی خود مستحق سمجھے، ان کی فہرست سردار قوم کو دے دے، اور اگر کوئی سردار قوم نہیں، تو ہر ایک شخص مختار ہے، مصارف میں خرچ کرے ان شاء اللہ خدا قبول فرمائے گا (۱۸ ر رمضان المبارک ۴۷ھ)

سوال:۔ اس وقت جبکہ ہندوستان میں کوئی امیر یا سردار موافق شرائط شرع کے نہیں ہے، تو کیا بغیر کسی کے ہاتھ پر بیعت کئے ہوئے جہالت کی موت مریگا (سائل مذکور)

جواب:۔ امیر یعنی حاکم منفذ بے شک نہیں اس لئے حدیث کا وعید لازم نہیں، مگر مسلمانوں کو چاہیئے، کہ با اختیار امیر اگر نہیں ہو سکتا، تو ہر بستی میں سردار قوم بنالیں، جس کے ماتحت متفق ہو کر کام کیا کریں۔ اھد المو فق۔ (۱۸ ر رمضان ۴۷ھ)

سوال :۔ زید کہتا ہے، کہ امام من جانب اللہ ہوتا ہے جیسے کہ انبیاء اور عمر اس پر معترض ہے، کہتا ہے، کہ امام پیشوا المعروف جماعت کرنے والے کو بھی کہہ سکتے ہیں لہٰذا فیصلہ فرماویں کہ ہر دو مدعیان مذکورے حق پہ کون ہے؟ (سائل مذکور)

جواب :۔ امام بمعنی نبی تو خدا ہی بناتا ہے، چنانچہ ارشاد ہے۔ اَللّٰہُ یَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ۔ مگر امام بمعنی خلیفہ یا پیش نماز یہ تو لوگوں کے انتخاب سے بنتے ہیں، چنانچہ حدیث شریف میں ہے ما جعلوا ائمتکم خیارکم امام ان کو بناؤ، جو تم میں عقیدہ و عمل کے لحاظ سے بہترین آدمی ہوں) (۳ رجولائی ۲۵ ؁ء)

سوال :۔ زمانہ حال کے صوفی جو انواع بدعات و منکرات میں خود مبتلا ہیں ان کے ہاتھ پر بیعت کرنی جائز ہے یا نہ؟ اور شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی وصیت کا خلاصہ مطلب کیا ہے؟ (عنایت اللہ از صدر پنڈی)

جواب :۔ آج کل کے ہوں یا پہلے زمانے کے بدعتی ہوں، ان سے بیعت کرنی گمراہی میں داخل ہوتا ہے، مولوی روم مرحوم فرما گئے ہیں ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست پس بہر دستے نباید داد دست

یعنی بہت سے شیطان آدمی کی شکل میں ہیں، اس لئے ہر ایک کے ہاتھ پر بیعت نہ کرنی چاہیئے، شاہ ولی اللہ قدس سرہ وغیرہ صلحاء امت کی نصیحت ہے" قرب خدا جوئید از دوری ایناں" دگمراہ اور بدعتی پیروں سے دور رہنے میں خدا تعالیٰ کا قرب تلاش کرو) (۱۰ رمحرم ۳۹ ؁ء)

سوال :۔ سردار کی صفت کیا ہے، سردار ہونے کے مقاصد اور اس کی اغراض کیا ہیں؟ (سائل محمد شمس الدین، صوبہ بہار)

جواب :۔ سردار کئی قسم کا ہوتا ہے، جو خدمت اور اختیار اس کو دیا جائے، اسی کے مطابق اس کے فرائض ہوتے ہیں، ان کو پورا کرنا اس کا فرض ہے، سرداری کا اہم مقصد قوم کی شیرازہ بندی ہے سب ایک کے حکم پر چلیں۔

سوال :۔ جو سردار ایک دم تارک صلوٰۃ ہو، لوگوں کو دروغ وزنا کی تہمت دیتا ہو، لوگوں کے سامنے غیروں کی غیبت کرتا ہوں، امانت دی ہوئی چیزوں میں خیانت کرتا ہو، جواب طلب یہ ہے، کہ ایسا سردار جس سرداری کے نام سے موسوم از روئے شریعت ہو سکتا ہے؟ (سائل مذکور)

جواب :- اس سوال کا جواب سردار کے فرائض پر موقوف ہے، کہ اس کے ذمہ کام کیا ہیں، اور ان کو وہ ادا کرتا ہے، یا نہیں، یہ بھی دریافت ہونا ضروری ہے، کہ سردار بنانے کے وقت بھی یہ عیب اس میں تھے، یا بعد میں پیدا ہوئے وغیرہ، البتہ عام جواب یہ ہے، کہ ایسے عیوب سے ہر مسلمان کو پرہیز کرنا ضروری ہے، خصوصاً ممتاز آدمی کو تو بہت ضروری ہے

(اہلحدیث امرتسر ۲۵ر شوال ۴۷ھ)

حرف آخر

(از قلم حضرت مفتی علامہ مولانا ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ)

امارت سیاسیہ اس ملک میں ناپید ہے، اور شاید عرصہ تک ناپید ہی رہے (اِلا ان شاء اللہ) اس لئے وہ زیر بحث نہیں، دوسری امارتیں وہ ممکن ہیں، مثلاً امیر عائلہ (خاندانی امیر) یا امیر سفر یا امیر خاص قوم یا خاص گروہ، ان امارتوں کا وہ حکم نہیں ہے، جو امیر سیاست کا ہے، آج کل جو کہیں کہیں سے امیر بننے کی خبریں آتی ہیں، یا بن جاتے ہیں، ان کی حدود صرف اتنی ہیں، کہ جو ان کے حلقہ بیعت میں آجائے، اس کو حکم یا مشورہ دیں، اس سے تجاوز نہ کریں یعنی یہ حکم نہ لگائیں، کہ جو ہم میں داخل نہیں ہے، وہ موت جاہلیت مرے گا، اگر ایسا کریں، تو میں ان امارتوں کو چنداں معیوب نہیں سمجھتا، مگر جب وہ اپنی حد سے تجاوز کر جائیں، یعنی یہ حکم لگائیں، کہ جو ان کے حلقہ میں داخل نہ ہوئے ہوں ان کی خیرات و صدقات قبول نہیں، ان کا جمعہ جماعت صحیح نہیں، ایسی حالت میں ان امیروں سے کہا جائے گا۔ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ غَیْرَ الْحَقِّ، میں اس امر کو جائز سمجھتا ہوں، کہ ایسی امارتیں ہر شہر اور ہر بستی میں قائم ہو جائیں، جن میں باہمی نفاق و شقاق نہ ہو، بے شک وہ اپنے حلقہ اثر سے صدقات اور زکوۃ جمع کر کے غرباء پر تقسیم کریں، نہ اپنے نفس پر، اور نہ اپنے لئے جمع کریں، بس یہ ہے ایک طریق امارت جو آج معمول ہو سکتا ہے، اور بحکم ارشاد الٰہی لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا، جائز اور مشروع ہے۔

(اہلحدیث امرتسر ۲۶/۳۰ شوال ۶۳ھ)

باب دوازدہم

کتاب المتفرقات

مخلصانہ خط

بخدمت جناب محب مکرم مولوی ابوالکلام صاحب آزاد

(ایڈیٹر البلاغ کلکتہ)

السلام علیکم۔ میرے ساتھ آپ کے مراسم سالہاسال سے ایسے مخلصانہ ہیں، جو دو مسلمانوں میں ہونے چاہئیں، نہ آپ کو ان سے انکار ہوگا، نہ مجھے اس انکار کا اندیشہ، ہاں ان مراسم ظاہری اور ملاقاتی کے علاوہ غائبانہ تعلقات جو ایک مسلمان کو دوسرے سے بحکم حدیث للمسلم علی المسلم ست ہونے چاہئیں، میں سمجھتا ہوں، کہ آپ کو مجھ سے اور مجھے آپ سے بہت اچھا تعلق ہے، اور اگر میں یہ کہوں، کہ ان ہی مخلصانہ مراسم اور برادرانہ تعلقات کی بنا پر میں آج یہ مخلصانہ خط آپ کو لکھتا ہوں، تو اس کے باور کرنے کی میرے پاس وجوہات ہیں، کہ آپ بھی اس کو باور کریں گے غرض یہ ایک بدیہی یا مسلمہ مقدمہ ہے، جس کی چنداں ضرورت نہ تھی، مگر ضابطہ کے خیال سے اس کا اظہار کیا گیا اب میں اصل مقصود شروع کرتا ہوں ؎

شرح شوقت می نوشتم دیدۂ خونبار گفت جائے سرخی ہاش بگذاری کہ من خواہم نوشت

میں جو کچھ اس خط میں لکھوں گا، یہ شعر اس کا مجمل بیان ہے، میں اس بات کو جانتا اور مانتا ہوں، کہ آپ میں تحریر و تقریر کا خداداد ملکہ ہے، اور یہ خدا کا ایک فضل ہے یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ میں یہ بھی مانتا ہوں، کہ آپ میں ایک درد ہے، جو ہونا چاہیئے، میں یہ بھی مانتا ہوں، کہ آپ کی نیت نیک ہے جو ہر مسلمان کا فرض ہے، مگر معاف رکھیے گا، نہ ہر موقع پر درد قابل معافی ہوتا ہے نہ نیت نیک، اگر ایسا ہوتا، تو شیخ منصور حلاج مرحوم قصور وار نہ ٹھہرائے جاتے، میں آپ کو اظہار جوش میں شیخ منصور کی طرح لائق ملامت اور قابل معافی جانتا ہوں، جس کے جواب میں غالباً آپ یہ شعر پڑھ دیں گے ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے، کہ آپ کے نئے رسالہ البلاغ کے دو نمبر میں نے دیکھے ہیں، اگر میں ان رسالوں کے ریویو میں آپ کے جوش اور درد کا ذکر کروں، تو مضمون کے دہرانے کے سوا کچھ حاصل نہیں، اس لئے میں اس کو چھوڑ کر اصل مطلب کی بات کہتا ہوں

میرے عزیز دوست!

علمائے اسلام اپنی حیثیت میں مسلمانوں کے سردار ہیں، مگر اس سرداری کے استعمال میں وہ اپنے مورث اعلیٰ حضرات انبیاء علیہم السلام سے زیادہ حق نہیں رکھتے۔

حکایت:۔ ایک اسلامی بادشاہ کی کسی ناجائز حرکت پر ایک مولوی صاحب کو غصہ آیا، تو سر دربار بادشاہ کو وہ سنائیں، کہ توبہ ہی بھلی، دربار برخواست ہوگیا، بادشاہ اور مولوی صاحب اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے، تھوڑی دیر کے بعد مولوی صاحب کی سرکار میں طلبی ہوئی، اب تو وہ بھی اپنی سختی کی غلطی سمجھ گئے تھے، اس لئے گھر والوں سے مل ملا کر چلے، کہ شاید آخری ملاقات ہو، مگر بادشاہ بڑا سنجیدہ مزاج تھا، اس نے آرام سے مولوی صاحب کو کہا، اے جناب! آپ حضرت موسیٰ سے برتر نہیں، اور میں فرعون سے بدتر نہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تو حکم ہوتا ہے قُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا (اے موسیٰ اور ہارون فرعون کے ساتھ نرم نرم بات کیجیے تاکہ اس کو مطلب فہمی میں رکاوٹ نہ ہو) مگر آپ مجھ سے سختی اور بے عزتی سے پیش آئے، اگر پاس شریعت سے خفا ہوئے تھے، تو خفگی کو شرعی حد میں رکھے ہوتے، نہ کہ ایک خلاف شرع کام پر اظہار خفگی کرتے ہوئے خود بھی خلاف شرع کے مرتکب ہوتے رجاؤ اب کی دفعہ معاف آئندہ خبردار)

میرے دوست!

یہ ایک حکایت ہے، صحیح ہو یا غلط، مگر نتیجہ اس کا صحیح ہے، کہ جو حق امت پر نبی کو نہیں، وہ کسی عالم کو، خصوصاً ایسے بے قدر زمانہ میں ہرگز نہیں ہو سکتا، اب میں ذرا مطلب کے اور قریب آتا ہوں۔

آپ اپنے رسالہ کی عربی عبارت میں کل فرقوں کا ایک ایک ذکر کرتے ہیں، بہت اچھا کیجیے آپ کا حق ہے، قرآن مجید بھی سب فرقوں کے لئے آیا ہے، مگر میرے عزیز دوست قرآن مجید کی تبلیغ کے لئے قرآن مجید کی ہدایات کو ملحوظ رکھنا، تو آپ بھی ضروری جانتے ہوں گے، قرآنی ہدایت یہ ہے قُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اے نبی میرے بندوں (خصوصاً علماء

دین) کو کہدو، کہ بات وہ کیا کریں، جو بہت اچھی ہو، کیوں؟ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَھُمْ عمدہ طرح بات نہ کرنے سے شیطان ان میں فساد ڈلوا دے گا۔ اِنَّ الشَّیْطَانَ کَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا۔ اس لئے کہ شیطان واقع میں انسان کا کھلا دشمن ہے، ایک اور مقام پر خود حضور علیہ السلام کے حق میں فرمایا فَبِمَا رَحْمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ لِنْتَ لَھُمْ خدا کے فضل سے تو نرم خو بنا ہے ورنہ وَلَوْ کُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِکَ اگر تو سخت خو اور سخت دل ہوتا، تو یہ لوگ تیرے پاس سے بھاگ گئے ہوتے۔

میں افسوس سے کہتا ہوں، کہ آپ اپنے جوش اور درد میں شیخ منصور کی طرح حدود شرعی سے نکل جاتے ہیں، گو مجھے آپ کے سامنے اپنے دعوے کا ثبوت دینے کی حاجت نہیں، مگر چونکہ خط ہذا پبلکی طور پر ہے، جس کی بعض وجوہ سے ضرورت پیش آئی، اس لئے آپ کے کلام کا اقتباس نقل کرتا ہوں۔

آپ اپنے رسالہ "البلاغ" کے نمبر ۲ میں اس جماعت کا ذکر کرتے ہیں، جن کو آج کل کے محاورے میں "تعلیمیافتہ" یا انگریزی خوان کہا جاتا ہے، مگر آپ کی اصطلاح میں ان کا نام متفرنج (بلاوتی فرنگی) ہے، آپ اس جماعت کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

فالمتفرنجون المنافقون المفسدون الدجالون یغشون المسلمین بانھم منھم ینفعھم ما ینفعھم ویضرھم ما یضرھم واللہ یعلم انھم لکاذبون۔ یخدعون اللہ والرسول والذین امنوا وما یخدعون الا انفسھم وما یشعرون یغشون الامۃ انھم یدعونھم الی الترقی عما ھم علیہ الی مدینۃ اعلیٰ وحضارۃ اسمٰی وھی ان یکونوا مثل الافرنج فی عزھم وثروتھم وزخرفھم ویحسبون لصغر عقولھم وقطع نظرھم ان ما یفوقنا بہ الافرنج من الثروۃ واسباب القوۃ قد جاءھم من عدم مبالات کثیر منھم بالدین واتباع غیر سبیل المؤمنین او من عاداتھم فی طعامھم وازیائھم وفسقھم وفجورھم۔

(ترجمہ) یہ مصنوعی فرنگی، منافق، دجال، مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں، اور دراصل یہ دھوکہ ان کا انہی کے نفسوں پر لوٹتا ہے، یہ مصنوعی فرنگی مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں، کہ ہم تم کو اعلیٰ مدنیت اور عمدہ شہریت پر ترقی کرنے کی طرف بلاتے ہیں، اور وہ یہ ہے، کہ عزت، ثروت اور سج دھج میں انگریزوں کی طرح ہو جاؤ، وہ اپنی بے وقوفی اور کوتاہ نظری سے جانتے ہیں، کہ یورپین لوگوں کو

جو ثروت اور فوقیت حاصل ہوئی ہے، وہ دین سے بے پروائی، اور مسلمانوں کی راہ چھوڑنے، اور خورد ونوش اور پوشش کی عمدہ عادات اور فسق و فجور وغیرہ کی وجہ سے ہوئی ہے

میرے عزیز!

ایسی انشار پردازی تو ندوۃ العلماء کے وجود سے بہت پہلے تھی، جس کی اصلاح کے لئے آپ کے اور ہمارے واجب العزت بزرگ مولانا شبلی مرحوم نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا تغمدہ الله برحمته واسعته کونسی مذہبی گالی ہے، جو آپ نے اس عبارت میں نہیں دی، کونسی ہتک ہے، جو آپ کے اس کلام ہدایت التیام میں نہیں، کون سی دل آزاری ہے، جو اس فصیح اور مقفی عبارت میں ادا نہیں کی گئی، اردو میں کسی شاعر نے غصہ اور جذبہ کی حالت میں اپنے معشوق کو بہت کچھ سخت سست کہا ہے، جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

جفا جو، سنگدل، بے رحم، ظالم لقب جن کے ہیں اتنے وہ تمہیں ہو

مگر میرے خیال میں آپ کی تنگ مزاجی کے مقابلہ میں شاعر کی نازک خیالی کم ہے، اور بالکل کم ہے، یہ خیال کہ یہ لوگ ایسے ہی ہیں، اور انہی القاب کے حقدار ہیں، اسلامی مناظرہ کی کتابیں جو ایک طرف سے دوسرے کے رد میں آج تک نکلی ہیں، جن میں وہ مغلظات ہیں، کہ ایک صحیح الدماغ آدمی ان کے سونگھنے سے بیمار ہو جائے، وہ سب اسی خیال پر مبنی ہیں، کہ فریق ثانی انہی القاب کا حقدار ہے۔

لطیفہ:۔ مدراس کی طرح بریلی میں بھی ادلہ کلامیہ میں ایک دلیل کا اضافہ ہے، جس کا نام ہے "دشنام نامہ" اعلیٰ حضرت بریلوی کے ہاں زیادہ تر اسی دلیل کا استعمال ہوتا رہا ہے اتفاق سے ایک صاحب (احمد مکی نامی) وارد بریلی ہوئے، وہ حضرت اس دلیل کے ایسے ماہر تھے، کہ کسی کو اپنا ہم پلہ نہ جانتے تھے، چنانچہ انہوں نے ایک دو ورقہ نکالا۔ بس پھر تو کیا تھا اعلیٰ حضرت مع اپنے حواریوں کے "جواب جاہلاں باشد خموشی" کہتے ہوئے خاموش ہو گئے۔

یہ مثالیں میں نے اس لئے پیش کی ہیں، کہ جس اسلامی لٹریچر کی اصلاح کے لئے آپ، اور آپ کے بزرگ ندوہ کے مداح اور شریک رہے تھے، وہ لٹریچر اسی قسم کی دل آزار تحریر دل سے پر تھا، ورنہ اس میں اور کیا تھا یہی کہ ایک فریق دوسرے کو دجال، مفسد، وہابی، لہابی، بدعتی مشرک، خائن، دغاباز، چال باز، بے ایمان وغیرہ کہا کرتا تھا، دوسرا اگر شریف ہے، تو زیادہ نہ

کہتا، مگر بحکم استاد صائب ؎

دہن خویش بد شنام میالا صائب
کیں زر قلب بہر کس کہ دہی باز دہد

اسی قدر کہہ لینا تو اپنا حق جانتا، اگر خدائے حکیم کی کتاب حکیم ہم کو تعلیم دیتی ہے۔ اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَالۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ (اپنے رب کی طرف لوگوں کو بلاؤ ساتھ حکمت کے اور ساتھ عمدہ نصیحت کے، پس ہمارا تو ایمان اور تجربہ ہے ؎

بد نہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سنے
ہے یہ گنبد کی صدا جیسے کہے ویسی سنے

میرے عزیز دوست!

میں نے اتنے لمبے خط میں آپ کا قیمتی وقت لیا ہے، مگر چونکہ میں جانتا ہوں، کہ میرے کسی لفظ سے آپ کو بدگمانی نہ ہوگی، اس لئے میں اس طوالت کو عرفی کے اس شعر کا مصداق سمجھتا ہوں اور اسی پر ختم کرتا ہوں ؎

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم
چنانکہ حرف عصا گفت موسیٰ اندر طور

(اہلحدیث امرتسر ۱۷ دسمبر ۱۹۱۷ء)

متفرق سوالات

(۱) نماز عیدین کب سے شروع ہوئیں، اور کیوں؟ پہلے تھیں یا نہیں؟ اگر نہ تھیں تو کیوں؟ پہلے بھی تو اسلام تھا؟

(۲) قربانی کب سے شروع ہوئی اور کیسے؟ پہلے تھی یا نہیں، اگر نہ تھی تو کیوں؟ پہلے بھی اسلام تھا؟

(۳) گوشت خنزیر کیوں حرام ہوا؟

(۴) جب آدمی دیدہ دانستہ گناہ کرنے کے بعد توبہ کرے، تو کیوں بخشا جاوے گا؟

(۵) جب مادہ نہ تھا، تو خدا کس چیز کا خدا تھا، جب فرشتے بھی نہ تھے، تو خدا کس کا خدا تھا؟

یہ ایک میرے دوست آریہ صاحب کا سوال ہے، اور امید ہے، کہ پوری توجہ فرمائیں گے

(نیاز مند بابو عطا محمد، ریلوے سٹیشن بٹالہ، خریدار اہلحدیث نمبر ۳۵۰)

جوابات (۱) عیدین کی نماز فرض نہیں، کہ پہلے زمانہ میں بھی اس کی تلاش کی جائے، بلکہ ایک مذہبی رسم ہے، اور رسومات کی تبدیلی ہر نبی کے زمانہ میں بقرینہ

مصلحت ہوتی رہی ہے۔

(۲) قربانی پہلے بھی تھی لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا، بائیبل میں آج تک قربانیوں کے حکم ملتے ہیں، بلکہ ہندوؤں کی کتابوں میں بھی اس کا ثبوت ہے، منوجی فرماتے ہیں، یگیہ (قربانی) کے واسطے، اور نوکروں کے کھانے کے واسطے اچھے ہرن اور پکھی (پرند) مارنے چاہئیں (سند دیتے ہیں)، اکست رشی نے اگلے زمانے میں ایسا کیا (سمرتی باب ۵۔ نقرہ ۲۲) اور بھی بہت سے حوالے ایسے ملتے ہیں۔

(۳) خنزیر کا گوشت اخلاق کے لئے مضر ہے، اس حرمت بائیبل اور منوسمرتی میں بھی ہے (ملاحظہ ہو کتاب احبار باب ۱۱۔ نقرہ ۷) (منوسمرتی باب ۵۔ نقرہ ۱۹)

(۴) بخشش تو توبہ کے وقت جو خلوص ہوتا ہے، اس پر مبنی ہے، اگر وہ ہے تو بخشش بھی ہے نہیں تو کچھ بھی نہیں، وہ خلوص اس پر مبنی ہے، کہ توبہ کرنے کے وقت گنہ گار خدا کو اپنا حقیقی مالک سمجھ کر اس کے آگے گناہ کا اقرار کرے، اور اس کی بخشش مانگے، تو خدا بخشش دینے کا وعدہ کرتا ہے، اسی لئے ارشاد ہے، هُوَ الَّذِىْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ اس آیت میں "عباد" کی اضافت اپنی طرف کر کے قبولیت توبہ کی بنا، اور فلاسفی تبلائی ہے، اشارہ کیا ہے، کہ قبولیت توبہ اس لئے ہے، کہ اللہ تعالیٰ بندوں کا اصلی مالک، اور ان کی فطرت سے واقف ہے، وہ جانتا ہے، کہ ان سے گناہ کا ہو جانا تعجب نہیں، اس لئے بخشش بھی محال نہیں ہے۔

(۵) یہ سوال تو آریہ سماج پر وارد ہوتا ہے، ہم پر نہیں، کیونکہ آریوں کے نزدیک خدا مادہ کا اور روح کا خالق نہیں، بلکہ وہ اجسام کا خالق ہے (بہت خوب) لیکن جس حالت میں بعد پرلے (فنا) کے تمام اجسام منتشر ہو کر مادہ کی لطیف حالت میں چلے جاتے ہیں، اس وقت خدا کس چیز کا خدا ہوتا ہے، مادہ اور روح کا تو ہو نہیں سکتا، کیونکہ وہ تو اس کی مخلوق نہیں، مخلوق نہیں تو مملوک بھی نہیں، پھر خدائی کیسی؟ ہاں اسلام سرے سے اس بنا کو غلط قرار دیتا ہے، اسلام کے نزدیک خدا کے سوا جو چیزیں ہیں، ان میں سے کوئی چیز بھی خدا کی عمر کے برابر نہیں، خدائی عمر میں کسی چیز کو برابر سمجھنا خدا کا شریک بنانا ہے، جس کو اسلام ہرگز پسند نہیں کرتا، اس لئے خدا کی خدائی اس کا ذاتی وصف ہے، کسی مخلوق کے وجود پر منحصر نہیں، بلکہ کسی چیز کا نہ ہونا اس کی خدائی کے لئے ضروری ہے، تاکہ وہ ہر چیز کا خدا کہلا سکے، اس لئے کہ اگر کوئی چیز اس کے برابر کی ہوئی، تو وہ اس کا خدا نہ ہوگا، حالانکہ اسلام کہتا ہے هُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ پس اسلام اپنا اعتقاد کھلے لفظوں میں ظاہر کرتا ہے ؎

جب کچھ نہ تھا تب نرا کار تھا خلقت کا پیدا کرنہار تھا

(اہلحدیث امرتسر ۲۶ فروری ۱۹۱۵ء)

ایک سوال جناب مولانا السلام علیکم، میں پشاور گیا تھا، وہاں مولوی غلام حسن (رجسٹرار مرزائی) سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے ایک تقریر کی جس کا مطلب یہ تھا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت غیر تشریعی ہو سکتی ہے، اس دعوے پر انہوں نے یہ آیت پڑھی۔

فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ الآیۃ اس کے متعلق انہوں نے یہ کہا، کہ اہل سنت اس بات کے قائل ہیں، کہ اولیاء اللہ کو بھی اطلاع علی الغیب ہوتی ہے حالانکہ آیت موصوفہ میں اطلاع علی الغیب صرف رسولوں کے لئے ہے، اس سے ثابت ہوا، کہ اولیاء اللہ بھی رسول ہیں، مگر غیر تشریعی۔

دوسری آیت انہوں نے یہ پڑھی يٰبَنِيْۤ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ یہ آیت بھی صاف دلالت کرتی ہے، کہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت غیر تشریعی جاری ہے کیونکہ یَاْتِیَنَّ صیغہ مضارع کا ہے، امید ہے کہ اس کے جواب سے خورسند فرمائیں گے۔

(صاحبزادہ عبدالحق، خریدار نمبر ۳۵۶۵)

جواب اہل سنت اولیاء اللہ کے الہامات کے قائل ہیں، مگر اس تشریح کے ساتھ کہ ثبوت احکام میں بجائے نیرزدہ یعنی حضرات انبیاء علیہم صلوٰۃ اللہ کی اطلاع علی الغیب حجت شرعی ہے، اسی لئے وہ مثبت احکام شرعیہ ہے، مگر اولیائے امت کے الہام اور اطلاع علی الغیب کو یہ درجہ حاصل نہیں، اس لئے پہلے کا منکر کافر ہے، دوسرے کا نہیں، لہٰذا اولیاء اللہ کو غیر تشریعی نبی کہنا اہل سنت کے مذہب پر صحیح نہیں ہے، نہ اہل اسلام کے کسی فرقے کے مذہب پر جائز ہاں قادیانی اصطلاح جدید ہو تو لا مشاحۃ فی الاصطلاح مگر اس پر سوال یہ پیدا ہوگا، کہ قادیانی اصطلاح میں اولیاء اللہ اگر غیر تشریعی نبی ہیں، تو ان کا انکار مثل انکار انبیاء کے کفر نہیں ہونا چاہیئے، حالانکہ یہ لوگ (باستثنار لاہوری پارٹی) مرزا صاحب کے منکروں کو کافر کہتے ہیں، اور مرزا صاحب خود بھی کہتے ہیں، ملاحظہ ہو اشتہار "معیار الاخیار"

لہ غیر تشریعی نبی سے مراد قادیانی اصطلاح میں وہ نبی ہے جو صاحب وحی والہام ہو، مگر احکام مستقل اور جدیدہ نہ لاوے بلکہ نبی سابقہ نبی کے تحت ہو (ایڈیٹر)

مدعا یہ کہ حضرات انبیاء کا غیب قطعی ہے، اور اولیاء کا غیب غیر قطعی ہے، جو نبوت کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا، اس لئے وہ نبی نہیں، نہ تشریعی نہ غیر تشریعی۔

دوسری آیت کا مطلب یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت بنی آدم کو یہ اطلاع دی تھی، جب حضرت آدم کی توبہ قبول کر کے فرمایا تھا۔ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی اگر تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آوے، تو جو اس کو مانے گا، نجات پاوے گا، جو انکار کرے گا دوزخ میں جائے گا، اس وقت چونکہ سلسلہ نبوت و رسالت جاری تھا، اس لئے کوئی اعتراض نہ تھا لیکن جب نص قطعی مسلمہ فریقین وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ آگئی، تو اس آیت کا استقبال ختم ہوگیا۔

دوسرا جواب اس کا منطقی طریق پر ہے، کہ قضیہ شرطیہ میں مقدم کا امکان بھی ضروری نہیں، بلکہ اس میں صدق و کذب دونوں (مقدم، ثانی) معارف پر ہوتا ہے، جیسے قرآن مجید میں بھی ارشاد ہے۔ قُلْ اِنْ کَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ (تو کہہ اگر خدا کی اولاد ہو، تو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کروں) اس قاعدے سے آیت موصوفہ کا مطلب بالکل صاف ہے، آیت کے الفاظ یہ ہیں :۔

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ فَمَنِ اتَّقٰی وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ (پ ۸ ع ۱۱) اے آدم کی اولاد اگر تمہارے پاس رسول آویں، جو تم کو میرے احکام سناویں، تو جو کوئی ان احکام کے مطابق پرہیزگاری کریگا، اور صالح بنے گا، اس پر نہ خوف ہوگا، نہ وہ غمناک ہوگا، اس آیت میں بھی جملہ شرطیہ ہے، جس کا پہلا حصہ قُلْ اِنْ کَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ کی طرح محال ہے، فرق صرف یہ ہے، کہ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ محال بالذات ہے، اور نبوت بعد رسالت محمدیہ محال بالغیر ہے، کیونکہ آیت کریمہ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ میں جملہ خبریہ ہے، جس کی صداقت ضروری ہے، جو نبوت بعدیہ کی نفی تام کرتی ہے، یہ تقریر گو علمی ہونے کی وجہ سے عام فہم نہیں، لیکن غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے مفید ہے، امید ہے، کہ ذی علم اس سے مستفید ہوں گے۔ بقول ؎

مجھے تو ہے منظور مجنوں کو لیلےٰ نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی

ہمارا اپنا خیال قادیانی مباحث میں میرا خیال ہی کچھ اور ہے، ہم کو نہ حیات مسیح کی بحث سے کچھ مطلب ہے، نہ مرزا صاحب کی نبوت و رسالت سے

بحث ہے، میرے سامنے سو دفعہ کہیں، مسیح کی وفات ہے یا حیات، مرزا صاحب رسول تھے یا نبی، میں ان سب باتوں کو خاموشی سے سنکر کہا کرتا ہوں ؎

ہنر بنما اگر داری نہ جوہر   گل از خار است ابراہیم از آذر

مرزا صاحب نبی ہیں (بہت خوب) ثبوت کیا؟ ان کو الہام ہوتے ہیں (بہت خوب) آؤ ان کے الہامات کی جانچ کریں، اگر وہ انبیاء کے طریق پر صحیح ہیں، تو علی الراس والعین، اور اگر وہ مثل اضغاث احلام محض بازاری گپ ہیں، تو بحث کا خاتمہ۔

ناظرین کیا ہمارے طریق مباحثہ میں کوئی دھوکہ یا فریب ہے؟ ہرگز نہیں، پس اگر یہ طریق صحیح ہے، اور بے شک صحیح ہے تو سب سے پہلے ہم اس پیش گوئی کو دیکھتے ہیں، جو سچی ہوتی، تو آج یہ سطور نہ لکھی جاتیں، یعنی میری موت کے متعلق جو ۱۵ راپریل ۱۹۰۷ء کو شائع ہوئی تھی، جس پر مرزا صاحب نے اپنا سارا دارومدار رکھا تھا جس کی تصدیق عملی طور پر لدھیانہ میں ہوئی، کہ مباحثہ میں ہم کو مبلغ (سہ صد) مرزائیوں کی طرف سے انعام ملا تھا فالحمد للہ! (اہلحدیث ۱۱ ربیع الثانی ۳۳ھ)

س:۔ یہ لوگ پیشوا (پیر) پکڑتے ہیں، اور ان کو اپنی نجات کا باعث جانتے ہیں، یہ شریعت میں کیسا ہے، کیا جو شخص قرآن مجید اور حدیث شریف دیکھ کر عمل کر سکتا ہے وہ بھی پیر پکڑے یا نہ آیت قرآنی ہے اگر تم نہ جانتے ہو، تو جاننے والوں سے پوچھ لو، کیا اسی ایک پیر سے پوچھ سکتے ہیں، دوسرے پیر سے نہیں پوچھ سکتے، کیا اہل ذکر وہی ایک پیر ہوتا ہے، جو لوگ ایک ہی کے مرید گروہ در گروہ ہوتے چلے جاتے ہیں؟

ج:۔ اس کو بیعت کہتے ہیں، یہ کئی قسم کی ہے، ایک تو مروجہ بیعت پیری مریدی ہے، جس کا مطلب صرف یہ ہے، کہ مرید پیر کے سلسلہ میں منسلک ہونا چاہتا ہے اور بس یہ تو فضول محض رسم ہے دوسری بیعت وہ ہے، جس سے غرض یہ ہوتی ہے، کہ بیعت کنندہ اپنے مرشد کی صحبت میں رہ کر کچھ نیک عادات اور نیک اخلاق سیکھے اس نیت سے جائز ہے، حدیث شریف میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو ایک دفعہ فرمایا۔ بایعونی علی ان لا تشرکوا باللہ شیئا ولا تسرقوا ولا تزنوا ولا تقتلوا اولادکم۔ الحدیث۔ کتاب الایمان۔ حدیث عبادہ بن صامت (مشکوۃ) ترجمہ۔ میرے ساتھ اس شرط پر بیعت کرو، کہ اللہ کے ساتھ شریک نہ کرنا، چوری نہ کرنا، زنا نہ کرنا، اور اولاد کو قتل نہ کرنا وغیرہ۔

اس روایت سے ثابت ہے، کہ کسی نیک مرد سے بغرض استفادہ صحبت بیعت ہو، تو جائز بلکہ مستحب ہے۔ مگر چونکہ آج کل کثرت سے لوگ جادہ سنت سے دور اور بدعات سے معمور ہیں لہذا بہت کچھ احتیاط ضروری ہے، اس نیت سے اگر کوئی بیعت کرے، تو اس کو کسی اور ایسے ہی مرد صالح سے مستفید ہونا منع نہیں، بشرطیکہ ورد و وظائف مسنون ہوں، بدعات تصور شیخ وغیرہ سے نفرت ہو، اور ہر کام میں اتباع سنت ملحوظ رہے۔

(اہل حدیث امرتسر ۲۶ رجمادی الاخری ۱۳۳۲ھ)

بخدمت حضرت مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب

آج کل پنجاب میں پیری مریدی کا عام رواج ہے، لیکن ہم نوجوان اہلحدیث اس سے بالکل ناواقف جاہل مطلق ہیں، اور حیران ہیں کہ موجودگی قرآن مجید و احادیث شریف ہمیں ایسی کون سی ضرورت لاحق ہے، کہ جس سے ہم بغیر مرید ہوئے عمل صالح نہیں کر سکتے، ہمارے دوست اس کے جواز میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں، کہ اگر ہم کسی گورنر سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں، تو ان کو ملنے سے پیشتر ہمیں ان کے اہلکاروں سے ملنا پڑے گا، اور اہلکاروں کے ملنے کے بعد دیگر افسران کے وسیلے سے ہم گورنر صاحب کو مل سکتے ہیں، جب دنیاوی معاملات کا یہ حال ہے، تو کیا وجہ ہے، کہ تم حضرت محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کو ملنے کے لئے کسی بزرگ کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کا وسیلہ نہ کرو، بلکہ براہ راست ان سے ملنے کے متوقع رہو، اور بزرگوں کو چھوڑ دو، یہ بھی تو ان کی ملاقات کے وسیلے ہیں" الخ میں ہوں جواب باصواب کا منتظر۔ محمد عبد المجید خلف الرشید منشی محمد عبد العزیز اپیل نویس روپڑ ضلع انبالہ۔

اہلحدیث یہ رسمی پیری مریدی تو کوئی چیز نہیں، ایسا ہی اس کی مثال جو سوال میں درج ہے فضول اور خلاف شریعت ہے، ایسی مثالوں کے متعلق قرآن شریف میں ارشاد ہے۔ فَلَا تَضْرِبُوا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ یعنی خدا کی شان میں مثالیں نہ گھڑا کرو۔ اللہ جانتا ہے، اور تم نہیں جانتے۔ خدا کی حکومت انسانی حکومت کی طرح نہیں ہے کہ اس کے پاس پہنچنے کے لئے کسی امیر وزیر کی ضرورت ہو، وہ تو خود فرماتا ہے۔ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ۔ میں تمہارے بالکل قریب ہوں، اس دلیل کو تو کوئی تعلق نہیں، بلکہ اس دلیل کا پیش کرنا ہی گناہ ہے، البتہ کسی مرد صالح سے حسن عقیدت رکھ کر اس سے تعلق پیدا کرنا، اور اس کی صحبت میں رہ کر فائدہ صحبت لینا اور فائدہ تعلیم حاصل کرنا جائز بلکہ مستحب ہے، محض پیری مریدی کی بیعت کوئی

چیز نہیں، جب سے پیروں کے گروہ (سادات وغیرہ) کو روزگار کی فکر ہوئی، انہوں نے یہ صیغہ ایجاد کر لیا
واللہ اعلم (اہلحدیث ۱۷ محرم ۱۳۵۵ھ)

کیا حضرت علیؓ نے خلفاء ثلاثہ کی بیعت کی تھی؟

یہ سرخی اس مضمون کی ہے، جو اخبار شیعہ لاہور مورخہ یکم دسمبر میں شائع ہوا ہے، قابل مضمون نگار نے بڑی ہوشیاری سے بحوالہ کتاب الامامت والسیاست (لابن قتیبہ) ثابت کیا ہے، کہ حضرت علی رضہ نے حضرت ابوبکر رضہ کی بیعت نہیں کی تھی، ابن قتیبہ کی اس شہادت کو یہ کہہ کر کہ موصوف معتبرین اہل سنت سے ہیں، بڑے فخر سے پیش کیا ہے، ہمیں اس مضمون کو پڑھ کر ایک پرانا قصہ یاد آگیا جو ایک بڑی شریف قوم سے دربار رسالت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوۃ والتحیۃ) میں سرزد ہوا تھا، جب وہ دربار رسالت میں مسئلہ رجم زانی کی تحقیق کی غرض سے آئی تھی۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے، کہ یہودیوں میں رجم زانی عملاً اٹھ گیا تھا، وہ مسلمانوں پر اعتراض کرنے کو دربار رسالت میں حاضر ہوئے، حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا، تورات لاکر پڑھو، دیکھو اس میں رجم کا حکم لکھا ہے، یہودیوں نے سمجھا، کہ اس مجلس میں تورات جاننے والا کوئی نہیں ہے، اس لئے ہم جو چاہیں گے پڑھ دیں گے، اور جو چاہیں گے چھوڑ دیں گے، کسی کو خبر نہ ہوگی، چنانچہ وہ ادھر ادھر سے پڑھتے رہے، جہاں پر مسئلہ رجم لکھا تھا، اس مقام پر پڑھنے والے نے ہاتھ رکھ چھوڑا، عبد اللہ بن سلام صحابی نے (جو عالم تورات تھے) کہا ہاتھ اٹھاؤ، جب اس نے ہاتھ اٹھالیا، تو اس کے نیچے سے مسئلہ رجم نکل آیا، یہودی بہت شرمندہ ہو کر مجلس محمدیہ سے چلے گئے، آج ہم اس شریف قوم کا نمونہ اخبار شیعہ میں دیکھتے ہیں، علامہ ابن قتیبہ کی عبارت جو شیعہ اخبار نے نقل کی ہے، وہ ابتدائی ذکر میں ہے اخیر میں جو فیصلہ علامہ ابن قتیبہ نے نقل کیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

ثم قام علی فعظم حق ابی بکر رضہ وذکر فضیلتہ وسابقتہ ثم مضی نبایعہ فاقبل الناس علی علی فقالوا اصبت یا ابا الحسن واحسنت (ص ۱۶) یعنی مسجد نبوی میں جب لوگ جمع ہوئے، تو حضرت علی اٹھے، اور حضرت ابوبکر کے حق خدمت کی فضیلت بیان کی، اور ہر کام میں ان کی سبقت کا ذکر کیا، پھر حضرت علی رضہ آگے بڑھے، حضرت ابوبکر رضہ کی بیعت کی، سب لوگوں نے حضرت علی رضہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا، کہ اے ابوالحسن آپ نے صحیح راستہ اختیار کیا، اور اچھا کام کیا۔

ناظرین کرام! ہم نے جو شیعہ کے اس فعل کو ایک شریف قوم کے فعل کے ساتھ تشبیہ دی ہے کیا اس میں کوئی غلطی کی ہے؟

شیعہ دوستو! انصاف سے کہنا واقعات صحیحہ اس قسم کی کوششوں سے کہیں چھپائے جا سکتے ہیں، کیا یہی سچ ہے ؎

خون ناحق بھی چھپانے سے کہیں چھپتا ہے — کیوں وہ بیٹھے ہیں میری نعش پہ دامن ڈالے

(اہلحدیث ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۶۰ھ)

علمائے راسخین سے چند سوال کے جواب

اخبار اہلحدیث نمبر ۴۲ جلد ۱۲ میں حکیم محمد سجاد صاحب کے چند سوال بغرض جواب چھپے ہیں جن کے جواب عرض ہیں۔

(۱) حضرت حسین رضہ کے شہید یا قتل ہونے کے بارے میں علمائے مورخین اہلحدیث کا کیا خیال ہے، کہ وہ قتل ہوئے یا کہیں بغرض تجارت تشریف لے گئے تھے، اور وہیں وفات پائی مفصل اور مدلل تحریر فرما دیں۔

میرے نزدیک چونکہ یہ لڑائی درمیان میں دو مسلمانوں کے محض ایک ملکی جنگ تھی، اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے نہ تھی، اس لئے حضرت حسین رضی اللہ عنہ شہید نہیں، بلکہ مقتول ہوئے یا زیادہ سے زیادہ شہادت صغریٰ کہنا چاہیے۔ انتہی بلفظہ۔

الجواب:۔ یہ درحقیقت دو سوال ہیں، پہلے سوال کا جواب یہ ہے، کہ بلاشبہ حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ میدان کربلا میں جبراً مع اعوان کے شہید کئے گئے، اس پر تمام محدثین و علماء مورخین اہلحدیث کا اتفاق ہے، اور کہیں تجارت کے لئے نہیں گئے تھے، کہ ان کی وفات وہاں پر ہوئی، یہ سب چانڈو خانہ کی گپیں ہیں، جو ثبوت سب سے مستند اور صحیح اور تاریخی حیثیت سے بھی سب سے اعلیٰ ہے، اس سے یہ امر بخوبی ثابت ہے، وہ کون ثبوت؟ فن حدیث و فن رجال ہے جس میں ذرا شک کی گنجائش نہیں ہے، بلکہ کالشمس فی النہار ہے، صحیح بخاری میں ہے، عن انس قال اتی عبید اللہ بن زیاد براس الحسین فجعل فی طست فجعل ینکت و قال فی حسنہ شیئا قال انس رضہ فقلت واللہ انہ کان اشبھھم برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان مخضوبا بالوسمۃ۔ یعنی امام حسین کا سر عبید اللہ بن زیاد کے پاس لایا گیا پھر

فوج کا سردار تھا اور ایک طشت میں رکھا گیا، تو عبید اللہ بن زیاد آپ کے حسن میں کچھ کلام کرنے لگا اور اس کے ہاتھ میں کوئی لکڑی تھی، جس سے ٹھکرانے لگا، تو حضرت انس رضہ کہتے ہیں، میں نے کہا خدا کی قسم حسین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زیادہ مشابہ تھے ان کے سر میں وسمہ لگا ہوا تھا، یعنی بحالت شہادت جس وقت سر لایا گیا، وسمہ سے خضاب کیا ہوا تھا، حضرت امام حسین رضہ کا سر کوفہ میں عبید اللہ بن زیاد کے پاس بعد قتل کے لایا گیا تھا، اور حضرت انس رضہ وہیں موجود تھے اسی وقت کا یہ قصہ ہے

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے۔ عن عبد الرحمن بن ابی نعم قال سمعت عبد الله بن عمر، وسالہ رجل عن المحرم قال شعبۃ احسبہ قتل الذباب قال اهل العراق یسئلونی عن قتل الذباب وقد قتلوا ابن بنت رسول الله صلی الله علیہ وسلم وقد قال صلی الله علیہ وسلم هما ریحانتی من الدنیا یعنی عبد الرحمن بن ابی نعم سے روایت ہے، کہ حضرت عمر کے بیٹے عبد اللہ سے کسی نے محرم کے بارے میں مسئلہ پوچھا کہ محرم مکھی مار سکتا ہے، یا مکھی مارے تو اس کا کیا کفارہ ہے، حضرت عبد اللہ نے (تعجب سے) فرمایا، کہ عراق والے مکھی کے مارنے کا مسئلہ پوچھتے ہیں، حالاں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو قتل کر ڈالا، جن کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا، کہ یہ دونوں میرے پھول ہیں دنیا میں،

خلاصہ تہذیب الکمال میں ہے۔ استشهد بکربلا من ارض العراق یوم عاشوراء یوم الجمعۃ سنۃ احد وستین بکربلا من ارض العراق فیما بین الکوفۃ والحلۃ قتلہ سنان بن انس او شمر ذی الجوشن

اسی طرح جس قدر فن رجال کی کتابیں ہیں، خواہ بسیط ہوں یا قصیر ہوں جہاں سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، بالاتفاق یہی مضمون لکھا ہے، تہذیب الکمال، تہذیب التہذیب، کاشف مغنی وغیرہ وغیرہ، اگر فن رجال کی کتابوں کو غیر معتبر کہا جائے، تو بالکل امن ہی جاتا رہے گا، یہ چند عبارتیں بطور اختصار نقل کر دی ہیں۔

دوسرے سوال کا جواب:- امام حسین رضی اللہ عنہ کا مقتول ہونا شہادت ہے اور بلاشبہ شہادت ہے، جیسا کہ فاضل ایڈیٹر نے اس کی طرف اشارہ بھی کیا ہے، اس پر تمام محدثین اور فقہاء کا اتفاق ہے، کیوں کہ شہید کی تعریف یہ ہے۔ وهو مسلم طاهر بالغ قتل

ظلماً ولو بعیب بہ مال ولو یرثہ۔ اگرچہ یہ تعریف اس شہید کی کی گئی ہے، جس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جاتی، جس کی وجہ سے اس میں قیود بہت بڑھائے گئے ہیں، مگر پھر بھی آپ پر یہ تعریف صادق ہے، اور یہ ظاہر ہے، کہ حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ پر بے انتہا ظلم کیا گیا، جس کی نظیر ملنی مشکل ہے، بلکہ اعوان و انصار کو چھوڑ کر، بچوں اور مستورات پر اس قدر ظلم کیا گیا، کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرح ان پر بھی دانہ پانی بند کر دیا گیا، اور یہ کوئی جنگ نہ تھی چہ جائے ملکی جنگ، کہاں چند کس، کہاں فوج، صرف اس بیعت کا انکار تھا، جو قیصر اور کسریٰ کی سنت پر کی گئی تھی، اور اس انکار میں کوئی خصوصیت امام حسین ہی کی نہ تھی، بلکہ بہت سے صحابہ اس جرم میں شہید کئے گئے، حضرت ابوہریرہ رضؓ کو اسی جرم میں داغا گیا تھا (دیکھو واقعہ حرہ) سائل نے لکھا ہے، غایت یہ کہ یہ شہادت شہادت صغریٰ ہے، لیکن سائل نے شہادت صغریٰ کی تعریف نہیں لکھی، کہ اس پر غور کیا جائے بلاشبہ امام حسین رضی اللہ عنہ کا قصد اعلائے کلمۃ اللہ ہی تھا، اسی بناء پر اس بیعت سے انکار کیا تھا، جو ایک فاسق مجاہر کے ہاتھ پر مع سنت کسریٰ و قیصر ہوئی تھی، اسی بناء پر تمام اکابر صحابہ نے انکار کر دیا تھا، بلاشبہ سیدنا حسین رضؓ کی شہادت عظمیٰ ہے، حضرت عمار بن یاسر، حضرت طلحہ، یا حضرت عثمان کی شہادتیں، شہادت میں پیش کی جا سکتی ہیں، والعلم عند اللہ

۲۔ فرعون نے جو ڈوبتے وقت اٰمَنْتُ بِرَبِّ ھٰرُوْنَ وَمُوْسٰی کہا تھا، تو ایسے وقت کا ایمان شرعاً مقبول ہے یا نہیں؟ میرے نزدیک چونکہ حدیث میں مالم یغرغر آیا ہے، اور وہ قبل غرغرہ کے ایمان لایا تھا، لہٰذا اس کا ایمان مقبول ہے (اس کا جواب خود قرآن مجید میں موجود ہے۔ ایڈیٹر)

جواب:۔ حضرات سائلین کو سوال کرنے کے وقت کیا کچھ غور کر لینا کوئی جرم ہے، ایسے سوالات سے عوام کے خیالات میں تشویش پیدا ہوتی ہے، بالخصوص جب کہ سائل عربی جانتے ہوں، تو ضرور اس طرح بے تکا سوال[1] کرنا، ان کے لئے مناسب نہیں، قرآن مجید میں فرعون کے بارے میں نص موجود ہے۔ یَقْدُمُ قَوْمَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَ بِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ وَ اُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ

دوسری جگہ فرمایا۔ وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ۔ اس طرح کے نصوص تمام قرآن میں موجود ہیں جن سے فرعون اور فرعونیوں کا جہنمی ہونا یا ملعون ہونا ظاہر

[1] اس قسم کے ہتک آمیز الفاظ بھی مناسب نہیں ۱۲۔

ہے، پھر اس کے ایمان کو ما لم یغرغر سے مقبول کہنا بوالعجبی ہے، آپ نے جلدی میں جس لفظ کی وجہ سے اس کا ایمان مقبول بتایا ہے، اس پر بھی غور نہیں کیا، کلام اللہ میں ہے۔ حَتّٰی اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ الخ ادراک غرقاب سے غرقاب کا اسے تھام لینا ہے، غرق نے اسی وقت تھاما، جب دو چار غوطے کھا چکا، اور بیقین ہلاکت ہوگیا، اور دوسرے عالم کا نقشہ سامنے ہوگیا، اور غرغرہ سے بھی یہی مطلب ہے، کہ بیقین ہلاکت ہو جائے، اور دوسرے عالم کے نقشے سامنے ہو جائیں، نہ کہ صرف سانس اکھڑنا، افسوس آپ نے قرآن کے کھلے الفاظ کے باوجود بھی اپنے نزدیک فرعون کا ایمان قبول کر لیا، خدا کرے کہیں ایسی وسعت مقبولیت کو علمائے زمانہ موجودہ کے نزدیک بھی حاصل ہو جائے، تو بہتیرے لوگوں کو نجات مل جائے، [1] والعلم عند اللہ

(۴) اگر کسی شخص کو ۷، یا ۱۴ یا ۲۰ سال کی قید ہو جائے، تو اس کی زوجہ کے واسطے شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب:۔ کسی شخص کو کتنے ہی سال کی قید ہو، اس کے لئے قانون شرعی صاف کھلا موجود ہے، کہ اگر اس کی بیوی صبر کرے، اور تکلیف اٹھا کر خاموشی سے اپنی زندگی بسر کرنے پر اس کی منکوحہ رہ کر راضی رہے، جیسا کہ شرفا کا دستور ہے، تو اسے کون روک ٹوک کر سکتا ہے "میاں بیوی راضی تو کیا کرے قاضی" اگر اس پر راضی نہیں ہے، تو نالش کر کے شوہر کی جائداد سے خرچ وصول کرے یہ بھی نہیں تو شوہر سے خلع کرالے، اور یہ بھی نہیں، تو نالش کر کے طلاق دلوالے غرض ایسی عورت کے لئے راستے کھلے ہوئے ہیں، رضامندی یا خلع یا طلاق۔ حاکم جیل خانہ اسے طلاق دلوا سکتا ہے یا اور اس قسم کی کاروائی کسی طرح جیل خانہ سے رک نہیں سکتی، بلکہ جو لوگ دریائے شور کے پار بھیجے جاتے ہیں، ان کے پاس سے بھی خلع یا طلاق کا فیصلہ ہو سکتا ہے، چنانچہ ایسا ہوا بھی، قانون خود بخود کسی کی مدد نہیں کرتا، جب تک کوئی آپ اپنی مدد نہ کرے۔ [2] والعلم عند اللہ

(محمد عبید اللہ ولد مولانا عبد السلام صاحب مبارکپوری ۲۹ رشوال ۱۳۳۲ھ)

عجیب فتوے

امام ابو حنیفہ صاحب رضی اللہ عنہ ایسے روشن خیال تھے، کہ ان کے نزدیک اہل سنت

[1] فاضل اڈیٹر نے تعاقب کے جواب میں کچھ نہیں لکھا جس کا یہ مطلب ہے، کہ مرحوم کے نزدیک تعاقب صحیح ہے ۱۲ (راز)

[2] اگر کوئی صورت نہ ہو سکے، تو بحکم لَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا حسب فتوی شریعت علیحدہ ہو کر نکاح ثانی کر سکتی ہے (اڈیٹر)

یعنی ناجی فرقے کی پہچان ہی یہ ہے، کہ ہر نیک وبد کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرے (شرح فقہ اکبر) مگر آج کل ان کے نام لیوا متعاقدین کا یہ حال ہے، کہ آج تک بھی بعض اطراف سے یہ آواز آتی ہے، کہ اہلحدیث کے پیچھے نماز درست نہیں کیوں؟ دلیل کیا دیں، مقلد کا کام ہے، کہ دعویٰ کرے تو اپنے امام کے لفظوں ہی دلیل دے، اس لئے ضروری تھا کہ اس مسئلہ پر بھی اپنے امام کا قول نقل کرتے تھے، مگر قول امام کہاں سے لائیں، اس لئے طبیعت کا بہلاوہ کرنے کو مجلس لگا لیتے ہیں، چنانچہ ایک سوال مع جواب درج ذیل ہے۔

"کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ ایک شخص ہیں، امام کسی مسجد کا اپنا مذہب اہلحدیث ہمیشہ سے رکھتا ہے، مگر آمین بالجہر ورفع الیدین پہلے سے ظاہر نہیں کرتا تھا، اب چند ماہ سے آمین بالجہر ورفع الیدین کرنے لگ گیا ہے، اور مقتدی تمام حنفی ہیں آیا اس امام کے پیچھے نماز درست ہو جاوے گی یا نہیں؟ اور یہ فعل امام کا شریعت مطہرہ کے مطابق ہے یا خلاف ہے، بینوا توجروا" (مرسلہ حاجی دین محمد از جنید، محلہ قاضیاں)

الجواب: - چونکہ اہلحدیث نجاست کنویں میں گر جانے سے یا کسی جانور کے کنویں میں مر جانے یا پھنس جانے سے کنواں پاک نہیں کرتے، اور خون یا ریم نکلنے اور قے آنے سے وضو نہیں کرتے، اور عورت کے ساتھ صحبت کرنے سے بدون انزال غسل نہیں کرتے، اور سوتی موزہ پر مسح کرتے ہیں، اور منی کو غالبا نجس نہیں جانتے، ان وجوہات سے حنفیوں کو مناسب نہیں، کہ اہلحدیث کے پیچھے نماز ادا کریں، اور اگر معلوم ہو جاوے کہ اہل حدیث امام نے ایسے کنویں سے پانی لے کر وضو کیا ہے، جس میں نجاست پڑی ہوئی تھی، یا یہ کہ باوجود خون نکلنے اور قے آنے کے اس نے تازہ وضو نہیں کیا، یا معلوم ہو جاوے، کہ اس کے کپڑے منی آلود ہیں، تو ایسی صورت میں حنفی کی نماز ایسے امام کے پیچھے جائز نہ ہوگی (خادم شرع محمد خلیل از کوٹلہ)

اہلحدیث

سوال غیر مقلد سے ہے، جواب اس کے عوارض منفکہ سے، بھلا ایسے مفتی صاحب کہہ سکتے ہیں، کہ ہمیں خدا کا خوف ہے، بندۂ خدا سوال تو آمین رفع یدین کرنے والے سے ہے، آپ ان افعال کی بناء پر اگر ناجائز کہتے ہیں، تو کہیئے ہمیں کوئی نقصان نہیں، کیونکہ ہم تو آپ ہی کی مسجد کے کنویں سے پانی لے کر وضو کرتے ہیں، اور سب کچھ آپ کے سامنے، مگر یہ تو فرمایئے، کہ آپ کے بھائی بندین مذاہب والے جب ایسے کام کریں تو ان کے پیچھے کیوں آپ نماز پڑھتے ہیں، کیوں حرم شریف میں ان اماموں سے دریافت نہیں

کرتے، کہ آج تم نے غسل کیا یا نہیں؟
ہاں ہم پوچھتے ہیں، کہ یہ دعویٰ آپ کا بھی دلیل طلب ہے، کہ ایسے لوگوں کے پیچھے نماز درست نہیں، جو ایسے کام کریں۔ سچے مقلد ہیں تو اپنے امام صاحب کا کوئی قول نقل کریں۔ ورنہ تقلید کو جواب دیجئے، صاحب مسلم الثبوت لکھتے ہیں:۔
اما المقلد فمستنده قول مجتهده۔ مقلد کا اعتماد صرف اپنے امام کے قول پر ہے دگر ہیچ پس فیصلہ آسان ہے، جس کے پیچھے آپ چاہیں، منع کا فتویٰ دیں، مگر اپنے امام کا قول دکھا کر، ورنہ آپ کی تقلید کی خیر نہیں، اللہ اعلم (۱۶ / اپریل ۱۹۲۰ء)

دو ضروری سوال معہ جواب

بخدمت جناب ایڈیٹر صاحب السلام علیکم۔
میرے دو سوال ہیں، مہربانی کر کے آپ ان کے تسلی بخش جواب اپنے قیمتی اخبار میں درج فرما کر شکریہ کا موقع دیں، اور معترض ہونے کی صورت میں، میں اپنے نام سے مطلع کرنا مناسب نہیں سمجھتا، سوال مندرجہ ذیل ہیں۔
سوال نمبر ۱۔ قرآن مجید فرماتا ہے۔ لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أَتَاهُم مِّن نَّذِيرٍ مِّن قَبْلِكَ کہ اے رسول ہم نے کتاب دے کر تجھے اس لئے بھیجا ہے۔ کہ تو اس قوم کو ڈرائے جن کی طرف تجھ سے پہلے کوئی نبی نہیں آیا، اور دوسری جگہ فرماتا ہے وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ کہ ہر ایک امت میں نبی ہوا ہے، اور فرماتا ہے۔ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا کہ ہر امت میں ہم نے رسول بھیجا ہے، دونوں ارشادات فرقانی کو ملانے سے یہ نتیجہ نکلا کہ آنحضرت نبی نہیں ہیں، کیوں کہ جب آپ کو ان لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا، جن کی طرف کوئی نبی آپ سے پہلے نہیں آیا، اور دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے، کہ ایسی کوئی امت ہی نہیں جن کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کوئی نبی نہ آیا ہو، تو لازمی نتیجہ یہی نکلا، کہ آپ نبی نہیں، کیوں کہ اذا فات الشرط فات المشروط۔ جس سے آپ کی نبوت کی عمومیت ہی باطل نہیں ہوتی، بلکہ نفس نبوت کا ہی کوئی ٹھکانہ نہیں رہا۔
جواب ۱:۔ قوم مجموعہ افراد کا نام ہوتا ہے، ابتدا اس وقت سے ہوتی ہے، جب وہ قوم بنتی ہے، جس طرح اس کی ابتدا ہوتی ہے، درمیان بھی ہوتا ہے، اور انتہا اس کی اختتام پر ہوتی ہے

عربی قوم کی ابتداء اور وسط بھی تھا، پہلی آیت میں جس حالت کا ذکر ہے، وہ وسط کی حالت ہے اور دوسری میں ابتدائی حالت کا جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا زمانہ تھا، پس دونوں آیتوں کا مطلب یہ ہے، کہ عرب کی قوم کو ابتداء میں خدا کی طرف سے سمجھایا گیا، وسط میں سکوت رہا، یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے

میرا یہ جواب صرف میرے دماغ کا نتیجہ نہیں، بلکہ خود قرآن مجید کی ایک تیسری آیت اس کی طرف راہ نمائی کر رہی ہے، جو یہ ہے۔ أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ أَمْ جَاءَهُمْ مَا لَمْ يَأْتِ آبَاءَهُمُ الْأَوَّلِينَ (پ ۱۸ ع ۴) یعنی کیا یہ عرب لوگ قرآن کی تعلیم پر غور نہیں کرتے، کیا ان کو ایسی تعلیم آئی ہے، جو ان کے باپ دادا کو نہیں آئی تھی۔

یہ آیت میرے جواب کی اس طرح راہ نمائی کرتی ہے، کہ بصورت استفہام تقریری بتا رہی ہے، کہ یہ تعلیم وہی ہے، جو ان کے پہلے بزرگوں کو آچکی ہے۔ إِنَّ هَٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ۔

دوسرا سوال:۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ۔ کہ آنحضرت کو کتاب دے کر بھیجنے کی غرض یہ ہے، کہ وہ لوگوں کو ظلمت سے سے نکال کر نور کی طرف لاویں، اور دوسری جگہ فرماتا ہے۔ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا، کہ آنحضرت تمام لوگوں کے لئے رسول ہیں، تو دونوں آیات کے ملانے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ آنحضرت کے بھیجنے کی غرض یہ تھی، کہ وہ تمام لوگوں کو کفر کی ظلمت سے نکال کر اسلام کی روشنی میں لاویں، مگر ظاہر ہے، کہ دنیا کافر لوگوں سے جو اسلام سے منکر ہیں بھری پڑی ہے اگر الناس سے مراد اہل مکہ یا اہل عرب لئے جائیں، تو آپ کی بعثت کی عمومیت باطل ہو جاتی ہے، اور علاوہ ازیں یہ ثابت شدہ امر ہے، کہ آنحضرت کی وفات پر عرب کا بھی اکثر حصہ کفر کی ظلمت میں پڑا ہوا تھا جس سے ان کی وفات قبل از وقت ہوئی ثابت ہوتی ہے، اور جس غرض کے لئے آپ بھیجے گئے تھے ثابت ہوتا ہے، کہ پوری نہیں ہوئی (دیکھئے از کوہاٹ)

جواب:۔ رسالت والی آیت میں "ناس" سے مراد کل ناس (سب لوگ) ہیں، کیوں کہ "جمیعًا" سے اس کی تائید کی گئی ہے، اور "تخرج الناس" میں فی الجملہ مراد ہیں، جس کو منطقی اصطلاح میں قضیہ کہتے ہیں، اس کی مثال یہ آیت ہے۔ إِنَّ النَّاسَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ، پس جتنے لوگ بھی ہدایت یاب ہوئے یا ہوتے ہیں، اس آیت کی صداقت کو کافی ہیں، ساری دنیا کی ہدایت پر یہ آیت موقوف

نہیں، کیونکہ قضیہ مہملہ کا صدق کلیہ کی طرح سب افراد پر نہیں ہوتا، میری اس تفسیر کا ماخذ ایک تیسری آیت ہے، جو یہ ہے۔ لَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّکَ، لوگ ہمیشہ مختلف رہیں گے مگر جس پر خدا رحم کرے گا۔

یہ آیت فطرتاً انسانوں کے اختلافات کا پتہ دیتی ہے، اس لئے ساری دنیا کے لوگوں کے ہدایت یاب ہونے پر اس آیت (لتخرج الناس) کا صدق موقوف نہیں اللہ اعلم

(اہلحدیث ۱۶ ؍ مئی ۱۹۱۹ء)

سواد اعظم سے ایک سوال

ایک روایت میں یوں آیا ہے۔ اتبعوا السواد الاعظم (یعنی بڑی جماعت کی پیروی کیا کرو) یہ روایت بحیثیت تعقید تو صحیح نہیں، مگر ہمیں یہاں اس کی تنقید سے بحث نہیں، بلکہ اس کی دلالت سے بحث ہے

آج کل بعض رسالوں میں اس روایت کو مسئلہ تقلید پر دلیل بیان کیا جاتا ہے، کہ چونکہ مقلدین کی جماعت بہ نسبت غیر مقلدین کے بہت زیادہ ہے، اس لئے غیر مقلدین کو مقلدین کا اتباع کرنا چاہیے، کیوں؟ اس لئے کہ وہ سواد اعظم ہیں

یہ ہے تقریر دلیل کی جو مقلدین کی طرف سے بیان کی جاتی ہے، اس لئے اسی سواد اعظم سے اس حدیث کے متعلق چند سوال کئے جاتے ہیں، امید ہے وہ توجہ سے سنیں گے، خاص کر رسالہ "سواد اعظم" کے مصنف کا تو اولین فرض ہوگا، کہ وہ ان سوالوں پر توجہ کریں۔

اتبعوا صیغہ امر کا ہے، اس میں انتم ضمیر فاعل ہے، جس کے معنی ہیں (تم لوگ) السواد الاعظم مفعول بہ ہے، اس لئے سوال ہے، کہ فاعل سے کون لوگ مراد ہیں، اور مفعول بہ کون ہیں؟ اس سوال کے حل ہو جانے سے اس حدیث کے معنی حل ہو سکتے ہیں، آپ لوگ بے توجہی سے ان دونوں کو ایک کئے دیتے ہیں، جو کسی طرح جائز نہیں ہے۔

سنیے ۱۔ آپ کی تقریر کے مطابق مطلب یہ ہوتا ہے، کہ مقلدین سے سوال ہو، کہ آپ کیوں مقلد بنے تو وہ جواب دیتے ہیں، کہ مقلدین ہم سواد اعظم ہیں، اور سواد اعظم کے اتباع کرنے کا حکم ہے گویا کہ وہ خود ہی فاعل ہیں، اور خود ہی مفعول، حالانکہ فاعل و مفعول میں غیریت ہونی چاہیئے حدیث کے اصل معنی کیا ہیں، ہم چاہتے تھے، کہ اس سوال کے جواب کے بعد اس کے معنی بتائیں

مگر خیال ہوا، کہ ناظرین کو انتظار ہوگا، اس لئے قبل جواب ہی معنی بتا دیتے ہیں، غور طلب بات یہ ہے کہ افراد امت میں تابع کون ہے، اور متبوع کون؟ جو لوگ تابع ہیں، ان کو حکم ہے، کہ متبوعین میں اختلاف ہو، تو تم ان میں سے اکثر کی پیروی کیا کرو

قرآن مجید میں حکم ہے۔ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ یعنے اے مسلمانوں تم اللہ کی تابعداری کرو اور رسول کی اطاعت کرو، اور اپنے میں سے حکومت والوں کی اطاعت کرو۔

یہ آیت صاف طور پر امت کے دو گروہ بناتی ہے، ایک برسر حکومت افراد، دوم رعایا کے افراد، برسر حکومت افراد شرعی اصطلاح میں ارباب حل وعقد کہتے ہیں، یا آج کل کی اصطلاح میں اگزکٹو کونسل نام رکھتے ہیں، اگزکٹو کونسل کو تمام مسائل حل کرنے کا اختیار ہے، اس کے ممبران میں اختلاف ہو، تو کثرت پر فیصلہ ہوتا ہے، ٹھیک اسی طرح حدیث مذکور نے امت محمدیہ علے صاحبہا الصلوۃ والتحیۃ کو یہ تعلیم دی ہے، کہ انتخاب خلیفہ ہو، یا کوئی اور امر متعلق حکومت جس میں ارباب حل وعقد کا اختلاف ہو، تو اس صورت میں تم سواد اعظم یعنی اکثر ممبران جس طرف ہوں، اس کی پیروی کرو۔

ایسے سیاسی مضمون کی اصولی تعلیم کو مذہبی امور پر ڈھال کر ناحق وقت ضائع کیا جاتا ہے، افسوس ہماری تشریح کے مطابق حدیث مذکور میں فاعل و مفعول دونوں الگ الگ رہتے ہیں مگر ہمارے برادران لفیف مسئلہ تقلید پر اس کو لگا کر جو مطلب نکالتے ہیں، اس معنی سے نہ فاعل و مفعول میں تمیز ہو سکتی ہے۔ نہ مسائل کی تعین ہوتی ہے، نہ واقعات اس کی شہادت دیتے ہیں، کہ کسی مسائل میں واجب العمل تسلیم کیا گیا۔

دیکھیں ہمارے دوست ہمارے سوالات کے جوابات کیا دیتے ہیں، اور حدیث مذکور کا مطلب کیا بتاتے ہیں۔ (اہلحدیث ۵ رجادی الثانی ۱۳۳۸ھ)

چند سوال

پرچہ اہلحدیث مورخہ ۲۶ رجون سنہ حال میں جواب سوال ۹۲ کے اس فقرہ پر دگر چوں کہ یہ فیصلہ (کعبہ شریف میں چار مصلے تجویز کرنے کا) قرآن وحدیث کے موافق نہیں، یہ شک ہے کہ اطاعت اولی الامر کی بہ نص ناطق اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فرض ہے، پھر چار

مصلے خلاف شرع کیسے، بر تقدیر تسلیم خلاف (معاذ اللہ) تکذیب حدیث پاک لازم آتی ہے، لاتجتمع امتی علی الضلالۃ (الحدیث)

سوال دوم: ۲۲ شعبان سنہ حال کے پرچہ میں جواب سوال نمبر ۱۰۵ میں جو بدعت کی تعریف فرمائی ہے (کہ وہ کام ہے جس پر شریعت نے ثواب نہ تبلایا ہو، اور کرنے والا ثواب جانے) کہ یہ تعریف لغوی ہے یا شرعی یا اجتہادی، ثانی صورتوں میں کوئی ایسی حدیث پیش فرمائے جس سے بدعت کا وہی معنی ٹپکتا ہو تا جو جناب کا بیان کردہ ہے تیسری صورت میں کسی مجتہد فقیہ کی طرف اس تعریف کو منسوب فرمائے، جس سے تسلی ہو جاتی، بہرحال جناب کے پیش کردہ معنی پر مثلاً قرآن شریف کا چھاپنا، اور زیر متن ترجمہ چڑھانا اور بنا مدارس اور کتب خانے، اور مثل ان کے جن کی اشاعت و ترویج میں اہل اسلام ثواب ملحوظ رکھتے ہیں (معاذ اللہ) ایسی بدعات ٹھہرے جو تحت کلیہ کل بدعۃ ضلالۃ میں داخل ہیں ولم یقل بہ احد

(راقم خریدار نمبر ۳۵۲۷ - از بریلی)

ایڈیٹر اولوالامر کی اطاعت ان انتظامیہ امور میں واجب ہے جن کی بابت شرعی قانون میں (بصورت نفی یا بصورت اثبات) کوئی حکم نہ ہو، اگر حکم ہے، تو اطاعت واجب نہیں، سیاسی طور پر ماتحت رہ کر خاموش رہنا اور بات ہے، اس لئے اس آیت کے متصل ہی حکم ہے. فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ۔ اگر تم (حاکم و محکوم) کو کسی امر میں اختلاف ہو، تو اللہ اور رسول کے حکم کی طرف رجوع کرو، اس سے صاف ثابت ہے کہ موجودہ چار مصلوں کی قبولیت ہم پر واجب نہیں۔

جواب نمبر ۲ - یہ تعریف شرعی ہے، اور حدیث صحیح سے ماخوذ ہے احدیث میں آیا ہے کل عمل لیس علیہ امرنا فھو رد- یعنی جس کام کا ہم نے حکم نہیں دیا، یا کیا نہیں وہ مردود ہے، اسی کو دوسری حدیث میں یوں فرمایا ہے. من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد (جو کوئی ہمارے دین میں کوئی ایسا کام نکالے، جو اس میں سے نہیں ہے، تو وہ رد ہے، قرآن شریف کے اعراب با ترجمہ یا طبع تو عین منشا الٰہی سے ہے کیونکہ یہ سب ذرائع تبلیغ کے ہیں جس کی بابت ارشاد ہے بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ (جو کچھ تمہاری طرف اترا ہے، اس کی تبلیغ و اشاعت کرو) ان تینوں کاموں کی مثال ریل اور توپ و بندوق ہے جو ذریعہ ہیں قطع مسافت اور جہاد کے، گو سابق زمانہ میں نہ تھے، چونکہ اصل مقصود سفر تھا، اور اس

زمانہ کے مطابق اس کے ذرائع بھی تھے، اس لئے ذرائع کی تبدیلی بدعت نہیں، ورنہ ہندوستانی لباس بھی بدعت ہوگا، جو کوئی بھی نہیں کہتا، حامیان بدعت کو عموماً غلط فہمی لگتی ہے، کہ وہ مقصود اور ذرائع میں فرق نہیں جانتے، پس سنیئے، ایک کام مقصود ہوتا ہے، ایک ذریعہ ہوتا ہے، مقصود حج ہے، ذریعہ سواری ہے، اونٹ ہو یا گھوڑا، ریل ہو یا جہاز، اب اس پر کوئی یہ سوال کرے، کہ زمانہ نبوت میں سفر اونٹوں اور گھوڑوں کے ذریعہ ہوتا تھا اب ریل اور جہاز پر کیوں ہوتا ہے، تو ایسے صاحب فہم کو سمجھنا چاہیئے، کہ یہ ذرائع ہیں، ان کی تبدیلی بدعت نہیں ہے، اتنا کہنے پر بھی ضد کرے، تو کہدیں ؎

تو آشنائے حقیقت نئی خطا ایں جاست

(اہلحدیث امرتسر ۲۳ اکتوبر ۱۴ء)

س: کسی شخص نے اپنی عورت کو تین طلاق ایک مجلس میں دے دی، اور طلاق دینے کے دس دن بعد اس شخص کا انتقال ہوگیا، اب سوال یہ ہے، کہ اس عورت کو ورثہ میں حق پہنچتا ہے یا نہیں؟ (ابراہیم اسحٰق جی کاکا، خریدار اہلحدیث نمبر ۵۰۵۴)

ج: اہلحدیث کے نزدیک بحکم حدیث مسلم چونکہ دفعہ واحدۃ میں ایک رجعی ہیں، اس لئے تعلق قطع نہیں ہوا، لہذا ورثہ میں حق پہنچتا ہے۔

س: دوسری صورت یہ ہے، کہ اہل حدیث کے مذہب کے مطابق تین عدت میں انہوں نے طلاق دی، اور اس کے بعد اس کا انتقال ہوا، اس صورت میں اس کو حق ورثہ پہنچتا ہے، یا نہیں؟ اور اس صورت میں اہل فقہ کا کیا مذہب ہے؟ مفصل جواب مع حوالہ مطلوب ہے۔

(سائل مذکور)

ج: باقاعدہ تین طلاقوں کے بعد انقطاع ہوگیا یہاں تک کہ اہلحدیث کے نزدیک بحکم حدیث فاطمہ بنت قیس مطلقہ ثلاثہ کو نفقہ بھی نہیں ملتا، اس لئے ورثہ سے بھی محروم ہوگی، اہل فقہ کے نزدیک تا اختتام عدت نفقہ ملتا ہے، کیونکہ اس کی قید میں ہے، مگر ورثہ نہیں ملتا کیوں کہ وہ اس کی بیوی نہیں، قرآن مجید میں ازواج کو حصہ دینے کا حکم آیا ہے، اور یہ اس وقت زوجہ نہیں ہے، واللہ اعلم۔

س: اگر ایک شخص کی عورت طلاق چاہے، کہ وہ مرد اس کی خواہش پوری نہیں کر سکتا، مگر اس مرد کا یہ حال ہے، کہ بغیر اس کے دیکھے جینا دشوار ہے، اور اس بات کا خوف ہے، کہ اگر جبراً طلاق دلائی

دلائی جائے، تو وہ خودکشی کرے، اس صورت میں اسلام کا کیا حکم ہے؟ اور کس ترکیب سے کام لینا چاہیئے؟ (سائل مذکور)

ج:۔ یہ صورت مغیث اور بریرہ والی ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مغیث کی محبت دیکھ کر سفارش کی تھی، مگر اس نے انکار کر دیا تھا، لاچار آپ خاموش ہو رہے، اسی طرح عورت کا عذر سنا جائے گا، اگر صحیح ہوا تو جدائی کی جاوے گی، مرد کی خالی خولی محبت عورت کو پابند رکھنے کے لئے کافی نہیں، تا وقتیکہ وہ غرض پوری نہ ہو جس کے لئے نکاح ہوتا ہے، واللہ اعلم۔

(اخبار اہلحدیث امرتسر تاریخ بوجہ شکستگی نامعلوم)

لاہوری علماء کا عجیب فتویٰ

پیسا اخبار مورخہ ۵ نومبر میں ایک فتویٰ قربانی کے متعلق چھپا ہے، جس کے جواب سے سوال عجیب ہے، اور سوال سے جواب عجیب تر۔ سوال یہ ہے۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس بارے میں کہ جو شخص شرعًا قربانی کر سکتا ہو، اور اس کی نیت قربانی کرنے کی ہو، اور وہ یہ چاہتا ہو کہ تھوڑے سے روپے میں قربانی کر دے، اگر کوئی شخص یہ کہے۔ کہ جو شخص قربانی کرنا چاہتا ہے، اور اس کے پاس زیادہ خرچ کی طاقت نہیں، وہ مجھ سے امداد لے، میں اس کو بھیڑ بکری کی قیمت کے لئے روپیہ پیسہ دوں گا، کیا ایسا کرنا شرعًا جائز ہے، یعنی کسی سے روپیہ لے کر قربانی کرنا، یا قرضہ لے کر قربانی کرنا شرعًا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

اس سوال کا ابتداء کچھ ہے، اور انتہاء کچھ، بہرحال ہم انتہائی خلاصہ کو صحیح سمجھتے ہیں، جس کا مطلب دو لفظوں میں یہ ہے، کہ کوئی شخص صاحب مقدرت (مستطیع) کسی سے کچھ لے کر، یا قرضہ اٹھا کر قربانی کرے، تو جائز ہے یا نہیں، قرضہ کا لفظ تو صاف ہے، اس سے قبل کے لفظ (روپیہ لے کر) سے مراد غالبًا یہ ہے، کہ کسی سے احسانًا کچھ لے کر قربانی کرے، یعنی کوئی شخص بطور خود اس سے سلوک کرے، یا وہ قرضہ لے کر قربانی کرے، تو علمائے لاہور فتوے دیتے ہیں۔ اول:۔

جواب:۔ کسی سے قرضہ لے کر یا دوسرے سے امداد لے کر کوئی شخص قربانی کرنے کا شرعًا مجاز نہیں ہو سکتا۔ محمد عبدالحکیم شمس العلماء، کلانوری (از لاہور)

اس جواب کا مطلب صاف ہے، مگر دلیل ندارد، آگے چلئے، دوسرے عالم صاحب فرماتے ہیں:۔

الجواب:۔ بے شک جو شخص خود قربانی کرسکتا ہے، وہ دوسرے کی امداد لے کر قربانی نہ کرے۔ وھو العالم من الاحقر خادم الشریعۃ علی الحائری (لاھوری)

بہت خوب! دلیل ندارد۔ آگے سنیئے، تیسرے بزرگ فرماتے ہیں:۔

الجواب:۔ واقعی جس شخص کو خود قربانی کرنے کا مقدور ہو، اسے چاہیئے کہ خود قربانی کرے غیر کی اعانت کا ہرگز طالب نہ ہو، علی الخصوص صورت معلومہ میں کہ کوئی شخص محض بطلب ناموری اس کی امداد کرنے پر مستعد ہو، قربانی تو محض تقرب الی اللہ کی خاطر ہے، لہذا وہ حسبۃ للہ ہونی چاہیئے اگر کوئی شخص اس میں نمود اور شہرت دنیوی کا خواہاں ہو، تو البتہ قربانی کا مقصد اس سے مفقود ہو جائیگا نعوذ باللہ من ریاء الناس ونطلب منہ الاخلاص فی العبادات واللہ اعلم و علمہ اتم واحکم۔ وانا الراجی الغفران محمد المعروف بہ فضل میراں

ان بزرگ نے یہ لفظ بڑھایا ہے، بغرض ناموری وغیرہ، معلوم نہیں یہ کہاں سے لیا ہے، سوال میں تو یہ درج نہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ سوال وجواب کسی خاص شخص کے لئے بنایا گیا ہے، چوتھے بزرگ فرماتے ہیں:۔

الجواب:۔ اگر قربانی بحکم شریعت کسی شخص پر واجب نہ ہو، بایں وجہ کہ وہ مالک نصاب نہ ہو، تو اس صورت میں اس شخص پر واجب نہیں، کہ کسی سے امداد لے یا قرضہ اٹھاوے، اس کے جائز ہے، کہ قربانی نہ کرے، شرعاً اس پر کوئی مواخذہ نہیں، اگر وہ مالک نصاب ہے، تو اس کے لئے جائز ہے، کہ قربانی کم قیمت والی ذبح کردے، بشرطیکہ شرعاً وہ قربانی جائز ہوسکتی ہو، ھذا ما فھمت من السوال، واللہ اعلم بالکمال۔ الراقم۔ خادم العلماء الابرار محمد یار غفی عنہ امام مسجد طلائی۔ لاھور

یہ جواب بذاتہ صحیح ہے، مگر اس کو سوال سے کوئی تعلق نہیں، کیونکہ سوال میں نہ تو غیر مستطیع کا ذکر ہے، بلکہ مستطیع مذکور ہے، کیونکہ صاف الفاظ میں مرقوم ہے، کہ جو شخص قربانی کرسکتا ہے نہ واجب اور فرض سے سوال ہے، بلکہ جائز ہے۔ فاضل مجیب نے کہا ہے، کہ غیر مالک نصاب پر قربانی واجب نہیں۔ سائل کا سوال جواز سے ہے، اور مجیب کا جواب سلب وجوب سے یہی حتمی ہے، سوال از آسمان جواب از ریسمان۔

معلوم ہوتا ہے، کہ ان حضرات علماء لاہور نے اس مسئلہ پر غور نہیں فرمایا اب سنیئے سوال کی صورت صاف ہے، کہ ایک شخص قربانی کر سکتا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے، کہ اس کو قربانی کا حکم ہے۔ بہت خوب! اب اس کے ادا کرنے کی دو صورتیں ہیں.. ... ن کو کوئی شخص دوستانہ امداد دیتا ہے جس کو وہ قبول کر کے قربانی پر خرچ کرتا ہے۔ ... ہے سوال کا مطلب جواب کا مدار اس پر ہے، کہ پہلے یہ امر تنقیح کیا جائے، کہ صورت مرقومہ میں جو روپیہ کسی سے بطور احسان یا بطور قرض اس نے لیا ہے، وہ اس کی جائز ملک ہے یا نہیں؟ یقیناً اس کی ملک ہونے میں کسی کو شک نہ ہوگا، تو پھر اس سے قربانی خرید کردہ کے جواز میں کیا شک ہے؟

فاعتبروا یا اولی الالباب (اہلحدیث ۲۷ نومبر ۱۹۲۸ء)

چند سوال بغرض جواب

بخدمت جناب مولانا مولوی ابو الوفاء ثناء اللہ صاحب، دام فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، بادب التماس ہے، کہ ذیل کے عرائض بذریعہ سوال تصور فرماویں، اور جواب باصواب بدلائل نص قرآن وحدیث مفصل درج اخبار گوہر بار دریائے اہلحدیث میں فرما کر مشکور فرمائیں، اور عند اللہ ماجور ہوں، سوال حسب ذیل ہیں۔

(۱) آیت کریمہ یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَوٰةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَیْدِیَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَیْنِ (اے مومنو! نماز کے وقت اپنے منہ اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھو لو) یہ اہل سنت والجماعت کے معنی ہیں،

آیت موصوفہ ایک شیعہ صاحب کی پیش کردہ ہے، جس کی رو سے وہ صاحب کہتے ہیں کہ اللہ کا حکم سر اور پاؤں کا مسح کرنا ہے، پاؤں کا دھونا آیت موصوفہ سے ظاہر نہیں، ہر چند مثالیں دے کر سمجھایا گیا، یہاں تک کہ ایک لمبی حدیث کا ذکر کیا، کہ ایک دفعہ جبرئیل امین آئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود وضو کرایا، اور پاؤں دھلائے۔ مان تو گئے مگر حدیث بجنسہ مانگتے ہیں، لہذا التماس ہے، کہ اگر اور دو چار ثبوت پاؤں کے دھونے میں ہوں، تو ضرور درج فرمائیں۔

(۲) آیت کریمہ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِینٍ۔ وَآخَرِینَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوا بِهِمْ الخ سورہ جمعہ میں پہلی آیت مبین پر ٹھہرنا کفر بتاتے ہیں، دلیل دیتے ہیں، کہ گو آیت ختم ہے اور جزو تفسیر ہے لیکن چونکہ اس پر حرف لا پڑا ہے، اس لئے اگلی آیت کے ساتھ ملا کر پڑھنا ضروری

بے وضو کفر لازم آئے گا، ادھر یہ جواب بدلیل حدیث دیا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک آیت پر ٹھہرتے تھے، کیونکہ آیت ختم ہو جاتی ہے، جس پر شیعہ صاحب نے کہا، کہ پھر یہ "لا" کیوں تجویز ہوا، اور ایسے ہی اور مثلاً "ج، جس" وغیرہ، پھر ادھر سے جواب دیا گیا، گو یہ حرف ہیں مگر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے، تو پڑھنا ضروری ہے، اگر مزید ثبوت کا طالب ہے اس کا جواب بھی مدلل عطا ہو۔

(۳) فرقہ شیعہ کہاں اور کب شروع ہوا، اور اس کا بانی کون تھا، اہل کوفہ جو امام حسین رضؓ پر چڑھے، کون تھے؟ جواب مدلل کا انتظار ہے (طالب دار خریدار نمبر ۵۰۲۹- از گھوڑا دل)

اہلحدیث

آیت غسل کا جواب تو صاف ہے، شیعہ صاحب سے دریافت کیا جائے، کیا وجہ ہے، کہ رُءُوْسِکُمْ مجرور ہے، یعنی اس پر زیر ہے، اور اَرْجُلَکُمْ منصوب ہے یعنی اس پر زبر ہے، اگر وہ علم نحو ذرا سا بھی جانتا ہوگا، تو فوراً مسئلہ حل ہو جائے گا۔

ہمارے ملک میں مرزا صاحب قادیانی ایک صاحب گذرے ہیں، جن کو سب لوگ جانتے ہیں، آپ نے ایک پیش گوئی کی تھی۔ کہ عبداللہ آتھم (عیسائی) پندرہ ماہ میں بسزائے موت دوزخ میں جائے گا، اس پیشگوئی کا حشر یہ ہوا تھا، کہ پندرہ مہینوں کی میعاد سے دو سال بعد وہ مرا تاہم مرزا صاحب کے مریدوں نے مرزا صاحب کو نہیں چھوڑا، یہ واقع کس قدر حیرت انگیز ہے، مگر میرے نزدیک موجودہ قرآن کے ہوتے ہوئے کسی صاحب کا پیروں کے مسح پر اعتقاد رکھنا قادیانی پیشگوئی سے عجیب تر ہے، ایک دفعہ ایک والئے ریاست نے مجھ سے پیروں کے مسئلہ کا سوال کیا، فرمایا، کہ آپ اہلحدیث ہیں، مسح کرتے ہوں گے، میں نے عرض کیا نہیں، کیوں میں نے کہا، مسلمان لوگ اس پر فخر کرتے ہیں، کہ ہماری کتاب کسی کاتب یا صندوق کی محتاج نہیں بلکہ سینوں میں محفوظ ہے، لیکن حفظ کے نتیجے سے انکار کرتے ہیں، یعنی قرآن مجید جو حافظوں کے سینے میں ہے۔ اس میں پیروں کے دھونے والی قرأت ہے۔ اس کو تو قبول نہیں کرتے اور شاذ قرأت کو لیتے ہیں، جس میں اَرْجُلِکُمْ (زیر سے) آیا ہے، نواب صاحب یہ سن کر خاموش رہے، الحمد للہ!

نمبر ۲- آیات پر وقفے اور عدم وقفے یہ سب قاریوں کی اصطلاح ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد ہدایت عہد میں عربی طریق سے پڑھتے تھے، جہاں فقرہ ختم ہوتا ٹھہرتے جیسے

انگریزی، اردو، اور فارسی کا دستور ہے، اس بات میں کفر کے فتوے دینا ناواقفوں کا کام ہے۔

نمبر ۳۔ شاہ عبد العزیز صاحب مرحوم نے تحفہ اثنا عشری میں اس فرقہ کی ابتدا، عبد اللہ بن سبا سے لکھی ہے، میرے نزدیک شروع شروع میں یہ اختلاف پولیٹیکل خیالات پر مبنی تھا، ہوتے ہوتے مذہبی ڈنگل بن گیا، واللہ اعلم۔

امام حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کے لوگ یزید کی فوج تھی، کلمہ گو تھے، اسلام کے قائل تھے، پولیٹیکل نشہ نے ان کو امام مرحوم سے مقابلہ کروایا، باقی ان کا انجام خدا کو معلوم عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي فِي كِتَابٍ لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنْسَى الآیۃ۔

(اہلحدیث ۳ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ ۲۳ اکتوبر ۱۹۱۴ء)

ایک قادیانی سوال کا جواب

ایک سوال ہمارے متعلق چھپا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

آپ (مولوی ثناء اللہ) نے فرمایا، کہ مامور کی صداقت کا یہ نشان ہے، کہ وہ جھوٹ نہ بولے، نہ لکھے، اور میں مرزا صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کتابوں سے ان کے جھوٹ دکھا سکتا ہوں، اور غالباً کچھ انعام بھی مقرر کیا، سو بہت مہربانی ہو گی، اگر آپ ایسے مقامات کے حوالے رقم فرما دیں، آپ نے ایک اور بات پر بھی پانچ سو انعام دینے کا دعوی کیا تھا جو مجھے یاد نہیں رہی، مولوی صاحب اگر دعوی میں سچے ہیں، تو بذریعہ اخبار اس کا اعلان کریں (الفضل ص ۲۹ اگست)

اہلحدیث: ہمارا دعویٰ ہے، کہ مرزا صاحب کی زبان کذب سے محفوظ نہ تھی، آپ اس کی مثال سننا چاہیں، تو سنیں، مرزا صاحب رسالہ اعجاز احمدی میں لکھتے ہیں:۔

تیرا (ثناء اللہ کا) مردوں کے کفن یا وعظ کے پیسوں پر گزارا ہے۔ (ص ۲۳)

میرا دعوی ہے، کہ اس میں مرزا صاحب نے دو جھوٹ بولے ہیں، اگر سچے ہو، تو امرتسر آ کر کسی دوست دشمن کی شہادت سے ثابت کر دو، کہ یہ میرے گذارہ کی نسبت جو مرزا صاحب نے دعوی کیا ہے صحیح ہے؟ دیکھو ایسا نہ ہو، کہ ایک جھوٹ کو ثابت کرنے کے لئے (بقول مرزا صاحب) کئی ایک جھوٹوں کے مرتکب ہو (حقیقۃ الوحی)

دوسری مثال سنو، جس کے لئے پانسو روپیہ کا اشتہار میں نے دیا تھا، سنو، اگر کچھ ہمت

رکھتے ہو، تو مرد میدان بن کر سامنے آؤ، اور مبلغ پانسو اب بھی پاؤ، تاکہ لودھانہ کے تین سو سے زیادہ لے کر ہمیشہ کے لئے سرخرو ہو جاؤ، مرزا صاحب کے کذب کی دوسری مثال سنو۔

مولوی غلام دستگیر کی کتاب تو دور نہیں، مدت سے چھپ کر شائع ہو چکی ہے، دیکھو وہ کس دلیری سے لکھتا ہے، کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ پہلے مرے گا۔

(اشتہار انعامی پانسو روپیہ صٹ)

سردست یہ دو مثالیں تو محفوظ رکھ کر جواب دو، اور انعام پانسو حاصل کرو، پھر اور بھی بتلادیں گے زیادہ بحث کی بات نہیں، صرف اتنا کام ہے، کہ مرزا صاحب کی تحریر اور مولوی غلام دستگیر مرحوم کی کتاب دونوں ہاتھ میں رکھ کر مقابلہ کی جاویں، اگر ان کی مطابقت ہو جائے، تو ہم انعام دینے کا وعدہ کرتے ہیں منصف کی ضرورت ہو، تو ہم ماننے کو تیار ہیں غرض ساری باتیں لودھانہ کی طرح ہوں گی، دیکھیے اب الفضل کا مستور راقم پردہ خفا سے نکلتا ہے، یا نہیں

(اہلحدیث امرتسر ۲۹ شوال سنہ ۱۳۳۳ھ)

کیا یہ دعوائے نبوت ہے؟

سوال:۔ جناب نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم نے اپنی ایک کتاب میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت جو قرآن شریف میں آیا ہے اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی، وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی (یعنی یتیمی، بے خبری اور غریبی) یہ تینوں وصف مجھ پر بھی صادق ہیں، میں یتیم تھا، بے علم تھا اور غریب بھی تھا، خدا نے مجھے پرورش کیا، علم دیا، اور غنی کیا، یہ بھی کہا، کہ الحمد للہ میری حالت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت کے مشابہ ہوئی، کیا ایسا کہنا دعوئے نبوت یا نبوت کی تمہید ہے؟

جواب:۔ بیان مذکورہ کو دعوے نبوت سے کوئی تعلق نہیں، یتیم ہونا، بے خبر ہونا، غریب ہونا، یہ تینوں حالات نہ نبوت کے اجزا ہیں، نہ زمانہ نبوت کے واقعات ہیں، بلکہ نبوت کے پیشتر کے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت چالیس سال کی عمر میں عطا ہوئی، مگر یتیم پندرہ سال کی عمر تک تھے، غریب پچیس سال کی عمر تک رہے، جب حضرت خدیجہ سے نکاح ہوا، تو آپ غنی ہو گئے جو پندرہ سال نبوت سے پہلا واقعہ ہے بے خبری یعنی ضال ہونا، تو نبوت کی صریح نقیض ہے، پھر نہیں معلوم ایسے بیان کو دعوئی نبوت کہنے والا بجائے اس کے کہ اس کلام کے قائل پر ایسا افترا کرے

اپنے دماغ کا علاج کیوں نہیں کراتا، بہت سے بزرگان دین نے اتباع سنت کے شوق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کی طرح تریسٹھ سال کی عمر کی دعائیں کی ہیں، تو کیا یہ بھی نبوت کی تمنا ہے، افسوس ہے، لوگ علم دین اور انصاف سے کیسے دور ہیں، ہاں اگر کوئی صاحب اپنی نسبت یہ کہلوا دیں کہ ؎

عدو جن کے دارین میں روسیاہ ہیں، مریدوں کے بخشے گئے سب گناہ ہیں۔

یا یہ شعر سن کر اظہار خوشی کریں، کہ ؎

تو وہ مسیح نفس ہے کہ قسم اگر کہہ دے رہے نہ گور میں مردے کو عذاب جانی[۱]

تو ایسے پیر صاحب کی نسبت یہ خیال ہو سکتا ہے، کہ ان کو مرتبہ نبوت یا الوہیت کا خواب شاید آتا ہوگا۔ (اہلحدیث ۵ جنوری ۱۹۱۲ء)

دو ضروری سوالات

(از غازی محمود (دھرم پال))

مکرم بندہ جناب ایڈیٹر صاحب اہل حدیث، السلام علیکم! ۸؍ دسمبر کے اہلحدیث میں بابو غلام حسین صاحب کا ایک ضروری سوال اور اس کا جواب میری نظر سے گذرا، بابو صاحب موصوف نے قرآن مجید کی متعدد آیتیں پیش کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے، کہ ہمیں حنفی، شافعی، حنبلی، اہلحدیث وغیرہ کہلانے کی بجائے صرف "مسلمان" کہلانا چاہئے، اس پر میرے دو سوالات ہیں، امید ہے، بابو صاحب موصوف یا آپ خود میرے ان دونوں سوالوں کا جواب بذریعہ اہل حدیث دے کر مجھے ممنون فرمائیں گے۔

اول: مسلمان کس زبان کا لفظ ہے، کیا قرآن مجید میں یا کسی معتبر حدیث میں "مسلمان" کا لفظ آیا ہے یا نہیں؟

دوم: کیا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لئے "مسلمان" کا لفظ استعمال کرتے تھے، اگر کرتے تھے، تو ثبوت درکار ہے۔

ان سوالات کے پوچھنے سے میرا مدعا یہ ہے، کہ اکثر احباب مجھ سے استفسار کرتے رہتے ہیں کہ میں حنفی، شافعی، حنبلی، شیعہ، اہلحدیث وغیرہ کس گروہ سے تعلق رکھتا ہوں، اور میں اپنے آپ کو "مسلمان" کی بجائے "مسلم" کیوں لکھتا ہوں، میں اپنے ایسے احباب کو عموماً یہ جواب دیتا ہوں، کہ جو

[۱] یہ دونوں شعر پیر جماعت علی شاہ علی پوری کے حق میں مریدوں نے شاہ صاحب کو سنائے، اور جناب موصوف سے انعام پائے

لوگ اپنے آپ کو قرآن مجید کی موجودگی میں حنفی، شافعی، اہلحدیث وغیرہ کہتے ہیں، وہ تو بدعتی ہیں ہی، ہاں جو لوگ اپنے آپ کو "مسلمان" کہتے ہیں، وہ بھی بدعتی ہیں، بنا بریں میں اپنے ساتھ حنفی، شافعی، حنبلی، شیعہ، اہلحدیث کا دم چھلا لگا کر بدعتی بننے کے بجائے اپنے آپ کو "مسلمان" نہیں بلکہ "مسلم" کہتا اور لکھتا ہوں، اس لئے کہ جس کلام پاک کو میں اپنی دینی کتاب مانتا ہوں، اس نے مجھے یہی سبق دیا ہے، کہ میں اپنے آپ کو "مسلم" ہی کہوں، اور "مسلم" ہی لکھوں، مجھے امید ہے، کہ آپ یا بابو صاحب موصوف مہربانی فرما کر یہ بھی ارشاد فرما دیں گے، کہ آیا میرا اپنے احباب کو مذکورہ بالا جواب دینا از روئے قرآن مجید درست ہے یا غلط! (غازی محمود، دہرمپال ایڈیٹر "المسلم" لدھیانہ)

اھلحدیث اصل سوال کا جواب تو آسان ہے، مگر آپ کی اس تحریر سے جو ہمیں حیرت یا بالفاظ دیگر مسرت ہوئی ہے، وہ یہ ہے کہ آپ اب اسلام میں ایسے پکے ہو گئے ہیں، کہ ان سب فرقوں پر بدعتی کا فتویٰ لگاتے ہیں، جس پر آپ کا کوئی مخلص اگر یہ کہے، تو بجا ہے ؎

خدا تر ابت کا فر دراز سن تو کرے، جفا کے تو بھی ہو قابل خدا وہ دن تو کرے

کچھ شک نہیں، کہ لفظ مسلمان فارسی میں مستعمل ہے، اصل میں عربی لفظ مسلم کو زیادتی الف نون اہل فارس نے مسلمان بنا لیا، چونکہ ہندوستان میں اسلام اہل فارس کے ذریعہ آیا ہے، اس لئے نام مسلمان بھی انہی کا تجویز کردہ مروج ہو گیا، ورنہ اصل میں مسلم ہے۔

لطیفہ:۔ عربی قاعدہ سے مسلمان تثنیہ کا صیغہ ہے، اہل فارس نے اس لفظ کو جب لیا ہو گا، تو ان دنوں اہل اسلام عموماً متاہل (میاں بیوی) مسلمان ہوتے ہوں گے، اور میاں بیوی چونکہ ایک ہی حکم رکھتے ہیں، اس لئے انہوں نے تثنیہ کا صیغہ واحد پر بھی بولنا شروع کر دیا، اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے، کہ جس شخص کی بیوی مسلمہ نہ ہو، وہ مسلمان نہ کہلائے، چاہے غازی محمود ہو یا دہرمپال، یہ میری ذاتی رائے ہے، ممکن ہے کہ آپ کے خلاف ہو (۱۲ راکتوبر ۱۹۱۴ء)

تعزیہ کا فتویٰ

اسلام کے مختلف فرقوں میں کچھ تو اصولی اختلاف ہے، جس سے دو فرقے ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں، کچھ ہر عالم کا اپنا ذاتی خیال ہوتا ہے، جو اس خلیج کو اور بھی بڑھاتا ہے، ہمارے خیال میں اگر اسلامی فرقے اپنے اصول مقررہ پر جم جائیں، تو بہت سا اختلاف مٹ سکتا ہے۔

مثلاً حنفیہ کا اصول ہے، کہ فتوی امام ابو حنیفہ کے قول پر ہونا چاہیئے۔ اس اصول پر اگر تمام حنفی جم جاویں، تو آج تمام شرکی اور بدعی رسومات جو حنفی فرقہ میں رائج ہیں، سب کی سب مٹ سکتی ہیں۔ مثلاً گیارہویں، مجلس مولود وغیرہ اگر حنفیہ اپنے اصول کے مطابق غور کریں، تو امام ابو حنیفہ کا قول اگر ان رسومات کے متعلق نہ پائیں، تو فوراً چھوڑ دیں۔

اسی طرح شیعوں میں اصول ہے، کہ قرآن و حدیث کو جو ائمہ اہل بیت نے سمجھا، وہی ٹھیک ہے، ہم ان کی سمجھ کے تابع ہیں۔ دیگر ایچ جو اعلیٰ درجہ کی تقلید ہے

ہم اس وقت اس تقلید کے جواز یا عدم جواز پر بحث کرنا نہیں چاہتے، بلکہ یہ بتلانا چاہتے ہیں، کہ شیعہ اپنے اس اصول کے پابند ہوں، تو ان میں بھی جو جو رسومات زائدہ رائج ہو رہی ہیں، سب کی اصلاح ہو سکتی ہے

مثلاً رسم تعزیہ جس وجہ سے مسلمانوں میں ہی نہیں، بلکہ تمام ہندوستان میں ہر سال ایک عام فساد کا اندیشہ ہوتا ہے، جسے علمائے اہل سنت بالاتفاق حرام کہتے ہیں، مگر شیعہ کے ایک عالم نے اس دفعہ اس کو جائز بلکہ مستحب کار ثواب سمجھا ہے، حالانکہ ائمہ اہل بیت سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

لاہور کا شیعہ اخبار ذوالفقار اپنے مفتی صاحب (مولوی سید علی حائری) کا ایک فتوی شائع کرتا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

"تعزیہ، شبیہ مبارکہ، قبر مطہرہ، مظلوم کربلا ابی عبداللہ الحسین علیہ السلام بنانا متعدد دلائل اور وجوہ سے جائز بلکہ ممدوح اور مستحسن ہے، اس کے لئے کافی ہے وہ حدیث جو زادالمعاد میں زیارت عید مولود میں مروی ہے، کہ اگر تو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنا چاہتا ہے، تو ان کی قبر مبارک کی شبیہ بنا کر ان کا اسم مبارک اس پر لکھ لے، اس سے شبیہ قبر بنانے کا جواز ثابت ہے، اور تعزیوں کا بازاروں میں پھرانا مؤمنین کے رونے اور رلانے کی غرض سے بھی ممدوح اور مستحسن ہے، اس کے دفن کرنے اور آئندہ سال کے واسطے باقی رکھنے میں تعزیہ دار مختار ہے، لیکن میرے نزدیک اس کا باقی رکھنا افضل ہے۔" (ذوالفقار ۲ محرم ص۱ کالم ۳)

اہلحدیث زادالمعاد کی روایت کا پورا پورا پتہ بتادیں گے، تو جواب دیا جائے گا۔ اتنے حوالے پر تلاش کرنے سے ہمیں نہیں ملی، اور نہ آپ کو یہ روایت مفید ہے، کیونکہ آپ کے نزدیک سوائے اقوال ائمہ اہل بیت کے کوئی روایت خصوصاً کسی سنی کی

روایت کسی طرح سند اور حجت نہیں، حجت ہے تو اقوال ائمہ ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے، کہ آپ محل استدلال میں ایک ایسی روایت جو اپنی بے ثبوتی کے علاوہ آپ کے نزدیک دلیل بھی نہ ہو پیش کرتے ہیں، ہم حیران ہیں کہ اتنا بڑا دعویٰ اور یہ ثبوت؟ حالانکہ سیدھی بات تو یوں تھی، کہ ائمہ اہل بیت میں سے کسی کا قول دکھا دیتے، بس فرض ادا ہو جاتا، مگر ایسا تو اس صورت میں کرتے، کہ اپنے اصول شیعہ کے پابند ہوتے۔

ہم نہایت اخلاص سے کہتے ہیں، کہ اسلامی فرقے اگر اپنے اپنے اصول کی پابندی بر تصفیہ کرنا چاہیں، تو بہت جلد بہت سے اختلافات کا تصفیہ ہو سکتا ہے، چنانچہ مثال کے طور پر ہم اشارہ بھی کر چکے ہیں۔

اگر اس طرح ہر ایک شخص کو اجازت ہو، کہ وہ جس کام کو چاہے، مستحسن کہہ دے، اور جس کو چاہے فرض واجب بتلا دے، تو اس صورت میں جتنے عالم ہوں گے، اتنے ہی مذہب ہوں گے، بلکہ ہر عالم بعض دفعہ دن میں کئی کئی خیال تبدیل کرنے کی وجہ سے کئی کئی مذہب بنا دے گا

پس شیعہ دوستو! برا ماننے کی کوئی بات نہیں، ہم تم سے صرف یہ تقاضا کرتے ہیں، کہ تم اپنے اصول کے پابند رہ کر ہر ایک مسئلہ پر ائمہ اہل بیت کے اقوال سے ثبوت دیا کرو، اس طرح عمل کرنے سے تم اہل علم کے نزدیک سرخرو ہو گے، اور اسلام میں اختلاف بھی کم ہو جائے گا۔ ہم تیار ہیں، کہ یہی تقاضا تم لوگ ہم سے بھی کرو۔ کیا کوئی ہے حنفی ہو یا شافعی شیعہ ہو یا خارجی ہمارے ساتھ اس صورت سے فیصلہ کرنے پر آمادہ ہو؟ (انصاف اور خوف خدا شرط ہے)

(اہلحدیث امرتسر ۹ نومبر ۱۹۳۴ء)

ایک علمی سوال

مندرجہ ذیل سوال عرض کرتا ہوں، اگر جناب قولہ تعالیٰ واما السائل فلا تنھر کو مد نظر رکھ کر جواب باصواب سے مستفید فرمائیں تو اسلامی حمیت سے بعید نہ ہوگا۔

سوال:۔ سورہ بنی اسرائیل میں جب رسول خدا سے پوچھا گیا قولہ تعالیٰ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا یعنی چند ایک معجزات ہمیں دکھلا، مثلاً چشموں کا پھوٹ نکلنا، یا آسمان جا کر کتاب لانا، تو اس جواب میں خدا نے ارشاد فرمایا قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ آپ یہ تحریر فرمائیں، کہ خدا کس بات سے پاک ہے اگر آسمان پر لے جانے سے

پاک ہے، تو معراج بجسمہ نہ ہوا، کیونکہ اس کو نفی صریح نص سے ظاہر ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ حضرت ابراہیم کے ذریعہ (حسب انہوں نے احیاء موتے کا سوال کیا) اظہر من الشمس معجزہ ظاہر کیا، وہاں خداوند تعالیٰ نے تلقی نہیں کی، اور سب سے افضل نبی کریم کے ذریعے مخالفین کے یقین کے لئے سوالات مذکور کا اظہار کیوں نہیں کیا، آپ اس کا جواب مدلل اخبار اہلحدیث میں چھپوا دیں، تو اشاعتِ اسلام کی اشاعت ہوگی، اور خداوند کریم آپ کو جزائے خیر بخشے گا، والسلام

(الراقم: احقر العباد کرم الدین سب پوسٹ ماسٹر، بازار بھابھڑا شہر راولپنڈی)

(اہلحدیث امرتسر ۲۱ اپریل ۱۶ء)

علمی سوال کا جواب

اخبار اہلحدیث مطبوعہ ۲۲ اکتوبر ۱۶ء میں بعنوان مذکورہ بالا جناب بابو کرم الدین صاحب سب پوسٹماسٹر راولپنڈی نے سورہ بنی اسرائیل کی چند آیتوں کے مطلب پر کچھ شبہات پیش کرکے اس کا جواب بذریعہ اخبار اہلحدیث طلب فرمایا ہے، لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ بجائے شبہات کے جواب دینے کے ان کل آیات کی (جو ایک ہی مضمون سے مربوط ہیں) صحیح اور ٹھیک تفسیر کردی جائے جس سے صاحب موصوف کے وہ سب شبہات بھی دور ہو جائیں گے، اور ناظرین کے لئے بھی آیات شریفہ کی تلاوت خالی از برکت و دلچسپی نہ ہوگی۔

پس جناب پوسٹماسٹر صاحب خصوصاً اور ناظرین اخبار غور سے پڑھیں فاقول بتوفیق اللہ تعالیٰ۔ خداوند تعالیٰ سورہ بنی اسرائیل پ ۱۵ ع ۱۰ میں کفار مکہ کی شرارتیں اور سرکشی اور گستاخانہ اقوال اور جن امور کے پورا ہونے پر انہوں نے اپنے ایمان کو مشروط کیا تھا اس کو مفصل بیان فرماتا ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ وَقَالُوا لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنبُوعًا ﴿﴾ أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ خِلَالَهَا تَفْجِيرًا ﴿﴾ أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا ﴿﴾ أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِّن زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقَىٰ فِي السَّمَاءِ وَلَن نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّىٰ تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَّقْرَؤُهُ الآیۃ

(ترجمہ) اور اے محمد کفار مکہ تم سے کہتے ہیں، کہ ہم تو اس وقت تک ہرگز تم پر ایمان ہی نہ لائیں گے جب تک تم ہمارے لئے زمین سے کوئی چشمہ نہ نکال دو گے، یا تمہارا کوئی باغ کھجوروں یا انگوروں کا ہو، اور اس کے بیچ میں تم (بہت سی) نہریں جاری کردو یا جیسا تم خیال کرتے ہو (عذاب کے طور پر) آسمان کے ٹکڑے ہم پر لا کر گرادو، یا خدا اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لا حاضر کرو یا درہنے

کے لئے) تمہارا کوئی طلائی گھر ہو، تاکہ ہم تمہاری ظاہری شان و شوکت دیکھ کر تم پر ایمان لادیں) یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ، اور تمہارے آسمان پر چڑھنے کو بھی ہم جب ہی باور کریں گے۔ جب تم وہاں سے کوئی ایسی کتاب اتار کر لاؤ جس کو ہم خود پڑھ لیں، انتہی!

ناظرین نے ان آیات اور اس کے ترجمہ کو پڑھ کر اچھی طرح معلوم کر لیا ہوگا، کہ کفار کے سوالات کی نوعیت سرے ہی سے خصومت اور عناد پر مبنی ہے، نہ اظہار حق پر پس ان سب امور کے جواب میں خداوند تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا۔ یعنی (اے محمد کفار مکہ سے ان کی لایعنی اور گستاخانہ اور بے ہودہ باتوں کے جواب میں) کہدو کہ میرا رب (تمہاری ان تحکمانہ فرمائشوں اور گستاخانہ اقوال سے) پاک ہے (اس کو تمہارے ایمان کی ضرورت نہیں، وہ بے پرواہ اور غنی ہے اور) میں تو صرف ایک انسان (خدا کا) بھیجا ہوا ہوں (میرے اختیار میں یہ باتیں نہیں، بلکہ معجزات صرف خدا ہی کے اختیار میں ہیں، جس کو وہ بندوں کے حال اور مصلحت کے موافق صادر فرماتا ہے۔

پس اب ان آیات کی تفسیر اور معانی کے بعد امید ہے، کہ جناب پوسٹ ماسٹر صاحب اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے۔ کہ یہ "سُبْحَانَ رَبِّي" جو کلمہ تسبیح محل تعجب میں واقع ہوا ہے، وہ کفار مکہ کی گستاخانہ اور تحکمانہ فرمائش سے تنزیہہ ہے، نہ آنحضرت کو آسمان پر لے جانے سے بلکہ آسمان پر لے جانے اور معراج بالجسم ہونے یا نہ ہونے سے اس آیت کو ذرا بھی تعلق نہیں، چنانچہ ایسا ہی علامہ بیضاوی بزیر آیت مذکور لکھتے ہیں[1] تعجبا من اقتراحاتهم او تنزيها لله من ان ياتى او يتحكم عليه او يشارك احد فى القدرة (انتهى بلفظه)

پس اس مضمون کو پڑھ کر کوئی سلیم الفطرت انسان یہ نہ کہے گا، کہ باوجود ان گستاخیوں اور بے ادبیوں اور تحکمانہ فرمائشوں کے خدا تعالیٰ نے پھر بھی ان کے حسب منشاء معجزات کیوں نہ ظاہر کئے اور نیز ان آیات میں کفار کے طرز کلام سے ہر سلیم الفطرت انسان یہ بھی خیال کر سکتا ہے، کہ کفار مکہ نے جتنی فرمائشیں کی تھیں، وہ سب کی سب بے حد عناد اور محض شرارت پر مبنی تھیں نہ طلب حق پر، پس ایسی حالت میں وہ عالم الغیب، متین، غیور، صاحب جاہ و جلال ان کے سوالات کو جو محض عناداً تھے، کیونکر پورا کرتا۔ چنانچہ قرآن پاک میں چند جگہ اس کا جواب[2] تفصیلی بھی دیا گیا ہے، کہ "اگر

[1] تفسیر بیضاوی ج ۱ ص ۱۷۴ مطبوعہ مطبع احمدی دہلی ۱۲ منہ [2] چنانچہ آیات قرآنی لَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ اور وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا الخ وغیرہ وغیرہ ملاحظہ ہوں ۱۲ منہ

ہم کفار کے لئے کوئی کتاب آسمان سے لکھی ہوئی بھیج دیں، یا آسمان کے دروازے کھول دیں، تب بھی یہ لوگ اپنی ہٹ دھرمی سے ایمان نہیں لاویں گے۔

اور عادت اللہ بھی ایسی ہی جاری ہے، کہ جب کفار کی جانب سے معاندانہ معجزہ طلبی ہوتی ہے تو ہرگز ہرگز اس قسم کے معجزات ظاہر نہیں کئے جاتے

اور جو حضرت ابراہیم نے احیاء موتیٰ کا معجزہ طلب کیا تھا، اس کا سبب خود مذکور ہے لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي، تاکہ میرے قلب کو اطمینان حاصل ہو، اور آنحضرت کی طرف سے تو یہاں کسی قسم کا معجزہ طلب ہی نہیں کیا گیا، بلکہ جو کچھ معجزہ طلبی ہوئی، وہ کفار کی طرف سے ہوئی، اور وہ بھی معاندانہ صورت میں، اس لئے وہ جناب باری کی طرف سے پوری نہیں کی گئی، پس مجھے امید ہے، کہ میری یہ تحریر ان شبہات کے ازالہ کے لئے جن کو جناب پوسٹ ماسٹر صاحب نے پیش کیا تھا، کافی ہوگی لہذا اب میں اپنے ناظرین سے سلام مسنون کہہ کر رخصت ہوتا ہوں، اب انشاء اللہ آئندہ مذاکرہ میں پھر ملیں گے۔ والسلام خیر الختام۔ (اہلحدیث امرتسر ۱۹ مئی ۱۹۱۶ء)

مفتی صاحب مدرسہ دیوبند کا ایک فتویٰ

اہلحدیث مورخہ ۲۹ مئی میں ہم نے ایک مضمون لکھا تھا، جس کا عنوان تھا "مدرسہ دیوبند اور اہلحدیث کانفرنس" اس میں ہم نے یہ ثابت کیا تھا، یا کرنے کی کوشش کی تھی، کہ یہ دونوں شاخیں دراصل ایک ہی تنے کی ہیں، ابھی اس مضمون کی سیاہی بھی خشک نہ ہوئی ہوگی، کہ ہمارے پاس ایک فتویٰ مفتی صاحب مدرسہ دیوبند کا پہنچا، جس پر مفتی صاحب کی مہر نہ ہوتی، تو ہم اس کی نسبت متردد رہتے کہ یہ فتویٰ کسی دیوبندی عالم کا ہے یا نہیں، مگر مہر دیکھ کر ہم اس کی تصدیق کرنے پر مجبور ہیں۔

فتویٰ مذکور کیا ہے، بالکل ایک معمولی خیال کا اظہار ہے، ہم کو مدرسہ دیوبند کے علماء سے جو علمی حسن ہے، اس کے بالکل برخلاف ہے، ہماری ذات خاص کا تعلق جو دیوبند ہے، اس کی بناء پر ہم اپنی ذات خاص کے تو ذمہ دار ہیں، مگر یہ فتویٰ چونکہ فرقہ اہلحدیث کے متعلق ہے، لہذا بحیثیت منصب خاموش رہنا ہمارے حق میں پسندیدہ نہیں، اس لئے مجبوراً اس فتوے کا ذکر کرتے ہیں حقیقت میں صحیح واقعہ یہ ہے، کہ اس فتوے سے ہمیں بذات خاص بھی بہت صدمہ ہوا ہے، کیونکہ ہم اس فتویٰ کو کسی علمی اصول پر مبنی نہیں پاتے، ناظرین فتویٰ مذکور خود ملاحظہ فرمالیں، جو سوال و جواب کی صورت میں درج ذیل ہے

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ ہم حنفی مذہب کے ہمراہ شامل صف نماز ہو کر کسی شخص کا پکار کے آمین کہنا ہمارے لئے موجب فساد نماز یا کراہیت نماز ہے یا نہیں؟ اگر اس کا آمین کہنا ہمارے لئے موجب فساد نماز یا باعث کراہت ہے تو یہ حنفی مذہب کی کون سی معتبر کتاب میں لکھا ہے۔

(۲) ایسے شخص کو مسجد کے آنے سے روکنا کہ شریک ہماری جماعت میں نہ ہو، بلکہ ہم لوگوں کی مسجد میں نہ آوے، اور ایسے شخص کو مسجد پر لعن طعن و حرامی کہنا۔ خارج از ایمان اور واجب القتل سمجھنا، اور السلام علیکم ترک کرنا یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں، اس حالت میں آمین بالجہر کہنے والے کو جن لوگوں نے مسجد سے نکال دیا ہو، وہ کیا کہے جاویں گے، اب وہ لوگ داخل اسلام ہیں یا نہیں؟

(۳) جو حنفی مذہب آمین بالجہر کہنے والے سے ضد نہیں رکھتے، ان کو وہابی سمجھنا، اور درپے ایذا کا ہونا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

(۴) مثلاً زید آمین بالجہر قریب تین سال سے برابر کہتا چلا آیا ہے، اور بکر و عمر اس کا مخالف ہے یعنی چند روز سے مانع ہوا، بعد ازاں اس کے بکر و عمر نے دعویٰ کیا، مقدمہ فرضی مجسٹریٹ کے سامنے پیش ہوا، زید جامع مسجد کے پیش امام صاحب مسمی خالد کے یہاں پر اپنے فیصلہ کو مکتفی رکھا، کہ آپ سے دریافت کر لیا جاوے، کہ میں کتنے روز سے کہتا چلا آیا، اور کسی نے روک ٹوک نہیں کیا محض اب دو شخصوں نے جس پر پیش امام صاحب نے سراپا غلطی اور جھوٹی شہادت روبرو مجسٹریٹ کے بیان فرمایا، کہ زید کو بارہا میں نے سمجھایا، مگر یہ آٹھ روز سے کہتا ہے، اور اپنی شرارت سے باز نہیں آتا، ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

(۵) نماز میں آمین بالجہر کہنے سے روکا جاوے، اور بعد نماز یعنی دعا میں سب لوگ بآواز بلند اللهم آمین ثم آمین کہتے ہیں، اس آمین اور اس آمین میں کیا فضیلت ہے، بینوا توجروا۔

(کمترین شاہ محمد، تمباکو فروش، زیر جامع مسجد سلطان پورہ، اودھ)

الجواب: غیر مقلدین کی کم فہمی اور جہالت و غوایت اس سے ظاہر ہے، کہ ایک ایسے امر میں جو کسی کے نزدیک بھی ضروری نہیں، بلکہ اس میں استحباب و عدم استحباب کا اختلاف ہے، اس میں اس قدر تشدد کرنا، کہ خواہ فساد اور جھگڑا برپا ہو جائے، اور فتنہ قائم ہو جائے، مگر اس مختلف فیہ امر مستحب کو، جس کے عدم استحباب کے لاکھوں، کروڑوں علماء، اور صلحاء، و اہل اسلام قائل و عامل ہیں ترک نہ کیا جاوے، زید جو تین سال سے آمین بالجہر کہتا ہے، اس سے پہلے جو اس نے نماز میں

بدون آمین بالجہر کے پڑھیں، وہ نمازیں اس کی ہوئی یا نہیں کیسی نادانی ہے، کہ ایک امر مستحب کی وجہ سے فتنہ اور فساد مسلمانوں میں قائم ہونا اس کو پسند ہے. مگر آمین بالجہر کو چھوڑ نہیں سکتا حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ البتہ حنفیوں کو بھی یہ چاہیئے. کہ ایسی بات میں جھگڑا نہ کریں. اور لعن طعن نہ کریں، یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور بہت سے علماء اخفاء آمین کے قائل ہیں، اور امام شافعی وغیرہ رحمہم اللہ جہر کے قائل ہیں، ایسے مختلف فیہ مسئلہ میں فساد نہ کرنا چاہیئے، غیر مقلدین کو زبانی سمجھا دیا جاوے، لڑائی اور مقدمات نہ کئے جاویں، اور اگر آمین بالجہر کہنے والے کے مسجد میں آنے سے عوام حنفیہ کے فساد عقیدہ کا اندیشہ ہے، تو اس صورت میں غیر مقلد آمین بالجہر کہنے والے کو سمجھا دیا جاوے، کہ تم ہماری مسجد میں نہ آیا کرو. نہ اس وجہ سے کہ آمین بالجہر کہنے سے حنفیوں کی نماز میں کچھ فرق آتا ہے، بلکہ اس وجہ سے کہ عوام حنفیہ کی عقیدت خراب ہونے کا اندیشہ ہے، کیونکہ اکثر غیر مقلدین کے عقائد بھی خراب ہوتے ہیں، سب سلف و طعن کرنا ائمہ دین پر خصوصًا طعن کرنا امام ہمام حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر ان کا شعار ہے، اور روافض کی طرح سلف و صالحین کو طعن کر کے اپنا دین و ایمان خراب کرتے ہیں، باقی جھوٹا مقدمہ قائم کرنا، اور ان پر جھوٹی شہادت دینا سخت گناہ ہے، اور کبیرہ ہے، جو شخص مرتکب اس کا ہوا فاسق ہوا، توبہ کرے، جب تک توبہ نہ کرے گا، نماز اس کے پیچھے مکروہ ہے. بعد توبہ کے بلا کراہت نماز صحیح ہے. نماز میں اور خارج نماز میں ہر وقت اخفاء آمین مستحب ہے. جیسا کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً، نماز میں بالخصوص نص اخفاء آمین کی وارد ہوئی ہے، اس لئے نماز میں اس کا اہتمام زیادہ ہے، فقط واللہ اعلم ۔

من آنچہ شرط بلاغ است باتو میگویم تو خواہ از سخنم پند گیر، خواہ ملال

غرض یہ ہے، کہ عدم تقلید سے توبہ کی جاوے، جس کی فروعات سے آمین بالجہر اور رفع یدین ہے اور سبیل مؤمنین پر قائم ہو جائیں، والسلام.

(کتبہ عزیز الرحمن عفی عنہ، مفتی مدرسہ دیوبند - ۶ رجمادی الثانی)

اہلحدیث

جناب مفتی صاحب کے مسئلہ کا مضمون تو الگ ہے، آپ کا عنوان اور طرز بیان بھی خاص نوعیت رکھتا ہے، کیا ہی لطیف پیرائے میں فرماتے ہیں، ”غیر مقلدین کی نہی اور جہالت و غوایت“ گو بہت سے تجربہ کار یہ بات کہہ

لہ کیا ہی معقول سوال ہے (اہلحدیث)

گئے ہیں ؎

دہن خویش بدشنام میالا صائب کیں زر قلب بہر کس کہ دہی باز دہد

مگر ہم ایسے اصحاب کی رائے سے متفق نہیں، کیونکہ بہت سے لوگ دشنام سن کر جواب نہیں دیا کرتے بلکہ وہ فرمان خداوندی اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ (برائی کو نیکی سے دفع کرو) پر کاربند ہوجاتے ہیں کیونکہ ان کی شان میں وارد ہے وَمَا یُلَقّٰھَا اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰھَا اِلَّا ذُوْحَظٍّ عَظِیْمٍ (یہ کام وہی کرتے ہیں جو صبر کرنے والے، اور بڑے حصے والے ہیں) لیکن اس میں شک نہیں، کہ شعر مذکور کی ترمیم جو کسی صاحب نے ان لفظوں میں کی ہے ؎

بد نہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سنے ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

اس کی ہم تصدیق کرتے ہیں، کیونکہ اس کے معنی یہ نہیں، کہ وہی شخص برا کہے جس کو برا کہا گیا ہو بلکہ یہ معنی ہیں، کہ بدگوئی کرنے والا اپنی بدگوئی کا بدلہ کہیں نہ کہیں سے پالیتا ہے، اہلحدیث سے ہرگز یہ توقع نہیں، کہ وہ اس کے بدلے میں ایسے لفظ بولیں، البتہ مذکورہ قانون کے مطابق بریلی سے اس قسم کی آواز کا گونجنا کچھ بعید نہیں، بہرحال یہ باتیں کچھ اہل علم کی نہیں، ہم ان پر زیادہ وقت بھی لگانا نہیں چاہتے۔

مفتی صاحب نے فتوے تو دیا، مگر نہ تو کسی کتاب فقہ کا حوالہ دیا، نہ کسی آیت حدیث کا ذکر کیا، البتہ یہ ایک عجیب اصول بتلایا، کہ ایک اختلافی مستحب کے لئے فساد کرنا ٹھیک نہیں ہے ہمارے خیال میں مفتی صاحب بھول گئے، یہ تو مستحب ہے، بزرگان دین تو محض جائز کے لئے اتنا فساد اٹھاتے رہے ہیں، کہ ملک میں عام غوغا ہوتا رہا، کیا مفتی صاحب کو یاد نہیں، جب ان کے مسلمہ بزرگ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی مرحوم نے کوے کا گوشت کھایا تھا، تو کتنا شور بپا ہوا تھا، حالانکہ کوا کھانا نہ فرض تھا نہ واجب۔ نہ سنت تھا نہ مستحب۔ بلکہ غایت سے غایت مولانا کے خیال میں جائز تھا، مگر چونکہ عوام اس جائز کو ناجائز بتاتے تھے، اس لئے مولانا مرحوم نے نہ صرف فتوی دیا، بلکہ عمل بھی کرکے دکھایا، پھر کیا ہوا، اس کا ذکر ضروری نہیں، ادھر ادھر روہیلکھنڈ میں فرقہ زاغیہ کے نام سے ایک جماعت پکاری جانے لگی، الامان والحفیظ، وہ شور محشر بپا ہوا، اشتہاروں پر اشتہار، اور رسالوں پر رسالے شائع ہوئے، حالانکہ یہ نزاع کسی سنت یا مستحب امر کے متعلق نہ تھی بقول مفتی صاحب لاکھوں اور کروڑوں علماء وصلحاء کوے کی حرمت یا کراہت کے قائل تھے بلکہ ہیں، مگر مولانا رشید احمد مرحوم نے حق کے مقابلہ میں ان لاکھوں اور کروڑوں کی طرف نظر اٹھا

کر بھی نہیں دیکھا کیوں؟ اس لئے کہ علمائے حقانی کا یہ اصول رہا ہے۔ ایثار الحق علی الخلق

ہم حیران ہیں مفتی صاحب نے فتنہ و فساد کے بانیوں کو معذور قرار دے کر مظلوموں کو فتنہ کا باقی قرار دیا، حالانکہ قانون عدالت اور شریعت دونوں اس پر متحد ہیں، کہ جائز کام کرنے والوں کو روکنا فساد ہے، اور روکنے والا فسادی، اس لئے کہ مستحب یا جائز کام کرنا اگر فساد ہو، تو وہ کام جائز اور مستحب کیوں ہو، مستحب کے معنی تو یہ ہیں۔ کہ کرنے پر ثواب ملے، نہ اللہ عذاب لازم آئے، جائز کے معنی یہ ہیں، کہ اس کے کرنے پر گناہ نہ ہو، مگر بقول مفتی صاحب مستحب کام کرنے پر بھی فساد لازم آتا ہے، جس کی شان میں اَلْفِتْنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وارد ہے، اللہ اکبر! یہ عجیب استدلال ہے، جو تمام علماء اور فقہاء کے خلاف ہے۔

علماء اور فقہاء کا قاعدہ تو یہ ہے کہ جائز کا روکنا فساد ہے، نہ کہ جائز کام کرنا فساد۔

۱۹۰۱ء کا واقعہ ہے۔ دہلی کی کسی مسجد میں آمین بالجہر پر جھگڑا ہوا، تو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ دہلی نے ایک شخص (خدا بخش) کو چھ ماہ کے لئے حفظ امن کی ضمانت کا حکم دیا، وجہ یہی بیان کی جو ہمارے محترم مفتی صاحب نے بیان کی، اس کی اپیل چیف کورٹ پنجاب میں ہوئی، تو حکم منسوخ ہوا اور فیصلہ میں لکھا گیا

"دفعہ ۱۰۷ مجموعہ ضابطہ فوجداری کی رو سے کسی مجسٹریٹ کو یہ اختیار نہیں دیا گیا، کہ کسی شخص کو اپنے جائز حقوق کے استعمال میں لانے سے منع کرے۔

ہم حکام (ججان چیف کورٹ پنجاب) کا یہ قرار دینے میں اتفاق ہے، کہ سائل نے اس وقت کوئی بے جا فعل نہیں کیا، جب اس نے مسجد میں جہاں عموماً اشخاص مقلد آیا کرتے ہیں، لفظ آمین با آواز بلند کہا، اور کہ وہ غالباً نقض امن کا مرتکب نہ ہوگا۔ (فیصلہ ۲۱ مئی ۱۹۰۲ء)

کس صفائی اور معقولیت کے ساتھ ججان چیف کورٹ نے فیصلہ کیا جس کا مفہوم اصولی صورت میں یہ ہے، کہ کوئی شخص جائز کام کرنے والا مفسد نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ جائز کو روکنے والا مفسد ہے مفتی صاحب اور ان کے معتقدین دل میں خیال کریں، کہ یہ فیصلہ ججان کا ہے کسی شرعی عالم کا نہیں تو ان کی خاطر ہم ایک ایسے عالم کا فتوی بھی پیش کر سکتے ہیں، جو ہمارے مفتی صاحب بلکہ جملہ علماء اور معتقدان علماء دیوبند کے نزدیک مسلم بلکہ واجب الاتباع ہیں۔

مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی مرحوم کی خدمت میں یہی سوال پیش ہوا، جو مفتی صاحب کے ہاں پیش ہوا، تو مولانا مرحوم نے جو جواب دیا، مع سوال درج ذیل ہے۔

سوال :۔ اگر کوئی غیر مقلد ہمارے پاس جماعت میں کھڑا ہو، رفع یدین اور آمین بالجہر کرتا ہو، تو اس کے پاس کھڑے ہونے سے ہماری نماز میں تو کچھ خرابی نہ آئے گی، یا ہماری نماز میں بھی کچھ فساد واقع ہوگا؟

الجواب :۔ کچھ خرابی نہیں آئے گی، ایسا تعصب اچھا نہیں، وہ بھی عامل بالحدیث ہے، اگرچہ نفسانیت سے کرتا ہے، مگر فعل تو فی حد ذاتہ درست ہے (فتاوی رشیدیہ جلد اول ص)

اہلحدیث :۔ باوجودیکہ مولانا کو شک ہے، کہ کوئی بدبخت بری نیت سے بھی آمین بالجہر کہتا ہے، تاہم روکنے کا فتوی نہیں دیا ہے، رحمہ اللہ تعالیٰ۔

یہ دلیل بھی عجیب ہے، کہ آمین کہنے والے سے عوام حنفیہ کے عقائد بگڑنے کا اندیشہ ہے چند یوم کا ذکر ہے، مجھ سے کسی شخص نے کہا۔ بریلی میں ایسا واقعہ ہوا ہے۔ کہ دیوبندی خیال کے ایک شخص کو مسجد میں جماعت کے ساتھ مل کر نماز پڑھنے سے روکا گیا، حالانکہ وہ مقتدی تھا وجہ یہ بیان کی گئی، کہ چونکہ تمہاری نماز، نماز نہیں، لہذا تم گویا شریک جماعت ہی نہیں، جب تم شریک جماعت نہیں، تو تمہارے درمیان میں کھڑا ہونے سے صف میں خلل لازم آتا ہے لہذا تم صف سے نکل جاؤ۔

منطق ہو، تو ایسی ہو، اس وقت تو میں حیران رہا، مگر مفتی صاحب کے فتوی سے تصدیق کرنے کی جرأت کر سکتا ہوں، ہماری سمجھ میں نہیں آتا، کہ اس جواب کا سوال سے کیا تعلق؟ کیا یہی وجہ بیان کر کے ایک بریلوی دیوبندی کو مسجد سے نکال سکتا ہے؟ کہ دیوبندی کے آنے سے لوگ امکان کذب باری تعالیٰ کے قائل ہو جاویں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کی نفی کر کے توہین رسالت تک پہنچیں گے، جو کفر کا درجہ ہے، تو کیا ایسے مفتی صاحبوں کے فتوی کی ہمارے مفتی صاحب دیوبندی تصدیق فرما دیں گے (ہرگز نہیں)

غیر مقلدین کے عقائد خراب ہوتے ہیں یا صحیح، ہم اپنے لفظوں میں تو صرف اتنا ہی کہتے ہیں، کہ غیر مقلدین کے عقائد وہی ہیں، جو قرآن وحدیث نے بتلائے اور سکھائے ہیں، لیکن ہمارا بیان صرف مدعیانہ سمجھا جائے گا، اس لئے ایک معتبر اور مسلمہ گواہ پیش کرتے ہیں، مولانا رشید احمد صاحب مرحوم فرماتے ہیں :۔

"مقلد غیر مقلد عقائد میں سب متحد ہیں" (فتاوی رشیدیہ جلد ۲ ص ۲۱)

مولانا مرحوم کی یہ شہادت معمولی نہیں، بلکہ ایک خاص وزن رکھتی ہے، اس کے خلاف دل

میں لانا معمولی بات نہیں، بلکہ مولانا کی نسبت ایک قسم کی بدگمانی بھی ہے، غیر مقلدین نہ تو سب سلف کرتے ہیں، نہ ائمہ پر طعن کرنا ان کا کام ہے، البتہ یہ کہتے ہیں، کہ نہ سلف متبوع حقیقی ہیں، نہ ائمہ میں سے کوئی امام واجب الاتباع ہے، بلکہ واجب الاتباع ایک ہی ذات ستودہ صفات ہے جس کی شان میں ہے۔ اِنْ تُطِیْعُوْهُ تَهْتَدُوْا (اگر تم رسول کی تابعداری کروگے تو ہدایت پاؤگے) اس سے کوئی شخص یہ نتیجہ نکالے، کہ یہ لوگ ائمہ کو برا کہتے ہیں، تو یہ نتیجہ اسی قسم کا ہوگا، جو بریلوی حضرات دیوبندی حضرات کے کلام سے نتیجہ نکالا کرتے ہیں، کہ چونکہ یہ لوگ علم غیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قائل نہیں، لہٰذا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک اور توہین شان کرتے ہیں، ہمارے خیال میں نہ وہ نتیجہ صحیح ہے، نہ یہ درست، دونوں تعصب پر مبنی۔

اخیر میں مفتی صاحب نے خاص مسئلہ آمین پر بھی کچھ روشنی ڈالی ہے، اور آیت اُدْعُوْا رَبَّكُمْ پیش کی ہے جس کا مطلب یہ ہے، خدا سے دعا کیا کرو عاجزی سے اور خفیہ یعنی پوشیدہ، مگر مفتی صاحب نے غور نہیں فرمایا، کہ آمین کیا چیز ہے آمین دراصل کوئی مستقل دعا نہیں، بلکہ اس دعا کی قبولیت کی درخواست ہے، جو پیش امام نے پڑھی ہے یعنی سورت فاتحہ اس لئے مفتی صاحب کی دلیل میں کچھ اثر ہے، تو پہلے اس دعا پر ہونا چاہیئے، جو پیش امام بلند آواز سے پڑھتا ہے یعنی سورت فاتحہ، اس لئے ضروری ہے، کہ امام نماز کے اندر سورت فاتحہ کا باآواز بلند پڑھنا چھوڑ دے تو مقتدی آمین بالجہر خود ہی چھوڑ دیں گے، یہ کیا انصاف ہے، کہ مفتی صاحب کی دلیل کا اثر امام کی دعا پر تو نہ ہو، مگر مقتدی کی آمین پر جو مستقل دعا نہیں ہو جائے۔ تلك اذا قسمة ضیزیٰ

مفتی صاحب نے فاسق کے پیچھے نماز پڑھنے کو مکروہ لکھا ہے، حالانکہ امام ابوحنیفہ صاحب کا قول ہے، کہ ہر ایک نیک وبد کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو۔ ملاحظہ ہو شرح فقہ اکبر۔ صلوا خلف کل بر وفاجر۔

ہماری سمجھ میں یہ مسئلہ کبھی نہیں آیا، جو عموماً فقہاء زمان سے سنا جاتا ہے، کہ یہ کام مکروہ ہے۔ حالانکہ اسی کام کو امام ابوحنیفہ صاحب نے بلا قید جائز کہا ہوتا ہے، مثلاً یہی مسئلہ اقتدا جس کی بابت امام صاحب نے صاف فرمایا ہے، ہر ایک نیک وبد کے پیچھے پڑھ لیا کرو، مگر آج کل کے مفتی صاحبان اس میں کراہت کی قید لگاتے ہیں، حالانکہ امام کے قول مطلق کو مقید کرنا، ان کا کوئی حق نہیں ہے۔

ہم نے اپنے مضمون "مدرسہ دیوبند اور اہلحدیث کانفرنس" میں ان دونوں کو متحد الاصل کہہ کر باہمی

اختلاف سے روکا تھا، مگر آج ہم خود ہی اس اختلاف میں پڑ گئے ممکن ہے کہ ہمارے دوست ہم کو ملامت کریں، لیکن اگر وہ غور کریں گے تو اس سوال کا جواب ہمارے اسی مضمون میں پاویں گے، ہم نے صاف لکھا تھا، کہ ہم جانتے ہیں، ان دونوں گروہوں میں بھی بعض اوقات نزاع ہو جاتی ہے اس میں اسی طرف اشارہ ہے۔ کہ جس طرح چچازاد بلکہ سگے بھائیوں میں بھی کبھی نزاع ہو جاتی ہے، اسی طرح ان دونوں گروہوں میں بھی ہو جاتی ہے، جو انشاء اللہ مولانا جامی کے شعر کی مصداق ہے ؎

جنگ کردی آشتی کن زانکہ نزد عاقلاں　　　این مثل مشہور اول جنگ آخر آشتی

(اہلحدیث یکم شعبان ۱۳۳۲ھ)

ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے!

جماعت اہلحدیث کی نسبت مخالفوں نے آج تک جس قدر حملات کیئے ہیں، الحمد للہ ان میں سے بہت سے بے سروپا ہونے کی وجہ سے ادچھے پڑتے رہے، ان کی نسبت کبھی یہ کہا گیا، کہ لا الہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ نہیں پڑھتے کبھی کہا گیا پڑھتے تو ہیں، مگر یوں پڑھتے ہیں، کَانَ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلَ اللّٰہِ کسی صاحب نے کہا پھوپھی سے نکاح جائز کہتے ہیں۔ کسی نے فرمایا منی کو شکر سے ملا کر کھانے کو جائز کہتے ہیں، غرض کسی نے کچھ کسی نے کچھ، جتنے منہ اتنی باتیں، ان سب کے جوابات تو علماء اہلحدیث نے عموماً اور خاکسار نے خصوصاً رسالہ "اہلحدیث کا مذہب" وغیرہ میں دیئے ہیں، مگر آج جس مہربان کی مہربانی کا ہم ذکر کرتے ہیں۔ وہ مہربان کوئی معمولی آدمی نہیں، اس لئے ان کی مہربانی بھی معمولی سے بہت بڑھ کر ہے، آپ کا نام نامی و اسم گرامی کیا تبلا سکتے ہیں، چند شعر ان کے مریدوں کے نقل کر دیتے ہیں، ممکن ہے انہیں میں آپ کا نام آجاوے، وہ شعر کوئی معمولی نہیں بلکہ ایسے مقبول بارگاہ ہیں، کہ آپ نے وہ شعر سنکر شاعر کو خرقہ خلافت عطا فرمایا ہے، اس لئے ناظرین بڑی توجہ سے سنیں، شاعر کہتا ہے، ہمارے حضرت ممدوح کون ہیں؟ ؎

ماہر علمِ لَدنی واقف اسرار غیب　　　قطب عالم، غوث اعظم، وارث پیغمبراں

اس سے بھی ترقی سنیئے۔ ؎

تو وہ مسیح نفس ہے کہ قُم اگر کہہ دے　　　رہے نہ گور میں مردے کو عذر بے جانی

کیا کہتے ہیں اور سنیئے۔ ؎

سنا کرتے ہیں عیسیٰ کی مسیحائی کا شور وغل　　　دل مردہ کو تم زندہ بنا دو اے میر خواجہ

اور سنیے :۔ ؎

علاوہ جن کے دارین میں روسیاہ ہیں مریدوں کے بخشے گئے سب گناہ ہیں

اتنا کہنے سے بھی پتا نہ چلے، تو اور سنیئے :۔ ؎

اولیاء ہونے کو دنیا میں بہت ہیں اولیاء انکی سیرت انکی صورت انکی عادت کا کہاں

اس کے شک کو دور کرنے کے لئے مخلص مرید کہتا ہے، اور حضرت ممدوح سنتے اور سنکر انعام دیتے ہیں. ناظرین بھی غور سے سنیں، اس سے زیادہ وضاحت مشکل ہے ؎

نظر سے ہوئے جن کے لاکھوں ولی ہیں وہ قطب زماں شاہ جماعت علی ہیں

انہی بزرگ کی مہربانی کا ذکر آج ہم کرنے کو ہیں، آپ نے ۲۳ر فروری کو بمقام جموں ریاست کشمیر میں ایک تقریر فرمائی، جو آپ کے رسالہ انوار الصوفیا، ماہ مارچ میں چھپی ہے، اس کی پیشانی پر آپ کا نام نامی واسم گرامی یوں مرقوم ہے۔

"تقریر حضرت تاج اصفیا. قدوۃ الاولیا، حضرت حافظ حاجی سید جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری[1] مد ظلہ"

خدا جانے اب کی دفعہ آپ کی تعریف پورے الفاظ میں کیوں نہیں لکھی گئی، حالانکہ پیشتر اسی رسالہ "انوار الصوفیاء" میں جو تصوف کی تعلیم (نفس کشی) سکھانے کو جاری ہے، حضرت شاہ صاحب کی پوری تعریف یوں مرقوم ہوتی رہی ہے :۔

"قدوۃ السالکین، عمدۃ الواصلین، تذکرۃ المتقدمین، مفتخر للمتاخرین، ھادی راہ دین متین، رہنما، قبلہ یقین، عالم با عمل فی الشریعۃ، سالک مسالک طریقۃ محقق حقائق حقیقت، عارف معارف معرفت، عالی جناب فیض انتساب مرشدنا و مولانا حاجی، مولی سبط رسول اللہ حافظ سید جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری، نقشبندی مجددی نوری مد ظلہ اللہ تعالی علی رؤس المسترشدین الی یوم الدین (انوار الصوفیاء ص۳ جلد ۵)

جن لوگوں کو اس قسم کی تعریفات سن کر شک ہو، کہ اس تعریف نے تو حضرت علی، حسن بصری، اور حضرت پیران پیر رضی اللہ عنہم کے لئے بھی کوئی لفظ نہیں چھوڑا، تو ان کے لئے ہم آج کل کی ایک مثال دے سکتے ہیں۔

---

[1] علی پور ضلع سیالکوٹ (پنجاب) میں ایک گاؤں ہے۔ ۲

دہلی کے مشہور طبیب حکیم اجمل خاں صاحب کو سب جانتے ہیں، آپ کی شہرت اور حذاقت اس سے مستغنی ہے، کہ کسی تحریر میں آپ کو اس سے زیادہ لکھا جائے، مگر اشتہاری طبیب اور ڈاکٹر صرف سادے نام پر قناعت نہیں کر سکتے، پس دانا کے لئے یہی ایک مثال کافی ہے، اسی کو کہتے ہیں، شیر قالیں دگر است شیر نیستاں دگر است۔

حضرت ممدوح نے اپنی تقریر میں اہلحدیث کو وہابی کے نام سے یاد کر کے مندرجہ ذیل خیالات کا اظہار کیا ہے:۔

ہندوستان میں اس وقت ۹ کروڑ مسلمان موجود ہیں، جن میں اہل سنت کی تعداد ½ ۸ کروڑ ہے باقی پچاس لاکھ میں مرزائی، وہابی، نیچری اور چکڑالوی سب شامل ہیں، اگر اجماع امت قدامت اور مجارتی معیار صداقت ہے، تو صاف ظاہر ہے، کہ جو لوگ اہل سنت کے عروۃ الوثقی سے ٹوٹ کر علیحدہ ہو گئے ہیں، وہ نا اتفاقی پیدا کرنے کے مجرم ہیں، آج سے بیس سال پہلے ہندوستان میں کوئی مرزائی نہ تھا، آج سے ساٹھ سال پہلے کوئی وہابی نہ تھا، آج سے دس سال پہلے کوئی چکڑالوی نہ تھا، اہل سنت اپنے مرکز پر تا حال قائم ہیں، اور اپنے ایمان کو متاع تجارت نہیں بناتے (اور اس میں روزانہ ترمیم و تنسیخ نہیں کرتے، ہمارا وہی ایمان ہے، جو ہم کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور بزرگان کرام سے پہنچا ہے، وہابی، چکڑالوی، نیچری، مرزائی سب ہم ہی سے نکلے ہیں، اور شیرازہ قومی کو پراگندہ کرنے کے موجب ہوئے ہیں (انوار الصوفیاء بابت ماہ مارچ ۱۹۱۴ء ص ۹)

اہلحدیث

ہم نہیں کہہ سکتے، کہ اس کلام بلاغت نظام کو تاریخی سمجھیں یا الہامی جس کا ایک ایک فقرہ واقعات کے برخلاف ہے، ہندوستان میں ۹ کروڑ مسلمانوں کی تعداد آج تک کسی کو بھی معلوم نہ ہوئی ہوگی، اور کسی کو تو کیا ہوتی، خود سرکار کو بھی معلوم نہیں، کیونکہ سرکاری کاغذات میں بھی مع برما کے پونے سات کروڑ کے قریب ہیں، علی ہذا یہ بیان بھی حضرت شاہ صاحب کا الہامی سمجھنا چاہیے، کہ ساڑھے آٹھ کروڑ میں سے صرف پچاس لاکھ باقی کل فرقے ہیں، اللہ اکبر! ایک معنی کو تو ہم اس بیان سے خوش ہیں، کیونکہ ایڈیٹر اصلاح ہمیشہ کہا کرتا ہے، کہ ہم شیعہ ہندوستان میں قریب دو کروڑ کے ہیں، نیچری تو شاہ صاحب کی اصطلاح میں قریباً ساری تعلیم یافتہ جماعت ہے، مرزائی بھی چار لاکھ کے مدعی ہیں، باقی رہا کون؟ یہ غریب جماعت اہلحدیث سو میرے خیال میں ان کا وجود کلی منطقی کی طرح بالکل ذہنی ہی ذہنی ہے، خارج میں ان کا کوئی فرد متحقق نہیں، بہت خوب ہم بھی اس تفہیم پر راضی ہیں، اے کاش جناب شاہ صاحب

ہمارے ساتھ ہندوستان کے ملکوں میں پھریں، تو ہم ان کو دکھائیں، کہ اہلحدیث کی تعداد ذہنی نہیں بلکہ واقعی ہے، اور جہاں تک ہماری واقفیت ہے ایک کروڑ[1] سے متجاوز ہے، باوجود اس کے ہم مانتے ہیں، کہ ہماری تعداد حنفی گروہ سے کم[2] ہے، کیوں کم ہے؟ اس کا جواب صاف ہے

تُعَیِّرُنَا اَنَّا قَلِیْلٌ عَدِیْدُنَا فَقُلْتُ لَهَا اِنَّ الْکِرَامَ قَلِیْلٌ[3]

خیر یہ تو ایک معمولی واقعہ ہے، اصل بات جس کا ہم کو جواب دینا ہے، اور ناظرین کے ذہن نشین کرنا ہے، وہ یہ ہے، کہ اسلام میں فرقہ جدید کون ہے، اہلحدیث ہیں یا شاہ صاحب کے ہم مذہب اس موضوع پر ہم نے کئی ایک دفعہ مفصل بحثیں کیں، ممکن ہے ناظرین کو یاد ہوں، آج بھی حسب ضرورت ان کو بالاختصار دہراتے ہیں، کچھ شک نہیں، کہ کسی فرقہ کی ابتدا اس کے امام اور بانی سے پہلے نہیں ہوتی، بلکہ بعد یا برابر ہوتی ہے، حنفی گروہ امام ابو حنیفہ، اور شافعی، امام شافعی اور دغیرہ دغیرہ کی طرف منسوب ہے، اور اس گروہ کے عقاید اور خیالات وہی ہیں، جو ان کے اماموں نے فرمائے، حنفی کے معنی ہیں، امام ابو حنیفہ کے اقوال پر عمل کرنے والا وغیرہ، اور یہ ظاہر ہے کہ امام ابو حنیفہ کی پیدائش ۸۰ھ میں ہوئی، بیس پچیس سال تک آپ تحصیل علم میں لگے رہے، تو دوسری صدی میں آپ طبقہ علماء میں ظہور پذیر ہوئے، اگر اسی وقت بھی آپ کو یہ عزت حاصل ہوئی ہو، کہ آپ کا فتوی جاری ہو گیا ہو، تو لازمی بات ہے، کہ حنفی فرقہ کی ابتداء دوسری صدی سے شروع ہوئی پہلی صدی جو مسلمانوں میں طبقہ اول اور بہترین لوگوں کی تھی، اس میں نہ حنفی مذہب کا وجود تھا نہ حنفی گروہ کا، اس میں مسلمان کس طریق سے عمل کرتے تھے، اور مسائل شرعیہ میں کیا کرتے تھے؟ یہی ایک غور طلب سوال ہے، جس کا جواب ہمارے بھائیوں کو بہت سی غلط فہمیوں سے ہمیشہ کے لئے نجات دے سکتا ہے، اس زمانہ میں لوگ یہ کرتے تھے، کہ جس شخص کو مسئلہ معلوم نہ ہوتا جس کسی عالم سے اسے حسن ظن ہوتا، اس سے قرآن و حدیث کا حکم دریافت کر لیتا، بس یہی ایک طریقہ تھا، یہی اس کا مذہب تھا، چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب مرحوم نے کتاب حجۃ اللہ البالغہ اور کتاب الانصاف فی بیان الاختلاف وغیرہ میں لکھا ہے، کوئی صاحب واقعات کی بنا پر ہم کو بتلا دیں فرقہ جدید کون ہے، مگر مہربانی کر کے بتلاتے ہوئے حدث اور قدامت کی ابتداء ہم کو پہلے سمجھا دیں، کہ ہندوستان

---

[1] سرکاری کاغذات میں پوری تعداد اس فرقے کی اس لئے نہیں ہوتی، کہ سب کو سنی لکھا جاتا ہے ۱۲ [2] گو یہ واضح رہے، کہ ہندوستان کے ڈوم ڈفالی، میراسی، کنجن اور جرائم پیشہ وغیرہ سب مل کر یہ تعداد کثیر ہوتی ہے، رپورٹ مردم شماری ملاحظہ ہو، ۱۲ [3] ہم کو کمی تعداد کا الاہنا دیتی ہے، میں کہتا ہوں، مہذب اور شریف لوگ کم ہی ہوا کرتے ہیں ۱۲

میں جدت دیکھنی ہے یا اسلام میں، خاص ہندوستان میں فرقوں کی جدت دیکھنی ہے تو دیکھئے اگر ہم تو اسلام میں جدت دیکھیں گے، تاکہ جدید فرقہ کو بدعتی اور قدیم کو سنی ہم کہہ سکیں، چنانچہ ہم نے تاریخی واقعات سے اپنا مطلب صاف کر دیا، امید ہے شاہ صاحب اور ان کے دوست ہمارے معروض پر نہایت ٹھنڈے دل سے غور کریں گے، اگر ان کو فرقہ جدید کی ماہیت سمجھ میں آ جائے، تو ایسی جدت سے دست بردار ہو کر قدیم اسلام میں اگر ہمارے ہم نوا ہو کر گائیں گے ؎

اصل دین آمد کلام اللہ معظم داشتن پس حدیث مصطفیٰ برجان مسلم داشتن

ہم شاہ صاحب کے شکر گذار ہیں، کہ انہوں نے اہل حدیث سے اس مشہور الزام کا دفعہ فرما دیا جو جماعت پر لگایا جاتا ہے، کہ یہ فرقہ ایسا بُرا ہے، کہ سب بُرے فرقے نیچری، مرزائی، چکڑالوی وغیرہ اسی سے نکلے ہیں، گو ہم تو اس الزام کا جواب اپنے رنگ میں دیا کرتے تھے، مگر جناب شاہ صاحب نے اس الزام کو یوں رفع فرمایا، کہ:۔

"وہابی، چکڑالوی، نیچری، مرزائی سب ہم (حنفیوں) ہی سے نکلے ہیں" بہت خوب ؎

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا میرے حق میں زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہ کنعاں کا

(اہلحدیث امرتسر ۱۷ اپریل ۱۹۱۴ء)

تشریح

(از قلم مولانا حکیم عبد الشکور صاحب شکراوی)

کتاب اللہ المجید اور احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ عمل کی چیز ہمارے لئے صرف کتاب وسنت ہی ہے، اس کے سوا کچھ بھی نہیں، قرآن اس لئے کہ وہ کلام الٰہی ہے، اور حدیث وسنت اس لئے کہ وہ صاحب القرآن کا قول اور فعل ہے، انبیاء اور رسل کی اتباع اس لئے وہ معصوم عن الخطا ہیں، وہ امت کے لئے نمونہ بن کر آتے ہیں، جن کی اتباع کا یہ منشا ہوتا ہے، کہ انسان، نبی اور رسول کی زندگی کو اپنے لئے نمونہ بنائے، ہم روزمرہ دیکھتے ہیں، جب کسی کو کسی سے کوئی چیز بنوانی ہوتی ہے، تو بنوانے والا کوئی چیز دے کر یہ کہتا ہے، کہ اس نمونہ کی چیز بنا کر لاؤ، جب وہ شخص اسی نمونہ کے مطابق وہ چیز لے کر آتا ہے، تو بنوانے والا اصل اور نقل کا مقابلہ کر کے بنانے والے کو یہ جتاتا ہے، کہ بنائی ہوئی چیز مطابق اصل ہے، اگر وہ شے مطابق اصل ہوتی ہے، تو بنوانے والا بنانے والے کو مزدوری دیتا ہے، اور انعام بھی، یہ ایک حقیقت ہے، کہ شریعت، انسانی

زندگی کا وہ دستور العمل ہے، جس پر عمل کرنے سے انسان دونوں جہان کی فوز و فلاح حاصل کرکے اپنے رب کو راضی کرلیتا ہے اور دنیوی و اخروی حسنات سے صحیح معنی میں فیضیاب ہوتا ہے، اس مقام پر یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے، کہ جس طرح سے حضور سید الانبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ حکم دیا گیا ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ اسی طرح امم سابقہ کو بھی یہی حکم دیا گیا تھا کہ تمہارے نبی اور رسول تمہارے لئے اچھا نمونہ ہیں، اپنی زندگی اور نبی اور رسول کی زندگی میں مطابقت پیدا کرو، اس وقت تک اہل کتاب کے پاس جو تاریخی مواد موجود ہے، اس سے ثبوت ملتا ہے، جس کا بہت سا حصہ قرآن مجید میں بھی وارد ہے، مثلاً قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ ہمارے لئے حکم کیا گیا ہے، بائبل عہد عتیق اور عہد جدید سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے، اور ثابت ہوتا ہے، کہ پہلی امتیں بھی صرف اپنے نبیوں ہی کی پیروی کرتی تھیں، انہوں نے کسی امتی کی پیروی کو اصول شریعت نہیں بنایا، احبار و رہبان کے ملفوظات اور فتاووں کو انہوں نے دین نہیں بنایا، اور جب انہوں نے بنایا، تو گمراہ ہو گئے، اور قرآن کریم صراحتاً بتاتا ہے، کہ ان دو چیزوں کے سوا جو چیز اصول شریعت قرار دی جائے گی، وہ صراحتہً شرک فی الرسالت، بدعت اور گمراہی ہوگی، کسی غیر نبی کی شخصیت کتنی ہی عظیم المرتبت ہو، وہ انسانی زندگی کا دستور العمل نہیں ٹھہرائی جا سکتی، چونکہ امم سابقہ میں یہ بدعت بڑے زور سے پھیلی تھی، اور کلام الٰہی اور اسوہ نبی کو چھوڑ کر احبار و رہبان کو اپنی زندگی کے لئے نمونہ بنانے لگے تھے، اس واسطے قرآن مجید نے اس مسئلہ پر بڑی وضاحت سے روشنی ڈالی ہے اور انسانیت کے اس سب سے بڑے خطرے سے خبردار کر دیا ہے، اگر ہم قرآن مجید سے ایسی آیات کو جمع کرکے ان کی تشریحات کریں، تو یہ ہمارا مقالہ، مقالہ نہیں رہے گا، بلکہ ضخیم کتاب بن جائے گی اس لئے ہم یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں، کہ ہندوستان میں عمل بالحدیث کس طرح آیا، اور کس طرح سے اس کی مخالفتیں کی گئیں، اور کون کون بزرگان دین اس ملک میں اس کے داعی بنے، اور ان پر کیا بیتی۔

مسلک اہلحدیث کی حقیقت و اصلیت

حقیقت یہ ہے، کہ عہد رسالت میں سوائے کتاب اللہ کے نہ کوئی کتاب لکھی گئی تھی، نہ فقہی احکام ہی جمع کرکے لوگوں کو ان کی اتباع کے لئے کہا گیا، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہ معمول تھا، کہ وہ قرآنی احکام پر عمل کرتے، اور جو کچھ دریافت کرنا ہوتا، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیتے تھے، یا خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کوئی حکم فرماتے، یا تقریر کرتے یا کوئی کام کرتے، اور جو لوگ اس وقت خدمت مبارک میں موجود ہوتے وہ اسے یاد کر لیتے، اور جو اس وقت موجود نہ ہوتے، ان کو

زبانی یا لکھ کر پہنچا دیتے، اور خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض احکام لکھوا کر روانہ فرمائے، چنانچہ محمد بن عمرو بن حزم کو ایک پوری کتاب روانہ فرمائی، اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تبلیغ احادیث نبویہ اور ان کے مطابق فتوے دینے کے لئے ایک جماعت صحابہ کرام کی قائم ہو گئی تھی، جس میں بڑے بڑے مندرجہ ذیل صحابہ کرام موجود تھے، خلفائے راشدین رض عبد الرحمن بن عوف رض، عبد اللہ بن مسعود رض ابی بن کعب رض معاذ بن جبل رض عمار بن یاسر رض حذیفہ بن الیمان، زید بن ثابت رض، ابو الدرداء رض ابو موسی اشعری رض سلمان فارسی رضی اللہ عنہم اجمعین۔

جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی، خلافت راشدہ کا ممتاز زمانہ آیا، اور کثرت فتوحات کے سبب اسلام دور، دور ممالک میں پہنچا، تو اس وقت صحابہ کرام مختلف اطراف میں پھیل گئے، کوئی شام چلا گیا، کوئی عراق، اور کوئی مصر کوئی بصرہ، وہاں بھی ان کا طریق عمل وہی رہا، کہ جو کچھ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھا تھا یا سنا تھا، اسی پر خود عمل کرتے تھے، اور دوسروں کو بھی یہی تلقین کرتے تھے، اتفاق سے اگر کوئی مسئلہ جدید پیش آجاتا، تو وہ کسی دوسرے صحابی سے جو وہاں موجود ہوتے دریافت کر لیتے، اور اگر کسی معاملہ میں کوئی صریح حکم کتاب و سنت میں نہیں ملتا تھا تو قرآن و حدیث کے وضع کردہ اصولوں پر غور کر کے اس پر اس معاملہ کو قیاس کر لیا کرتے تھے۔

صحابہ کرام کے بعد تابعین، اور تبع تابعین کا زمانہ آیا، تو انہوں نے بھی یہی روش اختیار کی جو صحابی یا تابعی جس ملک یا شہر میں ہوتے، تو سب لوگ اس ملک اور شہر کے تابعی یا صحابی سے مسائل دین حاصل کرتے، اور اس وقت تک اس کے فتوے سے تجاوز نہیں کرتے تھے، جب تک کسی دوسرے صحابی یا تابعی موجودہ وقت سے کوئی بات معلوم نہیں کر لیتے تھے، چنانچہ اہل مدینہ حضرت عبد اللہ بن عمر رض کے فتوی پر عامل تھے، اہل کوفہ حضرت عبد اللہ بن مسعود کے فتاووں پر عمل پیرا ہوتے تھے، یہی حال دوسرے ملکوں اور شہروں کا تھا اس طرح پر اگرچہ عملاً بعض مسائل میں لوگ مختلف تھے، مگر کوئی کسی پر نکتہ چینی نہیں کرتا تھا، نہ کوئی کسی کو برا جانتا تھا، کیونکہ سب کا مقصد اتباع کتاب و سنت تھا۔

ہندوستان میں عمل بالحدیث

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ مسلمانوں کے ایک جم غفیر کو اہلحدیث کہلانے کی ضرورت کیوں پڑی،

دراصل اگر تقلیدی مذاہب کا رواج پیدا نہ ہوتا، تو اس گروہ کو اپنے مسلک کا اہلحدیث نام رکھنے کا موقع نہ ہوتا، مقلدین کا گروہ اپنے ائمہ کے اجتہادوں پر اس حد تک اڑ گیا، کہ انہوں نے اپنے اصول میں یہ چیز داخل کر لی، کہ خواہ حدیث صحیح بھی ہو، مگر امام کے فتوی کو ہرگز نہ چھوڑا جائے، اس وجہ سے ایسے مسلمانوں

کی جو کسی امام اور فقیہ کے قول اور فتوی کی بنیاد پر حدیث کو چھوڑنا گوارہ نہ کرتے تھے، یہ جماعت عرب ہی میں پائی جاتی تھی، مکہ و مدینہ اور ملک حجاز میں اس کی کثرت تھی، اور وہ اس لئے کہ حدیثوں کے جاننے والے زیادہ تر صحابہ کرام تھے، اور صحابہ کرام عموماً اسی ملک کے باشندے تھے، اور اسی ملک میں زیادہ تر رہے، اس لئے اہل حجاز کو اجتہاد، رائے اور قیاس کی ضرورت کم پیش آئی، اس کے برخلاف کوفہ، بغداد اور ملک عراق کے باشندوں کو اجتہاد اور رائے و قیاس سے زیادہ کام لینے کی ضرورت پڑی، وہ اس لئے کہ وہاں حدیثوں کی تعداد بہت کم تھی، اور صحابہ کرام رضؓ کی نہایت قلیل تعداد ان ملکوں میں رہتی تھی، یہی وجہ ہے، کہ قدیم اہل علم میں علماء اہل حجاز کو اھل حدیث اور اھل روایت کے نام سے، اور اہل عراق کو اھل اجتھاد اور اھل الرای کے نام سے پکارا جانے لگا،

بس یہی سے اہلحدیث اور اہل الرائے کے راستے الگ الگ ہو گئے، اہل الرائے یہاں تک بڑھے، کہ کثرت سے اماموں کے فتاووں ہی کو ماننے لگے، اور اکثر حدیثوں کو چھوڑ دیا، اور احادیث کے ڈھونڈنے والوں، اور مشعل راہ بنانے والوں کی اس قدر کمی ہو گئی، کہ عراق وغیرہ کے شہروں میں عنقا ہو گئے جیسا کہ امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے یوسف بن اسباط رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا۔ واذا بلغك عن احد بالمشرق انه صاحب السنة فابعث اليه بالسلام واذا بلغك عن الآخر بالمغرب انه صاحب السنة فابعث اليه بالسلام فقد قل اهل السنة۔ یعنی ایک شخص مشرق میں اور دوسرا مغرب میں پابند سنت ہو، اور تمہیں خبر مل جائے، تو ان کو اپنا ہدیہ سلام ارسال کرو، کیوں کہ اہل سنت کی تعداد کم ہو گئی ہے، امام سفیان ثوری کے اس قول کو امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب "تلبیس ابلیس" میں نقل کیا ہے، جن کی احتیاط نقل، محدثین میں بہت شہرت کی ہے۔

جب اسلام عرب سے نکل کر عجم کی طرف چلا، اور عربی الاصل مسلمان اپنے معتقدات اور مسلمات کو لے کر جانے لگے، تو تاریخ کی کتابوں، عرب سیاحوں، اور جغرافیہ نویسوں کی تحریرات و بیانات سے معلوم ہوتا ہے، کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد و رفت کے دو ہی راستے تھے۔

راہ خشکی کے راستے عراق اور ایران سے ہوتے ہوئے خراسان کے درول سے گذر کر شمالی ہند میں پہنچے تھے۔

(۲) عراق، عرب و یمن سے چل کر بادبانی کشتیوں کے ذریعے دیبل (ٹھٹھہ) تھانہ (علاقہ بمبئی) اور

دوسرے سواحلی بلاد میں پہنچے تھے[1]

ہندوستان میں عام طور پر کثرت سے تو حنفی مذہب کے ماننے والے آئے، بالخصوص خشکی کے راستے تھے شمالی ہند میں جو لوگ آئے، وہ عموماً حنفی المذہب تھے، البتہ سواحلی راستوں سے آنے والوں میں شافعی المذہب تھے، اور اہلحدیث بھی تھے، جس کا ثبوت تاریخوں سے بھی ملتا ہے، اور آج بھی اس کے شواہد اس ملک میں موجود ہیں، اس لئے سواحلی شہروں میں شوافع کی آبادی بکثرت پائی جاتی ہے، نیز جزائر میں ان کی کثرت ہے۔

سندھ کو مسلمانوں نے اگرچہ پہلی صدی کے آخر میں فتح کیا، مگر عرب سیاحوں کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے، کہ ان کی بستی یہاں پہلے سے موجود تھی، محمد بن قاسم کی فتح سے پہلے پانچ سو عرب مسلمان ایک عرب سردار کی ماتحتی میں مکران سے بھاگ کر راجہ داہر کے یہاں چلے آئے تھے، یہی وہ راجہ داہر ہے جس پر محمد بن قاسم نے فتح پائی تھی، اس زمانے کی تاریخوں میں اور عرب سیاحوں کے سفرناموں میں اس وقت کے حالات تو تفصیل کے ساتھ ملتے ہیں، مگر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ محمد بن قاسم کے ساتھ جو مسلمان آئے تھے، وہ کس مذہب سے تعلق رکھتے تھے، چونکہ اس وقت تقلیدی مذاہب تو پیدا ہی نہ ہوئے تھے، اس لئے تقلیدی مذاہب کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، لہٰذا یقین ہوتا ہے، کہ پہلی صدی سے لے کر دوسری صدی کے اواخر تک جو مسلمان دنیا کے کسی حصہ میں گئے، یا ہندوستان میں آئے وہ سب ہی مسلک اہلحدیث کے پابند تھے، جس کا ثبوت اس طرح پر ہے، کہ تاریخ اور تذکرۃ الرجال میں علم حدیث کے راویوں کے حالات کی چھان بین سے معلوم ہوتا ہے کہ سندھ میں اسی زمانے میں بے شمار راویان حدیث موجود تھے، جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں:۔

ابو معشر سندھی، ابو عبد الملک، محمد بن ابو معشر سندھی، امام اوزاعی، جن کی بابت امام المحدثین حافظ ابن حجر تحریر فرماتے ہیں۔ وکان اصلہ من سباء السند، حافظ ابو محمد خلف بن سالم سندھی ابو العباس فضل بن سکین بمیت سندھی، ابو نصر فتح بن عبد اللہ سندھی، ابو العطاء سندھی، جو بہت مشہور قادر الکلام شاعر بھی تھے، ربیع بن صبیح سندھی بصری، امام ربیع بن صبیح اتباع تابعین میں سے ہیں، جنہوں نے تابعین کا زمانہ پایا ہے، اور ان سے علوم حاصل کئے ہیں، جو ہندوستان کے

---

[1] عراق عرب کی قدیم بندرگاہ بصرہ ہے، یہاں اسلام کے عرب مبلغ و تاجر آن کر جمع ہوا کرتے تھے، اور یہیں سے بحری راستوں کے ذریعہ دور دراز ملکوں، شہروں اور سواحلی آبادیوں میں پہنچتے، اور تبلیغ اسلام کیا کرتے تھے، مشرقی ایشیا کے مسلمانوں کا اسلام انہیں مبلغوں اور تاجروں کی مخلصانہ کارگذاریوں کا نتیجہ ہے ۱۲ منہ

کسی غزوہ میں بھی شریک ہوئے تھے، اور اسی میں شہید ہو گئے بعض تذکرہ نویسوں نے گجرات کے شہر بھڑونچ میں ان کی قبر کا نشان بھی بتایا ہے، صاحب طبقات ابن سعد اپنی مشہور کتاب میں تحریر فرماتے ہیں۔ خرج غازیا الی الھند فی البحر فمات فدفن فی جزیرۃ من الجزائر سنۃ ۱۶۰ھ فی الاول خلافۃ المھدی، اخبرنی بذلک شیخ من اھل البصرۃ کان معہ (طبقات ابن سعد۔ قسم دوم ج ۷، ص ۴۰)

علامہ بلاذری نے فتوح البلدان میں اور علامہ ابن عماد الحنبلی نے اپنی مشہور کتاب "شذرۃ الذہب" میں بھی اسی کے قریب قریب لکھا ہے، یہ حالات و واقعات دوسری صدی کے ہیں، جو ہم بیان کر رہے ہیں، ورنہ تیسری، چوتھی صدی میں تو اہلحدیثوں کا سندھ میں عام طور پر پھیل جانا تاریخوں میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے، چنانچہ عرب کے مشہور سیاح بشاری مقدسی جو ۳۷۵ھ میں ہندوستان آیا تھا، اپنی مشہور کتاب احسن التقاسیم میں سندھ کے مشہور شہر منصورہ کے حال میں لکھتا ہے:۔

یہاں کے ذمی جہت بت پرست لوگ ہیں، اور مسلمانوں میں اکثر اہل حدیث ہیں، یہاں مجھے قاضی امیر محمد منصوری سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ جو مذہب داؤد ظاہری کے پابند تھے، قاضی ابو العباس کی بابت ابن الاثیر اپنی کتاب کے ص ۳۳۴ پر لکھتا ہے، کہ منصورہ کے قاضی القضاۃ شیخ ابو العباس احمد بن صالح منصوری سندھی کی شخصیت جلیل القدر تھی، اور وہ مذہب داؤد ظاہری کے پابند تھے، اسی طرح ملک کے نامور مورخ ابو ظفر ندوی اپنی کتاب "تاریخ سندھ" میں ص ۳۶۲ جلد اول میں رقم فرماتے ہیں:۔

حدیث کا چرچا بھی اس ملک (منصورہ) میں زیادہ رہا ہے، چنانچہ اکثر یہاں قاضی اہلحدیث ہوتے قاضی ابو محمد منصوری حدیث کے بہت بڑے عالم اسی جگہ قاضی تھے، اور اپنے وقت کے امام سمجھے جاتے تھے، یہ بہت سی کتابوں کے مصنف تھے، چونکہ حدیث کا ذوق زیادہ تھا، اس لئے کہا جا سکتا ہے، کہ ان کی کتابیں زیادہ تر حدیث ہی میں ہوں گی۔

دوسرے مقام پر اسی طرح تحریر فرماتے ہیں:۔

منصورہ والوں میں زیادہ تر لوگ ظاہری (داؤد ظاہری محدث) مذہب کے پابند ہیں، اور حدیث پر عمل کرتے ہیں، قاضی ابو محمد منصوری کا ایک مدرسہ بھی ہے، جس میں درس دیتے ہیں، وہ خود بھی صاحب تصانیف ہیں، متعدد کتابیں اچھی اچھی ان کی لکھی ہوئی ہیں۔

رواۃ کے علاوہ سندھ میں بعض محدثین کا بھی تذکرہ تاریخ اسلام میں پایا جاتا ہے۔ بہت سے تذکرہ نگاروں نے ان کے تفصیلی حالات قلم بند کئے ہیں، چنانچہ جس دور کا ہم تذکرہ کر رہے ہیں، اس دور میں شیخ ابراہیم بن محمد بن عبداللہ دیبلی، اور موسیٰ بن ہارون، اور محمد بن علی صواغ و شیخ علی بن موسیٰ، شیخ ابوالقاسم شعیب بن محمد معروف ابن ابی القطان دیبلی بہت مشہور محدث تھے، محدثین کے اس قسم کے تذکرے ابن اثیر نے اسد الغابہ میں، اور حافظ ابن حجر نے اصابہ میں اور سمعانی نے کتاب الانساب میں بڑی تفصیل سے کئے ہیں، اگر ان کی تفصیلات دیکھنی ہیں، تو "عرب ہند کے تعلقات" مصنفہ مولانا سید سلیمان ندوی، اور "تاریخ سندھ" مصنفہ مولانا ظفر علی ندوی مطالعہ کیجیے۔

یہ سب حالات چوتھی صدی تک کے ہیں، جو ہم بیان کر رہے ہیں، اس سے آگے انقلابات شروع ہو جاتے ہیں، دیالمہ، سلاجقہ، اور غزنویوں کا دور آ جاتا ہے محمود غزنوی کے حملے ہندوستان پر شروع ہو جاتے ہیں، اور بے شمار مسلمان عملی ہند میں پل پڑتے ہیں، اس زمانے میں نئے سرے سے کتاب و سنت کی طرف کچھ رجوع مسلمانوں میں پیدا ہوتا ہے، خراسان کے شہروں میں بھی فقہ کے ساتھ ساتھ حدیث کی تعلیم شروع ہو جاتی ہے، جس کا کھوج اس سے لگتا ہے، کہ محمود غزنوی خود حدیث کا شائق تھا، جیسا کہ مشہور مصنف ابن عماد اپنی کتاب شذرۃ الذہب میں تحریر فرماتے ہیں۔

اس کی مجلس علماء سے معمور تھی، وہ علم حدیث کا شائق تھا علماء اس کی موجودگی میں حدیث کا سماع کرتے، اور وہ بھی روایت لینے والوں میں ہوتا، اور حدیث کے متعلق استفسار کرتا رہتا۔

(شذرۃ الذہب جلد ۳ صـ۲۳ و نزہۃ الخواطر جلد ا صـ۹۲)

غزنوی عساکر کے ساتھ بہت سے نامور عالم اور محدث آئے، اور ہندوستان اور بلاد خراسان میں علم حدیث کا چرچا ہوا۔ مگر تھوڑے عرصہ بعد خانقاہی جھگڑوں اور صوفیائے کرام کے جھمیلوں میں پھنس کر علم حدیث کی ترقی کو پھر بڑا بھاری دھکا لگا۔ ایشیا کے بیشتر ملکوں میں تصوف کا رواج اس کثرت سے ہوا، کہ مسلمانوں کے وہ علوم و فنون جو بنی عباس اور بنی امیہ کے ادوار ترقی میں مدون کئے گئے تھے، بہت خانقاہ اور تصوف کی جھپیٹ میں آ گئے، اور اسلام صرف تصوف اور درویشوں کے ملفوظات اور تلقینات کا

لے یہاں یہ بات غور کرنے کی ہے، کہ بنی نوع انسان نے جو علوم و فنون عقل کی تیزی سے ہزار ہا سال کی محنت اور جانکاہی سے مدون اور وضع کئے تھے، اور ان پر بے شمار کتابیں عہد بنی عباس اور بنو امیہ اور بنو فاطمہ میں مسلمانوں نے لکھی اور لکھوائی تھیں، اور انہوں نے اس کی توسیع و اشاعت کے لئے ملکوں اور شہروں میں بہت سے ادارے کھول ڈالے اور ان علوم و فنون کو ہمارے علماء نے جمع کر کے دنیا کی تہذیب و تمدن کو چار چاند لگا دیئے، اگر ان علوم کی ترقی اور

نام رہ گیا، ایرانیوں نے خود عربوں سے شعر و شاعری کا مذاق لیا تھا، اس سے عشق یا تغزل کا دور ایران میں آچکا تھا، اس کو ایرانیوں نے تصوف کے رنگ میں ڈھال لیا، اور صوفیوں کی بے شمار کتابیں عربی فارسی اور اردو نثر و نظم میں وجود میں آگئیں، اور جو تصوف و درویشی اور فقیری تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں حقیقی اسلام کو اپنے اندر لئے ہوتے تھی، ایک نئے اسلوب میں ڈھالی گئی، اور سچے متقی اور درویش اور صوفی نہ رہے، بلکہ ان میں بے شمار رسومات اور بدعات پیدا ہوگئیں

پانچویں صدی سے لے کر آٹھویں صدی کے اواخر تک اسی حالت میں گذرا، یہی زمانہ فن تصوف کی تصانیف کا ہے، مولانا جلال[۱] الدین رومی کی مثنوی اور شمس تبریز کی کتابیں، ابن عربی کی فتوحات مکیہ، اور فصوص الحکم اور نظامی، چشتی اور سہروردی خاندانوں کے بزرگوں کے ملفوظات انہیں عہدوں کی یادگاریں ہیں، ہندوستان کے مسلمان نو مسلم تھے، وہ آج کل کے متھرا اور آگرہ کے رہنے والے ملکانوں، اور الور، بھرتپور کے میوؤں کی طرح مسلمان تو تھے، مگر اسلام کی حقیقت سے قطعاً بے خبر تھے، اس لئے قرآن و حدیث کے سیکھنے، پڑھنے اور سمجھنے کی اہمیت و ضرورت سے تو افغانستان اور ایران بھی کما حقہ آشنا نہ رہے تھے، اور کتاب و سنت کے حقیقی مفاہیم اور حقائق اس زمانے کے غیر شرعی پیروں، فقیروں اور درویشوں کے ملفوظات و ملفقات کی جھپٹ میں آکر دھندلکے میں آگئے تھے، چنانچہ اس زمانہ کے ہندی مسلمانوں کا تذکرہ ہم کو اس عہد کی مشہور تاریخی کتاب "تاریخ فیروز شاہی" مصنفہ ضیاء الدین برنی میں ملتا ہے، جس کو ہم بطور خلاصہ کے اپنے الفاظ میں

اشاعت مسلمانوں میں ہوتی رہتی، تو ہم نہیں جانتے کہ دنیا کے مسلمانوں کا رخ کیا ہوتا، اور ان کی منزل کہاں ہوتی، مذاہب مخترعہ اور شاعرانہ عیاشی اور مصنوعی تصوف نے ان علوم و فنون کو ایک زبردست دھکا لگایا، کہ اس طرف سے مسلمانوں کی طبائع کا رجحان ہٹ گیا، اور علوم عقلیہ اور صحیح فکر و عمل سے وہ بے گانہ ہوتے چلے گئے، اور آج وہ ان علوم سے ایسے بے گانہ بن چکے ہیں، کہ گویا ان میں کبھی آئے ہی نہ تھے، صرف اپنے بزرگوں کی چند پرانی کتابوں کو لئے پھرتے ہیں، اور کہتے رہتے ہیں، کہ ہمارے بزرگ ایسے تھے، ہمارے کالج تھے، ہماری یونیورسٹیاں تھیں، دور حاضرہ کا ایک جرمنی اور امریکی فلاسفر پوچھ سکتا ہے، کہ تم بتاؤ تم کیا ہو، تو کچھ جواب بن نہ پڑے گا، اور اب یہ ہمارے مسلمان عالم اپنے ماضی کو یاد کر کے اپنے بڑوں پر نوحہ خوانی کرتے رہتے ہیں، کبھی یہ شعر بھی پڑھتے ہیں ؎

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے — یہ سب پود انہیں کی لگائی ہوئی ہے۔

۱؎ مثنوی مولانا رومی اس زمانے کے تصوف کی اچھی کتاب ہے، جس کو آج بے فکرے مسلمان عوام کی محفلوں میں جھوم جھوم کر پڑھنے کا ثواب حاصل کرتے رہتے ہیں ؎ مثنوی مولوی معنوی + ہست قرآں در زبان پہلوی، مگر صاف کھلے یہ قرآن سے ہجر اور بُعد ہے ۱۲ منہ

درج کرتے ہیں، اگر کسی کو یہ کتاب دستیاب ہوجائے، تو وہ اسے دیکھ لے، دقیق فارسی جاننے والے نایاب ہوتے جارہے ہیں

ایک بے نظیر محدث اور عالم جن کو شمس الدین ترک کہتے تھے، مصر سے حدیث کی چار سو کتابیں لے کر ملتان آئے تھے، اور ملتان سے دہلی جانے کا قصد رکھتے تھے، انہوں نے جب یہ بات سنی کہ ہندوستان کا بادشاہ جامع مسجد دہلی میں جمعہ کی نماز پڑھنے نہیں آتا، تو وہ بہت رنجیدہ ہوئے اور شہر دہلی کے حالات سن کر ملتان ہی سے واپس چلے گئے، واپس جانے سے پہلے انہوں نے ایک رسالہ یا خط لکھ کر سلطان علاؤالدین خلجی بادشاہ دہلی کے پاس روانہ کیا، اس میں لکھا تھا، کہ میں مصر سے دہلی کا ارادہ کرکے چلا تھا، کہ دہلی میں قیام کرکے علم حدیث کی اشاعت کروں گا، میں محض خدا اور رسول کی خوشنودی کے لئے آیا تھا، کہ لوگوں کو علم حدیث کی طرف متوجہ کرکے خیانت کرنے والے پیشہ ور مولویوں اور بد دیانت عالموں کی روایتوں سے نجات دلاؤں، لیکن چونکہ آپ خود ہی نماز نہیں پڑھتے، اور نماز جمعہ بھی ادا نہیں کرتے لہٰذا میں ملتان ہی سے واپس جارہا ہوں، میں نے سنا ہے کہ آپ کے شہر میں احادیث نبوی پر کوئی عمل نہیں کرتا، میں حیران ہوں کہ جس شہر میں حدیث نبوی کے ہوتے ہوتے دوسرے لوگوں کی ہدایتوں پر عمل کرتے ہیں، تباہ کیوں نہیں ہوجاتا، اور عذاب الٰہی اس پر کیوں نازل نہیں ہوجاتا، میں نے سنا ہے، کہ شہر میں سیاہ رو و بدبخت مولوی فتوے اور نامعقول روایتوں کی کتابیں کھولے ہوئے مسجدوں میں بیٹھے رہتے ہیں، اور روپیہ پیسہ لے کر لوگوں کو قسم قسم کے حیلے اور جھوٹی تاویلیں بناتے رہتے ہیں، مسلمانوں کے حق کو باطل کرتے اور خود بھی غارت ہوتے ہیں، یہ تاریخ اسی زمانہ کی لکھی گئی ہے، جب سلطان فیروز تغلق کا عہد حکومت تھا، جو اس کے عہد کے نامور مورخ کی تاریخ ہے، اسی زمانے کی ایک کتاب "فتوحات فیروز شاہی" کے نام سے ملتی ہے، اور ہندوستان کے بیشتر کتب خانوں میں موجود ہے، اس زمانے کے ہندوستانی مسلمانوں اور ہندوستان کے عام اسلامی حالات کا اندازہ کرنے والوں کے لئے ہم تھوڑی سی عبارت نقل کرتے ہیں، ہمارا دل اس کا ترجمہ کرنے کو نہیں چاہتا، اہل علم پڑھیں، اور اس زمانے کے عالموں پر نوحہ کریں۔

قومے بلباس دہریہ و ترک و تجرید مرد ماں را گمراہ می کردند و مریدے ساختند، و کلمات کفری گفتند طائفہ ملحداں و اباحتیاں جمع شدہ بودند، و خلق را بالحاد و اباحت دعوت می کردند و در شبے بمقام معین جمع می شدند، از مرداں محرم و غیر محرم و طعام و شراب درمیان می آوردند و می گفتند، این عبادت است، و زناں و مادراں و خواہراں بیک جا گہ دراں شب جمع می آوردند و جامہ ہر کہ بردست

کسے از ایشان مے افتاد می با او زنا کردے، پیران ایشان شیعہ بودند، شیعی مذہباں کہ ایشاں را روافض می گویند بسبب رفض و شیعہ مردماں را دعوت می کردند و سالہا دکتابہا در ایں مذہب پرداختہ و تعلیم و تدریس پیشہ ساختہ بودند، و خلفائے راشدین وام المؤمنین عائشہ صدیقہ و جمیع صوفیائے کبار رضی اللہ عنہم را سب صریح و شتم قبیح می گفتند و لواطت می کردند، قرآن مجید را ملحقات عثمانی می خواندند و رسم و عاداتے کہ در دین اسلام جائز نیست، در شہر مسلماناں جلبت شدہ بود کہ عورات در ایام متبرکہ جماعت پالکی سوار و گردول سوار و ڈولا سوار و اسپ سوار و ستور سوار فوج فوج و جوق جوق پیادہ از شہر بیروں آمدند و بمزارہا می رفتند۔

آٹھویں صدی ہجری کے اوائل تک مسلمانوں کے حالات کو پڑھ کر دل روتا ہے، کہ اس زمانے کے لوگ کتاب و سنت سے کس قدر دور جا پڑے تھے، کوئی کفر ایسا نہ تھا، اور کوئی شرک ایسا نہ تھا، کوئی بدعت ایسی نہ تھی، کوئی رسم و رواج ایسا نہ تھا جس کو مسلمان نہ کرنے لگے ہوں، مگر اسی زمانہ میں اللہ عزوجل نے کچھ تھوڑا سا سامان ایسا بنا دیا، کہ ایک ٹمٹماتا چراغ دہلی میں روشن ہوگیا، جس نے شرک و بدعت کے محاذوں کو توڑنا، اور رسم و رواج کی اندھیریوں میں اجالا کرنا شروع کر دیا، چنانچہ مولانا اکبر شاہ صاحب اپنی مشہور کتاب قول حق میں تحریر فرماتے ہیں۔

آٹھویں صدی ہجری کے ربع اول تک ہندوستان میں کتاب و سنت کی تبلیغ و اشاعت کا کوئی کام اہتمام سے نظر نہیں آتا تھا، سلطان محمد تغلق نے تخت نشین ہو کر کتاب و سنت کی اشاعت کا خصوصی اہتمام و انتظام اپنے ہاتھ میں لیا، مراسم پرست قاضیوں، آبار پرست مفتیوں اور ہوا پرست اماموں کو موقوف کر کے ان کی جگہ مامور کرنے کے لئے کتاب و سنت سے واقف اور کتاب و سنت پر عمل کرنے والے عالموں کی تلاش و جستجو شروع ہوئی، اور جہاں تک قابل آدمی مل سکے، مذکورہ عہدوں پر مامور کئے، سلطان محمد تغلق کو سمجھدار اور کتاب و سنت سے واقف لوگوں کی کس قدر تلاش تھی، اور ایسے لوگوں کا ہندوستان میں کس قدر کال تھا، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے، کہ اس کو جب یہ معلوم ہوا، کہ خواجہ نصیر الدین اودھی المعروف بہ چراغ دہلی، کتاب و سنت کے عالم اور احادیث نبوی پر عمل کرنے کے شائق ہیں، تو سلطان نے ان کو مجبور کیا، کہ وہ حضرت شاہ نظام الدین اولیاء کی خانقاہ نور زاویہ تنہائی کو چھوڑ کر سلطان کی مصاحبت اختیار کریں، اور اپنے علم حدیث سے دربار شاہی کو مستفیض ہونے کا موقع دیں، خواجہ ممدوح کی طرف سے انکار اور سلطان کی طرف سے اصرار ہوا، یہاں تک کہ اس انکار اور اصرار نے ترقی کر کے دونوں میں کشیدگی اور ناخوشی پیدا کر دی، اس باخدا روشن خیال اور متبع کتاب

وسنت سلطان نے جب شرکیہ اور بدعیہ مراسم کے خلاف کوششیں کیں، تو تمام عالم نما جاہل اور مسلم نما بددین لوگ اس کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے، اور اس سے بڑا یہ کہ سب سے بہتر سلطان کو بدنام کرنے اور اس کے تمام بنے ہوئے کاموں کو بگاڑنے کے لئے مراسم پرست صوبہ داروں، آبا، پرست فوجی سرداروں نے اور نالائق نشیبوں نے متفق ہو کر اور بہت سے خانقاہ نشینوں کو بھی اس سازش میں شریک کر کے سندھ کے ریگستان میں اس کا اور اس کی اولاد کا خاتمہ کر دیا، اور اس کے روشن خیال و مدبر وزیر کو دہلی کے قریب بے دردی سے قتل کر کے اطمینان کا سانس لیا۔

(اخبار اہلحدیث دہلی، یکم مئی ۱۹۵۲ء)

ردتعاقب[1]

بر قبول دعوت ولی دختر

(از قلم حضرت مولانا ابو القاسم صاحب سیف بنارسی رحمۃ اللہ علیہ)

اہلحدیث ۱۸ر فروری ۱۵ میں بحوالے حدیث ابن ماجہ فتویٰ دیا تھا، کہ اس حدیث سے ثابت ہے، کہ لڑکی والوں کے گھر سے بطور ضیافت کے کچھ کھایا جائے، تو جائز ہے" اس پر ایک صاحب نے اخبار اہلحدیث ۲۵ر مارچ کے صٹ پر تعاقب کیا ہے، کہ" اس کھانے کا ثبوت سنت نبوی میں نہیں ملتا، اور علماء ایسے کھانوں میں شریک نہیں ہوتے، اور یہ اسراف و رسم ہے وغیرہ" اور حدیث ابن ماجہ کی یہ غلط تاویل کی ہے، کہ" اس میں کھانا کھلانے سے مراد دلہن (حضرت فاطمہؓ) کو کھلانا ہے کیونکہ کنواری لڑکیاں شرم سے کھانا نہیں کھاتیں، باراتیوں کا کھلانا اگر مراد ہوتا، تو آپ کی بیویاں ان کو کیسے کھلاتیں؟

اب ہر ایک شق میں مجملاً بحث کرتا ہوں، بحمد اللہ و توفیقہ۔ شق اول و آخر یعنی اس دعوت کا ثبوت سنت نبوی سے نہیں ہے، اور یہ کہ حضرت فاطمہ کی شادی میں اطعمنا تمرا و زبیبا (ابن ماجہ ص ۱۳۹) سے مراد یہ ہے، کہ ہم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کھلایا تھا صحیح نہیں، بلکہ اس دعوت کا ثبوت سنت نبوی سے موجود ہے، اور حدیث مذکور میں باراتیوں کو کھلانا مراد ہے، چنانچہ یہی حدیث دوسری سند سے خمیس میں یوں مروی ہے۔ عن جابر رضی اللہ عنہ قال حضرنا عرس علی رضی اللہ عنہ وفاطمۃ رضی اللہ عنہا فما رأینا عرسا کان احسن منہ حشونا الفراش یعنی لیفا واتانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زبیبا وتمرا فاکلنا الخ (ص ۴۱۱ ج ۱) جابر کہتے ہیں۔

---

[1] جواب متعاقبہ مضمون تعاقب، اسی مضمون میں موجود ہے ۱۲ (راز)

کہ ہم (صحابہؓ) علیؓ و فاطمہؓ کی شادی میں حاضر ہوئے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (لڑکی کے والد) نے ہمارے لئے زیتون اور خرما بھیجا گیا، پس ہم سب نے کھایا" اس سے زیادہ تفصیل سے قاضی عیاض نے اجری سے بروایت محمد بن حسین واقعہ نکاح فاطمہ یوں نقل کیا ہے

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر بلالا بقصعۃ من اربعۃ امداد او خمسۃ وبذبح جزور لولیمۃ فاطمۃ رض قال فاتیتہ بذلک ثم ادخل الناس رفقۃ یاکلون منہا حتی فرغوا وبقی منہا فضلۃ فبرک فیہا وامر بحملہا الی ازواجہ وقال کلن واطعمن من اتاکن (سیرۃ احمدیہ) اس سے معلوم ہوا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی فاطمہ کا ولیمہ کیا، اور اونٹ ذبح کرایا، اور تمام صحابہ کو کھلایا، پھر بچا ہوا اپنی بیبیوں کے پاس بھیج دیا اور فرمایا، کہ تم آنے والی عورتوں کو کھلاؤ، اس حدیث سے سنت نبوی سے اس دعوت کا ثبوت واضح طور سے ہوتا ہے، نیز باراتیوں کا کھانا ثابت ہوتا ہے۔

شق ثانی و ثالث کہ علماء ایسے کھانوں میں شریک نہیں ہوتے، اور یہ اسراف و رسم ہے یہ بھی صحیح نہیں سنت نبوی کو کون اسراف و رسم کہہ سکتا ہے، رہے علماء تو شائد آج کل کے بعض علماء ایسی دعوتوں میں شریک نہ ہوتے ہوں، ورنہ علماء سلف کا تو یہی ہمیشہ سے تعامل و تعارف رہا ہے، اور دعوت ہائے مسنونہ کی آٹھ، دس قسمیں کر کے علیحدہ علیحدہ نام رکھے ہیں، ملاحظہ ہو فتح الباری، منہاج نواوی، اور نیل الاوطار وغیرہ، امام شافعی کتاب الام میں فرماتے ہیں۔ الولیمۃ التی تعرف ولیمۃ العرس وکل دعوۃ علی املاک او نفاس او ختان او حادث سرور الخ یعنی ولیمہ شادی کی دعوت، کسی چیز کو ملکیت میں دینے کی دعوت، بچہ پیدا ہونے کی دعوت، ختنہ کی دعوت، اور ہر نئے خوشی کے کام کی دعوت کو کہتے ہیں، عرس کی بابت صراح میں ہے، مہمانی عروسی، اور عروس کے معنی صراح وغیرہ میں یہ لکھے ہیں:۔

"عروس بالفتح زن و مرد نو ساختہ" تو اس صورت میں مہمانی عروس دونوں طرف سے جائز ہوئی، اسی طرح دعوت املاک بھی یہی ہے، صراح میں ہے "املاک زن دادن"

مجمع البحار میں ہے "الاملاک التزویج وعقد النکاح" پس یہ شامل ہے وقت تزویج اور وقت رخصتی ہر دونوں کو لڑکی والا نکاح کے وقت دعوت کرے یا رخصتی کے وقت، امام شافعی کی تقریر سے دونوں ثابت ہوئیں، فقہاء بھی یہی کہتے ہیں، فتاوی ظہیریہ اور فتاوی عالمگیری میں ہے

وکذلک ان اتخذ ولیمۃ لزفاف ابنتہ فاھدی الناس ھدایا فھو علی ما ذکر من التقسیم۔ صراح میں ہے "زفاف عروس بخانہ شوی فرستادن"

علاوہ بریں لڑکی والے کے اقربا و احباب اور باراتی جو آتے ہیں، یہ سب ضیف اور زور میں داخل ہیں، اور حدیث بخاری وغیرہ میں آیا ہے۔ ان لزورك عليك حقا اور من كان يؤمن بالله و اليوم الآخر فليكرم ضيفه (الحدیث) کہ آنے والے کا حق ہے، اور مومن کی شناخت مہمان کی میزبانی کرنا ہے، چنانچہ نجاشی بادشاہ حبش نے حضرت ام حبیبہ کا نکاح اپنی تولیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا، تو بعد نکاح سب کو کھانا کھلایا، طبری نے سیر میں نقل کیا ہے، کہ جب نجاشی خطبہ و انعقاد نکاح سے فارغ ہوا۔ ارادوا ان يقوموا فقال اجلسوا فان سنة الانبياء اذا تزوجوا ان يوكل طعام على التزويج فدعا بطعام فاكلوا ثم تفرقوا (مرقات و مواهب لدنيه) یعنی نکاح ہو جانے کے بعد کھانا کھانا انبیاء کا طریق ہے، پس کھانا منگوایا، اور سب کھا کر تب اٹھے، یہ واقعہ ایک لڑکی کے ولی (بفحوائے السلطان ولی من لا ولی له) کی جانب سے عہد نبوی میں ہوا، اور آپ نے اس پر انکار نہ فرمایا، نہ نجاشی کا دیا ہوا مہر واپس کیا، پس یہ سنت تقریری ہوئی۔

اب میں یہاں شیخنا شیخ الکل فی الکل جناب حضرت میاں صاحب دھلوی مرحوم و مغفور کے خاص لکھے ہوئے ایک فتوی کی نقل کرتا ہوں، جو میری اور مولانا ایڈیٹر صاحب کی کیسی صاف تائید کر رہا ہے، وھو ہذا۔

حضرت میاں صاحب کا فتوے

صاحبان شریعت غرا و ماہران سیر و تعامل قرون ثلاثہ و واقفین موارد کلام عرب پر مخفی نہ رہے کہ والی دلہن کے مکان پر کھانا درست و مباح بلکہ مستحب و سنت بلکہ واجب ہے بروایت مسلم اذا دعا احدكم اخاه فليجب عرسا كان او نحوه۔ یعنی عموم اجابت دعوی میں طعام والی دلہن کا بھی شامل اور داخل ہے۔ اور نیز اجابت دعوت والی دلہن کی روز برات کے ولیمہ املاک سے صاف استحباب ظاہر ہوتا ہے۔ اور معنی املاک کا لغت میں خمیر سخت کردن وزن وادن ہے جیسا کہ صراح وغیرہ کتب لغت میں مذکور ہے، اور نسبت زن وادن کی طرف والی زن کے صریح ہے فتح الباری میں ہے۔ ولیمۃ الاملاك هو التزويج مغاير هي وليمة الدخول وهو العرس پس علاقہ ولیمۃ الاملاک کا جانب والی زن کے سمجھنا چاہیئے، اور وظیفہ ولیمۃ الدخول وہو العرس کا طرف ناکح کے جاننا چاہیئے۔

فی الجملہ دعوت دلہن کے مکان پر کھانا مباح ہے، اور منع و مکروہ نہیں، بلکہ واجب ہے ان کے ان کے نزدیک جو فلیجب میں امر وجوبی کہتے ہیں، علی الاطلاق، تو امر فلیجب سے اجابت دعوت دلہن کے والی کی واجب ہوگی، اور تارک اس کا عاصی اور گنہ گار ہوگا۔ کما فی صحیح البخاری من ترك الدعوة فقد عصى الله ورسوله. عن ابی هریرة سوهكذا فی صحیح مسلم وغیرہ۔ اور دعوت والی دلہن کی دعوت مادبہ کی دو نوع ہے، اگر خاص دعوت اہل برات مردمان ناکح کی طرف کی ہوگی، تو وہ "نقری" میں داخل ہے، اور جو وہ دعوت عام ہے، تو جفلی میں داخل ہے، اور یہ اسامی دعوت کے قرون ثلاثہ و قدمار مجتہدین اعلام و محدثین کرام سے منقول اور نامزد ہوئے ہیں، یہ محدث اور بدعت ہے، کما لا یخفی علی ماھو تعامل السلف من الصحابۃ والتابعین وعلی واقف لغات العرب۔ جاء الحق وزھق الباطل، پھر جو کوئی ناداں از راہ جہالت کے اس دعوت کو حرام یا مکروہ جانے، تو وہ احکام شرعیہ سے جاہل ہے، اس کے حق میں واعرض عن الجاھلین پڑھنا چاہیے، واللہ اعلم بالصواب فقط۔ حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ[1]

اب میں اس سے زیادہ اپنی طرف سے کیا لکھوں؟ لعل فیہ کفایۃ لمن لہ درایۃ والسلام

(عاجز ابوالقاسم بنارسی) ۱۳ مئی ۲۱ء

اعلان لڑکی والے کی طرف سے باراتیوں کو کھانا کھلانا شریعت محمدیہ کے نزدیک نہ صرف جائز بلکہ سنت نبوی ہے، اور یہی طریقہ ماثورہ حضرات انبیاء علیہم السلام سے ہے، کیونکہ طعام ولیمہ جائز اور مسنون ہے، اور طعام ولیمہ کا اطلاق دونوں دعوتوں پر ہوتا ہے خواہ لڑکے والے کی طرف سے ہو، یا لڑکی والے کی طرف سے (المشتہر پنجابی کارکن کمیٹی، دہلی)

سوال کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، کہ بارات کو جو کھانا لڑکی والوں کی طرف سے دیا جاتا ہے، اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اور وہ کھانا عقد سے پہلے ہونا چاہیے، یا بعد؟ بینوا توجروا۔

الجواب احادیث صحیحہ میں دعوت قبول کرنے کی بہت تاکید ہے، خصوصاً وہ دعوت جو عقد نکاح کی خوشی میں ہو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی متفق علیہ روایت ہے۔[2]

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اجیبوا ھذہ ا

---

[1] اس فتوی کا حوالہ مطبوعہ جلدوں میں کیوں نہیں دیا؟ (ایڈیٹر)

[2] بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس

الدعوۃ اذا دعیتم لھا۔ وکان ابن عمر رضی یاتی الدعوۃ فی العرس وغیرہ ویاتیھا وھو صائم
اکثر علماء قائل ہیں کہ ولیمہ کی دعوت سنت ہے۔ متفق علیہ روایت[1] ہے۔ شر الطعام طعام الولیمۃ
تدعی لھا الاغنیاء وتترک الفقراء۔ ومن لم یجب الدعوۃ فقد عصی اللہ ورسولہ
حضور[1] نے فرمایا، شر الطعام وہ ولیمہ کا کھانا ہے۔ کہ جس کے لئے اغنیاء بلائے جاتے ہیں، اور فقراء چھوڑ دیئے جاتے ہیں، پھر فرمایا، کہ جس نے دعوت قبول نہیں، اس نے خدا اور رسول کی نافرمانی کی۔ اس لئے یہ نہایت ضروری ہے، کہ ایسا نہ کیا جائے۔ کہ اغنیاء بلائے جائیں، اور فقراء چھوڑ دیے جائیں ورنہ وہ طعام ولیمہ شر الطعام ہو جائے گا، اور یہ بھی ضرور ہے۔ کہ جب ولیمہ کی دعوت دی جائے، تو ضرور شرکت کی جائے، ورنہ خدا اور رسول کی نافرمانی ہوگی، جن علماء نے دعوت قبول کرنے کو واجب کہا ہے اس روایت سے بھی ان کا استدلال ہے، قاضی شوکانی نیل الاوطار میں کہتے ہیں

احتج[3] بھا من قال بوجوب الاجابۃ لان العصیان لایطلق الاعلی ترک الواجب وقد نقل ابن عبد البر والقاضی عیاض والنووی الاتفاق علی وجوب الاجابۃ لولیمۃ العرس آگے پھر لکھتے ہیں۔ قال[4] فی الفتح وصرح جمھور الشافعیۃ والحنابلۃ بانھا فرض عین ونص علیہ مالک۔ دعوت ولیمہ قبول کرنے کی احادیث صحیحہ میں بہت تاکید ہے بعض میں ولیمۃ العرس کی قید ہے، بعض میں مطلق ولیمہ ہے، لیکن ولیمۃ العرس میں کوئی قید نہیں ہے کہ زوج کی جانب سے یا زوجہ کی جانب سے جس کی جانب سے بھی ہو، قبول کرنا ضرور ہے، ولیمہ کے مفہوم کو سمجھنے سے احادیث کا مطلب واضح ہو جائے گا۔ قاضی شوکانی بعض ائمہ لغت سے نقل کرتے ہیں یقع[5] علی کل طعام یتخذ للسرور وتستعمل فی ولیمۃ الاعراس بلاتقیید

دعوت کو قبول کرو، جب اس کے لئے بلائے جاؤ۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ شادی اور غیر شادی کی دعوت میں آیا کرتے تھے اور روزہ دار ہوتے تاہم آتے ۱۲ [1] بخاری اور مسلم کی روایت ہے کہ سب سے برا کھانا اس ولیمہ کا کھانا ہے، کہ جس میں اغنیاء بلائے جاتے ہیں اور فقراء چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ اور جس نے (بلا عذر) دعوت قبول نہیں کی، اس نے خدا اور رسول کی نافرمانی کی ۱۲ [2] حضور نے فرمایا، کہ شر الطعام وہ ولیمہ کا کھانا ہے، کہ جس کے لئے (صرف) اغنیاء بلائے جاتے ہیں اور فقراء چھوڑ دیئے جاتے ہیں ۱۲ ابو الفضل محمد عبد الحمید غفر لہ [3] اس حدیث سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو کہتے ہیں، کہ دعوت کرنا واجب ہے اس لئے کہ عصیان کا اطلاق نہیں ہوتا، مگر ترک واجب پر، اور ابن عبد البر، قاضی عیاض اور امام نووی نے نقل کیا ہے، کہ ولیمۃ العرس کی دعوت کے قبول کرنے کے واجب ہونے پر اتفاق ہے ۱۲ [4] فتح میں ہے کہ جمہور شافعیہ اور حنابلہ نے تصریح کر دی ہے کہ وہ فرض عین ہے اور اس پر امام مالک کی نص ہے ۱۲ [5] ولیمہ کا اطلاق، ہر طعام پر ہوتا ہے جو خوشی میں کیا جاوے، اور ولیمۃ الاعراس

وفی غیرھا مع التقیید۔ یعنی ہر دعوت طعام کو جو خوشی کے موقع پر کی جائے ولیمہ کہتے ہیں، لیکن ولیمۃ الاعراس میں یہ لفظ مطلق استعمال ہوتا ہے، اور دوسرے ولائم میں قیودات مخصوصہ کے ساتھ، پھر آگے لکھتے ہیں وحکی[1] ابن عبد البر عن اھل اللغۃ وھو المنقول عن الخلیل وثعلب وبہ جزم الجوھری وابن الاثیر ان الولیمۃ ھی الطعام فی العرس خاصۃ یعنی ابن عبد البر نے اہل لغت کا قول نقل کیا ہے، اور خلیل وثعلب سے بھی یہی منقول ہے، اور جوہری وابن الاثیر کا اسی پر اعتماد ہے، کہ خاص طعام عرس کو ولیمہ کہتے ہیں، مگر ان کے اقوال میں بھی کوئی قید نہیں، کہ طعام عرس عورت کی جانب سے ہو یا مرد کی جانب سے، نکاح کی خوشی میں جس جانب سے بھی طعام ہوگا، وہ طعام ولیمہ ہے ابن اثیر اسد الغابہ میں لکھتے ہیں،۔

کہ ام حبیبہ بنت ابی سفیان کا نجاشی نے حبشہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عقد کیا، تو عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ام المومنین ام حبیبہ کی طرف سے گوشت کا ولیمہ کیا، اور ابن حجر عسقلانی اصابہ میں لکھتے ہیں کہ ابن سعد نے اسمٰعیل بن عمرو بن سعید الاموی کے واسطے سے ام المومنین ام حبیبہ کے عقد کا قصہ نقل کیا ہے، اس میں ہے۔ وعمل لھم النجاشی طعاما فاکلوا۔ یعنی نجاشی نے صحابہ رضہ کے لئے کھانا تیار کیا، اور صحابہ نے کھایا، مواہب لدنیہ میں ہے، کہ جب نجاشی نے مہر کے دینار حضرت خالد بن سعید کے سپرد کئے، اور حضرت خالد نے قبضہ کر لیا، تو سب نے اٹھنے کا ارادہ کیا، تو نجاشی نے کہا فقال اجلسوا فان سنۃ الانبیاء اذا تزوجوا ان یوکل طعام علی التزویج فدعا بطعام فاکلوا ثم تفرقوا۔ مولانا عبد الحی صاحب مرحوم مجموعہ فتاوی میں بعض مستفتد کے جواب میں لکھتے ہیں، کہ بارات کے لوگوں کو کھانا کھلانا دلہن والوں کی طرف سے درست ہے، بلکہ یہی طریقہ ماثورہ حضرات انبیاء علیہم السلام سے ہے، مدارج النبوۃ وغیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے

الغرض لڑکی والے کھانا کھلائیں لیکن پہلے دعوت دے دیں، تو دعوت کا قبول کرنا علی اختلاف الاقوال واجب، فرض یا سنت ہوگا، وقت کی تعیین دعوت دینے والے کے اختیار میں ہے، مگر مذکورہ روایتیں اور مثبتی روایتیں اس باب میں معلوم ہیں، ان سے اتنا معلوم ہوتا ہے، کہ ولیمۃ العرس

میں بلا قید استعمال ہوتا، اور دوسرے ولائم میں قید کے ساتھ۔ [1] ابن عبد البر نے اہل لغت سے نقل کیا ہے، اور یہی خلیل وثعلب سے مروی ہے اور اسی کا جوہری اور ابن الاثیر نے یقین کیا ہے، کہ ولیمہ کا وہی کھانا ہے، جو خاص شادی کے موقع پر ہو [2] تب نجاشی نے کہا، کہ بیٹھیے۔ انبیاء کی یہ سنت ہے، کہ جب وہ لوگ تزویج کریں، تو تزویج کی خوشی میں کھانا کھایا جاوے اس کے بعد نجاشی نے کھانا منگوایا، اور صحابہ نے کھایا، تب لوگ منتفرق ہوئے۔

عقد کے بعد ہی ماثور و منقول ہے، یہ جو کچھ لکھا گیا، دعوت قبول کرنے کا حکم ہے، لیکن باوجود اس کے اگر منع کے وجوہ پائے جائیں، تو شرکت منع ہو جائے گی، جس طرح دوسری دعوتیں منع ہو جاتی ہیں، مثلاً حرام کے پیسہ سے دعوت دی جائے، سود خوار، رقاصہ، اور تجبہ عورتیں یا اور کوئی جس کا پیسہ بالکل حرام کا ہو دعوت دے، یا مثلاً دستر خوان پر شراب یا دوسرے محرمات ہوں یا رقص و سرود ہو، یا دعوت دینے والا مجاہر بالفسق ہو، یا دعوت سے مقصود ریا و سمعہ ہو اور مقصود مفاخرت ہو، یا جیسا کہ حدیث میں ذکر ہوا نام و شہرت کے لئے اغنیاء کو دعوت دی گئی ہو فقراء چھوڑ دیئے گئے ہوں، یا لڑکی والوں کی حیثیت نہ ہو، مگر برادری کے خوف یا لڑکے والوں کے دباؤ کی وجہ سے سودی یا غیر سودی قرض لے کر مجبوراً دعوت دی جائے جب اس قسم کی باتیں دعوت میں شامل ہوں، تو کسی طرح کی دعوت ہو اس میں شرکت منع ہو جاتی ہے۔ قاعدہ یہ ہے، کہ منکرات جس درجہ کے ہوں شرکت کا حکم اسی درجہ میں منع ہوگا، نصاب الاحتساب وغیرہ میں اس کی تصریح ہے، لہٰذا اگر وہ حرام قطعی ہیں، تو بعد علم کے شرکت بھی حرام ہوگی، مکروہات ہیں، تو مکروہ ہوگی، اور اگر شرکت کے بعد منکرات کا علم ہو، تو اس میں تفصیل ہے، ہدایہ وغیرہ میں بالتفصیل مذکور ہے، واللہ اعلم، و علمہ اتم و احکم

(ابو البرکات عبد الرؤف عفی عنہ قادری داناپوری)

(۱) جواب صحیح ہے، لڑکی والوں کی طرف سے براتیوں کو کھانا شرعاً جائز و درست ہے، بشرطیکہ ان خرابیوں سے پاک ہو، جن کا ذکر جواب کے اخیر میں ہے، اور یہ کھانا عقد سے پہلے اور بعد دونوں طرح جائز ہے لیکن عقد کے بعد بہتر ہے (شمس العلماء) محمد یحییٰ عفی عنہ، مدرس اول مدرسہ عالیہ کلکتہ۔

(۲) صح الجواب واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم بالصواب۔ نذیر الدین عفی عنہ مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ

(۳) جواب درست ہے۔ محمد حسین۔ مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ،

(۴) الجواب صحیح (مولانا) محمد یحییٰ (صاحب) مدرس اول مدرسہ حسینیہ دہلی،

(۵) الجواب صحیح (مولانا) محمد اسحاق (صاحب) واعظ مدرسہ حسینیہ، دہلی۔

(۶) الجواب صحیح۔ (مولانا) محمد خلیل الرحمٰن (صاحب) مہتمم مدرسہ حسینیہ، دہلی،

(۷) جواب مجیب درست ہے (مولانا) محمد فرید اللہ (صاحب) مدرس مدرسہ حسینیہ، دہلی

(۸) جواب ٹھیک ہے (مولانا) غلام محمد (صاحب) مدرس مدرسہ حسینیہ، دہلی،

(۹) الجواب المشروط صحیح (مولانا) غلام محمد شاکر (صاحب) مدرس مدرسہ حسینیہ، دہلی۔

(۱۰) الجواب صحیح (مولانا) محمد انور (صاحب) پرنسپل جامعہ اسلامیہ ڈابیل،

(۱۱) الجواب صحیح (مولانا) احمد اللہ (صاحب) مدرس مدرسہ دار الحدیث رحمانیہ، دہلی۔

(۱۲) الجواب صحیح (مولانا) محمد میاں (صاحب) مدرس مدرسہ العلوم المعروف بمدرسہ حسین بخش دہلی

(۱۳) جواب صحیح ہے (مولانا) عبد الرشید (صاحب) امام مسجد بارہ ٹوٹنی، صدر بازار، دہلی۔

(۱۴) الجواب حق (مولانا) محمد شفیع (صاحب) مدرس مدرسہ مولوی عبدالرب صاحب، دہلی۔

(۱۵) الجواب صحیح (مولانا) محمد فاضل (صاحب)، مدرس مدرسہ رحیمیہ عربیہ، دہلی

(۱۶) الجواب صحیح (مولانا) عبد الرزاق (صاحب) مدرس اول مدرسہ رحیمیہ، دہلی۔

(۱۷) الجواب حق (مولانا) ممتاز احمد (صاحب) مسجد آخون صاحب، فراش خانہ دہلی۔

(۱۸) الجواب حق (مولانا) عبد الرحمن (صاحب) مدرس مدرسہ عالیہ، فتحپوری، دہلی

(۱۹) الجواب صحیح (مولانا محمد عبد الرحیم (صاحب) مہتمم مدرسہ رحیمیہ، صدر بازار، دہلی۔

(۲۰) الجواب صحیح (مولانا) احمد اللہ (صاحب) مدرس مدرسہ دار الحدیث رحمانیہ، دہلی۔

(۲۱) الجواب حق (مولانا) محمد شریف اللہ (صاحب) نائب صدر مدرسہ عالیہ فتحپوری، دہلی

(۲۲) الجواب صحیح (مولانا) فخر احسن (صاحب) مدرس مدرسہ فتحپوری، دہلی۔

(۲۳) من اجاب فقد اصاب (مولانا) محمد اسمٰعیل (صاحب) دہلی

(۲۴) الجواب صحیح (مولانا) محمد اشفاق (صاحب) دہلی۔

(۲۵) المجیب مصیب واللہ مثیب (مولانا) عبد الرحمن (صاحب) مدرس مدرسہ امداد الاسلام، میرٹھ، صدر

(۲۶) الجواب صحیح والمجیب نجیح (مولانا) طاہر حسن (صاحب) مدرس مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ صدر

(۲۷) الجواب صحیح (مولانا) فیض الدین (صاحب) مدرس مدرسہ امداد الاسلام، میرٹھ صدر

(۲۸) الجواب صحیح (مولانا) اختر شاہ (صاحب) مدرس مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ صدر

(۲۹) جواب صحیح ہے (مولانا) محمد شفیع (صاحب) دار العلوم دیوبند۔

(۳۰) الجواب صحیح (مولانا) محمد غفران حسین (صاحب) رامپور

(۳۱) جواب صحیح ہے (مولانا) محمد عبد الحفیظ (صاحب) ملیح آبادی، مدرسہ الٰہیات، کانپور

(۳۲) اصاب من اجاب (مولانا) عبد الوہاب (صاحب) ناظم دار العلوم انوار احمدیہ آرہ

(۳۳) الجواب صواب (مولانا) محمد شفیع (صاحب) مدرس دار العلوم انوار احمدیہ آرہ۔

(۳۴) الجواب صحیح (مولانا) محمد ابراہیم (صاحب) مدرسہ دار العلوم انوار احمدیہ آرہ۔

(۳۵) لقد اصاب فیما اجاب (مولانا) احمد حسن (صاحب) انصاری خطیب جامع مسجد شملہ۔

(۳۶) جواب درست ہے (مولانا) غلام محمد (صاحب) شملوی، سابق وکیل ندوۃ العلماء مسجد کشمیریاں شملہ

(۳۷) لقد اصاب من اجاب (مولانا) ضیاء اللہ (صاحب) امام مسجد کشمیریاں، شملہ

(۳۸) جواب صحیح ہے (مولانا) محمد عبد الغنی (صاحب) مسجد قطب، شملہ

(۳۹) الجواب صحیح (مولانا) سرور حسین (صاحب) شملہ

(۴۰) الجواب صحیح (مولانا) غلام مصطفی (صاحب) بیگم شاہی مسجد، لاہور

(۴۱) ھذا الجواب حق والحق احق للاتباع (مولانا) سید حبیب شاہ (صاحب) مدرس مدرسہ رحیمیہ، انارکلی، لاہور

(۴۲) جواب صحیح ہے (مولانا) محمد احمد (صاحب) قادری خطیب مسجد وزیر خاں، لاہور

(۴۳) ذلک کذلک (مولانا) ابو محمد دیدار علی (صاحب) المشہدی، امیر انجمن مرکزی حزب الاحناف، ہند۔ لاہور۔

(۴۴) الجواب صحیح (مولانا) سید عبد اللطیف (صاحب) متعلم انجمن حزب الاحناف لاہور

(۴۵) الجواب صحیح (مولانا) سید احمد (صاحب) رضوی، ناظم مرکزی انجمن حزب الاحناف لاہور

(۴۶) صحیح الجواب والمصیب مثاب (مولانا) محمد محبوب علی (صاحب) لکھنوی، لاہور

(۴۷) الجواب صحیح (مولانا) مفتی عبد القادر (صاحب) مدرس مدرسہ غوثیہ عالیہ، لاہور۔

(۴۸) الجواب صحیح (مولانا) عبد اللطیف (صاحب) ناظم مدرسہ دار العلوم، سہارنپور۔

(۴۹) برات کا کھانا بشروط مذکورہ بالا درست ہے (مولانا) عبد الغفور (صاحب) غزنوی، مدرسہ سلفیہ غزنویہ، امرت سر

(۵۰) لڑکی والے کی دعوت کھانا جائز ہے (مولانا) ابو الوفاء محمد ثناء اللہ (صاحب) امرتسری

(۵۱) دعوت کا قبول کرنا درست ہے (مولانا) غلام رحمانی (صاحب) مدرس مدرسہ تقویۃ الاسلام (امرت سر)

(۵۲) الاجوبۃ کلھا صحیحۃ بشروط المذکورۃ (مولانا) محمد حسین (صاحب) مدرس مدرسہ سلفیہ غزنویہ، امرت سر۔

(۵۳) الجواب صحیح (مولانا) ابو اسحاق نیک محمد (صاحب) مدرس مدرسہ سلفیہ غزنویہ تقویۃ الاسلام امرتسر

(۵۴) جواب صحیح ہے (مولانا) اصحاب الدین (صاحب) مدرس مدرسہ سلفیہ غزنویہ گھی منڈی، امرتسر

(۵۵) الجواب صحیح (مولانا) عبد الحکیم (صاحب) خطیب جامع مسجد لالہ موسیٰ، ضلع گجرات، پنجاب

(۵۶) الجواب صحیح (مولانا) فیض اللہ (صاحب) امام مسجد میاں سلطان علی صاحب میانوالی

(۵۷) قد اصاب من اجاب (مولانا) محمد فاضل (صاحب) معلم دینیات، اسلامیہ ہائی سکول لالہ موسیٰ، گجرات، (پنجاب)

(۵۸) جواب صحیح ہے (مولانا) غلام رسول (صاحب) قادری (مولوی فاضل) معلم عربی اسلامیہ ہائی سکول منڈی آدان، ضلع گجرات (پنجاب)

(۵۹) الجواب صحیح (مولانا) نعمت اللہ (صاحب) از موسیٰ چھتہ، حال لالہ موسیٰ

(۶۰) جواب بالکل صحیح ہے (مولانا) حافظ محمد نورالدین (صاحب) مفتی جلالپور جٹاں

(۶۱) جواب صحیح ہے (مولانا) عبد الرحمن (صاحب) جلال پور جٹاں

(۶۲) ذلک کذلک دانا علی ذلک (مولانا) محمد عبد الکبیر (صاحب) مولوی فاضل و منشی فاضل، جلال پور جٹاں گجرات)

(۶۳) ھذا الجواب صحیح والمجیب نجیح (مولانا) محمد عبد السلام (صاحب) مولوی فاضل و منشی فاضل، جلال پور جٹاں

(۶۴) الجواب صحیح (مولانا) غلام محمود (صاحب) سکنہ پیلاں عقب ضلع میانوالی۔

(۶۵) فاضل مجیب کا جواب ہر لحاظ سے درست ہے (مولانا) قاضی محمد نور العین (صاحب) جہلم (پنجاب)

(۶۶) جواب درست ہے (مولانا) حافظ نور محمد (صاحب) خطیب جامع مسجد جہلم۔

(۶۷) جواب درست ہے (مولانا) اصغر علی (صاحب) جہلم (پنجاب)

(۶۸) الجواب صحیح (مولانا) محمد انور (صاحب) پرنسپل جامعہ اسلامیہ ڈابیل

(۶۹) الجواب صحیح (مولانا) ابو الفضل محمد الحمید (صاحب) صدر مدرس و ناظم مدرسہ اسلامیہ ڈھاکہ

(۷۰) جواب موافق کتاب اور صحیح اور صواب ہے (مولانا) محمد انور شاہ (صاحب) مدرس مدرسہ تعلیم الدین ڈابیل

(۷۱) طعام ولیمہ کا کھانا درست ہے، خواہ دولہا کی طرف سے ہو یا دلہن کی طرف سے قبل العقد ہو بعد العقد، لیکن بعد العقد بہتر ہے۔ بشرطیکہ موانع شرعیہ سے خالی ہو ولیمہ کو حرمت کا سبب ٹھہرانا زیادتی ہے، کیونکہ ہر حالت میں طعام ولیمہ بالذات مقصود ہوتا ہے آیا ولیمہ ضمناً لاحق ہو سکتا ہے، اور اس کی کوئی حد بھی مقرر نہیں ہے، بس اس لئے طعام ولیمہ حرام نہیں ہو سکتا

(خانصاحب مولانا) عبد الحمید (صاحب) عربک پروفیسر، چاٹگام

(۷۲) الجواب صحیح (مولانا) محمد خلیل الرحمن (صاحب) چاٹگام۔

(۷۳) الجواب صحیح (مولانا) ذوالفقار علی (صاحب) چاٹ گام

(اشتہار مطبوعہ جید برقی پریس، دہلی)

(نوٹ:۔ اصل اشتہار ہمارے پاس ریکارڈ میں محفوظ ہے۔

جواب سوال آپریشن

اخبار المحدیث ۱۶ شعبان میں افریقہ سے ایک صاحب نے دریافت کیا ہے کہ بعض مسلمانوں کا خیال ہے کہ آپریشن کرانا اسلام میں منع ہے کیا یہ صحیح ہے؟

جواباً عرض ہے کہ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ اسلام میں مثلہ البتہ منع ہے یعنی کسی زندہ کے اعضاء بلا وجہ کاٹنے۔ اپریشن (عمل جراحی) کی ممانعت نہیں ہے (دیکھو اسلام میں ختنہ کا حکم ہے، جو سنت انبیاء ہے، یہ ایک قسم کا عمل جراحی ہے، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپریشن ہوا ہے، جو تاریخ اسلام میں واقعہ شق صدر کے نام سے مشہور ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ وشکم چاک کیا گیا، اور اندرونی کثافت نکالی گئی، اور پھر ٹانکے لگا دیئے گئے، چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ اصحاب نے آپ کے شکم مبارک پر آخر عمر تک ٹانکوں کے نشان دیکھے، نیز غزوات نبویہ میں سے ایک غزوہ میں ایک صحابی کا ہاتھ دشمن کی تلوار سے کٹ کر لٹک گیا تھا، چونکہ اس کے پھر جم جانے کا یقین نہ تھا لہذا خود ہی ایک ہاتھ سے دوسرے کٹے ہوئے ہاتھ کو کھینچ کر پھینک دیا تھا۔ اسی طرح جنگ یمامہ میں حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی ٹانگ کٹ گئی تھی، چونکہ اس کے پھر درست ہو جانے کی امید نہ تھی، لہذا حضرت ثابت نے خود ہی اپنی ٹانگ کو کھینچ کر الگ کر دیا، ایسے بہت سے واقعات ہیں، جو اپریشن کے ثبوت کے لئے پیش کئے جا سکتے ہیں (المحدیث ۱۳ مئی ۲۱ سنہ)

استفتاء کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں کہ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب مدظلہ کے بہشتی زیور کے حصہ چہارم کے ص۵ پر مسئلہ

"رات کو اپنی بی بی کے جگانے کے لئے اٹھا، مگر غلطی سے لڑکی پر ہاتھ پڑ گیا یا ساس پر، اور بی بی سمجھ کر جوانی کی خواہش کے ساتھ اس کو ہاتھ لگایا، تو اب وہ مرد اپنی بی بی پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو گیا۔ اب کوئی صورت جائز ہونے کی نہیں ہے، اور لازم ہے کہ یہ مرد اب اس عورت کو طلاق دے دے"

تو سوال یہ ہے، کہ جب دونوں اس میں بے قصور ہیں، تو طلاق دینے کی کیا وجہ؟ کیونکہ مرد بھی

بے قصور ہے، بھول کی وجہ سے اور کوئی قصور عورت پر بھی نہیں ہے۔

الجواب:۔ بہشتی زیور سے جو مسئلہ آپ نے نقل کیا ہے، یہ حنفیہ کی نزدیک اسی طرح ہے کہ اگر غلطی سے یا قصداً کوئی شخص اپنی لڑکی یا اپنی ساس کے بدن کو بغیر حائل (پردہ کے) ہاتھ لگا دے اور اس وقت اس کو خواہش (شہوت) ہو تو اس لڑکی کی ماں یا ساس کی بیٹی (یعنی ہاتھ لگانے والے کی بیوی) اس پر حرام ہو جاتی ہے۔ اس میں اگرچہ بیوی کا قصور نہیں، اور غلطی ہو جانے کی صورت میں مرد کا بھی قصور نہیں، مگر حرمت کی وجہ دوسری ہے، جس میں قصور ہونے نہ ہونے کو دخل نہیں ہے، حنفیہ کا مذہب یہی ہے، واللہ اعلم (محمد کفایت اللہ مدرسہ امینیہ دہلی)

امید ہے، کہ آنحضور مندرجہ بالا استفسار اور جواب پڑھ کر اہلحدیث کے طریق سے، اور دیگر اماموں کے خیال سے مسئلہ مندرجہ بالا پر روشنی ڈالیں گے (عبدالرحمن چاول فروش، زکریا اسٹریٹ کلکتہ)

ج: مسئلہ ہذا اہلحدیث کے نزدیک صحیح نہیں، کیونکہ اس کی تائید قرآن یا حدیث سے نہیں ہوتی، یہ تو صرف دست درازی ہے۔ بلکہ اگر فعل بھی کر گذرے، تو بھی مزنیہ کی ماں یا بیٹی فاعل پر حرام نہیں ہوتی، شافعیہ کا مذہب بھی یہی ہے، کیونکہ زنا ایک فعل لازم ہے، اس کی سزا متعدی نہیں، اس فاعل اور مفعول کو شرعی سزا بے شک دو، مگر نکاح توڑ کر اس کی بیوی کو بیوہ کیوں کرتے ہو، واللہ اعلم۔

(اہلحدیث امرتسر ۲۰ر صفر ۱۳۴۶ھ)

ایک آریہ سوال اور اس کا جواب

بخدمت جناب ایڈیٹر صاحب اہلحدیث، السلام علیکم۔ مزاج شریف۔

چند سوالات آریہ شخص نے کئے، جن میں ایک سوال یہ ہے، اور اس سوال کے کرنے سے حاضرین کی جمع میں اسلام کی طرف سے شبہات کا ذخیرہ جمع ہو گیا، بوجہ کم علمی وناقص فہمی کے حاضرین کا عقیدہ ضعیف ہو، چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اسلام پر رکھنا منظور ہے، لہذا بذریعہ عریضہ ہذا خدمت میں سوال کو پیش کرکے شبہ کو اطمینان سے تبدیل کرنا چاہتا ہوں، امید ہے وہ جواب معقول دلپسندیدہ وآسان عبارت میں مدلل تحریر فرما کر مستحق اجر جزیل ہوں گے، جو بندہ کی سمجھ میں ودیگر حاضرین کے سمجھانے کے لئے کافی وتسلی بخش ہو، فہو مدا۔

آریہ کہتا ہے، کہ خدا تعالیٰ کی ذات مسلمانوں کے نزدیک بے مثل ہے، اور دافعی ہے، مگر قرآن مجید کی بندگی کی نسبت جو عقیدہ اہل اسلام ہے، کہ آسمانی کتاب ہے، اور سب کتابوں سے افضل ہے،

توسوال اس پر ہے، کہ آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام تک جس قدر صحائف
وآسمانی کتابیں نازل ہوئی ہیں، وہ قرآن مجید نے کیوں منسوخ کیں، اور خدا تعالیٰ کو کیا پہلی مخلوق جو قرآن سے
محروم رہی عزیز نہ تھی، اور سب کے لئے ایک ہی کتاب قرآن مجید کیوں کافی نہ رکھی، جس سے معلوم ہوا، کہ
اب کے مسلمان سے جو حضرت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت سے ہوتے، ان سے پر نسبت
پہلوں کے زیادہ محبت اور زیادہ پیار ہے، تو پھر اس سے اللہ تعالیٰ کی توحید میں فرق آیا، اور دیگر اللہ
تعالیٰ کو ترمیم کی کیا ضرورت پڑی، سب کے درجے اور سب کی حالتیں کیوں مساوی الحال نہ رکھیں کیا
اللہ تعالیٰ کی بھی ایسی ذات ہے، کہ کسی کو کسی بات کی نسبت کسی طرح کا حکم فرما دے، اور کسی کو کسی
طرح کا، گویا ایک قول پر ثابت رہنے کی کیا وجہ، اور دیگر ایک ہی کتاب اول سے آخر تک کیوں کافی
نہ ہوئی، جس سے قرآن مجید کے آسمانی وحمایت اللہ ہونے میں شبہ ہے، جواب بادلائل۔

(نیاز مند مبارک علی پٹواری، حلقہ موضع نورنگ پور، ڈاک خانہ بھگووال، ضلع جالندھر)

جواب:۔ قرآن مجید پہلی کتابوں کو مانتا ہے، مگر چونکہ ان میں دست تصرف ہونا ثابت ہے، چنانچہ
رومن کیتھولک عیسائیوں میں جو بائیبل مروج ہے، اس میں چند رسالے زیادہ ہیں، پروٹسٹنٹ عیسائیوں
میں جو مروج ہے، اس میں کم ہے، اسی طرح اور تصرفات بھی ہیں، اسی لئے قرآن مجید بطور ایک رجسٹرڈ
حکم کے نازل ہوا ہے۔ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ
(یعنی تم لوگ اس قرآن کے تابع بنو، اور اس کے سوا دوسری کسی کتاب کے پیچھے نہ چلو) کیونکہ وہ مشتبہ
ہو چکی ہیں، یہی معنی ان کی تنسیخ کے ہیں، ورنہ احکام کی بابت تو قرآن مجید خود کہتا ہے۔ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا
لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ
الْقَيِّمَةِ۔ اس آیت میں اہل کتاب کے متعلق فرمایا ہے، کہ ان کو یہی حکم تھا، کہ خدا کی طرف یک سو ہو کر
نماز پڑھو اور زکوٰۃ ادا کرو، یہی دو رکن اسلام میں عام ہیں۔

اصل میں نسوخ کے معنی نہ سمجھنے سے یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے، یہ نسوخ اس طرح کا ہے، جو کسی کاغذ کو
مشتبہ پاکر اس کے مضمون کو دوسرے کاغذ پر صاف کر کے لکھ لیا جائے (اہلحدیث ۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ)

قرآن کریم اور سائنس —— ایک تشریحی مقالہ

(از قلم مولانا عبد الرؤف خاں صاحب رحمانی جھنڈے نگری)

ہم اس دعویٰ میں حق بجانب ہیں، کہ قرآن کریم اور صحیح سائنس میں کسی طرح کا کوئی تضاد نہیں ہے آج

عموماً یہ خیال کیا جانے لگا ہے، کہ الہامی اور مذہبی کتابوں میں بہت سی باتیں خلاف عقل ہیں لیکن اس نکتہ کا خیال کم رکھا جاتا ہے، کہ ہم کیا۔ اور ہماری عقل کیا۔ پھر ایسی عقل سے خدا کے خلاف لڑائی، اور اس کی مذہبی کتاب سے دشمنی کہاں تک موزون ہو سکتی ہے، دراصل ہمارا مذہب دوستی اور خداشناسی میں طریقہ ہی الٹا ہے، ہم مذہب کو اس لئے غلط ٹھہرا دیتے ہیں، کہ فلاں مذہبی کتاب میں فلاں بات غلط اور خلاف سائنس ہے، لہٰذا وہ بات غلط ہے، اور جب وہ بات غلط ہوئی تو مذہب خود بخود غلط نکلا، حالانکہ چاہیے یوں تھا، کہ پہلے ضرورت مذہب سے مطمئن ہوتے، پھر عقل کے خلاف جو باتیں بظاہر معلوم ہوتی ہیں ان پر غور وخوض کرتے۔ نہ سمجھ میں آتی، تو وہیں رک جاتے، اور اپنی عقل کو ناقص کہہ کر خاموش ہو جاتے، حدیث میں آیا ہے، کہ انسان سوچتا ہے، کہ سب عالم کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا، تو اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا؟ فرمایا کہ سوال کے اس نقطہ پر مرکب عقل کو لگام دینا اچھا ہے۔ بقول شیخ سعدی ؎

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن — کہ جاہا سپر باید انداختن

طب کی کتابوں میں ایک جگہ یہ دیکھنے میں آیا، کہ شیخ الرئیس بوعلی سینا مدتوں اس غور میں رہا، کہ قلب گرم ہے اسے اوپر ہونا چاہیئے، اور دماغ سرد ہے اسے نیچے ہونا چاہیئے، لیکن معاملہ برعکس ہے، خداوندی انتظام اور اس کی وضع وتعین کو عقل کے مطابق نہ پاکر بوعلی نے خلاف عقل ہونے کی آواز نہ اٹھائی، بلکہ حیران وسرگرداں ہونے کے بعد اپنی عقل کے نقصان اور اپنی رسائی کی کوتاہی کا اعتراف کرتے ہوئے فتبارک اللہ احسن الخالقین تلاوت کی، بہرحال مذہب شناسی کے غلط طریقوں پر چل کر عقل کو بدنام کرنے کے لئے بہت سے عقل دشمنوں نے یہاں تک لکھ دیا، کہ

"مذہب سائنس کی غضب آلود نگاہوں کے سامنے ٹھہرنے کی تاب نہیں لا سکتا"

(دیکھو ہندو لیڈروں کی تقریر کا اقتباس۔ مندرجہ پیغام صلح ۲۱ ستمبر ۱۹۲۷ء)

اس کے مقابل یورپ کے عقلاء وفضلاء کی رائیں پڑھیں۔ جو سائنس کے علماء عصر کے پیشوا ہیں، خود ان کی زبان سے سنیے۔ مسٹر جیمس نے برٹش ایسوسی ایشن میں سائنس پر جو خطبہ پڑھا اس میں انہوں نے یہ بھی کہا۔ کہ:-

تیس سال قبل سائنس کا زور اپنے علم پر تھا، آج سائنس کا زور اپنے جہل پر ہے تیس سال قبل معجزات قابل مضحکہ تھے، آج معجزات ممکن، اغلب، بلکہ قطعی ہیں عظمت ناپیداکنار کے جلوے صحیح سائنس کو خدا تک لا رہے ہیں (صدق ۱۱ رمئی ۳۰ء بحوالہ بائبل از ٹرو)

اس حقیقت کے پیش نظر یہ معلوم ہوتا ہے، کہ مذہب وخدا کی ہستی کے خلاف جس قدر اچھل کود سائنس

کا نام لے کر کی جا رہی ہے۔ یہ فریب خوردہ، ناتجربہ کار، غیر محققین لوگوں کی جاہلانہ روش سے تعلق رکھتی ہے، ورنہ صحیح سائنس، اور درست عقل والے محققین کی رائیں اس سے بالکل جدا ہیں۔

ایک حقیقت کا اظہار مولانا امرتسری مدظلہ العالی اپنے رسالہ "شمع توحید" کے صفحہ ۲۴ پر تحریر فرماتے ہیں :۔

"آج سائنس کی تحقیق ہے، کہ ایک انچ بھر مربع ہوا اور پانی میں دس دس کروڑ کیڑے چلتے پھرتے ہیں" اس کے پڑھنے کے ساتھ ہی مجھے خیال گذرا کہ سائنس کی تحقیق ہے، اس لئے اس کے آگے پرستاران عقل کا سر خم ہے، ورنہ اگر یہ دعوی قرآن کریم میں کیا گیا ہوتا، تو مدعیان عقل و سائنس دنیا کے ہر کس و ناکس کے آگے یہ کہتے پھرتے نظر آتے، کہ "دیکھو قرآن کے غلط ہونے میں کیا شک ہے، دیکھو قرآن والا کہتا ہے، کہ صرف انچ بھر جگہ میں سو دو سو کیڑے نہیں، ہزار دو ہزار کیڑے نہیں، لاکھ دو لاکھ کیڑے نہیں، کروڑ دو کروڑ کیڑے نہیں، بلکہ دس دس کروڑ کیڑے رہتے ہیں، بھلا یہ کوئی ماننے کی بات ہے، اگر کسی خاص مقام کی انچ بھر جگہ میں دس کروڑ کیڑوں کا اقرار قرآن کرتا، تو مان بھی لیا جاتا، لیکن جب اس کا دعویٰ ہے، کہ بلا امتیاز ہوا اور پانی کروں کی ہر انچ برابر جگہ میں دس دس کروڑ کیڑے رہتے ہیں، تو اب خلاف مشاہدہ و خلاف عقل بات کو کیسے مان لیا جائے، وغیرہ" لیکن آج چونکہ سائنس مدعی ہے، اس لئے سر تسلیم خم ہے۔

بعد قیل وقال مجھے یہ حقیقت گوش گذار کرنی ہے، کہ قرآن کریم کا کوئی اصول بھی عقل خالص و کامل کے خلاف نہیں۔ مثال کے طور پر نمبروار چند معروضات پیش ہیں۔

دعوی سائنس سورج غروب نہیں ہوتا، بلکہ کسی نہ کسی جگہ ہر وقت نکلا رہتا ہے، لیکن قرآن کہتا ہے، کہ آفتاب غروب ہوتا ہے، اور وہ بھی دلدل میں۔

جواب قرآن کریم پر یہ افترا ہے، کہ وہ آفتاب کو دلدل وغیرہ میں غروب ہوتا مانتا ہے۔ قرآن کریم کا صاف ارشاد ہے، کہ اوٹ میں پڑ جانے سے آفتاب غروب ہوتا نظر آتا ہے لیکن جہاں آفتاب پر کوئی اوٹ نہیں ہوتی، وہاں اسی گھڑی آفتاب طالع رہتا ہے۔

ذوالقرنین کے قصہ میں ارشاد ہے، کہ غروب آفتاب کے موقع پر پہنچے، تو آفتاب سیاہ رنگ کے پانی میں ان کو ڈوبتا دکھائی دیا۔ اس کے آگے ارشاد ہے۔ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا (ترجمہ یہ ہے) کہ جب طلوع آفتاب کے موقع پر پہنچے، تو آفتاب کو ایک ایسی قوم پر طلوع ہوتے دیکھا، جن کے لئے ہم نے آفتاب پر کوئی آڑ نہیں رکھی تھی۔

ناظرین کرام! آفتاب کو اس قوم پر طلوع ہوتے دیکھا، جن کے لئے ہم نے آفتاب پر کوئی آڑ نہیں رکھی، کے الفاظ خود گواہ ہیں، کہ آفتاب کبھی غروب نہیں ہوتا، البتہ جن کی اوٹ میں آفتاب پڑ جاتا ہے، ان کو غروب ہوتا معلوم ہوتا ہے، اور جہاں اوٹ نہیں ہوتی، وہاں آفتاب طالع دکھائی دیتا ہے۔

چونکہ ہیئت قدیم و جدید (سائنس) دونوں میں مسلم ہے، کہ آفتاب کا کرہ دنیا سے بہت بڑا ہے اس لئے مفسرین کرام نے صاف لکھا ہے، کہ آفتاب کا کسی جگہ پر غروب ہوتے دیکھنا محض دیکھنے والے کی نظر کا خیال ہے، چنانچہ جلالین میں لکھا ہے۔ وغروبہا فی العین وا لا فہی اعظم من الدنیا۔ اسی طرح خازن، معالم، ابن کثیر وغیرہ میں تصریح ہے۔ پس معلوم ہوا، کہ قرآن مجید وہی نظریہ پیش کرتا ہے، جسے سائنس نے مدتوں میں حل کیا ہے۔

(۲) سائنس کا دعوی ہے، کہ زمین متحرک ہے، مگر قرآن کریم کہتا ہے، کہ زمین حرکت کرتی تھی، پس ہم نے پہاڑ کا میخ گاڑ دیا، چنانچہ سورہ نبا میں کہا ہے وَالْجِبَالَ اَوْتَادًا (الآیۃ)

جواب قرآن مجید میں اگر میخوں کے گاڑنے کا ذکر موجود ہے، تو حرکت کا انکار اس سے کیسے معلوم ہوا، جس قدر مضبوط یہ میخ گڑی ہوگی، اسی قدر زمین کی حرکت کا نظام درست رہے گا، کیونکہ خداوند کریم نے پہاڑوں کی نسبت لکھا ہے، کہ وہ برابر تیزی سے حرکت کر رہے ہیں، پس جس کے ساتھ یہ مضبوط میخ گڑی ہوئی ہے، وہ بھی اس کے ساتھ سرعت حرکت میں برابر کی شریک ہوئی، پس زمین کی حرکت کا انکار قرآن کریم کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں، آیت کریمہ یہ ہے۔

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ (سورۃ نمل ۲۰) اے مخاطب تو پہاڑوں کو سمجھتا ہے، کہ وہ اپنی جگہ پر گڑے اور جمے ہوئے ہیں، حالانکہ وہ تو بدلی کی طرح اڑ رہے ہیں، یہ اس اللہ کی زبردست کاریگری ہے، جس نے ہر شے کو مضبوط بنایا۔

علاوہ اس کے خود پہاڑ بھی زمین کی ایک قسم ہے، دیکھو ہدیہ سعیدیہ وغیرہ۔

آسمانی کروں میں انسانی آبادی سائنس دوسرے آسمانی کروں پر انسانی آبادی مانتا ہے، مگر قرآن کریم دیگر آسمانی کروں پر انسانی آبادی نہیں، بلکہ جنت، دوزخ، عرش یا لے دے کے فرشتوں کا وجود تسلیم کرتا ہے، لیکن انسانی آبادی کا قائل نہیں، کیونکہ قرآن آسمان کو انسانی مستقر ہی قرار نہیں دیتا، بلکہ صرف زمین کو انسانی آبادی کے لئے مستقر

قرار دیا ہے، جیسا کہ لکھا ہے۔ وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ (البقرۃ) اور ایک جگہ لکھا ہے۔ فِیْهَا تَحْیَوْنَ وَفِیْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ (اعراف) زندگی اور موت وغیرہ سب اسی زمین پر ہوگی۔

جواب سائنس کا یہ دعویٰ کہ دوسرے کروں میں انسانی آبادی ہے، اب تک دعویٰ ہی کی شکل میں ہے، سائنس کی ایک مخصوص شاخ علم ہیئت کی زبان سے صرف اتنا سننے میں آیا ہے، کہ صرف کرۂ مریخ کی سطح پر کچھ نشانات لکیروں کی طرح معلوم ہوتے ہیں جنہیں نہروں سے تعبیر کیا گیا ہے، لیکن یہ نہریں پتلی ہیں یا چوڑی یا دونوں طرح کی، اس میں ماہرین فن کا شدید اختلاف ہے (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۴ ص ۱۹۶ طبع چہاردہم بحوالہ صدق ۲۱ دسمبر ۳۷ء)

لیکن اگر بالفرض سائنس کا دعویٰ واقعات کی صورت میں مدلل ہو جائے، تو بھی قرآن کریم اس کا مخالف نہیں، اور فرشتوں کے وجود کے ساتھ انسانی آبادی کا منکر نہیں، فرمایا۔ وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ (سورہ نحل پ ۱۴) یعنی اللہ کے زیر حکم ہیں وہ دابہ جو آسمانوں میں ہیں، اور جو زمین میں ہیں، اور فرشتے بھی اسی کے زیر حکم سجدہ ریز ہیں، ایک اور جگہ فرمایا ہے

وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِیْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ (سورہ شوریٰ پ ۲۵)

اللہ تعالیٰ کی ہستی کی دلیلوں میں سے ایک دلیل آسمانوں اور زمین کی خلقت اور ان دونوں میں دابہ (چلنے پھرنے والے جانداروں) کا پھیلانا ہے۔

نوٹ:۔ دابہ ہر چلنے پھرنے والے جاندار کو کہتے ہیں، جس میں انسان اور بقیہ حیوانات سب شامل ہیں، بدلیل وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ (الآیۃ) پس اس بارے میں قرآن کریم کو مخالف کہنا شدید افتراء ہے

(۴) نزول بارش سائنس کا دعویٰ ہے، کہ پانی آسمان سے نہیں برستا، بلکہ بارش ان بخارات کی ریزش کا نتیجہ ہے، جن کو ہوا اٹھا کر اوپر بلند ہوتی ہے، اور خاص شکل ابر کی صورت دے دیتی ہے، لیکن قرآن کریم کہتا ہے کہ ہم آسمان سے پانی برساتے ہیں۔

جواب قرآن کریم نے بارش کی ساری ترتیب اور اس کی تیاری کا پورا نقشہ جو بتلایا ہے، وہ بنا ہے درست، اور سائنس صحیح کے بالکل مطابق ہے، سورہ روم اور سورہ نور میں بہت مفصل حال بدلی کی تیاری کا ملتا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَیَبْسُطُهٗ فِی السَّمَآءِ كَیْفَ یَشَآءُ وَیَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَی الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ (روم پ ۲۱) اللہ تعالیٰ ہواؤں کو بھیجتا ہے، جو بادلوں کو اٹھالاتی ہیں

پھر اللہ تعالیٰ ان کو پھیلاتا ہے، اور تہ بتہ کرتا ہے، پس تو دیکھتا ہے، کہ مینہ اس کے درمیان سے نکلتا ہے
اور فرمایا۔ وَاَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً (سورہ حجر)
منتہی الارب اور نہایہ ابن اثیر میں لاقح کے معنی لکھا ہے، کہ وہ ہوا جو بادلوں کی تکوین کرتی ہے۔
پس اس لغوی ترجمہ کے پیش نظر آیت کریمہ کا معنی یہ ہے، خداوند عالم ایسی ہوائیں بھیجتا ہے، جو پانی کے بخارات کو لے کر آسمان پر بلند ہوتی ہیں، اور بادلوں کو بناتی ہیں، جن سے پانی برستا ہے، اب بخارات کی تیاری میں، اور اس کے کروڑوں ٹن پانی کے ٹھنڈا کرنے میں ہوا ہی کا دخل ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے بادلوں کی تیاری کے بیان میں ہوا ہی کے تصرفات کا بیان کیا ہے۔
فرمایا۔ وَتَصْرِيْفِ الرِّيَاحِ (سورہ بقرۃ) اس آیت میں ہوا ہی کی طرف سارے ہیر پھیر اور رد و بدل کا انتساب ہوا ہے، اور سائنس بھی بادلوں کی تکوین میں ہوا کی کارگذاریوں کی قائل ہے
پس قرآن کریم کی طرف یہ انتساب کہ وہ کسی علمی انکشاف اور عقل صحیح کی تحقیق کے خلاف ہے بالکل غلط ہے، زاد المعاد جلد ثانی ص۳۷ پر زمین سے بخارات کے جانے اور بدلی کی تکوین کی بابت بالکل منقولہ بالا تحقیق مندرج ہے۔

(۵) ہر چیز کے جوڑے

ناظرین! قرآن کریم نے دعوی کیا تھا کہ ہر ایک چیز کے جوڑے ہوتے ہیں، آج سائنس بھی اس کی تائید میں ہے، ارشاد ہے سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ (سورہ یٰسین)
پاک ہے وہ ذات جس نے سب جوڑے ہی جوڑے پیدا کئے، یہاں تک کہ زمینی پیداوار سبزیوں کے بھی اور انسان کے بھی، اور ان چیزوں کے بھی جنہیں لوگ ابھی نہیں جانتے۔
آج سائنس کہتا ہے، کہ پھل، پھول، گھاس، یعنی ہر چیز کے جوڑے ہیں، حتی کہ جراثیم کے بھی جوڑے ہیں اور ریت اور بالو کے ذرات کے بھی جوڑے ہیں، اور زندگی کے چھوٹے چھوٹے کیڑوں کے بھی نر و مادہ ہیں، جن کو انسانی نگاہیں نہیں پا سکتیں، صرف خوردبین سے نظر آتے ہیں

(۶) تسبیح و عبادت

قرآن کریم نے دعوی کیا تھا، کہ ہر ایک خواہ درخت ہوں یا تارے اس کے سامنے سجدہ ریز ہیں، فرمایا۔ يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ، اور فرمایا۔ وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ اب جا کر سائنس کے ایک ماہر کے مشاہدہ میں تسبیح نباتات کا مسئلہ آیا۔ امرت بازار پتر کا، کلکتہ ۶ر دسمبر ۱۹۳۸ء کے پرچہ میں لندن کے روزنامہ "ڈیلی ٹیلیگراف" کا ایک نوٹ نقل ہوا ہے، اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

"جب مسٹر گاندھی نے اول بار سر جگدیش (سائنس کے مشہور ماہر) کے دار التجربہ کا کلکتہ میں معائنہ کیا آفتاب غروب ہو رہا تھا، اور مسٹر گاندھی نے حسب معمول پرارتھنا کا ارادہ کیا۔ سر جگدیش بھی اپنے شاگردوں سمیت پرارتھنا میں شریک ہوئے اس وقت ماہر سائنس نے حیرت سے دیکھا کہ تاڑ کے درخت کی پتیاں بند ہو رہی ہیں جس طرح کہ پرارتھنا کے وقت ہاتھ باندھے جاتے ہیں"

ان چند تبرات کے پیش نظر یہ اندازہ لگانا آسان ہو گیا کہ قرآن کریم نہ تو خود کسی علمی انکشاف کا مخالف ہے، اور نہ ہی قرآن کریم کے بیان کردہ اصول علمیہ پر حرف گیری کا کچھ موقعہ ہے، سچ فرمایا اللہ جل شانہ نے لَا یَاْتِیْہِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَلَا مِنْ خَلْفِہٖ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَکِیْمٍ حَمِیْدٍ ○

(اہلحدیث۔ یکم ذی تعدہ ۱۳۵۷ھ)

س):۔ بکرا خصی کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ اگر جائز ہے، تو آیت قرآنی وَلَاٰمُرَنَّھُمْ فَلَیُبَتِّکُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّھُمْ فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰہِ کا کیا مطلب؟ اگر نا جائز ہے، تو اس حدیث کے جس میں آپ نے خصی کی قربانی پسند کی ہے کیا معنی؟ قربانی کا جانور صحیح، بے عیب اور کل عضو تمام ہونا چاہیئے پس جس جانور کا ایک عضو مخصوص نہ ہو اس کے جائز ہونے میں کیا مصلحت؟

(خلیل احمد ناظم انجمن اہل حدیث مرزا پور خریدار نمبر ۷۲۰۲)

ج:۔ خصی کرنا جائز ہے، اور آیت میں تغیر خلق اللہ سے مراد ہے تبدیل فطرت یعنی بجائے توحید کے شرک اختیار کرنا، جیسے فرمایا فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا جسمانی تغیر مراد ہو، تو ناخن کٹانا اور بال منڈانا بھی ناجائز ہوگا، حالانکہ قرآن مجید کے اشارۃ النص سے یہ جائز ہے، غور سے پڑھیئے۔ مُحَلِّقِیْنَ رُءُوْسَکُمْ وَمُقَصِّرِیْنَ (۲۳ رجب ۱۳۴۳ھ)

تعاقب[1] بر خصی

اخبار اہلحدیث ۱۰ ذی تعدہ ۱۳۴۵ھ میں سوال نمبر ۱۲۸ کے جواب پر جو تعاقب اخبار اہلحدیث ۹ ذی الحجہ میں ہوا، آپ نے اس کے جواب میں جو تحریر فرمایا کہ جانور کو تکلیف شدید اور نسل منقطع ہوتی ہے، اور ابن عمر رض کے قول پر تغیر بھی ثابت ہوتا ہے، لہذا از روئے رحم یہ فعل ناپسند ہے، اگر ایسا ہے، تو بہت سے افعال اور واقعات میں بے رحمی پائی جاتی ہے جیسے قصابوں کا کام ہے، جانوروں کو ذبح کرنا، اس لئے اگر جانور ذبح کرے تو نسل منقطع ہوتی ہے، اور جانور کو تکلیف شدید بھی ہوتی ہے، اور جانوروں کو کمبل دریا وغیرہ اور جنگلی حرام

[1] اس تعاقب کا جواب مرحوم نے نہیں دیا، جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ مرحوم کے نزدیک تعاقب صحیح ہے ۲۳۰ رجب سنہ ۱۳۴۳ھ میں مرحوم خود بھی یہ لکھ چکے ہیں۔ ۱۲ منہ

جانوروں کو کوئی آدمی خصی نہیں کرتا ہے، اور ایک ایک جانور کے آٹھ آٹھ، دس دس بچے بھی پیدا ہوتے ہیں، تو بھی دنیا میں حلال جانوروں کی نسبت حرام جانور بہت ہی کم ہیں، اور حلال جانور باوجود اتنے خصی کرنے کے اور ایک ہی بچہ ہونے کے بھی دنیا میں بہت زیادہ ہیں۔

اور علاوہ اس کے جانور خصی نہ کرنے سے بت پرستی کی امداد ہوتی ہے، اس لئے کہ اگر مسلمان لوگ ان کو بتوں کو نہ دیں، تو ان کو ملنا مشکل ہوگا، اس لئے کہ بت پرست لوگ بتوں کو کم پالتے ہیں، اور روایت مذکورہ سند بزار کی پوری سند سے مروی نہیں، کہ صحیح و ضعیف پہچانی جاوے، صرف قاضی شوکانی کی صحت پر کیا اعتماد؟ اور روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کے بھی خلاف ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دنبہ خصی سے قربانی کی، اور صدقہ اور زکوۃ میں نر جانور لینے کو منع فرمایا، تاکہ اس کی قیمت کم نہ ہو، اور فقراء و مساکین اور دوسرے حقداروں کی حق تلفی نہ ہو، اس لئے کہ خصی جانور کی قیمت زیادہ ہوتی ہے، اور مسلمان کو فائدہ پورا حاصل ہو جائے، اس لئے میں عرض کرتا ہوں، کہ اس کے جواب میں جناب کو فکر کرنا ضروری ہے تاکہ بت پرستی کی حمایت نہ ہو، اور مسلمان کو فائدہ پورا حاصل ہو، والسلام (محمد عبدالواحد، ساکن باتوئیل، ڈاک خانہ ہا بڑا)

(اہلحدیث امرتسر ۶ صفر ۱۳۴۶ھ)

تعاقب جو سانڈ مشرکین بہ نیت فاسد چھوڑیں، جب وہ مسلم کے ہاتھ میں آجاوے گا، تبادلہ ید سے حکم اس کا بدل جائے گا، بلکہ وہ مسلم کی ملک ہو جائے گا، تبادلہ ید سے حکم شرعی بدل جاتا ہے، جس طرح کہ بریرہ رض کا صدقہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ہدیہ ہو گیا، آپ نے اس سانڈ کو جو ما اھل بہ لغیر اللہ میں داخل کیا ہے، میں اس کا مخالف ہوں، ما اہل کا حکم صرف اس وقت تک رہے گا، کہ تبادلہ ید نہ ہو (یونس خاں ساکن دتاولی، ضلع علی گڑھ)

جواب تبادلہ ید (ہاتھ کی تبدیلی) اس جگہ معتبر ہوتا ہے، کہ پہلے شخص پر وہ چیز حلال ہو، بریرہ رض پر صدقہ حلال تھا نہ حرام، سانڈ تو پہلے شخص پر بھی حرام ہے، اس لئے یہاں تبادلہ ید کا قیاس صحیح نہیں۔ (اہلحدیث امرتسر ۱۹ ربیع الاول ۱۳۴۶ھ)

القاسم میں سوال و جواب

اور اس کی تنقید

مدرسہ دیوبند سے ماہوار ایک رسالہ القاسم نکلتا ہے، جس میں عموماً مضامین تاریخی ہوتے ہیں، اس

دفعہ (شوال) کے پرچہ میں ایک سوال اور اس کا جواب مذہبی رنگ میں نکلا ہے، ناظرین اہلحدیث کے خاص مذاق کا ہونے کی وجہ سے اس قابل ہے، کہ ان تک پہنچایا جائے، امید ہے، کہ ناظرین اس مضمون کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے، اور اس کے بعد اس کی تنقید پر بھی غور فرمائیں گے۔

سوال:۔ حقیقت اور بطلان واقعی اعتبار معتبر پر مبنی نہیں ہے، اس اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے جب مذاہب ائمہ اربعہ کی حقیقت پر غور کرتا ہوں، تو عقل نارسا ادراک حقیقت سے قاصر ہو جاتی ہے، کیونکہ ان مذاہب میں باہم بعض ایسے مسائل نظر آتے ہیں، جن میں کم از کم نسبت تضاد کی پائی جاتی ہے، اور یہ مسلم الثبوت امر ہے، کہ دو ضدیں جمع نہیں ہو سکتیں، پس ان مذاہب کو حق تسلیم کرنے پر واقع ہے، اجتماع اضداد حالت واحدہ میں لازم آتا ہے، جس کا بطلان ظاہر ترین ہے اور یہ بھی ظاہر ہے، جیسا کہ عرض کر چکا ہوں، کہ حقائق واقعیہ پر حیثیات زائدہ کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا، پس ان کے حق ہونے کی کیا صورت ہو سکتی ہے،، (القاسم صلہ)

تشریح:۔ اس سوال کا مطلب یہ ہے، کہ جو بات واقع میں صحیح ہے، ہر حال میں صحیح ہے، کوئی اسے صحیح مانے یا نہ مانے، جن پیغمبروں کی تعلیم کو کفار نے نہیں مانا، وہ تعلیم واقع میں صحیح تھی، گو اسے کسی نے نہ مانا، یا مانا تو کم مانا، اور جو غلط ہے، وہ ہر حال میں غلط ہے چاہے اسے ساری دنیا مانے، غرض صحت اور غلطی ماننے یا نہ ماننے پر موقوف نہیں، بلکہ وہ اصلیت کے تابع ہے، یہ اصول اور مذاہب میں تو اپنا ثبوت اور اثر دکھاتا ہے (مگر مذاہب اربعہ (حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی) میں اس کا اثر معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے، کہ سارے مذاہب حق ہیں، حالانکہ ان میں بہت سے مسائل ایسے ہیں، کہ اگر ان کی ایک جانب صحیح ہے، تو دوسری یقیناً غلط، مثلاً قرأت خلف الامام میں حنفی مذہب اگر صحیح ہے، کہ امام کے پیچھے کچھ نہیں پڑھنا چاہیئے، تو شافعیہ کا مذہب غلط ہے، کہ ضرور پڑھنا چاہیئے، اب جو ہم ان دونوں باتوں کو صحیح سمجھیں، تو اصول مذکورہ کے خلاف حق و باطل کی حقیقت کو ہم نے واقع سے ہٹا کر اپنے خیالات کے تابع کر دیا جو کسی طرح جائز نہیں، پس یا تو اصول مذکورہ کو چھوڑیئے، یا اس خیال کو ترک کیجیئے، کہ سارے مذہب حق پر ہیں۔

اس کا جواب فاضل لبیب نے جو دیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے، کہ مجتہد کی بابت یہ اصول ہے، کہ وہ جب کوشش کر کے کوئی حکم معلوم کرے، تو گو واقع میں غلط ہو، تاہم اس مجتہد کو بھی ثواب ملتا ہے چنانچہ بعد طویل تمہید اور کئی ایک امور ذکر کرنے کے فاضل مجیب کے خاص الفاظ یہ ہیں:۔ "شیخ تقی الدین ابن دقیق العید فرماتے ہیں، کہ مجتہدین کے واسطے ہر ایک واقعہ میں اللہ تعالیٰ کے لا

حکم ہیں، ایک یہ کہ اس واقعہ کے متعلق خدا کا جو کچھ حکم واقع میں ہے، جس کی طرف راہ نمائی کرنے والے لطیف اشارات و امارات بھی اس نے اپنے کلام میں اور اپنے رسول کے کلام میں نصیب فرما دیتے ہیں، اس کو معلوم کریں۔ دوسرا یہ کہ ہر مجتہد بعد اپنی پوری قوت اجتہاد اور انتہائی کوشش صرف کر لینے کے جس نتیجہ پر پہنچے، وہی اس کے حق میں واجب الاتباع ہے، پس وہ مجتہد جو ایک مسئلہ اجتہادی میں پوری ہمت صرف کر لینے کے بعد بھی حق تعالیٰ شانہ کے صحیح منشا اور مطلوب پر مطلع نہ ہو سکا، اگرچہ اس حکم اول کے فوت ہونے کے اعتبار سے جس کا معلوم کرنا ہر مجتہد کے ذمہ لازم تھا، مخطی کہا جا سکتا ہے، لیکن دوسرے حکم کے لحاظ سے ہر ایک مجتہد کو مصیب بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ جو کچھ اس نے اپنے علم اور اجتہاد سے معلوم کر لیا، اس کے حق میں اب وہی واجب الاتباع قرار دیا گیا ہے۔ تو جن لوگوں نے "کل مجتہد مصیب" کی آواز بلند کی، اگر ان کی غرض یہی ہے جو اب ہم نے بیان کی، تو بلاشبہ اس میں تمام اہل سنت والجماعت ان کے ساتھ متفق ہیں، اور یہی وجہ تھی، کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد مبارک میں کوئی صحابہ دوسرے پر مسائل اجتہادیہ میں اختلاف رکھنے کی وجہ سے ملامت یا طعن و تشنیع نہیں کرتا تھا، اور تضلیل یا تبدیع تو کجا ایک کی طرف سے دوسرے کی تاثیم بھی نہ ہوتی تھی، بلکہ ایسے اختلافات کو توسع اور رحمت جان کر ایک دوسرے کے ساتھ نہایت رواداری کا برتاؤ کرتے تھے، خود احناف کی کتابوں میں بجز ایسی صورتوں کے جن میں فساد نماز کا مظنہ غالب ہو، اقتداء حنفی کی شافعی کے پیچھے اور شافعی کی حنفی کے پیچھے جائز رکھی گئی ہے، اور بعض مسائل میں جہاں فقہائے زمانہ کو شرعاً رخصت اور تیسیر کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ دوسرے ائمہ کی اثار کو معمول بہا بنایا گیا ہے، کیونکہ کسی خاص امام کی تقلید کے لازمی معنی اگرچہ اس امام کے مذہب کو ثواب اور راجح کہنا ہے، لیکن پھر بھی احتمال خطا کا اعتراف اور دوسرے امام کے اجتہاد کے متعلق احتمال صواب کی تصریح موجود ہے، اگر خاص خاص شرعی مصالح جن کا ادراک فقہاء کر سکتے ہیں، اس طرف داعی ہوں، کہ بعض مسائل میں دوسرے ائمہ کے مذاہب پر فتویٰ دیا جاوے تو پھر آخر اس احتمال خطا وثواب سے فائدہ اٹھانے کا اور کونسا موقعہ ہے۔

اس لئے یہ محفوظ رکھنا چاہیے، کہ باوجودیکہ حق عند اللہ کے اعتبار سے ہر ایک مسئلہ میں کوئی ایک ہی مجتہد مصیب ہوتا ہے لیکن عملاً سب حق پر ہیں یعنی حق تعالیٰ شانہ نے یہ وسعت دی ہے کہ یہ مجتہد اپنے اجتہاد کے اوپر عمل کرے، اگرچہ اس کا اجتہاد باوجود پوری کوشش کے ٹھیک نشانہ پر نہ بیٹھا ہو۔

لے اہلحدیث عرصہ سے اسی کوشش میں ہے کہ علماء میں یہ روش پیدا ہو کہ اختلاف رائے کو مخالفت اور شقاق تک نہ پہنچایا کریں۔ (اڈیٹر)

تمثیلاً یوں سمجھو، کہ کعبہ نفس الامر میں ایک معین مکان کا نام ہے، اور اسی کا استقبال شریعت نے نماز میں ضروری قرار دیا ہے۔ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ لیکن جس وقت سمت کعبہ ٹھیک معلوم نہ ہو، تو بعد تحری کے جو سمت معین ہو، اسی کا استقبال صلوۃ کے لئے کافی سمجھا گیا ہے، اور ظاہر ہے، کہ ہماری تحری جس طرف ہو، ضروری نہیں، کہ نفس الامر میں خانہ کعبہ بھی اسی طرف منتقل ہو جائے پس یہ خدا کی رحمت اور انعام ہے، کہ اگرچہ واقع میں مستقبل قبلہ وہی شخص ہے، جس کا رخ ٹھیک کعبہ کی طرف ہو، مگر تاہم دوسری طرف منہ کرنے والوں کو بھی تو سعاً و حکماً مستقبل کعبہ تسلیم کر لیا ہے تو باعتبار کعبہ نفس الامری اور حکم اولی کے تو فقط ایک ہی شخص مصیب ہے، اور سب مخطی، لیکن باعتبار قبول صلوۃ اور امتثال امر ثانی کے سب مصیب ہیں۔

پس ہر چند کہ عند اللہ محل خلاف میں حق واحد ہوتا ہے، مگر عمل میں سب حق ہوتے ہیں، اور یہی محمل حضرت امام ابوحنیفہ کے اس اشارہ کل مجتهد مصيب والحق عند الله واحد اور امام ابویوسف کے اس کلام کا كل مجتهد مصيب وان كان الحق فی واحد فمن اصابه فقد اصاب الحق ومن اخطاه فقد اخطاه (التقرير والتحبير ص۳۰۶ ج ۲ مصری) حضرت امام صاحب و امام ابویوسف کی ان نصوص کو ہمیشہ یاد رکھیئے، جن سے بخوبی واضح ہوتا ہے، کہ امام صاحب اور دیگر ائمہ اہل سنت سے جو بعض شاذ اقوال ہر مجتہد کے تصویب کی نسبت ان کے مشہور و معروف مذہب المجتهد يخطئ ويصيب کے خلاف منقول ہے، وہ فی الحقیقت ان کے اصل مذہب کے خلاف نہیں ہے، تعجب ہے کہ امام عبدالوہاب شعرانی نے بھی میزان کبری میں اکثر اسی قسم کے اقوال کی سطح سے مدد لی ہے، اس جگہ میں مناسب سمجھتا ہوں، کہ چند نقول مستند کتابوں کی آپ کے سامنے پیش کر دوں، جو اس بات کو ظاہر کرتے ہیں، کہ اصل مذہب جمہور اہل سنت والجماعت اور ائمہ اربعہ کا یہی ہے، کہ اجتہادیات میں حق عند اللہ واحد ہے، اور اسی بنا پر ہر مجتہد مصیب بھی ہو سکتا ہے، اور مخطی بھی، چنانچہ تحریر الاصول اور اس کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

والمختار ان حكم الواقعة المجتهد فيها حكم معين اوجب طلبه فمن اصابه فهو المصيب ومن لا يصيبه فهو المخطی ونقل هذا عن الائمة الاربعة ابی حنيفة رح ومالك رح والشافعی واحمد وذكر السبكی ان هذا

مذہب مختار یہ ہے، کہ ہر واقعہ مجتہد فیہا میں ایک حکم معین ہوتا ہے، جس کی تلاش خدا کی طرف سے لازم کی گئی ہے، پس جس مجتہد نے اس حکم کو پالیا وہ مصیب ہے، اور جو نہ پاسکا وہ مخطی ہے، چنانچہ یہی خیال چاروں اماموں (ابوحنیفہ، مالک، شافعی، احمد رضی اللہ عنہم)

هو الصحيح عندهم بل نقل الكرخي عن اصحابنا جميعا ولم يذكر القرافي عن مالك غيره وذكر السبكي انه الذي حرره اصحاب الشافعي عنه وقال ابن السمعاني ومن قال عنه غيره فقد اخطأ (ص ۳۰۶ جلد ۳)

کا ہے، اور سبکی نے لکھا ہے، کہ یہی رائے ائمہ اربعہ کے نزدیک صحیح ہے، بلکہ کرخی نے تو ہمارے تمام اصحاب (حنفیہ) سے یہی خیال نقل کیا ہے، اور قرآنی نے اس کے سوا امام مالک سے کوئی قول نقل نہیں کیا، اور سبکی نے ذکر کیا ہے، کہ یہی وہ قول ہے، جس کو امام شافعی رح کے اصحاب نے امام شافعی سے منقح کر کے لکھا ہے، اور ابن سمعانی نے فرمایا، کہ جس کسی نے امام شافعی رح سے اس کے سوا دوسرا قول نقل کیا ہے، اس نے خطا کی ہے۔

شیخ شمس الدین ابن القیم اعلام الموقعین میں لکھتے ہیں:-

وقد صرح الائمة الاربعة بان الحق في واحد من الاقوال المختلفة وليست كلها صوابا (ص ۱۳ ج ۳)

ان ائمہ اربعہ نے تصریح کی ہے، کہ اقوال مختلفہ میں سے ایک ہی قول حق ہوتا ہے، یہ نہیں، کہ سب کے سب قول درست ہوں (القاسم۔ بابت ماہ شوال ص ۹)

اہلحدیث اس جواب کی تشریح یہ ہے، کہ مجتہد اپنی نیت صالح کی وجہ سے چونکہ مستحق ثواب ہوتے ہیں، اس لئے ان کا قول اور خیال بھی حق ہے۔

تنقید عام طور پر اس سوال کا یہی جواب دیا جاتا ہے، مگر چونکہ مدرسہ دیوبند جیسے دار العلوم سے یہ جواب نکلا ہے، اس لئے جی چاہتا ہے، کہ اس جواب پر عالمانہ نظر کی جائے۔

نظر اول مجتہد کو نیت صالحہ سے ثواب ملتا ہے، لیکن اس سے اس کی غلط رائے کی صحت لازم نہیں آتی، غلط ہر حال میں غلط ہے، چنانچہ اسی اصول سے علماء اصول نے کہا ہے، اس کی مثال آج کل ہم کو عدالتوں میں بھی ملتی ہے، ماتحت عدالتوں کی اپیلیں روزانہ ہائی کورٹوں میں ہو کر بہت سی منظور بھی ہو جاتی ہیں، جس حاکم کے فیصلے کو غلط قرار دیا جاتا ہے، اس کو یہ نہیں کہا جاتا، کہ جتنا وقت تم نے اس فیصلے میں لگایا ہے، اتنے وقت کی تنخواہ تم کو نہیں ملے گی، تنخواہ بلکہ سفری بھتہ (الاؤنس) کے ساتھ سب کچھ ملتا ہے، لیکن مسل میں فیصلہ غلط لکھا جاتا ہے، ٹھیک اسی طرح مجتہدوں کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سے غلطی پر بھی ثواب ملتا ہے، مگر غلط آخر غلط ہے

پس جس طرح ایک حنفی کا حق ہے، کہ مسئلہ قرأت خلف الامام میں اپنے مذہب کو صحیح جانے اور شافعی کے مذہب کو غلط کہے، اسی طرح شافعی کا حق ہے، کہ مذہب حنفی کو غلط قرار دے، پس اصل سوال اس جواب سے مرتفع نہ ہوا، بلکہ اور مضبوط ہوا۔

نظر ثانی جس صورت میں ائمہ مجتہدین کی رائے میں غلطی کا امکان بلکہ کثرت سے وقوع بھی ہے تو پھر محض ان کا قول قابل سند نہ ہوا یعنی بعض مجتہد کی رائے سے فیصلہ کرنا صحیح نہ ہوگا، بلکہ معیار صداقت اس کے سوا قرآن و حدیث ہوگا، نہ فقط مجتہد کا قول، کیونکہ ممکنہ عامہ، ضروریہ کی نقیض ہوتا ہے، فافہم۔

پس سوال مذکور اٹھنے کے بجائے ترک تقلید کا سوال پیدا ہوگیا، کیونکہ مجتہد کا قول ممکن الغلط ہے اور ممکن الغلط اپنی غلطی رفع کرانے میں خود کسی دوسرے کا محتاج ہے، یہی معنی ہیں ؎

اصل دین آمد کلام اللہ معظم داشتن پس حدیث مصطفےٰ بر جان مسلم داشتن

(اہلحدیث ۶ ستمبر ۱۹۱۸ء)

مولود شریف پر اصولی بحث

قائلین مولود رسمی سے ہم کو ہمیشہ سے شکایت ہے، کہ وہ اس فعل کے جواز پر کوئی شرعی دلیل نہیں رکھتے نہ پیش کرتے ہیں، گو مذہب تقلید میں کسی دلیل کا پیش کرنا ان کا حق بھی نہیں، کیونکہ دلیل پیش کرنا مجتہد کا کام ہے مقلد کا نہیں، چنانچہ کتب اصول فقہ میں صاف صاف الفاظ میں لکھا ہے، کہ مقلد کا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے امام کا قول پیش کرے، کسی مسئلہ پر از خود استدلال کرنا اس کا حق نہیں، جیسا کہ مسلم الثبوت کے الفاظ یہ ہیں۔ اما المقلد فمستندہ قول مجتہدہ لا ظنہ (مقلد کا اعتماد اپنے امام کے قول پر ہے، نہ اپنے ظن پر)

تاہم بعض دفعہ ہمارے احناف دوست اپنے کسی نہ کسی مسئلہ پر دلیل لایا کرتے ہیں، چنانچہ اہلحدیث مورخہ ۲۰ ربیع الاول، مطابق چار جنوری ۱۹۱۸ء میں ایک مضمون شائع ہوا تھا جس کی سرخی تھی "مولود شریف کا ثبوت بطرز عجیب" اس میں رسالہ شمس العلوم بدایوں کے ایک مضمون کا جواب دیا گیا تھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ چونکہ علم اصول فقہ کا مسئلہ ہے، کہ افعال اصل میں جائز ہیں، جب تک کوئی دلیل اس کے خلاف نہ ہو، اس کا جواب دیا گیا تھا کہ یہ اصول اشیاء کے متعلق ہے، افعال شرعیہ کے متعلق نہیں، جس پر ثواب کی امید کی جائے، کیونکہ اگر اس اصول کو ایسا جاری کیا جائے، تو کوئی فعل بدعت نہ رہ سکے گا، ہر ایک بدعتی اپنی بدعت پر اسی مسئلہ اصولی سے استدلال کرے گا۔

اس تقریر پر ایک اعتراضی[1] مضمون آیا ہے، جس کا خلاصہ دو لفظوں میں ہے، کہ اس اصول کو اشیاء سے

---

[1] معترض جناب حافظ محفوظ الحق صاحب نائب اڈیٹر رسالہ شمس العلوم بدایوں۔ ۱۲

مخصوص کرنا کس کتاب میں لکھا ہے، اس لئے مناسب ہے، کہ ہم اس اصول کی پوری وضاحت کتب اصول فقہ سے دکھا دیں، علم اصول کی مسلمہ درسی کتاب مسلم الثبوت میں مرقوم ہے، کہ سوائے ان افعال کے جو شرع کی طرف سے فرض ہیں ان اصل الافعال الاباحۃ کما ھو مختار اکثر الحنفیۃ والشافعیۃ او الحظر کما ذھب الیہ غیرھم (باب الحکم) واجب، سنت، مستحب یا حرام، مکروہ وغیرہ ہیں، باقی افعال میں اختلاف ہے، اکثر حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک وہ افعال مباح ہیں، اور دیگر علماء کے نزدیک تاوقتیکہ شرع اجازت نہ دے، تمام ایسے افعال حرام ہیں، ہم نے ان افعال کی بابت لکھا تھا، کہ کھانے پینے کے متعلق ہیں، جس پر ہمارے دوست کو سوال پیدا ہوا ہے

ہمارے خیال میں اس اعتراض کے دفعیہ کی کوئی اہم ضرورت نہیں، کیونکہ یہ اصول اشیاء خوردنی سے متعلق ہو یا افعال کے بہرحال دیکھنا یہ ہے، کہ فی نفسہ اس کا مطلب کیا ہے، تاہم میں اپنے دوست کو شرح مسلم خیرآبادی (ص۹) دیکھنے کی تکلیف دیتا ہوں، جہاں یہ لفظ ہیں فحینئذ لابد من القول بتحریم الاشیاء کلھا۔

مگر چونکہ میں اس بحث کے اس حصہ کی زیادہ اہمیت نہیں سمجھتا، اس لئے میں نفس مضمون پر آتا ہوں اور اپنے مخاطب کو اجازت دیتا ہوں، کہ وہ جی کھول کر اسی مسئلہ پر نہیں، جس مسئلہ پر چاہیں، بپابندی علوم عقلیہ و نقلیہ رسالہ "شمس العلوم" اور اہلحدیث میں ہم سے رد و سخن کر سکتے ہیں، ہمارے خیال میں اہل علم کو ان علوم کی قدر کرنی چاہیئے، یہ علوم دراصل خادمان شریعت ہیں، مگر جن لوگوں نے محنت سے ان علوم کو حاصل نہیں کیا، وہ کسی خاص فرقے سے تعلق رکھتے ہوں، ان علوم سے متنفر ہیں، لیکن ان لوگوں کے تنفر کی وجہ ان کی بے خبری ہے، اور بس۔

خیر بعد اللتیا والتی اس اصول کا مطلب یہ ہے، کہ جو افعال متعلق کھانے پینے کے ہوں، یا کسی حرکت و سکون کے ہوں، جن کی بابت شریعت میں حکم یا منع نہیں آیا، وہ اکثر حنفیہ کے نزدیک مباح ہیں، جس کی مثال ہم نے دی تھی، کہ شلغم کے کھانے کی بابت کوئی حکم یا منع نہیں، اس لئے اس کا کھانا مباح ہے اب دوسری مثال نقل کرتے ہیں، کہ صبح و شام سیر کرنے کی بابت حکم یا منع نہیں، اس لئے مباح ہے، لیکن یہ اصول ان افعال سے متعلق نہیں ہوگا، جن پر فاعل کسی قسم کا ثواب مد نظر رکھے، اس کا ثبوت شرع سے ملنا چاہیئے

اب ہم اس اصول کا دوسرا پہلو دکھاتے ہیں، ہمارے دوست اور مدارس کے عام طلباء اس اصول کا یہی پہلو دیکھے ہوئے ہیں، اس لئے اسی کو صحیح جان کر ہمیشہ اسی کو پیش کیا کرتے ہیں، لہذا دوسرا پہلو بھی روشن کرنا ضروری ہے، جس سے یہ تمام جھگڑے ہی مٹ جائیں، کشف المبہم شرح مسلم لکھا ہے:۔

والصحیح ان الاصل فی الافعال التحریم وھو مذھب علی وائمۃ من اھل البیت ومذھب الکوفیین منھم ابو حنیفۃ وفی التفسیر الاحمدی الاصل عند الجمھور الحرمۃ والحنفیہ وعند الشافعی الاصل ھو الحرمۃ فی کل حال وفی الاشباہ نسبھا الشافعیۃ الی ابی حنیفۃ (ص۲۴) یعنی صحیح مذہب یہ ہے، کہ افعال میں حرمت ہے، اور حضرت علی اور ائمہ اہل بیت اور کوفی علماء کا یہی مذہب ہے، انہی میں سے امام ابو حنیفہ ہیں تفسیر احمدی میں مذکور ہے، کہ جمہور کے نزدیک افعال میں حرمت ہے، اسی میں مذکور ہے، کہ امام شافعی کے نزدیک بھی افعال میں حرمت ہے، اور کتاب اشباہ میں مذکور ہے، کہ کتاب اشباہ میں مذکور ہے، کہ شافعیہ نے اس مذہب کو امام ابو حنیفہ کی طرف نسبت کیا ہے۔

اس اصول سے مطلع بالکل صاف ہوگیا، کہ کوئی فعل بھی تا وقتیکہ شرع شریف سے اس کا ثبوت نہ ہو جائز نہیں ہے۔

چونکہ اس اصولی مسئلہ میں اختلاف ہے، اس کے فیصلے کے لئے ایک اور قانون ہے جو صاحب رد المحتار شامی کے الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے۔ اذا تردد الحکم بین سنۃ وبدعۃ کان ترک السنۃ راجحا علی فعل البدعۃ (جلد اول مصری ص ۴۵۰) یعنی جب کسی حکم کی سنیت اور بدعیت میں اختلاف ہو، تو احتیاطا اس فعل کا ترک کردینا راجح اور اولےٰ ہے۔

پس اصول اول کے لحاظ سے مولود رسمی کے کار ثواب ہونے کا ثبوت بذمہ فاعلین ہے، اور اصول دوم کی بناپر اس کے جواز کا ثبوت بھی نہیں ہوسکتا، ہمارے مخاطب کو یاد رکھنا چاہیئے، کہ امام ابو حنیفہ کس طرف ہیں، گو حسب روایت صاحب مسلم اکثر حنفیہ کا مذہب اول ہے، مگر حسب روایت کشف المبہم امام ابو حنیفہ صاحب کا مذہب ان کے برخلاف حرمت کا ہے۔

پس ہمارے مخاطب کا بحیثیت حنفی ہونے کے وہی مذہب ہونا چاہیئے، جس کا نقشہ امیر خسرو مرحوم نے یوں بتایا ہے ؎

بے چارہ خسرو خستہ را خون ریختن فرمودہ اند عالم ہمہ یک طرف آن شوخ تنہا یک طرف

اور آخری فیصلہ کی بنا پر بھی رسمی مولود کا نہ کرنا کرنے سے اچھا ہے (اہلحدیث ۱۵ فروری ۱۸ئ‍)

فتویٰ بابت افطار صوم

انطار غروب شمسی کے ساتھ ہی ہونا چاہیئے، تمام اہل اسلام کا اسی پر عمل درآمد ہے، جب آفتاب

غروب ہو جائے، تو پھر تاخیر کرنے کی ضرورت نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے، کہ میری امت میں ہمیشہ بھلائی رہے گی، جب تک افطار میں تعجیل کریں گے، یہ ظاہر بات ہے، کہ بعد نماز کے افطار کرنے میں تاخیر ہے، اور تاخیر میں بھلائی نہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقبل اللیل من ھھنا وادبر النھار من ھھنا و غربت الشمس فقد افطر الصائم (مشکوٰۃ) اس سے صاف معلوم ہوتا ہے، کہ غروب شمس کے ہوتے ہی افطار ہونا چاہیئے۔ واللہ اعلم بالصواب (عبد التواب غزنوی ثم العلیگڑھی)

اور یہ قول کہ مغرب کی نماز دن کی نماز ہے، اور دن اس وقت تک ہے، جب تک کہ سیاہی سر پر نہ آجائے، اور جب سیاہی سر پر آجائے، اس وقت سے رات شروع ہوتی ہے، صحیح نہیں ہے اس لئے کہ مغرب کی نماز کا وقت غیبوبت شفق تک یقین سے ہے، اور غیبوبت شفق سر پر سیاہی آجانے سے بہت پیچھے ہوتی ہے، پس اگر مغرب کی نماز دن کی نماز ہے، تو اگر کوئی شخص مغرب کی نماز سر پر سیاہی آجانے کے بعد اور غیبوبت شفق سے پہلے پڑھ لے، تو حسب قول مذکور اس کی یہ نماز خارج از وقت ہو جائے گی، حالانکہ یہ کہنا بالکل غلط ہے، کہ یہ نماز خارج از وقت ہوئی، کیونکہ نماز مغرب کے وقت کے غیبوبت شفق تک ہونے میں کوئی شبہ ہے، اور یہ نماز خارج از وقت نہیں ہوئی، پس ثابت ہوا، کہ نماز مغرب رات کی نماز ہے نہ دن کی، اور یہ کہ رات غروب آفتاب ہوتے ہی شروع ہو جاتی ہے جب کہ حدیث مذکورۃ الصدر سے بخوبی واضح ہے، اور جب رات آفتاب غروب ہوتے ہی شروع ہو جاتی ہے، تو افطار آفتاب غروب ہوتے ہی ہونا چاہیے، جیسا کہ جملہ فقد افطر الصائم سے واضح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ کتبہ محمد عبد اللہ۔

(صاب من اجاب۔ عبد الوہاب العبد عبد الرشید۔ جواب صحیح ہے (ابو الوفا ثناء اللہ امرتسری) بہت درست۔ عبد اللہ جوناگڑھی۔ الجواب صحیح۔ سید محمد داؤد غزنوی، جواب باصواب ہے قاضی محمد عبد الرحیم کان اللہ لہ خادم باقیات الصالحات کرنول۔ الجواب صحیح والرای نجیح عبد الحی غفر اللہ لہ حیدرآبادی۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ارشاد فرماتا ہے، جہاں غایہ اور مغیا دو مختلف الاجناس ہوں، تو حکم میں غایت داخل نہیں ہوتی، دن اور رات دو مختلف اجناس ہیں، اس لئے حکم صیام میں غایت (لیل) داخل نہیں ہوگی، پس رات کا کوئی حصہ بھی دن میں داخل نہیں ہونا چاہیئے، چنانچہ حدیث شریف (جو اوپر ذکر کی گئی ہے) وہ اس امر کی تشریح کر دیتی ہے، اور جہاں غایت مغیا کی جنس سے ہو،

تو غایت حکم میں داخل رہے گی، جیسے فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ، یہاں پر کہنیاں چونکہ ہاتھ کی جنس سے ہیں۔ اس لئے وہ غسل میں داخل رہیں گی سائل نے جو اخبار میں سوال اٹھایا ہے اس نے غایت اور مغیا کے احکام جو متعلق مختلف الاجناس اور متحد الاجناس ہیں، اس پر غور نہیں کیا ہے اس لئے اس نے ایک کو دوسرے پر قیاس کر لیا ہے، جو قیاس مع الفارق ہے، فقط

(ابو البرکات عبید اللہ حیدر آباد دکن) الجواب صحیح۔ فقط۔ محمد مسلم عفی عنہ

سفیر اہلحدیث کانفرنس دہلی، واناپوری، عظیم آبادی

صحیح بخاری میں آیا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے واپس تشریف لا رہے تھے، اور صائم تھے، کہ بوقت غروب آفتاب فوراً ہی بلال رضہ سے فرمایا انزل فاجدح لنا (یعنی اترا اور ستو گھول) بلال رضہ نے کہا ان علیك نھارا (یعنی ابھی تو دن ہے) فرمایا اترا اور ستو گھول، اور فرمایا۔ اذا غربت الشمس من ھھنا الخ اس پوری حدیث پر نظر ڈالنے سے صاف ثابت ہوتا ہے، کہ وقت افطار کا آفتاب کے غروب کے ساتھ ہی ہو جاتا ہے، جس پر دن ہونے کا شبہ کیا گیا، موطا میں جو اثر حضرت عمر و عثمان سے مروی ہے، کہ وہ بعد مغرب افطار کرتے تھے، علامہ زرقانی نے اس کی شرح میں مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت نقل فرمائی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم افطار کر کے نماز مغرب ادا فرماتے، پس حدیث مرفوع نص صریح کے ہوتے ہوئے حدیث موقوف یعنی فعل عمر رضہ و عثمان رضہ حجت نہیں ہو گی، جس پر اہلحدیث و حنفیہ کا اتفاق ہے، اللہ اعلم، کتبہ محمد ابو القاسم انصاری، مرسلہ عبد الحی گلبرگہ (۲۵ رمضان ۳۶ھ)

اخبار الفقیہ میں فتویٰ

ایک شخص سوال کرتا ہے، کہ بزرگوں کی خانقاہوں کی تعمیر کا رواج ہے، کیا اولیاء کے مزارات پر روضے و محل بنانے میں اسراف ہے یا نہ؟ (اخبار الفقیہ ۲۰ جولائی ۲۱ء)

جواب میں فرماتے ہیں، کہ:۔

"اولیاء و علماء و سادات کی قبروں پر روضے یا محل بنانے میں ان کی دینی عزت اور زائرین کی آسائش و راحت اور زائد عبرت مقصود ہوتی ہے، اور کہ نیک اعمال کا آخری نتیجہ یہی ہے والعاقبۃ للمتقین"

(اخبار الفقیہ، ۲۰ جولائی ۲۱ء)

مفتی صاحب۔ تو قبروں پر روضے اور محل بنانے جائز بتاتے ہیں، لیکن ہم یہی فتویٰ نبی صلی اللہ

علیہ وسلم سے دریافت کرتے ہیں، کہ آپ کا اس میں کیا ارشاد ہے۔ عن جابر رضی اللہ تعالی عنہ قال نہیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبر وان یقعد علیہ وان یبنی علیہ رواہ مسلم۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ منع فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گچ کرنے قبر کے سے، اور اس پر بیٹھنے سے، اور اس پر عمارت بنانے سے اور یہ بات ظاہر ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا منع کرنا اپنی مرضی سے نہ تھا، بلکہ ماینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی عین حکم خداوندی تھا، اور امت محمدیہ کو پہلے ہی اطلاع دی کہ ما نھاکم عنہ فانتھوا جس کام سے حضور علیہ السلام تمہیں منع فرمادیں، اس سے باز رہو۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر روضے اور مکان بنانے سے منع فرما دیا ہے، تو اب کون شخص ہے، جو اس کے جواز کا فتوے دے، بجز اس کے جواب کا بجا مخالف ہو، اگر آج حضرت علی اس فتوی کو دیکھتے، تو فرماتے "او دشمن رسول مجھ کو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا، کہ لا تدع قبرا مشرفا الا سویتہ نہ چھوڑ کسی بلند قبر کو مگر کہ برابر کردے" اور تو فتوی دیتا ہے، کہ قبروں پر روضے اور محل بنانے جائز ہیں، پھر حضرت علی رضہ ایک خادم کو حکم دیتے ہیں، کہ جا جو اونچی قبر تجھے نظر آئے، اسے فوراً گرا کر زمین کے برابر کردے، آج بھی اگر کوئی حضرت علی رضہ کا سچا خادم ہے، تو اس بات پر کمر باندھ کر سب قبروں کے روضے اور مکان گرانے شروع کردے، اگر گرا نہیں سکتا، تو دل سے ضرور ہی اس کو برا سمجھے، ورنہ اس کا ایمان ضعیف ہے ؎

ایہ اپے مذشوالیاں جیڑے کس جائز فرمائے حضرت کہیا قبراں تائیں گچ نہ کیتا جائے

ایسے مفتیوں کو کچھ بھی خدا کا خوف نہیں آتا، کہ صریح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت سے نہیں ڈرتے، ایک دفعہ حضرت ابن عمر رضہ نے جابر بن زید رضہ سے کہا، کہ تم بصرے کے فقیہوں میں سے ہو، فلا تفت الا بقران ناطق او سنۃ ماضیۃ فانک ان فعلت غیر ذلک ھلکت و اھلکت بس نہ فتوی دینا بجز قرآن ناطق اور حدیث صریح کے، ورنہ خود ہلاک ہو گے، اور اوروں کو ہلاک کرو گے۔

آہ! اگر ابن عمر رضہ یہ فتوے دیکھتے، تو ضرور کہتے او مفتی! تو خود ہلاک ہوا، اور لوگوں کو ہلاک کیا، کہ صریح حدیث کو چھوڑ کر اپنی رائے پر فتوی دیا ہے۔

اور امام ابو حنیفہ کہا کرتے تھے۔ ایاکم والقول فی دین اللہ تعالیٰ بالرای وعلیکم باتباع السنۃ فمن خرج عنھا ضل (میزان شعرانی) کہ لوگو، بچو اس بات سے، کہ کہو اللہ کے دین

میں کوئی بات اپنی رائے سے، اور لازم پکڑو اپنے پر پیروی سنت (حدیث) کی، پس جو شخص اس سے نکل گیا، یعنی حدیث کو چھوڑ کر اپنی رائے پر چلا، وہ گمراہ ہو گیا۔

اگر امام صاحب یہ فتوی دیکھتے، تو فرماتے او مفتی! میں نے تو حکم دیا تھا، کہ حدیث کو چھوڑ کر رائے پر مت چلنا، اب تو نے صریح حدیث کو چھوڑ کر اپنی رائے پر فتویٰ دیا، اب وقت ہے، کہ تو توبہ کرے، ورنہ تو گمراہ ہو گیا،

اولیاء اللہ کی قبروں پر بلند مکان بنانا، اور چراغ جلانا بدعت اور حرام ہے کما ددنی ما بینا ہ من الاحادیث۔ خاکسار۔ نور حسین، مستری، گھرجاکھی، ضلع گوجرانوالہ۔

(اہلحدیث ۱۹ راگست ۱۹۲۱ء)

ایک سوال قابل جواب

فضیلت مآب مولانا مولوی صاحب، دام برکاتہ

بعد از سلام مسنون واضح رائے عالی باد کہ ایک ضروری مسئلہ کی بابت آپ کو تکلیف دیتا ہوں، امید ہے، کہ آپ تکلیف گوارا فرما کر اس مسئلہ پر روشنی ڈالیں گے، اور بذریعہ علیحدہ والانامہ جواب سے مشکور فرما کر میری تسلی فرمادیں گے، بلکہ ضرور درج اخبار بھی فرمادیں گے مسئلہ زیر بحث حسب ذیل ہے میرا عقیدہ اور عمل قرآن شریف اور احادیث پر عمل کرنے کا ہے، اور احادیث بھی وہ جو کہ آیات قرآنی کے موافق ہوں، اور جن کی تائید قرآن شریف میں موجود نہ ہو، اس پر میں عمل کرنا نہیں چاہتا، خواہ علماء نے اس کو صحیح حدیث ہی قرار دیا ہو، کیونکہ میں صحیح حدیث کے پرکھنے کا معیار صرف قرآن شریف ہی کو سمجھتا ہوں

اس ضمن میں ایک بڑی بھاری بات کو پیش کرتا ہوں، وہ یہ ہے، کہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے قریب یا اس سے کچھ عرصہ پہلے امام مہدی صاحب آئیں گے، اور یہ کریں گے اور وہ کریں گے، اور جو ان پر ایمان نہ لائے گا، وہ کافر اور مرتد کے درجہ تک پہنچے گا، یعنی جہالت کی موت مرے گا، آپ خیال فرما سکتے ہیں، کہ یہ کس قدر باریک مسئلہ ہے، جس پر قریباً دین کا دار و مدار ہے، اور اس کا ذکر تک قرآن مجید میں نہیں ہے، یا تو اس پر عمل درآمد کو جزو ایمان تصور کرنا چاہیے، اگر جزو ایمان تصور کیا جاوے، تو اس کا ذکر بھی قرآن شریف میں آنا ضروریات سے ہونا چاہیے، کیونکہ الیوم اکملت لکم دینکم تو تب ہی ہو سکتا ہے کہ کوئی ایسا ضروری امر تنازع

اور شک میں نہ رہے، میرا تو اپنا یہ خیال ہے، کہ قرآن شریف ایک جامع کتاب ہے، اس میں سب کچھ آچکا ہے، یہ ایک بات ہے، کہ میں یا میرے جیسے لاعلم اس کے مفہوم کو بوجہ نالیاقتی نہ سمجھتے ہوں، امید ہے، کہ آپ مسئلہ بالا کو درج اخبار فرما کر میری تسلی فرمادیں گے۔

(ناچیز سید جلال گیلانی، نائب تحصیلدار، داتوں جنوبی وزیرستان)

ایڈیٹر آپ کا یہ فقرہ "جو حدیث قرآن کے موافق ہو" تشریح طلب ہے، موافق سے مراد اگر یہ ہے، کہ جو مضمون قرآن میں ہے، وہی حدیث میں ہو، اس کا تو کوئی مطلب ہی نہیں، کیونکہ اس سے حدیث بجائے خود کوئی چیز نہ ہوئی، پھر یہ کہنا کہ میں قرآن وحدیث کا پابند ہوں کچھ معنے خیز فقرہ نہیں، اگر اس فقرہ زیر خط سے یہ مراد ہے، کہ جو مضمون قرآن مجید میں ہو، حدیث اس کی مخالف ہو، تو یہ مطلب ٹھیک ہے، حدیث مخالف تاویل پذیر ہوگی یا متروک، اس فقرہ کی تشریح کو سوال کے حل ہونے میں بہت دخل ہے۔

قرآن مجید پر تدبر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ قرآن کے سوا نبی کے جملہ اقوال (بشرط صحت ثبوت) حجت اور واجب العمل ہیں، صحابہ کرام ان دونوں کی تعمیل میں سر مو فرق نہ کرتے تھے، ہاں جو صحابہ خدا داد مزید فہم رکھتے تھے، وہ دونوں میں تطبیق دینے کی کوشش کرتے تھے، حضرت ام المومنین رئیسۃ المجتہدین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وعن ابیہا کو اس میں خاص مذاق تھا، کوئی حدیث خواہ زبان الہام ترجمان نبی علیہ السلام سے سنیں، فوراً قرآن کے مضامین پر ان کی نظر پڑتی، اور جب تک تطبیق نہ دلوالیں چین سے نہ بیٹھیں، سماع موتی اور حسابا یسیرا وغیرہ واقعات مشہور ہیں، ایسا ہی آپ کا یہ فقرہ "حدیث صحیح کے پرکھنے کا معیار صرف قرآن شریف ہی کو سمجھتا ہوں" بھی تشریح طلب ہے۔

قرآن مجید، حدیث کا مصداق ہو، کیا معنے؟ اس مضمون کی کھلے لفظوں میں تائید کرتا ہو، یا یہ معنی کہ اس مضمون کی تردید نہ کرتا ہو، آپ چونکہ مجسٹریٹ ہیں، اس لئے آپ کو قانونی اصطلاح کی طرف توجہ دلاتا ہوں، ایکٹ اور قانون میں جو نسبت ہے، یہ آپ کے خیال میں موافقت کی ہے یا مخالفت کی، دوسری صورت تو آپ نہیں کہیں گے، ورنہ قانون کو رد کرنا پڑے گا، ایکٹ ایک مجمل بیان ہوتا ہے، قانون اس پر مبنی، مگر حرف بحرف آپس میں ایک نہیں ہوتے، اسی طرح قرآن اور حدیث میں مطابقت ماننے سے سوال حل ہوسکتا ہے، یہی مذہب ہے امام شافعی کا (ملاحظہ ہو اتقان)

اس اصول سے امام مہدی کا سوال یوں حل ہوسکتا ہے، کہ قرآن مجید میں اس کا ذکر مجمل بہت اجمال سے یوں آیا ہے۔ وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ أُولَٰئِكَ الْمُقَرَّبُونَ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ (ترجمہ) نیک کاموں میں بڑھنے والے خدا کی رحمت کی طرف بڑھیں گے، وہی خدا کے مقرب ہوں گے نعمتوں کے باغوں میں، ایسے لوگ پہلے طبقے سے بہت اور پچھلے سے کم ہوں گے۔

اس آیت میں یہ بتلایا ہے، کہ پچھلے لوگوں میں بھی بعض لوگ پہلے لوگوں کے مشابہ ہوں گے اسی مضمون کی تفسیر حدیث میں یوں آئی ہے، کہ اس (پچھلے) زمانہ میں ایسے ایسے امام پیدا ہوں گے، جن کے اثر صحبت سے لوگ ہدایت پائیں گے۔

رہا یہ کہ امام مہدی کا ماننا جزو ایمان ہوگا یا نہیں، یہ ایک ایسا سوال ہے، کہ نہ قرآن میں اس کا ذکر ہے نہ حدیث میں، ہاں قرآن نے اپنے مذاق کے مطابق اس کا مختصر ذکر یوں فرمایا ہے۔

كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ. یعنی اے مسلمانو! صادقین کا ساتھ دیا کرو، اور ساتھ ہوا کرو۔

پس جس شخص کو ہم دین کی کوشش میں صادق پائیں، ہمارا فرض ہے، کہ اس کا ساتھ دیں، اسی کلیہ میں امام مہدی کی اطاعت اور اعتقاد بھی شامل ہے۔ پس آپ کا یہ اعتقاد کہ "قرآن شریف ایک جامع کتاب ہے، اس میں سب کچھ آچکا ہے" بتشریح بالا بالکل صحیح ہے، خدا تعالیٰ آپ کو اس پر قائم رکھے، اور ہم سب کو اسی پر مارے۔ آمین (اہلحدیث امرتسر ۴ ار رمضان ۱۳۳۳ھ)

علمائے اہل سنت سے ایک ضروری سوال

قابل توجہ ایڈیٹر صاحب "اہلحدیث"

بگرامی خدمت فخر جماعت اہلحدیث جناب مولانا مخدومنا دام الطافکم، السلام علیکم، التماس ہے، کہ مندرجہ ذیل سوال، بالضرور اخبار گوہر بار اہلحدیث کی قریب ترین اشاعت میں شایع کر کے مشکور وممنون فرماویں۔

ہمارے عنایت فرما جناب حکیم سید محمد حسین صاحب نے جو کہ مذہب شیعہ سے پوری واقفیت رکھتے ہیں، ایک روز کتاب عطر ایمان مصنفہ سید سجاد حسین صاحب بارہوی کی خاکسار کے سامنے پیش کی، کتاب عطر ایمان میں یہ عبارت موجود تھی، کہ مذہب اہل سنت میں بہ مثل صدیق وفاروق، یزید ابن معاویہ کو خلیفہ رسول مانا گیا ہے، بلکہ من بعض الوجوہ اس کی خلافت شیخین سے افضل ہے، اور مذہب اہل سنت کبھی صحیح نہیں ہو سکتا، جب تک کہ یزید کی خلافت کا اعتقاد نہ کریں، اس وحشت ناک وحیرت انگیز بات کے دیکھتے ہی طبیعت میں ایک طغیان پیدا ہوا، اگر یہ دعویٰ صحیح کیا ہے، تو اصلیت پر مطلع کیجیے

اور علاوہ اس بات کے کتب اہل سنت سے حوالہ دیتا ہوں، جو کہ ایک سوال کی صورت میں ناظرین کیخدمت میں پیش کرتا ہوں، حضرات علمائے دین کی خدمت باسعادت میں گذارش کرتا ہوں، کہ براہ دینداری و منصب ہدایت امور ذیل کا اطمینان بخش جواب مرحمت فرماویں۔

حدیث مندرجہ بخاری شریف۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یزال امر الناس ماضیا ما ولیھم اثنی عشر رجلا کلھم من قریش۔ ترجمہ صواعق محرقہ کے ص۳ پر لکھا ہے کہ تمام صحاح اور خصوص مسلم و بخاری میں لکھا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا یزال ھذا الامر عزیزا ینصرون علی اعدائھم مادام علیہ اثنی عشر خلیفۃ کلھم من قریش، ہمیشہ ایں امر اسلام غلبہ و نصرت می یابد بر ہر کسے کہ بہ ایشاں دشمنی کند برامر خلافت تا دوازدہ خلیفہ کہ جمیع ایشان از قریش باشند، سوائے ازیں دیگر مقامات پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ خلفاء کی بشارت دی ہے:۔

ان الامر لا ینقضی حتی یمضی فیھم اثنا عشر خلیفۃ (ص۲۳ سطر اول ترجمہ صواعق)

لا یزال الاسلام عزیزا۔۔۔۔ الی اثنا عشر خلیفۃ (ص ۲۳ سطر ۲)

لا یزال امتی قائما حتی یمضی اثنی عشرۃ خلیفۃ کلھم من قریش (ص ۲۳ سطر ۴)

لا یزال امتی قائما حتی یکون علیکم اثنی عشر خلیفۃ کلھم یجتمع علیہ الامۃ (ص ۲۳ سطر ۴)

اما ابن مسعود رضی اللہ عنہ بسند حسن مروی ست کہ از وے سوال کردند، چند خلیفہ مالک ایں امارت خواہند شد، گفت از رسول پرسیدم، فرمودہ اثنی عشر کعدد نقباء بنی اسرائیل، یعنی دوازدہ کس خلیفہ خواہند شد مثل عدد نقباء بنی اسرائیل (صفحہ ۲۳ سطر ۱۰)

مطلب ان جملہ احادیث موصوف الصدر کا یہ ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بعد ہمارے بارہ خلیفہ ہوں گے، جب تک وہ ختم نہ ہولیں گے، قیامت نہ آئے گی، سب کے سب پاک و ابرار دین خدا کی مدد کرنے والے ہوں گے، ان کی تعداد ہم عدد نقباء بنی اسرائیل ہوگی۔

شیخ ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں بہ صفحہ ۶۔۱۷ بڑی طولانی عبارت لکھتے ہیں، جس کا ماحصل یہ ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا، کہ بعد ہمارے بارہ خلیفہ ہوں گے ان کے باب میں قاضی عیاض کی رائے نہایت صحیح اور برسر صواب ہے، اور وہ یہ ہے، کہ پہلے سب آدمیوں نے اجماع کیا خلیفہ اربعہ پر پھر بوقوع حکم حکمین (رنجایت میان حضرت علی رض و امیر معاویہ رض) معاویہ رض خلیفہ ہوئے اور

بعد صلح امام حسن رضؓ امیر معاویہ رضؓ پر تمام امت جمع ہو گئی، ہاں بعد یزید پر اتفاق اہل اسلام ہوا مگر حسین بن علی رضؓ کے واسطے کسی مسلمان نے خلافت نبوی کو تجویز نہیں کیا، ابن زبیر رضؓ کے قتل ہو جانے پر عبد الملک بن مروان خلیفہ باجماع امت ہوا، پھر اس کے چار بیٹے خلیفہ ہوئے، جو کہ خلفائے مروانی کہے جاتے ہیں، پس ازاں ہشام و سلیمان و یزید ثانی مسند آرائے امامت ہوئے، خلفائے اربعہ کے بعد یہ سات کس خلیفہ ہوئے، بارہواں یزید بن عبد الملک ہے، ان کے بعد پھر اس نوع کا اجماع کسی پر نہیں ہوا، جا بجا فتنہ و فساد ہو کر طائفۃ الملوکی شروع ہو گئی، امن و امان اٹھ گیا

ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں حسب عقیدہ بالا تحریر فرمایا ہے، شرح فقہ اکبر کے صفحہ ۸۲ پر بھی یہی نام درج ہیں، کنز العمال مؤلفہ علی متقی کی جلد ششم کتاب الفتن مطبوعہ مطبع نظامیہ حیدرآباد کے صفحہ ۶۲ پر بھی یہ مضمون لکھا ہے، شرح عقائد نسفی کے صفحہ ۱۰۲ پر عجیب مضمون نقل ہوا ہے ابو شکور سلمی کہتے ہیں فاما یزید بن معاویۃ قال بعض الناس خلافتہ کانت باستخلاف معاویۃ وتبعہ المسلمون عن اصحابہ وغیرھم من طریق القیاس ان طاعتہ کانت واجبۃ علی الحسین وجمیع المسلمین، یہ تقریر قاضی عیاض کی توجیہہ متذکرہ بالا سے ملتی جلتی ہے، یعنی جب کہ معاویہ کے خلیفہ مقرر کرنے سے یزید کی خلافت کو سب نے تسلیم کر لیا، تو کل اہل اسلام اور حسین بن علی رضؓ پر اس کی اطاعت واجب ہو گئی۔

مرزا حیرت دہلوی کرزن گزٹ میں لکھتے ہیں:۔ یزید کو مجرم قتل قرار دینے سے صحابہ کرام رضؓ پر بڑا اعتراض وارد ہوتا ہے، کیونکہ اکثر صحابہ نے اس کو امام جائز الاطاعت سمجھ کر بیعت کر لی تھی، اور کبھی اس کو نہیں توڑا، مرتے دم تک اسی عقیدہ پر قائم رہے

جناب مولوی خلیل احمد صاحب مدرس مدرسہ سہارنپور نے ہدایات الرشید کے صفحہ ۶۰۱ پر مفاد احادیث وہی تحریر فرمایا ہے، جس کو اوپر سے لکھتا چلا آرہا ہوں، آپ فرماتے ہیں، جس قدر اوصاف ائمہ دوازدہ گانہ کے بیان ہوئے ہیں، ان سب کا حال یہ ہے، کہ اس خلافت کو قوت و شوکت ہو گی، اور اس میں اضطراب و تزلزل و وقوع فتن نہ ہوگا، وہ اپنے اعداء پر غالب رہیں گے، اور بمقابلہ ان کے کفار مغلوب و منکوب ہوں گے۔

جملہ عبارت مندرجہ بالا کا نتیجہ یہ ہوا، کہ یزید خلیفہ جائز تھا، اصحاب رسول نے اس کو مجتمع ہو کر امام امت مان لیا تھا، اور ایک جائز و ذی حق خلیفہ امیر معاویہ رضؓ نے اس پر احکام استخلاف جاری فرمائے، حضرات علمائے کرام فرض منصبی سمجھ کر امورات ذیل کا جواب مرحمت فرمائیں۔

(۱) یہ کہ جو حوالہ کتب دیئے گئے ہیں یہ صحیح ہیں یا غلط؟

(۲) بصورت صحت اب اسلام ہے، اور ہم مسلمان کہنے کا حق رکھتے ہیں، کیونکہ احادیث میں یہ الفاظ ہیں، یہ دین زائل نہ ہوگا، جب تک بارہ خلیفے نہ ہولیں، ہر گاہ بارہ کی تعداد آخر صدی اول یا شروع صدی دوم میں ختم ہوگئی، تو اسلام کہاں رہا، اگر بقاء اسلام کا اعتقاد کیا جائے، تو ارشاد نبوی میں تناقض لازم ہے۔

(۳) توضیح مفاد حدیث میں کہا گیا ہے، کہ ان بارہ کے اوقات حکومت میں فتنہ برپا نہ ہوگا، پس امام بخاری ومسلم نے اپنی اپنی کتابوں میں الواب مسمی بہ فتن کیوں قائم کئے، اور خلیفہ ثالث کا قتل فتنہ سے ہوا یا امن وامان سے۔ والسلام (خریدار اہلحدیث نمبر ۳۲۵۵۔ قادر بخش، ریاست بھرتپور)

ایڈیٹر ان حدیثوں کے سمجھنے کے لئے خلیفہ کے معنوں پر غور کرنا مقدم ہے، شیعہ نے اپنے ذہن میں جما رکھا ہے، کہ منصب خلافت مثل منصب نبوت ہے

(اخبار ذوالفقار، لاہور ۵ رمئی ۱۷ء)

اس لئے وہ ہمیشہ اس جستجو میں رہتے ہیں، کہ خلیفہ میں کوئی امر خلاف شرع نہ پایا جائے، مگر اہل سنت کے نزدیک یہ بنا غلط ہے، اہل سنت کہتے ہیں، نبی کو جو تعلق خدا کے ساتھ ہوتا ہے، وہ کسی دوسرے کو نہیں ہونا چاہیئے خلیفہ ہو یا غیر خلیفہ، نبی محل وحی اور پیام خدا کا براہ راست مبلغ ہے، امتی کوئی بھی ہو، اس کو یہ درجہ نصیب نہیں ہوسکتا، ورنہ نبی اور امتی میں کیا فرق ہوگا، اس لئے اہل سنت کہتے ہیں خلیفہ وہ ہونا چاہیئے، جو اسلام کا محافظ سیاست کی قابلیت رکھتا ہو، صحیح الدماغ، ملکی ضروریات اور اعداکی حرکات اور زمانہ کے نشیب وفراز سے خوب واقف ہو، اس کے ذاتی اعمال جن کا اثر اس کی ذات تک ہو کچھ بھی ہوں، اس سے ہمیں بحث نہیں، قرآن مجید نے مسئلہ خلافت کو خود حل کردیا ہے جہاں بنی اسرائیل کے قصہ میں طالوت کی خلافت کا ذکر ہے، وہاں بنی اسرائیل کے جواب میں فرمایا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ۔ خدا نے طالوت کو تم پر برگزیدہ کیا ہے، اور اس برگزیدگی کی وجہ یہ ہے، کہ اس کو علم اور جسم میں بڑائی بخشی ہے، یعنی اس کو سیاست کا علم ہے، اور وہ جنگی کاموں کے قابل ڈیل ڈول اچھی رکھتا ہے، پتلا دبلا منحنی سا نہیں

ان معنی سے ہم ان بارہ خلیفوں کو جانچتے ہیں، تو یزید جیسے بد اعمال کو بھی خلیفہ ماننے میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی، اسی لئے صحابہ کرام رضی نے اس کو مانا تھا، کیونکہ اس کے کارناموں میں دماغی قابلیت اور سیاست کا ثبوت ہم کو ملتا ہے، آج کل کی ریاستوں کی حکومتوں کو دیکھ کر اس زمانہ کے بارہ خلیفوں کی قدر معلوم

ہوتی ہے، ریاست میں کفار کفر کی اشاعت کر رہے ہیں، رئیس ان کو امداد دیتے ہیں، مسلمان کسی غیر مسلم کو مسلمان بنا دیں، تو ذرا سی شکایت پر رئیس کی طرف سے ان پر عتاب ہوتا ہے، ایسا کرنے سے اپنی بے تعصبی کا ثبوت دیتے ہیں، علماء جو اشاعت اسلام کریں، ان کے وعظ بند کر دیتے ہیں، اور غیروں کو اجازت ہوتی ہے، کہ وہ ہوٹلوں وغیرہ میں جو چاہیں سو ناپسندیدہ افعال کریں، ایسے رئیس خلیفہ اسلام نہیں ہو سکتے ہاں جن کو غیرت اسلام ہو، چاہے ان کے ذاتی اعمال کم و بیش کیسے ہی کمزور ہوں، وہ خلیفہ اسلام ہو سکتے ہیں، پس سائل کے سوالوں کے جوابات درج ذیل ہیں:۔

(۱) حوالجات صحیح ہیں، گو بعض روایات بذات خود صحیح نہیں۔

(۲) ان حوالجات میں ان بارہ خلیفوں کا ضروری آنا مراد ہے، یہ نہیں کہ ان کے آنے کے بعد ساتھ ہی قیامت آجائے گی، بلکہ ایسے کلام سے یہ مراد ہوتی ہے، کہ یہ واقعات ضرور ہوں گے

(۳) ان خلیفوں کے زمانے میں جو فتنے ہوئے، وہ فوری ہوئے اور ختم ہو گئے، دونوں گروہوں کو اسلامی خیر خواہی دل میں جاگزین تھی، دونوں کو اسلامی حفاظت کا شوق، غرض یہ کہ اس زمانے کے فتنے حالی مرحوم کی اس مسدس کے مصداق تھے ؎

اگر اختلاف ان میں باہم دگر تھا　　تو بالکل مداران کا اخلاص پر تھا
جھگڑتے تھے لیکن نہ جھگڑوں میں شر تھا　　خلاف آشتی سے خوش آیندہ تر تھا
یہ موج پہلی اس آزادگی کی
ہرا جس سے ہونے کو تھا باغ گیتی

شیعوں سے تعجب!

شیعہ منصب خلافت کو مثل نبوت تو کہتے ہیں، مگر خلیفے جو ہمارے لئے پیش کرتے ہیں، ان کی خلافت لکھنؤ کے بے ملک نوابوں کی سی دکھاتے ہیں، جو ساری عمر گوشہ تنہائی میں بیٹھے تقیہ میں زندگی کے دن کاٹ رہے ہیں، یہاں تک خوفزدہ ہیں، کہ کوئی ناچیز سے ناچیز سنی اگر مسئلہ پوچھتا ہے، تو اپنے مذہب کے خلاف اور اس کے مذہب کے موافق بتلا دیتے ہیں، اور حاشیہ نشین مریدوں کے سوال کرنے پر کہتے ہیں، ہمارا ایسا کرنا تمہارے اور ہمارے حق میں بہتر ہے ورنہ ہم مارے جائیں گے (اصول کلینی ص۳۷)

میرے خیال میں سلطان عبدالحمید خاں سابق سلطان ترکی بھی جو آج کل نظر بند قید ہے، ایسا خوفزدہ نہ ہوگا جیسے شیعوں کے خلیفہ حالت خلافت میں، حضرات شیعہ غور کریں، کہ خلیفہ اور معمولی واعظ میں کیا فرق ہے، اہل سنت کے نزدیک فرق بین ہے، کہ واعظ تو زبان سے وعظ و نصیحت کرتے ہیں خلیفہ

اس وعظ کو حکومت کے زور سے منوانا ہے، خلیفہ کا ایک سرکلر دس کروڑ واعظوں کے وعظ سے زیادہ زبردست ہوتا ہے، کیونکہ اس میں سیاست ہے، ان میں سیاست نہیں، آپ بے ہم قرآن مجید سے جو مسلمہ فریقین حکم عدل ہے، اس مسئلہ کا فیصلہ کرائیں، غور سے سنیئے، قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے، یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ والے داؤد ہم نے تجھ کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے، پس تو لوگوں میں انصاف کے ساتھ حکومت کر، اس آیت میں دو لفظ قابل غور ہیں، خلیفہ بنانا، اور اس پر ف لاکر انصاف سے حکومت کرنے کا حکم دینا۔ یہ آیت صاف بتا رہی ہے، کہ خلافت کی فرع سیاست اور حکومت ہے، پس جس خلافت میں حکومت نہ ہو، وہ اس مصرع کی مصداق ہے ؎

شیر قالین دگر است شیر نیستاں دگر است

بموجب اس تشریح کے اہل سنت نے بارہ خلیفوں کے نام بتا دیئے، اب ہم سننا چاہتے ہیں کہ شیعہ ان بارہ اماموں کی تعداد کس طرح پوری کرتے ہیں، تجلائے ہوئے ذرا خلیفہ کی جامع مانع تعریف اور اس کی فرع بھی بتلائیں، ہم سننے کے شائق ہیں (اہلحدیث یکم جون ۱۹۱۷ء)

اہلحدیث کے مذہب پر ایک سوال

مکرم بندہ جناب مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب دام اقبالہٗ تسلیم!

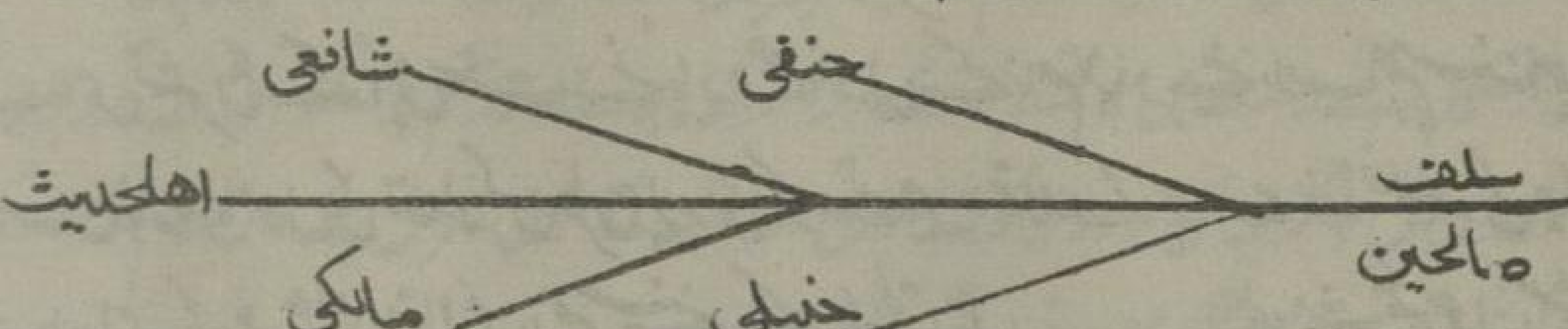
بعد سنت سلام کے واضح ہو، دیگر گذارش خدمت یہ کہ چند سوالات کے جواب اپنے اخبار اہلحدیث کے کسی گوشہ میں درج فرما دیں، امید کہ تاخیر نہ کریں گے۔

سوال یہ ہے، کہ آپ نے مدراس کانفرنس میں سنا ہوگا، کہ مولانا مولوی فقیر اللہ صاحب نے وعظ میں کہا، کہ چہار امام یعنی مذہب برحق ہیں، اور آپ نے بھی جس کا جواب دیا، ہمارے یہاں اس بات کی بابت کہ مذہب اہلحدیث کا نیا اور بالکل غلط ہے، اور کانفرنس میں ہی ایک مدراسی نے سوال کیا، کہ چہار مذہب حق ہیں، تو آپ نے کیوں پانچواں مذہب اختیار کیا، اور آپ ہم کو اس کا جواب مہربانی اخبار سے معلوم کرا دیں، اور جواب تفصیل وار معلوم کرا دیں، اگر آپ تسلی بخش جواب دیں، تو مذہب اہلحدیث میں بہت سی جماعت احناف شامل ہونے والی ہے، اگر جواب تسلی بخش نہ آوے تو اہلحدیث مذہب سے بری ہو جائیں گے، اور کوئی چہار مذہب میں سے کسی ایک کی تقلید کرنے سے کیا برائی ہے اگر برائی نہ ہو، تو آپ اس سے کیوں بری ہیں، اور جواب جلد راقم کے اہم کمیٹی خریدار اہلحدیث کڈپہ!

اڈیٹر میں نے جناب مولوی فقیر اللہ صاحب کی تقریر نہیں سنی تھی، اصل جواب اس پر موقوف ہے، کہ مولوی صاحب موصوف کے اصلی الفاظ سامنے ہوں، لہٰذا مولوی صاحب موصوف خود یا ان کی تقریر سننے والے کوئی صاحب مولوی صاحب کے اصلی الفاظ نقل کرکے بھیجیں، تو جواب صحیح مل سکتا ہے۔

میں نے جو جواب دیا تھا، وہ قیاسی تھا، اسی جواب کی اب تشریح کئے دیتا ہوں

اس میں شک نہیں کہ ائمہ کا مذہب ان کے وجود کے بعد جاری ہوا ہے۔ ان سے پہلے مسلمانوں میں جو طریق جاری تھا، وہ کیا تھا اور اس طریق کو نئے سرے سے جاری کرنا بھی ضروری ہے یا نہیں؟ یہ ایک سوال ہے، جس کا جواب فیصلہ کن ہے، میں اس جگہ ایک نقشہ دیتا ہوں، تاکہ مضمون اچھی طرح سے سمجھ میں آسکے، وہ نقشہ یہ ہے۔



وہ شاہراہ جو سلف صالحین سے چلی تھی، درمیان میں اسی میں سے چار شاخیں ہوئیں، جن کا نقشہ ہم نے دیا ہے، ان چاروں کا تعلق چونکہ اسی اصل سے ہے، اور ان کا طریق عمل بھی وہی تھا، جو اصل کا تھا، یعنی قرآن وحدیث کا اتباع، اس لئے ان کی نسبت حقانیت کا اقرار کیا ہوگا، لیکن چونکہ ان مذاہب میں ان تعینات اربعہ نے بھی جزئیت کی طرح دخل پالیا ہے، جس کی تشریح یوں ہے، کہ حنفی اپنے مسائل کو اس لئے صحیح جاننے لگے، کہ وہ امام ابوحنیفہ صاحب کے اقوال ہیں، چنانچہ اصول فقہ کی مستند کتاب توضیح میں لکھا ہے، کہ مقلد کی تحقیق ہی یہ ہے، کہ وہ یوں لکھے ھذا عندی صحیح لانہ ادی الیہ رائی ابی حنیفۃ رح یعنی یہ مسئلہ اس لئے صحیح ہے، کہ امام ابوحنیفہ کی یہ رائے ہے۔

اسی طرح دیگر ائمہ کے مقلدین کا بھی کم وبیش برتاؤ رہا، چونکہ دلیل کی جگہ محض خدا اور رسول کا نام ہونا چاہیے، ان کی بجائے کسی امتی کا نام لینا منشائے خداوندی کے خلاف ہے، قرآن مجید میں ارشاد ہے اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ یعنی محل دلیل میں سوائے کلام خدا ورسول کے کسی کا قول پیش نہیں ہوسکتا، اس لئے اس روش کی (جو توضیح کے حوالہ سے ثابت ہوتا ہے) اصلاح ضروری تھی، تاکہ امت اس طریقہ سے آجائے، جس پر سلف صالحین تھے، چنانچہ اہلحدیث کی یہی کوشش ہے، کہ ان نسبتوں کو دین میں داخل نہ کیا جائے، بلکہ داخل فی الدین صرف وہی ایک

نسبت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ) جس کے حق میں فرمان واجب الاذعان ہے وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى یہ ہے ضروری مذہب اہلحدیث جو بالکل صاف اور روشن ہے۔ الحمدللہ (۱۴؍ جون ۱۸ء)

تشریح[1]

(از جناب مولوی ابراهیم صاحب سیالکوٹی)

اس امت مرحومہ میں بہت سے فرقے پیدا ہو گئے، ہر ایک اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اصلی وارث اور آپ کے طریق پر سمجھتا ہے، اور دوسروں کو طریق سنت سے دور اور راہ حق سے گمراہ جانتا ہے، اور کہتا ہے، کہ انہوں نے دین حق میں اختلاف ڈالا امت مرحومہ میں تفرقہ کی نیاد رکھی، دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، فتنہ وفساد برپا کیا، غرض ہر ایک دوسرے کو کافر وضال، بدعتی وگمراہ مذہب قرار دیتا ہے، اور بموجب ارشاد كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ (پ۱۸۔ مؤمنون) اپنی قرار داد پر نازاں ہے ؎

وکل یدعی وصلا للیلی ولیلی لا تقر لهم بذاکا

ایسے اختلاف کے ہوتے ہر ایک کا دعویٰ درست نہیں ہو سکتا، کیونکہ الحق لا یتعدد عند الاختلاف[2] مسلم مقولہ ہے، لہٰذا ضروری ہے، کہ فرقہ قدیمہ وجدیدہ کی شناخت کا کوئی ایسا اصول ومعیار مقرر کیا جائے، جس پر سب فرقے پرکھے جا سکیں، اور کھرے اور کھوٹے میں تمیز ہو سکے، اور معلوم ہو جائے، کہ اصولی طور پر حقیقت میں اختلاف وفتنہ کا الزام کس پر عاید ہو سکتا ہے، اس تحریر میں میرا مقصود یہی ہے۔

(۲) اس تحریر میں کسی فرقہ کی قدامت وجدت سے یہ مراد ہو گی، کہ موجودہ فرقہ ہائے اسلام میں سے کونسا فرقہ ہے، جو اپنے عقاید واصول اور دستور العمل اور صورت عمل کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کا ہے، اور کون سا ہے جو آپ کے بعد نکلا۔

(۳) حقیقت میں فرقہ اسی گروہ کا نام ہے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے طریق سے جدا ہو کر کسی اور صورت میں قائم ہو، اور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سعادت عہد کی اصلی حالت پر قائم ہو، اسے فرقہ نہیں کہہ سکتے، کیونکہ اس نے جدائی نہیں کی، لیکن اس کی دیگر قسموں کے

---

[1] کشف الغمہ عن اختلاف الامۃ ۱۲

[2] حق اختلاف کے وقت متعدد نہیں ہوتا ۱۲ منہ

مقابلہ میں ہونے کے سبب ہم اسے بھی فرقہ شمار کریں گے (فتنبہ)

(۴) چونکہ قرآن مجید آخری آسمانی کتاب ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کے آخری نبی ہیں، اور آپ سے پہلے آسمانی کتابیں اور انبیاء گذر چکے ہیں، اور ان کے معتقدوں میں بھی اختلاف واقع ہو چکا ہے، اس لئے ضروری ہے، کہ اول ان اسباب پر نظر کی جائے، جن سے اہل کتاب یہود و نصاری میں اختلاف پڑا، اور دیکھا جائے، کہ کس بات کی خلاف ورزی پر خدا تعالے نے ان پر اختلاف کرنے کا الزام قائم کیا، تاکہ ہم بھی اپنے اختلاف میں اس امر کو ملحوظ رکھ کر اس الزام سے محفوظ رہ سکیں۔ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَیْهِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْهِ اُنِیْبُ۔

(۵) دین[1] ابتدا میں ایک ہی تھا، صرف[2] وحی کی پیروی ہوتی تھی، اور اسی کا حکم تھا، امتداد[3] زمانہ سے جوں جوں عصر نبوت سے دور ہوئے، بعد کی نسلوں میں ذہول و نسیان غالب ہوتا گیا، جہالت[4] پھیلتی گئی، کتاب[5] الٰہی متروک ہو گئی، آثار[6] نبوت محفوظ نہ رہے، اقوال[7] الرجال، رائے و قیاس اور بے تحقیق سنی سنائی باتوں کی پیروی کی گئی، اس[8] پر طرہ یہ کہ نفسانی خواہشوں اور آپس کی عداوتوں کے لئے بھی مذاہب ہی کو آڑ بنایا گیا، جس کی وجہ[9] سے تحریف اور اختراع بدعات کا شیوع ہوا، اور دین الٰہی میں ایک فتنہ عظیم برپا ہوا، جس[10] کے مٹانے کے لئے آخر سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث کئے گئے۔

اصولی طور پر اس بیان سے کسی کو بھی اختلاف نہیں ہو سکتا، لیکن مزید توضیح کے لئے ہم ان امور عشرہ کے ثبوت میں آیات ذیل نقل کرتے ہیں۔

پہلی آیت:۔ وَمَا کَانَ النَّاسُ اِلَّا اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا (یونس، پ ۱۱) اور (شروع میں) لوگ (دین کے) ایک ہی طریقے پر تھے، اختلاف تو ان میں پیچھے (پیدا) ہوا۔

اس آیت میں صاف مصرح ہے، کہ ابتدا میں سب لوگ ایک ہی دین پر تھے، ان میں اختلاف پیچھے پڑا، چنانچہ تفسیر جامع البیان میں اس زمانہ اتفاق کی بابت کہ کس زمانہ میں سب لوگ ایک ہی دین پر تھے، لکھا ہے:۔ بین آدم و نوح عشرة قرون کلهم علی الاسلام۔

دوسری آیت:۔ کَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِیَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِیْهِ اِلَّا الَّذِیْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ بَغْیًا بَیْنَهُمْ فَهَدَی اللّٰهُ

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ وَاللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ
(پ ۲ بقرہ) ترجمہ۔ (شروع میں) لوگ ایک ہی دین پر تھے، پھر اختلاف کرنے لگے، اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بھیجے، جو خوشخبری دیتے اور ڈراتے، اور ان کے ساتھ سچی کتابیں بھی نازل کیں، تاکہ جن باتوں میں لوگوں نے اختلاف کیا، ان میں ان کا فیصلہ کرے، اور جن کو کتاب ملی تھی، وہی آپس میں ایک دوسرے کی عداوت سے روشن دلائل آئے پیچھے اختلاف کرنے لگے، تو وہ راہ حق جس میں لوگ اختلاف کر رہے تھے، خدا نے اپنی عنایت سے مسلمانوں کو دکھا دی، اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے راہ راست کی ہدایت کر دے۔

اس آیت میں کَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً کے بعد فَاخْتَلَفُوْا محذوف ہے، کیوں کہ انبیاء کی بعثت اختلاف کے وقت ہوتی ہے، جیسا کہ سورہ یونس کی گذشتہ آیت میں اس کو ذکر بھی کر دیا ہے، اور لما اختلفوا فیہ سے مراد الحق ہے، جس میں لوگوں نے اختلاف کیا، اور من جو من الحق میں ہے، وہ بیانیہ ہے، چنانچہ تفسیر جلالین میں ہر دو کی بابت یہی لکھا ہے اس سے صاف ظاہر ہے، کہ حقیقت میں اختلاف وہی کرتا ہے، اور جدا فرقہ وہی بناتا ہے، جو حق سے جدا ہو جائے، اور نیز یہ کہ اختلافی صورت میں وہ جانب اختیار کی جائے، جو نبی برحق کا فرمودہ ہو، پس جو شخص یا فرقہ اصل دین پر جس کو خدا تعالیٰ اس آیت میں لفظ الحق سے تعبیر کرتا ہے، قائم ہو گو بظاہر وہ بھی دوسروں سے مختلف ہوتا ہے، لیکن خدا کے نزدیک اس پر اختلاف کا الزام نہیں آ سکتا، کیوں کہ اس نے اس حق کے خلاف نہیں کیا، جو پیغمبر برحق کے ذریعہ ثابت ہوا۔

تیسری آیت۔ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَهُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِیْهِ وَهُدًی وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ (نحل پ ۱۴) اور (اے پیغمبر) ہم نے تم پر یہ کتاب صرف اسی واسطے اتاری ہے، کہ تم ان لوگوں کے لئے وہ باتیں خوب ظاہر کر دو، جن میں یہ اختلاف کرتے ہیں، اور نیز مومنوں کی ہدایت کے لئے، اور ان پر رحمت کے لئے (نازل کی)

اس آیت سے صاف واضح ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گذشتہ امتوں کے اختلاف مٹانے کے لئے مبعوث کئے گئے ہیں، پس جو اختلاف آپ کی امت میں پڑے، بالخصوص جب وہ اسی جنس کا ہو، جو گذشتہ امتوں میں تھا تو ضرور بضرور اس میں آپ کے بیان ہدایت نشان کی طرف رجوع کرنا پڑے گا، اور یہی مراد ہے اس آیت کریمہ سے۔ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ (نساء پ ۵) یعنی اگر تم میں کسی

امر میں اختلاف پڑ جائے، تو اس امر کو خدا تعالیٰ اور اس کے رسول پاک کی طرف لاؤ اگر تمہیں خدا تعالیٰ اور روز قیامت پر ایمان ہے،

اسی طرح حضرت نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام انبیاء سابقین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ہی دین عطا کرنے کا ذکر کر کے فرمایا،۔

وَمَا تَفَرَّقُوْا اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ (شوریٰ پ ۲۵) ان امتوں نے آپس میں بغاوت و عداوت کی وجہ سے علم الٰہی آچکنے کے بعد دین میں تفرقہ ڈالا۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اختلاف سے بچے رہنے اور وحی الٰہی پر قائم رہنے، اور لوگوں کو اعتدال کی طرف دعوت دینے کا حکم دیا۔

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ (شوریٰ۔ پ ۲۵) (اے پیغمبر! تم لوگوں کو اسی (اصل دین) کی طرف بلاتے رہو، اور خود بھی جیسا کہ تم کو حکم ہوا ہے قائم رہو، اور ان (اہل کتاب) کی خواہشوں پر نہ چلو، اور ان سے صاف کہدو، کہ کتاب (کی قسم) سے جو کچھ خدا نے اتارا ہے، میرا تو سب پر ایمان ہے، اور مجھے حکم ملا ہے، کہ تمہارے درمیان انصاف کروں

(۶) بیان مذکورہ بالا میں یہ امور مذکور ہوئے، دین الٰہی ابتداء میں ایک تھا، اس کے بعد لوگوں نے اس میں بوجہ آپس کی عداوت کے اختلاف کیا، تو خدا تعالیٰ اس اختلاف کو مٹانے کے لئے انبیاء علیہم السلام بھیجتا رہا، حتی کہ اسلام کے آخری دور میں سب اختلافات مٹانے کے لئے پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، اور آپ پر آخری کتاب قرآن مجید نازل کی، پس صاف روشن ہو گیا، کہ اب ان سب اختلافات کو چھوڑ کر جو نئے ہوں یا پچھلی جنس کے ہوں، صرف قرآن مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کی اتباع واجب ہے، اور یہی مراد ہے اس آیت کریمہ سے اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ (اعراف پ ۸) یعنی جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے اتارا گیا، اس کی پیروی کرو، اور اس کے سوائے دیگر حمایتوں کی پیروی نہ کرو۔

(۷) مضمون بالا کی تائید میں دیگر آیات بھی ہیں، جو حسب ذیل ہیں:۔

چوتھی آیت:۔ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ

سَرِیْعُ الْحِسَابِ (آل عمران پ ۳) دین (حق) تو خدا کے نزدیک یہی اسلام ہے (اور بس) اور اہل کتاب نے جو مخالفت کی، سو آپس کی ضد کے سبب حق معلوم کرنے کے بعد کی، اور جو کوئی خدا کی آیات سے منکر ہو، تو خدا اس کا جلد حساب لے گا

اس آیت میں صاف فرمادیا، کہ خدا کے نزدیک صرف ایک ہی دین اسلام کا اعتبار ہے اور یہ کہ اہل کتب سابقہ نے اختلاف کیا، تو آسمانی کتاب مل چکنے کے بعد کیا، اور یہ کہ ان اختلافات کی ایک وجہ ان کی باہمی عداوت تھی، اور یہ کہ جو کوئی آیات خداوندی کو چھوڑے گا، خدا اس سے جلد سمجھے گا اس سے ظاہر ہے، کہ اہل کتاب پر جو الزام قائم کیا گیا ہے، وہ کتاب آسمانی کی مخالفت کرنے کا ہے

پانچویں آیت:۔ وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ (مومنون پ ۱۸) یہ تمہارا دین ایک ہی دین ہے، اور صرف میں ہی تم سب کا رب ہوں، پس تم سب مجھ سے ہی ڈرو، پھر لوگوں نے آپس میں پھوٹ کر کے اپنا اپنا دین جدا جدا بنالیا، اب جو کسی فرقے کے پاس ہے، وہ اسی پر خوش ہے۔

اس آیت میں صاف مذکور ہے کہ خدا تعالیٰ نے ایک ہی دین کا حکم کیا تھا، لوگوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر کے مختلف فرقوں میں تقسیم کر ڈالا، اور ہر گروہ اپنے ہی عندیہ پر خوش رہنے لگا، یعنی اپنے اختیار کردہ عقیدے اور طریق عمل کے اختیار کرنے اور اس پر عمل کرنے کی وجہ یہی سمجھنے لگے، کہ یہ ہمارا ہے، اور دوسرے سے انکار کی یہی وجہ بتائی، کہ یہ دوسرے کا مذہب ہے، طریق اعتدال جو ہر ایک کے لئے مساوی ہے، یعنی اتباع دلیل اور موافقت وحی ربانی، اس کی پرواہ نہ رہی۔

اس امر کو دوسری آیت میں مصرح ذکر فرمایا ہے، چنانچہ فرمایا:۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَاۗءَهٗ ۤ وَھُوَ الْحَقُّ (سورہ بقرہ پ ۱) اور جب ان سے کہا جاتا ہے، کہ جو کچھ بھی خدا نے نازل کیا ہے، سب پر ایمان لاؤ، تو کہتے ہیں، کہ ہم تو اسی پر ایمان رکھتے ہیں، جو ہم پر اتری، غرض یہ کہ اس کے علاوہ دوسری کتاب کو نہیں مانتے، حالانکہ وہ بھی حق ہے۔

(۸) امور عشرہ میں سے باقی امور کا ذکر ان آیات میں ہے:۔

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ (حدید پ ۲۷) کیا مسلمانوں کے لئے ابھی تک اس کا وقت نہیں آیا کہ ذکر

خدا اور تلاوت قرآن کے لئے جو خدائے برحق کی طرف سے نازل ہوا ہے، ان کے دل گداز ہو جائیں، اور ان لوگوں کی طرح (ریشہ پتھر) نہ ہو جائیں، جن کو ان سے پہلے کتاب دی گئی، تو ان پر ایک مدت دراز گذر گئی، تو ان کے دل سخت ہو گئے، اور اب اکثر ان میں سے نافرمان ہیں

اس آیت میں صاف بیان ہے، کہ عصر نبوت کے بعد طوالت زمانہ کے سبب دلوں میں سختی آتی گئی، حتیٰ کہ فسق تک نوبت پہنچی، یعنی اعتقاد و عمل ہر دو میں خرابی واقع ہو گئی۔

امتداد زمانہ کے اثر سے طبائع میں انقلاب اور خیالات میں تغیر اور ہمتوں میں پستی ہو جاتی ہے جس سے دلوں میں ذکر الٰہی میں حلاوت اور ایمان میں قوت کم ہو جاتی ہے، اور جوش و غیرت اسلامی فرد ہو کر دل سخت ہو جاتے ہیں، ہاں اگر آثار نبوت محفوظ رہیں، تو عصر نبوت کا اثر باقی رہتا ہے اور اس قدر دل سخت نہیں ہوتے، قرآن مجید نے یہود و نصاریٰ کی نسبت یہی قصور ذکر کیا ہے چنانچہ یہود کی نسبت وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ذکر کر کے فرمایا۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ (مائدہ ۵ پ ۶) پس انہی لوگوں کے اپنے عہد توڑنے کی وجہ سے ہم نے ان کو پھٹکار دیا، اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا، کہ (کتاب الٰہی) کے کلمات کو ان کی اصلی جگہ سے پھیرتے ہیں، اور ان کو جو نصیحت کی گئی تھی، اس کا بہت سا حصہ وہ بھلا بیٹھے۔

اس کے بعد نصاریٰ سے بھی عہد لینے کا ذکر کر کے ان میں بھی اس امر کی کمی بیان کی،

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ (پ ۶ مائدہ ۵) اور جو لوگ اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں، ہم نے ان سے بھی عہد لیا، تو انہوں نے اس میں سے جو ان کو نصیحت کی گئی تھی، بہت سا حصہ بھلا دیا۔

ان دونوں آیتوں میں ہر دو گروہ یہود و نصاریٰ پر ایک ہی الزام قائم کیا ہے، کہ انہوں نے کتاب الٰہی کو جس کی حفاظت اور تعمیل کی ان کو تاکید کی گئی تھی، ترک کر دیا جس کی وجہ سے ان پر لعنت برسائی گئی، اور ان کے دل سخت کر دیئے گئے، جس کی انتہا یہاں تک پہنچی، کہ انہوں نے کلمات الٰہیہ میں تحریف کی، اور تورات و انجیل کا بہت سا حصہ جس سے ان کو تذکیر کی گئی تھی، بھلا دیا، اور لعنت کے سبب اس کا علم ان کے سینوں سے کھینچ لیا گیا کیونکہ جب گناہوں کے سبب دل سخت ہو جاتا ہے، اور سختی کے سبب خدا تعالیٰ کی طرف سے توفیق مساعدت نہیں کرتی، تو علم کالعدم ہو جاتا ہے، اور سینے میں اس کی روشنی باقی نہیں رہتی۔ اعاذنا اللہ منہ

جب یہ حالت ہو جاتی ہے، تو انسان توہمات ومنکرات وبدعات کے گرداب میں ایسا گھر جاتا ہے، کہ پھر نجات مشکل ہو جاتی ہے اللھم احفظنا وثبتنا علی اٰثار نبیاں یہود ونصاریٰ کے مذکورہ بالا اقرار وحالات بیان کرنے سے پیشتر خدا تعالیٰ نے اس امت مرحومہ کو بھی ان کا اقرار یاد کرایا ہے

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (مائدہ پ ۶) اور یاد کرو، اس انعام کو جو خدا نے تم پر کیا، اور اس کے عہد وپیمان کو بھی جس کا تم سے پختہ اقرار لیا، جب تم نے کہا، کہ ہم نے سنا اور مانا۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی نسبت آیت وَلَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (مائدہ پ ۶) کے ذیل میں ان کے باہمی ارتباط کے متعلق فرمایا ہے انہ خاطب المؤمنین فیما تقدم فقال وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ثم ذکر الان انہ اخذ المیثاق من بنی اسرائیل لکنہم نقضوا وترکوا الوفاء بہ فلا تکونوا ایہا المؤمنون مثل اولئک الیہود فی ھذا الخلق الذمیم لئلا تصیروا مثلہم فیما نزل بہم من اللعن والذلۃ والمسکنۃ (پ ۶ مائدہ جلد سوم ص ۳۹۲)

خدا تعالیٰ نے اس سے قبل مومنوں سے خطاب کیا، اور فرمایا، کہ خدا کی نعمت جو تم پر کی، اور اقرار جو تم سے پختہ کرایا، یاد کرو جو تم نے کہا، ہم نے سنا اور مانا، پھر اس کے بعد اب ذکر کیا، کہ یہی اقرار بنی اسرائیل سے بھی لیا تھا، لیکن انہوں نے اسے توڑ ڈالا، اور اسے پورا کرنا ترک کر دیا، تم اے مومنو! اس بری عادت میں ان یہود کی طرح نہ ہو جانا، تاکہ تم پر بھی ان جیسی لعنت اور ذلت اور مسکنت نازل نہ ہو۔

امام رازی نے ان دونوں بیانوں کے ارتباط میں جو نکتہ بیان کیا ہے، وہ قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر بالتصریح بھی مذکور ہے، کہ اہل کتاب کی طرح نہ ہو جانا، جنہوں نے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس کو کئی مذہبوں میں تقسیم کر دیا، چنانچہ آیت وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا میں قرآن کو بالاتفاق مضبوط پکڑے رکھنے اور تفرقہ سے بچے رہنے کی تاکید کے بعد فرمایا

(۱) وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَھُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (آل عمران پ ۴) اور ان جیسے نہ ہو، جنہوں نے کھلے نشان آ چکنے کے

بعد تفرقہ ڈالا، اور اختلاف کیا، اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے"

(۲) ایک اور مقام پر ان کی برائی نہایت شدت سے بیان کی، اور ان کی مثل بننے سے منع فرمایا وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ (روم پ ۲۱) اور شرک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا، جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا، اور وہ ٹولے ٹولے ہو گئے، جو جس فرقے کے پاس ہے، وہ اسی میں مگن ہے۔

(۳) اسی طرح دوسرے موقع پر اس تفرقہ و اختلاف کے الزام کی نسبت فرمایا، کہ اس کا بوجھ صرف ان لوگوں پر ہے، جنہوں نے ایسا کیا، لیکن جو راہ راست پر قائم رہے، ان پر اس اختلاف کا الزام کچھ بھی نہیں اِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ اِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللّٰهِ (انعام پ ۸) (اے پیغمبر) جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا، اور وہ کئی فرقے ہو گئے، تم کو ان سے کچھ بھی سروکار نہیں، ان کا معاملہ خدا کے سپرد ہے

امام رازی نے اس آیت کے ذیل میں حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے۔ قال مجاهد ان الذین فرقوا دینهم من هذه الامة هم اهل البدع والشبهات واعلم ان المراد من الآیة الحث علی ان تکون کلمة المسلمین واحدة وان لا یتفرقوا فی الدین ولا یبتدعوا البدع (تفسیر کبیر ج ۴ ص ۷۹ پ ۸ سورہ انعام) جن لوگوں نے اس امت میں تفرقہ ڈالا، وہ اہل بدعت و ملحدین ہیں، اور جان کہ اس آیت سے مراد مسلمانوں کو اس امر کی ترغیب دینی ہے، کہ ان سب کی بات ایک ہی ہو، اور یہ کہ وہ دین میں تفرقہ نہ ڈالیں، اور بدعتیں جاری نہ کریں۔

(۴) ایک اور آیت میں دین کی تقسیم کرنے والوں پر عذاب نازل کرنے کا ذکر کر کے اس سے ڈرایا۔ كَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِينَ (حجر پ ۱۴) جس طرح ہم نے ان لوگوں پر نازل کیا، جنہوں نے کتاب الٰہی کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے آپس میں تقسیم کر لیا۔

اس آیت میں جو فرمایا، کہ بعض لوگوں نے کتاب الٰہی کو تقسیم کر ڈالا، اس کی کئی صورتیں ہیں۔

ایک یہ کہ بعض احکام کو مانا، بعض کو نہ مانا، چنانچہ یہود ہی کو فرمایا۔ اَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ (بقرہ۔ پ ۱) کیا تم کتاب کے کچھ مسائل مانتے ہو، اور بعض کا انکار کرتے ہو۔

دوسری یہ کہ بعض ان احکام الٰہی کو تسلیم کیا، جو اپنے طریقہ اور فرقہ کے موافق ہوں، اور جو موافق

نہ ہوں، ان کو اس عذر سے ٹال دیا، کہ دوسرے لوگوں کا مذہب ہے، ہمیں اس سے سروکار نہیں ہے
چنانچہ انہی یہود کے حق میں فرمایا۔

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا وَیَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ (بقرہ پ ۱) اور جب ان سے کہا جاتا ہے، کہ خدا کی نازل کردہ وحی پر ایمان لاؤ، تو کہتے ہیں، ہم تو صرف اسی کتاب کو مانتے ہیں، جو ہم پر اتری، اور اس کے علاوہ جو وحی ہے، اسے نہیں مانتے، حالانکہ وہ حق ہے، جو کچھ ان کے پاس ہے، اس کی مصدق ہے

اس آیت سے صاف ظاہر ہے، کہ یہود مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کی پیروی میں اپنے اور دوسرے میں تمیز کرتے تھے، حالانکہ یہ بالکل نادرست ہے، کیونکہ جب اصولاً یہ امر مسلم ہے، کہ اتباع صرف ما انزل اللہ کی کرنی ہے، تو وہ حکم الٰہی چاہے زید کے ہاں سے ملے، چاہے بکر کے ہاں سے ملے، بہر حال واجب الاتباع ہے، اس میں فرقہ بندی کو دخل نہیں

میں نہایت ادب سے اپنے ناظرین کی خدمت میں گذارش کرتا ہوں، کہ یہی حال امت مرحومہ میں بھی ہوگیا ہے، فرقہ بندی نے قرآن و حدیث کی بھی تقسیم کر ڈالی، اصول و قواعد اجتہادیہ تو تھے ہی نصوص بھی بٹ گئے، اصولاً ہر کوئی یہی کہتا ہے، کہ قرآن و حدیث اصول دین ہیں، لیکن جب کوئی حدیث مثلاً حنفیوں کے اختیار کردہ مسلک کے خلاف ہے، اور امام شافعی نے اس سے تمسک کیا ہے تو اسے اس عذر سے ٹال دیا جاتا ہے، کہ اس حدیث سے امام شافعی نے تمسک کیا ہے، ہمارے امام ابو حنیفہ نے اسے نہیں لیا۔

اس کی مثالیں حنفی فقہ اور اصول فقہ کی کتابوں میں بکثرت ہیں، کہ کسی امر پر امام شافعی کے مذہب کی تائید میں صحیح حدیث ہے، اور اس کے مقابلہ میں امام ابو حنیفہ ہی کے قول کو لیا ہے، اور حدیث کو بغیر اس پر جرح کرنے کے بالکل بے کار چھوڑ دیا ہے، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث صحیح سب کے لئے برابر ہے، اس میں میرے تیرے کی تمیز جائز نہیں، دین کی وحدت اسی سے قائم رہتی ہے، اور فرقہ بندی اسی سے مٹتی ہے، کہ ہر کوئی اعتقاداً و عملاً قرآن و حدیث کا پیرو ہو جائے اور ان کے مقابلہ میں رائے اور قیاس کو چھوڑ دے، خواہ کسی کا ہو، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے میں سب امام برابر ہیں، جیسی امام شافعی پر آپ کی اتباع واجب، ویسی امام ابو حنیفہ پر لازم۔

اسی طرح قرآن شریف کے ساتھ سلوک کیا گیا ہے، کہ اگر کسی آیت کی وجہ تفسیر میں امام ابو حنیفہ رح اور امام شافعی میں اختلاف ہے، تو حنفی اس میں یہ کہتے ہیں، کہ ہمارے امام نے اس آیت کی تفسیر

اس طرح پر نہیں کی، ہم امام شافعی کے مقلد نہیں ہیں، خواہ امام شافعی کی تفسیر موافق مراد الٰہی اور مطابق حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہو، بے شک یہ بہت بھاری نقص ہے، اور دین میں غضب کا فتور ہے، کہ کسی امتی کی رائے سے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو رد کر دیا جائے،

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اس کے متعلق فرماتے ہیں:۔

فان بلغنا حدیث من الرسول المعصوم الذی فرض اللہ علینا طاعتہ بسند صالح یدل علی خلاف مذھبہ وترکنا حدیثہ واتبعنا ذلک التخمین فمن اظلم منا وما عذرنا یوم یقوم الناس لرب العلمین (عقد الجید مترجم ص ۹۴) پس اگر ہم کو کوئی حدیث صحیح سند کے ساتھ رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچے، جس کی طاعت خدا نے ہم پر فرض کی ہے، جو کسی مقلد کے اختیار کردہ مذہب کے خلاف ہو، اور ہم اس حدیث کو ترک کر دیں اور اس ظنی قیاس کی پیروی کریں، تو ہم سے زیادہ ظالم کون ہوگا، اور جس دن وہ سب لوگ اللہ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے، ہمارا کیا عذر ہوگا۔

اسی طرح دوسری آیت میں اہل کتاب کی اس بری روش کی نسبت فرمایا اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (توبہ پ ۱۰) ان (اہل کتاب) نے اپنے علماء و مشائخ کو خدا کے سوائے رب بنالیا ہے۔

جامع ترمذی میں اس آیت کی تفسیر میں حضرت عدی بن حاتم سے مروی ہے[۱]، کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، تو میری گردن میں سونے کی صلیب تھی، تو آپ نے فرمایا اے عدی یہ بت اتار پھینک، اور میں نے آپ کو سورہ برأت کی یہ آیت پڑھتے سنا اتخذوا احبارھم الخ یعنے انہوں نے خدا کے سوا اپنے علماء و مشائخ کو رب بنالیا، آپ نے فرمایا، کہ یہ لوگ ان کی عبادت نہیں کرتے تھے، لیکن جب ان کے لیے کوئی چیز حلال کہتے، تو حلال مان لیتے، اور اگر کہتے کہ یہ حرام ہے، تو حرام جان لیتے (ترمذی جلد دوم ص ۱۳۶)

اس بیان سے واضح ہوگیا، کہ نصوص وحی کے مقابلہ میں امتیوں کے اقوال کو قبول کرنا، اور نصوص

---

[۱] عن عدی بن حاتم قال اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفی عنقی صلیب من ذھب فقال یاعدی اطرح عنک ھذا الوثن وسمعتہ یقرأ فی سورۃ براءۃ اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ قال اما انھم لم یکونوا یعبدونھم ولکنھم کانوا اذا احلوا لھم شیئا استحلوا واذا حرموا علیھم شیئا حرموہ (ترمذی جلد ۲ ص ۱۳۶)

شرعیہ میں اپنے اور دوسرے کی تمیز کرنا یہود کی روش ہے، جسے خدا تعالیٰ نے ناپسند جانا، پس اس امت مرحومہ کو بھی یہ روش ترک کرنی چاہئے [۱]

اہل کتاب میں یہ آتش اختلاف وعداوت جس کا بیان ہم کر رہے ہیں، یہاں تک بھڑکی، کہ ایک دوسرے کو بے دین وکافر اور لامذہب کہنے لگے، چنانچہ فرمایا۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارٰى عَلٰى شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصَارٰى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلٰى شَيْءٍ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ (بقرہ پ ۱)

یہود نصاریٰ کو بے دین کہتے ہیں، اور نصاریٰ یہود کو بے دین کہتے ہیں، حالانکہ وہ دونوں کتاب الٰہی پڑھتے ہیں، اسی طرح وہ لوگ کہتے ہیں، جن کو خدا کی طرف سے علم نہیں دیا گیا یعنی مشرکین۔

اس آیت کے ذیل میں امام رازی نے کہا ہے

واعلم ان هذه الواقعة بعينها قد وقعت فى امة محمد صلى الله عليه وسلم فان كل طائفة تكفر الاخرى مع اتفاقهم على تلاوة القرآن (جلد اول ص ۴۷۲) یقین جانو کہ یہی واقعہ بعینہ اس امت مرحومہ میں پیش آیا ہے، کہ ہر فرقہ دوسرے کو کافر کہتا ہے، باوجودیکہ وہ تلاوت قرآن پر سب متفق ہیں

دوسرے مقام پر اہل کتاب کی اس ناگفتہ بہ حالت کے علاوہ ان کے کتاب الٰہی کو چھوڑ دینے اس کے احکام کو دنیوی طمع سے چھپانے، اور اس سے دنیا کمانے، از خود مسائل بنا کر لوگوں کو ٹھگنے کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ (آل عمران پ ۴)

اور جب خدا نے اہل کتاب سے قول وقرار لیا، کہ اس کتاب کو لوگوں کے سامنے صاف صاف بیان کر دینا، اور اس کی کسی بات کو چھپانا مت، پس انہوں نے اسے اپنی پس پشت ڈال دیا، اور اس کے عوض میں تھوڑے سے دام حاصل کئے، سو بہت برا ہے وہ جو حاصل کرتے ہیں۔

امام رازی اور دیگر کئی ایک مفسرین نے اس آیت کے ذیل میں کہا ہے۔

اعلم ان ظاهر هذه الآية وان كان مختصا باليهود والنصارى فانه لا يبعد ايضا دخول المسلمين فيه لانهم اهل القرآن وهو اشرف الكتب (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۱۸)

---

[۱] اصول فقہ میں بھی اس کی تصریح ہے، اگر کوئی فقیہ ہو کر اس کا خلاف کرتا ہے، تو قصور اس کا ہے (ایڈیٹر)

جان تو کہ اس آیت کا ظاہر گو اہل کتاب یہود و نصاریٰ سے مخصوص ہے لیکن اس میں مسلمانوں کا بھی داخل ہونا بعید نہیں، کیونکہ وہ بھی اہل قرآن ہیں، اور وہ سب کتابوں سے بڑھ کر شرافت والی کتاب ہے۔

جب سے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) میں یہ بری روش پڑی، تب سے برابر جاری رہی حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمان ہدایت نشان میں بھی ان کی یہی خصلت تھی، چنانچہ فرمایا:۔

وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللَّهِ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ۔ وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيَاطِينُ عَلَىٰ مُلْكِ سُلَيْمَانَ، وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَٰكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ (بقرہ پ۱)

اور جب ان کے پاس خدا کی طرف سے رسول (محمد ﷺ) آیا، جو اس کتاب کا مصدق ہے، جو ان کے پاس ہے، تو ان اہل کتاب میں سے ایک فریق نے اللہ کی کتاب تورات کو اس طرح پیٹھ پیچھے پھینک دیا، کہ گویا وہ جانتے ہی نہیں، اور ان (ڈھکوسلوں) کے پیچھے لگ گئے جن کو سلیمان علیہ السلام کے عہد سلطنت میں شیاطین پڑھا کرتے تھے، یہ کفر سلیمان علیہ السلام سے نہیں ہوا بلکہ شیاطین نے کفر کیا،

یہود کی جو حالت اس آیت میں مذکور ہے، وہ اس امت مرحومہ کے بھی بہت سے لوگوں میں پائی جاتی ہے، کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا ہے، اور بہت سے شیطانی عملوں کو دستور العمل بنا رکھا ہے خلاف شرع تعویذات گنڈے، حاضرات، نقوش اور عملیات کو رواج دے رکھا ہے، جو ان کا عامل ہو وہ ولی اللہ سمجھا جاتا ہے، اور جو اس سے منع کرے، اسے خشک ملا، بے خبر و غیر عارف سمجھ کر ملامت کی جاتی ہے، گویا ان کے نزدیک خدا رسی کے وسائل بھی یہی باطل علوم اور خلاف شرع دستور العمل ہے۔ اعاذنا اللہ منہا

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس امر میں ایک خاص کتاب لکھی ہے، جس کا نام ہے "الفرقان بین اولیاء الرحمٰن و اولیاء الشیطان"

یہود نے اس کے علاوہ محض زبانی سنی سنائی بے سند باتوں، موضوع روایتوں اور جعلی حکایتوں اور غیر معصوم علماء کے فتاووں کو بھی دین سمجھ رکھا ہے، اور غضب یہ کہ من گھڑت مسائل اور قیاسی ڈھکوسلوں کو خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور لوگوں کو ٹھگتے ہیں، چنانچہ فرمایا۔

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا

فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ (بقرہ پ ۱) اور بعض ان میں ان پڑھ ہیں، جو سوائے سنی سنائی وہمی باتوں کے کتاب (الٰہی) کو ہرگز نہیں جانتے، اور وہ فقط خیالی تکے چلایا کرتے ہیں، پس افسوس ہے ان لوگوں پر جو کتاب تو اپنے ہاتھ سے لکھیں، اور پھر کہیں کہ یہ تو خدا کے پاس سے ہے، تاکہ اس کے ذریعے تھوڑے سے دام یعنی دنیوی فائدے حاصل کریں، پس افسوس ہے ان پر اس سے کہ وہ کماتے ہیں، یعنی اول تو وہ افترا ہے، پھر ٹھگ بازی کہ اس سے دنیا کمائی۔

اس آیت میں دو طرح کے لوگوں کا بیان ہے۔ ایک وہ جو مسائل بناتے تھے، اور دوسرے وہ جو ان کو تسلیم کر لیتے ہیں، پہلا گروہ تو علماء کا ہے، اور دوسرا ان کے مقلدوں اور مریدوں کا۔

اسی طرح اس امت مرحومہ میں بہت ایسے ہیں، جو قرآن و حدیث کچھ بھی نہیں جانتے، صرف سنی سنائی بے سند باتوں، موضوع روایتوں کی پیروی کرتے ہیں، اور بہت ایسے ہیں جو قیاسی فتووں اور من گھڑت مسائل کو شریعت محمدی کہہ کر لوگوں کے مال ٹھگتے ہیں

یہود کے اسی گروہ کی نسبت دوسری آیت میں فرمایا۔

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ (اعراف پ ۹) پھر ان کے بعد ان کے جانشین ایسے ناخلف ہوئے، کہ وہ کتاب (الٰہی) کے وارث تو بنے (لیکن اس سے) اس دنیائے دوں کو کمانے لگے، اور (اس پر بھی) کہتے ہیں، کہ یہ امر ہم کو ضرور معاف ہو جائے گا، اور اگر اسی طرح کی کوئی دنیوی چیز اب ان کے سامنے آ جائے، تو اسے بھی لے کر رہیں، کیا ان لوگوں سے کتاب الٰہی کا عہد نہیں لیا گیا کہ حق بات کے سوائے دوسری بات خدا کی طرف منسوب نہ کریں گے، اور جو کچھ اس کتاب میں ہے وہ انہوں نے پڑھ بھی لیا ہے (پھر بھی باز نہیں آتے)

ان آیتوں سے صاف ثابت ہے، کہ اہل کتاب کے علماء نے جو قرون اولیٰ کے بعد وارث کتاب ہوئے، کتاب الٰہی کو وجہ معاش بنایا تھا، جھوٹے مسئلے بنا کر اور خدا تعالیٰ کے ذمہ لگا کر دنیا کمانے لگے تھے، اور اس پر طرہ یہ کہ پھر نجات و بخشش کے سب سے پہلے امیدوار

اسی طرح اس امت مرحومہ میں بھی ایسے علماء بہت ہیں، جو کتاب الٰہی کو وجہ معاش بناتے ہیں، اور لوگوں کو یہ سناتے ہیں، کہ امت مرحومہ کو خدا بخش دے گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفارش کر کے سب کو چھڑا لیں گے، اور یہ ہم لوگوں کی طبیعتوں میں ایسا راسخ ہو گیا ہے، کہ اب اس کا نکلنا، اور عمل

اور اعتقاد میں موافقتِ قرآن وحدیث کا سمجھ میں آنا ایک عظیم امر ہے۔
یہود و نصاریٰ میں ان قیاسی فتاووں کے علاوہ بڑی آفت تو یہ برپا ہوئی جس نے دین کو جڑھ سے کھوکھلا کر دیا، اور لوگوں کو انواع و اقسام کے توہمات میں مبتلا کر دیا، کہ ایک طائفہ رہبانیت کے لباس میں خدارسی کا طالب ہوا۔
دنیا کو ترک کر کے تجرد و گوشہ نشینی اختیار کی، اور فقیر و درویش بن گئے۔ بعض نے تو اسے حکم خدا جان کر عین دین سمجھا، اور بعض نے جب دیکھا، کہ لوگ فقراء کے بہت معتقد ہوتے ہیں، اور ان کے ساتھ ان کی عقیدت بہ نسبت ظاہری علماء کے زیادہ راسخ ہوتی ہے، اور مال و جان سے ان کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں، تو انہوں نے اسی بھیس میں دنیا کمانی شروع کر دی،
خانقاہوں پر چلے کھینچ کر اور لباس و وضع اور گفتار و رفتار میں تکلف کر کے رہبان و درویش و صوفی بن بیٹھے، چنانچہ ان لوگوں کی بابت جنہوں نے رہبانیت یعنی طریق درویشی کو دین سمجھ کر اختیار کیا تھا فرمایا وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا (حدید پ ۲۷) اور دنیا کو چھوڑ بیٹھنا جس کو انہوں نے خود ایجاد کیا تھا، مگر انہوں نے اسی، خدا ہی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ایجاد کیا تھا، لیکن جیسا حق تھا، ویسا نباہ نہ سکے۔
اس آیت میں لفظ رهبانية علی شریطۃ التفسیر منصوب ہے۔ اور ما کتبناها علیهم جملہ مستانفہ ہے، اور الا ابتغاء رضوان الله میں استثناء منقطع ہے متصل نہیں، اور جنہوں نے استثناء متصل سمجھا ہے، بیضاوی نے ان پر اعتراض کیا ہے، کہ یہ قول الٰہی ابتدعوها کے خلاف ہے، یعنی اس رہبانیت کے ایجاد کو خداوند تعالیٰ نے فقراء نصاریٰ کی طرف منسوب کیا ہے، نہ کہ اپنی طرف، پس اس استثناء کو متصل کہنا درست نہیں، چنانچہ تفسیر جامع البیان میں اس کی تفصیل یوں لکھی ہے، اور یہی درست ہے، اس کے خلاف ہرگز درست نہیں۔
ورهبانية ابتدعوها منصوبة علی شریطة التفسیر ای ابتدعوا رهبانية یعنی جاءوا بالرياضة الشاقة والانقطاع عن الناس من عند انفسهم ما كتبناها عليهم ما امرناهم بها - الا ابتغاء رضوان الله. لكنهم ابتدعوها ابتغاء رضوان الله تعالى فما رعوها حق رعايتها ذم بوجهين الابتداع في دين الله تعالى وعدم القيام بما التزموا مما زعموا انه قربة (پ ۲۷. جامع)
لفظ رہبانیت علی شریطۃ التفسیر منصوب ہے، یعنی انہوں نے رہبانیت کو ایجاد کیا یعنی انہوں

نے مشکل ریاضتوں کا کرنا، اور لوگوں سے الگ تھلگ رہنا از خود مقرر کر لیا تھا، ہم نے ان کو اس کا امر نہیں کیا تھا، لیکن انہوں نے اسے خود اپنی طرف سے خدا کو راضی کرنے کے لئے بنایا، مگر اس کی رعایت جیسی کہ چاہئیے تھی نہ کی، اس میں اس کی دو طرح سے مذمت ہے، اول تو خدا کے دین میں بدعت جاری کرنی، پھر اس پر قائم نہ رہنا، جسے خدا کے قرب کا سبب جان کر اپنے اوپر لازم گردانا تھا۔

تفسیر کشاف میں بھی اس کی ترکیب اور تفسیر اسی طرح لکھی ہے۔

اس آیت سے صاف معلوم ہو گیا، کہ بدعت وہ شئے ہے، جس کا خدا تعالیٰ نے کسی نبی برحق کے ذریعے حکم نہ کیا ہو، اور کوئی شخص اس کو از خود یا کسی غیر نبی کے قول سے دین بنا بیٹھے، حدیث شریف میں بھی اسی طرح وارد ہے، چنانچہ مشکوۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ میں صحیح بخاری و صحیح مسلم سے بروایت حضرت عائشہ رضؓ نقل کیا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد (ص۲۹) جس شخص نے ہمارے اس امر دین میں ایسی بات نکالی جو اس سے نہیں ہے، تو اس کی وہ بات مردود ہے

حاشیہ پر ملا علی قاری کی شرح سے نقل کیا ہے۔

فھو رد ای الذی احدثہ مردود علیہ والمعنی ان من احدث فی الاسلام امرا لم یکن لہ من الکتاب والسنۃ سند ظاھر او خفی ملفوظ او مستنبط فھو مردود علیہ اقول فی وصف ھذا الامر بھذا اشارۃ الی ان امر الاسلام مکمل واشتھر فمن رام الزیادۃ علیہ حاول امرا غیر مرضی (مرقاۃ) کہ جس نے کوئی بدعت نکالی وہ بدعت اسی کے منہ پر ماری جائے گی، یعنی جس نے اسلام میں محض رائے سے ایسی بات نکالی جس کی کتاب وسنت میں نہ تو کوئی ظاہری سند ہے اور نہ مخفی ملفوظ اور نہ مستنبط، تو وہ اسی پر رد کی جائے گی (ملا علی قاری فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں، اس امر دین کو ھذا کے لفظ سے تعبیر کرنے میں اس بات کی طرف ہے کہ اسلام تو مکمل و مشتہر ہو چکا ہے، اب جو کوئی اس میں زیادتی کریگا وہ ناپسندیدہ امر کا مرتکب ہوگا۔

اس بیان سے معلوم ہو گیا، کہ کسی کو بھی کوئی حق نہیں، کہ امت پر امر دین میں کسی ایسے امر کا بوجھ ڈالے، جس کا بوجھ خدا تعالیٰ نے اپنے رسول پاک کی زبانی نہیں ڈالا، پس نصاریٰ میں یہ رہبانیت از خود جاری ہوئی تھی، جسے خدا نے پسند نہیں کیا، اس آیت میں رہبانیت کو نگاہ نہ رکھنے کا جو ذکر ہے، اس کا مطلب یہ ہے، کہ جو سختیاں اور ریاضتیں انہوں نے اپنے اوپر لازم کر لی تھیں، وہ

ان کو نبھا نہ سکے، اس میں نہایت باریک اشارہ ہے، کہ اگر وہ مشقتیں جمہور الناس کے لئے قابل برداشت ہوتیں، تو خدا تعالیٰ ان کو خود دین بناتا، لیکن خدا تعالیٰ نے اسی لئے ان کو دین میں داخل نہیں کیا، کہ وہ عوام کے حق میں ناقابل برداشت تھیں، فافہم

اسی معنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لن یشاد الدین احد الا غلبہ (بخاری) جو کوئی دین کو قابو کرنا چاہے گا، دین ہی اس پر قابو پائے گا۔

دوسرا گروہ جو درویشی (رہبانیت) کے بھیس میں دنیا کماتا تھا، اس کی اور ان کے علماء ظاہر دو کی بابت فرمایا۔ یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا إِنَّ کَثِیرًا مِنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَیَأْکُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَیَصُدُّونَ عَنْ سَبِیلِ اللَّهِ (توبہ پ ۱۰) مسلمانو! (اہل کتاب کے) اکثر علماء و مشائخ لوگوں کے مال ناحق کھاتے ہیں، اور (لوگوں کو) راہ خدا (توحید) سے روکتے ہیں۔

اسی طرح دوسری آیت میں ان کے علماء واعظین کی نسبت فرمایا۔ وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِیقًا یَلْوُونَ أَلْسِنَتَهُمْ بِالْکِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْکِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْکِتَابِ وَیَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَیَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْکَذِبَ وَهُمْ یَعْلَمُونَ (آل عمران پ ۳) اور ان میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے، جو کتاب (الٰہی) پڑھتے وقت اپنی زبانوں کو مروڑتے ہیں، تاکہ تم سمجھو کہ وہ (جو پڑھتے ہیں) کتاب (الٰہی) کا جزو ہے، حالانکہ وہ کتاب (الٰہی) کا جز نہیں، اور کہتے ہیں (کہ ہم جو پڑھتے ہیں) وہ اللہ کے ہاں سے (اترا) ہے، حالانکہ وہ اللہ کے ہاں سے نہیں (اترا) اور جان بوجھ کر خدا تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں۔

خاکسار کہتا ہے، کہ امت مرحومہ میں بھی کئی لوگوں نے ایسے طریق درویشی اختیار کر رکھے ہیں جن کی خدائے ذوالجلال نے اپنے رسول پاک کے ذریعہ اجازت نہیں دی، اور وہ ان میں خدارسی کا گمان رکھتے ہیں، اور جو کوئی اس طریق پر عمل نہ کرے، اسے درویش وصوفی نہیں جانتے، صرف ظاہر میں خشک ملا جانتے ہیں، اور نیز بہت سے متصوف ہیں، جو درویشی کے رنگ میں خلق خدا کو ٹھگتے ہیں، اور مال کماتے ہیں، اور بہت سے مولوی اور واعظ ایسے ہیں، جو صرف قصہ کہانی اور موضوع روایتیں ذکر کر کے عوام الناس کو پرچا لیتے ہیں، اور ان سے دنیا حاصل کرتے ہیں۔ حفظنا اللہ منہم آمین (۲۵/۹ رمضان ۱۳۳۱ھ)

نمبر اول میں مذکور ہو چکا ہے، کہ جن اسباب سے اہل کتاب یہود و نصاریٰ میں اختلاف ہوتا، وہ اسباب اس امت

مرحومہ میں بھی مدت سے موجود ہو چکے ہیں،

اور جو نتیجہ اختلاف اہل کتاب کے حق میں نکلا تھا، مسلمان بھی مدتوں سے اس کا خمیازہ اٹھا رہے ہیں، اور جو الزام کتاب الٰہی کو پس پشت ڈالنے، اور اس کے سوا دیگر جعلی کتابوں کی پیروی کرنے کا اہل کتاب پر عائد ہوا تھا، مسلمان بھی مدتوں سے اس الزام کو اپنے سر لے چکے ہیں، اب اسی کے متعلق میں چند احادیث ذکر کرنا چاہتا ہوں، جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس افسوسناک حالت کی خبر دی ہے۔

عن زیاد بن لبید قال ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم شیئا فقال ذاک عند اوان ذھاب العلم قلت یا رسول اللہ وکیف یذھب العلم ونحن نقرأ القرآن ونقرئه ابناءنا ویقرءہ ابناءنا ابناءھم الی یوم القیمۃ فقال ثکلتک امک یا زیاد ان کنت لاراک من افقہ رجل بالمدینۃ اولیس ھذہ الیھود والنصاری یقرءون التورٰۃ والانجیل ثم لا یعملون بشیئ مما فیھما۔ رواہ احمد وابن ماجۃ وروی الترمذی عنہ نحوہ وکذا الدارمی عن ابی امامۃ۔ مشکوۃ میں امام احمد وغیرہ سے بروایت زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ صحابی نقل کیا ہے، کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلسلہ ذکر میں فرمایا کہ یہ بات علم کے گم ہو جانے کی وقت ہوگی، اس پر زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ نے کہا، کہ یا رسول اللہ علم (دین) کس طرح گم ہو جائے گا، حالانکہ ہم خود قرآن پڑھتے ہیں، اور اپنے بیٹوں کو پڑھاتے ہیں، اور وہ اپنے بیٹوں کو پڑھائیں گے (اسی طرح یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا) آپ نے فرمایا اے زیاد! تیری ماں تجھ کو روئے، میں تو تجھے مدینہ میں بہت سمجھدار شخص خیال کرتا تھا کیا یہ بات نہیں ہے، کہ یہ یہود ونصاریٰ تورات وانجیل پڑھتے ہیں، پھر جو کچھ ان میں لکھا ہے، اس پر عمل نہیں کرتے۔

نیز مشکوۃ میں بروایت امام ترمذی وغیرہ ہے۔ عن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیاتین علی امتی کما اتی علی بنی اسرائیل حذو النعل بالنعل حتی ان کان منھم من اتی امہ علانیۃ لکان فی امتی من یصنع ذلک وان بنی اسرائیل تفرقت علی ثنتین وسبعین ملۃ وتفترق امتی علی ثلث وسبعین ملۃ کلھم فی النار الا ملۃ واحدۃ قالوا من ھی یا رسول اللہ قال ما انا علیہ واصحابی رواہ الترمذی۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے نقل کیا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت پر بھی (وہ کیفیت) آئے گی، جو بنی اسرائیل پر آئی، ٹھیک اسی طرح جیسے ایک

پاؤں جوتی کا دوسرے پاؤں کے مطابق ہوتا ہے، حتی کہ اگر (فرضًا) ان میں سے کسی نے اپنی ماں سے علانیہ زنا کیا ہے، تو میری امت میں بھی کوئی ہوگا، جو ایسا کرے گا، اور بنی اسرائیل تو پھوٹ کر بہتر فرقے ہوگئے تھے، لیکن میری امت تہتر فرقے ہوجائے گی، وہ سب سوائے ایک کے دوزخ میں جائیں گے، لوگوں نے دریافت کیا، کہ یارسول اللہ وہ ایک فرقہ کونسا ہے، آپ نے فرمایا جس طریق پر میں ہوں، اور میرے اصحاب ہیں، جو اس پر ہوگا،

یہ حدیث جس میں مسلمانوں کے کثیر فرقے ہونے کی خبر ہے، امام ترمذی کے علاوہ امام ابوداؤد امام احمد اور امام ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے، گو بعض محدثین نے اس پر من حیث الروایات کچھ کلام کیا ہے لیکن اس میں شک نہیں، کہ اسلام میں اختلاف وتقسیم وتفریق امت کی پیش گوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دیگر احادیث صحیحین سے بھی ثابت ہے، اگرچہ ان فرقوں کی تعداد کا ذکر نہیں ہے پس ہم نے اس روایت کو محض اسی خیال سے اپنے مضمون کی تائید میں ذکر کیا ہے، قد جعل اللہ لکل شیئ قدرا۔

چنانچہ اختلاف وتفریق صحیح مسلم کی اس حدیث سے صاف ظاہر ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عن جابر بن عبد اللہ قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول لاتزال طائفۃ من امتی یقاتلون علی الحق ظاہرین الی یوم القیمۃ (جلد اول ص ۸۷) وفی لفظہ عن ثوبان لایضرہم من خذلہم حتی یاتی وعد اللہ وھم کذلک (فتح الباری پارہ ۲۹ ص ۱۶۷) میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ رہے گا، جو حق پر ہوکر مقابلہ کرتا رہے گا، اور قیامت تک غالب رہے گا، اور صحیح کی دوسری روایت میں ہے، کہ جو کوئی اس گروہ کا ساتھ چھوڑ دے گا، وہ ان کو ضرر نہیں پہنچا سکے گا، حتی کہ خدا کا وعدہ (قیامت) آجائے گا، اور وہ اسی حالت (منصورہ) پر ہوں گے۔

اس حدیث کو امام بخاری نے بھی اپنی صحیح کتاب الاعتصام میں روایت کیا ہے۔

صحیح مسلم کی دوسری روایت میں الفاظ لایضرھم من خذلھم سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس فرقہ حقہ منصورہ کے مقابلہ میں اور فرقے بھی ہوں گے، پس مشکوۃ کی حدیث میں اسی امر کی توضیح ہے باقی رہا مشکوۃ کی حدیث کا دوسرا ٹکڑہ کہ میری عام امت کی حالت بنی اسرائیل کی سی ہوجائے گی، سو یہ بھی صحیح بخاری کی حدیث میں مصرح ہے، کہ

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لاتقوم الساعۃ حتی تاخذ امتی

باخذ القرون قبلها شبرا بشبر و ذراعا بذراع فقيل يا رسول الله كفارس والروم قال، ومن الناس الا اولئك (كتاب الاعتصام ص ۱۰۸۷ پ ۲۹ - طبع جدید دھلی ص ۱۰۸۸)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت قائم نہ ہوگی، حتی کہ میری امت اپنے سے پہلے زمانوں کی چال اختیار نہ کرے، بالشت بالشت، اور دست بدست، صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ فارسیوں اور رومیوں کی طرح، آپ نے فرمایا، ان کے سوائے اور کون؟ یعنی ہاں انہی کی طرح ہو جائیں گے۔

پس مشکوٰۃ والی حدیث کا مضمون صحیح ہے، اور وہ صحیحین کی احادیث کی تائید میں بیان ہو سکتی ہے۔ قد جعل الله لكل شئ قدرا۔

ہاں مشکوٰۃ کی حدیث میں فرقہ ناجیہ کی نسبت جو فرمایا ہے، کہ اس سے وہ فرقہ مراد ہے، جو میری سنت اور میرے صحابہ کی روش پر قائم ہوگا، اسی کی نسبت صحیحین کی حدیث میں لا تزال طائفة من امتی وارد ہے، اور وہ وہی ہے، جو سنت صحیحہ پر قائم ہے، اور جس کے عقاید و اعمال، اصول و فروع کی بنا محض وحی ربانی پر ہے، اور رائے و قیاس کی کدورت سے سالم ہے۔

فتح الباری میں حافظ ابن حجر نے اور عمدۃ القاری میں علامہ عینی حنفی نے امام ترمذی سے بروایت امام بخاری نقل کیا، کہ امام علی بن مدینی کہتے تھے کہ مراد اس طائفہ سے اہلحدیث ہیں، نیز حافظ ابن حجر نے امام احمد سے بسند صحیح بروایت حاکم نقل کیا ہے، کہ آپ فرماتے تھے، کہ اگر یہ فرقہ اہلحدیث نہیں، تو میں نہیں جانتا، کہ پھر کونسا ہے یعنی ضرور یہی لوگ مراد ہیں، اور ان کے سوا اور کوئی نہیں،

مشکوٰۃ کی حدیث مذکورہ بالا میں بعض محدثین نے از روئے درایت یہ اشکال بیان کیا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بہت سی امت کے داخل جنت ہونے کی بشارت سنائی ہے اور اس روایت کی رو سے بہت تھوڑی امت کے داخل جنت ہونے کا پتہ لگتا ہے، اور ان میں مطابقت مشکل ہے، گو کتب شروح حدیث میں اس اشکال کے بہت سے جوابات درج ہیں لیکن لگتے ہاتھ ہم بھی ایک جواب ذکر کر دیتے ہیں، کہ اصل دین تو وہی ہے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچے، اور صحابہ اس کے پہنچنے کا واسطہ ہیں۔

پس جو فرقہ اپنے جس امر مخصوص میں طریق نبوی سے جو ہم کو بواسطہ صحابہ کرام معلوم ہو چکا ہے، منفرق و جدا ہوا ہے وہ اس میں سراسر غلطی و خطا پر ہے، اور وہ غلطی و خطا علی حسب مراتب موجب سزا ہے۔

پس اس سے تمام اشکال و ترددات رفع ہو جاتے ہیں، اور متن حدیث میں کوئی قدح نہیں رہتی بلکہ یہ وجہ جو ہم نے بیان کی خود متن حدیث ما انا علیہ واصحابی سے ماخوذ ہے، اور اس وقت یہی امر

ہمارا نصب العین ہے کہ خیر الھدی ھدی محمد و شر الامور محدثاتھا یعنی

ہوتے ہوئے مصطفےٰ کی گفتار مت دیکھ کسی کا قول و کردار

اس تمہید کے بعد کسی فرقہ کی قدامت وجدت کا سوال بخوبی حل ہو جائے گا۔ اول تو حدیث مشکوٰۃ کی رو سے ہر فرقہ اپنے مخصوص مسائل کو جن کے سبب وہ دوسروں سے ممتاز و الگ گنا جاتا ہے کتاب و سنت کے نصوص پر پرکھے، اور اپنے مخصوص طرز طریقے اور رائے و قیاس سے کام نہ لے، بلکہ نصوص شرعیہ کو امام بنا کر ان کی پیروی کرے، اور ان میں سے اپنے یا کسی دیگر فرقے کی موافقت یا مخالفت کا لحاظ نہ کرے، پھر خدا کے فضل سے اس کو روز روشن کی طرح حق و باطل میں تمیز ہو جائے گی، اور واضح ہو جائے گا کہ

اہل الحدیث ھم اہل النبی وان لم یصحبوا نفسہ انفاسہ صحبوا

یعنی اہل حدیث ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل ہیں، اگرچہ انہوں نے آپ کی ذات بابرکات کی صحبت نہیں پائی، لیکن ان کو آپ کے انفاس طیبہ یعنی احادیث مطہرہ کی صحبت تو حاصل ہے، یعنی شب و روز احادیث نبویہ ان کے ورد زبان اور دستور العمل ہیں۔

اس اجمالی اور مختصر طریق کے بعد ہم ایک دیگر تفصیلی طریق فیصلہ بھی لکھتے ہیں جو دلائل عقلیہ و نقلیہ ہر دو سے ممزوج ہے، اور وہ یہ ہے، کہ کسی فرقہ کی جدت و قدامت معلوم کرنے کے لئے تین امور پر نظر کرنی ضروری ہے۔

اوّل اس فرقہ کے منسوب الیہ کو دیکھیں، کہ اس کا وجود کب ہوا یعنی اس امر کی تحقیقات کریں کہ یہ فرقہ جس کی طرف منسوب ہے، وہ کب وجود پذیر ہوا، عام اس سے کہ وہ منسوب الیہ کوئی خاص شخص ہو، یا کچھ اور، کیونکہ ضرور ہے کہ ہر منسوب اپنے منسوب الیہ سے بعد موجود ہو اور یہ کبھی نہیں ہو سکتا، کہ کوئی نسبت منسوب الیہ کے وجود سے پیشتر قائم ہو جائے، کیونکہ نسبت ایک وصف ہے، اور منسوب الیہ موصوف ہے، اور کسی وصف کا قیام بغیر موصوف کے نہیں ہو سکتا۔

منسوب الیہ خواہ کوئی خاص شخص ہو، خواہ کوئی مقام، خواہ فن، خواہ قوم، مثلاً بنی آدم حضرت آدم علیہ السلام کی طرف منسوب ہو کر آدمی کہلاتے ہیں، تو ان کا وجود حضرت آدم علیہ السلام سے پیشتر نہیں ہو سکتا، اسی طرح حنفی در صورت امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب ہونے کے آپ کے وجود باجود سے پیشتر بلکہ آپ کے درجہ اجتہاد و امامت پر پہنچنے یا آپ کے ساتھ نسبت امامت و مقلدیت قائم کرنے سے پیشتر حنفی نہیں کہلا سکتے، اور نہ اس معنی میں امام صاحب کے مروج سے پیشتر حنفیت کا

وجود متصور ہو سکتا ہے، اور نہ تھا، اسی طرح اہلحدیث جو سب نسبتوں سے قطع کر کے صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک کی طرف ہیں، ان کی قدامت وجدت کے لئے حدیث نبوی کی طرف نظر کی جائے گی، کہ اس کی ابتدا کب سے ہے، جس کی بنا پر وہ فخریہ کہتے ہیں ع

کسی کا ہو رہے کوئی نبی کے ہو رہیں گے ہم

اس میں توکسی کو کلام نہیں، کہ علم حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال وتقاریر کا مجموعہ ہے، اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمان برکت نشان ہی میں ہو سکتے ہیں، لہٰذا گروہ اہلحدیث بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سعادت مہد سے ہے، اور اس میں بھی کسی کو کلام نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں صرف کتاب اللہ اور آپ کے بیان کی پیروی تھی نہ توکسی کی رائے اور قیاس پر عمل تھا، اور نہ کسی کے قیاسی اصول پر شرعیات کی بنا رکھی جاتی تھی، اور منصب رسالت کی طرف نظر سے خود معلوم ہو سکتا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں آپ کے سوائے کوئی قابل اتباع ہو ہی نہیں سکتا، اب قرآن مجید تو وہی ہے، اور سب فرقوں میں یکساں مسلم ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کی بجائے آپ کا وہی بیان جو آپ نے صحابہ کو سکھایا تھا، کتب حدیث میں مندرج ہے، اور ہمارا دستور العمل ہے، یہی وجہ ہے، کہ ہم اہلحدیث باتخصیص حدیث نبوی کو اپنا منسوب الیہ قرار دیتے ہیں، کیونکہ اسی کے متعلق بعد کے زمانوں میں کئی قسم کے کلام کئے گئے، جسے ہم انشاء اللہ علم اصول کے وضع کئے جانے، اس کی غرض و غایت اور اس کی حالت موجودہ اور اس کے اثر کے بیان میں ذکر کریں گے ۔وان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ

اہل حدیث کے سوائے جس قدر فرقے ہیں، چونکہ ان کے منسوب الیہ (امام) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے ہوئے، پس وہ فرقے بھی جدید ہیں، اور حقیقت میں انہی لوگوں نے فرقہ بندی کی بنا ڈالی اور ایک امت کو کئی فرقوں میں تقسیم کر دیا۔ فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ۔

تنبیہ: چونکہ علم حدیث کی تدوین پیچھے ہوئی یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کے دفتر کتابی صورت میں بعد میں ضبط کئے گئے، اس لئے بعض لوگ یہ شبہ کرتے ہیں کہ اہلحدیث

لہ اس مسئلہ پر پہلے بھی ایک معقول اور مفصل مضمون اہلحدیث مورخہ ۲۰ ستمبر ۱۲ء میں نکلا تھا جس کو مدراس کے مخیر اہل حدیث سی عبد الرزاق کمپنی نے رسالہ کی صورت میں چھاپ کر مفت تقسیم کرایا تھا (ایڈیٹر)

بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوئے، اور نیز یہ کہ حدیث نبوی کی پیروی بھی بعد ہیں کی جانے لگی، یہ لوگ نکتہ رسی سے کوسوں دور ہیں، اور یہ بات ان کے زیغ کی علامت اور حدیث پاک سے بدظنی کی نشانی ہے، کیونکہ کسی علم کا کتابی شکل میں مدون ہونا امر دیگر ہے، اور اس کا رائج و مستعمل ہونا امر دیگر پس اگرچہ علم حدیث کتابی صورت ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آیا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی ہیں اس کی کتابت کی ضرورت نہیں تھی لیکن اس کا استعمال اور اس پر عمل درآمد اور اس کا واجب الاتباع ہونا زمانہ نبوت اور عصر صحابہ ہیں برابر تھا جس سے کسی کو انکار نہیں، مثلاً نماز وغیرہ عبادات و معاملات کے احکام جو کتب حدیث میں مروی ہیں، عصر نبوت و عہد صحابہ میں برابر مستعمل تھے، اور اسی عمل درآمد کو روایۃً مع اسناد مدون کیا، تو کتاب نئی ہوئی، نہ کہ وہ علم و عمل، پس یہ شبہ بالکل واہی ہے۔

امر دوم جس پر کسی فرقہ کی قدامت و جدت کے متعلق نظر ضروری ہے، یہ ہے، کہ اس فرقہ کے اصول کو دیکھا جائے، کہ آیا یہ اصول صاحب شرع کے اپنے مقرر کردہ ہیں، یا اس کے بعد کسی دیگر نے ان سب کو یا ان میں سے بعض کو وضع کیا ہے

اس امر پر نظر کرنے کا فائدہ یہ ہوگا، کہ جس فرقے کے اصول صاحب شرع محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ ہوں گے، اس کو آپ سے خاص نسبت اور حقیقی تعلق ہوگا، اور جس فرقہ کے تمام یا بعض اصول مخترعہ ہوں گے، وہ فرقہ از روئے ایک خاص فرقہ ہونے کے اصل بانی شریعت پیغمبر برحق کی طرف حقیقۃً منسوب نہیں ہو سکے گا، بلکہ اس کی نسبت اس کی طرف صحیح ہوگی، جس نے اس کے اصول مخترعہ وضع کئے، چنانچہ جہمیہ اس نام سے اسی لئے پکارا گیا، کہ ان کے مسائل مخصوصہ ان کے امام جہم بن صفوان کے اختراع کردہ ہیں، یہ فرقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریباً سوا سو سال بعد نکلا اور صفات باری عز اسمہ اور مسئلہ قدر و جبر کی جو مخصوص کیفیت ان کے ہاں مسلم ہے، وہ نہ تو زمانہ نبوت میں تعلیم کی گئی تھی، اور نہ عصر صحابہ میں کوئی اس کا قائل تھا، پس چونکہ اہلحدیث کا اصل اصول یہ ہے ؎

اصل دین آمد کلام اللہ معظم داشتن پس حدیث مصطفےٰ برجان مسلم داشتن

اور یہ اصول اپنی ذاتی شہادت سے بغیر کسی خارجی دلیل کی احتیاج کے ظاہر کر رہا ہے، کہ یہ اپنے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے ہوں، اس لئے اہلحدیث کی ابتدا بھی جو اس اصول کے پابند ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، اسی بنا پر وہ ہاں صرف وہی علی رؤس الاشہاد کہتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں، کہ ہمارا کوئی عقیدہ اور کوئی طریق عمل اور کوئی طریق عبادت ایسا نہیں، جو آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمایا ہوا یا سکھایا یا بتلانہ ہو یا عصر صحابہ میں اس پر عمل نہ ہوتا ہو، اور سب مراتب کے بعد یہ کہ ہمارا ظاہر و باطن بالکل قرآن و حدیث کے مطابق و موافق ہے، اور اس میں سر مو کسی نوع کا تخالف نہیں، ہمارے کسی عقیدے اور کسی عمل میں کوئی ایسی کجی نہیں جو قرآن شریف کی کسی نص یا حدیث نبوی کے کسی بیان یا ہر دو کے استنباط صحیح سے ذرہ بھر بھی مخالف ہو، ہمارے جمیع مسلمات اعتقادیہ و عملیہ، اصولیہ و فروعیہ ہمارے نزدیک اسی صورت میں تسلیم کئے جاتے ہیں، جس صورت میں صحابہ میں تسلیم کئے جاتے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کئے تھے، یا کم از کم در صورت نص موجود نہ ہونے کے قرآن و حدیث سے صحیح طور پر مستنبط ہیں، محض قیاس و رائے نہیں ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ۔ اس امر میں شاید ہمارے مقابلے میں ہمارے علاتی بھائی حنفی بھی شراکت کا دعویٰ کریں، اس لئے ہم نے اپنی عبارت مذکورہ میں مخالفت نصوص کا نہ ہونا بالخصوص ذکر کیا ہے، جو ہم ان کے بہت سے اصول اجتہاد و جزئیات فقہیہ میں اس وقت ظاہر کریں گے، جب بحولہ و قوتہ علم اصول کی بحث پر آئیں گے۔

تیسرا امر جس پر کسی فرقہ کی جدت و قدامت معلوم کرنے کے لئے نظر ضروری ہے یہ ہے کہ تاریخی طور پر اس فرقہ کے اصول پر نظر کی جائے، کہ ان پر عملدرآمد کب شروع ہوا، آیا بانی شرع کے وقت میں، اور اس کے بعد صدر اول میں ان اصول متنازعہ پر عملدرآمد تھا یا نہیں؟

یہ اس لئے ہے، کہ ہو سکتا ہے، کہ کوئی فرقہ قرآن و حدیث میں کھینچ تان کر کے اور اپنے خود ساختہ مقدمات و اصول قیاس و اجتہاد قائم کر کے اپنے اصول کو پرانا قرار دے لے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ جس صورت میں یہ اصول و مسائل ہمارے سامنے پیش کئے جاتے ہیں، آیا اس صورت نے اس سے قبل عہد نبوت و عصر صحابہ میں بھی عملی شکل اختیار کی تھی، کیونکہ اسلام عملی مذہب ہے، اور اس کا علم بھی عمل سے متعلق ہے محض ذہنی امر نہیں ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کے آخری دور کے آخری نبی ہیں، اور صحابہ آپ سے علم و عمل حاصل کرنے والے

اگر تاریخی طور پر ثابت ہو جائے، کہ یہی پیش افتادہ صورت زمان برکت نشان میں مسلم تھی، تو اس فرقہ کے قدیم ہونے میں اور اپنے صاحب شرع نبی کے وقت سے ہونے میں کوئی کلام نہیں ورنہ اس کا مخترعہ ہونا یقینی ہے

اس اصول کی رو سے بھی اہلحدیث اپنے اسی پرانے اصول سے

اصل دین آمد کلام اللہ معظم داشتن　　　پس حدیث مصطفےٰ بر جان مسلم داشتن

کو دہراتے ہیں، اور نیز سب کو یہ

ما اہل حدیثیم دغا را نہ شناسیم　　　با قول نبی چون و چرا را نشناسیم

سنا کر کہہ سکتے ہیں، کہ زمان سعادت اقتران میں اسی پر عمل تھا، عہد صحابہ میں یہی دستور العمل تھا عصر تابعین میں اسی کا رواج تھا، اس کے سوائے کوئی دیگر امر واجب الاتباع نہیں سمجھا جاتا تھا اتَّبِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ میں اسی روش کی تاکید ہے اور مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا کا حکم اسی پر مبنی ہے، پس اہلحدیث کے قدیم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے ہونے میں کوئی شبہ نہ رہا وللہ الحمد　　　(۲۳ ذیقعدہ سنہ ۱۳۲۱ھ)

شیعی فتاویٰ

لاہور کے شیعہ علماء میں ایک صاحب مولوی حائری صاحب ہیں، جن کے فتاوی پہلے اخبار ذوالفقار میں چھپا کرتے تھے، اس کے بعد ہونے کے بعد اب دہلی کے اثنا عشری میں نکلتے ہیں، آپ کے فتاوی کیا ہوتے ہیں، عموماً عقاید اہل سنت کی تردید اور تغلیط، چنانچہ شیعہ مفتی صاحب سے سوال ہوتا ہے۔

سوال:- اہل سنت کے ہاں یہ روایت فضائل میں بیان کی گئی ہے، کہ جناب پیغمبر صلعم نے ارشاد فرمایا۔ الحق ینطق علی لسان عمرؓ یعنی حق کلام کرتا ہے عمر کی زبان سے، اس روایت کی آپ کے متعلق حضور کی کیا رائے ہے (۱۱ر فروری)

(یہ روایت چونکہ مذہب شیعہ کے مخالف تھی، اس لئے مفتی صاحب نے اس کی تردید کرنی ضروری سمجھی، چاہئے تھا، کہ اس کی تنقید بطریق محدثین کرتے، وہ تو کی نہیں، شاید مشکل ہو یا کامیابی کی امید نہ ہو اس لئے آپ ایک طرح سے اس روایت کی تردید کرتے ہیں، جو خاص آپ ہی کا حصہ ہے فرماتے ہیں

الجواب:- اگر اس روایت کو صحیح مان لیا جائے، تو لازم آئے گا، کہ خلافت مآب عمر کا یہ کہنا کہ ماشککت فی نبوتک کشک یومی ھذا۔ بخاری[1] یعنی جیسا آج میں نے یا محمد صلعم آپ کی نبوت میں شک کیا ہے، اس سے پیشتر کبھی ایسا شک نہیں کیا، یہی کلام حق ہو، دراصل اس کلام کا ماخذ

---

[1] بخاری میں یہ الفاظ کہاں ہیں؟ (اہلحدیث)

کیا تھا۔ اس کو محدثین نے حسب ذیل لکھا ہے۔

کہ بروز حدیبیہ جناب ختمی رسالت فداہ روحی نے جب اہل مکہ سے صلح کرنی چاہی، تو خلافت مآب عمرؓ بہت خفا ہو کر جناب رسالت مآب صلعم سے کہنے لگے، یہی وہ وعدہ ہے جو آپ نے دخول مکہ کے متعلق ہم سے کیا ہے، اور اس روز اس آیت کو پڑھ کر سناتے رہے ہے، جو رسول خدا صلعم نے کہا تھا، کہ جبرئیل وحی لے کر آئے۔ لقد صدق الله رسولہ الرؤیا بالحق لتدخلن المسجد الحرام انشاء الله۔ جناب رسالت مآب صلعم نے جب عمرؓ کا اس قدر جرات سے اعتراض کرنا ملاحظہ فرمایا، تو ارشاد کیا، میں نے یہ تو نہیں کہا تھا، کہ اس سال ہم مکہ معظمہ میں داخل ہو جائیں گے، پھر جب آیندہ سال مکہ فتح ہوا، تو جناب رسول خدا صلعم دروازہ سقایت حاج پر کھڑے ہوگئے اور فرمایا۔ عمر خطاب کہاں ہیں، ان کو بلایا گیا، پس حضور صلعم نے ارشاد فرمایا، یا ابن الخطاب بتاؤ اب ہم مسجد الحرام میں داخل ہوئے یا نہیں، اس وقت خلافت مآب عمرؓ نے جب غیظ و غضب کے آثار چہرہ مبارک پیغمبر صلعم پر مشاہدہ کیئے، تو کہا آمنت بالله ربا و بالاسلام دینا و بالقرآن کتابا و بمحمد نبیا۔[1] پس اگر روایت مذکور الحق ینطق علی لسان عمرؓ صحیح ہوتی تو خلافت مآب عمرؓ جناب پیغمبر صلعم کے حق میں کبھی یہ خلاف حق کلمہ زبان سے نہ نکالتے، کہ جیسا میں نے آج تیری نبوت میں شک کیا ہے، اس سے پیشتر کبھی نہیں کیا، اس کے خلاف حق ہونے پر ان کا پشیمان ہونا، اور آمنت بالله کہنا ہی دلیل ہے، کہ مذکورہ روایت موضوع ہے، ورنہ پھر یہ اظہار شک فی النبوۃ کرنا از زبان عمرؓ بھی نطق بالحق تھا یا نہیں، بصورت اول خلیفہ صاحب کا اس نطق بالحق پر پشیمان ہونا بقول آمنت بالله ربا الخ غلط ہوتا ہے، اور بصورت ثانیہ الحق ینطق الخ یہ موضوع ہے، اور قابل تسلیم نہیں ہے (۱ فروری)

اہلحدیث حدیث مذکور کے الفاظ یہ ہیں قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم ان الله جعل الحق علی لسان عمر و قلبہ (رواہ الترمذی) و فی روایۃ ابوداؤد ان الله وضع الحق علی لسان عمر یقول بہ۔ یعنی ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے، کہ رسول الله صلی الله علیہ وسلم نے فرمایا، الله تعالیٰ نے عمر کی زبان اور دل پر حق جاری کیا ہے، وہ حق بولتا ہے۔

---

[1] اس کا حوالہ صحیح دینا بھی مفتی صاحب کا فرض ہے (اہلحدیث) [2] اس کا بھی حوالہ ندارد۔ شیعہ مفتی صاحب سے ہماری یہ شکایت بہت پرانی ہے، کہ آپ مرزا قادیانی کی طرح بے حوالہ صحیح لکھنے کے عادی ہیں (اہلحدیث)

اس حدیث کی تردید کے لئے حائری صاحب نے حدیبیہ کا واقعہ پیش کیا ہے، جو بجائے تردید کے تائید کرتا ہے، کیونکہ اس کا سارا قصہ یوں ہے، کہ فتح مکہ سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں معلوم کرایا گیا، کہ ہم کعبہ شریف میں داخل ہو کر طواف کرتے ہیں، آپ نے شوق میں تیاری کر کے کوچ کر دیا، مکہ کے قریب پہنچے، تو مکہ والوں نے روک دیا، آخر مقام حدیبیہ پر عہد نامہ ہوا، کہ آئندہ نو سال تک مسلمانوں اور قریش مکہ میں مصالحت ٹھہری ہے، مگر شرط بڑی کڑی تھی، کہ جو مشرک مسلمانوں میں جا ملے، اس کو مسلمان واپس کریں، اور جو مسلمان مشرکوں کے پاس واپس آئے، اس کو مشرک واپس نہ کریں، یہ شرط ایسی کڑی تھی، کہ آج بھی اگر کسی موقع پر کی جائے، تو مسلمان باختیار خود تسلیم نہ کریں۔

اسی وقت ایک ایسا واقعہ پیش آیا، جو زیادہ جوش کا موجب ہوا، ابو جندل صحابی جس کو مشرکوں نے اسلام کی وجہ سے زنجیروں میں بند کر رکھا تھا، بدقت و دشواری چھپتا چھپاتا اسلامی کیمپ میں آپہنچا جسے دیکھ کر مسلمانوں میں جوش پیدا ہوا، کہ ہیں؟ ہمارے ایک مسلمان بھائی کو یہ تکلیف ہے، ہم اسے واپس کر دیں؟ مگر یہاں معاملہ دگرگوں تھا، دربار رسالت سے فیصلہ ہوا، کہ ہم وعدہ کی پابندی میں اس قیدی کو نہیں رکھ سکتے، اس موقع پر کون مسلمان ہے، جس کی آنکھوں سے خون کے آنسو جاری نہ ہوں اور دل میں ایک دفعہ بھی جوش نہ آئے، مگر بپاس ادب سب خاموش ہیں، لیکن سب سے بڑا غیرت مند اور اسلام اور اہل اسلام پر اظہار جوش کرنے والا (عمر فاروق رضی) نہ رہ سکا، دربار رسالت میں آکر ان لفظوں میں عرض کرتا ہے۔

یا رسول اللہ الست نبی اللہ قال بلی قلت السنا علی الحق وعدونا علی الباطل قال بلی فقلت علی ما نعطی الدنیۃ فی دیننا ونرجع ولما یحکم اللہ بیننا وبین اعدائنا فقال انی رسول اللہ وھو ناصری ولست اعصیہ قلت اولست کنت تحدثنا انا سنأتی البیت ونطوف بہ قال بلی اناخبرتک انک تاتیہ العام؟ قلت لا قال فانک تاتیہ وتطوف بہ (زاد المعاد مصری ج۱ص ۳۸۲) یا حضرت کیا آپ نبی نہیں ہیں؟ فرمایا ہاں، کہا کیا ہم حق پر اور دشمن ناحق پر نہیں ہیں؟ فرمایا ہاں، کہا پھر ہم کو اس شرط کی وجہ سے کیوں ذلیل کیا جاتا ہے، اور بغیر فیصلہ کے ہم کیوں گھروں کو واپس جاتے ہیں، حضور نے فرمایا میں رسول خدا ہوں، وہی میرا مددگار ہے، میں اس کی نافرمانی نہیں کروں گا، عرض کیا، کیا آپ نہیں فرماتے تھے، کہ ہم بیت اللہ میں پہنچ جائیں گے، اور طواف کریں گے، فرمایا ہاں، مگر میں نے یہ بھی کہا تھا؟ کہ اسی سال، عرض کیا نہیں، فرمایا، پھر کیا ہے، کبھی تم پہنچ جاؤ گے، اور طواف کرو گے،

اللہ اللہ کس قدر دینی جوش ہے، اور کتنی غیرت قومی ہے، اے کاش اس کا ہزاروں حصہ بھی شیعہ دوستوں کو ایران کے معاملہ میں ہوتا، تو یہ نوبت نہ پہنچتی جو پہنچی۔

ہاں جب یہ جوش ٹھنڈا ہوا، اور بحکم صاحب الوحی دل کو تسکین ہوئی، تو آپ اپنا حال خود ہی کہتے ہیں ماشککت منذ اسلمت الا یومئذ فاتیت النبی الخ جب سے میں مسلمان ہوا ہوں مجھے اسلام میں کبھی شک نہیں ہوا مگر اس روز جب ابو جندل کی واپسی میں نے دیکھی، تو میں نے حضور کے پاس جا کر مذکورہ بالا گفتگو کی۔

ناظرین! خدارا انصاف کیجیے، کہ یہ واقعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی دینی غیرت اور ایمانی تصدیق کا ثبوت ہے تا تردید؟

تمثیل خدا کی حکمتوں کو خدا ہی جانتا ہے، مگر جب ان حکمتوں کا ظہور ہوتا ہے، تو مومن کے دل کو عجب سرور حاصل ہوتا ہے، حدیبیہ میں اس واقعہ کے ساتھ ہی ایک دوسرا واقعہ جناب علی مرتضی کا پیش آیا، جو معاہدہ کے کاتب تھے، معاہدہ کی عبارت کا شروع یوں تھا

هذا ما صالح به محمد رسول الله وقريش مكة۔ یہ وہ معاہدہ صلح ہے، جو محمد رسول اللہ اور قریش مکہ میں ہوا۔

قریش نے محمد کے ساتھ رسول اللہ کا لفظ ہونے پر اعتراض کیا، کہ ہم آپ کو رسول اللہ نہیں مانتے آپ یوں لکھیے، محمد بن عبد اللہ

حضور اکرم نے ان کا سوال معقول سمجھا، اور جناب علی مرتضی کو حکم دیا کہ اس عبارت میں سے "رسول اللہ" کاٹ کر "محمد بن عبد اللہ" لکھ دو، حضرت علی رض اس پر بگڑ گئے، عرض کیا، میں رسول اللہ کا لفظ نہیں کاٹوں گا آہ! کیا غیرت ہے، اور کیا جوش ہے، مگر اعداء علی رض کو یہ موقع ملا ہے، کہ وہ جناب کی نسبت بے فرمانی کا گمان کریں، اور اپنی سیاہ دلی سے جھٹ یہ آیت پڑھیں وَمَنْ يَعْصِ اللهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ لیکن ایک صاف دل مومن جان سکتا ہے، کہ حضرت علی رض کی یہ بے فرمانی دراصل بے فرمانی نہیں ہے، بلکہ کمال جوش ایمانی ہے،

عارفانہ نگاہ میں اس واقعہ میں حکمت الٰہیہ یہ ہے، کہ آیندہ چل کر حضرت علی رض کے دشمن اعتراض کریں گے، تو حضرت عمر رض کا واقعہ ان کو جواب دے گا، اور حضرت عمر کے دشمن اعتراض کریں گے، تو حضرت علی رض کا واقعہ جواب دینے کو کافی ہوگا، کہ غیرت ایمانی اس کو کہتے ہیں کیا سچ ہے ؎

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن نہ دہم گوش را نیز حدیث تو شنیدن نہ دہم

اسی طرح حضرت عمر فاروق کا اپنی بابت حضرت حذیفہ رضہ سے سوال کرنا بھی کسر نفسی ہے، ورنہ جناب اپنا حکم تو حضور ہی ہے، اگر (نصیب اعداء) فاروق رضہ منافق ہوتا، تو پوچھتا ہی کیوں؟ کیا اپنا پردہ فاش کرانے کو؟ کوئی ایسا کرتا ہے؟ اسی طرح آمنتُ باللہ کہنا بھی کمال خوف خدا کا ثبوت ہے، نہ کہ عدم خوف یا نفاق کا، مگر ع

گل است سعدی و در چشم دشمناں خار است

ہاں بیت اللہ کے پاس کھڑے ہو کر حضور کا عمر بن خطاب کو بلانا حوالہ کا محتاج ہے، امید ہے کہ اس کا صحیح حوالہ درج کرائیں گے، ایسا ہی اس کا حوالہ بھی مطلوب ہے، جو آپ نے لکھا ہے، کہ عمر رضہ نے کہا "میں نے تیری نبوت میں شک کیا"

ہاں یاد آیا، کہ شاید آپ کو یہ خیال آیا، کہ حضرت عمر رضہ پر حق نازل ہونے کے یہ معنی ہیں، کہ ہر آن اور ہر وقت جناب ممدوح کی زبان سے ایسا ہی نکلتا تھا، اے جناب سنیئے! اس قسم کے قضایا اوقات کے لحاظ سے منطقی اصطلاح میں مہملے ہوتے ہیں، اس لئے کوئی ایسا ویسا واقعہ اس کے منافی نہیں کیا آپ کو معلوم نہیں، کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے

مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى (نبی اپنی خواہش سے نہیں بولتا) اس کے ساتھ ہی وہ نطق بھی آپ کو یاد ہے؛ جس کے جواب میں ارشاد پہنچا تھا

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ (خدا تجھے معاف کرے، تو نے ان کو کیوں اذن دیا)

نیز وہ نطق بھی آپ کو یاد ہوگا جس کے جواب میں عتاب آمیز ارشاد پہنچا ہے لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ (اے نبی جو چیز خدا نے تیرے لئے حلال کی ہے، تو اس کو حرام کیوں کرتا ہے.

کیا یہ دونوں واقعات ما ینطق عن الھوٰی کے مخالف ہیں؟ مفتی صاحب! فتوی دیتے ہوئے، اتنا خیال کر لیا کریں، کہ ملک میں قرآن و حدیث جاننے والے بھی ہیں ؎

سنبھل کے رکھیو قدم دشت خار میں مجنوں کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

(اہلحدیث ۱۳ فروری ۱۹۲۰ء)

یسوع مسیح کی کامیابی — وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

آج جس مضمون پر ہم کچھ لکھنے کو ہیں، اس کے دو پہلو ہیں، ایک انجیلی، دوسرا قرآنی، کچھ شک نہیں، کہ

قرآن شریف ہی ایک ایسی کتاب ہے، جس نے مسلمانوں کو جناب مسیح علیہ السلام کا قائل کردیا، ورنہ انجیلی واقعات تو ہرگز ہرگز ہم کو قائل نہ بنا سکتے، اسی لئے ہم ڈنکے کی چوٹ سے کہتے ہیں، کہ قرآن مجید کے احسانات عام میں سے بڑا احسان خاص کر عیسائیوں پر ہے، کہ اس کے جناب مسیح کے بدگو دنیا میں کم کرکے نیک گو زیادہ کردیئے، ورنہ اگر قرآن مجید مسلمانوں کو مسیح کے حق میں وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ کہہ کر نیک ہدایت نہ کرتا، تو آج مسیح کے بدگوؤں کی تعداد کروڑہا زیادہ ہوتی، خیر یہ ایک تمہید ہے ہمارے اصل مضمون کی، ہمارا اصل مضمون ہے "مسیح کی کامیابی"

عیسائی اخبار نور افشاں نے ایک مضمون اسی عنوان پر چھوٹا سا لکھا ہے، جس میں ذکر ہے، کہ جس کام کے لئے جناب مسیح دنیا میں تشریف لائے تھے، وہ پورا کر گئے، چنانچہ اخبار مذکور کے الفاظ یہ ہیں

"خداوند یسوع مسیح نے جب کہ وہ اپنی دنیا پر کی خدمت کو انجام دے کر آسمان پر جانے کو تھا، تو اس نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا کہ میں نے زمین پر تیرا جلال ظاہر کیا ہے، میں اس کام کو جو تو نے مجھے کرنے کو دیا ہے تمام کر چکا" (۲۳ رجنوری سنہ ۲۰ء ص ۵)

اہل حدیث قرآن مجید نے حضرت مسیح کے حق میں جو ہم کو عقیدہ سکھایا ہے، اس کے تو ہم قائل ہیں، مگر انجیلی حوالہ سے ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں، کہ مسیح اپنے مشن میں کامیاب نہیں ہوئے، جو کچھ انہوں نے سنوارا بھی تھا وہ فوراً بگڑ گیا، چنانچہ انجیل کی مندرجہ ذیل عبارت اس پر شاہد عدل ہے۔

حضرت مسیح کی ساری زندگی میں چند آدمی ان پر ایمان لائے۔ ان کا انجام بھی یہ ہوا، جو انجیل کی مندرجہ ذیل عبارت سے ملتا ہے۔

"آخر وہ ان گیارہوں (حواریوں) کو جب وے کھانے بیٹھے تھے دکھائی دیا، اور ان کی بے ایمانی اور سخت دلی پر ملامت کی، کیونکہ وہ ان کی باتوں پر جنہوں نے اس کے جی اٹھنے کے بعد اسے دیکھا تھا یقین نہ لائے تھے۔ (انجیل مرقس باب ۱۶ درس ۱۴)

اہلحدیث یہ حوالہ بتا رہا ہے، کہ جناب مسیح کو اپنے مشن میں کامیابی نہیں ہوئی جتنا کچھ انہوں نے کیا وہ بھی خراب ہو گیا، ہاں کامیابی وہ ہے، جو حضرت سید الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوئی، جس کو قرآن مجید میں بطور آئندہ خبر کے یوں فرمایا۔

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا یعنی جب خدا کی طرف سے مدد آئے، اور تو لوگوں کو دیکھے، کہ جوق

در جوق اسلام میں داخل ہو رہے ہیں، تو تو اے نبی اس وقت اس کو پاکی یاد کیجو اور اس کی طرف جھک جاؤ۔
اس آیت کا مطلب یہ ہے، کہ نبی اسلام کی زندگی کا مقصد (اشاعت اسلام) ان کی زندگی میں پورا ہو جائے گا، اور اس کا پورا ہونے کا طریق یہ ہوگا، کہ اسلام میں لوگ جوق در جوق داخل ہوں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، الحمد للہ (اہلحدیث ۱۳ فروری ۱۹۲۰ء)

شیعی فتویٰ

زمانہ کا انقلاب ہے، کہ علماء شیعہ بھی قرآن مجید کے مضامین اور تفسیر پر توجہ کرنے لگے ہیں این ہم غنیمت است، اخبار اثنا عشری دہلی میں مولوی حائری صاحب لاہوری کی تحریرات میں ایک تحریر اس مضمون کی نکلی ہے، کہ اہل سنت کی روایت متعلق کذبات ابراہیم علیہ السلام غلط ہے، اسی کے قریب قریب لاہوری پارٹی کے اخبار پیغام میں بھی نہایت ہتک آمیز الفاظ میں اس روایت کے قائلین کا بری طرح ذکر کیا گیا ہے، اس لئے ہم چاہتے ہیں، کہ اس روایت کی بابت اظہار حقیقت کریں، روایت کے اصلی الفاظ یہ ہیں:۔

عن ابی ھریرۃ قال ...... لم یکذب ابراھیم الا ثلث کذبات ثنتین منھن فی ذات اللہ تعالٰی قولہ انی سقیم وقولہ بل فعلہ کبیرھم ھذا وقال بینا ھو ذات یوم وسارۃ اذ اتی علی جبار من الجبابرۃ فقیل لہ ان ھھنا رجلا معہ امرأۃ من احسن الناس، فارسل الیہ فسألہ عنھا قال من ھذہ قال اختی فاتی سارۃ فقال یا سارۃ لیس علی وجہ الارض مؤمن غیری، وغیرک وان ھذا سألنی فاخبرتہ انک اختی، فلا تکذبینی، فارسل الیھا فلما دخلت علیہ ذھب یتناولھا بیدہ فاخذ فقال ادعی اللہ لی ولا اضرک فدعت اللہ فاطلق (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۷۴)

اس حدیث میں جن واقعات کو کذب کہا گیا ہے، ان میں سے دو تو قرآن مجید میں بھی مذکور ہیں، ایک یہ کہ حضرت ابراہیم نے بڑے بت کی طرف نسبت کر کے کہا۔ بل فعلہ کبیرھم (اس بڑے نے چھوٹوں کو توڑا ہے) حالانکہ وہ بے جان ہے، توڑ نہیں سکتا، دوسرا یہ کہنا کہ میں بیمار ہوں، ان دونوں واقعات کی نسبت فیصلہ ہو جائے، تو تیسرے کا فیصلہ آسان ہے۔

جھوٹ کی صحیح تعریف یہ ہے، کہ ایک ایسی حکایت کرنا جس کا محکی عنہ نہ ہو یعنی جس واقعہ کی بابت بیان کیا جائے، وہ واقعہ نہ ہوا ہو، مثلاً کوئی شخص یہ کہے، کہ زید آیا" اور وہ نہیں آیا، تو یہ فقرہ جھوٹ

ہے، لیکن اگر کوئی قرینہ ایسا کہ زید سے مراد زید کا خط ہے، اور خط آیا ہے، تو پھر یہ جھوٹ نہیں۔ جیسے غازی آباد پہنچ کر کہا کرتے ہیں، دہلی آگئی، حالانکہ "ہنوز دہلی دور است"

ہمارا یہی اعتقاد ہے، کہ اصلی معنی میں حضرت ابراہیم نے ایک بھی جھوٹ نہیں بولا، کیوں کہ ان کے کلام میں قرائن مجاز کے موجود ہیں، ہماری مدافعت اس وقت صرف حدیث پیش کردہ کی طرف ہے، جس کے ہم ذمہ دار ہیں۔

حضرت ابراہیم کے پہلے کلام میں کہ "اس بڑے بت نے ان کو توڑا" حقیقت سے پھیرنے کے لئے یہ قرینہ ہے، کہ حضرت ابراہیم نے دوسری آیت میں گمراہ کرنے کے فعل کو بھی انہی بتوں کی طرف نسبت کیا ہے۔ دیکھ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ (اے خدا ان بتوں نے بہتوں کو گمراہ کیا ہے)

جس طرح اس آیت میں گمراہ کرنے کے فعل کو بتوں کی طرف مجازاً نسبت کیا ہے، جس کا اصلی مطلب یہ ہے، کہ یہ بت سبب بنے ہیں گمراہی کے، اسی طرح فعلہ کبیرھم میں مجازی معنی مراد ہیں، کہ یہ بت ان کے توڑنے کا سبب بنا ہے، کہ اسے دیکھ کر اصل فاعل کو فعل کی تحریک ہوئی، اسی طرح دوسرا قول إِنِّي سَقِيمٌ کی بابت میری تحقیق یہ ہے کہ یہ فقرہ اپنے اصلی معنی میں بھی غلط نہیں، حکیم جالینوس نے صحت کے معنی کئے ہیں، ہر ایک جوڑ اپنا کام پورا کرے، سارے بدن میں اگر ایک جوڑ بھی اپنا کام پورا نہ کرے۔ تو انسان تندرست نہیں، بلکہ سقیم (بیمار) ہے، اس تعریف کے مطابق حضرت ابراہیم اکیلے کیا کوئی انسان بھی کسی حال میں بھی ایسا نہیں، کہ اس پر سقیم کا لفظ بولنا غلط یا جھوٹ ہو سکے۔ مگر عرفی طور پر سقیم اس کو کہتے ہیں، جو اپنے معمولی کاروبار نہ کر سکے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بابت کہا جاتا ہے، کہ ایسے نہ تھے، اس لئے یہ جملہ ان کا بظاہر کذب میں شمار ہوا، نیز اس آیت میں ایک اور مشکل بھی ہے، جس کو خواہ مخواہ علماء نے اپنے ذمہ لے لیا ہے، وہ یہ ہے، کہ اس آیت سے پہلے ایک لفظ ہے جس کے وصل کرنے میں علماء کو دقت پیش آئی ہے، وہ یوں ہے

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ (صافات ع ۳) (یعنی حضرت ابراہیمؑ نے ستاروں کو دیکھ کر کہا، میں بیمار ہوں)

پس مفسرین کی پیش کردہ مشکل اس میں یہ ہے، کہ وہ یوں سمجھے ہیں، کہ ستاروں میں نظر کر کے یہ کہنا اس میں سبب مسبب کا تعلق یہ ہے، حضرت ابراہیم نے قوم کے اعتقاد کے مطابق جو ستارہ پرست تھے، ان کو یہ خیال ڈالا، کہ میں اپنی بیماری ستاروں کو دیکھ کر کہتا ہوں، حالانکہ یہ جھوٹ ہے،

اس کھینچا تانی کی اصل وجہ یہ ہے، کہ ان حضرات نے یہ سمجھا، کہ "ف" ہمیشہ سبب مسبب کے درمیان آیا کرتی ہے، حالانکہ یہ ٹھیک نہیں "ف" بسا اوقات محض تعقیب کے لئے بھی آتی ہے، بلکہ اس کی اصل وضع ہی تعقیب کے لئے ہے علم نحو میں الفاء للتعقیب صاف لکھا ہے، تعقیب کے معنی ہیں، ایک فعل کا دوسرے کے پیچھے کرنا، پس آیت کے معنی یہ ہوئے، کہ حضرت ابراہیم نے ستاروں کی طرف دیکھا، ایک فعل ختم ہوا، دوسرا اس کے بعد یوں شروع ہوا، کہ لوگوں سے کہا میں بیمار ہوں۔

اس کی مثال وہ حدیث ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں قاء فتوضا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قے کی [illegible] وضو کیا، جو لوگ قے سے وضو ٹوٹنے کے قائل ہیں، وہ اس حدیث میں سبب مسبب لیتے ہیں، مگر جو علماء بحکم حدیث قے سے وضو ٹوٹنے کے قائل نہیں، وہ اس حدیث کے معنی یہ کرتے ہیں، کہ اس میں دو فعلوں کا یکے بعد دیگرے بیان ہے، یعنی راوی نے دو فعل کرتے حضور کو دیکھا، دونوں کو یکے بعد دیگرے بیان کر دیا، پس معنی یہ ہوئے، کہ حضور نے پہلے قے کی، پھر وضو فرمایا، اس سے وضو کا قے سے ٹوٹنا ثابت نہیں ہوتا، ہاں کرنا ثابت ہوتا ہے، سو ممکن ہے وضو کی حاجت پہلے ہی سے ہو ٹھیک اسی طرح آیت شریفہ میں حضرت ابراہیم کا ستاروں کو دیکھنا پھر اس کے بعد یہ کہنا، کہ میں بیمار ہوں تعقیب ہے۔

رہا یہ سوال کہ ستاروں کی طرف کیوں دیکھا، اس کی وجہ یہ تھی، کہ حضرت ابراہیم قدرتی صنائع بدائع میں مستغرق تھے ہی چنانچہ فرمایا۔ كَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ لِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ ۔ ہم (خدا) ابراہیم ؑ کو آسمانوں اور زمینوں کا انتظام دکھاتے تھے، تاکہ وہ کامل یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے

یہ دو واقعات تو قرآنی ہیں، رہا تیسرا واقعہ جو حدیث میں آیا ہے، وہ تو بالکل آسان تاویل پذیر ہے، کیونکہ اس کی تاویل اور مجازی معنے کی تعیین حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود فرما دی ہے، چنانچہ وہ الفاظ اصل روایت میں ہم نے نقل کر دیئے ہیں، کہ بیوی کو بہن کہا، جس کے معنی حقیقی نہ تھے، بلکہ دینی بہن تھے، مگر چونکہ تینوں فقروں (بل فعلہ کبیرھم۔ انی سقیم۔ ھذہ اختی) کو عام فہم سننے والوں نے مجازی معنی میں نہیں سمجھا، اس لئے ان کو کذب کے ساتھ حدیث میں تعبیر کیا گیا ورنہ دراصل کذب نہ تھے مجازی معنے مراد تھے۔

اب سنیئے شیعہ مفتی صاحب فرماتے ہیں:۔

الجواب:۔ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام لاریب معصوم اور اولوالعزم انبیاء میں سے تھے انبیاء جملہ گناہان صغیرہ وکبیرہ، عمداً سہواً سے مبرا و منزہ تھے، روایت ماکذب ابراھیم الاثلث کذبات روایت موضوعہ ہے، مندرجہ سوالوں میں تینوں باتیں ضرور واقع ہوئیں، جیساکہ اسی سوال میں مذکور ہیں۔ مگر لوگوں کو ان کے معنی سمجھنے میں مغالطہ ہوا ہے، اصل میں یہ تینوں آتیں متشابہات میں سے ہیں۔ لا یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم، اور راسخ فی العلم وہی لوگ ہیں، قرآن جن کے گھر میں نازل ہوا ہے، ان میں سے امام صادق آل محمد علیہم السلام سے مروی ہے کہ فرمایا۔ قال ابراھیم ان کانوا ینطقون فکبیرھم فعل وان لم ینطقوا فلم یفعل کبیرھم شیئا فما نطقوا شیئا وما کذب ابراھیم (عیون الاخبار) یعنی خلیل اللہ علیہ السلام نے بڑے بت کی بت شکنی کو بتوں نے کلام پر منحصر کیا ہے، یعنی یہ بت اگر باتیں کرسکتے ہیں، تو پھر ان میں سے جو بڑا بت ہے، اس نے ان بتوں کو توڑا ہے، اور اگر وہ باتیں نہیں کرسکتے تو یہ فعل بھی اس کا نہیں۔ فرمایئے اس میں جھوٹ کون سی بات ہوئی، اپنی غلط فہمی سے خواہ مخواہ ایک اولوالعزم پیغمبر کو جھوٹ بولنے کی تہمت لگانی یقیناً دیانت کے خلاف ہے۔

(اثنا عشری ص ۳ ۲۲ر جنوری ۳۰ء)

اھلحدیث بہر حال آپ نے بھی تسلیم کیا، کہ ظاہر الفاظ قرآن میں کذب ہے اس لئے تاویل کی ضرورت پڑی، اب دیکھنا یہ ہے، کہ آپ کی یا بقول آپ کے راسخین کی تاویل صحیح ہے یا ہماری، اس فیصلے کے لئے علوم عربیہ کی ضرورت ہے، علم نحو کا قاعدہ ہے، کہ شرط اور جزا میں "ف" جزائیہ کا آنا تو جائز ہے، مگر کسی اجنبی کا آنا جائز نہیں، کیونکہ ان دونوں شرط اور جزا باہم مل کر گویا دونوں ایک ہیں، جیسے مبتدا اور خبر یا فعل اور فاعل جملہ کی حیثیت میں ہیں، اس لئے فصل بالاجنبی کسی طرح جائز نہیں، اور یہاں اتنا فصل بالاجنبی ہے، کہ کسی طرح پر درست نہیں ہوسکتا ہے غور سے سنیئے، آپ کی تاویل پر تقدیر کلام جیسی کہ آپ نے بھی لکھی ہے، یوں ہوتی ہے۔

بل فعلہ کبیرھم ھذا ان کانوا ینطقون فاسئلوھم

اس تاویل میں جزا مقدم اور شرط مؤخر ہے، یہ تو ممکن الصحت ہے، مگر اصل قرأۃ میں فصل بالاجنبی فاسئلوھم کیوں ہے،

علاوہ اس کے جزا اور شرط میں ربط معنوی ہوتا ہے، یہاں کیا ربط ہے؟ اگر یہ بولتے ہیں، تو ان کے بڑے نے کیا۔ بظاہر یہ کیسا بے جوڑ کلام ہے۔

علاوہ اس کے حضرت ابراہیم یہ الزام اس صورت میں لگاتے، جب مشرکوں کو یہ خیال ہوتا، کہ یہ بت بولتے ہیں، حالانکہ وہ خود حضرت ابراہیم کو جواب دیتے ہیں، کہ

لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰؤُلَاءِ يَنْطِقُوْنَ (اے ابراہیم تو جانتا ہے، کہ یہ بت بولتے نہیں)،

ہاں بغور دیکھئے، تو معلوم ہو سکتا ہے، کہ یہ شرط صرف فاسئلوا کی ہے، اور کسی کی نہیں، کیونکہ کسی سے پوچھنے کا مطلب یہی ہوتا ہے، کہ وہ جواب دے، لازمی بات ہے، کہ اسی سے پوچھیں گے جو بولے بھی، اس لئے حضرت ابراہیم نے کہا، اگر یہ بت بولتے ہیں، تو ان سے پوچھو یہ جواب دیں گے اس شرط جزا میں تو ربط ٹھیک ہے، مگر آپ نے جس کو شرط جزا بنایا ہے، وہ بالکل بے جوڑ اور اس میں فصل بالاجنبی بھی لازم آتا ہے

خاص بات ہنوز قابل توجہ ہے، کہ حائری صاحب پہلے تو اس کو آیات متشابہات سے کہہ آئے، پھر اس کی تاویل کرتے ہیں، جو تاویل کرتے ہیں وہ لفظی ترکیب سے کرتے ہیں، نہ کہ سمعیات سے، کیا آیات متشابہات ایسی ہی ہوتی ہیں، جو لفظی ترکیب سے حل ہو جائیں

واقعہ اِنِّیْ سَقِیْمٌ کے متعلق حائری صاحب نے جتنی توجیہیں نقل کی ہیں وہ سب بے کار ہیں، ان سے بجائے جواب کے اعتراض کو قوت پہنچتی ہے، جن کا خلاصہ ہے

اب سنیئے کذب دوم کے متعلق کیا غلط فہمی واقع ہوئی، آیت یہ ہے فنظر نظرۃ فی النجوم فقال انی سقیم۔ منشاء اعتراض یہ ہے، کہ نظر فی النجوم حرام ہے، خلیل اللہ کیوں اس کے مرتکب ہوئے پھر باوجود صحیح الجسم ہونے کے خلاف واقع اپنا علیل ہونا کیوں انہوں نے بیان کیا

(۱) جناب خلیل نے جب نجوم میں نظر کی، تو وہ ستارہ دیکھا، جس کے ظہور پر ان کو تپ نوبت آتا اس لئے آپ نے انی سقیم کہا، کیونکہ قطعاً ہو جانے والی چیز کو ہو گئی کہہ دینا کذب نہیں۔

(۲) اسی بنا پر جناب ابراہیم علیہ السلام نے علم نجوم پر ایک نظر ڈالی، اور غور فرمایا، اور کہہ دیا، کہ میں سقیم ہوں، اس وقت قوم نے یہ سمجھ لیا، کہ جس طرح نجوم سے ہم خبر دیا کرتے ہیں، ابراہیم نے بھی ایک قطعاً ہونے والے واقعہ سے اطلاع دی ہے جس کا وقوع پذیر ہونا لازمی ہے (حوالہ مذکور)

اہل حدیث کتنی کھینچ تان ہے، قرآن مجید کے لانے والے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہو گی، مگر بہرحال شیعہ مفتی نے تسلیم کیا، کہ بظاہر آیت قرآنی میں کذب لازم آتا ہے اسی لئے تاویل کی ضرورت پڑی، اب سنئے حائری صاحب تیسرے واقعہ مندرجہ حدیث کی تکذیب کرنے کرتے تصدیق کرتے ہیں، فرماتے ہیں:۔

(۳) کذب سوم جس کا منشا اعتراض یہ ہے، کہ جناب خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنی زوجہ سارہ کو هذه اختی یہ میری بہن ہے، کیوں خلاف واقعہ کہا، سو اس کا جواب یہ ہے، کہ عورت باوجود زوجیت کے بھی اخوۃ فی الدین سے خارج نہیں ہوا کرتی، حضرت کا مطلب بھی اختی فی الدین تھا پھر خلاف واقعہ اور کذب کیونکر ہوا۔ (حوالہ مذکور)

اہلحدیث بس واقعات تو ہم اور آپ کو، بلکہ ان سب لوگوں کو بھی جو منکر حدیث ہیں (نیچری ہوں یا چکڑالوی، مرزائی ہوں یا معتزلی) مسلم ہیں، جن میں سے دو قرآن شریف میں ہیں، اور ایک حدیث میں، بہر حال مسلم سب ہیں، مگر حائری صاحب یقیناً، اور دیگر اصحاب بھی غالباً ان واقعات کو کذب نہیں کہتے، بلکہ تاویل کر کے مطابق واقعہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، چنانچہ ہم نے بھی کوشش کی ہے، اور ہم ان کوشش کرنے والوں کی سعی کے مشکور ہیں، یہاں تک تو اتفاق ہے، گو تاویل کی نوعیت میں اختلاف ہے، مگر اصل میں اختلاف نہیں، پس اختلاف ہے، تو اس میں ہے، کہ جس صورت میں ان واقعات کی تاویل ممکن ہے، تو حدیث میں ان کو جھوٹ سے کیوں تعبیر کیا گیا؟ بس سوال اگر ہے تو یہی ہے، جس کے بتانے کا ذمہ ہمارا ہے، اس میں شک نہیں، کہ ہر فریق ان واقعات کو بلا تاویل تسلیم نہیں کرتا، جس سے ثابت ہوتا ہے، کہ یہ تینوں واقعات بظاہر عبارت کذب ہیں یا کذب سے مشابہ ہیں، اسی وجہ سے حدیث میں ان کو کذب کہا گیا ہے، ورنہ نہ در اصل حضرت ابراہیم نے کذب بولا، نہ حدیث میں ان کو اصلی معنے سے کذب کہا گیا۔

نتیجہ صاف ہے، کہ قرآن بھی ٹھیک ہے، اور حدیث بھی درست، فرق صرف لوگوں کی سمجھ کا ہے، ہوتا یہ ہے، کہ ایک آدمی ایک بات تاویل طلب کہتا ہے، جس کی رو سے وہ بلحاظ تاویل جھوٹا نہیں ہوتا، مگر کوئی اور صاحب اس تاویل طلب کلام کو بھی بلحاظ اپنی عادت کے ناپسند کرتا ہے، ٹھیک اسی طرح ہمارے حضور نے ان تینوں تاویلی فقروں کو ناپسند کرتے ہوئے کذب سے تعبیر فرمایا۔ بکل امرتسری مانوی (اہلحدیث ۲۸ رجمادی الاولی ۱۳۳۸ھ)

ہم فیصلے کو تیار ہیں

کلکتہ سے کوئی صاحب پنڈت مولوی کے نام سے اخبار الفقیہ مورخہ ۲ فروری میں مضمون دیتے ہیں، کہ:۔

مذاہب عامہ کو عموماً اور فرقہ وہابیہ نجدیہ کو خصوصاً زبردست چیلنج دیا جاتا ہے، کہ بہت جلد ہند کے کسی ...

میدان میں سال کے اندر اندر بذریعہ مباحثہ یا مباہلہ حق و باطل کا فیصلہ کرالیں، کیونکہ آفتاب کی مشرقی ڈیوٹی ختم ہونے کے قریب ہے، اور وہاب تو یہ بند ہونے کو نزدیک ہے، اور وہ وقت اقرب ہے کہ دنیا کا آخری امام یعنی حضرت مہدی علیہ السلام نمودار ہو جائیں۔ مقدس اسلام آیات فرقان معجز نظام ۱۳۳۸ برس سے پر روز الفاظ میں طبقہ انسانی کو ان الدین عند اللہ الاسلام کی زبردست الفاظ میں بشارت دے رہا ہے، کہ اسلام کا بھیجا ہوا قانون ہے، ایسے کی فرمانبرداری باعث خلاصی دارین اور فرقہ حقہ اہل سنت والجماعت ہی کی حلقہ بگوشی ذریعہ سعادت مندی کونین ہے، اور بس۔"

اہلحدیث فرقہ نجدیہ وہابیہ سے مراد ان کی اگر اہلحدیث ہیں، تو ہم اس چیلنج کو مبارک سمجھ کر لبیک کہتے ہیں، کہیئے آپ کس شہر میں مباحثہ کرنا چاہتے ہیں، تاکہ ہم بھی وہاں کے کسی طالب علم کو مامور کر دیں، اگر کلکتہ ہی میں چاہتے ہیں، تو ہم کلکتہ ہی میں مولانا عبدالنور صاحب تانتی باغ کو تکلیف دیں گے، کہ وہ کسی طالب علم کو آپ کی خدمت کے لئے مامور فرمائیں، چونکہ آپ اپنے آپ کو خود ہی مولوی بھی لکھتے ہیں، اس لئے مباحثہ سے پہلے دونوں مناظرین کو کسی عربی معرا کتاب کا صفحہ آدھا صفحہ عبارت کا پڑھنا شرط ہوگا۔

ہاں ۱۳۳۸ھ یعنی سنہ رواں میں اسلامی عروج کا ذکر جو آپ نے بشارت آمیز کیا ہے، اگر صحیح ہے تو پھر کسی مباحثہ کی حاجت ہی نہیں ہے، کیونکہ جب کبھی اسلام کا ظہور یا دور ہوگا، اسی اسلام کا ہوگا جو اس آیت کے نزول کے وقت دنیا میں رائج تھا، اس میں تو نہ کوئی حنفی تھا، نہ شافعی، نہ کوئی نہ کوئی صرف قرآن و حدیث پر سب کا عمل تھا، اور بس، اس لئے ۱۳۳۸ھ سے خوف ہے، تو ان مذاہب کو ہے، جو نزول آیت سے صدیوں بعد پیدا ہوتے ہیں، اہلحدیث کو نہیں سے

اگر محتسب گرد آزا غم است کہ سنگ ترازوئے بارش کم است

(اہلحدیث ۲۸ رجاوی الاولیٰ ۳۸ھ)

مجدد بریلوی کا ایک نیا فتویٰ

میرے محبوب کے دو ہی پتے ہیں کمر پتلی، صراحی دار گردن

یہ کسی عاشق مزاج شاعر کا شعر ہے، جس نے اپنے محبوب کے متلاشیوں کو آسان راہ کامیابی کی بتادی، کہ ان دو نشانیوں سے میرے محبوب کو پالو گے۔

آج کل قادیانی حلقے میں سکندرآباد سے ایک آواز اٹھی ہے، کہ مرزا صاحب قادیانی اگر اس صدی

کے مجدد نہیں، تو پھر کون ہے؟ ایسے متلاشیوں کا جواب ہم نے بارہا دیا، مگر آج ان کی آسانی کے لئے بتاتے ہیں، جس بزرگ کے ماتحت آج کل کفر کی مشین ہے، بس اس صدی کے وہی مدعی مجدد ہیں آپ کو ان بزرگ کی تلاش میں کامیابی نہ ہو، تو ہم ہی بتلائے دیتے ہیں، کہ آپ جہاں کہیں ہوں، بریلی کا ٹکٹ لے کر سیدھے پہنچ سکتے ہیں، اسٹیشن بریلی سے اترتے ہی اعلیٰ حضرت کا نام پوچھیں گے تو آپ کو یہ جواب ملے گا

ہنگامہ رات دن ہے بپا کوئے یار میں ایسی بھی فتنہ خیز کوئی سرزمین نہیں

دیکھئے ہم ان بزرگ کا ایک تازہ فتویٰ سناتے ہیں، جو مہر زدہ ہمارے پاس پہنچا، چونکہ آپ آج کل غالباً ۸۰ سال سے متجاوز ہیں، اس لئے چراغ سحری کی طرح چمکتے ہوئے سارا زور اس فتوی پر لگایا ہے، مگر خیریت سے دعوے ہی دعوے ہے، دلیل کا ایک لفظ نہیں، سوال یہ ہے۔

کیا حکم شرعی ہے، اس معاملہ میں کہ طریقہ حنفیہ میں باوجود ممانعت کے ایک شخص باز نہیں آتا، اور باآواز بلند جو کبھی کہہ نہیں سکتا تھا، اب بعد ختم الحمد کے آمین جب کہ پیش امام سورت شروع کرتا ہے کہتا ہے، آیا طریقہ حنفیہ میں جو ہر کوئی بلند آواز کے ساتھ نہیں کہتا، لیکن وہ مانتا نہیں، آیا باآواز بلند جائز ہے یا ناجائز؟ اور طریقہ وہابیہ اپنا جاری کئے ہوئے ہے، فاتحہ خصوصاً گیارہویں شریف کی ممانعت کرتا ہے کہ غوث پاک کا فاتحہ یا کوئی فاتحہ نہ کیا جاوے، اور میلاد شریف یعنی ذکر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت پرہیز رکھتا ہے، آیا ایسے شخص کے پیچھے نماز حنفیہ مذہب کی درست ہے یا نہیں حکم مطابق احکام خدا اور رسول آنا چاہیئے، لفافہ مع پتہ کے روانہ کرتا ہوں، کل اہل جماعت سنت حنفیہ کی طرف سے عرض ہے رقیمہ ادب مسلمانان مسجد میراں پور ڈاک خانہ میراں پور تحصیل و ضلع سلطانپور

۱۲ راگست ۱۹۱۹ء

سوال صاف ہے، کہ آمین بالجہر کہنا اور مروجہ فاتحہ پیر کا پڑھنا اہل سنت کے مذہب میں جائز ہے یا نہیں، ایسے صاف سوال کا جواب کیا ملا، ملاحظہ فرمایئے۔

الجواب: ایسا شخص ضرور پکا وہابی غیر مقلد ہے، اور وہابیہ وغیر مقلدین زمانہ باتفاق علماء حرمین شریفین کافر مرتد ہیں، ایسے کہ جو ان کے اقوال ملعونہ پر اطلاع پاکر انہیں کافر نہ جانے یا شک ہی کرے خود کافر ہے، ان کے پیچھے نماز ہوتی ہی نہیں، ان کے ہاتھ کا ذبیحہ حرام، ان کی بیویاں نکاح سے نکل گئیں، ان کا نکاح کسی مسلمان کافر مرتد سے نہیں ہو سکتا، ان کے ساتھ میل جول، کھانا پینا اٹھنا بیٹھنا، سلام کلام، سب حرام، ان کے مفصل احکام کتاب مستطاب حسام الحرمین

شریف میں موجود ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مہر
دار الافتاء مدرسہ
اہل سنت والجماعۃ
بریلی

مہر
آل رسول
احمد رضا خاں
بریلوی

مہر
شفیع احمد خاں
رضوی سنی حنفی
قادری

اہلحدیث کتنی خفگی ہے، ماشاء اللہ چشم بد دور، ان حضرات کے ہاتھ میں حکومت ہو، تو ان بے چارے وہابیوں کے دار السلام میں جانے میں کچھ شبہ ہے؟

اللہ اکبر! وہ فعل جو مکہ معظمہ میں حرم کے اندر علی الاعلان ہوتا ہو، وہ فعل جس کے کرنے اور ماننے والے چار اماموں میں سے تین برگزیدہ امام ہوں، وہ فعل جس کے جواز بلکہ استحباب کے قائل وہ بزرگ تھے جن کے نام کی فاتحہ دی جاتی ہے، وہ فعل جس کے جواز کا فتویٰ حنفی جماعت کے برگزیدہ اماموں (مثل ابن ہمام وغیرہ) نے دیا ہو، وہ فعل جس کی بابت حضرت سید الانبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو، کہ تمہارے آمین بلند کہنے پر یہودی چڑتے ہیں تم بے شک بلند آواز سے کہا کرو، اس فعل کے کرنے والوں کی نسبت ایسا فتویٰ؟

میرے خیال میں ایسے مفتیوں کو طاقت ہو، تو ایسا کام کرنے والوں سے وہی برتاؤ کریں، جو حضرت حمزہ رضا اور خبیب رضا سے مکہ والوں نے کیا تھا۔ اس کے ساتھ دوسرا فعل جو نہ کسی آیت میں نہ حدیث میں، نہ فقہ کی کسی روایت میں ہے، یعنی فاتحہ پیر، اس کے ترک پر یہ خفگی؟ تو کیوں نہ یہ کہا جائے ؎

بہت سے ہو چکے ہیں گرچہ تم سے فتنہ کر پہلے
نہ پہنچا ہے نہ پہنچے گا تمہاری ظلم کیشی کو

چیلنج بریلوی مجدد، اور ان کے اعوان و انصار کو ہم چیلنج دیتے ہیں، کہ اپنے اس فتویٰ پر پابندی فقہ و اصول فقہ ہم سے گفتگو تحریری یا تقریری جو چاہیں کریں، ہمارا سوال صرف یہ ہوگا کہ حنفیہ کا عام اصول ہے۔ یفتی علی قول الامام مطلقا (در مختار) امام صاحب کے قول پر فتویٰ دیا جائے۔ اس مسلمہ اصول کے مطابق ہم کو امام صاحب سے کوئی روایت اس فتوے کی تائید میں دکھا دے، تو مبلغ پانچسو روپے انعام لیں (۸ ربیع الاول ۱۳۳۸ھ)

غیر مسلم کا داخلہ اور تقریر مسجد میں

پچھلے دنوں دہلی اور لاہور کی جامع مسجدوں میں مسلموں کے ساتھ غیر مسلموں نے بھی تقریریں کیں، وہ تقریریں کس مضمون کی تھیں، اور کس کی تھیں، اس سے ہمیں مطلب نہیں، ان کے ایسا کرنے پر مذہبی دنیا

میں سوال پیدا ہوا، کہ آیا از روئے مذہب اسلام ایسا ہونا جائز ہے، کہ کوئی غیر مسلم مسجد میں آکر منبر یا مکبر پر تقریر کرے چونکہ یہ ایک مذہبی سوال تھا، اس لئے مذہبی جرائد نے اس کے جوابات پر توجہ کی، چنانچہ رسالہ معارف میں ایک مضمون مولوی ابوالکلام صاحب آزاد کا لکھا ہوا نکلا جس میں موصوف نے بڑی طوالت سے بحث کر کے ثابت کیا، کہ ایسا ہونا جائز ہے مضمون مذکور میں دلائل حدیثیہ اور تاریخیہ سے استدلال کیا ہے، جن میں سے بعض دلائل قریب الماخذ اور بعض بعید بھی ہیں، مگر مجموعی طور پر دلائل کافی ہیں، میرے نزدیک اس دعوے پر ایک ہی دلیل کافی ہے، جو نص صریح اس پر ہو سکتی ہے، جس کی تفصیل یہ ہے۔

صلح حدیبیہ کے موقعہ پر مسلمانوں اور کفار مکہ میں معاہدہ ہوا اس معاہدہ میں یہ بھی داخل ہوا، کہ بنی خزاعہ مسلمانوں کے حلیف ہیں، اور بنی بکر کفار عرب کے حلیف ہوں گے، اس کا مطلب یہ تھا، کہ یہ دونوں حلیف اگر آپس میں لڑ پڑیں، تو مسلمان اور کفار مکہ اپنے اپنے حلیف کی دوسرے کے برخلاف مدد نہ کریں، اگر کریں گے، تو عہد شکنی ثابت ہو جائے گی، چند دنوں کے بعد بنی خزاعہ حلیف مسلماناں اور بنی بکر (حلیف مشرکین) میں جنگ ہو گئی، تو مشرکوں نے بنی بکر کی حمایت کی، اس کی اطلاع بنی خزاعہ نے مدینہ شریف پہنچ کر دربار رسالت میں پہنچادی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیاری کا ارادہ کیا اتنے میں مشرکین مکہ کو خبر ہوئی، تو بمقابلہ مسلماناں اپنی کمزوری محسوس کر کے ان کی طرف سے ابوسفیان مدینہ شریف آیا تاکہ گذشتہ فعل پر ندامت کا اظہار کر کے آئندہ کے لئے تجدید عہد کرے، اس غرض کے لئے حضرت ابوبکر رضہ کے پاس بغرض سفارش کرانے گیا، انہوں نے انکار کیا، حضرت عمر رضہ کے پاس گیا، وہ بھی منکر رہے، حضرت عثمان رضہ کے پاس گیا، وہ بھی نہ مانے آخر حضرت علی رضہ اور حضرت فاطمہ رضہ کے پاس گیا، بہت منت سماجت اور خوشامد کی، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، کہ میں سفارش تو نہیں کر سکتا، مگر ایک تجویز بتاتا ہوں، کہ تم کھڑے ہو کر پکار دو، کہ میں نے فریقین میں معاملہ کو سلجھا دیا، اور امن وامان کرا دیا ہے، اس کے آگے بالاتفاق مؤرخین کے الفاظ یہ ہیں:۔

فقام ابو سفیان فی المسجد فنادی الا انی قد اجرت بین الناس (ابن خلدون بقیۃ الجزء الثانی ص ۴۲۔ تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۱۳۔ تاریخ کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۱۶۔ تاریخ ابن ھشام برحاشیہ زاد المعاد ج ۲ ص ۲۲۹۔ تاریخ خمیس ج ۲ ص ۸۷ وغیرہ)

اس فقرے کا ترجمہ مولانا شبلی مرحوم کی سیرۃ نبوی میں یوں کیا گیا ہے

"بالآخر ابوسفیان نے حضرت علی رضہ کے ابھارے مسجد نبوی میں جا کر اعلان کر دیا، کہ میں نے معاہدہ

کی تجدید کر دی" (ص ۳۷۴)

یہ واقعہ ایسا ہے، کہ کل مورخین نے اسے نقل کیا ہے، اس سے یہ نتیجہ صاف برآمد ہوتا ہے، کہ غیر مسلم مسجد میں اپنے مطلب کی بات بھی کہہ سکتا ہے، گو وہ مسلمانوں بلکہ ان کے امام کے منشاء کے بھی خلاف ہو، کجا یہ کہ مسلمانوں کے منشاء کے خلاف نہ ہو۔

اسلام ایسا تنگ مذہب نہیں ہے، کہ اپنی عبادت گاہ میں غیر مسلموں کو آنے یا آنے پر بولنے کی اجازت نہ دے، بلکہ اسلام تو ایسا وسیع الحوصلہ مذہب ہے، کہ غیر مسلموں کو اپنی مساجد میں اپنے طریق پر بھی نماز پڑھنے کی اجازت دیتا ہے، چنانچہ نجران کے عیسائیوں کو مسجد نبوی میں اپنی عبادت ادا کرنے کی اجازت خود حضور علیہ السلام نے بخشی، اور انہوں نے اپنے طریق پر نماز پڑھی (معالم التنزیل وغیرہ) حالانکہ یہ لوگ مذہبی مناظرہ کرنے آئے تھے، ثابت ہوا کہ غیر مسلم کا مسجد میں منبر پر یا ممبر پر نیچے یا اوپر تقریر کرنا شریعت اسلام میں منع نہیں ہے، اللہ اعلم

اظہار افسوس

اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ افضل التحیۃ والسلام کا یہ عمل کہ غیروں کو بھی مسجد نبوی میں نماز کی اجازت دیں، اور وہ اپنے طریق پر خلاف طریق اسلام نماز پڑھیں، مگر مسلمانوں کی یہ کیفیت ہے، کہ معمولی سے فروعی اختلاف پر ایک فریق دوسرے کو مسجد میں نماز پڑھنے سے روکیں، اور فتادے شایع کریں، کہ فلاں فرقے کا ہماری مسجد میں نماز پڑھنا ممنوع ہے جس کی زندہ مثال آج کل لاہور میں مسجد بیگم شاہی میں ملتی ہے، آہ کیا سچ ہے ؎

شنیدم کہ مردان راہ خدا   دل دشمناں ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام   کہ با دوستانت خلافست وجنگ

(اہلحدیث امرتسر ۱۲ شوال ۱۳۳۷ھ)

شیعہ کو جواب

اخبار "درنجف" میں ایک سوال چھپا ہے، جس کی سرخی ہے "سوال از جمیع علماء اہلحدیث" اس میں مذکور ہے۔

صحیح بخاری ص ۷۵۸ باب کثرۃ النساء۔ حدثنا علی بن الحاکم الانصاری حدثنا ابوعوانہ عن رقبۃ عن طلحۃ الیامی عن سعید بن الجبیر قال قال لی ابن عباس ھل تزوجت قلت لا قال تزوج فان خیرھذہ الامۃ اکثرھا نساء، یعنی بہترین شخص اس امت کا وہ ہوگا،

جس کی بیبیاں زیادہ ہوں گی" اب سوال یہ ہے، کہ اس حدیث پر عمل بغیر متعہ کیونکر ممکن ہے، کیونکہ چار عقد سے ایک وقت میں زیادہ جائز نہیں فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلث و رباع الخ زیادہ طلاق پر لعنت موجود ہے، موت اختیاری نہیں، تو پھر بغیر متعہ کیونکر اکثار النساء ممکن ہے

(حافظ سید ذوالفقار علی شاہ جلال پوری) (در نجف ۱۵ ؁ دسمبر ۲۶ ؁ء منٰ ۲۰)

اہلحدیث معلوم ہوتا ہے، کہ سائل کو شیعہ اصطلاحات سے بھی واقفیت نہیں، ورنہ وہ جانتے، کہ زوجہ اور ممتوعہ دو قسمیں مختلف ہیں، زوجہ منکوحہ کو کہتے ہیں، اور جس سے متعہ ہو اس کا نام ممنوعہ ہے، اس لئے کہ شیعہ علماء جس آیت سے جواز متعہ پر استدلال کرتے ہیں، اس میں بھی لفظ متعہ ہے، تزوج نہیں فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ الآیۃ

پس حدیث مذکور کو دیکھئے، کہ اس میں شرعی حد کے اندر منکوحہ زوجہ کثیر کرنے کا ذکر ہے ممتوعہ کا نہیں فافہم۔

(اہلحدیث امرتسر ۲۸ رجنوری ۱۹۲۷ ؁ء)

متعہ بالنساء متعہ کے متعلق ایک مضمون آریہ گزٹ لاہور میں نکلا ہے، جس کو راقم مضمون نے کل مسلمانوں کا مذہب سمجھا، حالانکہ امر واقع یہ ہے، کہ متعہ کے قائل شیعہ ہیں سنی نہیں، اور شیعوں کی تعداد کل دنیا کی اسلامی آبادی میں پندرہ فی صدی ہے، اتنی تھوڑی تعداد کے اعتقاد کو کل اسلامی دنیا کا اعتقاد قرار دینا کیونکر جائز ہو سکتا ہے، چونکہ شیعہ فرقہ متعہ کا قائل ہے، اس لئے ان کی کتابوں سے اس کی تعریف اور تشریح ہم پہلے سناتے ہیں، پھر اپنی رائے لکھیں گے، شیعوں کے ہاں بھی مثل سنیوں کے حدیث کی کتابیں، جن میں "تہذیب الاحکام" کو غالباً وہی درجہ حاصل ہے، جو سنیوں کے ہاں "جامع ترمذی" کو ہے، اسی تہذیب سے ہم چند روایات نقل کرتے ہیں، ناظرین نوٹ کریں متعہ کس کو کہتے ہیں، اور اس کا نکاح سے کیا فرق ہے، مندرجہ ذیل روایت سے معلوم ہوگا، جو امام ابوعبداللہ (جعفر صادق) سے آئی ہے، کہ

قال ابوعبد اللہ علیہ السلام ان سمی الاجل فھو متعۃ وان لم یسم الاجل فھو نکاح (ج ۲ ص ۱۸۹) امام موصوف نے فرمایا، مرد، عورت کے عقد کے وقت اگر مدت مقرر کی جائے تو متعہ ہے، اگر مدت مقرر نہ کی جائے، تو نکاح ہے"

یعنی کسی مرد اور عورت کا عقد اس طرح ہوا کہ آٹھ، دس یوم تک ہم مثل زن و شوہر کے رہیں گے، تو یہ متعہ ہے، اور اگر آٹھ دس روز وغیرہ کی قید نہ ہو تو نکاح ہے، یعنی نکاح دائمی ہے، اور متعہ موقت۔

یہ ہے تعریف متعہ کی، اس کے متعلق شیعوں کی کتاب مذکور میں مندرجہ ذیل روایات آئی ہیں:۔

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال لا بأس بان یتمتع الرجل بامۃ المرأۃ فاما امۃ الرجل فلا یتمتع بھا الا بامرہ ولا باس بان یتمتع الرجل متعۃ ما شاء لانھن بمنزلۃ الاماء ولیس ذلک مثل نکاح الشرعیۃ الذی لا یجوز فیہ العقد علی اکثر من اربع نساء

امام جعفر صادق سے روایت ہے، کہ کوئی حرج نہیں، کہ مرد کسی عورت کی باندی سے متعہ کرے لیکن کسی مرد کی باندی سے بغیر اس کی اجازت کے نہ کرے، اور اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ جتنی عورتوں سے چاہے کرے، کیونکہ یہ بمنزلہ لونڈیوں کے ہے، اور مثل دائمی نکاح کے نہیں ہے، جس میں چار سے زیادہ جائز نہیں ہیں۔

عن ابی عبد اللہ قال ذکولہ المتعۃ اھی من الاربع قال تزوج منھن الفا فانھن مستاجرات (ج ۲ ص ۱۸۸) اسی امام سے سوال ہوا کہ متعہ میں بھی چار کی حد ہے؟ فرمایا چاہے تو ہزار تک کرے، کہ یہ ممتوعہ عورتیں تو مزدوری پیشہ ہیں۔

ان دو روایتوں سے متعہ کی اور ممتوعہ عورت کی حیثیت معلوم ہو گئی، کہ وہ منکوحہ کی طرح بیوی نہیں نہ حقیقۃ باندی ہے، بلکہ اصل تعریف اس کی یہ ہے، کہ وہ ایک مزدوری پیشہ ہے، اسی لئے مندرجہ ذیل روایت سے اس کی وراثت کے متعلق حکم ملتا ہے، کہ اس کا خاوند (متعہ کنندہ) میعاد مقررہ کے اندر اندر مر جائے، یا یہ خود مر جائے، تو دونوں میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کا وارث نہ ہو گا، چنانچہ مندرجہ ذیل الفاظ اس کی شہادت دیتے ہیں۔

قال ابو عبد اللہ علیہ السلام اما المیراث فانہ ان شرط انھا ترث ورثت وان لو یشترط فلیس لھا ولا لہ میراث ولیس یحتاج الا بشرط انھا لا ترث لان من شروط المتعۃ اللازمۃ ان لا یکون بینھما توارث (ص ۱۹۰) امام جعفر صادق نے فرمایا، متعہ میں اگر وراثت کی شرط کی جائے، تو عورت وارث ہو گی، ورنہ نہ عورت کو وراثت ملے گی نہ مرد کو، اور اس بات کی ضرورت نہیں، کہ عدم وراثت کی شرط کی جائے، کیونکہ متعہ کی شروط لازمہ میں سے ہے کہ ان میں وراثت نہ ہو گی۔

یہ روایت اپنے مضمون میں صاف ہے، کہ ان دونوں بیوی خاوند (ماتع اور ممتوعہ) میں سے ایک دوسرے کا وارث کوئی بھی نہیں ہو گا۔

نکاح اور متعہ میں ایک فرق تو مدت اور عدم مدت کا ہے، دوسرا بڑا فرق یہ ہے، کہ نکاح میں گواہوں اور عام اعلان کی ضرورت ہے، مگر متعہ میں کچھ نہیں، چنانچہ تہذیب کے الفاظ یہ ہیں:۔

ولیس فی المتعۃ اشھاد ولا اعلان (ص ۱۸۹) متعہ میں نہ گواہوں کی ضرورت ہے نہ اعلان کی۔

ایک اور روایت میں ہے۔ کتب علیہ السلام التزویج الدائم لا یکون الا بولی و شاھدین ولا یکون تزویج متعۃ ببکر استر علی نفسک واکتم (ص ۱۸۷) امام جعفر صادق نے لکھا ہے، کہ نکاح تو ولی اور دو گواہوں کے بغیر نہیں ہوتا، اور متعہ باکرہ کے ساتھ نہ ہوگا تم اس امر کو چھپا کر پردہ ڈالا کرو، یعنی متعہ مخفی کیا کرو۔

یہ روایات بتلاتی ہیں۔ کہ متعہ کی حقیقت صرف یہ ہے، کہ مرد، عورت دونوں خفیہ طور پر عہد کریں اور جتنے دنوں تک وعدہ کریں رہیں، یہ بھی ثابت ہوا کہ باکرہ عورت کے ساتھ بھی متعہ نہ کیا جائے، کیونکہ ممتوعہ عورت شرفاء کے نکاح میں ذلیل سمجھی جاتی ہے، چنانچہ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

لا تمتع بالمؤمنۃ فتذلہا (ص ۱۸۷) مؤمنہ عورت کے ساتھ متعہ نہ کیا کرو، کہ وہ ذلیل ہو۔

مصنف کتاب تہذیب اس کی تاویل کرتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے، کہ

یحتمل ان یکون المراد اذا کانت امرأۃ من اھل بیت الشرف فانہ لا یجوز التمتع بھا لما یلحق اھلھا من العار ویلحقھا من الذل (ص ۱۸۷) یعنی عورت اگر کسی معزز گھرانے کی ہے، تو اس کے ساتھ متعہ نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اس کے گھرانے اور کنبے کو عار اور ذلت ہوتی ہے۔

مصنف کی یہ توجیہ اور تفسیر صاف دلالت کرتی ہے۔ کہ متعہ میں ممتوعہ کی ذلت ہے، جو شرفاء کی شان کے لائق نہیں، چنانچہ ایک روایت میں یوں بھی آیا ہے

فاقبل عبد اللہ بن عمر فقال یسرک ان نساءک وبناتک واخواتک وبنات عمک یفعلن ذلک فاعرض ابو جعفر علیہ السلام حین ذکر نسائہ وبنات عمہ (ص ۱۸۶) عبد اللہ بن عمر نے امام کو کہا، کہ آپ متعہ کی اجازت دیتے ہیں، آپ کی عورتیں، لڑکیاں، حقیقی بہنیں اور چچازاد بہنیں متعہ کریں، تو آپ خوش ہوں گے، جب انہوں نے یہ کہا، تو امام ابو جعفر نے منہ پھیر لیا۔

ان ساری روایات سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں،

(۱) متعہ ایک موقت عقد کا نام ہے (۲) متعہ میں گواہوں اور اعلان کی حاجت نہیں (۳) متعہ باکرہ عورت سے نہیں (۴) ممتوعہ عورت وارث نہیں (۵) ممتوعہ عورت صرف ایک مزدور ہے (۶) متعہ شریف عورتوں کے لئے باعث بدنامی ہے۔

اب ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں، کہ ایک ایسے بڑے دعوے کے لئے شیعہ کی طرف سے دلیل کیا پیش کی گئی، ناظرین بغور سنیں۔

یدل علی اباحۃ المتعۃ اجماع المسلمین۔ علی ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کان قد اباحها فی وقت ولم یقم دلیل قاطع علی خطرها بعد ذلک فینبغی ان تکون مباحۃ علی ما کانت حتی یقوم دلیل ولا دلیل فی الشرع یدل علی ذلک ویدل علی ذلک ایضا قولہ تعالی واحل لکم ما وراء ذلکم ان تبتغوا باموالکم محصنین غیر مسافحین الی قولہ فما استمتعتم بہ منهن فاتوهن اجورهن فاباح بقولہ فما استمتعتم بہ منهن نکاح المتعۃ لان الاستمتاع اذا اطلق فی الشرع لا یستفاد بہ الا النکاح المخصوص دون ما وضع لہ فی اصل اللغۃ من الالتذاذ ثم قال فاتوهن اجورهن مؤکدا بذلک علی ان المراد بہ نکاح المتعۃ لان نکاح الدوام ما یستحق بہ من المهر لا یسمی اجرا فی الشرع (تہذیب ج ۲ ص ۱۸۶)

فاضل مصنف تہذیب فرماتے ہیں، متعہ کے جواز پر مسلمانوں کا اجماع دلالت کرتا ہے، کیونکہ آنحضرت کے زمانے میں مباح تھا اور منع کی کوئی دلیل نہیں آئی، پس چاہیئے، کہ اب تک مباح رہے جب تک کوئی دلیل قائم ہو، جس سے منع ثابت ہو سکے، اور شرع میں کوئی دلیل نہیں ملتی، جو اس کی حرمت پر دلالت کرے، نیز اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی متعہ کے جواز پر دلالت کرتا ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے، کہ محرمات چھوڑ کر باقی عورتیں تم پر حلال ہیں فما استمتعتم بہ کے ساتھ متعہ کو جائز کر دیا، کیوں کہ استمتاع جب شرع میں بولا جاوے، تو متعہ ہی مراد ہوتا ہے، نہ اصلی نہ لغوی معنی یعنی لذت کرنا پھر خدا نے فرمایا، ان عورتوں کو ان کے اجر دیا کرو، تاکید ہے اس بات کی، کہ اس سے مراد متعہ ہے کیونکہ نکاح کے عوض کو شرع میں مہر کہتے ہیں، اجر نہیں کہتے (تہذیب ج ۲ ص ۱۸۶)

اس اقتباس میں تین دلیلیں مذکور ہیں، ایک آنحضرت م کے زمانہ کا رواج کہ متعہ جائز تھا، دوم آیت قرآنی میں استمتاع کا لفظ، سوم اجورہن، جس کا مطلب ہے، کہ عورتوں کو ان کا اجر دیا کرو (بقول شیعہ) عورت کے نکاح میں جو مہر مقرر ہوتا ہے، اس کو شرع کی اصطلاح میں اجر نہیں کہا جاتا، اجر صرف متعہ کے عوض کو کہا جاتا ہے۔

یہ طریق یہاں بتلا رہا ہے، کہ شیعہ کے نزدیک بھی آیت موصوفہ ایسی صاف نہیں، کہ اس کو دلیل کے موقعہ پر پہلے درجہ پر رکھیں، حالانکہ آیت قرآنی ہونے کی حیثیت سے اس کا حق تھا، کہ وہ پہلے ہوتی، مگر مصنف نے اسے پیچھے رکھا، کیونکہ اس سے متعہ کا ثبوت ہونا کارے دارد

پس ہم ان تینوں دلیلوں کے جواب کے ذمہ وار ہیں، پہلی دلیل کا جواب پیچھے دیں گے، پہلے دوسری تیسری کا جواب دیں، جو بوجہ قرآنی دلائل ہونے کے مستحق ہیں، کہ ان کو پہلے رکھا جائے شیعہ

محدث (مصنف تہذیب) کا دعوے ہے، کہ استمتاع سوائے متعہ کے کسی اور کے معنی میں نہیں آیا، حالانکہ خود ہی قائل ہیں، کہ لغت میں اس کے معنی تلذذ، یعنی لذت حاصل کرنے کے ہیں۔ قرآن مجید میں یہ لفظ چھ جگہ آیا ہے۔ پارہ ۵ رکوع ۱۰۔ پارہ ۸، رکوع ۲۔ پارہ ۱۰ رکوع ۱۵۔ پارہ ۲۶ رکوع ۲ ایضاً پارہ ۱۰۔ رکوع ۱۵۔

ان مقامات میں استمتاع کے مصدر سے مختلف صیغے آئے ہیں، پارے پانچویں میں جو لفظ آیا ہے، وہ تو زیر بحث ہے، اس لئے وہ نظیر نہیں بن سکتا ہے، البتہ اور مقامات کو دیکھنا ہے جیسے وہ ہوں گے، ان پر فیصلہ ہو گا۔

آٹھویں پارے میں گمراہ لوگوں کا ذکر ہے

قال اولیاء ھم من الانس ربنا استمتع بعضنا ببعض۔ کہ قیامت کے روز بعض گمراہ انسان کہیں گے خداوندا ہم میں سے بعض نے بعض کے ساتھ فائدہ اٹھایا۔

دسویں پارہ میں ہلاک شدہ لوگوں کا ذکر ہے:۔

کانوا اشد منکم قوۃ واکثر اموالا واولادا فاستمتعوا بخلاقھم فاستمتعتم بخلاقکم کما استمتع الذین من قبلکم بخلاقکم، کہ انہوں نے اپنی عادتوں کے ساتھ فائدہ اٹھایا۔

چھبیسویں پارے میں ہے:۔

یوم یعرض الذین کفروا علی النار اذھبتم طیبا تکم فی حیاتکم الدنیا واستمتعتم بھا، کہ قیامت کے روز کافروں کو کہا جائے گا، تم نے دنیا کی لذتیں حاصل کیں، اور ان کے ساتھ فائدہ اٹھایا۔

اگر ہم فاضل مصنف کا دعویٰ مان لیں، تو ہمیں کہنا پڑے گا، کہ ان سب مقامات پر شیعوں کا ذکر ہے، جو قیامت کو کہیں گے، کہ ہم نے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ متعہ کیا، حالانکہ کوئی شخص بھی جو قرآن مجید کے مقامات مذکورہ کو دیکھے گا۔ یہ لفظ زبان پر نہیں لا سکتا، پس اتنے مقامات میں استمتاع کا لفظ جن معنی میں آیا ہے، متنازعہ مقام کے لئے یہ نظائر کافی ہیں، علاوہ اس کے خود فاضل مصنف کا اقرار ہے، کہ لغت میں اس کے معنی لذت پانے کے ہیں، پس آیت کے معنی یہ ہوئے، کہ جس مال کے ذریعہ سے تم نے عورتوں کے ساتھ فوائد زن وشوئے حاصل کئے، وہ مال بصورت مہر ان کو دے دیا کرو

فاضل مصنف کی تیسری دلیل یہ ہے، کہ اجور کا لفظ جو یہاں آیا ہے۔ اس سے مراد متعہ کا بدل ہے نکاح کا مہر نہیں، کیونکہ مہر کے لئے اجر یا اجور کا لفظ نہیں آیا، پس اگر ہم قرآن مجید میں، بلکہ قرآن مجید کی اس آیت زیر بحث میں دکھادیں، کہ اجر یا بصورت جمع اجور کا لفظ مہر نکاح کے لئے ہی آیا ہے تو ہمارا دعوٰی ثابت اور ان کا باطل، اور اگر ثابت نہ کرسکیں، تو ہمارا باطل اور ان کا ثابت، پس غور سے سنیئے، خدا فرماتا ہے۔

ومن لم یستطع منکم طولاً ان ینکح المحصنات المؤمنات فمن ما ملکت ایمانکم من فتیاتکم المؤمنات واللہ اعلم بایمانکم بعضکم من بعض فانکحوھن باذن اھلھن واٰتوھن اجورھن بالمعروف (پ ۵ ع ۱) جو کوئی تم میں سے آزاد عورتوں سے نکاح کرنے کی طاقت نہ رکھیں، وہ تمہاری ایماندار لونڈیوں سے نکاح کرلیں پس تم (اے مسلمانو!) ان باندیوں کے مالکوں کی اجازت سے ان کے ساتھ نکاح کرلیا کرو، اور ان کے اجور (مہر) ان کو دے دیا کرو"

یہ آیت نکاح ہی کے متعلق نازل ہے، اور اسی کا اس میں ذکر ہے، اول ان ینکح کی صورت میں دوم فانکحوا کی شکل میں باوجود اس کے ان منکوحہ عورتوں کے مہروں کو اجورھن کے لفظ سے بیان فرمایا، پھر فاضل مصنف تہذیب کا دعوٰی کہ اجور کا لفظ خاص متعہ کے اجر کا نام ہے، کیونکر صحیح ہوسکتا ہے

آیت مرقومہ کے متعلق قائلین متعہ کی طرف سے ایک اور طرح سے بھی دلیل لائی جاتی ہے، وہ یہ کہ اس میں الی اجل کا لفظ بڑھا کے (آیت کو یوں پڑھا جاتا ہے فما استمتعتم بہ منھن الی اجل فاتوھن اجورھن پس (بقول ان کے) آیت کے معنی یہ ہوئے، کہ جن عورتوں کے ساتھ ایک وقت مقرر تک تم نے متعہ کیا ہو ان کی مزدوری ان کو دے دیا کرو، اس کا جواب یہ ہے، کہ یہ لفظ (الی اجل) قرآن مجید میں تو ہرگز نہیں، جس نے یہ کہا ہے، اس کی اپنی رائے ہے اس نے بطور تفسیر اس لفظ کو کہہ دیا تو ان کے شاگردوں نے قراۃ اس کو سمجھ کر روایت کر دیا، ورنہ قرآن کا لفظ ہوتا، تو قرآن مجید کے اندر اور حافظوں کے سینہ میں ہوتا۔ ایسے ویسے لفظوں کی وقعت اس سے زیادہ نہیں، کہ کسی راوی نے اپنے فہم کے مطابق کوئی لفظ بڑھا دیا ہے، جسے غلط فہمی سے قرآن کے اندر داخل سمجھا گیا۔

اس کی مثال وہ روایت ہے، جس میں ذکر ہے۔ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ابو یونس اپنے کاتب سے کہا، کہ جب تو لکھتا ہوا اس آیت پر پہنچے، تو مجھے خبر کرنا حافظوا علی الصلوات

والصلوٰۃ الوسطیٰ جب وہ یہاں پہنچا، تو حضرت موصوفہ نے فرمایا، یہاں لکھ دے "صلوٰۃ العصر" اس کا مطلب یہ ہے، کہ حضرت عائشہ بموجب روایت مرفوعہ صلوٰۃ وسطیٰ نماز عصر کو جانتی تھیں۔ اس لئے بطور تفسیر یہ لفظ لکھوایا، اس کے یہ معنی نہیں، کہ انہوں نے یہ لفظ داخل قرآن کر کے لکھوایا اسی طرح کسی راوی نے یہ لفظ الی اجل کہا، تو اس کا اتنا فہم ہے، آیت قرآنی میں یہ داخل نہیں، بلکہ اگر ہم یہ کہیں، کہ قرآن کے سباق کے بھی موافق نہیں، تو بجا ہے۔

ہاں فاضل مصنف تہذیب کی پہلی دلیل کا جواب ہنوز باقی ہے، اہل سنت کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے، کہ ایام جاہلیت میں یہ رسم تھی، کہ جو شخص سفر میں جاتا، اگر اس کو ضرورت ہوتی تو وہاں عورتوں سے متعہ کر لیتا، وہ اس کے اسباب وغیرہ کی حفاظت کرتیں، بعض روایات میں جو آیا ہے۔ کہ صحابہ کرام نے بھی کسی جنگ میں ضرورت کے وقت متعہ کیا، وہ اسی ملکی رسم کے مطابق تھا جیسے شراب خوری کا ثبوت بھی ملکی رسم کے مطابق ملتا ہے، لیکن جب آیت نازل ہوئی، جس میں ذکر ہے، کہ اپنی بیویوں اور باندیوں کے سوا کسی سے ملاپ کرنا جائز نہیں، تو یہ سب رسومات ملکی دور ہو گئیں (ترمذی)

اس کی مزید تشریح کے لئے اہل سنت کی طرف سے خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت پیش کی جاتی ہے۔ عن علی بن ابی طالبؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن متعۃ النساء وعن لحوم الحمر الاھلیۃ زمن الخیبر (ترمذی جلد اول ص۱۳۲) یعنی حضرت علی نے کہا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خیبر کے زمانہ میں متعہ سے اور گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا تھا۔

اس روایت کو شیعوں نے تسلیم نہ کیا، بلکہ اس کی نسبت یہ ظاہر کیا، کہ سنیوں نے شیعوں کے خاموش کرانے کو حضرت علی رضہ کے نام سے گھڑلی ہے، مگر شان ایزدی! ایسا کہنے والے باوجود بڑے عالم ہونے کے اپنی کتابوں سے بے خبر ثابت ہوتے، کیونکہ یہ روایت خود اسی کتاب "تہذیب الاحکام" میں بھی موجود ہے، پھر لطف یہ ہے، انہی الفاظ سے موجود ہے، جو الفاظ اہل سنت کی روایت میں ہیں، غور سے سنیئے:۔

عن علی قال حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم خیبر لحوم الحمر الاھلیۃ ونکاح المتعۃ (ج ۲ ص ۱۸۶) حضرت علی رضہ سے روایت ہے کہ رسول خدا نے خیبر کے زمانہ میں گدھوں کا گوشت اور متعہ کا نکاح حرام فرمایا تھا۔

فریقین (شیعہ اور سنی) کی روایات حدیثیہ میں بہت فرق ہوتا ہے، جو دونوں مذہبوں کے اختلاف پر متفرع یا دونوں کے اختلاف کی بنا ہے، مگر باوجود اختلاف کثیر کے کوئی روایت اگر متفقہ مل جائے، تو اصل معنی میں متفق علیہ کہلانے کا حق وہی رکھتی ہے، شیعوں کے مستند امام کلینی انہی معنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت لائے ہیں۔ خذوا بالمجمع علیہ کا ریب فیہ (ص۸) یعنی متفق علیہ روایت پر عمل کرو، کیونکہ متفق علیہ میں شک نہیں ہوتا۔

پھر صاف اور صریح روایت مرفوعہ جو دونوں مذہبوں کی کتابوں میں بیک معنی موجود ہو، کیوں کر رد ہو سکتی ہے، لیکن افسوس کہ شیعوں نے ایسی متفقہ روایت کو بھی محض اپنی خیالی باتوں کی بنا پر رد کر دیا، چنانچہ تہذیب الاحکام کا فاضل مصنف لکھتا ہے۔ فان ھذہ الروایۃ وردت مورد التقیۃ (ص۱۸۶) یہ روایت حضرت علی رضہ سے تقیہ کے طور پر آئی ہے

تقیہ کیا چیز ہے؟ حسب ضرورت اپنے اعتقاد کے خلاف ظاہر کرنا، ہم مانتے ہیں، کہ شیعہ مذہب میں تقیہ کو اتنی اہمیت اور وقعت دی گئی ہے، کہ دین کے دس حصوں میں سے نو حصے تقیہ قرار دیا گیا، چنانچہ کافی کلینی کے الفاظ یہ ہیں۔ تسعۃ اعشار الدین فی التقیۃ ولا دین لمن لا تقیۃ لہ (اصول کافی ص۴۸۲) تقیہ دین کے نو حصے ہے، اور جو تقیہ نہ کرے، اس کا دین نہیں ہے۔

تقیہ کی بحث اور وسعت کے خیال کو الگ رکھ کر ہم صرف اتنا پوچھنا چاہتے ہیں، کہ حضرت علی رضہ نے جو متعہ کی روایت بیان کی، نہ صرف مسئلہ بتلایا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر مرفوع روایت بھی بیان فرمائی، جو (بقول شیعہ) درحقیقت رسول اللہ کی نہیں تھی، تو اس جرأت اور کذب علی الرسول کی وجہ ان کو کیا پیش آئی تھی، اور ان کا اعتبار کیا رہا؟

ہمارے خیال میں متعہ کا مسئلہ آکر بس اس سوال پر رک جاتا ہے، کہ کیا حضرت علی رضہ کی یہ شان تھی، اور باوجود امیر المومنین اور شیر خدا ہونے کے ایسی کمزوری دکھاویں، کہ کسی امر میں خوف و ہراس کے باعث نہ صرف غلط فتوی دیں، بلکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات پر بھی افترا کریں ہمارے خیال میں جو شخص اس کی تہ کو پہنچ جائے، اور اس خیال کے انجام کو سوچے کہ کہاں تک پہنچتا ہے، اور غور کرے، کہ اس میں حضرت علی رضہ کی کل روایات اور ان کی بات پر کہاں تک زد پہنچتی ہے تو وہ ایک منٹ کیا ایک سیکنڈ کے لئے بھی اس خیال کو دل میں جگہ نہیں دے سکتا، کہ یہ روایت حضرت علی رضہ نے از راہ تقیہ فرمائی ہوگی۔

آسان طریق سے فیصلہ سنی شیعہ کی روایات میں فرق ہے، اور بہت بڑا فرق ہے، اگر دونوں فریق اس بات پر متفق ہیں، کہ قرآن شریف خدا کا کلام ہے واجب الاتباع ہے، مفروض الطاعت ہے، بلکہ شیعوں کے ہاں تو یہاں تک مذکور ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں

ماوافق کتاب اللہ فخذوہ وما خالف کتاب اللہ فدعوہ (اصول کلینی ص۳۹)

جو بات کتاب اللہ (قرآن) کے موافق ہو، اسے قبول کرو، اور جو قرآن کے مخالف ہو اسے چھوڑ دو۔

پس اس متفقہ اصول کے مطابق آؤ ہم اس مسئلہ کا فیصلہ کتاب اللہ (قرآن شریف) سے کرائیں اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا۔ کچھ شک نہیں، کہ حسب روایت منقولہ بالا ممتوعہ عورت بیوی نہیں، باندی نہیں بلکہ ایک کسبی عورت ہے۔ جس نے چند پیسوں کے لئے یہ پیشہ اختیار کر رکھا ہے، جو اس کے لئے اور اس کے خاندان کے لئے موجب ذلت وتوہین ہے، قرآن شریف نے نفسانی حاجت براری کا جہاں ذکر کیا ہے، یہ لفظ رکھے ہیں

اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِھِمْ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ فَاِنَّھُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ، جو لوگ اپنی بیویوں یا باندیوں کے ساتھ ملیں گے، ان پر الزام نہ ہوگا۔

جب ممتوعہ زوجہ بھی نہیں، ملک الیمین (لونڈی) بھی نہیں، تو پھر اس استثناء میں جو آیت مرقومہ نے جواز کا کیا ہے، کیونکر داخل ہو سکتی ہے، اس امر پر کافی غور کی ضرورت ہے

بعض اصحاب کہا کرتے ہیں، کہ متعہ یوں تو حرام ہے، مگر مثل خنزیر ہے، جو بوقت اشد ضرورت جائز ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے، کہ جس طرح خنزیر (سور) کا گوشت کھانا قطعاً منع ہے، مگر بوقت اشد ضرورت کے جو نہ ملنے کسی جائز چیز کے پیش آئے، بقدر رفع بھوک خنزیر کا گوشت کھا لینے میں گناہ نہیں، اسی طرح (بقول ان کے) متعہ ہے، یہ لوگ متعہ کو حرام تو جانتے ہیں، مگر عند الضرورت جائز کہتے ہیں۔

ان کا جواب یہ ہے، کہ خنزیر کی بابت تو آیت میں صاف مذکور ہے، متعہ کی بابت کہاں مذکور ہے، کہ باوجود حرمت کے بوقت ضرورت جائز ہے، کیا اس کو اس پر قیاس ہے، یا کوئی نص صریح، نص ہے، تو پیش کریں، قیاس ہے، تو وجہ فرق سنیں، جس سخت بھوک میں خنزیر کھانے کی اجازت ہے اس میں جان کا خطرہ ہوتا ہے، اور متعہ میں جو حاجت ہے، اس میں جان کا خطرہ نہیں، بلکہ عیش اور لذت

کی خواہش ہے

علاوہ اس کے خنزیر خوری اکیلے کا ذاتی فعل ہے، مگر متعہ ایک ایسا فعل ہے، کہ جب تک دو (مرد اور عورت) مل کر نہ کریں، کام نہیں ہو سکتا، پھر یہ کیونکر یقین ہو سکتا ہے، کہ مرد کو اگر ضرورت شدیدہ ہے، تو ممنوعہ عورت کو بھی ضرورت ہے، جب تک دونوں کی ایسی ضرورت، جو بھوک میں خنزیر خوری کے درجے تک پہنچاتی ہے، ثابت نہ ہو اس کے جواز کی صورت کیونکر ہو سکتی ہے:۔

مختصر یہ کہ متعہ قرآن کے خلاف، حدیث کے خلاف، امیر المؤمنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی متفقہ روایت کے خلاف، بلکہ عقل خالص کے خلاف، اس لئے آریہ گزٹ کے نامہ نگار کو اس پر غور کرنا چاہیئے، اور شیعوں کو حضرت علی مرتضیٰ امیر المؤمنین کی مرفوع روایت کو رد کرتے ہوئے اس کا انجام پوچھنا چاہیئے ؎

من نگویم ایں مکن آں کن   مصلحت ہیں و کار آساں کن

(اہلحدیث امرتسر ۱۲/۲۰ جولائی ۱۹۱۷ء)

عیسائیوں سے ایک سوال

عرصہ سے مجھے ایک سوال عیسائی مذہب کے متعلق نہیں، بلکہ برتاؤ کے متعلق کھٹکتا ہے جس کو زبانی طور پر میں نے کئی ایک عیسائیوں کی خدمت میں پیش کیا، لیکن جواب نہ ملا۔ اس لئے آج بذریعہ اخبار شائع کر کے جواب کا امیدوار ہوں۔

سوال:۔ یہ ہے۔ کہ بائیبل مجموعہ توراۃ و انجیل اس پر متفق ہیں، کہ ہفتہ میں صرف سبت (ہفتہ، شنبہ) کا دن تعطیل کے لئے مقرر ہے، چنانچہ توراۃ کی دوسری کتاب سفر خروج کے ۲۰ باب کی دس آیت میں مذکور ہے:۔

"لیکن ساتواں دن خداوند تیرے خدا کا سبت ہے، اس میں کچھ کام نہ کر، نہ تو نہ تیرا بیٹا نہ تیری بیٹی، نہ تیرا غلام، نہ تیری لونڈی، نہ تیرے مواشی اور نہ تیرا مسافر جو تیرے پھاٹکوں کے اندر ہو، کیونکہ خداوند نے چھ دن میں آسمان اور زمین، دریا اور سب کچھ جو ان میں ہے بنایا، اور ساتویں دن آرام کیا، اس لئے خداوند نے سبت کے دن کو برکت دی، اور اسے مقدس ٹھہرایا۔"

اسی سبت میں بے اعتدالی اور کاروبار کرنے والوں کا نہایت برائی اور خفگی کے ساتھ ذکر کتاب نحمیا کے ۱۳ باب میں ملتا ہے، جن کو قرآن مجید نے اِعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ سے تعبیر فرمایا ہے۔

انجیل سے بھی اسی دستور کا ثبوت ملتا ہے، بلکہ تاکید ہے، کہ تورات کا ایک شوشہ بھی کبھی منسوخ نہیں ہوگا، مذہب میں تو یہ تاکید اور ہدایت اور اہل مذہب میں یہ کیفیت کہ آج تمام عیسائی دنیا کا عمل یہی ہے، کہ تعطیل کے لئے بجائے ہفتے کے اتوار مقرر ہے، اگر ہم محض دنیاوی کاروبار میں ایسا دیکھتے تو سمجھتے کہ دنیاداروں کی راؤں کا کیا اعتبار ہے، لیکن جس صورت میں ہم دیکھتے ہیں، کہ جملہ مذہبی کام بھی اتوار ہی کو ہوتے ہیں، تمام پادری صاحبان گرجوں میں اتوار ہی کو نماز اور عبادت کرتے ہیں، تو ہماری حیرت کی کوئی حد نہیں رہتی، اس لئے سوال یہ ہے، کہ سبت (ہفتہ) کی بجائے اتوار کو کس نے مقرر کیا، اور کیوں کیا، اور ایسا کرنے والے کو ایسا کرنے کا حق بھی حاصل تھا؟ یا یوں ہی کر دیا؟

امید ہے، عیسائی اخبار اور رسالے اس سوال کی طرف توجہ ضرور کریں گے، مگر مہربانی کرکے جو لکھیں، صحیح حوالجات سے لکھیں نہ صرف زبانی اظہارات سے۔

(اہلحدیث امرتسر ۴ جولائی ۱۹۱۳ء)

ایک سوال

جناب مولانا صاحب سلمہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! براہ نوازش مضمون ذیل کو اپنے اخبار میں جگہ دے کر خود بھی روشنی ڈالیں، یا حضرات دیوبند اس پر توجہ کرکے میری تسلی کر دیں۔

بہشتی زیور کتاب مؤلفہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی جلد ۸ صفحہ ۴۶ پر حضرت زینب بنت پیغمبر علیہ السلام کی نسبت تحریر ہے، کہ یہ بی بی حضرت ابوالعاص کے نکاح میں تھیں، جب یہ مسلمان ہوئیں، اور شوہر نے مسلمان ہونے سے انکار کیا، تو حضرت نے قطع تعلق کرا دیا، اور یہ ہجرت کرکے مدینہ چلی گئیں، پس دریافت طلب امر یہ ہے، کہ کیا یہ پہلے مسلمان نہ تھیں، تو کیا مذہب تھا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح کس مذہب پر کیا تھا، امید کہ جو صاحب اس پر خامہ فرسائی کریں، مع دلائل تحریر کریں گے۔

دوسرے یہ کہ حضرت ابوالعاص قبل اسلام لانے کے کس مذہب پر تھے؟ اور حضرت نے کافر کے ساتھ نکاح کیوں کر دیا، امید کہ اس کو مذاکرہ علمیہ کے کالم میں جگہ دے کر دیگر حضرات کو بھی تحریر کا موقعہ دیں گے، یا آپ جس طرح سے مناسب جانیں۔

(بندہ حاجی محمد سردار خاں، محمد خاں، سوداگر منڈلہ، خریدار اہلحدیث نمبر ۷۸۶)

اہلحدیث: - کچھ شک نہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب رضی اللہ عنہا کا ابوالعاص

سے مکہ معظمہ میں نکاح کیا تھا، اس وقت مشرکوں کے ساتھ نکاح کرنے کی ممانعت نہ آئی تھی جب آئی تو حضور نے اپنی لڑکی کو روک لیا، پھر جب ابوالعاص رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو جدید نکاح ان سے کر دیا، یہ ایک تاریخی اور حدیثی واقعہ ہے، اس لئے مذاکرہ علمیہ کی کوئی حاجت نہیں، نہ کوئی اختلاف ہے

سوال زید کہتا ہے، کہ صحیحین میں جو کچھ احادیث ہیں وہ سب صحیح مرفوع ہیں، ہم ان سب کو واجب التعمیل جانتے ہیں، صحیحین اور موطا کے مقابلہ میں کسی دوسری کتاب کی حدیث کو نہیں مانتے، بلکہ صحیحین اور موطا کے عمل کرنے والے کو تحقیق کی ضرورت ہی نہیں، ان کی سب احادیث صحیح ہیں، عمرو یہ کہتا ہے، کہ صحیحین اور موطا ہی پر کیوں حصر کرتے ہو، مسلک محدثین پر جو حدیث جس کتاب سے صحیح ثابت ہو جائے، اس کو مان لو، خواہ بخاری کی ہو یا مسلم کی، ترمذی کی ہو یا ابن ماجہ کی، عمرو یہ بھی کہتا ہے، کہ اگر مسلک محدثین کے مطابق محض صحیحین میں آنے کی وجہ سے ہم اس کو صحیح نہیں مان سکتے، تا وقتیکہ مسلک محدثین کے مطابق صحیح ثابت نہ ہو جائے، جواب مدلل ارشاد ہو، کہ حق بجانب زید ہے یا عمرو؟ (خاکسار محمد مجیب الرحمن خریدار اہلحدیث نمبر ۱۳۳۲، از حسین پور ضلع مظفر نگر)

اہلحدیث دونوں صاحبوں میں اختلاف نہیں، صحیحین کی حدیثیں معتبر واجب العمل ہیں، نہ اس لئے کہ آسمان سے ایسی بنی بنائی اتری ہیں، بلکہ اس لئے کہ محدثین کے طریق پر صحیح ثابت ہیں، جو عمرو کا مطلب ہے، ہاں ثبوت کی ضرورت ہے، اس لئے میں زید کے قول سے متفق ہوں، اور عمرو کے قول کا قائل (۲۹ / دسمبر ۱۹۱۱ء)

مذاکرہ علمیہ

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں، محققان شرع شریف محمدی اس مسئلہ میں کہ ہمارے ملک میں رواج ہے، کہ خوردسال لڑکیاں اور لڑکوں کے والدین ہر دو طرف سے بیٹھ کر بلفظ ایجاب وقبول ناطہ کر چھوڑتے ہیں، چنانچہ لڑکے کا باپ لڑکی کے باپ کو کہتا ہے، کہ تم لڑکی اپنی جس کا نام مریم ہے ہمارے لڑکے محمد کو دیویں، وہ لڑکی کا باپ، کہتا ہے، کہ میں نے لڑکی اپنی مریم تمہارے فرزند محمد کو دی ہے، اور لڑکے کا باپ کہتا ہے، کہ میں نے واسطے لڑکے اپنے محمد کے قبول کر لی ہے، یہ کہہ کر شرینی تقسیم کرتے ہیں، اور خوشی بھی کرتے ہیں، جب لڑکی جوان ہو اول تو باپ اس کا منکر ہو جاتا ہے، اور لڑکی بھی جواب دیتی ہے، کہ مجھ کو یہ ناطہ نہیں منظور ہے، اس حد تک مقدمہ برپا ہوتا ہے کہ ہر دو فریق عدالت تک نوبت پہنچاتے ہیں، اور عدالت میں ملا واسطے فیصلہ مقدمہ کے مقرر ہوتے

ہیں، کوئی تحریر کرتا ہے، کہ نکاح نہیں ہے، کوئی ملا کہتا ہے، کہ نکاح ہے، اس لئے التماس ہے، کہ بموجب حکم شرع شریف جواب تحریر فرماویں بینوا توجروا۔

اور عدالت کہتی ہے، کہ نکاح نہیں ہے، جب تک لڑکی جوان ڈولی میں بیٹھ کر لڑکے کے گھر نہ جاوے، اور وہ قابض نہ ہو، فقط

الجواب:۔ اس مسئلہ کی تحقیق اخبار اہلحدیث امرتسر میں کرانی چاہیئے، خاکسار کے نزدیک یہ نکاح نہیں ہوتا، دعدہ نکاح ہوتا ہے، مختلف علماء کے جواب سے خوب تحقیق ہو جاوے گی

(ابراہیم سیالکوٹی)

ایڈیٹر، علمائے کرام کے جوابات درج کئے جاویں گے، خاکسار کی رائے میں نکاح ہے لڑکی کو اختیار بلوغ ہے، بڑی ہو کر نکاح رکھنا نہ رکھنا اس کے اختیار میں ہے

(اہلحدیث ۲۹ دسمبر ۱۹۱۱ء)

تعزیہ کے خلاف مولوی احمد رضا بریلوی کا فتویٰ

بعض شیعہ حضرات اپنے اخبار، رسائل اور لیکچروں کے ذریعہ ناواقف سنیوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں، کہ تعزیہ داری اور اس کے متعلقات کی مخالفت کرنا صرف وہابی علماء کا کام ہے تعزیہ داری اور عزاداری علماء اہل سنت کے نزدیک صحیح، درست بلکہ کار ثواب ہے۔

یہ امر کسی سے پوشیدہ نہیں، کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا قلم ساری عمر وہابیت کے خلاف رہا ہے، میں تعزیہ داری اور اس کے متعلقات کے خلاف مولانا موصوف کی تصریحات پیش کرتا ہوں، تاکہ ہر مخالف اور موافق پر یہ حقیقت ظاہر ہو جائے، کہ تعزیہ داری کی مخالفت کرنا صرف وہابیوں ہی کا کام نہیں ہے۔

مولوی احمد رضا خان صاحب اپنے فتاوی موسومہ عرفان شریعت حصہ اول ص۱۵ میں فرماتے ہیں

"تعزیہ آتا دیکھ کر اعراض و روگردانی کریں، اس کی طرف دیکھنا ہی نہ چاہیئے"۔

اور صفحہ ۱۶ میں لکھتے ہیں:۔

(مسئلہ) محرم شریف میں مرثیہ خوانی میں شرکت جائز ہے یا نہیں؟

(جواب) ناجائز ہے، وہ مناہی و منکرات سے پر ہوتے ہیں۔

اور اپنے فتاوی موسومہ احکام شریعت، حصہ اول ص۸۹ میں لکھتے ہیں:۔

"محرم میں سیاہ، سبز کپڑے علامت سوگ ہے، اور سوگ حرام ہے۔

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں مسائل ذیل میں بعض سنت جماعت عشرہ محرم میں نہ تو روٹی پکاتے ہیں، نہ جھاڑو دیتے ہیں کہتے ہیں بعد دفن روٹی پکائی جائے گی (۲) اس دس دن میں کپڑے نہیں اتارتے (۳) ماہ محرم میں کوئی شادی بیاہ نہیں کرتے۔

الجواب:۔ تینوں باتیں سوگ ہیں، اور سوگ حرام ہے

موصوف کی ایک مستقل تصنیف رسالہ تعزیہ داری کے نام سے بار بار چھپ کر شائع ہو چکی ہے، اس کے صفحہ ۴ پر لکھتے ہیں:۔

"غرض عشرہ محرم الحرام کہ اگلی شریعتوں سے اس شریعت پاک تک نہایت بابرکت محل عبادت ٹھہرا ہوا تھا، ان بے ہودہ رسوم نے جاہلانہ اور فاسقانہ میلوں کا زمانہ کر دیا

"یہ کچھ اور اس کے ساتھ خیال وہ کچھ، کہ گویا خود ساختہ تصویریں بعینہ حضرات شہداء رضوان اللہ علیہم کے جنازے ہیں۔

"کچھ اتارا باقی توڑا، اور دفن کر دیئے، یہ ہر سال اضاعت مال کے جرم میں دو وبال جداگانہ ہے، اب تعزیہ داری اس طریقہ نامرضیہ کا نام ہے، قطعاً بدعت وناجائز ہے، حرام ہے۔

رسالہ کے صفحہ ۱۵ پر حسب ذیل سوال، جواب مذکور ہے:۔

سوال:۔ تعزیہ بنانا اور اس پر نذر ونیاز کرنا، عرائض بامید حاجت براری لٹکانا اور بہ نیت بدعت حسنہ اس کو داخل حسنات جاننا کیسا گناہ ہے؟

الجواب:۔ افعال مذکورہ جس طرح عوام زمانہ میں رائج ہیں بدعت سیئہ وممنوع وناجائز ہیں،

اور صفحہ ۱۱ پر لکھتے ہیں:۔

تعزیہ پر چڑھایا ہوا کھانا، نہ کھانا چاہیئے، اگر نیاز دے کر چڑھائیں، یا چڑھا کر نیاز دیں، تو بھی اس کے کھانے سے احتراز کریں۔

ناظرین مولوی احمد رضا خاں صاحب کی مذکورہ بالا تصریحات بار بار پڑھیں، اس لئے کہ اور کسی مولوی یا مفتی کو شیعہ حضرات وہابی یا غیر مقلد کہہ دیں تو کہہ دیں، لیکن حضرت مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کو وہابی، غیر مقلد کہنے کی جرأت کون کر سکتا ہے

دناچیز:۔ محمد عبد السلام خاں، قادری، رضوی، بریلوی)

(اہلحدیث ۲۴ر دسمبر ۱۹۴۳ء)

ایک استفتاء اور اس کا دیوبندی جواب اور اس کی تنقید

علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حکم ہے کہ ایک شخص مسمی زید کہتا ہے، کہ مقتدی ہو کر سینہ پر ہاتھ باندھنا، اور مقتدی ہو کر رفع الیدین کرنا، اور مقتدی ہو کر آمین بالجہر کہنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل سے ہرگز ثابت نہیں، ایک دو وقت مقتدی ہونے کے باوجود بھی آپ نے ان افعال مذکورہ سے کسی ایک کو بھی نہیں کیا۔

بکر کہتا ہے، کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے آپ کو اچھا نمونہ بنا کے آپ کے نقش قدم پر چلنے یعنی آپ کی پوری اتباع کرنے کی ہمیں تاکید اکید بفحوائے آیت کریمہ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ کی ہے، علاوہ ازیں حدیث صحیح سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے، کہ آپ نے فرمایا۔ حدیث شریف۔ صلوا کما رأیتمونی اصلی تم نماز پڑھو، جس طرح کہ مجھ کو نماز پڑھتا ہوا دیکھتے ہو، یعنی تم میری نماز جیسی نماز پڑھا کرو، پس ہر ایک امام اور مقتدی کو آپ کا یہ حکم شامل ہے، اور عام تام ہے، اس سے کوئی مستثنیٰ ہو ہی نہیں سکتا، میں آپ سے عرض کرتا ہوں، کہ ان دو شخصوں یعنی زید و بکر میں سے کس کا کہنا شرع شریف کے مطابق ہے، نصوص شرعیہ کے ساتھ ارقام فرماویں۔ بینوا توجروا۔ (العاجز عبدالرزاق عفی عنہ مدرس منشن خوار محلہ سید واڑی قصبہ چن پٹن ضلع بنگلور، ملک میسور)

الجواب:۔ زید ٹھیک کہتا ہے، کہ بحالت اقتدا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے ان امور مذکورہ کا صدور کہیں ثابت نہیں ہے من ادعی فعلیہ البیان۔

اور حضور کا عدم رفع یدین و عدم جہر بالآمین حدیث سے ثابت ہے، دیکھو ترمذی شریف۔ ان افعال کا نہ کرنا بھی اسوہ حسنہ اور صلوا کما رأیتمونی اصلی میں داخل ہے، اور تاریخ فعل اور عدم فعل کی کسی کو معلوم نہیں۔ تاکہ ایک دوسرے کو ناسخ منسوخ کہا جاوے، اب البتہ ترجیحات ہیں، لہذا مناقشہ فضول ہے۔ (ریاض الدین، مفتی دار العلوم، دیوبند)

اہلحدیث کسی فعل کے سنت یا مستحب ہونے کے لئے یہ کافی ہے، کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کام کیا، اس پر یہ سوال کہ حالت امامت میں کیا، یا حالت اقتدا میں بے حاجت ہے، اس سوال کی صحت نہ قرآن و حدیث سے ہوتی ہے اور نہ کتب اصول سے کیونکہ علماء اصول نے کہیں یہ شرط نہیں لگائی، کہ فعل نبوی اقتدا میں ہو یا امامت میں، پس جو فعل ثابت

ہے، وہ ہر حال میں قابل اتباع ہے، عدم رفع اور عدم جہر کی روایات صحیح نہیں، درصورت صحت بطریق علم اصول مسئلہ بالکل صاف ہے، کیونکہ مسنون امر کی تعریف یہ ہے، کہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ترک بھی فرمایا ہو، پس ترک نبوی ماہیت سنت میں داخل ہے لیکن تبع سنت کے لئے اس فعل کا ترک کرنا اتباع سنت نہیں، بلکہ نقص ثواب ہے، مثلاً ہر نماز کے لئے وضو مامور بہ ہے، لیکن وضو ہونے کی حالت میں ترک وضو سے نماز پڑھنی جائز ہے، مگر وضو کرنے کا ثواب نہیں، ٹھیک اسی طرح ترک رفع ترک ثواب ہے، فعل سنت نہیں، فافہم۔

(اہلحدیث امرتسر ۹ صفر ۱۳۵۰ھ)

جناب مولانا محمد طیب مکی کا خط علمائے دیوبند سے

مولانا موصوف نے اپنا ایک عربی خط بھیج کر فرمائش کی ہے، کہ اس خط کو مع ترجمہ کے شائع کردیں چونکہ خط متضمن مصالحت ہے، اس لئے درج ذیل ہے:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علیہ وسلم علی الرسول الامین والہ الطاہرین اما بعد فالسلام والاکرام اخص بہ العلماء الفطاحل والھداۃ الاماثل اعنی حضرت الاستاذ المولوی محمود الحسن والفاضل المولوی خلیل احمد والزاھد المولوی اشرف علی والخطیب المولوی مرتضی حسن وغیرھم من علماء فقھاء الاحناف رضی اللہ عنھم۔

الباعث لھذا الکتاب ھو سؤال الفقھاء الکرام ماذا ینقمون من اھل الحدیث حتی نبزوھم بالالقاب واغلقوا ونھم الابواب حتی منعوھم مساجد اللہ و رموھم بالبدعۃ والجھل ونبزوھم بنبز لامن ھب ووھابی وغیر مقلد وھی القاب یستقبحھا العامۃ والخاصۃ وان کانت لا تستھجن اللقب مع قبحہ عند العوام فلیس یلیق بالمسلم ان ینبز اخاہ بما یکرہ لنفسہ وعلی کل حال التمس منکم الجواب المعد لمعادیھم وما الذی اوجب التنافر مع ان اھل الفقہ و اھل الحدیث لم یکن بینھم فی الصدر الاول الا المحبۃ وان کان کل یرجح مسلکہ من غیر تباغض ولا تھاجر بل الفقھاء یدعون انھم افھم والمحدثون انھم اسلم

دکتابی ھذا کتاب سادسل نقلہ للاشاعۃ فی بعض الاخبار ان اعرضتم عن الجواب عسی ان یجیب غیرکم من اھل العلوم وماتوفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

محمد طیب مکی (من بلدۃ رامپور)

بخدمت جناب مولانا استاد مولوی محمود الحسن صاحب، مولانا مولوی خلیل احمد صاحب جناب مولانا اشرف علی صاحب اور مولوی مرتضی حسن صاحب وغیرہ علماء احناف رضی اللہ عنہم۔ اس خط لکھنے کا باعث اس امر کا دریافت کرنا ہے، کہ حنفیہ کرام اہلحدیث کو برا کیوں جانتے ہیں، یہاں تک کہ ان کو برے برے القاب سے یاد کرتے ہیں، اور مسجدوں میں جانے سے ان کو منع کرتے ہیں، بدعتی، جاہل، لامذہب، وہابی اور غیر مقلد وغیرہ وغیرہ القاب سے ان کو یاد کرتے ہیں، یہ القاب ایسے ہیں کہ عام اور خاص لوگ ان القاب کو برا جانتے ہیں، مسلمان کو لائق نہیں، کہ اپنے بھائی کو ایسے لقب سے یاد کرے، جو اپنے لئے ناپسند کرے۔ بہرحال میں آپ حضرات سے جواب چاہتا ہوں، جو اہلحدیث کے عیوب ظاہر کرے، اور یہ کہ ایسا امر کیا ہے، جس نے نفرت پیدا کردی ہے۔ حالانکہ زمانہ سلف میں اہلحدیث اور اہل فقہ میں بجز محبت کے کچھ نہ تھا، اگرچہ ہر ایک اپنے مسلک کو ترجیح دیتا تھا، مگر باہمی بغض اور کینہ نہ تھا، بلکہ فقہاء دعویدار تھے، کہ ہم خوب سمجھتے ہیں، اور محدثین کہتے تھے، کہ ہم اسلم طریق پر ہیں، میں نے یہ خط اخبار میں اس لئے بھیجا ہے، کہ اگر آپ لوگ جواب نہ دیں گے، تو کوئی اور اہل علم جواب دے گا۔

اڈیٹر:۔ جس طرح مولانا ممدوح (سائل) کا سوال درج اخبار ہوا ہے، اہل علم مجیب کا جواب بھی درج ہو سکے گا، انشاء اللہ مگر ذاتیات اور دل آزاری سے پاک صاف، محض علمی ثبوت کے ساتھ ہو، والسلام (اہلحدیث امرتسر تاریخ نامعلوم)

علمائے اہلحدیث سے سوال

جمیع علمائے اہلحدیث سے عموماً، اور مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ صاحب سردار اہلحدیث صوبہ پنجاب اور مولانا ابوطاہر صاحب محدث فاضل بہاری مدرس اول و مہتمم مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ صدر بازار دہلی، اور مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی، اور مولانا عبداللہ صاحب امرتسری روپڑی سے خصوصاً سوال ہے، کہ آمین بالجہر اور رفع الیدین نماز میں فرض ہے یا واجب یا سنت، بر تقدیر اول و دوم دلیل ارشاد ہو، اور قرآن و حدیث صحیح سے ثبوت عنایت فرمائیں، اور بر تقدیر سوم کیا

وجہ ہے، کہ ان دونوں کے نہ کرنے والوں کو برا سمجھتے اور گمراہ بے دین کہتے، صرف آمین بالجہر اور رفع الیدین کے ترک سے نماز کو ناقص بتاتے بلکہ باطل قرار دیتے ہیں۔

اب یہ ارشاد ہو، کہ جو لوگ بلا رفع الیدین نماز کو ناقص کہتے ہیں، وہ برسر حق ہیں یا برسر باطل، بر تقدیر اول تحقیقات علمائے محققین و محدثین و فقہائے کرام سے سرفراز فرمائیں، اور بر تقدیر ثانی کیا وجہ ہے، کہ آپ ایسے بزرگان و راہنمایان ان کو ہدایت و تنبیہ نہیں فرماتے، کہ آمین بالجہر اور رفع یدین نہ کرنے والوں کو برا نہ کہیں، امید کہ آپ حضرات میری عرض کو قبول فرما کر اپنی اپنی تحقیقات سے بذریعہ اخبار اہلحدیث جو مذہب اہل حدیث کا آرگن ہے مطلع فرمائیں گے، اور بے اتفاقی کو راہ نہیں دیں گے۔ خصوصاً مولانا اڈیٹر اہلحدیث سے امید واثق ہے، کہ میری اس عرض کو اپنے اخبار حق آثار میں جگہ دیں گے، اور اس کا جواب بھی شائع فرمائیں گے، والسلام مع الاکرام

(خاکسار عبدالجبار امروہوی از دہلی چاندنی چوک)

اہلحدیث محدثین کسی فعل کو فرض، واجب، سنت وغیرہ نہیں کہتے، مگر جس کو صاحب شریعت نے کہا، بلکہ ان کا اصول وہی ہے، جو حدیث کے الفاظ ہیں صلوا کما رأیتمونی اصلی (جس طرح مجھے نماز پڑھتے تم نے دیکھا، اسی طرح پڑھا کرو)

اس لئے آمین رفع الیدین کی بابت وہ اپنے اصول سے یہ اصطلاحی لفظ سنت مستحب وغیرہ نہیں بولتے، بلکہ یہ کہتے ہیں، کہ یہ افعال صلوۃ ہیں، ہاں متاخرین نے ان اصطلاحات پر کہیں کہیں اظہار خیال کیا ہے، سوال کے نزدیک چونکہ یہ دونوں فعل سنت ہیں، اور سنت کے ترک سے نقصان آنا لازمی ہے، گو بطلان کے درجہ تک نہ سہی اس لئے رفع یدین کرنے والے کو جو ثواب ملتا ہے، نہ کرنے والا اس سے محروم رہتا ہے (اہلحدیث امرتسر ۱۲ دسمبر ۱۹۲۲ء)

ایک سوال کا جواب

اخبار اہلحدیث مورخہ ۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ میں ایک سوال علمائے اہلحدیث سے کیا گیا ہے، اس میں خاکسار بھی مخاطب ہے، اگرچہ کار مدرسہ سے عدیم الفرصت رہتا ہوں، لیکن چونکہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ علیہ الصلوۃ والسلام سے سائل کا جواب دینا، اور ناواقف کو مسئلہ شرعی سے واقف کر دینا اہل علم کا فرض منصبی ہے، اس لئے مختصر طور پر سائل موصوف کے سوال کا جواب لکھ دینا میں نے ضروری سمجھا۔ واللہ الموفق والمعین وبہ نستعین فی کل حین

الجواب بالصواب وھو العلیم للصدق والصواب۔ محدثین محققین رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی مذہب ہے، کہ کسی فعل صلوٰۃ کو کسی اصطلاح فقہی کے ساتھ تعبیر نہیں کرتے، بلکہ ان کا قول ہے، کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہے، اسی طرح ادا کرنا ہم لوگوں پر لازم و ضروری ہے، اور اسی طرح نماز کامل و صحیح ہوگی، اور اگر کسی فعل کو ترک کر دیا، تو نماز ناقص ہوگی، جیسا کہ مولانا ابوالوفار ثناء اللہ صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا یعنی جو بتائیں تم کو رسول اس کو کرو، اور جس سے منع فرمائیں، اس سے باز رہو۔ بتانا عام ہے قول سے ہو یا فعل سے، کسی کام کو کر کے دکھانا، یہ بھی امر میں داخل ہے، اور آمین بالجہر اور رفع الیدین کا ثبوت تو قول و فعل دونوں سے احادیث صحیحہ کثیرہ میں وارد ہے، کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں آمین بالجہر اور رفع الیدین کیا کرتے تھے، کسی حدیث صحیح سے یہ ثابت نہیں، کہ کبھی آپ نے آمین بالجہر یا رفع الیدین کو ترک کیا ہو، اور حدیث صحیح میں مرفوعاً آیا ہے صلوا کما رأیتمونی اصلی (یعنی جس طرح مجھے نماز پڑھتے تم نے دیکھا، اسی طرح پڑھا کرو)، اور حدیث صحیح سے آپ کا آمین بالجہر کہنا، اور رفع الیدین کرنا ثابت ہے، پس گویا آپ نے امر فرمایا، کہ آمین بالجہر اور رفع الیدین کیا کرو۔

وقال اللہ تعالیٰ۔ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ۔

اس آیت کریمہ سے صاف ثابت ہوا، کہ اتباع رسول ہی ہدایت ہے و بس، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم فعل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کرنا اپنے اوپر ضروری سمجھتے تھے، اور واجب و سنت کے ساتھ تعبیر نہیں کرتے تھے، مؤطا امام مالک ہے۔

وعن مالک بلغہ ان رجلا سأل ابن عمر عن الوتر اواجب ھو فقال عبد اللہ قد اوتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واوتر المسلمون فجعل الرجل یردد علیہ وعبد اللہ یقول اوتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واوتر المسلمون

اس روایت میں صاف مذکور ہے، کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے برابر سوال ہوتا رہا، کہ وتر واجب ہے یا سنت، مگر وہ یہی جواب دیتے رہے، کہ فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و فعل جمیع مسلمین ہے، پس جو لوگ کہ تارک آمین بالجہر و رفع الیدین ہیں، جو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، وہ خیر کثیر سے

محروم ہے، اور رہتے ہیں اور رہیں گے، اور ان کی نماز ضرور ناقص ہوتی ہے، ہر گز ان کے کرنے اور نہ کرنے والے دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ اس لئے اہلحدیث بلا رفع الیدین نماز کو ناقص کہتے ہیں اور آمین بالجہر اور رفع الیدین نہ کرنے والوں کو اس وجہ سے برا سمجھتے ہیں، کہ وہ عامل سنت کو برا کہتے اور خود تارک سنت ہیں، اور جب ترک سنت عادت ہو جاتی ہے، تو رفتہ رفتہ فرض بھی ترک ہونے لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جمیع مسلمانوں کو عمل بالکتاب والسنۃ کی توفیق عطا فرمائے، آمین ثم آمین

(ابو طاہر بہاری عفا عنہ الباری، مدرس اول و مہتمم مدرسہ دار الحدیث رحمانیہ صدر بازار دہلی)

(اہلحدیث امرتسر ۸ ار جنوری ۱۹۲۷ء)

سوال:۔ ہندہ صغیرہ ہے، اور اس کا چچا مجنون ہے اور ایک چچا زاد بھائی ہے، اور ماں ہے اور اس کی ماں سے اور چچا زاد بھائی سے تنازعت رہتی ہے، اور اس کی ماں کے ساتھ شرارت کرتا رہتا ہے، اس کی ماں نے ہندہ کی نسبت یعنی خطبہ زید کے ساتھ کی، جب ایک سال گذر گیا، اور تاریخ شادی مقرر ہو گئی، تب ہندہ کے چچا زاد بھائی نے کہا، کہ ہندہ کی شادی بکر سے کرو، ہندہ کی ماں نے اس کے چچا زاد بھائی کے قول کے جواب میں کہا، کہ میں بکر سے اپنی لڑکی کی شادی نہیں کروں گی وہ میرے حسب خاطر نہیں ہے، اور علاوہ اس کے جب تاریخ مقرر ہو گئی، تو اب نسبت فسخ کرنا مناسب نہیں ہے، اور زید اور بکر دونوں ہندہ کے کفو ہیں، اور زید کے والد جو اہلحدیث ہیں، مقلد شخص واحد نہیں ہے، اپنے لڑکے زید نابالغ کی شادی یعنی نکاح ہندہ صغیرہ کے ساتھ اس کی ماں کی اجازت سے کر دیا، پس یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ نکاح جائز ہے، اس لئے کہ چچا کی ولایت بوجہ جنون کے ساقط ہو گئی، اس لئے کہ ولایت شفقت پر موقوف ہے، اور اس کا قریب شادی کے کہنا کہ بکر سے شادی کرو، زید سے نہ کرو، یہ بھی ایک شرارت ہے، اس کو نسبت کے وقت ہی کہنا چاہیئے تھا، جیسا کہ مولانا وحید الزمان اہلحدیث نے اپنی کتاب "تنقید الہدایہ" کے کتاب النکاح میں تحریر فرمایا ہے۔ واذا کان الولی عاضلا او غیر مراع لمصلحۃ المراۃ نفسھا او شرارۃ سقطت ولایتہ وردت ان دونوں کی ولایت ساقط ہو گئی، تو ماں ولی ہو گی، اور ماں کی ولایت معتبر ہے، اس کو مولانا وحید الزمان صاحب اہلحدیث نے تنقید الہدایہ میں بعبارت طویلہ لکھا ہے۔

(المجیب عبد القادر عفی عنہ مئوی اہلحدیث)

تصحیح:۔ اگر ولی اقرب کہے، کہ ہم اس کفو خاطب سے شادی نہیں کریں گے، بلکہ دوسرے

کفوسے شادی کریں گے، تو اس صورت میں بعض علمائے احناف کے نزدیک اس کی ولایت ساقط ہو جاتی ہے۔ پس ان کے مسلک سے یہ نکاح جائز ہے، ایسا ہی شامی صفحہ ۲ ہم ۳ کتاب النکاح مطبوعہ مصر میں ہے (محمد نور الاسلام۔ فتح پور، ہسوہ)

تصحیح:۔ سوال کے مطابق جواب صحیح ہے۔ اللہ اعلم (ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری)

تعاقب

بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے واضح رائے شریف ہو کر پرچہ اہلحدیث مورخہ ہر رجب ۱۳۲۶ھ کے کئی ایک فتوے پر اعتراض کیا جاتا ہے، امید کہ جواب شافی ارقام فرما کر تشفی فرمادیں گے۔

(۱) انگریزی جوتا یا کوٹ پہنے، اور سر پر ترکی ٹوپی رکھے، تو انگریزوں سے مشابہت نہیں آئی،

اعتراض:۔ اگر صرف ترکی ٹوپی پہننے سے خارج از تشبیہ ہے، تو اختصار فی الصلوۃ میں کہ حضرت عائشہ رض نے کہا کا تشبہ ہوا بالیہود اس کا مطلب کیا ہوگا، یہاں فقط اختصار سے مطابق قول حضرت عائشہ رض کے تشبیہ سمجھا جاتا ہے (اختصار کوک (ڈھاک) پر ہاتھ رکھنا ہے۔

اعتراض:۔ ترکی ٹوپی شمار از زی (لباس) عجم ہے یا نہیں، میرے دانست میں ترک عجم ہے حضرت حذیفہ رض نے ایک گھر میں کچھ زی عجم دیکھ کر فرمایا۔ من تشبہ بقوم فھو منھم علی ہذا القیاس حضرت امام احمد حنبل نے کہ ایک کرسی پر کچھ نقشہ چاندی کا دیکھا، تو ولیمہ کی دعوت سے پھر گئے اور کہا زی المجوس۔ یہ لوگ عربی تھے، اب ان کا معنی لیا جائے گا، یا آپ حضرت کا۔ اس کا جواب آنے سے اور کچھ لکھا جائے گا، آپ کے نزدیک لباس خواہ جوتا ہو، خواہ زیور کپڑا جب تک کہ تمیز مابین کفار اور مسلمانوں میں ہوتی رہے درست ہے، بھلا اس حدیث کا کیا مطلب ہوگا، کہ سوائے رنگت کے کوئی امر باعث کراہیت نہیں پایا جاتا۔ عن عبد اللہ بن عمر رض قال رای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثوبین معصفرین قال ان ھذہ من ثیاب الکفار فلا تلبسھا۔ بلاک ہماری عورتیں نہیں پہنتی ہیں، آپ کے نزدیک بے شک درست ہوگا، کیونکہ پوری مشابہت نہیں ہوگی۔ سوال۔ جب کہ جگہ کی تنگی ہو، اور روا جا محراب بنانا ہو تو اس پر کیا حکم ہے؟ یہ اعتراضات مع جوابات مہربانی فرما کر اہلحدیث میں اندراج فرمادیں، قبل ازیں کچھ لکھا گیا تھا مگر جواب سے محروم رہا، نمبر ۱۱۹۰۔

جواب:۔ یہ سب روایتیں میری مؤید ہیں، آپ نے غور نہیں کیا، ہر ملک میں تشبہ کی نوعیت

الگ الگ ہے، مگر اصول ایک ہی ہے، کہ جس طریق سے مسلم کی غیر مسلم سے تمیز نہ ہو وہ تشبہ ہے اور اگر تمیز ہے، تو تشبہ نہیں، عرب میں مسلم اور غیر مسلموں کا لباس ایک ہی طرح کا تھا، اس لئے وہاں رنگت سے تمیز کی گئی، یہودیوں کی نماز بھی مثل مسلمانوں کے تھی، اس لئے اختصار دکوکھ پر ہاتھ رکھنے سے ممانعت فرما کر تمیز کر دی گئی،

آپ تشبہ کے لفظ پر غائر نظر سے غور کریں، تو آپ کا سوال باقی نہ رہ سکے، تشبہ کا مادہ شبہ ہے، شبہ کے معنی ہیں ما.... مانند دو قسم پر ہے، صوری اور معنوی، معنوی مشابہت تو افعال و اعتقادات سے ہوتی ہے، اس کا تو ذکر ہی کیا، جو کوئی عیسائیوں کی طرح کے اعتقاد رکھے گا، وہ عیسائی ہوگا، اور جو ہندوؤں کے رکھے گا، ہندو ہوگا، ہاں صورت مشابہت سے بھی ڈرانے اور بچانے کے لئے شریعت نے فرمایا، جو کوئی کفار کے ساتھ ایسی مماثلت کرے، کہ مسلم غیر مسلم میں تمیز نہ ہو سکے، تو وہ بھی ان غیر مسلموں میں ہوگا، جن سے اس نے مشابہت کی، اس لئے اس مشابہت سے بچنے کی کئی صورتیں بتلائی ہیں، ان سب میں قدر مشترک صرف اتنا ہے، جس سے دونوں میں تمیز ہو سکے، کیونکہ مرکب کی نقیض احد الاجزاء کے رفع ہونے سے ہو سکتی ہے۔ جگہ کی تنگی میں محراب بنانا جائز ہے۔

(اہلحدیث امرتسر ۲۸ جنوری ۱۹۱۰ء)

ایک ضروری سوال

یہاں بلرام پور ضلع گونڈا میں ایک گھر بھنگی کا مسلمان ہوا ہے، نماز و روزہ کا پابند، حرام حلال کے مطابق عمل کیا، مگر اپنا پیشہ پاخانہ صاف کرنا نہیں چھوڑا، بہت سے مسلمانوں نے اس کے ساتھ کھانا، پینا، ملنا جلنا کر لیا، مگر بہت سے لوگ کہتے ہیں، کہ پاخانہ صاف کرنے کا پیشہ حرام ہے، جب تک یہ اپنا پیشہ نہ چھوڑے گا، ہم اس کے ساتھ کھانا وغیرہ میں شریک نہیں ہو سکتے ہیں، اور اس بات کو کہ پیشہ نہ چھڑا جاوے، اور مسلمان ہو جاویں، دیکھ کر اکثر بھنگی مسلمان ہونے کو تیار ہیں، پس التماس ہے، کہ صورت متذکرہ بالا مفصل لکھ کر جواب مشرح مدلل چھاپ دیجئے، کہ نفع و آگاہی عام اہل اسلام ہو اور قصبہ مذکور کے مسلمانوں میں جو اختلاف ہے وہ دفع ہو، افسوس تو یہ ہے، کہ یہاں اہلحدیث صاحبان اس جہالت میں مبتلا ہیں، ساتھ اس نو مسلم کا عام مسلمانوں نے دیا ہے، یہ بھی جتلا دیجئے، کہ خاص کر اہلحدیث کو اس موقعہ پر کیا کرنا چاہیئے، یہ بھی اگر آپ جتلا سکیں، تو بتلایئے، کہ بزرگان و صحابہ میں سے بھی کسی نے یہ پیشہ کیا ہے؟ (عبد الرحمن ڈپٹری اسسٹنٹ اترولہ)

اہلحدیث } الجواب، شخص مذکور مسلمان ہے، اس کو مسلمان سمجھنا چاہیئے، پیشہ مذکور حرام نہیں، محنت ہے (اہلحدیث امرتسر ۲۴ جنوری ۱۹۱۸ء)

چند سوال جواب طلب

جناب مولانا صاحب سلمہ اللہ تعالےٰ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایک مولوی صاحب جو دار العلوم مصر کے سند یافتہ ہیں، فرماتے ہیں:-

(۱) شیطان کب کا مر چکا ہے

(۲) روح ایک قوت متحرکہ انسانی کا نام ہے، جو انسان کے ساتھ ہی مرجاتی ہے۔

(۳) قرآن شریف کے ہوتے کسی حدیث کی ضرورت نہیں، قرآن شریف خود اپنا مفسر اور لغت ہے

(۴) ہدہدا مد نمل کا قصہ جو قرآن شریف میں مذکور ہے، مفسروں نے غلط لکھا ہے، نمل ایک قوم کا نام ہے اور ہدہد ایک آدمی کا

اسی طرح کے اور دیگر مسائل صرف قرآن شریف کی آیات سے استدلال کر کے فرماتے ہیں، چونکہ مجھ کو یہ تمام مسائل اعتقاد متقدمین کے خلاف معلوم ہوتے ہیں، لہذا عرض ہے کہ مسائل مسطورہ کا جواب بدلائل محض قرآن شریف درج اخبار فرما کر مشکور فرماویں، فقط والسلام۔

(خریداران اہل حدیث نمبر (۴۸۵)

ایڈیٹر (۱) شیطان کے مرنے کی بابت ثبوت پوچھنا چاہیئے، قرآن مجید میں تو اس کی بابت صاف لفظ میں ہے۔ الی یوم یبعثون قیامت تک زندہ رہے گا

(۲) اس کا ثبوت بھی مدعی سے پوچھنا چاہیئے، صرف زبانی دعوی تو چل نہیں سکتا

(۳) قرآن مجید کی تفسیر بے شک قرآن شریف خود کرتا ہے، اور لغت بھی اس کی مؤید ہے، اگر احکام شرعیہ کے متعلق بعض روایات ایسی ہیں، کہ اپنے معنی بتلانے میں تو صاف ہیں، لیکن وہ معنے ان کے اجمال ہی کے درجہ پر ہیں، اس لئے حدیث نبوی کی ضرورت ہوتی ہے، مثلاً قرآن شریف میں حکم ہے نماز پڑھو، مگر اس کی تفصیل نہیں ملتی، کہ کس طرح پڑھو، قیام پہلے کرو، سجدہ پیچھے کرو، التحیات یوں کرو، وغیرہ یوں کرو، اس قسم کی ترکیب کے لئے حدیث یا فعل نبی کی ضرورت ہے، غور کیا جائے تو اس قسم کی تشریح جو ہم حدیث شریف سے لیتے ہیں، اس کی اجازت بھی قرآن مجید ہی نے دے رکھی ہے، چنانچہ ارشاد ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (رسول خدا میں

تمہارے لئے نیک نمونہ ہے) پس اس قسم کی آیات کی تفسیر میں حدیث شریف کی ضرورت ہے (۴) عجیب مولوی صاحب ہیں، خود ہی تو لغت سے تفسیر کرنے کے مدعی ہیں، اور پھر خود ہی لغت کے خلاف کہتے ہیں، ہدہد اور نمل لغت میں دو پرندے جانوروں کے نام ہیں، اس کے سوا لغت میں کوئی معنے ہوں، تو وہ بتلا دیں (اہلحدیث ۱۶ / اپریل ۱۹۱۲ء)

س:۔ مہر دو قسم کے ہیں، معجل اور مؤجل یعنی جلدی ادائیگی کے قابل اور دوسرا خاص وقت پر یعنی وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ. سو عرض ہے، کہ ان دونوں قسموں کے مہروں کی یہی تشریح ہے یا کچھ اور، قسم دوسری کا مہر شوہر کے مرنے کے بعد بھی قابل ادائیگی ہے، یا صرف بوقت طلاق؟

(کمترین خریدار اہلحدیث اخبار نمبر ۴۴۵۹)

ج:۔ مہر معجل اور غیر معجل کی اصطلاح فقہاء متاخرین کی ہے، حدیثوں میں اس کا ثبوت نہیں، اس کی تشریح بھی ہے، کہ معجل مہر کے اس حصہ کو کہتے ہیں، جو بعد نکاح فوراً واجب الادا ہو جاتا ہے، اور غیر معجل اس کو کہتے ہیں، جو جدائی کے بعد واجب الادا ہو جاتا ہے، خواہ طلاق سے ہو، یا موت سے

(اہلحدیث امرتسر ۲۵ / جنوری ۱۹۱۸ء)

تعاقب

جناب مولوی ابو الوفاء صاحب (مولوی فاضل) دام مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کے پرچہ "اہلحدیث" جلد ۲۱ نمبر ۱۵ مجریہ ۵ صفر ۱۳۴۳ھ و ۱۹۲۴ء کے صفحہ ۱۰ کالم فتاوے میں سوال و جواب نمبر ۲۱۲۔

س:۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے، کہ لڑکی والے کہہ دیتے ہیں، کہ اتنا روپیہ نقد دے دو اور اتنے کا زیور بنا دو، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

ج:۔ ایسا کر سکتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضؓ سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نقد مہر طلب کر لیا تھا۔ انتہی"

دیکھ کر حیرت ہوئی، کہ مولوی صاحب نے تو رسم کفار کی کھلم کھلی ترویج کر دی، اس امر کے جواز میں تو کلام نہیں، لیکن نہ مطلقاً، اور نہ ہی اتنی گرانبار رقم کی وصولی جائز ہے، ہندوؤں کے ہاں لڑکیوں کی ظاہر میں تو شادی کرتے ہیں، مگر حقیقت میں رقوم کثیرہ لے کر بیچ دیتے ہیں۔

شیخ الاسلام امام شوکانی علیہ الرحمۃ نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار میں تحت حدیث "واحق ما

یکرم علیہ الرجل ابنتہ واخت، لکھتے ہیں

فیہ مشروعیۃ صلۃ اقارب الزوجۃ واکرامہم والاحسان الیہم وان ذلک حلال لہم ولیس من قبیل الرسوم المحرمۃ الاان یمتنعوا بہ من التزویج الا بہ انتہی (نیل الاوطار جلد ۶ ص ۱۹۱)

معلوم ہوا کہ اگر لڑکے والا لڑکی والے کو بلا طلب کچھ روپیہ دے دے تبرعاً واحساناً تو لڑکی والے کو لے لینا جائز ہے، اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں لیکن اگر لڑکی والا لڑکے والے کو بالشرط یہ کہے کہ مجھے پانچ سو یا ہزار روپیہ یا کم زیادہ دوگے، تو اپنی دختر یا پوتی وغیرہ کا تمہارے یا تمہارے لڑکے وغیرہ کے ساتھ نکاح کردوں گا، ورنہ نہیں کروں گا، تو اندریں صورت لڑکی والے کو یہ روپے لینے جائز نہیں حرام ہیں، جیسے کہ عبارت نیل اس پر ناطق ہے

آپ نے اس کے جواز کی دلیل اور سند آنحضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت علی رضہ سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نقد مہر طلب کرنا لکھا ہے، مگر آپ نے کسی کتاب کی حدیث کا حوالہ نہیں دیا ہے، جس میں لکھا ہو، کہ حضور علیہ السلام (فداہ ابی وامی) نے حضرت علی رضہ سے نقد مہر طلب کر لیا تھا اور کتنا طلب کیا تھا، حدیث سے صرف اس قدر ثابت ہے، کہ بعد از نکاح جب حضرت علی رضہ نے حضرت فاطمہ رضہ کے پاس جانے کا ارادہ کیا، اس وقت (یعنی بعد از عقد و نکاح بوقت دخول حضرت علی رضہ سے فرمایا، کہ فاطمہ کو کچھ دو، اس پر حضرت علی نے زرہ مہر میں دی، بس اتنا ہی ثابت ہے، باقی زیادہ باتیں (زرہ کو بیچ کر کپڑے، خوشبو وغیرہ جہیز میں حضرت فاطمہ رضہ کو دینا) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کسی حدیث صحیح میں دیکھنے میں نہیں آیا۔

عن ابن عباس ان علیا رضہ لما تزوج فاطمۃ رضہ اراد ان ید خل بہا قال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعطہا شیئا قال ما عندی شئ قال این درعک الحطمیۃ فاعطاہا درعہ ثم دخل بہا رواہ ابو داود والنسائی وکذا فی المنتقی)

الغرض یہ جو رواج پڑ گیا ہے، کہ والدین لڑکی کے یا دیگر تعلقدار سرپرست وغیرہ لڑکے سے یا اس کے والدین یا اور سرپرست وغیرہ سے سینکڑوں روپے لے کر خورد و نوش کر جاتے ہیں، ان کی اصلی غرض بالعوض عقد روپیہ کھانا ہوتا ہے، حرام ہے، بعینہٖ مثل کفار دختر فروشی ہے، پس ایسی رسم سیئہ غیر مشروع کا فتویٰ دینا بالکل جائز نہیں، جائز صرف اتنا ہے، کہ لڑکی کے نادار اور مفلس تعلقداروں کے ساتھ لڑکا یا اس کے تعلقدار روپے سے سلوک اور احسان کریں، جس سے وہ نکاح کے سامان کی تیاری

کرلے، واللہ اعلم

بہتر بلکہ ضروری ہے، کہ آپ اس کو اپنے پرچہ میں شائع کریں، اور اپنے سابقہ فتوی کو واپس لیں اگر آپ شائع نہ کریں گے، تو کسی دوسرے پرچہ میں شائع کیا جائے گا، والسلام۔

(عاجز ابو عبد اللہ محمد فاضل بن المولوی محمد اعظم مرحوم، فتح گڈھی، عفا اللہ عنہما)

ایڈیٹر۔ تعاقب تو بہت ہوئے، اور ہوں گے، مگر ایسا آسان تعاقب جس کا جواب خود تعاقب میں موجود ہو، آج تک سوائے اس تعاقب کے نہیں آیا، جناب متعاقب صاحب کا فتوی ہے، کہ عوض حرام ہے، اور جواب اس کا خود موصوف کی پہلی سطروں میں ہے، کہ جانب سے آپ کے الفاظ یہ ہیں "اس امر کے جواز میں تو کلام نہیں" (ملاحظہ ہو فقرہ زیر خط) پس جب کلام نہیں، تو مجھ سے کیا کلام؟ باقی بحث علما کی رائے پر چھوڑتا ہوں، اہل علم اس مسئلہ پر اظہار رائے کرسکتے ہیں۔

(اہلحدیث ۲۶ صفر ۱۳۴۳ھ)

وسیلہ کیا ہے؟

قرآن شریف میں ایک جگہ ارشاد ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (پ ۶ ع ۹) یعنی اے ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہو، اور اس کے نزدیک وسیلہ چاہا کرو، اور اس کی راہ میں جہاد کیا کرو، تاکہ تم خلاصی پاؤ۔

اس آیت میں جو الوسیلہ کا لفظ ہے، بعض لوگ اس سے مراد وہ وسیلہ لیتے ہیں، جس کو اردو میں ذریعہ کہتے ہیں، وہ اس کے معنی کرتے ہیں "خدا کے پاس پہنچنے کا ذریعہ بناؤ"

یہاں تک کوئی حرج نہ ہوتا، مگر وہ اس سے مراد وہ ذریعہ لیتے ہیں، جو پیر پرستی یا قبر پرستی تک پہنچا دے، مثلاً وہ کہتے ہیں، کہ ہمارا یہ کہنا ؎

شیئاً للہ چوں گدائے مستمند　　　المدد خواہم ز خواجہ نقشبند

ایسے اشعار اور ایسے کلمات کے جواز پر یہ آیت دلیل ہے، کہتے ہیں کہ ہم ان بزرگان دین کو بحکم اس آیت کے وسیلہ بناتے ہیں اس لئے بعض دوستوں نے درخواست کی ہے، کہ اس آیت کا اصلی مطلب بتایا جائے، آج ان کی فرمائش کی تعمیل کی جاتی ہے، بحولہ وقوتہ!

آیت موصوفہ کا ترجمہ شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے یوں کیا ہے، "اے مسلمانان بترسید از خدا و بطلبید قرب بسوئے او، و جہاد کنید در راہ او، تا رستگار شوید"

یعنی اے مسلمانو! خدا سے ڈرو، اور خدا کا قرب چاہو، اور اس کے رستے میں جہاد کرو۔
اس آیت میں جو لفظ "الوسیلہ" آیا ہے، بوجہ نہ جاننے عربی زبان کے اس کے معنی سمجھنے میں ان لوگوں کو غلطی لگی ہے، عربی لغت کی معتبر کتاب قاموس میں لکھا ہے:۔
الوسيلة والواسلة المنزلة عند الملك والدرجة والقربة بتوسل الى الله تعالى توسيلا اعمال عملا تقرب اليه۔ یعنی وسیلہ بادشاہ اور خدا کے پاس قرب کا نام ہے، اس لئے اس آیت کی تفسیر میں مفسرین قریبًا بالاتفاق یہی کہہ رہے ہیں
جلالین میں ہے۔ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ ما يقربكم اليه من طاعته یعنی خدا کے پاس پہنچنے کا جو ذریعہ پیدا کرو، یعنی اس کی اطاعت کرو
جامع البیان میں ہے۔ الوسيلة اى القربة بطاعته یعنی وسیلہ سے مراد عبادت کے ساتھ خدا کی قربت تلاش کرنا ہے
تفسیر خازن میں ہے۔ الوسيلة يعنى اطلبوا اليه القرب بطاعته والعمل بما يرضى۔ یعنی اس آیت سے مراد ہے، کہ بذریعہ عبادت اور بذریعہ نیک کاموں کے خدا کا قرب تلاش کرو"
تفسیر مدارک میں ہے۔ الوسيلة هى كل ما يتوسل به اى يتقرب من قرابته یعنی وسیلہ اس کام کو کہتے ہیں جس کے ساتھ خدا کا قرب حاصل ہو۔
تفسیر فتح البیان میں ہے۔ الوسيلة فعيلة من توسلت اليه اذا تقربت اليه فالوسيلة القربة التى ينبغى ان تطلب وبه قال ابو وائل والحسن ومجاهد وقتادة والسدى وابن زيد وروى عن ابن عباس وعطاء وعبد الله بن كثير قال ابن كثير فى تفسيره وهذا الذى قاله هؤلاء الائمة لاخلاف بين المفسرين فيه۔ والوسيلة ايضا درجة فى الجنة مختصة برسول الله صلى الله عليه وسلم۔ یعنی وسیلہ خدا کی قربت کا نام ہے، حافظ ابن کثیر نے کہا ہے، کہ ان معنی میں کسی مفسر کا اختلاف نہیں۔
تفسیر کبیر میں ہے۔ فالوسيلة هى التى يتوصل بها الى المقصود فكان المراد طلب الوسيلة اليه فى تحصيل مرضاته وذلك بالعبادة والطاعات (ج ۳ ص ۱۱)
یعنی وسیلہ وہ ہے، جو خدا کی رضا حاصل کرنے میں کام آئے، یہ وسیلہ عبادت اور طاعت کے ساتھ ہوتا ہے
غرض یہ کل حوالجات مع حوالجات لغویہ اور تفسیریہ کے اس روایت کی تفسیر پر متفق ہیں، کہ اس وسیلہ

سے مراد اعمال صالحہ ہیں، جو خدا کے قرب کا ذریعہ ہو سکیں، یہ نہیں، کہ تم کسی بندے کو درمیان میں لا کر دعائیں مانگو، پھر اس سے بھی گذر کر خود انہی سے مانگنے لگو، جیسا کہ مذکورہ بالا شعر میں کہا جاتا ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے :۔

"میں نہایت عاجز محتاج کی طرح حضرت نقش بند صاحب سے اللہ کے واسطے کوئی چیز مانگتا ہوں"۔

تعجب دعویٰ تو یہ کیا جاتا ہے، کہ خدا کے ان بزرگوں کو ہم وسیلہ بناتے ہیں، یعنی اصل فاعل خدا ہے، یہ بزرگ ہمارے اور خدا کے درمیان ہو کر ہماری عرض خدا تک پہنچاتے ہیں، مگر الفاظ ایسے ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے، کہ اصل دعا تو ان بزرگوں سے ہے۔ اور خدا کو ان کے پاس وسیلہ لایا جاتا ہے، چنانچہ شیئاً للہ کے معنی بھی یہی ہیں، کہ "اے بزرگ خدا کے واسطے کوئی چیز دے" یہ الفاظ صاف کہہ رہے ہیں، کہ دینے والا اس بزرگ کو سمجھا گیا ہے، اور ذریعہ (وسیلہ) خدا کو بنایا گیا ہے، اور یہ عمل آیت کریمہ کے صریح خلاف ہے

اس سے بڑھ کر اور ایک وظیفہ سنیئے۔ جو سراسر وسیلہ کے خلاف ہے، غور سے سنیئے، خدا کے بندے کلمہ اسلام پڑھنے والے، توحید کے قائل مسلمان یہ وظیفہ پڑھتے ہیں ؎

امداد کن امداد کن ÷ از بند غم آزاد کن
در دین و دنیا شاد کن ÷ یا شیخ عبد القادرا

یعنی "میری مدد کر، میری مدد کر، غم و فکر کی قید سے مجھے آزاد کر، دین و دنیا میں مجھے خوش کر اے شیخ عبد القادر صاحب"

پہلے تین مصرعوں میں دنیا کی ساری حاجات مانگ لیں، کس سے؟ جس کو اخیر مصرع میں مخاطب کر کے پکارا گیا ہے، یعنی حضرت شیخ عبد القادر قدس سرہ سے۔ بتلاؤ یہ وسیلہ ہے یا مالک و مختار یہی معنی ہیں ؎

خدا سے اور بزرگوں سے بھی کہنا
یہی ہے شرک یارو، اس سے بچنا
خدا فرما چکا قرآن کے اندر
مرے محتاج ہیں پیر و پیغمبر
نہیں طاقت سوا میرے کسی میں
جو کام آئے تمہاری بے کسی میں
جو خود محتاج ہو سے دوسرے کا
بھلا اس سے مدد کا مانگنا کیا

(اخبار اہلحدیث ۶ ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ)

منکرین حدیث کی مساعی

یَنْھَوْنَ عَنْہُ وَیَنْئَوْنَ عَنْہُ

قُلْ کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ فَرَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ

هُوَاَهْدٰی سَبِیْلًا۔ منکرین قرآن پر تو ان لوگوں کی طرف سے حملے اور دن رات موشگافیاں ہوتی ہیں جو اسلام سے باہر ہیں، مگر حدیث شریف کو یہ مزیت حاصل ہے، کہ اس کے منکر وہ لوگ ہیں جو اسلام کے دائرے میں ہیں، گویا حدیث بزبان سعدی کہتی ہے ؎

ہر کس از دست غیر نالہ کند　　سعدی از دست خویشتن فریاد

ہندوستان میں جب سے سر سید احمد خاں مرحوم نے انکار حدیث کی آواز اٹھائی ہے، اس وقت سے اس آواز نے مختلف صورتیں اختیار کی ہیں، لاہور میں چکڑالوی اسی کی شاخ ہے، گجرات پنجاب وغیرہ میں حنیف اسی کی فرع ہے، امرتسر میں امت مسلمہ اسی کی صورت حنیفہ ہے، پانچ نمازوں والے تین نمازوں والے، دو نمازوں والے، دو رکعتوں والے، ایک والے، دو سجدوں والے، ایک والے وغیرہ سب اسی کلی مشکک کے افراد ہیں۔

اس مختصر سی تمہید کے بعد آج ہمارا روئے سخن ایک فاضل کے مضمون کی طرف ہے، مولانا حافظ اسلم جیراج پوری، حال مقیم دہلی قرول باغ نے ایک مضمون رسالہ جامعہ" میں لکھا ہے، جس کی سرخی ہے "منکرین حدیث" یہ رسالہ ہم کو نہیں پہنچا۔ اتفاق حسنہ سے امرتسری اہل قرآن پارٹی کے رسالہ "بلاغ" میں وہی مضمون نقل ہوا، جس پر ایڈیٹر بلاغ نے بڑی خوشی ظاہر کی، واقعی بات بھی یہ ہے، کہ جب کسی کو مفید مطلب کوئی جنرل جائے، تو خوشی ہوتی ہے۔

اس مضمون میں حافظ صاحب موصوف نے منکرین حدیث کی طرف سے جی کھول کر انکار حدیث پر دلائل دیئے ہیں، جن سے ہمارے کان آشنا ہیں، کیونکہ ہم ابھی ابھی "شرعۃ الحق" کے جواب سے فارغ ہوئے ہیں، جو خاص اسی مضمون (انکار حدیث) میں مستقل بسیط کتاب ہے، لیکن حافظ صاحب موصوف کا اس مضمون کو بلا جواب شائع کرنا اہل قرآن کو یہ کہنے کا موقع ہے ع

کہ ہمدرد ہاتھ آیا اک مفلسی میں

اس میں شک نہیں، کہ فاضل راقم نے اس مضمون کو بڑی قابلیت سے نباہا ہے، تاہم اس میں بھی شک نہیں، کہ "دقی خبایا فی الزوایا"

مضمون کے شروع ہی میں راقم مضمون نے ایک بات ایسی لکھی ہے، جو در حقیقت عدالتی طریق پر امر تنقیح طلب ہے، جس کے فیصلے پر فیصلہ ہے، پس ناظرین پہلے سنیں، آپ نے لکھا ہے:۔

"جب سے حدیثوں کی تدوین شروع ہوئی، اسی وقت سے اہل علم کی ایک جماعت ایسی ہوتی چلی آئی جو اس کی دینی حیثیت کی منکر رہی، یعنی ان کے انکار کا مطلب یہ نہیں، کہ وہ حدیث کے وجود یا اس کی

حقیقت ہی کو نہیں مانتے، یا اس کو بالکل جھوٹ جانتے ہیں، بلکہ صرف یہ کہ اس کو دینی حجت تسلیم نہیں کرتے، دین خالص ان کے نزدیک سوائے قرآن کریم کے اور کچھ نہیں، حدیث کو وہ صرف دینی تاریخ قرار دیتے ہیں، جس سے عہد رسالت اور زمانہ صحابہ میں قرآن پر عمل کرنے کی کیفیت معلوم ہوتی ہے اور بس"

اہلحدیث اس عبارت کا مطلب قانونی الفاظ میں یہ ہے:۔
"کیا زمانہ صحابہ رضی میں حدیث کی حیثیت محض تاریخی تھی یا دینی"

ہمارا دعوٰی ہے، کہ زمانہ صحابہ سے آج تک ہر زمانہ میں حدیث کو دینی حیثیت حاصل رہی ہے، اس دعوے کے ثبوت پر ہم سردست دو واقعات پیش کرتے ہیں۔

(۱) مسئلہ خلافت پر انصار اور مہاجرین کا جھگڑا ہوا، مسئلہ خلافت بالکل ایک مذہبی مسئلہ ہے، حضرت ابوبکر صدیق نے حدیث الائمۃ من قریش پیش کی، تو ساری نزاع ختم ہو گئی۔

(نوٹ) کیا انتخاب خلیفہ کے وقت یہ حدیث کسی تاریخی واقعہ کے لئے پیش ہوئی تھی؟ انصاف

(۲) بعد تقرر خلافت، حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا نے دعوٰی وراثت از والد بر بنار تعلیم قرآن مجید کیا، کون نہیں جانتا کہ مسئلہ وراثت شرعی مسئلہ ہے، اس کے جواب میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حدیث لانورث ما ترکنا صدقۃ بتا کر دعوے کا فیصلہ کر دیا۔

یہ دو شہادتیں بتا رہی ہیں، کہ صحابہ کرام حدیث کو دینی سند جان کر دینی مسائل اس سے طے کیا کرتے تھے

حافظ صاحب نے قائلین حدیث کی چند دلیلیں لکھ کر منکرین کی طرف سے ان پر اعتراضات کئے ہیں، اس کے بعد لکھا ہے:۔

"قائلین حدیث کو ان کا جواب یا حدیث کی دینی حیثیت کا ثبوت قرآن ہی سے دینا چاہیئے کیونکہ وہی فریقین میں مسلم ہے" (بلاغ بابت نومبر ۳۱ئہ صلا)

پہلا مطالبہ اور یہ مطالبہ الگ الگ ہے، پہلے میں صحابہ کرام کا حدیث کو دینی حیثیت دینے سے سوال تھا، یعنی صحابہ کرام حدیث شریف کو کس حیثیت سے دیکھتے تھے، اس لئے اس کا ثبوت حدیث ہی سے ہو سکتا ہے، چنانچہ ہم نے دیا، دوسرا مطالبہ اس مطلب کا ہے، کہ قرآن سے حدیث کو کیا حیثیت دی ہے، ہم بحولہ وقوتہ اس مطالبہ کو بھی پورا کرتے ہیں، ارباب انصاف غور سے سنیں۔

قرآن مجید میں صاف ارشاد ہے۔ مَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَۃٍ اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَھُمُ الْخِیَرَۃُ مِنْ اَمْرِھِمْ (پ ۲۲ ع ۲) جائز نہیں ہے، کہ جب اللہ اور رسول کسی کام کا حکم دیں، تو اس کے کرنے یا نہ کرنے میں کسی مؤمن مرد یا عورت کو اختیار نہیں ہے بلکہ واجب العمل ہے

اس آیت میں مقتضی "کے فاعل دو ہیں، اللہ اور رسول، غور طلب بات یہ ہے، کہ یہ واو بمعنی جمع ہے یا بمعنی أو۔ اگر بمعنی جمع ہو، تو لازم آئے گا، کہ جو حکم اللہ اور رسول مل کر جاری کریں، وہ واجب الاتباع ہو، اور جو فقط خدا یا فقط رسول حکم دین، تو وہ واجب الاتباع نہ ہو۔ وھو کما تری

پس معلوم ہوا، کہ واو بمعنی أو ہے، معنی یہ ہے، کہ جس امر کی بابت اللہ قرآن میں حکم دے، یا رسول بغیر قرآن بزبان خود حکم فرمائے، اس کے ماننے سے انکار کرنا کسی مومن کا کام نہیں ہے۔

ناظرین! یہ ہے حدیث کی وہ حیثیت جو قرآن مجید نے مسلمانوں کو بتائی ہے، کیونکہ قضاء الٰہی تو یقیناً قرآن مجید ہے، قضاء رسالت پناہی سے مراد وہ حکم ہے، جو رسول کریم بحیثیت دین ہم کو فرمائیں اور قرآن مجید میں نہ ہو۔

ہم نے ثبوت کا ذمہ لیا تھا، بغرض تکمیل نصاب شہادت دوسری شہادت بھی معروض ہے، قرآن مجید میں ارشاد ہے

فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (پ ۱۸ ع ۱۵) یعنی جو لوگ نبی کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں، ان کو خوف کرنا چاہیئے، کہ انہیں کوئی فتنہ پہنچے، یا ان کو دردناک عذاب نہ پہنچ جائے۔

ان آیات کا شروع یوں ہے لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ اس لئے سیاق عبارت سے ثابت ہے، کہ عَنْ أَمْرِهِ میں ضمیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے، قرآن مجید امر خدا ہے، تو امر رسول حدیث شریف ہے۔

ان دونوں شہادتوں کو اگر اہل قرآن خواہ مخواہ کی تاویلات رکیکہ کے شکنجے میں لاکر قرآن مجید کو چیستاں نہ بنائیں، تو فرمان نبوی، قرآن مجید سے الگ واجب العمل ثابت ہوتا ہے، فللہ الحمد۔

حافظ صاحب موصوف فرماتے ہیں:۔

• ساری بحث تو یہ ہے، کہ رسول کا پیغام امت کے لئے قرآن ہے یا حدیث، رسول پر قرآن نازل کیا گیا، اسی کی اتباع، اسی کی تلاوت، اسی کی تبلیغ، اور اسی کی تعلیم کا حکم دیا گیا، رسول نے اسی کو سنایا، اسی کو لکھوایا، اسی کو یاد کرایا، اور اسی پر عمل کیا اس کے اتارنے والے نے اس کی حفاظت کا بھی ذمہ لے لیا، کیا حدیثوں کے لئے ان میں سے کوئی ایک بات بھی ثابت کر سکتے ہو، حدیثوں کی کیفیت تو یہ ہے، کہ جس نے جو دیکھا یا سنا اس کو بیان کرنا شروع کر دیا، یہی باتیں سلسلہ بہ سلسلہ امت میں پھیلیں، ایک زمانہ کے بعد تم نے اصول مقرر کر کے ان میں سے کسی کو قابل تسلیم قرار دیا، اور کسی کو مسترد قرار دیا، کیا جن حدیثوں کو تم نے

تسلیم کیا ہے، ان کے اوپر کوئی آسمانی فہر[1] ہے، یا خود رسول اللہ کے سامنے پیش کرکے ان کی تصدیق کرائی گئی ہے؟ پھر کس طرح ان کو جزو ایمان یا واجب التسلیم کہنے کا حق رکھتے ہو، درآنحالیکہ وہ اصول بھی جن سے اور حدیث کی صحت کا دارومدار تم نے رکھا ہے، یقینی صحت کی ضمانت سے قاصر ہیں، رسول اللہ نے صرف قرآن ہی پر عمل کیا ہے، اور بحیثیت رسالت وہی امت کے لئے ان کا پیغام ہے (بلاغ صـ۱۲)

اھلحدیث اگرچہ ہمارے نمبر اول کے بعد اس کے جواب کی ضرورت نہیں، کیوں کہ اس نمبر میں ہم نے ثابت کر دیا ہے، کہ صحابہ کرام حدیث شریف کو دینی حیثیت دیتے تھے، تاہم اس نمبر کا جواب بھی دیتے ہیں، حافظ صاحب اور دیگر منکرین حدیث اس پر بہت زور دیتے ہیں، کہ حدیث وحی ہوتی، تو قرآن کی طرح اسی زمانے میں لکھی جاتی، حالانکہ حقیقت یہ ہے، کہ وحی کے لئے لکھا جانے کی ضرورت وہ کسی آیت قرآنیہ سے ثابت نہیں کر سکتے، وحی کی حقیقت تو صرف یہ ہے، کہ خدا کی طرف سے اطلاع ہو، کتابت اس کے مفہوم میں داخل نہیں، بلکہ عارض منفک ہے، نہ داخل ماہیت ہے، نہ لازم ماہیت۔

خیر یہ تو مناظرانہ اصطلاح میں ایک قسم کا منع ہے، معارضہ بھی سنئے، قرآن مجید ۲۸/۲ میں ارشاد ہے اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کانا پھوسی سے منع کیا گیا، وہ پھر وہی ممنوع کام کرتے ہیں۔

اس آیت میں نُهُوْا ماضی مجہول ہے، جس کے لئے لازمی ہے، کہ اس سے پہلے نجویٰ سے ممانعت آئی ہو، واقعہ یہ ہے، کہ اس سے پہلے سارے قرآن مجید میں کسی نجویٰ سے نہی نہیں ملتی حالانکہ اس حکایت کا محکی عنہ ہونا چاہیئے

اہل قرآن جتنے ہمارے مخاطب ہوئے ہیں، ان کے کان تو اس علمی سوال سے آشنا نہ تھے، جو وہ جانتے کہ حکایت کیا، اور محکی عنہ کیا، مگر حافظ صاحب جیراج پوری تو یقیناً اس سوال کی حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے، پس وہی ہم کو بتلا دیں، کہ اس حکایت (نُهُوْا) کا محکی عنہ قرآن مجید میں کہاں ہے؟ بتلاتے ہوئے کہیں جلدی میں لَا خَيْرَ فِیْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰهُمْ نہ پیش کر دیں، ہمارا دوستانہ مشورہ ہے، کہ ایسا سادہ جواب دوسرے اہل قرآن کے لئے چھوڑ دیں، کیونکہ یہ جملہ خبریہ اہل علم کے نزدیک نُهُوْا کا محکی عنہ نہیں بن سکتا۔ فافہم۔

---

[1] مہر ان کی بابت صداقت ہے، جس کی بابت آسمانی حکم ہے۔ کونوا مع الصادقین (اھلحدیث)

ثابت ہوا کہ یہی نبی جس پر عمل نہ کرنے سے ان لوگوں پر خفگی کا اظہار کیا گیا ہے، زبان رسالت سے تھی، جس کا نام حدیث ہے، حالانکہ وہ مکتوب نہ تھی۔

دوسری دلیل:۔ قرآن مجید میں ذکر ہے، کہ نبی علیہ السلام نے ایک چیز کو ترک کر دیا تھا اور ایک بیوی کو جا کر اظہار سے منع فرما دیا تھا، اس نے اظہار کر دیا، نبی نے اس کا اظہار کرنا اس کو جتایا، تو وہ بولی، آپ کو یہ واقعہ کس نے بتایا، نبی نے کہا نَبَّأَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ مجھے خدائے علیم و خبیر نے بتا دیا، حالانکہ وہ بتایا ہوا قرآن مجید میں نہیں ہے، اور نہ مکتوب ہے، تو کیا ہم اس پر یقین نہ کریں کہ خدا کبھی کبھی سوائے قرآن کے اور طرح سے بھی کوئی بات نبی کو بتلا دیا کرتا تھا، جو نہ قرآن میں ہوتی تھی، نہ وہ مکتوب ہوتی، نہ آج تک مکتوب ہو کر اہل قرآن کے ہاتھوں میں آئی۔ فافہم۔

(اہلحدیث امرتسر ۱۶ رجب ۱۳۵۰ھ)

جماعت اہلحدیث پر ایک کٹھن سوال

مذہب اہلحدیث چونکہ اصل اسلام ہے، اس لئے جس طرح اسلام پر مخالفین کی طرف سے بہت سے اعتراضات ایسے وارد ہوتے ہیں، جو درحقیقت بے سمجھی پر مبنی ہوتے ہیں، اسی طرح مذہب اہل حدیث پر بھی بہت سے اعتراض ایسے وارد ہوتے ہیں، جو حقیقت فہمی سے دور ہوتے ہیں، منجملہ ایک سوال وہ ہے، جو آج ہم نقل کرتے ہیں۔

یہ سوال سکندر آباد دکن سے آیا ہے، جو مطبوعہ کتاب کا ایک ورق ہے، اس کے ہمراہ خط خط آیا ہے، جس میں لکھا ہے، کہ یہ سوال پیش کر کے غیر اہلحدیث، اہلحدیث کو جواب کے لئے تنگ کرتے ہیں، اس لئے جواب کی ضرورت ہے۔

وہ ایسا سوال ہے، کہ آج سے پہلے ہمارے ناظرین کے کانوں میں شاید نہ آیا ہو، اس لئے ذرا توجہ سے سنیں، اور غور سے پڑھیں۔

"سوال بخدمت حضرات غیر مقلدین صاحب، اے حضرات اس وقت من جانب اللہ آپ صاحبوں کے لئے یہ سوال پیدا ہے (کہ) یہ دو بچے جو عجیب الخلقت توام آئے ہوئے ہیں، ان کا حکم آپ حضرات حسب دعوی اپنے بغیر ہدایا اجماع اور قیاس کے ارشاد فرمائیں، اور ان بچوں کی کیفیت آپ حضرات کو بخوبی معلوم ہوگی، صورت ان کی یہ ہے، کہ نصف پشت سے دونوں ملے ہوئے ہیں مقام پاخانہ ہر دو کا ایک اور پیشاب گاہ کے مقام علیحدہ علیحدہ اور باقی تمام اعضاء جدے جدے پورے

پورے ہیں، اور ہر دو کی عقل وحواس برابر، اور کھانا پینا گفتگو وغیرہ ہر دو کی نہایت ہی درست ہے بس اب یہ فرمایئے، کہ ایک کو ان میں سے ایام آنے ہوئے ہیں، بتلایئے دوسرا نماز روزہ اور طواف کعبہ کیسے کرے، اور عقد ان دونوں کا کس طرح پر ہو، اور ان میں سے ایک مر گیا، ایک باقی، پس اس کا غسل وکفن دفن کیسے ہو، صرف قرآن وحدیث سے فرمایئے، چونکہ اجماع وقیاس تو آپ حضرات کے پاس حرام ہے، اور طعن آپ کا ظاہر، پر بادلیل آپ کے موجود کہ اَوَّلُ مَنْ قَاسَ اِبْلِيْسُ یعنی قیاس کرنا ابلیس کا کام ہے۔ نعوذ باللہ!

اور آپ حضرات اس جواب کے لئے مہلت چاہیں، تو بخوبی آپ کو مہلت دی جائے گی بلکہ آپ اپنے تمام برادر غیر مقلدین جتنے کہ روئے زمین پر اس وقت موجود ہوں، بس ان تماموں سے خاطر خواہ مدد لے کر بغیر اعانت اجماع وقیاس کے لفظ قرآن وحدیث سے جواب باصواب سرحرت فرمائیں تاکہ دنیا کو معلوم ہو جائے، کہ آپ لوگ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں، اور لاطائل بات چیت کی وقعت اہل مجنونوں کی گفتگو سے کم نہیں ہوا کرتی، ورنہ ایسے مسلک پہ خود آپ تف فرما کے تہ دل سے توبہ کریں۔

اہلحدیث

پہلے تو ہم اس سائل کی غلط فہمی دور کرنا چاہتے ہیں، کہ اہلحدیث قیاس اور اجماع سے منکر نہیں، جن لوگوں نے صحیح بخاری پڑھی ہے، وہ جان سکتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کس طرح قیاس سے کام لیتے ہیں، ہاں یہ بات ضروری ہے، کہ علمائے اصول خاص اصول حنفیہ والوں نے قیاس کے لئے جو شروط لکھی ہیں، اہل حدیث ان شروط کے ساتھ قیاس کو صحیح مانتے ہیں، ان کے بغیر قیاس کے منکر ہیں، جیسے علمائے اصول حنفیہ بھی منکر ہیں، منجملہ شروط کے بڑی شرط یہ ہے، کہ قیاس میں مقیس علیہ کا ہونا ضروری ہے، یہ بھی ضروری ہے، کہ مقیس میں کوئی نص خاص وارد نہ ہو، اس کی تفصیل اپنے علماء حنفیہ سے پوچھیئے، ہم باقاعدہ قیاس کے منکر نہیں، ہاں بے قاعدہ قیاس خاص کر نص صریح کے مقابلہ میں جو قیاس ہو اہل حدیث اس سے منکر ہیں، اسی کے حق میں ایک بزرگ کا قول یہ ہے:۔

اَوَّلُ مَنْ قَاسَ اِبْلِيْسُ (سب سے پہلے قیاس کرنے والا شیطان تھا)

مثلاً نص صریح موجود ہے لعن الله المتخذين فيها المساجد والسرج (الحدیث)
باوجود اس نص صریح کے یہ قیاس کیا جائے، کہ راستہ میں چونکہ چراغ جلانا جائز ہے، لہٰذا قبروں پر بھی جائز ہے، یہ قیاس چونکہ بے مقیس علیہ اور خلاف نص صریح ہے، اس لئے اہل حدیث بلکہ ائمہ حنفیہ بھی ایسے قیاس سے منکر ہیں۔

اسی طرح اجماع سے بھی اہل حدیث منکر نہیں، مگر وہ اجماع جس کو علمائے اصول نے اجماع کہا ہے۔ اتفاق معجتھدی الامۃ علی سند شرعی۔ ہاں جس اجماع سے منکر ہیں وہ اجماع شرعی نہیں، بلکہ خود ساختہ مصنوعی اجماع ہے۔

مثلاً کہا جاتا ہے، کہ مجلس مولود، گیارہویں کی نذر و نیاز، قبوں کی تعمیر جائز ہے، کیونکہ ایسے کاموں پر امت مسلمہ کا اجماع ہے۔

اس قسم کے اجماعات سے اہل حدیث بلکہ علمائے حنفیہ بھی منکر ہیں، اور وہ ایسے اجماعات کے حق میں صاف کہتے ہیں ؎

اجماع نہیں یہ بلوہ اہل عناد ہے　　گر ہے تو حق بجانب ابن زیاد ہے

یہ تو مسائل کی بے خبری پر تنبیہ کرنے کو مختصر نوٹ لکھا ہے، اب اصل سوال کا جواب بھی سنیئے:۔

اس قسم کا بچہ عند الشرع دو نہیں، بلکہ ایک ہے۔ اس لئے ایک ہی شخص سے اس کی شادی ہوگی یہ حکم قرآن مجید سے اس طرح مستنبط ہوتا ہے، کہ ایک مرد دو بہنوں کو نکاح میں جمع نہیں کر سکتا۔ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ۔

پس اگر یہ لڑکیاں دو ہوں، تو ان کا نکاح کسی صورت میں نہ ہو سکے گا، الا اس صورت میں کہ دائیں جانب کا خاوند زید ہو، تو بائیں جانب کا عمر، اس پر یہ خرابی ہوگی، کہ زید جس وقت دائیں جانب جماع کرے گا، تو بائیں جانب کی لڑکی اسے دیکھتی ہوگی، یہ بھی ممکن ہے، کہ دونوں مردوں کو ایک وقت میں ضرورت ہو پھر کیا کریں، پس اس کی صورت یہی ہے، کہ یہ لڑکیاں عند الشرع ایک ہیں، ایک ہی مرد سے ان کا نکاح ہوگا۔ ہاں ایک فرج میں اگر ایام آئے ہیں، تو اسے چھوڑ دے، دوسرے کو استعمال کر سکتا ہے، ایسی صورت میں عادتاً یہی ہے، کہ ایک کے مرنے سے دوسرا بھی مر جاتا ہے، باوجود اس کے اگر ایک مر گئی اور دوسری زندہ ہے، تو مردہ کو زندہ سے تیز تلوار کے ذریعہ کاٹ کر دفنا دیا جائے، مختصر یہ کہ نماز، روزہ، طواف وغیرہ سب میں یہ دونوں ایک حکم میں ہیں دو نہیں

ہمارا سوال یہ تو علمار حنفیہ کا مسلمہ مقولہ ہے، کہ آج کل سب مقلد ہیں مجتہد کوئی نہیں، یہ مسلم ہے کہ قیاس کرنا مقلدین کا کام نہیں ہے، پس سائل بھی اس سوال کا جواب ہوے چاہے قیاس سے دے، مگر مجتہد کے قیاس سے دے، نہ کہ کسی مقلد کے خیال سے ؎

مشکل بہت پڑیگی برابر کی چوٹ ہے　　آئینہ دیکھیئے گا ذرا دیکھ بھال کر

(اہلحدیث ۲ راکتوبر ۱۹۳۱ء)

تعاقب

(بقلم خلیل احمد صاحب ناظم انجمن اہلحدیث مرزاپور)

(۱) پرچہ "اہلحدیث" ۱ مجھے یاد پڑتا ہے، کہ پہلا فتوی یہ تھا کہ "عورت لڑکی کی ولی ہو سکتی ہے" اس پرچہ کے گم ہو جانے سے پوری عبارت یاد نہیں آتی ہے[1]، تو اطلاعاً عرض ہے، کہ یہ ذیل کی حدیث کے خلاف پڑتا ہے۔ لا تزوج المرأۃ المرأۃ الخ (مشکوۃ) اس کی تشریح کی ضرورت ہے۔

(۲) پرچہ اہل حدیث نمبر ۹ کے فتاوے سوال نمبر ۵۰ کے جواب میں یہ لکھا گیا ہے، کہ بعض کے نزدیک جائز ہے، اور بعض کے نزدیک نہیں، تو یہ درست نہیں، کیونکہ مسئلہ کے لئے صریح نص سے دلیل ہونی چاہیئے، مذبذب قابل تسلیم نہیں ان الحلال بین والحرام بین وبینھما مشتبھات لا یعلمھن کثیر من الناس فمن اتقی الشبھات استبرأ لدینہ وعرضہ ومن وقع فی الشبھات وقع فی الحرام الخ مسکر چونکہ حرام ہے، تو اس کا ایک قطرہ بھی وہی حکم رکھتا ہے، خواہ وہ کسی کے ساتھ مل کر مستعمل ہو۔

(۳) اسی پرچہ میں سوال نمبر ۱۵ کے جواب میں جو تحریر کیا گیا ہے، کہ "غربا کو دے دے" اس میں اول یہ صاف ذکر ہونا چاہیئے، کہ وہ روپیہ لے سکتا ہے یا نہیں؟ اگر لینا ممکن ہے، تو اپنے مصرف میں لا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو غربا کو دینا کیوں کر جائز ہو سکتا ہے؟ دلیل واضح ہونی چاہیئے۔

جواب: - (۱) پرچہ نمبر ۷ مورخہ ۵ جمادی الاولی میں یہ مسئلہ مرقوم غیر ہے، مگر میں نے اس کی تصحیح کی ہے، حدیث موصوف کا حکم اس صورت میں ہے، کہ جا محرم ولی موجود ہو۔ اس کے ہوتے ہوتے عورت نکاح نہیں کرا سکتی۔

(۲) یہ جواب تاڑی کے خمیر کے متعلق تھا، میں نے لکھا تھا کہ مولانا حافظ عبد اللہ غازی پوری نہیں کھاتے تھے، مولانا عبد العزیز رحیم آبادی کھا لیتے تھے، ان کے افعال کی بنا الگ الگ تھی، اس جواب کو بعض احباب نے بہت ہی کمزور بلکہ مثل تقلید سمجھا، حالانکہ یہ بات نہیں، بلکہ یہ ترک تقلید ہے، کیونکہ تقلید میں بنائے مسئلہ کا علم ہی نہیں ہوتا، اور اس میں تو بنائے مسئلہ خود تحریر تھی، پھر یہ تقلید کیوں ہو۔ ایسا کہنے کے لئے میرے نزدیک حضرت عمر رض کا وہ قول ہے، جو انتقال کے وقت فرمایا تھا کہ "اگر میں خلیفہ کر دوں، تو اس کی نظیر بھی ملتی ہے، مجھ سے اچھے (ابوبکر صدیق رض) نے خلیفہ کا نام پیش کیا، اور اگر نہ کروں

[1] یہ پوری عبارت صفحہ پر دیکھی جا سکتی ہے۔ ۱۲

تو بہت اچھے لا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا تھا۔ جہاں کسی فعل کے کرنے میں فاعل کو تردد ہوتا ہے وہاں وہ دونوں صورتیں پیش کر کے کہہ دیا کرتا ہے "من اتبع عالمًا لقی اللہ سالمًا" اسی طرح میں نے کہا تھا ؎

مست مئے الست ہوں تو بدگماں نہ ہو اے شیخ میری شورش مستانہ دیکھ کر

(۳) یہ مسئلہ بھی فروعیہ ہے، غرباء کے فائدہ اور قومی حاجت روائی کے لحاظ سے تردد پیدا ہوگی وَاللّٰہُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ

س۔ بکرا خصی کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ اگر جائز ہے، تو آیت قرآنی وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ کا کیا مطلب؟ اگر ناجائز ہے، تو اس حدیث کے جس میں آپ نے خصی کی قربانی پسند کی ہے کیا معنی؟ قربانی کا جانور صحیح بے عیب اور کل عضو تمام ہونا چاہیئے، پس جس جانور کا ایک عضو مخصوص نہ ہو اس کے جائز ہونے میں کیا مصلحت؟

(خلیل احمد، ناظم انجمن اہلحدیث مرزاپور۔ خریدار نمبر ۲۰۲۔ ۷)

ج۔ خصی کرنا جائز ہے، اور آیت میں تغیر خلق اللہ سے مراد ہے تبدیل فطرت یعنی بجائے توحید کے شرک اختیار کرنا جیسے فرمایا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا جسمانی تغیر مراد ہو، تو ناخن کٹانا اور بال منڈانا بھی ناجائز ہوگا، حالانکہ قرآن مجید کی اشارۃ النص سے یہ جائز ہے۔ غور سے پڑھیئے۔ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ

(اہلحدیث امرتسر ۲۹ فروری ۱۹۲۴ء)

تعاقب

اہلحدیث دہلی یکم اپریل ۵۳ء ص ۱۳ کالم ۲ بضمن فتاوی مفتی صاحب سلمہ ربہ نے ایک سائل کے جواب میں تحریر فرمایا تھا، کہ خصی کرنا حرام ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے آج دسمبر ۵۳ء کی تاریخ ۱ ہے، مفتی صاحب اور دیگر ابنائے عصر براتہ ما میں۔ اظہار حق میں کوئی عیب نہیں، میں نہیں کہہ سکتا، کہ ہمارے ابنائے عصر نے اس مسئلہ کو دیکھا ہی نہیں، یا تحفۃ الاحوذی کے حوالہ کو دیکھ کر مرعوب ہو گئے۔ اگر تحفۃ الاحوذی سے مرعوب ہیں، تو اس طرف اس کے مقابل عون المعبود کو ملاحظہ کر لیتے مصنف تحفۃ الاحوذی کے استاذ بلکہ استاذ الاساتذہ شیخ العرب والعجم، طالب الحسنین حضرت العلامہ مجتہد العصر وحید العصر، فرید العصر مولانا سید محمد نذیر حسین طاب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ کی تحقیق انیق بضمن فتاوی نذیریہ مجلد ثانی، نیز آپ کے اکلوتے فرزند حضرت

مولانا سید شریف حسین کی مبسوط تحریر زیر نظر فرمائی جاتی۔ حضرت مولانا شمس الحق، مؤلف غایۃ المقصود کا رسالہ بالخصوص اس مسئلہ میں بنام القول المحقق فارسی زبان میں کتاب العلوم ہی کے ہمراہ ملاحظہ فرما لیجئے، جس میں مالہ وماعلیہ سے امر محقق بالدلائل الواضحہ بیان کیا ہے، ائمہ اہل حق وتحقیق کا متفقہ بیان ہے، کہ خصی کرنا ماکول اللحم کا جائز ہے حرام نہیں، یہی حق ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خصی منگوائے" اور ان کی قربانی برابر دی ہے، یہ امر علیحدہ رہا، کہ خصی کرنا فعل محمود نہ ہو، جیسے سنگی لگانے کا فعل نفس الامر میں کے جواز میں کلام نہیں، جس حدیث میں منع کا ذکر ہے، وہ ماکول اللحم کے علاوہ میں نسل کے ختم کی بنا پر اور بس اصل بات یہی ہے، کہ خصی کرنا حرام نہیں۔ ومن ادعی خلاف ما بیناہ فعلیہ البیان۔ واللہ اعلم۔ وانا الراجی رحمۃ ربہ الوعید الکبیر محمد عبدالجلیل السامرودی۔

(اخبار اہلحدیث دہلی، یکم جنوری ۱۹۵۲ء)

مذاکرہ علمیہ بابت دعوت ولیمہ

بخدمت شریف جناب مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب۔ السلام علیکم۔

ولیمہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔ طعام الولیمۃ اول یوم حق وطعام یوم الثانی سنۃ وطعام یوم الثالث سمعۃ من سمع سمع اللہ بہ رواہ الترمذی واستغربہ یعنی دعوت ولیمہ اول روز (بعد نکاح) واجب ہے، اور دوسرے روز کی دعوت سنت ہے، اور تیسرے روز کی دعوت شہرت ہے، اور جو کوئی شہرت کی غرض سے کرکے شہرت کرے گا" اس کو اللہ تعالیٰ سنا کر عذاب کرے گا، ترمذی نے اس کو غریب کہا، اور حافظ ابن حجر بلوغ المرام میں تحریر فرماتے ہیں ورجالہ رجال الصحیح ولہ شاھد عن انس عند ابن ماجۃ۔ یعنی راوی اس کے راوی صحیح بخاری کے، اور اس کا حدیث کا شاہد ہے انس سے ابن ماجہ کے نزدیک۔

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا، کہ دعوت ولیمہ بعد نکاح دو دن تک سنت ہے، بعد دو دن کے ولیمہ کرنا ٹھیک نہیں۔

مجھے یاد آتا ہے، کہ جناب مولانا ثناء اللہ صاحب کا صاحبزادہ میاں عطاء اللہ کی دعوت ولیمہ نکاح سے بہت دن کے بعد ہوئی، کیا مولانا اس کا ثبوت دے سکتے ہیں؟

علمائے کرام کی خدمت میں گذارش ہے، کہ نکاح کے تین چار مہینہ کے بعد ولیمہ کرنا جائز ہے

یا نہیں، اگر کوئی اس کو مسنون سمجھ کر کرے، تو وہ بدعت میں شمار ہوگا یا نہیں، چونکہ یہ طریقہ ہندوستان میں جاری ہے، اس لئے اس مسئلہ کی تحقیق ضروری ہے امید کہ علمائے کرام ضرور توجہ فرمائیں گے۔

(احسان اللہ، سالک کوٹری دیناجپور)

اڈیٹر اس مسئلہ کے متعلق آپ نیل الاوطار جلد ۶ صفحہ ۹۲ دیکھ لیجئے، تو نہ سوال کی حاجت ہوتی، نہ مذاکرہ کی، ولیمہ کی دعوت بعد نکاح ہے یا بعد زفاف؟ اصح یہ ہے، کہ بعد زفاف، اس لئے عطاء اللہ کا ولیمہ متصل نکاح نہیں ہوا، بلکہ بعد ملاپ ہوا، فافہم۔

(اہلحدیث امرتسر ۵ رجون سنہ ۱۹۱۴ء)

نکاح اُمِّ کلثوم کا فیصلہ

شیعہ سنی میں عرصے سے یہ مذاکرہ زیر بحث چلا آرہا ہے، کہ حضرت عمر رضہ خلیفہ ثانی کا نکاح ام کلثوم بنت علی رضہ سے ہوا تھا یا نہیں؟ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے، اس لئے محل نزاع نہیں ہونا چاہیئے تھا، مگر چونکہ اس کا نتیجہ بخیال شیعہ گروہ شیعی عقیدہ کے خلاف ظہور پذیر ہوتا ہے، اس لئے وہ اس نکاح سے انکار کرتے رہے، ان کے خیال میں حضرت عمر رضہ خلیفہ ثانی بوجہ عدم ایمان ام کلثوم بنت علی رضہ کے ساتھ نکاح کرنے کے اہل نہ تھے اس لئے وہ اسی کوشش میں رہتے ہیں، کہ جس طرح بھی ہو، یہ نکاح ثابت نہ ہونے پائے،

واقعی بات یہی ہے، کہ اگر ام کلثوم بنت علی رضہ کا نکاح حضرت عمر رضہ کے ساتھ ہوچکا ہے تو حضرت موصوف مورد عتاب نہیں ہونے چاہئیں، اس صورت میں حضرت عمر رضہ فاروق رضہ پر عتاب کرنے سے مولی علی مرتضی رضہ محل عتاب ٹھہرتے ہیں، کیونکہ ایک مخالف کہہ سکتا ہے، کہ انہوں نے ایسی بزدلی کیوں دکھائی، کہ اپنی معصوم لڑکی ایک بد دین کے حوالے کردی (معاذ اللہ) پس درصورت ثبوت واقعہ نکاح دو حال سے خالی نہیں

(۱) حضرت عمر رضہ پکے مومن تھے (۲) یا حضرت علی رضہ ضعیف الایمان تھے۔

اخبار اہل حدیث میں یہ مضمون بارہا مدلل شائع ہوا ہے، جس کے جوابات شیعہ حضرات کی طرف سے آتے رہے، مگر اس دفعہ جو جواب آیا، وہ ہمارے نزدیک فیصلہ کن ہے، اخبار شیعہ نے اس کے متعلق ایک عجیب فقرہ لکھا ہے، کہ

"ام کلثوم زوجہ عمر رضہ جو اپنے بیٹے زید کے ساتھ سنہ ۵۴ھ یا اس سے پہلے مرگئی تھی، ہرگز بنت فاطمہ رضہ

بھی، بلکہ کوئی اور ام کلثوم تھی، جس کو مؤرخین نے دھوکا کھا کر بنت علی رضہ لکھ دیا۔

(اخبار شیعہ ۱۶ اگست سنہ رواں صہ ۲)

اہلحدیث شیعہ کا یہ فقرہ پڑھ کر ہمارے منہ سے بے ساختہ نکل گیا ہے راہ پر آن کو لے آئے ہیں ہم باتوں میں + اور کھل جائیں گے دو چار ملاقاتوں میں

"شیعہ" کے اس فقرہ سے دو باتیں تو یقیناً ثابت ہیں، ایک یہ کہ ام کلثوم زوجہ عمر رضہ تھیں، دوسری یہ کہ ام کلثوم، ام زید (زید کی ماں) تھی۔

اب رہی تیسری بات کہ ام کلثوم موصوفہ بنت علی رضہ تھی یا کوئی اور بھی شیعہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے، کہ مؤرخین کو دھوکا لگا، اس لئے ہم مورخوں کے حوالے پیش نہیں کرتے، بلکہ شیعہ کی مستند کتاب حدیث "تہذیب الاحکام" سے ایک حوالہ پیش کرتے ہیں، ناظرین اسے غور سے پڑھیں:۔

عن جعفر علیہ السلام قال ماتت ام کلثوم بنت علی وابنھا زید بن عمر بن الخطاب (کتاب التہذیب جلد دوم ص ۳۸۰ مطبوعہ ایران) امام جعفر علیہ السلام سے روایت ہے، کہ ام کلثوم بنت علی رضہ اور اس کا بیٹا زید بن عمر بن الخطاب فوت ہو گئے الخ

ناظرین! یہ کتاب صحاح اربعہ شیعہ میں سے ایک مستند کتاب ہے، جس میں مسائل فقہیہ کو مستخرج کر کے شیعہ گروہ کے لئے واجب العمل احکام کی صورت میں پیش کیا گیا ہے، اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے، کہ ام کلثوم زوجہ عمر رضہ بنت علی تھی لاغیر۔

الحمد للہ: یہ پرانا جھگڑا اخبار شیعہ کے توسط سے بآسانی طے ہو گیا، امید ہے، کہ آئندہ شیعہ حضرات اس موضوع پر قلم نہیں اٹھائیں گے۔ ؎

شکر للہ کہ میان من او صلح فتاد صلح جویاں بخوشی سجدہ شکرانہ زدند

(اہلحدیث ۱۰ ستمبر ۱۹۳۳ء)

رسول خدا علیہ السلام خدا کے نور ہیں

بجواب "الفقیہ"

"الفقیہ" بذات خود اور اس کے نامہ نگار ایسے مدرسہ میں تعلیم پائے ہوئے ہیں، جہاں اخلاق کی کوئی کتاب داخل نصاب نہیں ہے، قلم ہاتھ میں لینے سے پہلے بدگوئی اور دشنام دہی کے پتھر پھینکنے لگ جاتے ہیں، ہم الفقیہ کو نصیحت نہیں کر سکتے: کیونکہ وہ ہماری نصیحت کو برا سمجھے گا، ہاں استاد صاحب کا

ایک شعر پیش کئے دیتے ہیں جو فرماتے ہیں ؎

دہان خویش بدشنام میالا صائب
ایں زرِ قلب بہر کس کہ دہی باز دہد

بطول مثال ہم "الفقیہ" کی ایک سرخی کا ذکر کرتے ہیں، جو الفقیہ مورخہ ۷/۱۴ اپریل میں یوں مرقوم ہے" اہل حدیث کی ٹرٹر" بقول استاد صاحب اس کا جواب یہ ہونا چاہیے تھا، "الفقیہ کی بک بک" مگر ہم ایسا کرنے کے عادی نہیں ہیں، کیونکہ ہمیں تعلیم دی گئی ہے۔ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ۔ خیر اس تمہیدی نوٹ کے بعد ہم اصل مسئلہ کا ذکر کرتے ہیں

ہمارا اور الفقیہ پارٹی کا اتفاق ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نور خدا ہیں، مگر اس کی تشریح میں اختلاف ہے، الفقیہ پارٹی کا عقیدہ ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نور ہیں جس کی تشریح میں یہ شعر ہے، جو الفقیہ میں شائع ہوتا رہا ہے ؎

وہی جو مستوی عرش ہے خدا ہو کر
اتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفےٰ ہو کر

ہم اس عقیدہ کو عقیدہ عیسائیہ، بلکہ عقیدہ کفریہ، بلکہ عقیدہ دہریہ سمجھتے ہیں ہمارے عقیدہ کی تشریح یہ ہے، کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے پیدا کئے ہوئے نور ہیں، اسی طرح قرآن بھی خدا کا پیدا کیا ہوا نور مخلوق ہے، چنانچہ ارشاد ہے،

مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَاۗءُ (یعنی ہم نے قرآن کو تیرے دل میں نور بنایا)

اب قابل غور بات صرف اتنی رہ گئی، کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے نور قدیم ہیں یا نور مخلوق ہیں، قدرتی تصرف ملاحظہ ہو، الفقیہ کے نامہ نگار باوجود سخت بدگوئی کرنے کے تصرف قدرت کے ماتحت یہ فقرہ بھی لکھنے پر مجبور ہوگئے، کہ،

"محمد مصطفےٰ علیہ السلام نور ہیں، خدا نے انہیں نور بنایا، اور نور فرمایا ہے"

(الفقیہ ۷/۱۴ اپریل ۴۶ء ص ۳)

اس فقرہ میں "بنایا" کا لفظ غور طلب ہے، جو دراصل خلق کا ترجمہ ہے، نتیجہ صاف ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے پیدا کئے ہوئے نور ہیں، جو نور خدا کی صفت ہے، وہ پیدا کیا ہوا نہیں ہے، کیونکہ خدا تعالیٰ کی سب صفات ازلی ہیں، بس یہی ہمارا عقیدہ ہے، کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور صفات سب خدا کی مخلوق ہیں، خدا کے ساتھ عینیت کا کوئی حصہ نہیں، بلکہ صحیح بات وہی ہے جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہے۔ اِنَّمَا اَنَا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ۔ جس کا مطلب حالی کے

الفاظ میں یہ ہے ؎

مجھے دی ہے حق نے بس اتنی بزرگی کہ بندہ بھی ہوں اس کا اور ایلچی بھی

خواجہ صاحب حسن نظامی اور دہلی کے وہابی

خواجہ حسن نظامی صاحب یوں تو وحدت الوجودی ہیں، اوران کے کلمہ طیبہ کا مضمون ہے ھوالکل مگر وہ کسی خاص وجہ سے وہابیوں پر خاص نظر رکھتے ہیں، چنانچہ انہوں نے اپنے اخبار میں وہابیوں کا ایک شکایتی واقعہ یوں لکھا ہے

وہابیوں کی دلچسپ حرکت

"آج صبح نماز کے بعد درگاہ میں آئے، اور روضہ شریف کے دروازے کے سامنے مزار کی طرف پشت کرکے بیٹھ گئے، اور درگاہ والوں سے کہا تم نے یہ بت خانہ بنا رکھا ہے، ہم یہاں قبر پرستی روکنے آئے ہیں، امن پسند لوگوں نے بات کو بڑھنے نہ دیا، اوران لوگوں کو سمجھا کر وہاں سے ہٹا دیا، میں نے یہ خبر سنی، تو ان لوگوں کی تعریف کی جنہوں نے رفع شر کیا تھا تاہم میرا فرض ہے، کہ میں اس قسم کی بے نتیجہ باتوں کا سد باب کروں"

(منادی دہلی، یکم جولائی ۱۹۳۶ء ص ۱۲)

اہلحدیث

چونکہ خواجہ صاحب نے اس قسم کی حرکتوں کا سد باب کرنے کا فیصلہ کیا ہے اس لئے ہم ان کو دوستانہ مشورہ دیتے ہیں، امید ہے وہ اس کو قبول فرمائیں گے۔

بقول مولانا رشید احمد گنگوہی مرحوم، وہابی پانچ قسم کے ہیں، ہم نے جہاں تک دیکھا، ان پانچوں قسموں میں ایک بات قدر مشترک پائی، وہ یہ ہے، کہ ان سے جھگڑا رگڑا اور مقدمہ بازی نہیں کرنی چاہیئے، یہ لوگ طبیعت کے نرم اور سادہ مزاج ہوتے ہیں، ان کے لئے بس اتنا ہی کافی ہے، کہ اپنے فعل کا ثبوت قرآن و حدیث یا فقہ کی کتابوں سے دکھا دیا جائے، ان بارہ وہابیوں کو بھی ہم مشورہ دیتے ہیں، کہ جو کچھ آپ نے درگاہ خواجہ نظام الدین میں دیکھا ہے، اس کا ثبوت خواجہ حسن نظامی صاحب اگر قرآن و حدیث یا فقہ کی معتبر کتابوں سے دکھا دیں، تو آپ لوگ بھی اسے قبول کریں، اس سے فارغ ہو کر آپ بارہ وہابی بزرگ اور خواجہ صاحب مع اپنے خدام وحشم کے کلیر اور اجمیر وغیرہ میں بزرگوں کے مزارات کا دورہ کریں، جو افعال وہاں دیکھیں، ان کا ثبوت ان تینوں شرعی کتابوں سے لے کر دفتر اہلحدیث میں بغرض اشاعت بھیجدیں، اگر خواجہ صاحب اس میں سستی کریں، تو ان کو شیخ سعدی مرحوم کا یہ شعر سنا دیں ؎

محال است سعدی کہ راہ صفا توان رفت جز در پئے مصطفےٰ

(۲۶ شعبان ۱۳۶۵ھ)

بھلا یہ بھی کوئی بڑی شرافت ہے

ہمارے دوست پنڈت بھوجدت جی (مسافر آگرہ) عرصہ سے بیمار ہیں، علالت دیر پا ہونے کی وجہ سے آپ کو آگرہ سے شملہ تبدیل آب و ہوا کے لئے لے گئے ہیں، آپ کی علالت کی خبر اخبار مسافر میں پڑھ کر خاکسار نے بھی عیادت کا خط لکھا، جس کا جواب ان کے صاحبزادے نے قلمی بھی دیا، اور اخبار میں درج کیا، جو یہ ہے:۔

مولوی ثناء اللہ صاحب کی شرافت

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں آج کل پنڈت جی کی مزاج پرسی کے لئے چاروں طرف سے خطوط آرہے ہیں جن میں بہت سے خطوط پر سرہ لیڈروں، اخبارات کے معزز ایڈیٹروں اور ملک و قوم کے برگزیدہ سیوکوں کے شامل ہیں، اور ہم تہ دل سے ان سب بھائیوں اور بزرگوں کے بے حد مشکور ہیں، لیکن سب سے زیادہ ہم مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری اڈیٹر اخبار اہلحدیث کے مشکور ہیں، جن کی طرف سے آج ہمیں خط موصول ہوا ہے

ناظرین سے یہ امر مخفی نہ ہوگا، کہ مولوی ثناء اللہ صاحب آج آریہ سماج کے سب سے بڑے مخالف ہیں، اور گذشتہ دس سال سے ہماری آپ کی تحریری و تقریری مٹھ بھیڑ ہوتی رہتی ہے، بسا اوقات مذہبی مباحثوں میں ایک دوسرے کے قلم و زبان سے سخت الفاظ بھی نکل جاتے ہیں لیکن ہم اس امر کو عرصہ دراز سے محسوس کر چکے ہیں، کہ مولوی صاحب آریہ سماج کے کمینہ مخالفوں میں سے نہیں، بلکہ بالطبع شریف و خلیق انسان ہیں، یہی وجہ ہے، کہ جس وقت طلبی ضمانت کی وجہ سے کچھ عرصہ کے لئے آپ کا اخبار بند ہو گیا تھا، ہم نے ولی درد کے ساتھ اس طلبی ضمانت کے خلاف زوردار پروٹسٹ کیا تھا

بہر حال ہم اس عنایت کے لئے مولوی صاحب کا دلی خلوص کے ساتھ شکریہ ادا کرتے ہیں، اور یقین رکھتے ہیں، کہ ملک کے مختلف مذاہب کے مدعی ایک دوسرے کے ساتھ آپس میں پریم و پریتی کے تعلقات پیدا کرنے میں مولوی صاحب کی مثال سے سبق حاصل کریں گے۔

(مسافر آگرہ ۱۳ نومبر)

اہلحدیث

کسی مخالف مذہب کی بیمار پرسی کرنا، یا اس کی عیادت کو جانا اخلاق نبوت میں ادنی درجہ کی سنت ہے، اگرچہ آج کل ہم لوگوں کے جو مذہبی آدمی

کہلاتے ہیں، اخلاق اس قدر گر گئے ہیں، کہ اتنا معمولی کام بھی زمانہ کے لحاظ سے بڑا سمجھا جاتا ہے سو یہ ہماری اپنی کمزوری ہے، ورنہ مذہب تو یہ سکھاتا ہے ؎

ہندو سے لڑیں نہ گبر سے بیر کریں — شر سے بچیں اور شر کے عوض خیر کریں
جو کہتے ہیں یہ کہ ہے جہنم دنیا — وہ آئیں اور اس بہشت کی سیر کریں

(اہلحدیث امرت سر ۲۷ر نومبر ۱۹۱۴ء)

تمّت بالخیر

حاصل عمر نثار رہ یارے کردم — شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

الحمد للہ کہ آج فتاوی ثنائیہ محشی بحواشی شریفیہ مع تشریحات مفیدہ کی تکمیل سے فراغت حاصل ہوئی، ایک بہت بڑا سفر تھا، جو بالکل بیکسی ناتوانی کی حالت میں شروع کیا گیا، بالآخر باری تعالیٰ نے منزل مقصود پر پہنچایا، باری تعالیٰ اس دینی، علمی مجموعہ کو ملت اسلامیہ کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید بنائے، اور حضرت مفتی مرحوم کو فردوس بریں میں جگہ دے، ان کی لغزشوں سے معاف فرمائے، اور حضرت محشی مولانا و استاذنا مولوی ابو سعید شرف الدین صاحب محدث دہلوی دامت برکاتہم کو دونوں جہان میں جزائے خیر عطا فرمائے، جن کی پاکیزہ دعاؤں اور مخلصانہ تعاون سے یہ کٹھن منزل آسان ہوئی، اور علمی اعانت فرمانے والے حضرات علماء کرام کو بھی اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے، جنہوں نے اس کی ترتیب میں وقتاً فوقتاً اپنے قیمتی مشوروں سے مجھ کو مشکور کیا، اور ان جملہ بزرگان اسلام کو بھی جن کے علمی خزانوں و قیمتی مقالہ جات نے اس مجموعہ کو چار چاند لگائے، نیز ان حضرات کو جنہوں نے دامے، درمے، سخنے اس میں میرا ہاتھ بٹایا۔

ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین امنوا ربنا انک رءوف رحیم۔ وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وعلی اصحابہ والہ اجمعین ؎

بماند سالہا ایں نظم و ترتیب — ز ما ہر ذرہ خاک افتادہ جائے
غرض نقشے است کز ما یاد ماند — کہ ہستی را نمے بینم بقائے
مگر صاحب دلے روزے برحمت
کند در کار ایں خادم دعائے